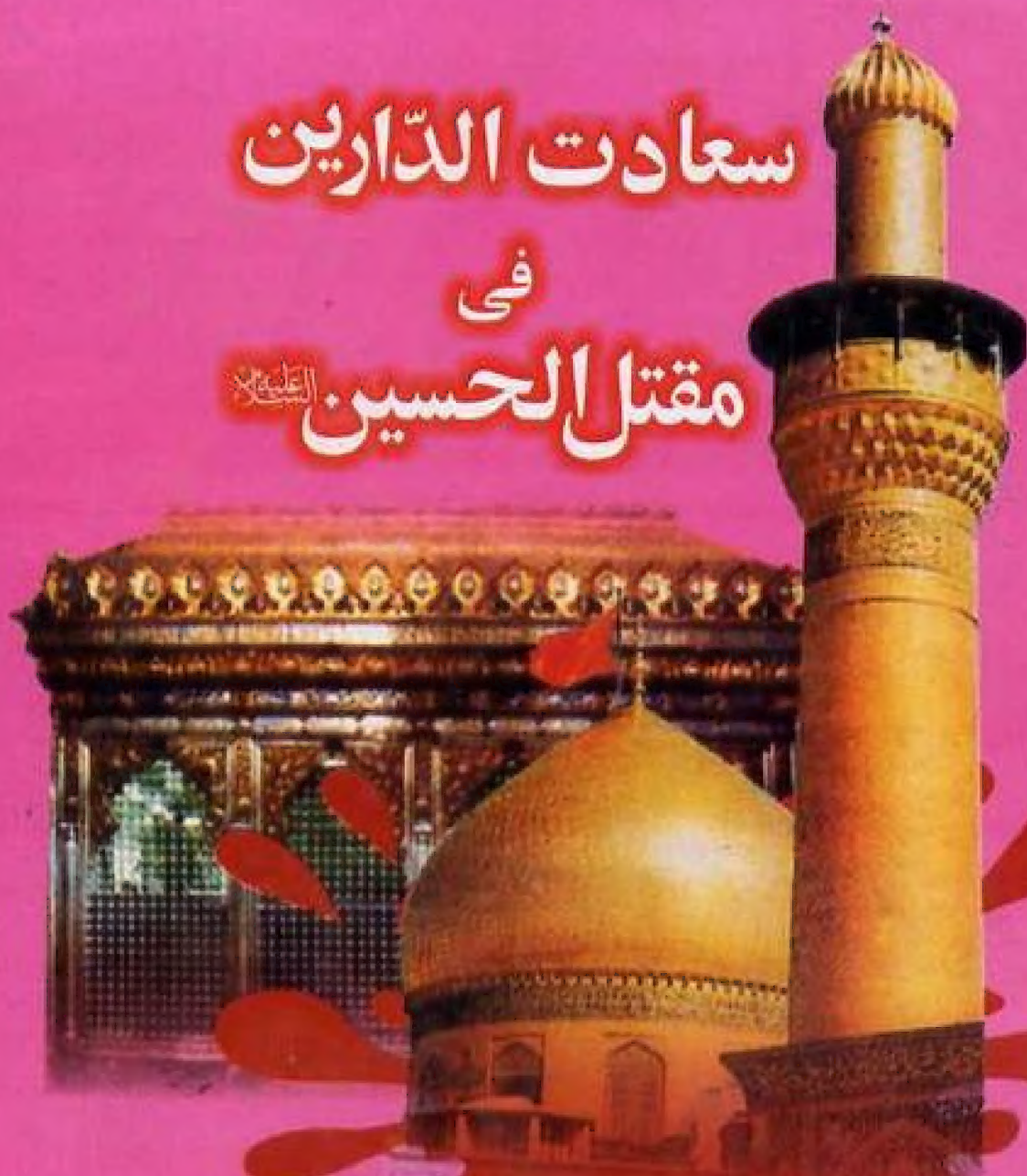


سَعَادَات الدَّارِينَ

فِي

مَقْتَلِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَام



تأليف: سيف

علامہ الشیخ محمد حسین النجفی مجتہد العصر مدظلہ العالی

اسلامک بک سنٹر، اسلام آباد



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ۔  
جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے انہیں کبھی مردہ نہ کہنا بلکہ (وہ لوگ) زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کی  
حقیقت کا شعور نہیں رکھتے۔ (سورہ بقرہ، آیت ۵۴)

کتابِ مستطاب

سَعَادَاتُ الدَّارِينَ

فِي

مَقْتَلِ الْحُسَيْنِ

تأليف

صدر المحققین، سلطان المتکلمین حجة الاسلام والمسلمین علامہ  
الشیخ محمد حسین ابنی قبلہ مجتہد العصر مدظلہ العالی

ناشر

اسلامک بک سینٹر، C-362، گلی نمبر 12، سیکٹر 2/G-6، اسلام آباد



## إهداء

ان خرف ریزوں کو عقیدت و اخلاص کے سلک میں پرو کر سرکار سید الشہداء ابو عبد اللہ الحسین علیہ السلام کی بارگاہ معلیٰ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔ اس امید کامل کے ساتھ کہ شاید ان کی نظر کی میا اثر سے ان کی آبرو میں اس قدر بڑھ جائے کہ سوائے جنت الفردوس کے ان کی اور کوئی قیمت مقرر نہ کی جاسکے۔ ع

آنسان کہ خاک را بنظر کیمیا کنند  
آیا بود کہ گوشه چشمی بمان کنند

الاحقر

محمد حسین غفرلہ

کوٹ فرید، سرگودھا

۲۴ دسمبر ۱۹۶۷ء

SIBTAIN.COM

## قطعة تاریخ کتاب سعادة الدارين

از قلم شاعر اہل بیت سید وزیر حسین وزیر شیرازی

دو اماموں کی سرگزشت ہے یہ  
اس لیے کہیے اس کو ذو القورین  
سال تاریخ یوں وزیر کہو  
”چاپ ثانی سعادت الدارين“



## جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	سعادت الدارین فی مقتل الحسینؑ
تالیف	:	علامہ الشیخ محمد حسین النجفی
تحقیق و تصحیح	:	علامہ آفتاب حسین جوادی
پیشکش	:	سید محمد ثقلین کاظمی
کمپوزنگ	:	غلام حیدر (میکسیما کمپوزنگ سینٹر، موبائل: 03335169622)
ناشر	:	اسلامک بک سینٹر، C-362، گلی 12، سیکٹر 2/G-6 اسلام آباد
طباعت	:	میکسیما پرنٹنگ پریس، راولپنڈی
طبع پنجم	:	مئی ۲۰۰۴ء بمطابق ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
قیمت	:	۳۰۰ روپے
تعداد	:	۱۰۰۰

### ملنے کا پتہ

میکسیما کمپوزنگ سینٹر  
آفس نمبر 19، تھرڈ فلور، ماسکو پلازہ،  
64-W، بلیو ایریا، اسلام آباد  
موبائل: 03335169622

اسلامک بک سینٹر  
مکان نمبر C-362، گلی نمبر 12،  
سیکٹر 2/G-6، اسلام آباد  
فون: 051-2870105



## عرض ناشر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خالق ارض و سماء کا خصوصی احسان و کرم ہے کہ اس نے ہمیں مکتب اہل بیت علیہم السلام جیسی عظیم نعمت سے نوازا ہے ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء۔

حقیقت امر یہ ہے کہ علامہ محمد حسین نجفی دامت فیوضہم العالیہ نے مختلف عنوانات پر بہت سی علمی اور جامع کتب تحریر فرمائی ہیں۔ جن میں سے ایک کتاب ”سعدت الدارین فی مقتل الحسینؑ“ بھی ہے۔ یہ بڑی تحقیقی کتاب ہے جو واقعات کر بلا پر سند کی حیثیت رکھتی ہے اس وقت تک اس کتاب کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ہماری خواہش تھی کہ یہ کتاب ایک اچھے اور خوبصورت انداز میں شائع ہو، چنانچہ جناب علامہ محمد حسین نجفی قبلہ سے اس کتاب کے پانچویں ایڈیشن کو اسلامک بک سینٹر اسلام آباد کی طرف سے شائع کرنے کی اجازت طلب کی گئی جو آپ نے بخوشی مرحمت فرمائی۔

اشاعت کی اجازت ملنے کے بعد اس کتاب کی تصحیح و تصویب کیلئے جناب مولانا آفتاب حسین جوادی دام مجدہ کو زحمت دی گئی چنانچہ انہوں نے پورے انہماک کے ساتھ اس مسودے پر نظر ثانی فرمائی جس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں، خداوند عالم ان کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے۔

ہم اس کتاب کو ممکن حد تک جدید کمپوزنگ، عمدہ و خوبصورت طباعت اور تصحیح کے ساتھ اپنائے قوم و ملت کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ بحق چہارہ معصومین علیہم السلام ہماری یہ ادنیٰ سی کوشش قبول فرمائے اور اسے ہمارے لیے ذریعہ بخشش قرار دے، واعظین و ذاکرین کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔

والسلام

سید محمد ثقلین کاظمی

اسلامک بک سینٹر، C-362، گلی نمبر 12

سیکٹر 6/2، اسلام آباد

تاریخ: ۱۲ مئی ۲۰۰۴ء بمطابق ۲۱ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ



# اجمالی فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مقدمہ	۱۵	۱۹	چوتھا شاہد: جھوٹی روایات اور غلط واقعات کا پڑھنا	۲۶
۲	بزرگوں کی یاد منانا اور اس کی غرض و غایت	۱۵	۲۰	کذب کی مذمت قرآن کی روشنی میں	۲۷
۳	مجالس عزاء کی تاریخ	۱۶	۲۱	مذمت کذب احادیث کی روشنی میں	۲۷
۴	مجالس و محافل کے فوائد و عوائد کا ایک شہ	۱۶	۲۲	خدا و رسول اور آئمہ طاہرین پر جھوٹ بھولنا اور	۲۸
۵	دعوت غور و فکر	۱۸	۱۸	بھی گناہ عظیم ہے	
۶	موجودہ روش و رفتار پر تنقید	۱۸	۲۳	ایک عبرت انگیز خواب	۲۸
۷	مجالس عزاء بہترین عبادت اور ذریعہ بخشش ہیں	۱۹	۲۴	ایک مفید مشورہ	۲۹
۸	مجالس کی موجودہ روش میں اصلاح کی ضرورت	۱۹	۲۵	ایک عذر لنگ کا ازالہ	۲۹
۹	اصلاح احوال کی زیادہ ذمہ داری علماء پر عائد ہوتی ہے	۲۰	۲۶	ایک غلط روش کی مذمت	۳۰
۱۰	کیا اصلاح ہونی چاہیے؟	۲۱	۲۷	ایک اور عذر بارود کا ازالہ	۳۰
۱۱	سب سے پہلی اصلاح اخلاص کا ہونا چاہیے	۲۱	۲۸	پانچواں شاہد: غنا و سود کا ارتکاب ہے	۳۱
۱۲	مجالس خواں طبقہ کی اکثریت کے اخلاص سے خالی ہونے کے شواہد و ہجگانہ	۲۲	۲۹	حرمت غنا قرآن کی روشنی میں	۳۱
۱۳	عدم اخلاص کا پہلا شاہد نفیس کا طے کرنا	۲۲	۳۰	حرمت غنا احادیث معصومین کی روشنی میں	۳۱
۱۴	آئمہ اطہار کے اپنے ماحین کو عطا کرنے والے	۲۳	۳۱	حرمت غنا اتفاق فقہاء کی روشنی میں	۳۲
	شبہ کا ازالہ		۳۲	قصائد و مرثی میں غنا کرنے کا گناہ زیادہ سخت ہے	۳۲
۱۵	مجالس پر نذرانہ لینے کے جواز کا طریقہ	۲۳	۳۳	موجودہ مجالس عزاء کی حالت زار پر صاحب	۳۳
۱۶	مستحبات پر اجرت لینے کے جواز والے شبہ کا ازالہ	۲۴	۲۳	البرہان کا تبصرہ	
۱۷	دوسرا شاہد	۲۵	۳۴	بانیان مجلس اور سامعین کی اکثریت کے دولت	۳۴
۱۸	تیسرا شاہد: اہل علم و ایمان کی توبہ و تہلیل کرنا	۲۶	۳۵	اخلاص سے تہی دامن ہونے پر شواہد و ہجگانہ	
				اثبات مدعا پر پہلا شاہد تیری میری مجلس کی	۳۴
				تفریق	



نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۶	دوسرا شاہد: بے جا تکلفات بارودہ کا ارتکاب	۳۵	۵۴	تیسرا وظیفہ: مجلس میں دنیوی خیالات سے	۳۶
۳۷	تیسرا شاہد: تعیش و مباحی کی تلاش	۳۵		فارغ ہو کر شریک ہونا	
۳۸	چوتھا شاہد: صالح و طالح کی عدم تمیز	۳۶	۵۵	چوتھا وظیفہ: مجالس میں شرکت سے ذاتی ترغ	۳۷
۳۹	پانچواں شاہد: سیرت حسینیؑ کا فقدان	۳۷		مانع نہ ہو	
۴۰	مجلس خواہ گروہ کے آداب دہ گانہ	۳۸	۵۶	پانچواں وظیفہ: اس حال میں شریک ہوں کہ	۳۸
۴۱	پہلا ادب صحت عقائد ہے	۳۸		سوگوار ہونا ظاہر ہو	
۴۲	اہل منبر کے لیے مفید مشورہ	۳۹	۵۷	چھٹا وظیفہ: بحالت نجاست شامل مجلس نہیں ہونا	۳۹
۴۳	دوسرا ادب: ضرورت اخلاص ہے	۴۰		چاہیے	
۴۴	تیسرا ادب: مقتضائے حال کے مطابق گفتگو کرنا	۴۰	۵۸	ساتواں وظیفہ: بکاء یا تبا کی کرنا چاہیے	۴۹
۴۵	چوتھا، پانچواں اور چھٹا ادب: فیس طے کرنے	۴۱	۵۹	آٹھواں وظیفہ: عزاء خانہ کو سادہ ہونا چاہیے	۴۹
	اور غنا سے اجتناب		۶۰	نواں وظیفہ: مجالس میں کچھ شیرینی تقسیم کرنا	۵۰
۴۶	ساتواں ادب: اہل منبر کو حسینیؑ سیرت کا عملی	۴۱		چاہیے	
	نمونہ پیش کرنا چاہیے		۶۱	دسواں وظیفہ: اسوۂ حسینیؑ کی تائسی کرنا چاہیے	۵۰
۴۷	آٹھواں ادب: واعظین کا بیان امید و بیم کے	۴۲	۶۲	کچھ موجودہ کتاب کے بارے میں	۵۱
	درمیان ہونا چاہیے			<b>باب نمبر ۱</b>	۵۵
۴۸	نواں ادب: مبلغین کو معصومین کے فرامین پر	۴۳	۶۳	حضرت امام حسینؑ کی ولادت باسعادت	۵۵
	اکتفا کرنا چاہیے			اور ابتدائی حالات	
۴۹	دسواں ادب: طول ممل و اختصار مغل سے	۴۳	۶۴	امام حسینؑ کی طہارت	۵۵
	اجتناب کرنا چاہیے		۶۵	کیفیت تسمیہ	۵۶
۵۰	واعظ میں کن صفات کا ہونا ضروری ہے	۴۴	۶۶	عقیقۃ الحسینؑ	۵۶
۵۱	بانیان مجالس اور سامعین کرام کے دہ گانہ	۴۴	۶۷	تربیۃ الحسینؑ	۵۷
	و ناطف کا بیان		۶۸	ولادت حسینؑ پر زینت جنان و نمود نیران	۵۸
۵۲	پہلا وظیفہ: خلوص نیت ہے	۴۵	۶۹	تہنیت ملائکہ	۵۸
۵۳	دوسرا وظیفہ: جہاں غیر شرعی امور کا ارتکاب ہو	۴۵	۷۰	ولادت حسینؑ کے وقت گریہ رسول مقبول	۵۸
	وہاں شرکت نہ کرنا		۷۱	شمال نبویہؑ کی تقسیم	۵۹



صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۹۰	دوسرا معجزہ	۸۹	۵۹	محبت رسول ﷺ بہ امام حسین	۷۲
۹۱	تیسرا معجزہ	۹۰	۶۰	جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے	۷۳
۹۱	چوتھا معجزہ	۹۱		بیٹے ابراہیم کو حسین علیہ السلام پر قربان کرنا	
۹۲	پانچواں معجزہ	۹۲	۶۲	مسلمانوں پر محبت حسین واجب ہے	۷۴
۹۳	<b>باب نمبر ۵</b>	❁	۶۴	<b>باب نمبر ۲</b>	❁
۹۳	امام حسین علیہ السلام کی امامت حق کے بعض دلائل و	۹۳	۶۴	حضرت امام حسین علیہ السلام کے نسبی خصوصیات اور	۷۵
	براین			خاندانی روایات	
۹۷	<b>باب نمبر ۶</b>	❁	۶۵	شہزادہ کوئین کا حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ مفاخرہ	۷۶
۹۷	حضرت امام حسین علیہ السلام کی ازواج محترمت اور	۹۴	۶۸	<b>باب نمبر ۳</b>	❁
	اولاد امجاد		۶۸	حضرت امام حسین علیہ السلام کے جسی کمالات یعنی ان	۷۷
۱۰۱	<b>باب نمبر ۷</b>	❁		کے ذاتی اطوار و اخلاق اور نفسانی فضائل و مناقب	
۱۰۱	امام حسین علیہ السلام کی زندگی کا دوسرا دور وفات	۹۵	۶۹	حسین علیہ السلام کے کمالات علمیہ	۷۸
	تیسرے شہادت جناب امیر اور شہادت		۷۴	حسین علیہ السلام کی فصاحت و بلاغت	۷۹
	جناب امیر سے شہادت امام حسن تک سن ۱۱ھ		۷۹	امام کے کلام منظوم کا نمونہ	۸۰
	تا ۴۰ھ تا ۵۵ھ		۸۱	امام حسین علیہ السلام کی سخاوت اور اہل قدر کی قدرو	۸۱
۱۲۱	<b>باب نمبر ۸</b>	❁		ہمت افزائی	
۱۲۱	حضرت امام حسین علیہ السلام کی زندگی کا تیسرا دور	۹۶	۸۲	ہمدردی خلافت	۸۲
	شہادت امام حسن علیہ السلام ۵۰ھ سے ۶۰ھ تک		۸۳	امام حسین علیہ السلام کی تواضع اور بخشش بر مساکین	۸۳
۱۳۳	<b>باب نمبر ۹</b>	❁	۸۳	امام حسین علیہ السلام کا اہل تقصیر سے غفور و درگزر	۸۴
۱۳۳	آیا امام حسین علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ ایک اتفاقی	۹۷	۸۵	امام حسین علیہ السلام کی عبادت و زہادت	۸۵
	حادثہ تھا یا مسلسل علل و اسباب کا نتیجہ تھی		۸۷	امام حسین علیہ السلام کی شجاعت و شہامت	۸۶
۱۳۴	شہادت حسین کی پہلی اینٹ واقعہ عقبہ ہے	۹۸	۸۹	<b>باب نمبر ۴</b>	❁
۱۳۵	دوسری اینٹ واقعہ تبلیغ سورۃ برأت	۹۹	۸۹	حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعض معجزات کا	۸۷
۱۳۵	تیسری اینٹ واقعہ غدیر	۱۰۰		بیان	
۱۳۵	چوتھی اینٹ تحلف از جمیش اسامہ	۱۰۱	۸۹	پہلا معجزہ	۸۸



نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۲	پانچویں اینٹ واقعہ قرطاس	۱۳۶	۱۱۷	تیسرا فرق	۱۵۰
۱۰۳	شہادت حسینؑ کی چھٹی اینٹ	۱۳۸	۱۱۸	چوتھا فرق	۱۵۲
۱۰۴	شہادت حسینؑ کی ساتویں اینٹ سقیفہ بنی ساعدہ	۱۳۹	۱۱۹	پانچواں فرق	۱۵۴
۱۰۵	شہادت حسینؑ کی آٹھویں اینٹ حضرت امیرؑ کی گرفتاری	۱۴۰	۱۲۰	چھٹا فرق	۱۵۴
۱۰۶	شہادت حسینؑ کی نویں اینٹ خانہ علی و بتول کو آگ لگانے کی دھمکی	۱۴۰	❖	<b>باب نمبر ۱۱</b>	۱۵۶
۱۰۷	قتل حسینؑ کی دسویں اینٹ محرومی جناب سیدہ از میراث	۱۴۱	۱۲۱	آیا امام حسینؑ کا یہ اقدام باغیانہ تھا؟ (معاذ اللہ)	۱۵۶
۱۰۷	قتل حسینؑ کی دسویں اینٹ محرومی جناب سیدہ از میراث	۱۴۱	۱۲۲	یزید کے حقیقی خدو خال، تاریخ کی روشنی میں	۱۵۶
۱۰۸	شہادت حسینؑ کی گیارہویں اینٹ بنی امیہ کی اسلامی عہدوں پر تقرری ہے	۱۴۲	۱۲۳	خلافت یزید کے ناجائز ہونے کی پہلی وجہ	۱۵۷
۱۰۹	شہادت حسینؑ کی بارہویں اینٹ امیر شام معاویہ ہے	۱۴۳	۱۲۴	دوسری وجہ	۱۵۸
۱۱۰	شہادت حسینؑ کی تیرہویں اینٹ شوریٰ ہے	۱۴۴	۱۲۵	تیسری وجہ	۱۶۰
۱۱۱	شہادت حسینؑ کی چودھویں اینٹ خلافت عثمان ہے	۱۴۵	۱۲۶	یزید کے بعض کافرانہ عقائد و نظریات	۱۶۰
۱۱۲	پندرہویں اینٹ حضرت عائشہ کی مہربانیاں	۱۴۵	۱۲۷	حلت شراب کے متعلق یزید کا نظریہ اور پینے کے متعلق معاویہ کی تدبیر	۱۶۱
۱۱۳	سولہویں اور آخری اینٹ خلافت یزید ہے	۱۴۵	۱۲۸	یزید اور محرمات شرعیہ سے زنا اور ترک صلوٰۃ و شرب خمر	۱۶۲
❖	<b>باب نمبر ۱۰</b>	۱۴۶	۱۲۹	یزید کے عام عادات و اطوار	۱۶۳
۱۱۴	امام حسنؑ کی صلح اور امام حسینؑ کی جنگ بالفاظ دیگر امام حسنؑ کے تقیہ کرنے اور امام حسینؑ کے تقیہ نہ کرنے کے بعض رموز و اسرار	۱۴۷	۱۳۰	یزید کے متعلق اسلامی دنیا کی رائے	۱۶۴
۱۱۵	صلح حسنؑ و اقدام حسینؑ کا پہلا فرق	۱۴۸	۱۳۱	ایک مشہور شبہ کا جواب	۱۶۷
۱۱۶	دوسرا فرق	۱۴۹	❖	<b>باب نمبر ۱۲</b>	۱۷۲
			۱۳۲	حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا مقصد کیا ہے	۱۷۲
			۱۳۳	کام کی قدر و قیمت اس کی غرض و غایت کے تابع ہوتی ہے	۱۷۲
			۱۳۴	شہادت حسینؑ نے بنی امیہ کے خلاف اسلام کردار کو بے نقاب کر دیا	۱۷۲



نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۳۵	شہادت حسینؑ بقائے اسلام کی ضامن ہے	۱۷۳	۱۹۳	<b>باب نمبر ۱۵</b>	
۱۳۶	شہادت حسینؑ پورے عالم انسانیت کو ہلاکت ابدی سے بچانے کا سبب ہے	۱۷۴	۱۹۳	حضرت امام حسینؑ کی مدینہ منورہ سے مکہ معتقلہ کی طرف ہجرت	
۱۳۷	مقصود شہادت حسینؑ خود امام حسینؑ کے کلام حقیقت ترجمان کی روشنی میں	۱۷۶	۱۹۵	جناب محمد بن حنفیہ اور امام عالی مقامؑ کے درمیان مکالمہ	
۱۳۸	کیا حسینؑ کا مدعا دنیاوی سلطنت و بادشاہی کا حاصل کرنا تھا؟	۱۷۷	۱۹۶	جناب ام سلمہؓ اور امام عالی مقامؑ کے درمیان گفتگو	
۱۳۹	حضرت امام حسینؑ کی روش نزاعی نہ تھی بلکہ دفاعی تھی	۱۷۸	۱۹۷	عبداللہ بن عمر کا مشورہ	
۱۴۰	امام حسینؑ کے نام لیواؤں سے چند باتیں	۱۷۸	۱۹۸	دو مشہور غلط فہمیوں کا ازالہ	
	<b>باب نمبر ۱۳</b>	۱۷۹	۱۹۸	جناب فاطمہ صغریٰؓ کے مدینہ میں ام سلمہؓ کے پاس چھوڑے جانے کی تحقیق	
۱۴۱	شہادت امام حسینؑ بختیہ پاک کے ارشادات کی روشنی میں	۱۷۹	۲۰۱	ایک مشہور شبہ کا ازالہ	
۱۴۲	جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر شہادت حسینؑ	۱۷۹	۲۰۱	بوقت روانگی از مدینہ سید الشہداء و شاہانہ شان و شکوہ کے مظاہرہ والی روایت کی تحقیق	
۱۴۳	حضرت امیرؑ کا شہادت حسینؑ کی خبر دینا	۱۸۰	۲۰۶	<b>باب نمبر ۱۶</b>	
۱۴۴	امام حسن مجتبیٰؑ کا امام حسینؑ کی خبر شہادت دینا	۱۸۱	۲۰۶	شہنشاہ مدینہ کی حرم خدا میں پناہ	
۱۴۵	جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا شہادت حسینؑ پر مطلع ہونا	۱۸۲	۲۰۸	اہل کوفہ کے خطوط امام عالی مقامؑ کے نام	
۱۴۶	خود امام حسینؑ کا اپنی شہادت کی خبر دینا	۱۸۲	۲۱۲	<b>باب نمبر ۱۷</b>	
	<b>باب نمبر ۱۴</b>	۱۸۳	۲۱۲	اس امر کی تحقیق کہ قاتلان حسینؑ شیعہ تھے	
۱۴۷	یزید کی تخت نشینی اور حضرت امام حسینؑ سے بیعت لینے پر اصرار اور امام حسینؑ کا انکار	۱۸۳	۲۱۲	ذمہ داران شہادت حسینؑ کا کفر و الحاد	
			۲۱۳	دو ضروری تنقیحیں	
			۲۱۵	قاتلان حسینؑ کے مذہب پر تاریخی شواہد و قرائن	
			۲۱۹	حضرت مسلمؑ کے ہاتھ پر اٹھارہ ہزار کوفیوں کے بیعت کرنے کے اسباب	
			۲۲۱	شیعیان کوفہ کی نصرت و امداد امامؑ میں تفصیل و کو تاہی کے علل و اسباب	



نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۶۳	جب امام عالی مقام کو اہل کوفہ کی وفاداری پر یقین نہ رہا تو پھر ان کی دعوت قبول کیوں فرمائی؟	۲۲۳	❁	<b>باب نمبر ۲۰</b>	۲۸۳
			۱۸۱	دو محرم سے شب عاشورا تک کے حالات و واقعات	۲۸۳
❁	<b>باب نمبر ۱۸</b>	۲۲۷	۱۸۲	حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے نام ابن زیاد کا خط	۲۸۳
۱۶۵	حضرت مسلم بن عقیل کی بجانب کوفہ روانگی اور شہادت	۲۲۷	۱۸۳	سوم محرم الحرام کو عمر بن سعد کا چار ہزار لشکر کے ساتھ کربلا میں پہنچنا	۲۸۳
۱۶۶	نعمان بن بشیر حاکم کوفہ	۲۳۰	۱۸۴	ابن زیاد کا قتل فرزند رسول کے لیے لوگوں کو برا بھلا بھینٹ کرنا	۲۸۶
۱۶۷	ہوا خواہان بنی امیہ کا یزید کے پاس نعمان کے متعلق شکایتی خطوط لکھنا	۲۳۱	۱۸۵	امام عالی مقام کے جواب پر تبصرہ اور ایک مشہور غلط فہمی کا ازالہ	۲۸۸
۱۶۸	نعمان بن بشیر کی معزولی	۲۳۱	۱۸۶	چوتھی محرم اور کربلا میں فوجیں ہی فوجیں	۲۸۹
۱۶۹	عبید اللہ بن زیاد کی بجانب کوفہ روانگی	۲۳۲	۱۸۷	امام عالی مقام اور عمر بن سعد کے درمیان کیا گفتگو ہوئی؟	۲۹۲
۱۷۰	ابن زیاد کا کوفہ میں ورود	۲۳۴	۱۸۸	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۲۹۳
۱۷۱	جناب مسلم کا مختار کے گھر سے جناب ہانی کے گھر منتقل ہونا	۲۳۴	۱۸۹	عمر بن سعد کی ناکامی کے اسباب	۲۹۵
۱۷۲	ابن زیاد کا مکر و حیلہ سے جناب مسلم کے حالات معلوم کرنا	۲۳۴	۱۹۰	ساتویں محرم اور خاندان نبوت پر بندش آب	۲۹۸
۱۷۳	جناب ہانی کی وجاہت اور جلالت قدر	۲۳۵	۱۹۱	حصول آب کی کوششیں	۲۹۹
۱۷۴	حضرت مسلم کی ظاہری ناکامی کے اسباب	۲۳۹	۱۹۲	دو بار خیام حسین میں پانی کا پہنچنا	۳۰۲
۱۷۵	جناب طوعہ کا مختصر تعارف	۲۴۱	۱۹۳	نویں محرم کے واقعات	۳۰۳
❁	<b>باب نمبر ۱۹</b>	۲۵۳	۱۹۴	شب عاشورا کے واقعات	۳۰۶
۱۷۶	شہنشاہ عرب و عجم کی مکہ مکرمہ سے بجانب کربلا معنی روانگی اور منازل سفر	۲۵۴	۱۹۵	ایک رات کی مہلت لینے کی مصالحت	۳۰۷
۱۷۷	ابن عباسؓ کا مشورہ	۲۵۵	۱۹۶	امام (علیہ السلام) اصحاب کو جنت میں ان کے مکانات دکھاتے ہیں	۳۱۰
۱۷۸	مکہ سے کربلا تک منازل سفر کا بیان	۲۵۷	۱۹۷	شب عاشورا کا ایک خاص واقعہ	۳۱۲
۱۷۹	کربلا میں ورود	۲۸۲			
۱۸۰	ایک مشہور واقعہ پر تنقید	۲۸۳			



صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۲۲	افادہ راجع بطریق ہائے جنگ	۲۱۵	۳۱۵	<b>باب نمبر ۲۱</b>	۱۹۸
۳۲۳	ایک سو پینتالیس شہداء کربلا کے حالات و	۲۱۶	۳۱۵	روز عاشوراء	۱۹۸
۳۲۱ تا ۳۲۲	واقعات شہادت کا تذکرہ	۲۱۵	۳۱۵	سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور ان کے اغزو	۱۹۹
۳۲۳	<b>باب نمبر ۲۳</b>	۱۹۹	۳۱۵	اعوان کی بے مثال قربانیاں	۲۰۰
۳۲۳	واقعہ کربلا میں بنی ہاشم کی عظیم الشان قربانیاں	۲۱۷	۳۱۷	شکر خائف کی تعداد کس قدر تھی	۲۰۱
۳۲۳	شہداء بنی ہاشم کی تعداد کتنی ہے	۲۱۸	۳۱۸	بیابان حسینی کی تعداد کس قدر تھی	۲۰۲
۳۲۴	شہزادہ علی اکبر کی شہادت کے جامع اور مکمل	۲۱۹	۳۲۰	بعض بے دینوں کی گستاخیاں اور سزا یابیاں	۲۰۳
	حالات		۳۲۲	اتمام حجت کے لیے امام کا روز عاشوراء خطبہ	۲۰۴
۳۲۷	چند امور مذمہ کی تصحیح	۲۲۰	۳۲۸	خز کا بارگاہ حسینی میں حاضر ہونا	۲۰۵
۳۲۸	اولاد عقیل بن ابی طالب کی قربانیاں	۲۲۱	۳۳۲	پرسعد کی طرف سے آغاز جنگ	۲۰۶
۳۲۸	جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیل بن ابی طالب	۲۲۲	۳۳۳	بعض تحقیقات ایقہ	۲۰۷
	کی شہادت		۳۳۳	جناب خُر " کس وقت جماعت حسینی میں شامل	۲۰۷
۳۲۹	آل ابی طالب کا یکبارگی حملہ	۲۲۳		ہوئے	
۳۳۰	محمد بن مسلم بن عقیل بن ابی طالب کی شہادت	۲۲۴	۳۳۳	جناب خُر " تنہا آئے یا بھائی، بیٹا اور غلام بھی	۲۰۸
۳۳۰	جعفر بن عقیل بن ابی طالب کی شہادت	۲۲۵		ہمراہ تھے	
۳۳۱	عبدالرحمن بن عقیل بن ابی طالب کی شہادت	۲۲۶	۳۳۵	آیا جملہ اولیٰ میں انصار حسینی کا کوئی جانی	۲۰۹
۳۳۱	محمد بن ابی سعید بن عقیل بن ابی طالب کی شہادت	۲۲۷		نقصان ہوا	
۳۳۱	اولاد جعفر طیار کی قربانیاں	۲۲۸	۳۳۷	<b>باب نمبر ۲۲</b>	۲۱۰
۳۳۱	محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار کی شہادت	۲۲۹	۳۳۷	انصار حسینی کے مختصر حالات و شہادات اور ان	
۳۳۲	عماد بن عبداللہ بن جعفر طیار کی شہادت	۲۳۰		کے زوئیں کا رتا ہے	
۳۳۲	اولاد امام حسن علیہ السلام کی قربانیاں	۲۳۱	۳۳۸	فضیلت شہادت عقیل سلیم کی روشنی میں	۲۱۱
۳۳۲	شہزادہ قاسم بن حسن بن علی کی شہادت	۲۳۲	۳۳۸	فضیلت شہادت قرآن کریم کی روشنی میں	۲۱۲
۳۳۰	ایک خیال کا ابطال	۲۳۳	۳۳۹	فضیلت شہادت احادیث معصومین کی روشنی	۲۱۳
۳۳۱	مرسوم شہزادہ قاسم کی پانچویں لاش کی تحقیق	۲۳۳		میں	
			۳۴۰	شہداء کربلا کی خصوصی فضیلت	۲۱۴



صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۴۷۷	<b>باب نمبر ۲۴</b>	۴۵۶	۴۴۳	واقعات کربلا کی صحت و سقم معلوم کرنے کا معیار	۴۳۵
۴۷۷	امام علیؑ کی شہادت عظمیٰ سے لے کر اسیری اہل بیت تک کے واقعات	۴۵۶	۴۴۳	شہزادہ قاسم کی شہادت	۴۳۶
۴۷۸	امام علیؑ کی لاش مقدس کی عریانی	۴۵۷	۴۴۶	ابوبکر بن حسن بن علیؑ کی شہادت	۴۳۷
۴۷۹	جناب سید الشہداء علیؑ کی لاش مقدس کو پامال سم اسپاں کرنے کی تحقیق	۴۵۸	۴۴۶	عبداللہ (الاصغر) بن الحسن بن علیؑ کی شہادت	۴۳۸
۴۸۱	اسپ امام کا عجیب کیفیت کے ساتھ خیام کی طرف آنا	۴۵۹	۴۴۸	اولاد امیر المؤمنین علیؑ کی قربانیاں	۴۳۹
۴۸۲	ایضاح و رکشف ابہام از نام اسپ امام	۴۶۰	۴۴۸	ابوبکر بن علیؑ بن ابی طالبؑ کی شہادت	۴۴۰
۴۸۳	تاریخی خیام اہل بیت کے واقعات	۴۶۱	۴۴۸	محمد بن علیؑ بن ابی طالبؑ کی شہادت	۴۴۱
۴۸۶	دفن شہداء کربلا کی تحقیق	۴۶۲	۴۴۹	عبداللہ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کی شہادت	۴۴۲
۴۹۳	سید الشہداء علیؑ کے قاتل کی تعیین	۴۶۳	۴۴۹	عثمان بن علیؑ بن ابی طالبؑ کی شہادت	۴۴۳
۴۹۳	جناب مخدومہ شہربانوؑ کے طوس جانے کی تحقیق	۴۶۴	۴۵۰	جعفر بن علیؑ بن ابی طالبؑ کی شہادت	۴۴۴
۴۹۷	شام غریباں کے دل خراش واقعات پر مختصر تبصرہ	۴۶۵	۴۵۱ تا	قمر بنی ہاشم عباس بن علیؑ بن ابی طالبؑ کی شہادت مع ذکر فضائل و حالات	۴۴۵
۴۹۹	<b>باب نمبر ۲۵</b>	۴۶۶	۴۶۲	امام علیؑ کے طفل شیر خوار کی شہادت	۴۴۶
۴۹۹	ابتداءً اسیری اہل بیت سے روانگی شام تک کے حالات	۴۶۶	۴۶۲	سید الشہداء علیؑ کا مخدرات سے الوداع ہونا	۴۴۷
۵۰۱	امام سجاد علیؑ کی بیقراری اور شریکۃ الحسنینؑ کی دلجوئی	۴۶۷	۴۶۷	اسرار امامت و وداع نبوت کی تحویل	۴۴۸
۵۰۲	اسرار اہل بیت کی کوفہ میں آمد	۴۶۸	۴۶۷	امام کا آخری وقت لباس کہنہ طلب فرمانا	۴۴۹
۵۰۵	جناب زینب عالیہ کا خطبہ	۴۶۹	۴۶۸	شبیر جہانگیر عرصہ رزم گاہ کربلا میں	۴۵۰
۵۰۸	جناب فاطمہ صغریٰ کا خطبہ	۴۷۰	۴۶۹	فرزند حیدر کرار کی بے مثال بہادری کے کارنامے	۴۵۱
۵۱۲	حضرت امام زین العابدینؑ کا خطبہ	۴۷۱	۴۷۰	شمر ذی الجوشن کا خیام امام کو لوٹنے کا ارادہ کرنا	۴۵۲
۵۱۴	ابن زیاد کی سر سید الشہداء علیؑ کے ساتھ بے ادبی	۴۷۲	۴۷۱	نہر فرات پر ساقی کوثر کے فرزند کا قبضہ	۴۵۳
			۴۷۲	امام علیؑ کا دوسری بار اہل حرم کو الوداع کہنا	۴۵۴
			۴۷۳	امام مظلوم علیؑ کے زخموں کی تعداد	۴۵۵



نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۷۳	اسیران آل محمدؐ کا دربار ابن زیاد میں ورود	۵۱۵	۲۹۰	تنب کبریٰ سلام اللہ علیہا کا دربار یزید میں	۵۳۶
۲۷۴	دربار میں بنت حیدر کراچی ابن زیاد سے گفتگو	۵۱۵		تاریخی خطبہ	
۲۷۵	امام سجادؑ کا ابن زیاد کے ساتھ مکالمہ	۵۱۷	۲۹۱	جناب فاطمہ بنت الحسینؑ اور ایک ناواقف	۵۵۰
۲۷۶	ابن زیاد کا جامع مسجد کوفہ میں شراغیز خطبہ	۵۱۸		حال شامی کی گستاخی	
۲۷۷	سید الشہداءؑ کی شہادت کی مدینہ میں اطلاع	۵۲۲	۲۹۲	امام زین العابدینؑ کے ساتھ یزید کا مکالمہ	۵۵۱
	<b>باب نمبر ۲۶</b>				
۲۷۸	اسیران آل محمدؐ کی روانگی بجانب شام اور منازل سفر کے حالات	۵۲۵	۲۹۳	یزید کا ایک دین فروش خطیب کو مذمت اہل بیت کا حکم دینا	۵۵۲
۲۷۹	آل محمدؐ کا قافلہ کب کوفہ سے روانہ ہوا اور کب شام پہنچا	۵۲۵	۲۹۴	اسیران آل محمدؑ علیہم السلام زندان شام میں	۵۵۵
۲۸۰	کوفہ سے شام تک منازل سفر کی تعیین و تحقیق	۵۲۶	۲۹۵	زندان شام اور دربار یزید کے بعض واقعات	۵۵۶
۲۸۱	کیا صرف مخدرات عصمت کو شام لے جایا گیا یا دوسری عورتیں بھی ہمراہ قید تھیں	۵۲۸	۲۹۶	حضرت امام سجادؑ سے منہال کی ملاقات	۵۵۸
۲۸۲	سربائے شہداء اور اسیران خانوادہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شام کی طرف روانگی	۵۲۹	۲۹۷	جناب سیکہ بنت الحسینؑ کا زندان شام میں ایک عجیب خواب دیکھنا	۵۵۹
۲۸۳	سفر شام کے بعض کرامات و واقعات	۵۳۱	۲۹۸	ہند زوجہ یزید کے حالات و واقعات	۵۶۰
۲۸۴	اسیران آل محمدؐ کا شام میں داخلہ	۵۳۵	۲۹۹	یزید کا قتل امام کی سازش کرنا اور اس میں ناکام ہونا	۵۶۳
۲۸۵	بعض تابعین کی روپوشی	۵۳۶	۳۰۰	جناب سیکہ بنت الحسینؑ کے زندان شام میں وفات پانے کی رو	۵۶۳
۲۸۶	یزید کے کافرانہ اشعار اور مسرت کا اظہار	۵۳۶	۳۰۱	اسیران اہل بیت کتنا عرصہ زندان شام میں رہے	۵۶۴
۲۸۷	داخلہ شام کے وقت اسیران آل رسولؐ کی کیفیت	۵۳۸	۳۰۲	رہائی اہل بیت اور اس کے علل و اسباب	۵۶۹
۲۸۸	ایک بوڑھے شامی کی گستاخی اور پھر توبہ	۵۴۳	۳۰۳	اسیران آل محمدؑ علیہم السلام کا رہائی کے بعد کربلا میں ورود	۵۷۴
۲۸۹	زحر بن قیس کی دربار یزید میں غلط رپورٹ	۵۴۴	۳۰۴	زیارت اربعین کی فضیلت	۵۷۶



صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۶۳۲	<b>باب نمبر ۳۰</b>	❁	۵۸۵	<b>باب نمبر ۲۷</b>	❁
۶۳۲	امام حسین علیہ السلام کا مقام اور کام مفکرین عالم کی نظر میں	۳۲۱	۵۸۵	ان شہداء کی شہادتوں کا بیان جن کا واقعہ کربلا کے ساتھ بالواسطہ گہرا ربط ہے	۳۰۵
۶۳۸	خاتمۃ الکتاب انقلاب عالم اسلام یا نافرجام قاتلان حسین کا عبرت ناک انجام	۳۲۲	۵۸۶	شہادتِ فرزندِ ان مسلم بن عقیل	۳۰۶
۶۳۸	جماعت تو امین اور اس کے کارناموں کا تذکرہ	۳۲۳	۵۸۶	بعض تحقیق طلب امور پر تبصرہ	۳۰۷
۶۵۲	مختار آل محمد کے قاتلانِ امام سے انتقام لینے کا بیان	۳۲۴	۵۹۵	<b>باب نمبر ۲۸</b>	❁
۶۵۲	مختار کے حسب و نسب کا مختصر تعارف	۳۲۵	۵۹۵	اسیرانِ آل محمد کا مختصر تعارف	۳۰۸
۶۵۲	مختار کی مدح اور قدح میں روایات کا اختلاف	۳۲۶	۵۹۵	امام علی بن الحسین علیہ السلام المعروف بہ امام زین العابدین کے مختصر مگر جامع حالات	۳۰۹
۶۵۳	مختار زندانِ ابن زیاد میں	۳۲۷	۵۹۷	امام محمد بن علی الباقر علیہ السلام کے مختصر مگر جامع حالات	۳۱۰
۶۵۵	مختار رہائی کے بعد حجاز میں	۳۲۸	۵۹۹	حضرت زینب بنت علی علیہ السلام کے مختصر مگر جامع حالات زندگی	۳۱۱
۶۵۶	مختار دوبارہ زندانِ کوفہ میں	۳۲۹	۶۰۵	جناب ام کلثوم بنت امیر المومنین	۳۱۲
۶۵۷	مختار کی قید سے رہائی	۳۳۰	۶۰۵	جناب رقیہ کبریٰ بنت امیر المومنین	۳۱۳
۶۵۸	عبداللہ بن یزید کی بجائے عبداللہ بن مطیع کا تقرر	۳۳۱	۶۰۶	جناب فاطمہ بنت الحسین	۳۱۴
۶۵۸	ابراہیم بن مالک اشتر کی شمولیت	۳۳۲	۶۰۸	جناب ربیع بنت امراء القیس الکلبیہ	۳۱۵
۶۵۸	عملی اقدام کا ہنگام	۳۳۳	۶۱۰	<b>باب نمبر ۲۹</b>	❁
۶۶۲	کوفہ کے بعض شریکینِ شورش	۳۳۴	۶۱۰	واقعہ کربلا کے اخلاقی و افادہ منہج آثار	۳۱۶
۶۶۲	تکمیل مقصد کا ہنگام آ گیا	۳۳۵	۶۱۱	شہادتِ حسین صدقت اسلام کی ناقابل تردید دلیل ہے	۳۱۷
۶۶۲	قاتلانِ حسین کے گھروں کا ڈھایا جانا	۳۳۶	۶۲۲	حسینی شہادت کا دوسرے شہداء سے سرسری مقابلہ	۳۱۸
۶۶۳	سید الشہداء علیہ السلام کی لاش مقدس کو پامال کرنے والوں کا قتل کرنا	۳۳۷	۶۲۳	امام علیہ السلام کے سر پر مصیبت کا یہ کوہِ گراں کیوں رکھا گیا	۳۱۹
۶۶۵	قاتلانِ حسین کو عبرت ناک سزائیں	۳۳۸	۶۲۹	لحجہ فکر یہ یا ملت گریہ کن سے دو باتیں	۳۲۰
۶۷۴	مختار کا ہنگامِ وفات	۳۳۹			



## مقدمہ

### بزرگوں کی یاد منانا اور اس کی غرض و غایت

زندہ قوموں کا دستور ہے کہ وہ اپنے واجب الاحترام بزرگوں کی یاد منانے اور ان کے عظیم کارناموں کا تذکرہ کر کے نئی پود کے خون کو گرمانے اور ان میں جذبہ عمل پیدا کرنے کو اپنے لیے مایہ سعادت مندی اور اس میں تقصیر و کوتاہی کرنے کو گناہ تصور کرتی ہیں۔ اسلام بھی اسی فطری تقاضا کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے یہ تعلیم دیتا ہے: ﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ محسن کے احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دینا چاہیے۔ یہ اور بات ہے کہ جس قدر واقعہ کی اہمیت اور صاحب واقعہ کی عظمت ہوتی ہے۔ اسی کے مطابق اس کی یادگار مہتمم بالشان اور مؤثر ہوتی ہے۔

یادگاروں کے قائم کرنے کا خواہ وہ کسی قوم و ملت سے متعلق ہوں۔ مذہبی ضرورت سے قائم کی گئی ہوں یا قومی لحاظ سے، ایک ہی مقصد ہوتا ہے اور وہ مقصد یہ ہے کہ تمام آنے والی نسلیں جب تک وہ یادگار قوم کے تغافل سے محفوظ اور اپنی قوت اثر کے لحاظ سے قائم رہ سکتی ہے۔ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ کم از کم سال میں ایک مرتبہ اس یادگار کے ہیر و کا کریکٹر و کردار ان کے پیش نظر ہو جائے۔ وہ اس کی ارادی و عملی قوتوں پر غور کریں۔ اپنے جذبات کی تصحیح اور شعار کی اصلاح میں اس کے واقعات سے مدد لیں تاکہ اگر کبھی زمانہ اور وقت اس کا مقتضی ہو تو دنیا کے سامنے ویسی ہی شاندار اور زریں مثال پیش کر سکیں۔

محترم کا حسین ایسے ہی کریکٹر و کردار کا انسان تھا جس کے واقعات کا مطالعہ اور جس کی یادگار کا مشاہدہ ہر قوم و ملت کے افراد کے لیے یکساں مفید اور سبق آموز ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے انسانیت کی حفاظت، حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت میں ایسی شاندار قربانیاں دی ہیں اور نوع انسان کو فلسفہ اخلاق کے وہ درس دیئے ہیں کہ جن کی



بدولت اقوام عالم میں انتہائی بلند و بالا مقام حاصل کر لیا ہے۔ آج وہ تنہا مدینہ و کربلا کا، شیعہ اور سنی مسلمانوں کا، ہندوؤں اور دوسری قوموں کا حسین نہیں ہے بلکہ ایک انگریز کے قول کے مطابق تمام دنیا کا حسین ہے۔ گویا پُر درد واقعہ جس کی یاد ہر مومن کے لوح قلب پر کائنات علی الحجر کندہ ہے۔ بظاہر کسی رکھی یادگار کا محتاج نہیں ہے لیکن یہ ایک ناشکر گزاری ہوتی۔ اگر مسلمان اپنے محسن ہیرو کی جو اسلام کو نئے سرے سے زندہ کرنے والا اور اس کی بقاء ہستی کا باعث ہے اور جس کی عظیم الشان اور بے مثال قربانی پر اسلامی تاریخ جس قدر فخر و ناز کرے کم ہے، کوئی یادگار قائم نہ کرے! مسلمانوں نے یادگار قائم کی اور ایسی کی کہ دوسری قومیں اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتیں۔ (مجاہد اعظم)

### مجالس عزاء کی تاریخ

وہ مثالی یادگار ہے حسین علیہ السلام کی مجلس عزاء جو اگرچہ سال بھر دنیا کے گوشے گوشے میں برپا رہتی ہے مگر محرم کے عشرہ میں اس کی شان کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ اب رہی اس بات کی تحقیق کہ شہادت حسین کے بعد اس غم کدہ عالم میں پہلی مجلس عزاء کب منعقد ہوئی؟ اس کا صحیح جواب دینا قدرے مشکل ہے۔ ہاں مختلف تاریخی آثار و اخبار سے اس قدر ضرور واضح و آشکار ہوتا ہے کہ پہلی مجلس عزاء اسیراں اہل بیت کی رہائی کے بعد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور مخدرات عصمت و طہارت نے یزید کے دار الحکومت شام میں منعقد کی۔ پھر دوسری مجلس واپسی پر مدینہ پہنچنے کے بعد ہوئی جس میں تمام مردوں اور عورتوں نے شریک غم ہو کر امام عالی مقام پر گریہ و بکا کیا۔ پھر اسی تسلسل کے ساتھ آئمہ اطہار علیہم السلام مخصوص طریقہ اور محدود پیمانہ پر مجالس عزاء منعقد کرتے رہے۔ بالآخر دیلمی خاندان کے دور میں ان کی طرف خاص توجہ مبذول کی گئی اور آزادانہ طور پر مجالس عزاء منعقد کی گئیں اور کھلم کھلا طور پر مظلوم کربلا کا ماتم کیا گیا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ برابر مختلف ادوار و اعصار میں جاری و ساری رہا۔ متحدہ ہندوستان میں مجالس عزاء پر خاص توجہ کی گئی اور ان کو بام عروج تک پہنچایا گیا۔

### مجالس و محافل کے فوائد و عوائد کا ایک شمارہ

ارباب عقل و دانش پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ اگر ہماری یہ مجالس و محافل اور ماتمی جلوس صحیح طریقے و سلیقے سے انعقاد پذیر ہوں تو بے شمار فوائد و عوائد کے حامل ہیں اور حق تو یہ ہے کہ ماضی کے بعض تاریک ترین دوروں اور نامساعد حالات سے گزرنے کے باوجود مذہب حق کی بقاء اور اس کی ترقی و اشاعت کا راز اسی عزاداری سید الشہداء میں پوشیدہ نظر آتا ہے جیسا کہ فرانسیسی مؤرخ ڈاکٹر جوزف نے اپنی کتاب ”الاسلام والمسلمون“ میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ اب ذیل میں ان مجالس و محافل کے بعض فوائد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

(۱) یہ مجالس دینی معلومات حاصل کرنے کا وہ مدرسہ ہیں جن میں تمام طبقات کے لوگ شرکت کر کے دینی معلومات



از قسم اصول و فروع دین، اسلامی تاریخ، تمدن و معاشرت، اخلاق اور سیرت معصومین کے درس حاصل کرتے ہیں جن سے اصلاح عقائد و اعمال میں خاصی مدد ملتی ہے۔

(۲) امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ سے لوگوں کو اطاعت گزاری کا حکم اور غفلت شعاری سے ممانعت کر کے مقصد خلقت کی تکمیل میں مدد کی جاتی ہے۔

(۳) معصومین علیہم السلام کے فضائل اور صفات جلیلہ اور مخالفین کے برے خصائل و صفات رذیلہ کا تذکرہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے سامعین میں فطری طور پر اپنے اندر صفات جلیلہ پیدا کرنے اور صفات رذیلہ سے اجتناب کرنے کا ملکہ صالح پیدا ہوتا ہے۔

(۴) امام الشہداء علیہ السلام کے عظیم کارناموں کے تذکرہ سے سننے والوں کے اندر حق کی نصرت اور باطل کا مقابلہ کرنے کا صحیح جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

(۵) یہاں چونکہ دین حق کی حفاظت و صیانت کے لیے خود اختیاری طور پر آئمہ طاہرین علیہم السلام اور بالخصوص امام حسین علیہ السلام کے جانگداز مصائب برداشت کرنے کے تذکرے ہوتے ہیں جن سے ان کے نام لیواؤں کے دل میں مذہب کی حقانیت راسخ ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ کبھی مذہب اہل بیت ترک کر کے کسی اور مذہب کو اختیار نہیں کرتے۔

(۶) یہاں دین اسلام کے معارف و حقائق بیان ہوتے ہیں جن سے مقصد شہادت حسین کی تکمیل ہوتی ہے۔

(۷) یہاں چونکہ مظلومین کی مظلومیت اور ظالمین کے واقعات ظلم و جور کو موثر اور دل نشین انداز میں بیان کیا جاتا ہے اس لیے سامعین کے دلوں میں مظلوم سے الفت اور ظالم سے نفرت کا ولولہ پیدا ہوتا ہے۔

(۸) یہاں دنیائے دلوں کی حقارت و بے ثباتی اور آخرت کی جلالت و ہمیشگی کے واقعات بیان کئے جاتے ہیں جس کی وجہ سے سامعین میں ”زہد“ و ”تقویٰ“ جیسی جلیل القدر صفات پیدا ہوتی ہیں۔

(۹) یہاں آئمہ طاہرین علیہم السلام پر حمایت حق کی وجہ سے وارد شدہ مصائب و شدائد اور ان کے صبر و رضا کے تذکرے کئے جاتے ہیں جس کے سبب سے ان کے نام لیواؤں کے اندر صبر و رضا اور بالخصوص دین کے معاملہ میں وارد شدہ تکالیف برداشت کرنے کا خوابیدہ شوق بیدار ہو جاتا ہے۔

(۱۰) اس سے مجالس منعقد کرنے اور ان میں شرکت کرنے والوں کا جناب رسالت مآب علیہ السلام اور ان کی آل اطیب علیہم السلام کے ساتھ محبت اور قلبی لگاؤ کا عملی ثبوت مل جاتا ہے کیونکہ محبوب کی خوشی سے خوش ہونا اور اس کے غم سے غمناک ہونا ایک فطری اور جبلتی تقاضا ہے۔ اسی بنا پر امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کا ارشاد



﴿شیعتنا خلقوا من فاضل طینتنا یحزنون لحزننا و یفرحون لفرحنا﴾ (بحار الانوار، ج ۱۳، ص ۲۸۹، طبع قدیم) اور حضرت باقر العلوم علیہ السلام کا فرمان ہے: ﴿شیعتنا من تابعنا فی افعالنا و لم یخالفنا و اذا امننا امن و اذا خفنا خاف﴾ ہمارا شیعہ وہ ہے جو ہمارے اعمال میں ہماری پیروی کرتا ہے اور جب ہم امن میں ہوں تو وہ امن میں ہوتا ہے اور جب ہم خوف زدہ ہوں تو وہ بھی خائف ہوتا ہے۔ (تفسیر برہان، ج ۲، ص ۱۷۳، طبع تہران) تلک عشرۃ کاملۃ۔

انہی حقائق کی بنا پر حضرات معصومین علیہم السلام ایسی مجالس و محافل کو محبوب رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اپنے صحابی فضیل سے دریافت فرمایا: ”اے فضیل کیا تم باہم بیٹھ کر اور مجالس برپا کر کے احادیث بیان کرتے ہو؟“ فضیل نے عرض کیا: ہاں فرزند رسول! فضیل کا یہ جواب سن کر امام نے فرمایا: ﴿تلک مجالس انا احبھا﴾ ”ایسی مجالس کو میں محبوب رکھتا ہوں۔“ پھر فرمایا: ﴿رحم اللہ من احبنا امرنا﴾ خدا اس بندے پر رحم فرمائے جو ہماری شریعت کو زندہ کرتا ہے۔ (نفس المہموم)

**دعوت غور و فکر**

مجالس و محافل کے بے شمار فوائد میں سے اوپر صرف دس فائدے ذکر کئے گئے ہیں جو قطرہ از دریا و دانہ از انبار کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن آئیے موجودہ مجالس و محافل کا اجمالی جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آیا ان کے انعقاد سے یہ فوائد حاصل بھی ہو رہے ہیں یا نہیں؟ کیا ان میں صحیح عقائد و اعمال کی تعلیم دی جاتی ہے؟ کیا ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے؟ کیا کر بلا والوں کے اتفاق و اتحاد کے تذکرے کرنے والوں کی اپنی صفوں میں اتحاد ہے؟ کیا مظلوم کی حمایت کے دعویداروں میں آج ظالم کی مخالفت اور مظلوم کی حمایت کا جذبہ موجود ہے؟ غرضیکہ آیا ہمارے اخلاق و اطوار سے ہمارا حسینی ہونا واضح و آشکار ہوتا ہے؟ اگر ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ حالات حاضرہ کا جائزہ لیا جائے تو ان سوالات کے جوابات نہایت مایوس کن سامنے آتے ہیں۔

### موجودہ روش و رفتار پر تنقید

اس میں کوئی شک نہیں کہ مجالس بہت ہوتی ہیں۔ ان میں روپیہ پیسہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ ظاہری مظاہر غم کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ بالخصوص محرم کے ایام میں تو کچھ اور ہی کیفیت ہوتی ہے لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ آیا شہادتِ امام کی علت غائی اور اصلی مقصد یہی ہے کہ محرم کا چاند نظر آیا۔ ماتمی لباس پہنا، مجلس عزائم عقد کی، مرثیے اور نوحے پڑھے، لچھے دار تقریریں سنیں، آنسو بہائے، سر پینا، سینہ کوٹا اور بس۔ اگر مقصد شہادت صرف اتنا ہی ہے اور ہم نے اس سے یہی سبق حاصل کیا ہے تو دنیاۓ اسلام کے لیے یہ دوسری مصیبت ہے جو حادثہ عاشوراء سے کم نہیں ہے۔



اور یہ سراسر اس عظیم الظیر واقعہ کی توہین و تذلیل ہے۔

### مجالس عزاء بہترین عبادت اور ذریعہ بخشش ہیں

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس عظیم سانحہ کو زندہ رکھنے، جذبات غم و الم میں ہيجان پیدا کرنے اور حزن انگیز اسباب میں اضافہ کرنے کی خاطر ماتمی جلوسوں اور دیگر مظاہر غم کے افادی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا! اسی طرح اس حقیقت میں بھی کسی محب اہل بیت کو کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ امام الشہداء یا دوسرے آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے نام پر مجالس عزاء یا محافل میلاد منعقد کرنا بہترین اسلامی عبادت اور بخشش گناہان کا بہترین ذریعہ و وسیلہ ہے۔ جیسا کہ کامل الزیادہ، ثواب الاعمال اور عیون اخبار الرضا وغیرہ کتب معتبرہ میں نثر و نظم کے ذریعہ ذکر مصائب کرنے اور رونے و رلانے کی فضیلت میں بکثرت احادیث شریفہ موجود ہیں۔ (ہم نے ان کا ایک شمار اپنے رسالہ اصلاح المجالس میں نقل بھی کیا ہے) لیکن بایں ہمہ ارباب عقل و دانش پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ ماتمی جلوس ہوں یا مجالس عزاء یہ اصل مقصد کو حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔

### مجالس کی موجودہ روش میں اصلاح کی ضرورت ہے

اب قابل غور بات یہ ہے کہ ہر سال لاکھوں روپے خرچ کرنے کے باوجود آیا وہ مقصد حاصل ہو رہا ہے؟ اور ان مجالس سے مطلوبہ نتائج و آثار ان پر مترتب ہو رہے ہیں؟ آج ہر ہمدرد قوم و ملت کے قلب حساس میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جواب نفی میں ہے! یہاں پھر قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ جواب میں اس تلخ حقیقت کا اعتراف کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ موجودہ طرز مجالس میں کچھ خامیاں و خرابیاں موجود ہیں جن کی وجہ سے مطلوبہ فوائد حاصل نہیں ہو رہے! بنا بریں موجودہ طرز میں اصلاح کی ضرورت ہے اور اشد ضرورت ہے۔

پہلے:- ان مجالس کا طریقہ وہ ہونا چاہیے جو آئمہ اہل بیت علیہم السلام کا تھا۔ مجالس عزاء کو بزم مشاعرہ اور جلسہ موسیقی نہ بنایا جائے۔

دوسرے:- رسوم کو بھی ایسے سادہ اصول سے ادا کیا جائے جو ہر قسم کی لغویات تصنع اور نمود و نمائش سے مبرا ہوں۔ نہ ایسے طریقے پر کہ مخالف مستحکمہ اڑائیں۔

تیسرے:- مراسم یادگاری اس طرح ادا کی جائیں کہ بدعات سیئہ و حرکات نامشروع کی حد تک نہ پہنچیں اور اس مصرع کی مصداق نہ بنیں کہ رخ

ماتم کریں حسینؑ کا لوئیں حسن پورہ (مجاہد اعظم، حصہ اول)



ہم اس کے قائل نہیں کہ اگر کسی مسجد میں قوالی ہوتی ہو یا کسی بزرگ کی قبر پر عرس تو مسجد گرا دی جائے یا قبر اکھاڑ دی جائے یا اگر باغ میں کچھ خس و خاشاک پڑ جائے تو باغ تباہ کر دیا جائے بلکہ غلط رسم کا استیصال کرنا چاہیے لہذا اگر ہماری موجودہ مجالس میں کچھ نقائص ہیں اور یقیناً ہیں از قسم بد اعتقادی، بد عملی، بے اخلاصی اور رسم پرستی وغیرہ تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ مجالس ہی بند کر دی جائیں بلکہ ان کی اصلاح ہونی چاہیے تاکہ گلزار عزائے حسینیؑ سے یہ خس و خاشاک دور ہو جائے۔

### اصلاح احوال کی زیادہ ذمہ داری علماء پر عائد ہوتی ہے

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اصلاح کون کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس اصلاح کی ذمہ داری کسی ایک فرد یا ایک گروہ پر عائد نہیں ہوتی بلکہ مجالس پڑھنے، سننے اور منعقد کرنے والے سب طبقات پر عائد ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ اس کی سب سے زیادہ ذمہ داری اہل علم پر عائد ہوتی ہے جو کشمکش قوم کے ناخدا ہونے کے دعویدار ہیں۔ لہذا اگر یہ طبقہ بعض اغراض فاسدہ کا شکار ہو کر اپنی شرعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش نہیں کرے گا تو خدا اور رسول کی لعنت میں گرفتار ہوگا۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ مَّ بَعْدَ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ﴾ (سورہ بقرہ، آیت ۱۵۹)

اور جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو کھلی دلیلیں اور ہدایت ان پر نازل کر چکے بعد اس کے کہ ہم نے کل آدمیوں کے لیے کتاب میں اس کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ یقیناً ان ہی پر اللہ لعنت کرتا ہے اور انہی پر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ (ترجمہ مقبول)

اور جناب رسول خدا ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿إِذَا ظَهَرَتِ الْبِدْعُ فِي أُمَّتِي فَلْيُظْهِرِ الْعَالَمُ عِلْمَهُ فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ﴾  
 ”جب میری امت میں بدعات و منکرات ظاہر ہو جائیں تو عالم دین کو چاہئے کہ اپنے علم کا اظہار کریں سو جس نے ایسا نہ کیا تو اس پر خدا کی لعنت ہوگی۔“

(اصول کافی، صفحہ ۳۰، باب البدع والرأی والمقائیس)

اس شرعی ذمہ داری کے ادا نہ کرنے کی اس تہدید و وعید کے پیش نظر ہم نے اصلاح احوال کا بیڑا اٹھا رکھا ہے اگرچہ ہمیں اس کی بڑی بھاری قیمت بھی ادا کرنا پڑ رہی ہے مگر ہم نے بعونہ تعالیٰ اس سلسلہ میں ہر تکلیف برداشت کرنے کا عزم بالجزم کر لیا ہے۔ لعنت خداوندی کے بالمقابل سب کچھ بیچ ہے۔ ہم سے تو انسان ضعیف البیان کو خوش



کرنے کی خاطر خالق دو جہاں کو ناراض کر کے اس کی لعنت کا طوق اپنی کمرور گردن میں نہیں ڈالا جاسکتا۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ہم نہ تو مجالس عزاء کے خلاف ہیں (معاذ اللہ) اور نہ واعظین و ذاکرین کی ذات سے ہمیں کسی قسم کی کوئی کد و کاوش ہے بلکہ مقصد صرف اصلاح احوال کی کوشش کرنا ہے ﴿إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ﴾۔

### کیا اصلاح ہونی چاہیے؟

مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر اب یہ سوال ابھرتا ہے کہ ان مجالس میں کیا اصلاح ہونی چاہیے؟ موجودہ طرز میں وہ کون سے نقائص ہیں جن کا ازالہ ضروری ہے؟ تاکہ مطلوبہ فوائد و آثار ان پر مرتب ہو سکیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ یہ خرابیاں دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو مجالس پڑھنے، سننے اور منعقد کرنے والوں میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق ان طبقات میں سے کسی ایک کے ساتھ ہے۔ اب ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ ان تمام خامیوں کی نشاندہی کر کے ان کے ازالہ کی سعی جمیل کرتے ہیں۔

SIBTAIN.COM

### سب سے پہلی اصلاح اخلاص کا ہونا ہے

موجودہ طرز مجالس میں جو سب سے بڑی خامی ہے وہ اخلاص کی جنس گرانمایہ کی کمی ہے یہ درست ہے کہ ہر گروہ و جماعت میں مستثنیات ہوتے ہیں (قلیل ماہم) لیکن بد قسمتی سے جہاں تک مذکورہ بالا تینوں طبقوں کی اکثریت کا تعلق ہے اس میں نہ صرف یہ کہ اس چیز کی قلت ہے بلکہ سراسر فقدان ہے حالانکہ ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ جب تک خلوص نیت نہ ہو۔ اس وقت تک کوئی عمل، عمل اور کوئی عبادت، عبادت نہیں ہو سکتی۔ اس لیے لازم ہے کہ کوئی بھی عمل صالح ہو اسے ہر قسم کے دنیوی اغراض فاسدہ سے مبرا اور خالصاً لوجہ اللہ ہونا چاہیے۔ ارشاد قدس ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (سورہ بینہ، آیت ۵)

”حالانکہ انہیں تو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ یکسو ہو کر دین کو اس کے لیے خالص رکھتے ہوئے

صرف اللہ کی عبادت کریں۔“

جناب پیغمبر اسلام ﷺ فرماتے ہیں:

﴿النَّاسُ كُلُّهُمْ هَلَكِي إِلَّا الْعَالَمُونَ وَالْعَالَمُونَ كُلُّهُمْ هَلَكِي إِلَّا الْمُخْلِصُونَ وَ

المُخْلِصُونَ عَلَىٰ خَطَرٍ عَظِيمٍ﴾



”سب لوگ ہلاک ہو جائیں گے سوائے جاننے والوں کے اور جاننے والے سب ہلاک ہو جائیں گے سوائے مخلصین کے اور مخلصین بھی بڑے خطرے میں ہیں۔

(الکبریٰ الاحمر، ص ۱۲، فصل دوم، در شرائط واعظ)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِنْ عِلْمِ الْآخِرَةِ يَرِيدُ بِهِ غَرَضًا مِنْ غَرَضِ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ رِيحَ الْجَنَّةِ﴾  
جو شخص علم آخرت (علم دین) کو دنیا کمانے کے لیے حاصل کرے اسے جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی۔ (سرائر ابن ادریس حلی، بحوالہ لؤلؤ ومرجان، صفحہ ۱۳، مطبوعہ لکھنؤ)

ان حقائق سے واضح ہو جاتا ہے کہ اخلاص کے بغیر عمل ایک کاغذی پھول ہے جس میں خوشبو نہ ہو یا ایک ڈھانچہ ہے جس میں روح نہ ہو۔ یہی مقدار خواب غفلت میں سوئے ہوئے حضرات کو بیدار کرنے کیلئے کافی ہے

اگر در خانہ کس است یک حرف بس است

مجلس خواں طبقہ کی اکثریت کے اخلاص سے خالی ہونے کے شواہد پنجگانہ

چونکہ سطور بالا میں ہم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ بد قسمتی سے مجلس پڑھنے، سننے اور منعقد کرنے والوں کی اکثریت دولت اخلاص سے تہی دامن ہے اگرچہ موجودہ ماحول میں یہ حقیقت دلائل و براہین کی محتاج نہیں ہے تاہم بموجب ﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ناظرین کرام کے اطمینان قلب کی خاطر۔ پہلے مجلس خواں گروہ کے عدم اخلاص پر پنجگانہ قطعی شواہد و قرائن پیش کرتے ہیں اور پھر دوسرے دونوں طبقوں کے عدم اخلاص پر شواہد پیش کریں گے۔

عدم اخلاص کا پہلا شاہد فیس کا طے کرنا

اس دعویٰ کا پہلا شاہد یہ ہے کہ یہ لوگ فیس طے کر کے اور اجرت چکا کر مجالس پڑھتے ہیں۔ معمولی عقل و انصاف رکھنے والا انسان بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ اس طرح دین فروشی کرنے والے شخص یا گروہ میں اور تو سب کچھ ہو سکتا ہے مگر اخلاص ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ یہ بات روز روشن سے بھی زیادہ واضح و آشکار ہے تاہم بطور اتمام حجت اس دین فروشی کی مذمت کے سلسلہ میں ایک دو احادیث شریفہ پیش کی جاتی ہیں۔ لیہلک من ہلک عن بئنة و یحیی من حی عن بئنة۔

(۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿مَنْ ارَادَ الْحَدِيثَ لِمَنْفَعَةِ الدُّنْيَا لَمْ يَكُنْ لَهُ فِي

الْآخِرَةِ نَصِيبٌ وَمَنْ ارَادَ بِهِ خَيْرَ الْآخِرَةِ اعطاهُ اللّٰهُ بِهِ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ جو شخص دنیوی منفعت کی



خاطر حدیث حاصل کرے آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے اور جو آخرت کی خیر کے لیے حاصل کرے اسے خدائے کریم دنیا و آخرت کی خیر و خوبی عطا فرمائے گا (اصول کافی، صفحہ ۲۵، باب المستاکل بعلمہ والساہی بہ)۔ (۲)  
امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿لا تاسکل بنا الناس فی فقر﴾ ہمارے ذریعہ سے لوگوں کا (مال) نہ کھاؤ ورنہ فقیر و نادار ہو جاؤ گے۔ (اصول کافی، صفحہ ۵۲۱، باب طلب الریاستہ) بعض اہل تحقیق نے اس فقرہ سے ”فقر دارین“ مراد لیا ہے یعنی دنیا میں خیر و برکت نہ ہوگی اور آخرت میں نیکیوں سے دامن تہی ہوگا۔

### ائمہ اطہار کے اپنے مادحین کو مال عطا کرنے والے شبہ کا ازالہ

ذکر اہل بیت علیہم السلام کو ذریعہ معاش بنانے والے کچھ لوگ اپنے اس فعل مذموم کے لیے یہ جواز پیش کیا کرتے ہیں کہ یہ ائمہ طاہرین علیہم السلام اپنے مدح کنندہ شعراء مثل فرزدق، کیت اور دعلج خزاعی و امثالہم رضوان اللہ علیہم کو ان کے مدحیہ قصائد یا مرثیہ غم انشاء کرنے پر عطایا کثیر عطا فرمایا کرتے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نام پر بھاری بھر کم فیس لینا جائز ہے۔

اس شبہ (جو تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے) کا جواب ظاہر ہے کہ ان شعراء کرام نے نہ کبھی فیس طے کی تھی اور نہ ہی کبھی اسے ذریعہ معاش بنایا تھا کیونکہ جہاں ائمہ طاہرین علیہم السلام کا ان کو عطیات کثیرہ سے نوازا نہ کور ہے وہاں یہ کہیں بھی نہیں لکھا کہ ان شعراء نے کبھی ائمہ علیہم السلام کے ساتھ پہلے معاملہ طے کیا ہو کہ آقا ہم نے آپ کی یا آپ کے اب و جد کی مدح میں قصیدہ یا ان کی مصیبت پر مرثیہ لکھا ہے مگر سنائیں گے تب جب پہلے آپ یہ طے کر لیں کہ آیا فیس دیں گے؟ ظاہر ہے کہ جب تک یہ بات ثابت نہ کی جائے اس وقت تک اس کے ساتھ تمسک ہرگز درست نہیں ہے اور یہ بات قیامت تک ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ روایات میں تو اس کے برخلاف بوقت عطا ان مخلص شعراء کے انکار اور حضرات ائمہ کے باصرار عطا کرنے کے تذکرے ملتے ہیں۔

### مجالس پر نذرانہ لینے کے جواز کا طریقہ

مذکورہ بالا حقائق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مادحین ائمہ قربۃ الی اللہ پہلے ان کی مدح و ثنا کرتے تھے اور بعد میں یہ ذوات مقدسہ از خود خوش ہو کر ان کو کچھ نذرانہ پیش فرما دیتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح دینا اور لینا جائز ہے جیسا کہ اس روایت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: ﴿لا تشارط و تقبل کل ما اعطیت﴾ پہلے اجرت اور فیس طے نہ کرو (بلکہ قربۃ الی اللہ) پڑھو ہاں اگر بعد میں جو کچھ پیش کیا جائے تو اسے قبول کر لو۔ (مہج الاحزان، صفحہ ۱۲، طبع ایران) علماء اعلام کا فتویٰ بھی اسی کے مطابق ہے۔ جیسا کہ دیارِ فقہ کی سیر کرنے والے حضرات پر مخفی نہیں ہے اور اگر بالفرض بعض علماء کے فتویٰ کے مطابق اجرت



طے کرنے کو جائز بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والے کو آخرت میں اجر و ثواب بھی ملے گا! مگر یہاں تو اہلہ یا خود فریبی کا یہ عالم ہے کہ باایں ہمہ دین فروشی من بکسی او ابکسی..... الخ والی احادیث کو اپنے اوپر منطبق کیا جاتا ہے۔ بھلا جب وارد دنیا میں اجرت مقرر کر کے اہل ایمان سے نقد وصولی کر لی تو پھر آخرت میں خدا سے اجر و ثواب لینے کا استحقاق کہاں رہا؟

### مستحبات پر اجرت لینے کے جواز والے شبہ کا ازالہ

بعض نیم ملاحظہ ایمان قسم کے لوگ اپنے اس مذموم دھندے کا جواز ثابت کرنے کے لیے یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ واجبات کی ادائیگی پر اجرت لینا حرام ہے نہ مستحبات پر، اور چونکہ مجلس عزاء ایک مستحب امر ہے لہذا اس پر اجرت لینا جائز ہے۔

ان حضرات کے دینی معلومات میں اضافہ کی خاطر عرض ہے کہ مذکورہ بالا کلیہ درست نہیں ہے کیونکہ شریعت مطہرہ میں بعض مستحبات پر اجرت لینا بھی ناجائز ہے جیسے اذان کہنا اور نماز باجماعت پڑھانا وغیرہ۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا: ﴿لا تصلى خلف من يبغى على الاذان و الصلوة بالناس اجراً ولا تقبل شهادته﴾ جو شخص اجرت طے کر کے اذان کہتا ہے اور لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے اس کی اقتداء میں نماز نہ پڑھی جائے اور نہ ہی (بوجہ سقوط عدالت) اس کی شہادت قبول کی جائے (من لا يحضره الفقيه، جلد ۳، صفحہ ۱۶، باب القضاء) انہی حقائق کی بناء پر فقہاء عظام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ﴿و كذا يحرم اخذ الاجرة على الصلوة بالناس جماعة و فاقاً لجماعة وفي الخبر لا تصلى خلف من يبغى على الاذان و الصلوة بالناس اجراً ولا تقبل شهادته وهو نص في التحريم﴾

(حاشیہ شرح اللمعة، جلد اول، باب المتاجر، صفحہ ۲۳۷ و کذا فی المسالك والجواهر)  
لہذا معلوم ہوا کہ اس شبہ کے ساتھ تمسک کرنا بھی بالکل بے جا ہے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جب سے مجالس عزاء کو کچھ لوگوں نے ذریعہ معاش بنا لیا ہے۔ اسی وقت سے مذہب کی صحیح تبلیغ ختم ہو کر رہ گئی ہے اور اب تو رفتہ رفتہ ان لوگوں کی ہوس زر اس قدر بڑھ گئی ہے کہ حرام و حلال کی بھی کوئی پرواہ نہیں رہی۔ یہاں تک کہ بعض پیشہ در مقررین و ذاکرین مخصوص پیشہ و رنگ انسانیت عورتوں کے ہاں مجالس پڑھنا اور ان سے فیس لینا بھی معیوب نہیں سمجھتے۔ آہ

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی



دوسرا شاہد:۔ خدا اور رسولؐ کی رضا پر پبلک کی خوشنودی کو مقدم سمجھنا

مذکورہ بالا دعویٰ پر دوسرا شاہد یہ ہے کہ یہ لوگ منشاء ایزدی سمجھنے اور پھر اس سے خدہ برآ کرنے کی کوشش کرنے کی بجائے جہاں جاتے ہیں پہلے یہ سوال کرتے ہیں کہ اس مقام کی پبلک کس موضوع و مضمن کو زیادہ پسند کرتی ہے۔ ان کی بلا جانے کہ ان کا وظیفہ شرعی کیا ہے؟ اصلاح احوال کے لیے کس چیز کی ضرورت ہے؟ معاشرہ کا مرض کیا ہے؟ اور پھر اس کا علاج کیا؟ ان کا تو ایک ہی اصل الاصول ہے کہ کسی نہ کسی طرح پبلک اور بالخصوص بانی مجلس راضی ہو جائے اور عوام سے صدائے واہ واہ بلند ہو جائے وہ اسی امر کو اپنی مجلس کی کامیابی کا معیار سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو ہادیان دین نے راہزنان ایمان و یقین قرار دیا ہے چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوند عالم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی: ﴿لَا تَجْعَلْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ عَالِمًا فِتْنُونًا بِالْدُنْيَا فَيَصْذَكَ عَنْ طَرِيقِ مَحَبَّتِي فَإِنَّ أَوْلِيكَ قَطَاعَ طَرِيقِ عِبَادِي الْمُرِيدِينَ أَنْ أَدْنِي مَا نَا صَانِعَ بِهِمْ أَنْ أَنْزِعَ حِلَاوَةَ مَنَاجَاتِي مِنْ قُلُوبِهِمْ﴾ اے داؤد! میرے اور اپنے درمیان ایسے اہل علم کو وسط قرار نہ دو جو دنیا پر فریفتہ ہیں۔ ورنہ وہ تمہیں میری محبت کے راستہ سے روک دیں گے کیونکہ ایسے لوگ میرے ان بندوں کے لیے راہزن ہیں جو میری بارگاہ میں باریابی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں کم تر درجہ کا جو سلوک ان کے ساتھ کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ان کے دلوں سے اپنی مناجات کی لذت سلب کر لیتا ہوں۔ (اصول کافی، صفحہ ۲۵)

بھلا جو لوگ خود دنیا کے دلوں کی محبت کے مرض میں گرفتار ہوں وہ دوسروں کو کیا پیغام شفا دیں گے۔

آں خویشتن گم است کرا راہبری کند

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں ﴿الدنيا داء الدين و العالم طيب الدين فاذا رأيتم الطبيب يسجر الداء على نفسه فاتهموا﴾ دنیا ایک دین کا مرض ہے اور عالم اس دین کا طبیب! پس جب تم دیکھو کہ خود طبیب مرض کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے تو اسے دین کے معاملہ میں متہم سمجھو (اس پر اعتماد نہ کرو)۔

(خصال صدوق، صفحہ ۱۱۳، طبع جدید تہران)

ان حضرات کی یہ روش درحقیقت کمزوری ایمان و اعتقاد کا نتیجہ ہے۔ دلوں میں عظمت خداوندی کا نقش راسخ نہیں اور نہ اس کی ذات ان کی امیدوں کا مرکز ہے وہ اپنے نفع و نقصان اور سود و زیاں کا مالک انسان ضعیف البیان کو سمجھتے ہیں، سچ ہے: ﴿اذا عظم الخالق صغر المخلوق﴾ جب عظمت خالق دل میں جاگزین ہو جائے تو پھر مخلوق چھوٹی معلوم ہوتی ہے (سچ البلاغہ) اور جب دل عظمت خالق سے خالی ہو تو پھر نتیجہ اس کے برعکس برآمد ہوتا ہے۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نامیدی مجھے بتا تو سہی اور آذری کیا ہے



### تیسرا شاہد: اہل علم و ایمان کی توہین و تذلیل کرنا

سابقہ دعویٰ پر تیسرا شاہد یہ ہے کہ چونکہ اس طبقہ کی اکثریت دولتِ اخلاص سے محروم اور حسد و غیرہ روحانی امراض میں مبتلا ہے اس لیے وہ دوسرے اہل فضل و کمال کے اثر و رسوخ کو کم کرنے اور اپنی مجالس کو بزعم خویش کامیاب بنانے کے لیے بلا جھجک برسرِ منبر ان کی تذلیل اور ان پر طعن و تشنیع اور افتراء پردازی کر کے اپنے ایمان کا (بشرطیکہ موجود ہو) ستیاناس کرتے ہیں حالانکہ اس سلسلہ میں خدائے قہار کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (سورہ نور، آیت ۱۹) یقیناً وہ لوگ جو اس بات کو دوست رکھتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی کی باتیں رائج ہوں۔ ان کے لیے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی اور اللہ (اس کو) خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (ترجمہ مقبول) اور پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ﴿مَنْ أَهَانَ عَالِماً فَقَدْ أَهَانَنِي﴾ جو شخص کسی عالم کی توہین کرتا ہے وہ گویا میری توہین کرتا ہے۔ (جامع الاخبار، صفحہ ۷۳، طبع نجف و بحار الانوار) ارشادِ قدرت ہے: ﴿إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ ”افتراء پردازی وہی لوگ کرتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے۔“ (سورہ نحل، آیت ۱۰۵) مگر افسوس کہ یہ گروہ خوفِ خدا سے آزاد ہو کر اسی منبر پر جو شریعتِ اسلامیہ کے حقائق و معارف کی نشر و اشاعت کے لیے وقف تھا اپنے نفسِ امارہ کی تسکین کے لیے دوسرے اہل ایمان کی برملا توہین کرتے ہیں اور ان سے ذاتی انتقام لینے کے لیے اسی حسنی اسٹیج کو منتخب کرتے ہیں مگر کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے ع

فلیک علی الاسلام من کمان باکیا

اس سے ظاہر ہے کہ ان کی یہ مجالس خوانی خوشنودی خدا و ائمہ ہدیٰ ﷺ کے لیے نہیں ہے ورنہ ان کی یہ روش و رفتار اور یہ حالت زار نہ ہوتی۔

### چوتھا شاہد: جھوٹی روایات اور غلط واقعات کا پڑھنا

مرقوم الصدر دعویٰ پر چوتھا شاہد یہ ہے کہ مجلسِ خواں گروہ کی اکثریت اپنی مجالس کی ظاہری و نمائشی کامیابی کی خاطر بالعموم اور مصائب میں گریہ و بکا کے کہرام برپا کرنے کے لیے بالخصوص بلا تحاشہ کذب و افتراء ایسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہوئے غلط واقعات اور بے سرو پا روایات پڑھتے ہیں حالانکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کذب تمام صفاتِ ردیہ کی جڑ ہے جس طرح کہ صدق تمام صفاتِ جمیلہ کا اصل اصول ہے۔



## کذب کی مذمت قرآن کی روشنی میں

اس سلسلہ میں متعدد آیات مبارکہ موجود ہیں۔ تہرکا چند آیات درج کی جاتی ہیں: (۱) ارشادِ قدرت ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ﴾ (سورہ مؤمن، آیت ۲۸) خداوند عالم اسراف کرنے والے جھوٹے کو ہدایت نہیں کرتا۔ (۲) ﴿إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكُذِّبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (سورہ نحل، آیت ۱۰۵) جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں وہ آیاتِ خداوندی پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس آیت مبارکہ سے عبارتہ النص واضح ہوتا ہے کہ خدا جھوٹ بولنے والا شخص دائرہ ایمان سے خارج ہے۔ (۳) ﴿لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ﴾ (سورہ آل عمران، آیت ۶۱) جھوٹوں پر خدا کی لعنت۔ (۴) ﴿وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وَخُوهَهُمْ مُسْوَدَّةً﴾ (سورہ زمر، آیت ۶۰) بروز قیامت تم دیکھو گے کہ جن لوگوں نے خدا پر جھوٹ بولا ہوگا ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ وفيہ كفاية لمن له ادنى دراية۔

## مذمت کذب احادیث کی روشنی میں

اس سلسلہ میں روایات متکاثرہ موجود ہیں۔ بطور تذکرہ و عبرت چند روایات پیش کی جاتی ہیں:

(۱) جناب رسول خدا ﷺ سے منقول ہے، فرمایا: جب کوئی شخص بلا عذر جھوٹ بولتا ہے تو اس پر ستر ہزار فرشتے لعنت کرتے ہیں اور اس کے منہ سے ایک ایسی بد بو نکلتی ہے جو عرش الہی تک جا پہنچتی ہے تب حاملانِ عرش اس پر لعنت کرتے ہیں اور خدائے قہار اس کے نامہ اعمال میں ایک جھوٹ کے عوض ایسے ستر زنا کا عذاب درج کرتا ہے جو محارم کے ساتھ کئے گئے ہیں۔ (جامع الاخبار)

(۲) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ جَعَلَ لِلشَّرِّ أَقْفَالًا وَجَعَلَ مِفْتَاحَ تِلْكَ الْأَقْفَالِ الشَّرَابُ وَاشْرَبَ مِنَ الشَّرَابِ الْكَذِبُ﴾ خداوند عالم نے برائی کے لیے کچھ قفل (تالے) بنائے ہیں اور ان تالوں کی کنجی شراب ہے لیکن جھوٹ شراب سے بھی بدتر ہے۔

(ثواب الأعمال وعقابہا، صفحہ ۲۳۳، طبع بیروت)

(۳) انہی بزرگوار سے مروی ہے، فرمایا: ﴿إِنَّ الْكَذِبَ هُوَ خَرَابُ الْإِيمَانِ﴾ بلاشبہ جھوٹ بولنا باعثِ خرابیِ ایمان ہے۔ (اصول کافی، صفحہ ۵۳۹، باب الکذب) صاحبِ لؤلؤ و مرجان نے قرآن و حدیث کی رُو سے جھوٹ بولنے کے پورے چالیس عدد مفاسد شمار کئے ہیں۔ (اصل کتاب کی طرف رجوع فرمائیں)



خدا و رسولؐ اور ائمہ طاہرینؑ پر جھوٹ بولنا اور بھی گناہِ عظیم ہے

سطور بالا میں کذب و افتراء کی مذمت میں جو کچھ لکھا گیا ہے یہ عام کذب کے بارے میں ہے لیکن اگر یہی کذب و افتراء خدا و رسولؐ یا ائمہ ہدیٰؑ پر کیا جائے تو اس کی سنگینی اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ زمان، مکان اور فاعل وغیرہ کے بدلنے سے گناہ کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے چنانچہ ارشادِ قدرت ہے: ﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا﴾ (سورۃ اعراف، آیت ۳۷) اس شخص سے بڑھ کر اور کون ظالم ہے جو خدا پر افتراء پرداز کر رہا ہے۔ (۲) نیز ارشادِ قدرت ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (سورۃ نحل، آیت ۱۱۶/۱۱۷) جو لوگ خدا پر افتراء کرتے ہیں وہ ہرگز کامیاب نہ ہوں گے ہاں اس میں معمولی سا فائدہ ہے (دنیا میں) مگر ان کے لیے (آخرت میں) تکلیف دہ عذاب ہے۔

جناب رسول خدا ﷺ کی متفق بین الفرقین حدیث ہے: ﴿مَنْ كَذَبَ عَلَىَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَبِئْزَ مِنْ النَّارِ﴾ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولتا ہے وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ مہیا سمجھے۔

امام محمد باقرؑ ابو النعمان سے فرماتے ہیں: ﴿لَا تَكْذِبْ عَلَيْنَا كَذِبَةً فَتَسْلُبَ الْحَنِيفِيَّةَ﴾ اے ابو النعمان! ہم پر جھوٹ نہ بولنا ورنہ ملتِ اسلام تم سے سلب کر لی جائے گی۔ (اصول کافی، صفحہ ۵۳۸)

یہی وجہ ہے کہ خدا و رسولؐ اور ائمہ ہدیٰؑ پر کذب و افتراء پردازی کرنے سے روزہ باطل ہو جاتا ہے اور بنا بر مشہور بین الفقہاء اس سے قضا و کفارہ دونوں واجب ہو جاتے ہیں اور اسی بناء پر علماء اخلاق نے تمام اقسام کذب سے اس قسم کو بدترین اور سب سے زیادہ سنگین قرار دیا ہے چنانچہ حضرت شیخ زرقی رقطراز ہیں: ﴿وَأَشَدُّ أَنْوَاعِ الْكَذِبِ اثْمًا وَمَعْصِيَةِ الْكَذِبِ عَلَى اللَّهِ وَعَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْأَئِمَّةِ وَكَفَاهُ ذَمًّا أَنَّهُ يَبْطُلُ الصَّوْمُ وَيُوجِبُ الْقَضَاءَ وَالكُفَّارَةَ عَلَى الْإِقْوَى﴾ جھوٹ کے تمام انواع میں سے از روئے گناہ زیادہ سخت وہ جھوٹ ہے جو خدا، رسولؐ اور ائمہ طاہرینؑ پر بولا جائے اور اس کی مذمت کے لیے یہی امر کافی ہے کہ یہ جھوٹ روزہ کو باطل کر دیتا ہے اور بنا بر اقویٰ قضا و کفارہ ہر دو کا موجب ہوتا ہے (جامع السعادات، ج ۲، صفحہ ۳۲۳، طبع بیروت)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

ایک عبرت انگیز خواب

بعض رویائے صادقہ سے بھی قرآن و حدیث معصومینؑ سے ثابت شدہ مذکورہ بالا حقیقت کی تائید مزید ہوتی ہے چنانچہ شہر کرمان شاہ میں ایک شخص نے عالم و کامل و جامع آقا شیخ محمد علی صاحب مقام الفضل وغیرہ قدس اللہ سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں جناب سید الشہداء علیہ السلام کے



بدن مبارک کا گوشت اپنے دانتوں سے کاٹ رہا ہوں جس سے آں جناب کے زخم تازہ ہو گئے ہیں۔ اس کی کیا تعبیر ہے؟ آقائے موصوف اس شخص اور اس کے پیشہ سے واقف نہ تھے۔ تھوڑی دیر سر جھکا کر فکر کرنے کے بعد فرمایا: شاید تم روضہ (مجلس) خوانی کرتے ہو۔ اس نے عرض کیا: ہاں، جناب آقائے فرمایا: یا تو روضہ خوانی چھوڑ دو یا پھر کتب معتبرہ سے واقعات نقل کیا کرو۔ (لولو و مرجان)

### ایک مفید مشورہ

بنابریں کس قدر احسن واولیٰ ہے کہ وہ مجلس خواں حضرات جو کتبِ علمیہ کا مطالعہ کرنے کی استعداد رکھتے ہیں وہ مقاتل کی کتب معتبرہ سے روایات معتمدہ بیان کریں اور جو حضرات یہ استعداد نہیں رکھتے وہ پڑھنے سے پہلے واقعات کی کسی محقق عالم دین سے تصحیح و توثیق کرا لیں۔ اس طرح کر کے وہ اپنی شرعی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ اس موضوع پر اردو زبان میں جو خلا تھا وہ بفضلہ تعالیٰ ہماری اس کتاب سے پُر ہو جائے گا اور امید ہے کہ اس کی موجودگی میں مقتل کی کسی اور کتاب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ انشاء اللہ۔

### ایک عذر لنگ کا ازالہ

بعض وہ حضرات جو اس سلسلہ میں ہر قسم کی رطب و یابس روایات بیان کرنے کے عادی ہیں وہ اپنے اس طرز عمل کے جواز کی سند میں حضرت امیر المومنینؑ کے اس ارشاد کو پیش کرتے ہیں: ﴿اِذَا حَدَّثْتُمْ بِحَدِيثٍ فَاسْتَدْوِهُ اِلَى الَّذِي حَدَّثَكُمْ فَاِنْ كَانَ حَقًّا فَلَكُمْ وَ اِنْ كَانَ كَذِبًا فَعَلَيْهِ﴾ یعنی جب تم کوئی حدیث نقل کرو تو اس کی نسبت اس شخص کی طرف دے دو جس نے تم سے بیان کی ہے اگر وہ حدیث سچی ہوئی تو اس کا فائدہ تم کو ملے گا اور اگر غلط ہوئی تو نقصان اس کا ہوگا۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث قدرے مجمل ہے۔ اس میں اس ناقل کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی کہ کیسا ہو؟ ثقہ ہو یا غیر ثقہ؟ صادق ہو یا کاذب؟ صالح ہو یا طالح؟ وغیرہ۔ مگر بموجب الاحادیث یفسر بعضها بعضاً۔ دوسری احادیث شریفہ میں یہ وضاحت موجود ہے کہ ناقل روایت کا ثقہ و صادق ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ جناب امیرؑ سے ہی مروی ہے حارث ہمدانی سے فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَحْدُثِ النَّاسَ بِكُلِّ مَا سَمِعْتَ فَكُفَىٰ بِذَلِكَ كَذِبًا﴾ جو کچھ تم نے لوگوں سے سنا ہے وہ سب کچھ بیان نہ کرو ورنہ تمہارے جھوٹا ہونے کے لیے یہی امر کافی ہے۔

(نہج البلاغہ)

نیز یہ بھی انہی جناب سے منقول ہے کہ امام حسنؑ کی وصیت میں فرمایا: ﴿وَلَا تَحْدُثِ الْاَعْنَ ثَقَّةٍ

فَتَكُونَ كَذَابًا وَ الْكَذِبُ ذُلٌ﴾ بغیر قابل وثوق آدمی کے اور کسی سے کوئی حدیث نقل نہ کرو ورنہ دروغ گو قرار



پاؤ گے اور دروغ گوئی باعثِ ذلت ہے۔ (کشف المحجہ، صفحہ ۷۲، طبع قم)

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ ہر کس و ناکس سے سنی سنائی بات کا نقل کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ثقہ آدمی سے سن کر یا ثقہ آدمی کی کتاب سے دیکھ کر اور وہ بھی نسبت دے کر بیان کرنے سے شرعی ذمہ داری پوری ہو سکتی ہے اسی لیے ارشادِ قدرت ہے: ﴿إِذَا جَاءَ كُمْ فَاصِقٌ مِّنْ بَنِي فَتْيَنُوءَ﴾ جب کوئی فاسق کوئی خبر بیان کرے تو اچھی طرح اس کی چھان بین کر لیا کرو۔

بموجبِ خوئے بد را بہانہ بسیار

### ایک غلط روش کی مذمت

بعض بہانہ جو مجلسِ خوان بعض اوقات جب کوئی عجیب و غریب روایت یا واقعہ بیان کریں تو اس کے حوالہ کے سلسلہ میں کسی ایسی گمنام کتاب کا نام بیان کر دیتے ہیں جس کا اہل فن نے کوئی تذکرہ ہی نہیں کیا ہوتا یا کسی مشہور عالمِ جلیل کے ایسے مقتل کا نام لے لیتے ہیں کہ اس کی فہرستِ تالیفات میں اس کتاب کا نام نہیں ملتا یا اگر ملتا بھی ہے تو اس میں اس واقعہ کا کوئی نام و نشان تک نہیں ہوتا۔ یا کسی ایسے عالمِ دین سے سننے کا حوالہ دے دیتے ہیں جو اس وقت دوسرے عالم میں سدھار چکے ہوتے ہیں تاکہ تصدیق بھی نہ ہو سکے۔ بہر حال یہ روش بہت مذموم ہے اور بناء الفاسد علی الفاسد کی مصداق ہے جس سے اجتناب لازم و واجب ہے۔

### ایک اور عذرِ بارود کا ازالہ

بعض بے توفیق ضعیف بلکہ موضوعِ روایات و واقعات بیان کرنے کے جواز میں یہ شبہ پیش کیا کرتے ہیں کہ سید الشہداء علیہ السلام کی مجالسِ عزاء میں رونا رلانا شرعاً پسندیدہ امر ہے اس لیے یہ مقصد جس طرح بھی حاصل ہو جائے درست ہے۔

یہ شبہ سابقہ شبہ سے بھی زیادہ رکیک اور کمزور ہے۔ یہ درست ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام اور بالخصوص سید الصابرین کے مصائب و آلام کا تذکرہ کرنا اور ان پر رونا یا رلانا ایک بہت بڑی عبادت اور باعثِ اجر و ثواب ہے لیکن ہے تو پھر بھی بہر حال مستحب! اور کذب و افتراء کی حرمت مسلم الثبوت ہے۔ عقل سلیم اور شرع متین کے کن قوانین کی رو سے یہ جائز ہے کہ مستحب امر کی بجائے اوری کے لیے فعلِ حرام کا ارتکاب کیا جائے؟ کیا غصی یا مسروقہ مال سے سفر زیارت کرنا اس بناء پر جائز قرار دیا جاسکتا ہے کہ زیارتِ ائمہ اطہار علیہم السلام ثواب بے حساب کی موجب ہے؟ کیا اس غرض کے لیے کسی کا مال غصب کرنا یا چرانا جائز ہو جائے گا؟ کیا کوئی معمولی عقل و خرد رکھنے والا انسان یا معمولی دینی بصیرت رکھنے والا مسلمان ایسا کرنے کی جرأت و جسارت کر سکتا ہے؟ کیا یہ اطاعتِ بامرِ ممنوع کے تحت میں داخل نہیں



ہے جیسا کہ صاحب جواہر الکلام نے ایک ایسے ہی شبہ (جواز غنا در مراۃ بغرض بکا و ابکاء) کے جواب میں لکھا ہے:

﴿وَكُونْهُ مَعِينًا عَلَى الْبُكَاءِ الْمَرْغَبِ فِيهِ طَاعَةَ اللَّهِ بِمَعْصِيَةٍ﴾ باقی رہا اس (غنا) کا گریہ و بکا، پر جو کہ شرعاً مرغوب ہے۔ معین و مدد ہوتا تو (بنا بر تسلیم) چونکہ یہ خدا کی نافرمانی کے ساتھ اس کی اطاعت ہے (اس لیے محال اور ناجائز ہے) مالکم کیف تحکمون؟ اللہ اذن لکم ام علی اللہ تفترون؟

پانچواں شاہد: غنا و سرود کا ارتکاب ہے

ہمارے دعویٰ کی صداقت پر پانچواں شاہد یہ ہے کہ مجلس خوان طبقہ کے اکثر بلکہ تمام ذاکرین اور بعض مقررین بھی بلا تاحا غنا و سرود کا ارتکاب کر کے جہاں مجالس عزا کی حقیقی شان خراب کرتے ہیں وہاں اپنی آخرت بھی برباد کرتے ہیں۔

### حرمت غنا قرآن کی روشنی میں

یہاں بنظر اختصار صرف بعض آیات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

(۱) ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْتَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾ (سورہ حج، آیت ۳۰) ”تم ناپاک باتوں سے بچے رہو اور لغو باتوں گانے وغیرہ سے بچے رہو۔“

اس آیت مبارکہ میں وارد شدہ لفظ ”قول زور“ کی تفسیر حضرت صادق آل محمد (علیہ السلام) نے غنا و سرود کے ساتھ کی ہے، حلفہ ہو، تفسیر مجمع البیان، برہان، صافی اور اصول کافی وغیرہ)

(۲) ارشاد رب العباد ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَتَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ (سورہ لقمان، آیت ۶) ”لوگوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو لہو الحدیث کو خریدتا ہے تاکہ علم و معرفت کے بغیر لوگوں کو خدا کے راستہ سے گمراہ کرے اور خدا کی آیات سے تمسخر کرے ایسے لوگوں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔“

اس آیت مبارکہ میں وارد شدہ لفظ ”لہو الحدیث“ کی تفسیر حضرت باقر العلوم (علیہ السلام) نے غنا کے ساتھ فرماتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿الغناء مما أوعده الله عليه النار﴾ کہ غنا ان ممنوع امور میں سے ہے جن پر خدا نے وعید جہنم فرمائی ہے۔ (مذکورہ بالا کتب ملاحظہ ہوں)

### حرمت غناء احادیث معصومین کی روشنی میں

اس سلسلہ میں روایات متواترہ و متکاثرہ موجود ہیں۔ صرف بطور تبرک و تذکر چند روایات پیش کی جاتی ہیں:

(۱) بروایت جابر بن عبد اللہ انصاری جناب رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مروی ہے، فرمایا: ﴿أول من تغنى ابليس﴾



لما اكل آدم من الشجرة ﴿سب سے پہلے جس نے غنا کا ارتکاب کیا وہ شیطان تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام نے شجرہ ممنوعہ کا پھل کھایا تھا۔﴾ (من لا یحضرہ الفقیہ)

اس روایت شریفہ سے ظاہر ہے کہ تمام غنا کرنے والے خواہ جس رنگ میں بھی اس کا ارتکاب کریں وہ سب شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ ﴿الْمَ اَعٰهَدَ اِلَيْكُمْ يٰۤاٰدَمَ اَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (۲) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا: ﴿الغناء عيش النفاق﴾ غنا و سرود منافقت کا آشیانہ ہے (جہاں وہ پرورش پاتی ہے)۔ (۳) انہی جناب سے منقول ہے، فرمایا: ﴿مجلس الغناء لا ينظر الله الى اهله﴾ جہاں غنا ہو۔ خدا وہاں بیٹھنے والوں کی طرف نظر (رحمت) نہیں کرتا۔ اہل انصاف بتائیں جس مجلس کی طرف خدا نظر رحمت ہی نہ فرمائے وہ مجلس شرف قبولیت کیوں کر حاصل کر سکتی ہے؟

(۴) نیز انہی جناب سے مروی ہے، فرمایا: ﴿استماع الغناء واللہو یبیت النفاق فی القلب کما یبیت الماء الزرع﴾ کان لگا کر (توجہ سے) غنا سننا اس طرح دل میں نفاق کواگاتا ہے جس طرح پانی انگوری کواگاتا ہے (ہر سہ از وسائل الشیعہ وغیرہ)

### حرمت غنا اتفاق فقہاء کی روشنی میں

قرآن و حدیث کی روشنی میں حرمت غنا پر تمام علماء فقہاء کا اتفاق ہے چنانچہ صاحب حدائق قدس سرہ رقمطراز ہیں: ﴿ولا خلاف فی حرمتہ فیما اعلم﴾ جہاں تک مجھے معلوم ہے اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح صاحب جواہر نور مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: ﴿بلا خلاف اجدہ بل الاجماع بقسمیہ علیہ و السنة متواترة فیہ بل یمکن دعویٰ کونہ ضروریاً فی المذہب﴾ میں اس (غنا) کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں پاتا بلکہ اس پر ہر دو قسم کا (محصّل و منقول) اجماع قائم ہے۔ اس سلسلہ میں احادیث متواترہ وارد ہیں بلکہ یہ دعویٰ کرنا ممکن ہے کہ غناء کی حرمت مذہب اہل بیت کے ضروریات میں سے ہے (جن کا منکر دائرہ مذہب سے خارج متصور ہوتا ہے)۔

### قصائد و مرثیہ میں غنا کا گناہ زیادہ سخت ہے

جیسا کہ قبل ازیں بھی بیان کیا جا چکا ہے زمان، مکان، فاعل اور مابہ العصیان کے بدلنے سے گناہ کی نوعیت بھی بدل جاتی ہے۔ بنا بریں عام جگہ، عام دن، عام آدمی اور عام چیز (جیسے غزل وغیرہ) میں غنا کا ارتکاب کیا جائے تو گناہ کی نوعیت اور ہوگی لیکن اگر اسی جرم کا ارتکاب کسی متبرک جگہ، متبرک دن، قرآن و دعایا مجلس عزائم میں کیا جائے اور ایسا کرنے والا بھی صاحب عقل و علم ہو تو اس صورت میں یقیناً اس جرم کی سنگینی بڑھ جائے گی چنانچہ حضرت آقا شیخ



زین العابدین قدس سرہ ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ﴿در مراشی و قرآن عذابش بیشتر است﴾ یعنی اگر قرآن یا مرثیہ خوانی میں غنا کا ارتکاب کیا جائے تو اس کا عذاب زیادہ ہے۔ (ذخیرۃ العباد)

اسی طرح حضرت شیخ انصاری اعلیٰ اللہ مقامہ غنا کی تعریف کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ﴿و ظہر مما ذکرنا انہ لا فرق بین استعمال هذه کیفیۃ فی کلام حق او باطل فقراۃ القرآن و الدعاء و المراثی بصوت یرجع فیہ علی سبیل اللہ لا اشکال فی حرمتها ولا فی تضاعف عقابہا لكونہا معصیۃ فی مقام الطاعة و استخفافاً بالمقرّد و المدعو و المراثی﴾ مذکورہ بالا تعریف سے ظاہر ہے کہ اس صوتی کیفیت کی حرمت میں کوئی فرق نہیں خواہ کلام حق میں اس کا استعمال کیا جائے یا باطل میں۔ بنا بریں اگر قرآن، دعا اور مرثیہ کو ترجیح لہوی کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کی حرمت اور عذاب کے دوگنا ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ یہ مقام اطاعت میں معصیت ہے اور اس میں مقرد (قرآن)، مدعو (خدا) اور جس کا مرثیہ پڑھا جا رہا ہے (امامؑ) کی توہین ہے۔“ (مکاسب، صفحہ ۳۷)

### موجودہ مجالس عزاک کی حالت زار پر صاحب البرہان کا تبصرہ

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر اچھی آواز غنا ہے سادہ طریقہ پر ذاکری کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ تقدیس مجلس کا خیال رکھا جائے اور مجلس عزاک کو محفل سرود یا بزم موسیقی نہ بنایا جائے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ آج جس نہج پر مجالس عزاک ہو رہی ہیں اس نے تھیز کو بھی مات کر دیا ہے۔ انہی حالات سے متاثر ہو کر مجلہ علمیہ البرہان لدھیانہ کے سرپرست مرحوم نے (جلد ۲۳، ۱۹۴۳ء) میں انہی مجالس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

**تعریف غنا کی تحقیق:** حضرت شیخ قدس سرہ نے غنا کی یہ مشہور بین الفقہاء تعریف نقل کر کے اس سے موافقت ظاہر کی ہے۔ ﴿مذ الصوت المشتمل علی الترجیع المطرب﴾ اس آواز کا کھینچنا جس میں ترجیع کی جائے اور طرب آوے اور بھی ہو اور اس کے علاوہ بھی بعض تعریفات نقل کر کے آخر میں بطور خلاصہ لکھا ہے: ﴿فالمحصل من الادلة المقدمة حرمۃ الصوت المرجع فیہ علی سبیل اللہ﴾۔ (مکاسب ص ۳۷)

اس کے علاوہ اس کی اور بھی مختلف تعریفات کی گئی ہیں جن کی تفصیل ہمارے رسالہ ”حرمت غنا اور اسلام“ میں دیکھی جاسکتی ہے مگر جس نظریہ پر علماء فقہین کی رائے مستقر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ غنا کی تعریف بیان کرنا عالم و فقیہ کا منصب نہیں ہے اس کا کام صرف شرعی حکم بیان کرنا ہے کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں حرام، باقی رہی موضوع حکم کی تشخیص و تعیین اس سلسلہ میں اہل خبرہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ بنا بریں غنا کے مفہوم کی تعیین کے سلسلہ میں بھی اس کے اہل خبرہ (گائے بجانے والے لوگوں) کی طرف رجوع کرنا چاہیے پس وہ جس مخصوص آواز کو غنا و سرود قرار دیں اسے غنا سمجھا جائے گا۔ (مدعی غنا)



”ایک ناواقف شخص انہیں دیکھ کر یہ محسوس ہی نہیں کر سکتا کہ یہ مجلس عزاء ہے یا محفل سرود و نشاط۔ جب ایک اچھا گانے والا اپنے فن کا عمدہ مظاہرہ کرتا ہے تو سامعین واہ وا، سبحان اللہ (بلکہ نعرہ حیدری، ناقل) کا وہ شور مچتا ہے کہ چھتیں اڑنے لگتی ہیں۔ ایک ناواقف شخص باہر سے سننے والا اسے مجلس عزاء تو کیا سمجھے گا بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ (معاذ اللہ، ناقل) کسی تھیٹر یا سینما کا تماشا دیکھ رہا ہے یا اگر شیر بازی کا شوقین ہے تو وہ یہ سمجھے گا کہ شیر لڑائے جا رہے ہیں اور اگر وہ نیک منش انسان ہے تو اپنے حسن ظن کی بنا پر یہ خیال کرے گا کہ کوئی مشاعرہ ہے جس میں غزل خوانی ہو رہی ہے۔“

جناب مولانا موصوف کا یہ خیال آج سے کم و بیش نصف صدی پہلے کی مجلس کے متعلق ہے مگر اب تو صورت حال اس سے بھی کہیں بدتر ہو چکی ہے۔ آج مجالس کی کامیابی کا دار و مدار صرف دو باتوں پر ہے۔ پہلے حاضرین کو خوب ہنسایا جائے اگرچہ لغویات و واہیات قسم کے قصے، کہانیوں یا لطیفہ بلکہ کثیفہ گویوں سے سبھی اور پھر فنی گریز اور مہارتی ایکٹنگ سے سامعین کو خوب رلایا جائے اور حقیقی یا مصنوعی گریہ و بکاء کا شور بلند کر دیا جائے اگرچہ من گھڑت اور خانہ ساز غلط روایات و واقعات سے سبھی۔ اللہ بس باقی ہوں۔ و الی اللہ المشتکی۔

کیا مجالس عزائے حسینؑ کی یہی شان ہے؟ کیا عزاداروں اور سگوواروں کی یہی حالت ہوتی ہے؟ کیا اقوام عالم کے سامنے ائمہ معصومینؑ کی سیرت و کردار کے پیش کرنے کا یہی طریقہ ہے؟ کیا مذہبی عبادات و رسوم کی ادائیگی کا یہی سلیقہ ہے؟ اور کیا حسینؑ کی شہادت اور مجالس کے انعقاد کی یہی غرض و غایت ہے؟ یہ سوالات ارباب عقل و فکر کی خصوصی توجہ کے طلب گار ہیں!

### بانیان مجالس اور سامعین کی اکثریت کے دولتِ اخلاص سے تہی دامن ہونے پر شواہد و منجگانہ

جب مجلس خوان گروہ کی اکثریت کا اخلاص سے عاری ہونا ثابت ہو چکا تو اب ہم اپنے دعویٰ کے دوسرے جزء یعنی بانیان مجالس اور سامعین کی اکثریت کے دولتِ اخلاص سے تہی دامن ہونے پر پانچ شواہد پیش کرتے ہیں۔

اثبات مدعا پر پہلا شہاد تیری میری مجلس کی تفریق

اس دعوے پر پہلا شہاد یہ ہے کہ آج کل مجالس عزائے سید الشہداءؑ میں تیری میری مجلس اور ”میری مجلس“ کی تفریق پائی جاتی ہے جس کا نتیجہ مجالس کے باہمی تصادم کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ واضح ہے کہ یہ طرز عمل روح اخلاص کے منافی ہے۔ جب ہر مجلس مجلس حسینؑ ہے اور اس کے انعقاد کا مقصد دین حق کی نشر و اشاعت کر کے خدا اور رسولؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کی رضا حاصل کرنا ہے تو پھر یہ تیری میری مجلس اور فلاں و فلاں کی مجلس کے کیا معنی ہیں؟ جب



یہ مجلس عبادت ہے تو عبادت تو وہی ہوتی ہے جو خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ جب سے اس تفریق کا قبیح سلسلہ شروع ہوا ہے اس کے ساتھ ہی مجالس کے تصادم کا سلسلہ غیر مرضیہ بھی شروع ہو گیا ہے جس کا نتیجہ ہے کہ آج مجالس سے مجلس ٹکرا رہی ہے اور جلوس سے جلوس ٹکرا رہا ہے۔ ہر بانی مجلس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی مجلس کامیاب ہو جائے دوسرے کی کامیاب ہو یا ناکام۔ اس سلسلہ میں جن جن حرکات قبیحہ و افعال نامرضیہ کا ارتکاب کیا جاتا ہے وہ عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے جس کا فطرتی و قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ مجالس کی اصل شان اور افادیت بھی ختم ہوتی جا رہی ہے اور بجائے اس کے کہ ان مجالس سے نظم و ضبط اور اتفاق و اتحاد کا درس لیا جاتا۔ الٹا یہی مجالس باہمی تفریق و جدائی کا باعث بن رہی ہیں۔

### دوسرا شاہد: بے جا تکلفات بارودہ کا ارتکاب

مذکورۃ الصدر دعویٰ کے اثبات پر دوسرا شاہد یہ ہے کہ اکثر بانیان مجالس کا مقصد نام و نمود حاصل کرنا اور اپنے ٹھاٹھ ہاتھ کی نمائش کے ساتھ ساتھ دوسروں کی تحقیر کرنا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ بعض اوقات ایسے امور کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں جو شرعاً ناجائز یا کم از کم نامرغوب ضرور ہوتے ہیں۔ ان تکلفات بارودہ کی وجہ سے روز بروز اسراف میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اب رفتہ رفتہ مجالس میں حقہ، پان، سگریٹ، چائے اور شربت شیرہ وغیرہ اور امام بارگاہوں کی جھاڑ فانوس اور آئینہ وغیرہ سامان آرائش سے زیبائش و آرائش کرنا کہ جس کی وجہ سے وہ بجائے عزراخانہ کے محفل یا نشاط خانہ معلوم ہوں۔ عزاداری کا جز بنتی جا رہی ہیں جس سے عزاداری کی اصل روح یعنی سادگی جو اسلام کا طغرائے امتیاز ہے بالخصوص عبادت خانوں میں تو اس پر اس قدر زور دیا گیا ہے کہ مساجد میں سونے چاندی سے نقش و نگار کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ مجروح ہو رہی ہے بلکہ مردہ۔ اس لیے اس فاسد جذبہ کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز اخلاص کے منافی ہے جس کی وجہ سے ”نیکی برباد اور گناہ لازم“ والی مثل صادق آتی ہے۔ اصامن کمان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً۔

### تیسرا شاہد: تعیش و مافی کی تلاش

مذکورہ بالا دعویٰ کے اثبات پر تیسرا شاہد یہ ہے کہ بانیان کرام ہوں یا سامعین عظام ان کی اکثریت ایسے مجالس خوان حضرات کو پسند کرتی ہے جن کی پڑھائی میں تعیش و مافی حاصل کرنے کے پورے پورے سامان مہیا ہوں اور اگر کوئی پڑھنے والا خدا اور رسولؐ اور ائمہ اطہارؑ کی منشاء کے مطابق سادہ اور صحیح طریقہ پر پڑھتا ہے تو نہ بانیان اس کی طرف توجہ کرتے ہیں اور نہ ہی سامعین شرکت کی زحمت گوارا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بانی حضرات کسی کو دعوت دینے سے پہلے اس کی آزمائشی تقریریں سنتے ہیں اور اس مقصد کے لیے بعض مقامات پر خصوصی مجالس کا اہتمام



کیا جاتا ہے اور سامعین حضرات شرکت سے پہلے یہ معلوم کرتے ہیں کہ پڑھنے والا کون اور کیسا ہے؟ ان حضرات کی یہ روش و رفتار اس امر کی غماز ہے کہ یہ لوگ مجلس کو مجلس عزا سمجھ کر منعقد نہیں کرتے اور سنتے بلکہ مجلس حسینؑ کی آڑ میں تعیش و مبالغہ اور تفریح طبعی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ واقعہً کر بلا ایسا رقت خیز سانحہ ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کسی شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی محبت اہل بیتؑ ہو اور یہ واقعہ ہانکے سنے اور پھر اس کی آنکھ اشکبار نہ ہو۔ خود شہید کر بلا کا ارشاد ہے: ﴿اَنَا قَتِيلُ الْعَبْرَةِ مَا ذَكَرْنِي مُؤْمِنٌ إِلَّا اسْتَعْبَرْتُ عَيْنَاهُ﴾ (نفس المہوم وغیرہ) پھر نامعلوم مظلوم کر بلا کی مصیبت عظمیٰ پر چند اشک غم بہانے کے لیے فضول تکلفات کی کیا ضرورت ہے؟ کیا نوبت نقارہ اور راگ و رنگ کے بغیر گریہ نہیں ہوتا اگر کسی کا کوئی عزیز مر جائے تو کیا مجلس سماع منعقد کرنے، ڈھول بجوانے اور راگ و سرود سے اس پر رنج و غم کا اظہار کیا جاتا ہے؟ جب وہاں ایسا نہیں کیا جاتا تو کم از کم شہدائے کر بلا کے ساتھ وہی سلوک ہی کیا جائے جو اپنے مرنے والے عزیزوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے: ﴿لَا يُقَاسُ بِآلِ مُحَمَّدٍ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ﴾ (نہج البلاغہ) بہر حال اگر ان مجالس کے انعقاد کا مقصد خوشنودی خدا اور رسولؐ حاصل کرنا ہے تو بانیوں اور سامعین کو بلا تکلفات بارودہ سچے فضائل و مصائب اہل بیتؑ سننے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ نیز ضروری ہے کہ ان مجالس میں کسی فرقہ کی دل آزاری نہ کی جائے بلکہ حکم امام ”رغبہم ولا تنفر“ پر عمل کرتے ہوئے ایسا طرز مجلس خوانی اختیار کیا جائے کہ تمام برادران اسلامی شوق سے ان میں شرکت کر کے بارگاہِ حسینیؑ میں اپنی عقیدت کے پھول نثار کر سکیں۔

### چوتھا شاہد: صالح و طالح کی عدم تمیز

ہمارے مدعا پر چوتھا شاہد یہ ہے کہ بانیان مجالس ہوں یا سامعین ان کی اکثریت مجالس پڑھانے یا سننے کے سلسلہ میں صحیح العقیدہ اور بدعقیدہ، صادق و کاذب اور صالح و طالح میں کوئی امتیاز نہیں کرتی بلکہ ان کا صحیح نظر صرف یہ ہوتا ہے کہ اگر پڑھنے والا مولوی ہے تو چند رٹے رٹائے غیر علمی نکتوں سے سہی مجمع کو خوب اچھا لکے اور اگر ذاکر ہے تو اپنی خوش الحانی کی وجہ سے حاضرین کو مسحور کر سکے۔ بلا تشبیہ آج منبر پر مؤذن حمص والے واقعہ کو دہرایا جاتا ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ ایک نو وارد شخص جب شہر حمص میں وارد ہوا تو اس نے ایک خوش آواز شخص کو اس طرح اذان کہتے ہوئے سنا جو بجائے ﴿اشھد ان محمداً رسول اللہ﴾ کے کہہ رہا تھا: ﴿ان اہل حمص یشہدون ان محمداً رسول اللہ﴾ (یعنی حمص کے لوگ گواہی دیتے ہیں کہ محمد خدا کے رسول ہیں) اس شخص نے قاضی شہر سے جا کر حقیقت حال دریافت کی۔ قاضی نے اسے بتایا کہ ان کا مقررہ مؤذن تعطیلات پر گھر گیا ہوا ہے۔ اس کے بعد ہمیں ایک خوش آواز مؤذن کی ضرورت درپیش آئی۔ بد قسمتی سے مسلمانان حمص میں ایسا کوئی شخص نہ مل سکا۔ اس لیے



ہمیں ایک یہودی کی خدمت حاصل کرنا پڑی اور چونکہ وہ آنحضرت ﷺ کی رسالت کا قائل نہیں اس لیے کہتا ہے:

ان اهل حمص يشهدون الخ..... (زہر الریح)

ہمارے اکثر سادہ لوح عوام نے بھی یہی نظریہ قائم کر رکھا ہے کہ ہمیں تو ایک خوش الحان آدمی سے مجلس حسینؑ سننا ہے ہمیں اس کے کردار سے کیا تعلق ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جب سے ہمارے اسلامی بھائیوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ ہم نے تو قرآن کی اقتداء کرنا ہے پیش نماز جیسا بھی ہو۔ اس دن سے ان کے مصلیٰ کی عظمت ختم ہو گئی ہے اسی طرح جب سے ہمارے عوام نے یہ خیال کر لیا ہے کہ ہم نے تو مجلس حسینؑ سننا ہے ہمیں پڑھنے والے کے کردار سے کیا سروکار ہے! اسی دن سے حسینیؑ اسٹیج کی تقدیس ختم ہو کر رہ گئی ہے۔

یہ روش و رفتار شاہد ہے کہ اس عمل میں روح اخلاص کا فقدان ہے۔ اگر یہ مجالس خالصاً لوجہ اللہ ہیں تو ضروری ہے کہ منبر پر انہی لوگوں کو لایا جائے جن کے عقائد و اعمال شریعت مقدسہ کے عین مطابق ہوں اور بد عقیدہ و بد اعمال افراد کو حسینیؑ اسٹیج کے قریب بھی نہ آنے دیا جائے کیونکہ

آں خویشان گم است کرا راہبری کند

پانچواں شاہد: سیرت حسینیؑ کا فقدان

ہمارے مرقومہ بالا دعویٰ کی صداقت پر پانچواں شاہد یہ ہے کہ بانیان مجالس ہوں یا سامعین ان کی اکثریت میں سیرت و کردار امام حسینؑ کی جھلکیاں دکھائی نہیں دیتیں۔ یہ درست ہے کہ یہ لوگ بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے مجالس منعقد کرتے ہیں۔ ان میں واہ وا اور آہ کی آوازیں بھی خوب بلند ہوتی ہیں۔ دعوتیں خوب اڑتی ہیں۔ ناؤ و نوش کے انتظام اعلیٰ پیمانہ پر ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے جلسوں میں تو بعض اوقات پڑھنے اور سننے والے اس قدر کثیر التعداد ہوتے ہیں کہ ان کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہوتا ہے۔ بانی مجلس کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے بھی ملائے جاتے ہیں۔ بالعموم پڑھنے والے بانیان کرام کو جنت کے ٹکٹ بھی دے کر جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ ہاں اگر کسی چیز کی کمی ہوتی ہے تو سیرت و کردار کی۔ ان لوگوں کے عقائد و نظریات اور اخلاق و اطوار ائمہ اطہارؑ کی بجائے دشمنان اہل بیتؑ کے کردار کی غمازی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کیونکہ اور نہیں تو کم از کم بانیان و سامعین کرام کو نمازی تو ضرور ہونا چاہیے اور نماز بھی مثالی، کیونکہ ان مجالس کے انعقاد کا اصلی مقصد تو یہی ہے کہ عزاداروں میں حسینیت پیدا کی جائے اور سید الشہداء علیہ السلام نے روز عاشورہ میں حالت جنگ میں نماز ظہر اور وہ بھی جماعت کے ساتھ اس طرح پڑھی ہے کہ اس کی نظیر صفحہ عام پر نظر نہیں آتی۔ لہذا ان کے نام لیواؤں کو بھی ان ذوات مقدسہ کی اس قدر تاسی تو کرنا چاہیے کہ مشکل سے مشکل اور کٹھن سے کٹھن حالات میں بھی نماز خدا ترک نہ کریں اور



اگر عین حالتِ مجلس اور جلوس میں نماز کا اول وقت داخل ہو جائے تو مجلس یا جلوس کو روک کر وہیں نماز باجماعت پڑھ کر اہل عالم پر واضح کر دیں کہ حسینیؑ اس طرح ہوتے ہیں۔ پھر دیکھیں کہ ان مجالس و جلوس ہائے عزاء کی افادیت میں کس قدر اضافہ ہوتا ہے اور مذہبِ حق کی کس قدر ترویج و ترقی ہوتی ہے! اور اگر یہ نہیں تو پھر یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ۔

جو کچھ بھی ہے تکلف و ہم و خیال ہے

الحمد للہ کہ ان حقائق کی روشنی میں ہمارے دعویٰ کی صداقت اظہر من الشمس ہو گئی ہے۔ دعا ہے کہ خداوند عالم تمام مجالس و مجالل پڑھنے، سننے اور منعقد کرنے والوں کو اخلاص کی دولت گراںمایہ ارزانی فرمائے۔ آمین بجاہ النبی و آلہ الطاہرین۔

### مجلس خواں گروہ کے آداب و گانہ

اب ہم ذیل میں کتاب کبریت احمر، لؤلؤ و مرجان، مجاہد اعظم حصہ اول وغیرہ کتب معتبرہ سے ہے مع اضافات جدیدہ و مفیدہ مجلس خواں گروہ کے وہ گانہ آداب و شرائط کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان وہ گانہ آداب کا تذکرہ کیا جائے گا جن کا تعلق بانیانِ کرام یا سامعین عظام یا خود مجلس امام کے ساتھ ہے۔ انشاء اللہ

پہلا ادب: صحت عقائد SIBTAIN.COM

تمام ادیان و مذاہب میں بالعموم اور دین اسلام میں بالخصوص عقائد اور ان کی صحت کو جو اہمیت دی گئی ہے وہ ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔ تمام انسانی اقوال و افعال کی قبولیت کا دار و مدار تمام اخروی جزا و سزا کا انحصار اسی صحت عقیدہ پر ہے۔ اسی فسادِ اعتقاد کی وجہ سے کفار و مشرکین پر جنت حرام قرار دی گئی ہے۔ ارشادِ قدرت ہے: ﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ اِنَّ اللّٰهَ حَرِّمَهَا عَلَى الْكَافِرِينَ﴾

عقیدہ میں معمولی سی لغزش انسان کو خلود فی النار کا سزاوار بنا دیتی ہے اس لیے ہر مکلف پر بالعموم اور مبلغ دین پر بالخصوص ناقابل انکار قطعی دلائل سے اصول اسلام اور عقائد ایمانیہ کا اس طرح محکم کرنا واجب و لازم ہے کہ نزول الجبال ولا نزول تلک العقائد چونکہ افراد قوم کے عقائد کی اصلاح یا ان کا فساد زیادہ تر اہل منبر کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے اس لیے اگر خدا نخواستہ ان کے عقائد فاسد ہوئے تو ان کا وجود قوم و ملت کے لیے شیطان سے بھی زیادہ ضرر رساں اور باعث نقصان ہوگا۔

یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ صرف سنی سنائی باتوں سے یا گھر بیٹھ کر محض چند کتب کی ذرق گردانی کرنے سے عقائد میں درستگی اور پختگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اسی بنا پر ہادیانِ دین نے ایسے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرنے کی ہدایت



فرمائی ہے جن کا سرمایہ علم صرف چند کتابوں کی ورق گردانی تک محدود ہو۔ چنانچہ جناب رسول خدا ﷺ کا ارشاد ہے: ﴿ایاکم و اهل الدفاتر ولا یغرنکم الصحفون﴾ (اپنی کتابوں والے) سے بچنا کہیں یہ کرم کتابی تمہیں دھوکہ نہ دے دیں (بخاری ج ۱) کیونکہ ایسے لوگ مایفسد و نہ اکثر مما یصلحون (اس قدر اصلاح نہیں کرتے جس قدر افساد کرتے ہیں) وجہ ظاہر ہے کہ علمی اسرار و رموز صرف کتب بنی سے حاصل نہیں ہو سکتے بلکہ اس مقصد جلیل کے حاصل کرنے کے لیے علماء محققین کی خدمت میں زانوئے ادب تہہ کرنا پڑتا ہے جیسا کہ جناب علامہ حلیؒ نے فرمایا ہے: ﴿ولکل علم اسرار لا یطلع علیہا من الکتب فیجب اخذہ من العلماء و لہذا قال علیہ السلام خذوا العلم من افواه الرجال و نہی عن الاخذ عن اخذ علمہ من الدفاتر فقال علیہ السلام لا یغرنکم الصحفون﴾ آنحضرت کا مشہور ارشاد ہے: خذوا العلم من افواه الرجال۔ کہ علم کو علماء سے حاصل کرو۔ (بخاری ج ۱، تحریر الاحکام)

حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿من دان اللہ بغير سماع من عالم صادق الزمہ اللہ التیہ الی الفناء﴾ جو شخص کسی حقیقی عالم سے سنے بغیر کوئی عقیدہ قائم کرے گا وہ مرتے وقت تک سرگردان رہے گا (کبریٰ احمر، صفحہ ۱۱، طبع ایران) ان حقائق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فروع دین کی طرح اصول عقائد میں بھی علماء اعلام ہی کی طرف رجوع کرنا لازم ہے اور انہی سے تصحیح عقائد کرنا واجب، ہاں اصول و فروع کے سلسلہ میں اس قدر فرق ہے کہ فروع کے سلسلہ میں صرف شرعی حکم معلوم کیا جائے گا۔ اس کی دلیل دریافت نہیں کی جائے گی لیکن اصول عقائد میں صحیح عقیدہ بھی انہی سے معلوم کیا جائے گا اور ساتھ ہی اس کی دلیل بھی حاصل کی جائے گی تاکہ وہ عقیدہ علی وجہ البصیرہ ہو اور اس سے اطمینان قلب حاصل ہو جائے۔

### اہل منبر کے لیے مفید مشورہ

اہل منبر کے لیے صرف یہی بات کافی نہیں کہ علماء اعلام سے اپنے عقائد کی اصلاح کرائیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ احادیث بیان کرنے کے سلسلہ میں بھی علماء محققین سے اجازہ نقل روایت حاصل کریں کیونکہ کتابوں میں ہر قسم کا رطب و یابس مداخل جاتا ہے اس لیے حزم و احتیاط فی الدین کا تقاضا یہ ہے کہ اہل منبر نقل روایات سے پہلے اس کا اجازہ حاصل کریں اگر ایسا نہ کیا گیا تو ان کی مجلس خوانی سے اتنا فائدہ نہ ہوگا جتنا کہ دینی نقصان ہوگا۔ بعض علماء کرام نے تو ایسے بے لگام مقررین کی مجالس میں شرکت کرنے کو بھی حرام قرار دے دیا ہے جن کا نہ خود علمی پایہ بلند ہوتا ہے اور نہ علماء اعلام کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں: ﴿فلا یجوز الاستماع الیہم و

حضور منابرہم و مجالسہم فقل الاحادیث مالہم یرجعوا الی من لہ اہلیۃ التمییز بین



ضعاف الاحادیث و صححہا ممن يجوز تقليده و الرجوع اليه ﴿احياء الشريعة، ج ۱﴾

لہذا ایسے لوگ اگر دینی احکام میں مداخلت کریں گے تو بقول علامہ مازندرانی ان کا قول مثل بول متصور ہوگا۔ ﴿واعظم غیر مجتہد قولش مثل بولش می باشد در بیان احکام اگر از خود بگوید﴾  
(ذخیرۃ المعاد، ص ۱۰۲، طبع لکھنؤ)

### دوسرا ادب: ضرورت اخلاص

قبل ازیں اخلاص فی العمل کی ضرورت و اہمیت پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے یہاں اس کے اعادہ و تکرار کی حاجت نہیں ہے یہاں تو صرف اجمالی اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ہر عبادت کی روح اخلاص ہے لہذا مجالس خوان حضرات کے لیے لازم ہے کہ وہ مجالس کو (جو کہ بہترین عبادت ہے) پورے خلوص نیت کے ساتھ پڑھیں۔ اس میں ذاتی نام و سود کی خواہش، ریا و سمعہ کی آمیزش، تعریف و توصیف کی تمنا اور اپنی برتری اور دوسروں کی تحقیر کا جذبہ یا اس قسم کا کوئی اور سفلی دلولہ کارفرمانہ ہو۔ قبل ازیں ثابت کیا جا چکا ہے کہ فیس مقرر کر کے مجلس پڑھنا بھی روح اخلاص کے منافی ہے جس سے اجر و ثواب اکارت ہو جاتا ہے۔

### وضاحت

ہم واعظین و ذاکرین کی مالی خدمت کرنے کے مخالف نہیں بلکہ اس بات کے حامی ہیں کہ ان کی زیادہ سے زیادہ امداد و اعانت کی جائے تاکہ وہ فکر معاش سے فارغ البال اور مرفہ الحال ہو کر فریضہ تبلیغ کو بجالا سکیں۔ بنا بریں اگر یہ حضرات خلوص کے ساتھ مجلس پڑھ دیں اور ان کی خدمت میں علی قدر مدارجہم بطور ہدیہ و نذرانہ کم یا زیادہ کچھ پیش کیا جائے تو اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ ہمیں اگر اعتراض ہے تو صرف ذکر حسین کی تجارت پر۔ اس کے چک چکاؤ پر رسول بھاؤ پر۔ ظاہر ہے کہ ہدیہ و عطیہ کی صورت اور ہے اور تجارت کی شکل اور۔ و بینہما بون بعید۔

### میرا ادب: مقتضائے حال کے مطابق گفتگو کرنا

علم معانی و بیان سے معمولی واقفیت رکھنے والے حضرات کے لیے یہ حقیقت کسی دلیل و برہان کی محتاج نہیں ہے کہ مقتضائے حال کے مطابق کلام کرنے کا نام بلاغت ہے۔ بنا بریں اہل منبر کو منبر پر ایسے مطالب و مضامین بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے جن سے ان کی قابلیت کا اظہار تو ہوتا ہو مگر سامعین کے پلے کچھ نہ پڑے بلکہ ان کو چاہیے کہ سامعین کے ظرف فہم و مقدار عقل کی وسعت کے مطابق حقائق بیان کریں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ﴿انا معاشر الانبیاء امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقولہم﴾ ہم گرد و انبیاء کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کی عقل و فکر کے مطابق گفتگو کریں۔ (بحار الانوار) جناب امیر المومنین علیؑ اپنی



وصیت میں فرماتے ہیں: ﴿يَا بَنِيَّ لَا تَقُلْ مَا لَا تَعْلَمُ بَلْ لَا تَقُلْ كَلِمًا تَعْلَمُ﴾ بیٹا! جس بات کا علم نہ ہو وہ بات نہ کہو بلکہ ہر وہ بات جو تمہیں معلوم ہے وہ بھی نہ کہو۔ (نیچ البلاغہ) سچ ہے لیس کَلِمًا يَعْلَمُ بِقَالَ ۛ

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

آج کل کچھ لوگ عوامی سٹیج پر ایسے ایسے باریک مطالب بیان کرتے ہیں اور ایسی ایسی علمی موشگافیاں کرتے ہیں کہ سامعین کی اکثریت تو سواد علمی سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے کیا سمجھے گی بلکہ ظن غالب یہ ہے کہ خود بیان کرنے والوں کی بھی مطالب کی گہرائی و گیرائی تک صحیح رسائی نہیں ہوتی اور نہ ہی اپنی بیان کردہ تمام باتوں پر اعتقاد ہوتا ہے بلکہ صرف عنوان خطابت کے تحت سب کچھ کیا جاتا ہے اگرچہ سامعین کے عقیدہ و عمل کا بیڑا غرق ہو جائے۔ دوسری طرف کچھ اہل منبر علمی سطح سے ہٹ کر ایسے مبتذل نکات، بودے استدلات، رکیک استنتاجات اور غلط بیانات بیان کرنے کے عادی ہو گئے ہیں کہ عوام کا لالچہ تو ان باتوں سے ضرور محفوظ ہوتے ہیں اور داد و تحسین کی صدائیں بھی بلند ہوتی ہیں مگر ایک با سمجھ اور با بصیرت انسان سر پیٹ کر رہ جاتا ہے۔ آج حقائق کی جگہ لطائف اور دقائق کی جگہ ظرائف نے لے لی ہے اور اس سے ہماری قوم کی دماغی تربیت استدلالی لحاظ سے ابتر ہوتی جا رہی ہے اور قوائے فکر یہ کو برابر مغالطوں کا شکار کیا جا رہا ہے۔ اس طرح قوم سے صحیح غور و فکر کا مادہ ہی سلب ہوتا جا رہا ہے۔ بالخصوص اغیار کی موجودگی میں ہمارے مجالس خوان جب ایسے مہفوات پر اتر آتے ہیں تو ارباب بصیرت کو نہایت شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ ایسے لوگ قابلِ انتباہ ہیں۔ وَفَقْنَا اللَّهَ لَمَّا يَحِبُّ وَيَرْضَى۔

چوتھا، پانچواں اور چھٹا ادب: فیس طے کرنے اور غنا سے اجتناب کرنا

اہل منبر کو چاہیے کہ مجلس حسینؑ ایسی مقدس چیز کو اجرت کے طے کرنے، ان میں غنا و موسیقی کا ارتکاب کرنے اور کذب و افتراء کی آلائش سے ملوث کرنے سے مکمل اجتناب کریں۔ ان تمام امور پر قبل ازیں مکمل تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ یہاں تو صرف اجتماعی طور پر ان آداب و شرائط کا اجمالی تذکرہ کرنا مقصود ہے۔ و بس۔

ساتواں ادب: حسینیؑ سیرت کا عملی نمونہ پیش کرنا

مجلس خوان حضرات کو چاہیے کہ اپنی سیرت و کردار کی پاکیزگی سے اسوۂ حسینیؑ کا عملی نمونہ پیش کریں۔ اپنی شکل و شمائل اور عادات و خصائل کو شریعت مقدسہ کے اصولوں کے مطابق ڈھالیں۔ واجبات کی بجا آوری اور محرمات سے اجتناب کی سختی کے ساتھ پابندی کریں۔ راست گوئی، راست بازی اور خلوص کو اپنا شعار قرار دیں، ایثار کو اپنا شیوہ بنائیں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کو سرمایہ حیات مستعار قرار دیں تاکہ ذاتی اغراض سے بالا ہو کر خدمتِ دین کر سکیں اور قوم و ملی مفاد کو اپنے ذاتی مفاد پر ترجیح دیں۔ ذکر حسینؑ کو ذریعہ معاش و سرمایہ حیات نہ



بنائیں۔ لوازم عیش و عشرت سے اجتناب کریں تاکہ مہمانِ کربلا کی سادہ زندگی بیان کرنے والوں کی مہمانداری میں اہل ایمان کو پریشانی نہ ہو۔ نیز ان کو مصائب و آلام کی تکلیف جھیلنے کی عادت ڈالنا چاہیے تاکہ تبلیغ حق کے سلسلہ میں اگر کوئی تکلیف پہنچے تو اسے خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر سکیں۔ نیز انہیں چاہیے کہ اپنے عمل سے اتفاق و اتحاد کی تلقین کریں۔ غرضیکہ سیرتِ حسینؑ کا تذکرہ کرنے والوں کو اپنے عمل و کردار سے لوگوں کو سیرتِ ائمہ اطہارؑ کا درس دینا چاہیے۔ اگر اہل منبر میں یہ صفاتِ جلیلہ موجود نہیں ہیں تو پھر وہ اس عزت و منزلت کے ہرگز مستحق نہیں ہیں جو ان کے جلیل القدر منصب سے وابستہ ہے اور ان کی منبر پر سب ہاؤ ہو اور رونادور لانا سطحی جذبات کی نمائش ہے جو کوئی قابلِ قدر چیز نہیں ہے۔ ﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

### آٹھواں ادب: واعظین کے بیان کا امید و بیم کے درمیان ہونا

اہل منبر کو چاہیے کہ ان کا بیان خوف و رجاء کے بین بین ہونہ تو اس قدر عذابِ خداوندی سے ڈرائیں کہ لوگ رحمت پروردگار سے مایوس ہو جائیں اور نہ ہی رحمت حق پر غلط اعتماد کر کے اس قدر ڈھیل دیں کہ لوگ عذابِ خدا سے مامون و مطمئن ہو کر گناہوں پر جری و جسور ہو جائیں۔ حضرت صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں: ﴿إِلَّا أَخْبِرْكُمْ بِالْفَقِيهِ حَقَّ الْفَقِيهِ مَنْ لَمْ يَقْنَطِ النَّاسَ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ وَلَمْ يُؤْمِنْهُمْ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ﴾ کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ حقیقی فقیہ اور شریعت دان کون ہے؟ جو نہ تو لوگوں کو رحمت حق سے ناامید کرے اور نہ ہی عذابِ خدا سے بے خوف کر دے (اصول کافی، صفحہ ۱۹، باب صفۃ العلماء) فلاح کونین کے لیے جس قدر خدا کی رحمتِ کاملہ پر اعتماد کی ضرورت ہے اتنا ہی اس کے عذاب و عقاب سے ڈرنا بھی لازم ہے کیونکہ جہاں وہ غفور و رحیم ہے وہاں جبار و قہار بھی ہے ﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ اسی لیے آنحضرتؐ کی یہ شانِ بیان کی گئی ہے کہ وہ بشر ہونے کے ساتھ ساتھ نذیر بھی تھے ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ بہر حال ایک عقل مند اور ہمدرد قوم مبلغ کی حیثیت ایک ماہر طبیب کی سی ہے اسے چاہیے کہ قوم کی نبض پر ہاتھ رکھے اور جہاں جس قسم کے بیان کی ضرورت ہو اس کے مطابق بشارت یا نذارت کا فریضہ انجام دے مگر افسوس کا مقام ہے کہ اکثر مقررین نے صرف بشارت کو اختیار کر کے نذارت کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے جس کی وجہ سے ہماری اجتماعی قوتِ عمل پڑمردہ ہو گئی ہے اور اس کے باوجود ہر شخص جنت کا ٹھیکیدار نظر آتا ہے۔ ایسے خوش فہم حضرات کو یاد رکھنا چاہیے کہ جنت کے پٹے ایسے ارزاں پڑے نہیں جتنے کہ اس طرح رائیگاں اور مفت میں ہاتھ آجائیں۔ شفاعتِ برحق ہے اور ضرور ہے مگر ہمارا مسئلہ شفاعتِ نصرانیوں کی طرح نہیں ہے کہ گناہوں کی گٹھری خدا کے بیٹے کے حوالہ کر دی اور خود مطلق



العنان ہو کر جو چاہیں کرتے پھریں۔ خدا کی بارگاہ میں دیر تو ہو سکتی ہے مگر اندھیر نہیں۔ ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾

نواں ادب: مبلغین کا معصومین کے فرامین پر اکتفا کرنا

مبلغین کو چاہیے کہ وہ حضرات معصومین علیہم السلام کے ارشادات و فرامین بیان کرنے پر اکتفا کریں اور بغیر شدید ضرورت کے مخالفین کے روایات نقل کرنے سے تاہم قدر احتساب کریں۔ اصول دین ہوں یا فروع دین بلکہ فضائل ائمہ طاہرین علیہم السلام میں بھی روایات مخالفین پر اعتماد کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے چنانچہ علامہ مجلسی نے ہفتم بحار الانوار، ص ۳۶۱ پر ایک پورا باب بعنوان ”باب النہی عن اخذ فضائلہم من مخالفہم“ منعقد کیا ہے اور پھر ارشاد معصومین علیہم السلام کی روشنی میں اس مطلب کو ثابت فرمایا ہے اسی طرح حضرت شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے عدۃ الاصول ص ۵۳ طبع ایران میں اس مطلب پر فرقہ محققہ کے اجماع کا دعویٰ فرمایا ہے۔ رجال کشی ص ۲ طبع بمبئی میں بروایت علی بن سید جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے: ﴿لَا تَأْخُذْنَ مَعَالِمَ دِیْنِکَ عَنْ غَیْرِ شَیْعَتِنَا فَانْکَ اِنْ تَعَدَّیْتَهُمْ اخَذْتَ دِیْنِکَ عَنِ الْخَائِنِیْنَ﴾ اپنے دین کے معالم و معارف کو شیعیان علی کے علاوہ اور کسی سے حاصل نہ کرنا۔ اگر تم نے ان سے تجاوز کیا تو پھر خیانت کا روں سے دینی معلومات حاصل کر دو گے۔

مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج ہماری مجالس کچھ اس منہج پر چل رہی ہیں کہ ابتداء سے انتہا تک مخالفین کی کتب تفسیر و حدیث وغیرہ کے حوالہ جات پر مجلس ختم ہو جاتی ہے اور جو لوگ اپنے ہادیان دین کے فرامین سننے کے شوق میں شریک مجلس ہوتے ہیں ان کے کان قال الباقر علیہ السلام اور قال الصادق علیہ السلام کی آواز سننے کے لیے ترستے ہی رہتے ہیں۔ اسی غلط روش کا نتیجہ ہے کہ اپنی مذہبی کتب کا مطالعہ متروک ہوتا جا رہا ہے جس کی وجہ سے پڑھنے اور سننے والوں کی اکثریت اپنے صحیح مذہبی معلومات سے تہی دامن نظر آتی ہے۔ مخالفین کی رطب و یابس مطالب سے لبریز کتب کے ناموں سے تو قوم کا بچہ بچہ واقف ہے مگر اپنی کتب اربعہ کے بھی انہیں نام معلوم نہیں ہیں، العجب۔ بہر کیف اس روش میں اصلاح کی اشد ضرورت ہے ہاں بوقت ضرورت بغرض تائید یا بطور الزام ان کے روایات پیش کرنے میں مقررین کے لیے کوئی حرج نہیں لیکن نہ اس حد تک کہ اسے ہی اصل مقصود بالذات سمجھ لیا جائے۔

دسواں باب: طول ممل و اختصار محل سے اجتناب کرنا

مبلغین و ذاکرین کو انسانی نفسیات سے بھی واقف ہونا چاہیے تاکہ وہ موقع و محل کی نزاکت کا خیال کر کے طول یا اختصار سے کام لے سکیں۔ بموجب خبر الامور اوساطہاء بہتر یہ ہے کہ طول ممل اور اختصار محل ہر دو سے اور بالخصوص طول کلام سے اجتناب کریں۔ جب سننے والوں کا هنوز اشتیاق باقی ہو تو سلسلہ کلام بند کر دینا چاہیے تاکہ



کلام میں زیادہ اثر پیدا ہو۔ اس بات کا لحاظ کرنا اس وقت اور بھی زیادہ مؤکد ہو جاتا ہے جب کہ اور بھی پڑھنے والے موجود ہوں تاکہ ایک کے طول کلام سے دوسروں کی مجلس متاثر نہ ہو۔ اور اس طرح ان کے درمیان باہمی عداوت اور شکر رنجی کے جذبات نہ ابھرنے پائیں۔ ہاں اگر کسی وقت خود سامعین کا اصرار ہو کہ مقرر اپنے بیان کو قدرے طول دے تو یہ اور بات ہے۔ حدیث میں وارد ہے: ﴿القائل اقل ملالة من المستمع فاذا حدثت فلا تمل جلسانک﴾ بولنے والا سننے والے کی نسبت کم ملول ہوتا ہے لہذا جب کچھ بیان کر تو (طول کلام سے) سامعین کو ملول نہ کرو۔ بہر حال اہل منبر کو خود نفسیاتی طور پر موقع محل کی نزاکت کا خیال رکھنا چاہیے۔ و لکل مقام مقال۔

### واعظ میں کن صفات کا ہونا ضروری ہے

اس سلسلہ کے اختتام پر حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کی ایک حدیث پیش کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے جس میں آنجناب نے واعظین کے چند اہم صفات جلیلہ کا تذکرہ فرمایا ہے جس سے مذکورہ بالا حقائق کی تائید مزید ہوتی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿من لم ينسلخ من هوا جسہ ولم يتخلص من آفات نفسہ و شهواتہ ولم يهزم الشيطان ولم يدخل فی کنف اللہ و امان عصمتہ لم يصلح للامر بالمعروف و النهی عن المنکر لانه اذا لم یکن بهذه الصفة فکل ما اظهر یكون حجة علیه ولا ينتفع الناس به قال اللہ تعالیٰ اتأمرون الناس بالبر و تنسون انفسکم و یقال له یا خائن اتطالب خلقی بما خنت به نفسک و اریخت عنانک﴾ کوئی بھی شخص جب تک اپنے وساوس نفسانیہ اور اس کے آفات و شہوات سے گلو خلاصی نہ کرالے اور شیطان کو شکست دے کر خدا کی پناہ گاہ اور امان میں داخل نہ ہو جائے اس وقت تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ وہ جب تک ان صفات کا حامل نہ ہوگا تو جو کچھ کہے گا وہ اس کے برخلاف اتمام حجت ہوگا اور لوگ اس سے فائدہ بھی حاصل نہیں کر سکیں گے خدا فرماتا ہے: کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کر دیتے ہو نیز اس سے (منجانب اللہ) یہ کہا جاتا ہے او خائن! تو میری مخلوق سے ان امور کی بجا آوری کا مطالبہ کرتا ہے جن میں خود خیانت مجرمانہ کرتا ہے اور اپنے نفس کی لگام ڈھیلی چھوڑتا ہے۔ و نعم ما قیل لا تنهه عن خلق و تاتئ مثله عار علیک اذا فعلت عظیم۔

### باثیان مجالس اور سامعین کرام کے دہ گانہ وظائف کا بیان

یہ امر کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے کہ ہر کام کی انجام دہی کے کچھ مخصوص قواعد و ضوابط ہوتے ہیں اگر ان کو نظر انداز کر دیا جائے تو وہ کام ناتمام رہتا ہے اسی طرح مجالس عزا کے انعقاد و استمرار اور ان سے مطلوبہ فوائد حاصل کرنے کے بھی کچھ قواعد ہیں جن کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے ورنہ یہ عمل خیر بے کیف اور جسہ بلا روح ہو کر رہ جائے گا ہم ذیل میں



صرف دس اہم وظائف کا تذکرہ کرتے ہیں۔

### پہلا وظیفہ: خلوص نیت

اس موضوع پر قبل ازیں کافی تبصرہ کیا جا چکا ہے کہ کوئی بھی عبادت اس وقت تک عبادت ہی نہیں ہوتی جب تک اس میں اخلاص نہ ہو اور اخلاص ہی عبادت کی روح اور اس کا حقیقی جوہر ہے اگر اس کا فقدان ہو تو وہ عمل صالح بجائے شرف قبولیت حاصل کرنے کے الٹا عامل کے لیے باعث وزر و وبال بن جائے گا لہذا اگر بانی اور سامع مجالس عزاء کے انعقاد و استماع کو عبادت سمجھتے ہیں تو ان کو خلوص نیت سے ان میں حصہ لینا لازم ہے۔

### دوسرا وظیفہ: جہاں غیر شرعی امور کا ارتکاب ہو وہاں شرکت نہ کرنا

جن مجالس میں غیر شرعی امور مثل کذب و افتراء علی المعصومین، جھوٹے منین اور غنا و سرود وغیرہ کا ارتکاب ہوتا ہو یا ان میں حصہ لینے اور سامعین کو اس میں شرکت کرنے سے اجتناب کرنا ضروری ہے بشرطیکہ اصلاح احوال سے قاصر ہوں ورنہ پہلے اصلاح کی کوشش کرنا مقدم ہے۔ ارشاد قدرت ہے: ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتَ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَفْعَلُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذَا يَبَتْ لَهُمْ﴾ (سورۃ نساء، آیت ۱۳۰) اور وہ تم پر کتاب میں یہ حکم نازل کر چکا ہے کہ جس وقت تم یہ سنو کہ خدا کی آیتوں کا انکار کیا جاتا ہے یا ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو تم ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب تک کہ وہ کسی اور معاملہ میں گفتگو نہ شروع کریں ورنہ تم بھی اس صورت میں (کفر میں) انہیں کے مانند ہو جاؤ گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ غلط کار لوگوں کو پہلے تو وعظ و نصیحت کے ذریعہ سے ان حرکات سے باز رکھنے کی کوشش کرو اور اگر تمہاری کوشش بار آور نہ ہو تو پھر ان کی ہم نشینی سے اجتناب کرو۔ (کبریٰ احمر) امامی شیخ مفید علیہ الرحمۃ میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں مذکور ہے کہ آنجناب نے سلیمان جعفری کے والد کو ایک بد عقیدہ شخص عبد الرحمن بن یعقوب کی ہم نشینی پر ٹوکا اور فرمایا کہ اگر اس کی ہم نشینی اختیار کرنا ہے تو ہماری صحبت چھوڑ دو۔ اس کے اس عرض کرنے پر کہ وہ اس کا ہم عقیدہ تو نہیں ہے! پھر کیا حرج ہے؟ فرمایا: کیا تمہیں یہ اندیشہ نہیں ہے کہ اس پر عذاب خدا نازل ہو اور سب اہل بزم کو اپنی لپیٹ میں لے لے پھر امام نے ایک اسرائیلی مؤمن کا تذکرہ فرمایا جو غرق فرعون کے وقت اپنے کافر باپ کی ہم نشینی کی وجہ سے غرق ہو گیا تھا۔ ﴿لَإِنَّ الْبَلَاءَ إِذَا يَنْزِلُ بَعْمَ. وَلَمْ يَكُنْ لَهُ عَمَلٌ قَارِبَ الْمَذْنِبِ دَفَاعٍ﴾ قبل ازیں بھی اس سلسلہ میں بعض اعلام کا فتویٰ نقل کیا جا چکا ہے کہ جو پڑھنے والا غلط و صحیح روایات اور غلط و سمین واقعات میں تمیز کرنے کی نہ خود اہلیت رکھتا ہو اور نہ ہی علماء اعلام کا فتویٰ کی طرف سے مجاز ہو تو اس کی مجلس خوانی میں شمولیت جائز نہیں ہے۔ واللہ الموفق۔



سرکار علامہ سید علی الحائری مجتہد پنجاب، اس سوال کہ ”جن مجالس عزاء میں بعض خلاف شرع امور کا ارتکاب ہوتا ہو مثلاً موضوع اور غلط روایات بیان کی جاتی ہوں یا راگ میں سوز خوانی ہوتی ہو۔ ڈھول تاشہ بجاتا ہو۔ ایسی مجالس میں شریک ہونا جائز ہے؟ یا معصیت؟ بینوا تو جزوا، کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ”مذکورہ باتیں فی الواقع خلاف شرع ہیں اور مجالس عزاء ایسے غیر مشروع باتوں سے مبرا ہونی چاہیں ورنہ جن مجالس میں ایسے خلاف شرع امور کا ارتکاب ہوتا ہو ان میں شرکت کرنا یقیناً خلاف شرع ہے ”وہو العالم“

(رسالہ الحافظ لاہور، ج ۲، نمبر ۵، بابت ماہ جولائی ۱۹۲۶ء بمطابق محرم ۱۳۴۵ھ)

### تیسرا وظیفہ: مجلس میں دنیوی خیالات سے فارغ ہو کر شریک ہونا

جب مؤمنین کرام مجلس عزاء میں شریک ہوں تو لازم ہے کہ دنیا و مافیہا سے غافل اور تمام خیالات سے فارغ القلب ہوں اور قائل کی گفتگو کو پوری توجہ سے سماعت کریں تاکہ گوہر مقصود ہاتھ آ سکے۔ ارشاد قدرت ہے: ﴿فَيَسْمَعُ عِبَادُ الَّذِينَ يُتَّبَعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَ أُولَئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ (سورہ زمر، آیت ۱۸/۱۷) پس تم میرے ان بندوں کو جو بات کو غور سے سنتے رہے اور ان میں سب سے بہتر کی پیروی کرتے رہے یہ خوشخبری سنا دو وہ وہی ہیں جن کو خدائے تعالیٰ نے ہدایت فرمائی اور وہی عقلمند ہیں۔ ایک شخص نے جناب رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ علم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: خاموشی اختیار کرنا۔ سائل نے کہا: پھر کیا ہے؟ فرمایا: توجہ سے سننا۔ عرض کیا: پھر کیا؟ فرمایا: یاد کرنا۔ عرض کیا: پھر کیا؟ فرمایا: اس پر عمل کرنا۔ عرض کیا: پھر کیا؟ فرمایا: اس کی نشر و اشاعت کرنا (منیۃ المرید شہید ثانیؒ) دیکھا آپ نے کہ آنحضرت نے تفصیل علم کے طرق ثلاثہ بیان کرنے کے بعد چوتھے مرتبہ پر اپنی اصلاح احوال اور آخر میں پانچویں مقام پر دوسرے بنی نوع انسان کی اصلاح کا بیڑا اٹھانے کا ذکر فرمایا ہے مگر آج منبر کے اجارہ داروں کی اکثریت کے پاس نہ علم ہے اور نہ ہی عمل مگر اصلاح قوم اور تبلیغ دین کا درد آرام سے بیٹھنے نہیں دیتا۔

ہر صبح سفر ہر شام سفر

ایسے ہی لوگوں پر یہ مثل صادق آتی ہے کہ خود میاں فضیحت و دیگران را نصیحت۔ ﴿فَوَاعِجِبْ مِنْ أَغْلَبِ

أَهْلِ الْمَنْبَرِ لَا يَفْرُقُونَ بَيْنَ الْهَرِّ وَالْبَرِّ وَلَا يَطَالِعُونَ الزُّبَرَ الْمَعْتَبِرَةَ وَلَا يَتأملُونَ فِيهَا وَيَعْرِجُونَ عَلَى عَرْشَتِهَا الْعَالِيَةِ كَأَنَّهُمْ أَبَاءُ سَحَبَانٍ وَلَا يَسْتَحْيُونَ مِنْ أَحَدٍ فِيمَا يَقُولُونَ فَيَاتُونَ بِمَا يَشَاؤُنَ مِنْ مَزْخِرَاتٍ وَ رِيبِ الْمَنُونِ. أَعَاذَنَا اللَّهُ وَ أِيَاهُمْ مِنْ هَذِهِ السَّجِيَّةِ فَانْهَاهَا مَهْلَكَةٌ وَ خِلَاصَةُ الْمَرَامِ إِنَّهُ لَا

يُبدِلُهُمْ أَوْلَا مِنْ تَصْحِيحِ مَبَادِيهِ عَلَى مَا هِيَ عَلَيْهَا ثُمَّ رِعَايَةِ آدَابِهِ ثُمَّ التَّخَلُّقِ بِالْأَخْلَاقِ الْحَمِيدَةِ وَ



التحلی بالفضائل و التعری عن الرذائل بعد ما اطاعوا الله فی حلاله و حرامه الذی هو التقوی و

قال تعالیٰ انما یقبل الله من المتقین ﴿لَوْلَا الْغَالِیَةُ﴾

چوتھا وظیفہ: مجالس میں شرکت سے ذاتی ترفع کا مانع نہ ہونا

بالعموم یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب غرباء کے ہاں مجلس عزاء ہو یا پڑھنے والا کم علم ہو تو مالدار اور علماء ذی وقار اس مجلس میں شمولیت کرنا اپنے لیے کسر شان کا باعث سمجھتے ہیں حالانکہ شرعاً ان کا یہ فعل سخت مذموم ہے سید الشہداء علیہ السلام کی مجلس عزاء میں شمولیت کرنے سے کسی قسم کا مالی یا علمی ترفع و تکبر مانع نہیں ہونا چاہیے کیونکہ علاوہ اس کے کہ بعض اوقات انسان اپنے سے کم علم و فضل رکھنے والے حضرات سے بھی علمی استفادہ کر لیتا ہے اس میں تواضع و فروتنی کی صفت جلیلہ پائی جاتی ہے۔ تواضع کرنے والوں کو خداوند عالم سر بلندی عطا فرماتا ہے اور شرکت نہ کرنے میں تکبر جیسی مذموم صفت کا اظہار ہوتا ہے اور خدا تکبر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے اور ان کو ذلیل کرتا ہے جیسا کہ حدیث نبویؐ میں وارد ہے: ﴿مَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ وَمَا تَكَبَّرَ أَحَدٌ إِلَّا وَضَعَهُ اللَّهُ﴾ (الانبار) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنَ الْكِبَرِ﴾ جس شخص کے دل میں ذرہ بھر تک تکبر ہو گا وہ داخل جنت نہیں ہو سکے گا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِينَ﴾ جب وہ بزرگوار جو ملت فانی ممکنات تھے غریبوں کے پاس اٹھنے بیٹھنے میں عار محسوس نہیں فرماتے تھے تو ہمارے امراء غرباء کے پاس آئے جاتے تھے کیوں اپنی توہین سمجھتے ہیں؟ ذرا اس واقعہ کا تصور کرو جب حضرت امام حسین علیہ السلام چند فقراء کے پاس سے گزرتے تو ان کے ہاں خشک کھارہ تھی۔ امامؑ نے ان پر سلام کیا۔ انہوں نے جواب سلام کے بعد دعوت شرکت دی۔ امامؑ سواری سے اتر کر ان کے پاس بیٹھ گئے مگر روزہ (اور ہر دینے طعام صدقہ ہونے) کا عذر کر کے شمولیت سے معذوری ظاہر فرمائی پھر ان مساکین کو اپنے ہاں دعوت دی اور ان کو پُر تکلف ضیافت دی اور بوقت رخصت ہر ایک مسکین کو چند درہم بھی مرحمت فرمائے۔ (عاشق بحار وغیرہ)

مگر افسوس آج انہی امام کے نام پر غرباء کے ہاں منعقد ہونے والی مجالس میں نہ صرف یہ کہ امراء شرکت کرنا اپنی سبکی سمجھتے ہیں بلکہ خود پڑھنے والوں کی اکثریت بھی ان کے ہاں مجلس پڑھنے سے پہلو تہی کرتی ہے اور کئی کتراتی ہے اور اگر حسن اتفاق سے کوئی تاریخ خالی ہو اور ان کے اصرار پر وعدہ کر بھی لیں تو اگر اسی اثنا میں کسی امیر کے ہاں سے دعوت نامہ موصول ہو جائے تو سابقہ عہد و بیان کو طاق نسیان پر رکھ کر نئی دعوت پر چلے جاتے ہیں اور غریب مؤمن کی دل شکنی، اپنی وعدہ شکنی اور مؤمن کی پسائی کے ساتھ اپنی رسوائی کی ذرہ بھی پروا نہیں کرتے۔

﴿وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ فَسُؤْلًا﴾ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق ایسے ہی لوگوں نے جہنم کا تیسرا



طبقہ پر کرنا ہے ﴿وَمِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يَرَىٰ أَنْ يَضَعَ الْعِلْمَ عِنْدَ ذَوِي الثَّرْوَةِ وَالشَّرَفِ وَلَا يَرَىٰ لَهُ فِي الْمَسَاكِينِ وَالضُّعَفَاءِ فَذَلِكَ فِي الدَّرَكِ الثَّلَاثِ مِنَ النَّارِ﴾ بعض اہل علم ایسے ہوتے ہیں جو اپنے علم سے صرف مالداروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں لیکن غرباء و مساکین کو اس سے کچھ حصہ نہیں دینا چاہتے ایسے لوگ جہنم کے تیسرے طبقہ میں ہوں گے۔ (خصال شیخ صدوق) بہر حال ایسا کرنے والوں کو احکم الحاکمین کی بارگاہ میں جو ابدی کے لیے تیار رہنا چاہیے ﴿وَهُوَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ. تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾

پانچواں وظیفہ: بطور سوگوار شریک مجلس ہونا

کچھ کمزور ایمان والے لوگ لباس فاخرہ زیب تن کر کے بڑے ٹھانڈے ہاتھ کے ساتھ مجالس میں شرکت کرتے ہیں ان کا یہ رویہ قابل نفیرین ہے۔ مجالس عزاء میں اس طرح ادب و احترام اور اس حال میں شامل ہونا چاہیے کہ ان کی شکل و صورت سے ان کا سوگوار ہونا ظاہر ہوتا ہو۔ وہاں شور و شغب، گالی گلوچ، شکوہ و شکایت بلکہ تمام منافی احترام باتوں سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے اور پورے سیکنہ و وقار کے ساتھ مجالس کا انعقاد و استماع عمل میں لانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں ان کے حسنات سیئات بن جائیں جیسا کہ آیت مبارکہ ﴿وَبِذَٰلِكَ اللَّهُ مَالَهُمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ﴾ کی تفسیر میں آنحضرت ﷺ سے مروی ہے فرمایا: ﴿ہی اعمال حسبہا حسنات فوجدوها فی کفۃ السیئات﴾ اس سے مراد وہ اعمال ہیں جن کو یہ لوگ نیکیاں خیال کرتے تھے لیکن انجام کار انہوں نے ان کو برائیوں کے پڑے میں پایا۔ (تفسیر برہان) بھلا وہ بد بخت نام نہاد مؤمنین و مؤمنات جن کی نظریں مجلس پڑھنے والے کی بجائے نامحرم و نامحرمت کا نظارہ کرنے میں لگی ہوئی ہوں اور جن کی توجہ فضائل و مصائب سننے کی بجائے اپنے جسم و لباس کی بناوٹ و سجاوٹ کی نوک پلک سنوارنے پر ہو، جن کی ظاہری وضع قطع سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ کسی میلہ مسرت میں شریک ہیں (معاذ اللہ) نہ مجالس عزاء میں اور وہ بانیان و بانیات مجالس جو خلاف شرع طریقہ سے کمائے ہوئے روپیہ سے مجلس منعقد کریں۔ آیا وہ بھی اس عمل کی قبولیت کی امید کر سکتے ہیں؟ اور اسے بخشش گناہان کا ذریعہ قرار دے سکتے ہیں؟ آیا اس روش و رفتار سے والدہ حسینؑ راضی ہو سکتی ہیں؟ حاشا و کلا ۛ

عشرت کنیم تعزیه اش نہیم نام حاشا کہ رسم و راہ محبت چنیں بود

اس سے بھی زیادہ رونے کا مقام تو یہ ہے کہ جہاں منبر رسولؐ اور حسینیؑ اسٹیج پر جانے والے بعض نالائقوں کی یہ حالت ہو کہ عین عشرہ محرم میں بجائے وعظ یا ذکر حسینؑ معلوم ہونے کے اپنی شکل و صورت اور وضع قطع سے کسی تھیٹر کے ایکٹر معلوم ہوتے ہوں وہاں اگر سامعین اور بانیین ایسے نہیں ہوں گے تو اور کیسے ہوں گے؟ و زیرو چنیں



شہر یارے چناں۔ خدا کرے پڑھنے اور پڑھانے والوں کو اپنے فرائض کا احساس ہو اور پھر ان سے سبکدوش ہونے کا جذبہ بھی پیدا ہو کیونکہ صورت حال کے بگاڑ میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔

### چھٹا وظیفہ: بحالت نجاست شامل مجالس نہ ہونا

بہتر ہے کہ پڑھنے اور پڑھانے والے باطہارت ہو کر شریک مجلس ہوں اور اگر مجلس کسی مسجد میں ہے تو پھر توجہ و حاضری کی اس طرح شمولیت کہ جس سے مسجد میں داخل ہونا لازم آئے حرام ہے اور بنا براحتیاط مشاہدہ مقدسہ کا بھی یہی حکم ہے۔

### ساتواں وظیفہ بکاء یا تبا کی کرنا

چونکہ مقربانِ بارگاہِ خدا کے مصائب پر اشکِ غم بہانا اجر و ثواب بے حساب کا باعث ہے اس لیے تمام معصومین علیہم السلام کے بالعموم اور امام الشہداء علیہم السلام کے مصائب پر بالخصوص دل کھول کر گریہ و بکا کرنا چاہیے اور اگر کسی وقت سوئے اتفاق سے گریہ نہ آئے تو کم از کم صدق دل سے رونے والوں کی شکل ضرور بنائیں تاکہ عنایاتِ الہیہ میں شامل حال ہو سکیں یہ بات بہت ہی معیوب ہے کہ ذکر مصائب ہو رہا ہو اور کوئی شخص سگدلانہ قسم کی سنجیدگی کے ساتھ چپ چاپ بیٹھا رہے۔ یہ قسوتِ قلب کی علامت ہے اور قسوتِ القلب شخصِ رحمت پروردگار سے بعید ہوتا ہے یہ بات علمِ الاخلاق میں مبرہن ہو چکی ہے کہ بعض اخلاقِ جمیلہ طبعی ہوتے ہیں اور بعض کسی۔ روایات سے بھی اس کی تائید مزید ہوتی ہے۔ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿ان لم تکن حلیمًا فتحلم﴾ اگر تم حلیم و بردبار نہیں ہو تو بزور و تکلف حلیم بنو۔ دوسری حدیث میں یوں وارد ہے: ﴿من لم يتحلم لم يحلم (الدرر و الغرر للامدی)﴾ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ﴿یا ابا ذر! من استطاع ان یسک فلیسک و من لم یستطع فلیشعر قلبه الحزن و لیتباکی ان القلب القاسی بعید من اللہ و لکن لا یشعرون﴾ اے ابو ذر! جو شخص رو سکتا ہے وہ تو روئے اور جو نہیں رو سکتا وہ اپنے دل میں حزن پیدا کرے اور رونے کی شکل و صورت بنائے کیونکہ سخت دل خدا سے دور ہوتا ہے لیکن ایسے لوگوں کو اس کا شعور نہیں ہوتا۔ (مکارم الاخلاق)

بہر حال تبا کی کرنے سے بالآخر بکاء کا ملکہ پیدا ہو جائے گا۔

### آٹھواں وظیفہ: عز خانہ کو سادہ رکھنا

عام لوگ عز خانوں کی زیبائش و آرائش میں غیر معمولی دلچسپی لیتے ہیں اور بڑے تکلفات کرتے ہیں حالانکہ عز خانہ کو ایسا سادہ ہونا چاہئے کہ اس کی ظاہری ہیئت سے ہی حزن و ملال کے آثار نمودار ہوں اور شریک مجلس ہونے والوں پر خود بخود درج و الم کے علامات ظاہر ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی زیبائش و آرائش کے جلوے دیکھ کر الٹا دنیوی



زخارف کی طرف رغبت پیدا ہو۔ بہر حال ہمیشہ اس بات کو پیش نگاہ رکھنا چاہیے کہ وہ مجلس گاہ ہے نہ آرائش گاہ۔ یہ محل حزن و ملال ہے نہ مقام جمال و جلال۔ یہاں جناب رسول خدا ﷺ اور ائمہ ہدیٰ کو پر سادینا مقصود ہے نہ کہ اپنے عز و وقار کا اظہار ہاں البتہ اگر محافل میلاد پر قدرے تزئین و آرائش کر لی جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ یہ امر مستحسن ہے بشرطیکہ اسراف کی حد تک نہ پہنچے اور نہ ہی کسی اور ممنوع امر کا ارتکاب کیا جائے۔

نواں وظیفہ: مجالس میں کچھ شیرینی تقسیم کرنا

مجالس و محافل میں حسب توفیق کچھ نہ کچھ شیرینی ضرور تقسیم کرنا چاہیے کیونکہ ایسا کرنا علاوہ اس کے اجر و ثواب کثیر کا باعث ہے جیسا کہ بعض احادیث قدسیہ میں وارد ہے کہ ﴿و ما من عبد انفق فی محبة ابن بنت نبیہ طعاماً و غیر ذلک درهما الا و بارکت له فی دار الدنیا الدرهم بسبعین درهما و کان معافاً فی الجنة و غفرت له ذنوبه﴾ جو شخص اپنے نبی کی دختر کے فرزند (امام حسین علیہ السلام) کی محبت میں کچھ طعام وغیرہ یا ایک درہم بھی خرچ کرے گا۔ میں اسے دار دنیا میں اس ایک درہم کے بدلے ستر درہم کی برکت دوں گا اور عافیت کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا اور میں اس کے گناہ بھی معاف کر دوں گا۔ (لؤلؤ و مرجان، صفحہ ۳۰)

یہ امر بعض وجوہ کی بنا پر مذہب حق کی ترقی و ترویج کا سبب بھی ہے۔ عامۃ الناس اور بعض حقائق نا آشنا لوگ محض شیرینی کے لالچ میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اس ذریعہ سے جب کلمہ حق ان کے گوش گزار ہوتا ہے تو بالآخر مذہب حق قبول کر لیتے ہیں جیسا کہ تجربہ شاہد ہے۔

دسواں وظیفہ: اسوۂ حسینیؑ کی تائسی کرنا

اس میں کوئی شک نہیں کہ ساتویں وظیفہ میں اور اس سے قبل بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ مصائب سید الشہداء علیہ السلام میں رونا اور رلانا کا ثواب اور باعث اجر بے حساب ہے لیکن یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ حسینی شہادت ایسے عظیم الشان واقعہ کی اصل غرض و غایت صرف رونا اور رلانا قرار دینا درست نہیں ہے اور نہ ہی مجالس عزاء کے انعقاد کا اصل مقصد فقط رونے اور رلانے کے اسباب جمع کرنا ہے۔ ایسا خیال حسینیؑ شہادت کبریٰ کی لطافتوں اور نزاکتوں کو بے اعتنائی کی آماجگاہ بنانے کے مترادف ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ گریہ و بکا سرکار شہادت کی شہادت عظمیٰ کی اصل غرض و غایت کی نشر و اشاعت اور اس کے پرچار کا ایک مؤثر ذریعہ اور آلہ ہے۔ ان آداب و وظائف سے جو سب سے اہم وظیفہ ہے وہ یہ ہے کہ بانیان کرام اور سامعین عظام کو اسوۂ حسینیؑ کی تقلید و تائسی کرنا چاہیے اور اپنے عمل و کردار سے اپنے حسینیؑ ہونے کا عملی ثبوت فراہم کرنا چاہیے۔ یہ مجالس عزاء حسینیؑ شہادت کے اعلیٰ و ارفع مقاصد کی نشر و اشاعت کا مفید ترین ذریعہ ہیں۔ ان میں فضائل و مصائب کے ساتھ ساتھ اصول و فروع دین اور



سیرت معصومین (علیہ السلام) کا تذکرہ بھی موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق سائنٹیفک طریقوں سے کرنا چاہیے اور حسینی شہادتِ عظمیٰ کے مقصد کی تکمیل کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اقوامِ عالم کے سامنے اپنے عمل و کردار سے شریعتِ مقدسہ کے اصولوں کا عملی نمونہ پیش کر کے اس کی صداقت کا عملی اعلان کریں تاکہ دنیا ہمارے کردار کی بلندی کو دیکھ کر آلِ محمد کی عصمت و طہارت کا اقرار کرنے پر مجبور ہو جائے کہ جن کے نام لیوا ایسے بلند کردار اور پاکیزہ سیرت کے مالک ہیں ان کے پیشوا کس قدر عظیم الشان انسان ہوں گے۔

دعا ہے کہ خداوندِ عالم قوم میں صحیح شعور پیدا کرے تاکہ وہ تمام عبادات کو بالعموم اور مجالس و محافل کو بالخصوص شریعتِ مطہرہ کے قواعد و قوانین کے مطابق بجالا کر خوشنودی خدا و رسول اور آلِ رسول کا پیروانہ اور دین و دنیا میں سرخروئی کا ثمرہ حاصل کر سکیں۔

اے دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

### کچھ موجودہ کتاب کے بارے میں

اربابِ عقل و اطلاع پر یہ حقیقت مخفی و مستور نہیں ہے کہ تاریخِ اسلام بلکہ پوری تاریخِ عالم میں واقعہ کربلا سے زیادہ عظیم کوئی اور واقعہ رونما نہیں ہوا اور یہ کہ عالمِ اسلام کی بقا بلکہ پورے عالمِ انسانیت کی نجات و فلاح پر جو گہرے نقوش سانچے کر بلائے چھوڑے ہیں اتنے کسی اور واقعہ نے نہیں چھوڑے۔ آج اسلام کے اندر زندگی کے جو آثار اور انسانیت کے اندر حیات کے جو رزق نظر آ رہے ہیں یہ سب شہیدِ انسانیت کے عظیم جہاد کا ہی ثمرہ و نتیجہ ہے۔

بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است پس بنائے لا الہ گردیدہ است

یہ حقیقت بھی محتاجِ دلیل نہیں ہے کہ جو واقعہ جس قدر عظیم ہوتا ہے اسی قدر اغراضِ فاسدہ رکھنے والے لوگوں کو اس میں رنگ بھرنے کے زیادہ مواقع میسر آتے ہیں اور وہ اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے اس میں کچھ اس طرح رطب و یابس کو گنڈ کر دیتے ہیں کہ تلاشِ حق کرنے والوں کے لیے حق و حقیقت کے نقوش و حند لے پڑ جاتے ہیں۔ بالخصوص جب وہ واقعہ ایسا ہو کہ اس سے کسی گروہ کی مذہبی موت واقع ہوتی ہو۔ اس صورت میں وہ ہمیشہ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں کہ کوئی غیر مستند روایت یا غیر معتبر واقعہ مل جائے تو اس کا سہارا لے کر پورے واقعہ کو لوگوں کی نظروں میں مشکوک و مشتبہ بنا دیں۔ جب بھی عقائد یا تاریخی واقعات و حقیقت کی جگہ تعصب و جنبہ داری لے لے تو اس کے یہی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

واقعہ کربلا تو کئی صدیوں تک ایسے حالات میں گھرا رہا کہ حکومتیں اسے انظارِ عامہ میں سبک کرنے بلکہ اسے

انسانی اذہان سے محو کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی رہیں اور اب تک دشمنانِ حسینیت یہی سعیِ نافر جام کر رہے ہیں۔



ہیں۔ ﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاجِهِمْ وَ اللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾

یہ اور بات ہے کہ ہمیشہ خداوند عالم اپنے دست قدرت سے شمع حسینیؑ کے جانباز پروانوں (علماء حق) کے ذریعہ ان لوگوں کے عزائم مشنومہ کو خاک میں ملاتا رہا ہے، ملا رہا ہے اور ملاتا رہے گا انشاء اللہ ۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا چنانچہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جس دور میں بھی کسی دشمن حسینؑ و حسینیہؑ نے واقعہ کربلا کی اہمیت کو کم کرنے کی ناپاک جسارت کی تو ارباب حق نے فوراً اس کا نوٹس لیا اور حقائق کو اس طرح واضح و اجاگر کیا کہ انکار و شک کے تمام دروازے بند کر دیئے۔ سنہ ۶۱ھ سے لے کر اب تک واقعہ کربلا پر جس قدر لکھا جا چکا ہے تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

عہد ائمہؑ سے لے کر شیخ صدوقؑ و مفیدؑ تک اور ان سے لے کر علامہ مجلسیؑ تک اور علامہ موصوفؑ سے لے کر علامہ شیخ جعفر شومتریؑ تک اور ان کے بعد آج تک برابر تمام علمائے اعلام نے اس واقعہ ہائیکہ کو ہمیشہ اپنی اپنی تو جہات خاصہ کا مرکز بنائے رکھا ہے اور اپنی تالیفات قیمہ سے اس کی افادیت کو چار چاند لگائے ہیں۔

اس طرح عربی و فارسی کا دامن تو واقعہ کربلا پر لکھی گئی مستند کتب مقاتل سے لبریز نظر آتا ہے لیکن اردو زبان میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھے جانے کے باوجود اگر بنظر تحقیق دیکھا جائے تو غیر معتبر و غیر مستند کتب کے بالمقابل معتبر و مستند کتب کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں نظر آتی۔ اس پر مستزاد یہ کہ ہمارے بعض غیر ذمہ دار واعظین و ذاکرین نے بکاء و ابکاء کے حرص، عوام الناس سے داد تحسین و آفرین حاصل کرنے کے شوق اور اپنے ہم پیشہ لوگوں سے گوئے سبقت لے جانے کے ذوق کی وجہ سے حقائق کو بالکل مسخ کر کے رکھ دیا بلکہ انہیں از خود واقعات اختراع پر آمادہ کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اصل واقعات کا حلیہ بگڑ گیا اور اصل حقائق رفتہ رفتہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے (الا ماشاء اللہ) جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب اگر کوئی غیر جانبدار آدمی اردو میں لکھی ہوئی عام مجالس یا پنجابی میں لکھے ہوئے مجموعوں سے اصل حقیقت کا سراغ لگانا چاہے تو بالآخر تھک ہار کر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ۔

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر ہا

اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو زبان میں اس موضوع میں بعض محققانہ انداز میں لکھی ہوئی کتب بھی موجود ہیں جیسے شہید انسانیت مجاہد اعظم و غیرہ مگر ان میں نقص یہ ہے کہ وہ اس انداز سے لکھی گئی ہیں کہ ایک واعظ یا ذاکر ان کو پیش نظر رکھ کر کامیاب مجلس نہیں پڑھ سکتا کیونکہ ان کے فاضل مصنفین کا یہ مطمع نظر ہی نہیں تھا۔

ان حالات کے پیش نظر، میں کافی عرصہ سے اس فکر میں تھا کہ اس موضوع پر ایک جامع اور مستند کتاب



ابنائے ملک و ملت کے سامنے پیش کی جائے جس میں واقعات کر بلا کو از ابتدا تا انتہا اپنے حقیقی خدوخال، اصلی آب و تاب اور واقعی شان و شکوہ کے ساتھ بیان کیا جائے اور اس سانچہ کبریٰ کے تمام علل و اسباب اور اس کے جملہ نتائج و آثار اور اس سے حاصل ہونے والے دروس اخلاق وغیرہ تمام متعلقہ مباحث کو بھی واضح و آشکار کیا جائے اور وہ بھی اس انداز سے کہ اہل منبر بغرض بکاء و ابکاء انہیں منبر پر بیان کر کے اپنی مجالس کو کامیاب بنا سکیں لیکن ہمیشہ دیگر مصروفیات کی کثرت اس نیک مقصد کے سامنے حائل و حاجب رہیں حتیٰ کہ جب گذشتہ سال ”المبلغ“ میں بالاقساط ایک مضمون بعنوان ”اصلاح المجالس و المحافل“ لکھنا شروع کیا (جس کا خلاصہ اسی کتاب کے ہمراہ بطور مقدمہ شامل اشاعت کیا جا رہا ہے) جس میں مجالس و محافل کی موجودہ روش و رفتار پر بھرپور مگر تعمیری تنقید کر کے اصلاح احوال کی سعی مشکور کی گئی ہے تو اس وقت سے بعض قومی حلقوں کی طرف سے اصرار ہوا کہ اس موضوع پر ایک تحقیقی کتاب قلمبند کروں۔ بہر حال اس بات نے میرے اشوب عزم و ارادہ کے لیے مہمیز کا کام کیا اور میں نے اتمام حجت کے لیے موافق و موافق کی زنجیروں کو توڑ کر اس عظیم کام کی انجام دہی کا بیڑا اپنے نحیف کاندھوں پر اٹھاتے ہوئے آج شب یکم ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۸ء بمطابق شب ۴ دسمبر ۱۹۶۷ء کو واقعہ کر بلا پر ایک عظیم کتاب بنام ”سعادۃ الدارین فی منقل الحسین“ لکھنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ السعی منی و الاتمام من اللہ۔ میں نے اس کتاب کی جمع و تالیف میں کس قدر تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے؟ کس قدر کتب و ذریعہ درق گردانی کی ہے؟ کس قدر تتبع و تفرص کیا ہے؟ کس قدر محنت و عرق ریزی کی ہے؟ اور پھر اپنے عظیم مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں اس امر کا اندازہ و فیصلہ قارئین کرام کے خداداد ذوق پر چھوڑا جاتا ہے کیونکہ

آنجا کہ غیاں است چہ حاجت بیان است

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل واقعہ کر بلا اور اس کے علل و اسباب اور اس سانچہ کبریٰ کے نتائج و آثار پیش کرنے سے پہلے سرکار سید الشہداء علیہ افضل التحیۃ و الثناء کے چیدہ چیدہ حالات زندگی نیز ان کے فضائل و کمالات اور بعض معجزات و محامد صفات کا تذکرہ بھی کر دیا جائے تاکہ اس میں آنجناب کی مختصر سوانح عمری بھی آجائے اور اس طرح یہ کتاب بفضلہ تعالیٰ اپنے موضوع پر من جمیع الجہات کامل بلکہ اکمل ہو جائے و ما توفیقی الا باللہ۔

وہا ہے کہ خلاق عالم بظہیل سرکار محمد و آل محمد علیہ و علیہم السلام اس ناچیز کتاب کو شرف قبولیت بخش کر اسے میری دنیوی و اخروی نجات و نجات کا سبب قرار دے اور ابنائے قوم و ملت کو اس سے استفادہ کی توفیق عنایت فرمائے اس سے موجودہ جمود و خمود کی فضا ختم ہو اور قوم میں صحیح علمی مذاق پیدا ہوتا کہ وہ صحیح حقائق کا مطالعہ کر سکیں اور ہر قسم کے تعصب و تحک نظری سے بالا ہو کر حق و حقیقت کی اتباع کریں اور اس طرح صادقین کے مذہب کی صداقت کو چار چاند



لگ جائیں اور دشمنانِ حسین و حسینیت اپنے ناپاک ارادوں میں خائب و خاسر ہوں۔ ﴿حَتَّى تَعْلُوَ كَلِمَةَ اللَّهِ وَهُمْ  
كَارِهُونَ﴾ اور انشاء اللہ ضرور ایسا ہوگا کیونکہ ﴿الْحَقُّ يَعْلُو وَلَا يَعْلى عَلَيْهِ. قَدْ جَاءَكُمْ بِصَآئِرٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ  
أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ﴾۔

وانا الاحقر محمد حسین عفی عنہ  
من مقام دارالعلوم محمدیہ سرگودھا  
غرة شهر رمضان ۱۳۸۷ھ  
شب دوشنبہ ۲ دسمبر ۱۹۶۷ء

SIBTAIN.COM



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
الحمد لاهله و الصلوة على اهلها

﴿ پہلا باب ﴾

## حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت اور ابتدائی حالات از سید تہذیب

اگرچہ سرکار سید الشہداء علیہ السلام کی تاریخ ولادت باسعادت کے سلسلہ میں ارباب تاریخ میں قدرے اختلاف ہے مگر امامیہ کے نزدیک مشہور و منصور قول یہ ہے کہ ہجرت نبویؐ کے چوتھے سال بروز پنج شنبہ بتاریخ پانچ شعبان المعظم مدینہ منورہ میں واقع ہوئی۔

**امام حسین علیہ السلام کی طہارت**

جناب صفیہ بنت عبدالمطلب سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت ہوئی اس وقت میں جناب سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی خدمت میں موجود تھی۔ جناب رسول خدا ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ﴿یا عمة ہلمی الی ابنی فقلت یا رسول اللہ انا لم نطفہ بعد۔ فقال النبی ﷺ ا انت تنظفہ ان اللہ قد نظفہ و طہرہ﴾

پھونکی جان! میرا بیٹا مجھے لا دو۔ میں نے عرض کیا ابھی تک ہم نے مولود کو پاک و صاف نہیں کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کیا تم اسے پاک کرو گی؟ اسے تو خدائے قدوس نے پاک و پاکیزہ پیدا کیا ہے۔

۱۔ رد مسالک، ص ۲۶۰۔ ارشاد شیخ صفیہ ص ۲۰۹۔ روشنی الواعظین فی شاپوری، ص ۱۸۴۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۳۹۴۔ تاریخ، ج ۶، ص ۲۔

۲۔ عاشر بحار، ص ۶۷۔ مناقب، ج ۳، ص ۶۲ وغیرہ۔

۳۔ منہی الامال، ج ۱، ص ۲۸۱ پر بعض علماء اعلام کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ کی ولادت آخر ربیع الاول میں ہوئی وہو لا ینخلو من حیوۃ من بعض الوجوہ لتامل۔

۴۔ مالی شیخ صدوق ص ۸۳، طبع قم۔ عاشر بحار، ص ۶۹، الدرر الساکبہ، ص ۲۶۱۔



مطہرون نقیات ثیابہم تجری الصلوة علیہم کلما ذکرُوا  
جب شہزادہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے ان کے دائیں کان میں اذان اور بائیں  
میں اقامت کہی اور اپنے لعابِ دہن سے گھٹی ڈالی۔<sup>۱</sup>

### اسم گرامی

بعض اخبار میں وارد ہے کہ جب آنجناب کی ولادت ہوئی تو جناب سیدہ نے نام تجویز کرنے کے لیے  
مولود مسعود کو حضرت امیر المومنین کی خدمت میں پیش کیا۔ آنجناب نے فرمایا: میں سرکار رسالت مآب ﷺ پر سبقت  
نہیں کر سکتا۔ جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: میں اپنے رب جلیل پر سبقت نہیں کر سکتا۔ اس  
اثناء میں جبریل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور تحفہ درود و سلام کے بعد رب جلیل کا یہ پیام سنایا کہ ﴿ان علیاً منک  
بمنزلة ہارون من موسیٰ فسمہ بابن ہارون﴾ چونکہ حضرت علی علیہ السلام کو آپ سے وہی نسبت ہے جو حضرت  
ہارون کو حضرت موسیٰ سے تھی لہذا ان کے بیٹے والا نام رکھو۔ ان کا نام ”شیر“ تھا۔ آپ عربی میں اس کا نام ”حسین“  
رکھیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس مولود کا نام حسین رکھا۔ اس سے قبل جناب امام حسن علیہ السلام کی ولادت اور نام  
تجویز کرتے وقت بھی یہی صورت حال درپیش آئی تھی۔

عمران بن سلمان اور عمرو بن ثابت سے منقول ہے کہ ﴿الحسن والحسین من اسمی الجنة ولم  
یکونا فی الدنيا﴾ حسن و حسین دونوں نام جنت کے ناموں میں سے ہیں۔ (شہزادگان کونین سے قبل) دنیا میں پہلے  
یہ نام کسی کے نہ تھے۔<sup>۲</sup>

### رسم عقیقہ

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ﴿ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ عقی عن  
الحسن بکبش و عن الحسین بکبش و اعطی القابلة شیئاً و حلق رأسهما یوم سابعهما و وزن  
شعرهما فتصدق بوزنہ فضة﴾

جناب رسول خدا ﷺ نے جناب امام حسن کا ایک مینڈھے کی قربانی کے ساتھ عقیقہ کیا اسی طرح امام حسین  
کا عقیقہ بھی ایک مینڈھے کی قربانی کے ساتھ کیا اور دایہ کو بھی کچھ (چوتھا) حصہ دیا اور ساتویں روز ان کے بال منڈوا کر

۱۔ لوائح الاشجان از آقائے سید محمد امین عالمی، ص ۶۔

۲۔ امالی شیخ صدوق، ص ۸۲، الدعوت الساکبہ، ص ۲۶۲، عاشر بحار، ص ۶۷، ۶۸۔ ناخ التواریخ، ج ۶، ص ۴۴۴۔

۳۔ الدعوت الساکبہ، ص ۲۶۲، بحوالہ عوالم العلوم بحرینی۔



ان کے ہم وزن چاندی راہِ خدا میں خیرات کی۔<sup>۱</sup>  
تعلیم و تربیت

بعض آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ ولادتِ امام حسینؑ کے وقت جناب سیدہ سلام اللہ علیہا غلیل الطبع ہو گئی تھیں اس لیے آنجنابؑ کی کفالت حضرت ام سلمہؓ کے متعلق تھی۔ جناب رسول خدا ﷺ اپنا اگلا ٹٹھا مبارک یا زبان مبارک (باختلاف روایات) چمسا چمسا کر آنجنابؑ کی تربیت کرتے تھے۔ امام جعفر صادقؑ سے ایک طویل روایت کے ضمن میں مروی ہے ﴿و حملت ستة اشهر ثم وضعتہ ولم يعش مولود قط لستة اشهر غير الحسين بن علي عليهما السلام و عيسى بن مريم فكفلاته ام سلمة و كان رسول الله صلى الله عليه و آله ياتيه كل يوم فيضع لسانه في فم الحسين فيمضه حتى يروى فابنت الله لحمه من لحم رسول الله صلى الله عليه و آله ولم يرضع من فاطمة عليها السلام ولا من غيرها لبناً قط..... الخ﴾

یعنی جناب سیدہ سلام اللہ علیہا اس مولود مسعود کے ساتھ چھ ماہ تک حاملہ رہیں۔ اس کے بعد آنجنابؑ کی ولادت ہوئی اور سوائے آنجنابؑ اور حضرت عیسیٰ بن مریمؑ (دوسری بعض روایات میں بجائے عیسیٰ کے یحییٰ بن زکریا مذکور ہیں) کے چھ ماہ کا اور کوئی بچہ زندہ نہیں رہا۔ ان کی کفالت جناب ام سلمہؓ کے متعلق تھی۔ جناب رسول خدا ﷺ ہر روز شہزادہ کے پاس تشریف لاتے اور اپنی زبان مبارک ان کے دہن اقدس میں دے دیتے اور وہ اس قدر چوستے کہ سیر ہو جاتے۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ یہاں تک کہ شہزادہ کا گوشت و پوست آنحضرتؐ کے گوشت و پوست سے اُگ آیا اور شہزادہ کو نین نے جناب سیدہ یا کسی اور عورت کا دودھ مطلقاً نہیں پیا۔ اس مولود مسعود کی طہارت و پاکیزگی اور خلق و مروت کا کیا کہنا جس کی نشو و نما لعابِ رسولؐ چوس چوس کر ہوئی ہو۔

لله مرتضع لم يرتضع ابداً من ثدي انثى ومن طه مراضعه

جناب صفیہؓ کا بیان ہے کہ جب میں نے ولادت کے بعد شہزادہ کو جناب رسول خدا ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور آپؐ نے ان کو زبان مبارک چمسانا شروع کی تو ﴿فما كنت احسب رسول الله يغذوه الا لبناً او عسلاً﴾ میں یہ خیال کرتی تھی کہ آنحضرتؐ شہزادہ کو دودھ یا شہد پلا رہے ہیں۔<sup>۲</sup>

۱۔ عاشر بحار، ص ۷۲۔ الدمعة السابعة، ص ۲۶۲۔ ارشاد شیخ مفید، ج ۲، ص ۱۱۔

۲۔ الدمعة السابعة، ص ۲۶۱ بحوالہ غل الشرائع شیخ صدوق "کذابی الکافی ص ۵۵۳ طبع ایران۔

۳۔ ابی الشیخ صدوق "ص ۸۳۔ الدمعة السابعة، ص ۲۶۲۔ عاشر بحار، ص ۹۹۔



## ولادتِ امامؑ پر زینتِ جنان و نمودِ نیران

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس روز اس مولودِ مسعود کی ولادت ہوئی خداوند عالم نے مالک داروغہ جہنم کو حکم دیا کہ اس مولود کی کرامت میں آتشِ جہنم کو آج خاموش کر دو اور رضوانِ جنت کو حکم دیا کہ جنت کی آرائش کو دو بالا کر دو۔ حورِ العین کو حکم دیا کہ اپنی آرائش جمال میں اضافہ کر دو اور فرشتوں کو حکم دیا کہ مزید تسبیح و تقدیس کرو۔

### ملائکہ کی مبارکبادی

بعض اخبار و آثار سے یہ بھی واضح و آشکار ہوتا ہے کہ اس مولودِ مسعود کی ولادت کے وقت جبریل امین علیہ السلام نے پروردگار عالم کے حکم سے بہت سے ملائکہ کی ہمراہی میں سرورِ عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ہدیہ مبارکباد پیش کیا۔ بعض آثار سے ان کی تعداد ایک ہزار<sup>۱</sup> اور بعض سے چار ہزار اور بعض سے اس سے بھی زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔ بہر حال اس قدر تو واضح ہے کہ انا اعطینک الکوشر کی دوسری عملی تفسیر کے ظہور کے وقت ملائکہ مقربین نے نیابتِ ایزدی میں بارگاہِ رسالت میں ہدیہ تبریک پیش کیا۔ اسی طرح بعض آثار سے اس مولودِ مسعود کی برکت سے بعض ملائکہ کے ترکِ اولیٰ کا معاف ہونا بھی مستفاد ہوتا ہے۔<sup>۲</sup> فتدبر۔

انجوبہا من حرّ نار موقد  
تمسک بولاء ال محمد

مالی اذا وضع الحساب و سيلة  
الا اعترافی بالذنوب و انسی

### ولادتِ امامؑ کے وقت گریہِ رسولِ مقبول

بعض اخبار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب جبریل علیہ السلام نے تہنیت کے ساتھ ساتھ سید الشہداء علیہ السلام پر وارہ ہونے والے مصائب و شدائد پر تعزیت مستونہ بھی ادا کی تھی جس پر جناب رسول خدا ﷺ رونے اور فرمایا: ﴿اتقتلہ امتی قال نعم یا محمد فقال النبی ما هؤلاء باہمی انا برئ منهم و اللہ عز و جل برئ منهم فقال جبرئیل و انا برئ منهم﴾ کیا اسے میری امت قتل کرے گی؟ جبریل نے کہا: ہاں یا رسول اللہ! آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ لوگ میری امت سے نہیں ہوں گے۔ میں ان سے بری و بیزار ہوں اور خدا بھی ان سے بیزار ہے۔ جبریل نے کہا اور میں بھی ان سے بیزار ہوں۔ اس کے بعد آنحضرتؐ جناب سیدہ کے پاس تشریف لے گئے ﴿فہناھا و عزّاھا فبکت فاطمة﴾ اور اس مولودِ مسعود کی مبارک باد پیش کی اور تعزیت بھی ادا فرمائی جس پر جناب سیدہ

۱۔ بخار الانوار، ج ۱۰، ص ۷۵۔

۲۔ مالی شیخ صدوق ص ۸۲۔

۳۔ عاشق بخار، ص ۶۹، ۷۰۔ والدمعۃ الساکبہ، ص ۲۶۲ وغیرہ۔



روئے لگیں۔<sup>۱</sup>

ایک روایت میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ نے روتے ہوئے تین بار فرمایا: لعن اللہ قوماً ہم قاتلوک یا بنی! اے بیٹا خدا اس قوم پر لعنت کرے جو تجھے قتل کرے گی۔<sup>۲</sup>

شفاعة جده يوم الحساب

اترجوا امة قتلت حسينا

وهم يوم القيامة في العذاب

فلا والله ليس لهم شفيع

اللهم العن قتلة الحسين واصحابه واهله

جس مظلوم پر جناب رسول اکرم ﷺ نے قبل شہادت بلکہ بوقت ولادت گریہ و بکا کیا ہو بعد از شہادت اس

کی مظلومیت پر اہل ایمان کیوں اشک غم نہ بہائیں۔

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

### شامل نبویہ کی تقسیم

اصول کافی میں مرقوم ہے کہ ان فاطمة علیہا السلام اتت بالحسن و الحسين علیہما

السلام الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و قالت انحل ابنی ہذین یا رسول اللہ و فی روایۃ ہذان

ابناک فورئہما شیئاً فقال اما الحسن فله ہیتی و سؤددی و اما الحسين فان له جراتی و جودی

جناب سیدہ ایک مرتبہ اپنے دونوں شہزادوں کو بارگاہ نبویؐ میں لائیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ان لڑکوں کو کچھ

عطا فرمائیے۔ دوسری روایت کے مطابق یوں عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ دونوں آپ کے بیٹے ہیں انہیں کچھ (فضل و

کمال) بطور وراثت عطا فرمائیے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: میری ہیبت و سرداری حسنؑ کے لیے ہے اور میری جرأت و

دیرگی اور سخاوت حسینؑ کے لیے ہے یہ حسنی جرأت و بہادری کا ہی تو کرشمہ ہے کہ۔

مر داد و ندا و دست در دست یزید تھا کہ بنائے لا الہ ہست حسین

### محبت رسولؐ عقلمیں بہ امام حسینؑ

جناب رسول خدا ﷺ کو اپنے نواسوں بالخصوص اس سبط اصغر سے جو الفت و محبت تھی وہ عیاں را چہ بیان کی

مصدق ہے۔ آنحضرتؐ کی خلوت ہو یا جلوت اور بحالت فرصت ہو یا مشغولیت۔ ہنگام وعظ و نصیحت ہو یا اوقات

۱۔ الذمعة الساکبہ ص ۲۶۳۔ ناشر بخارا ص ۶۹۔

۲۔ ابالی شیخ صدوق ص ۸۳۔

۳۔ الذمعة الساکبہ ص ۲۶۱۔



عبادت و اطاعت غرضیکہ ہر حال میں ان کی محبت و مودت کے تذکرے اور عملی مظاہرے جاری رہتے تھے۔ تمام امت کو بھی ہر وقت ان کی محبت و مودت کی تاکید فرماتے تھے۔

کبھی اس محبت کا یوں اظہار فرماتے ﴿الحسن و الحسنین ریحان تانی من الدنيا﴾ حسن و حسین دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔ کبھی فرماتے ﴿اللہم انی احب حسیناً فاحب من احب حسیناً﴾ بارالہا میں حسین سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس شخص سے محبت کر جو میرے حسین سے محبت کرے۔ کبھی یوں فرماتے ﴿الحسین منی و انا من الحسین﴾ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ یعنی میرا نام اور کام حسین کی وجہ سے باقی رہے گا۔

کبھی اس طرح فرماتے ﴿من احب الحسن و الحسنین فقد احبنی و من ابغضہما فقد ابغضنی﴾ جس شخص نے ان دونوں شہزادوں سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ جناب سیدہ کے گھر کے پاس سے گزرے۔ اندر سے حسین کے رونے کی آواز آئی۔ آنحضرت تشریف لے گئے اور جناب سیدہ سے فرمایا: ﴿الم تعلمی ان بکائہ یو ذینی﴾ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حسین کے رونے سے مجھے اذیت ہوتی ہے۔ یہ معلوم اس وقت پیغمبر اسلام ﷺ کے قلب و جگر میں کی کیفیت ہوئی ہوگی جب یہی حسین میدانِ کربلا میں سب اعزاء و انصار راہِ حق میں قربان کرنے کے بعد یگانہ و تنہا رہ گئے تھے اور آواز استغاثہ بلند کر رہے تھے اور خیامِ حسینی سے آواز گریہ و بکا بلند ہو رہی تھی جس سے امام کا جگر شق ہو رہا تھا۔

یہ بھی متعدد احادیث میں وارد ہے کہ جب آنحضرت ﷺ بحالت نماز سجدہ میں جاتے تو شہزادے ان کی پشت مبارک پر سوار ہو جاتے اور آنحضرت سجدہ کو طویل کر دیتے۔

### رسول خدا کا اپنے بیٹے ابراہیم کو اپنے نواسہ حسین پر قربان کرنا

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ تمام خونی رشتوں میں انسان کو اولاد سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے نواسہ حسین علیہ السلام سے جو محبت تھی اس کی معراج کمال کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنے عزیز بیٹے ابراہیم کو اپنے نواسے پر قربان کر دیا چنانچہ ابن عباس بیان کرتے ہیں: *است عبد النبی و علی فخذہ الا یسر*

۲ مشکوٰۃ الصالحین، ص ۵۶۳، طبع مجتہبی دہلی۔

۱۔ عاشر بحار، ص ۷۹۔

۳ سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۳۳۔ عاشر بحار، ص ۸۵۔

۲ سنن ترمذی، صفحہ ۶۲۳۔

۱۔ عاشر بحار، ص ۸۲۔ نفس المہموم، ص ۱۲۔

۵ نفس المہموم، ص ۱۲، ۱۱۔ عاشر بحار، ص ۸۲۔



ابنہ ابراہیم و علی فخذہ الایمن الحسین بن علی علیہما السلام و هو تارۃ یقبل هذا و تارۃ هذا اذ  
 هبط جبرئیل بوحی من رب العالمین فلما سرى عنه قال اتانی جبرئیل من ربی فقال یا محمد ان  
 ربک یقرنک السلام و یقول لست اجمعہما فافد احدہما بصاحبہ فنظر النبی الی ابراہیم فبکی  
 فقال ان ابراہیم ان امہ امۃ و منی مات لم یحزن علیہ غیری و ام الحسین فاطمۃ و ابوہ علی ابن  
 عمی لحمی و ذمی و منی مات حزنت ابنتی و حزن ابن عمی و حزنت انا علیہ و انا اوثر حزنی  
 علی حزنیہما یا جبرئیل فاقبض ابراہیم فدیۃ بالحسین قال فقبض بعد ثلاث فکان النبی اذا رای  
 الحسین علیہ السلام مقبلاً قبلہ و ضمہ الی صدرہ و رشف ثنایاہ و قال فدیت من فدیۃ بابنی  
 ابراہیم ﴿﴾ میں بارگاہ رسالت میں موجود تھا۔ آنحضرتؐ کا فرزند ابراہیم آپ کی باتیں ران پر اور نواسہ حسینؑ دائیں  
 ران پر بیٹھا تھا۔ آپ کبھی اسے بوسہ دیتے اور کبھی اسے۔ اسی اثنا میں جناب جبرئیل پروردگار عالم کی وحی لے کر نازل  
 ہوئے۔ جب آنحضرتؐ کی حالت وحی ختم ہوئی تو ارشاد فرمایا: ابھی ابھی میرے پاس جبرئیلؑ میرے پروردگار کا یہ  
 پیغام لے کر آئے ہیں کہ خدا تحفہ درود و سلام کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ میں ان دونوں کو زندہ رکھنا نہیں چاہتا لہذا ایک  
 کو دوسرے پر قربان کیجئے اس کے بعد آنحضرتؐ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی طرف دیکھا اور رو کر فرمایا: ابراہیم کی ماں  
 کینر ہے اگر یہ مر گیا تو اس پر مجھے ہی حزن و ملال ہوگا لیکن حسینؑ کی ماں فاطمہؑ اور باپ علیؑ ہے جو میرا عم زادہ اور میرا  
 گوشت و پوست ہے لہذا حسینؑ کی موت پر میری بیٹی، میرا ابن عم اور میں خود سب سو گوار ہوں گے اس لیے میں تنہا  
 اپنے حزن کو ان دونوں کے رنج و الم پر ترجیح دیتا ہوں پھر جبرئیلؑ کو خطاب کر کے فرمایا: جبرئیل! میں ابراہیم کو حسینؑ پر  
 قربان کرتا ہوں چنانچہ تین دن کے بعد ابراہیم کا انتقال ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد آنحضرتؐ کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ  
 جب بھی حسینؑ کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھتے تو ان کے پیار کرتے، چومتے، سینے سے لگاتے اور فرماتے میں اس پر نثار  
 جس پر میں نے اپنے بیٹے ابراہیم کو قربان کر دیا ہے۔<sup>۱</sup>

آنحضرتؐ اپنے اس پارہ جگر کو اس طرح پیار کرتے تھے اور اس کو خوش کرتے تھے کہ اس کے دونوں  
 ہاتھ تھام کر اپنے قدم مبارک پر کھڑا کرتے تھے اور ان سے فرماتے کہ اے میری آنکھوں کی روشنی آگے بڑھ۔ پس وہ  
 بچہ آپ کے روئے مبارک کے قریب ہو جاتا تھا تو آپ ان کو اپنی چھاتی سے لگا لیتے تھے اور ان کی آنکھوں کو اور منہ کو  
 چوم لیتے تھے اور ان کی فرط محبت میں، اپنے پروردگار سے عرض کرتے کہ پروردگار! میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو بھی  
 اسے دوست رکھ اور اسے بھی دوست رکھ جو اسے دوست رکھے۔<sup>۲</sup>



ارباب عقل و دانش جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی یہ شدید محبت محض خونی رشتہ کی بنا پر نہ تھی بلکہ یہ اس شہزادہ کے خداداد فضائل و کمالات اور مراتب و محامد صفات کا نتیجہ تھی جس کا وہ اپنے قول کے علاوہ عمل سے بھی ہر وقت و ہر حال میں برابر اظہار کرتے رہتے تھے۔

افسوس کہ امام حسینؑ کے لیے اس لطف و محبت اور اس بے پایاں سکون اور اطمینان کی عمر طوفانی نہیں ہو سکی۔ ابھی آپ کا سن سات برس کا بھی پورا نہ ہوا تھا کہ ربیع الاول ۱۱ھ میں حضرت محمد مصطفیٰؐ کی وفات واقع ہو گئی اور حسینؑ رسول خداؐ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے۔

### تمام اہل اسلام پر محبت حسینؑ واجب ہے

اس بات پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ کی محبت اور اتباع ہر کلمہ گو پر واجب و مستم ہے چنانچہ ارشادِ قدرت ہے: ﴿وَلَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ تمہارے لیے رسولؐ کا کردار نمونہ عمل ہے۔ نیز ارشاد رب العباد ہے: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ خدا تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ نیز آنحضرتؐ کا ارشاد ہے: ﴿لَا يَوْمَن أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کی جان، مال، اولاد، والد اور تمام لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہوں۔

اب جس سے یہ واجب المحبت محبوب محبت کرے اس کی محبت و مودت کیونکر واجب نہ ہوگی؟ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ ﴿مَنْ كَانَ يَحِبُّنِي فَلْيَحِبْ ابْنِي هَذَا فَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي بِحُبِّهِمَا﴾ جو شخص بھی مجھ سے محبت کرتا ہے اسے چاہئے کہ وہ میرے ان دونوں بیٹوں سے بھی محبت کرے کیونکہ خلاق عالم نے مجھے ان کی محبت کا حکم دیا ہے۔

نیز بعض روایات میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ﴿مَنْ أَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ أَحَبَّنِي وَأَحَبَّنِي اللَّهُ وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا أَبْغَضَنِي وَأَبْغَضَنِي اللَّهُ﴾ جو شخص حسن و حسینؑ سے محبت رکھے گا اس سے میں محبت رکھوں گا اور جس سے میں محبت رکھوں گا اس سے خدا محبت رکھے گا وہ اسے ضرور داخل جنت کرے گا اور جو شخص ان سے

۱۔ شہیدانسانیت، ص ۶۵۔

۲۔ تفسیر درمنثور، ج ۳، ص ۲۲۳۔

۳۔ عاشر بحار الانوار، ص ۷۵۔ ایضاً، ص ۷۹ بحوالہ حلیۃ الاولیاء۔



دشمنی کرے گا اس سے میں دشمنی رکھوں گا اور جس سے میں دشمنی رکھوں گا اس سے خدا دشمنی رکھے گا اور جس سے خدا دشمنی رکھے گا اسے ضرور داخل جہنم کرے گا۔<sup>۱</sup>

جب بالا اختصار سطور بالا میں یہ ثابت کر دیا گیا کہ آنحضرت کو اپنے اہل بیت سے بالعموم اور سرکار سید الشہداء علیہ السلام سے بالخصوص انتہائی الفت و محبت تھی تو اب ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس سرکار سے محبت و مودت کرنا اپنا دینی و ایمانی فریضہ قرار دے اور یہی آیت مودت کا مفاد ہے: ﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ (سورہ شوریٰ، آیت ۲۳) میں تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں تم سے کوئی مزدوری طلب نہیں کرتا ہاں صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو، فریقین کی کتب تفسیر میں لکھا ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو بعض صحابہ کرام نے آنحضرت سے دریافت کیا ﴿مَنْ قَرَابَتِكَ الذِّينَ وَجِبَتْ عَلَيْنَا مَحَبَّتُهُمْ﴾۔ قَالَ: هُم فاطمة و علی و ابنہما ﴿وہ آپ کے قرابت دار کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب قرار دی گئی ہے؟ فرمایا: وہ فاطمہ، علی اور ان کے دونوں بیٹے ہیں۔<sup>۲</sup>

جناب شافعی نے کیا خوب کہا ہے۔<sup>۳</sup>

یا اہل بیت رسول اللہ حکم  
کفاکم من عظیم القدر انکم  
فرض من اللہ فی القرآن انزلہ  
من لم یصل علیکم لا صلوة لہ<sup>۴</sup>

علامہ فخر الدین رازی اپنی تفسیر (ج ۷، ص ۴۰۶) پر آیت مودت اور اس کی تفسیر لکھنے کے بعد بطور فیصلہ تحریر فرماتے ہیں: ﴿فکل ذلک يدل علی ان حب ال محمد واجب﴾ سب آیات و روایات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آل محمد کی محبت واجب ہے۔ اسی طرح نواب صدیق حسن خاں اپنی کتاب ”الدین الخالص“ ج ۲، ص ۲۸۵ پر حدیث نبوی ﴿احبوا اہل بیٹی لحيی﴾ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ﴿و يدل له القرآن قل لا اسئلكم عليه اجرا..... و هذه المحبة لهم واجبة متحتمة علی کل فرد من افراد الامة﴾ ”ہر فرد امت پر ان ذوات مقدسہ کی محبت واجب ہے۔“

۱۔ ارشاد شیخ مفید، ج ۲، ص ۱۴۔

۲۔ تفسیر بیضاوی، ص ۳۷۸، طبع ایران۔ صواعق محرقہ، ص ۱۳۶، طبع جدید۔ کشاف، ج ۳، ص ۴۰۲۔

۳۔ صواعق محرقہ، ص ۱۳۶، طبع جدید۔



## حضرت امام حسین علیہ السلام کے نسبی خصوصیات اور خاندانی روایات

ارباب بصیرت پر یہ حقیقت مخفی و محتجب نہیں ہے کہ انسانی رفعت و عظمت میں جہاں اس کے ذاتی صفات اور خصائل و شمائل کا بڑا حصہ ہے وہاں نسبی خصوصیات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ تو ارث صفات کا مسئلہ آج کل مسلم الثبوت ہو چکا ہے یعنی یہ کہ اخلاق و کردار کی تشکیل میں خاندانی روایات اور موروثی صفات کو بھی بہت دخل ہے۔ حسین کے ذاتی فضائل و کمالات اور محامد صفات کا تذکرہ تیسرے باب میں آ رہا ہے انشاء اللہ۔ یہاں صرف ان کے بعض خاندانی خصوصیات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ حسین خاندانی لحاظ سے اس آسمان رفعت و شرف پر فائز ہیں کہ جہاں تک طائر عقل بھی پرواز کر کے نہیں پہنچ سکتا۔ کتب فریقین میں یہ ارشاد نبوی مرقوم ہے کہ خلاق عالم نے تمام اقوام عالم میں سے قریش کو اور پھر قریش سے بنی کنانہ کو اور پھر بنی کنانہ میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منتخب کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام اسی شجرہ طیبہ کی عظیم شاخ اور اسی دوحہ مبارکہ کے گل سرسبد ہیں۔ والد ہیں تو سید الاولیاء، والدہ ہیں تو سیدۃ النساء، نانا ہیں تو سید الانبیاء، دادا ہیں تو سید البطحاء اور بھائی ہیں تو سید شباب اہل الجنۃ۔ بالفاظ دیگر بابا ہے تو نفس رسول۔ ماں ہے تو بتول اور بضعة الرسول۔ انہی دو عظیم المرتبت ماں باپ کے بیٹے ہیں حسین مرج البحرين يلتقيان بينهما برزخ لا یبغیان۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

پاس ادب مانع ہے ورنہ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ نسبی طور پر حسین کو جو شرف حاصل ہے وہ ان کے آباء و اجداد میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہے اور یہ وہ شرف ہے جس پر خود سرکار سید الشہداء علیہ السلام نے بھی افتخار فرمایا ہے جیسا کہ بعض آثار و اخبار سے واضح و آشکار ہوتا ہے۔



## شہزادہ کوئین کا حضرت امیر المومنینؑ کے ساتھ مفاخرہ

ایک طویل روایت میں وارد ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وفات رسولؐ سے کچھ دن پہلے ایک بار حضرت امیر المومنینؑ سرکار رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اتنے میں شہزادہ کوئین حضرت امام حسینؑ تشریف لائے جناب رسول خدا ﷺ نے شہزادہ کو اپنی گود میں بٹھایا اور ان کے ہونٹوں اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ حضرت امیر المومنینؑ نے عرض کیا: ﴿یا رسول اللہ! اتحب ولدی الحسین﴾ کیا آپ میرے فرزند حسینؑ سے محبت رکھتے ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: ﴿کیف لا احبه وهو عضو من اعضائی﴾ بھلا میں کیونکر اس سے مجھ نہ کروں حالانکہ یہ میرے اعضاء میں سے ایک عضو ہے۔ پھر جناب امیر المومنینؑ نے عرض کیا: ﴿اینا احب الیک انا ام الحسین﴾ ہم دونوں میں سے آپ کو زیادہ محبت کس سے ہے مجھ سے یا حسینؑ سے! یہ سن کر شہزادہ بولا اور عرض کیا: ﴿نعم یا ابتاہ من کان اعلیٰ شرفاً کان احب الی النبیؐ و اقرب الیہ منزلة﴾ ہاں بابا جان! ہم میں سے جس کا (خاندانی) شرف زیادہ ہوگا وہی رسول کو زیادہ محبوب ہوگا۔ بیٹے کا یہ کلام سن کر حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا: ﴿اتفاخر من یا حسین﴾ بیٹا حسینؑ کچھ خبر بھی ہے یہ فخر و مباہات کس سے کر رہے ہو؟ شہزادہ نے عرض کیا: ﴿نعم ابتاہ ان شئت؟﴾ ہاں بابا جان مجھے معلوم ہے۔ اگر خیال ہو تو بسم اللہ! اس وقت جناب امیر المومنینؑ نے اپنے فضائل و کمالات کا ایک شہدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿یا حسینؑ انا امیر المؤمنینؑ و لسان الصادقینؑ۔ انا وزیر المصطفیٰؐ۔ انا خازن علم اللہ انا قائد السابقینؑ الی الجنة۔ انا الذی عمہ سید الشهداء فی الجنة انا الذی اخوہ جعفر الطیار فی الجنة انا حبل اللہ المتینؑ۔ انا لسان اللہ الناطقؑ۔ انا حجة اللہ علی خلقہ۔ انا باب اللہ الذی یؤتی منہ۔ انا بیت اللہ الذی من دخلہ کان آمناً۔ فمن تمسک بولایتی و محبتی امن من النار۔ انا قاتل الناکثین و القاسطین و المارقین۔ انا ابو الیتامیؑ۔ انا کھف الارامل۔ انا عم یتسائلون عن ولایتی يوم القيامة۔ انا النبا العظیم۔ انا الذی اکمل اللہ بہ الدین يوم غدیر۔ انا ابو الائمة الطاہرین۔ ان الذی تصدق بالخاتم۔ انا الذی نمت علی فراش النبیؐ و فدیته بنفسی من المشرکین۔ انا ترجمان اللہ انا خازن علم اللہ..... انا قسیم الجنة و النار﴾ اے حسینؑ! میں مومنوں کا امیر، صادقین کی زبان، وزیر مصطفیٰؐ، خازن علم خدا اور سابقین الی الجنة کا قائد ہوں۔ میں وہ ہوں جس کا چچا (حضرت حمزہ) سید الشهداء جنت میں ہے۔ میں وہ ہوں جس کا بھائی جعفر طیار بھی جنت میں ہے۔ میں خدا کی حبل متین، میں خدا کی لسان ناطق، میں خلق خدا پر اس کی حجت، میں خدا تک پہنچنے کا دروازہ، میں خدا کا وہ گھر ہوں کہ جو اس میں داخل ہو جائے (عذاب الہی سے) مامون ہو جاتا ہے جو شخص میری ولایت و محبت کے دامن کے ساتھ



متمسک ہوگا آتش جہنم سے محفوظ رہے گا۔ میں بیعت توڑنے والوں (اصحابِ جمل) حق سے منہ موڑنے والوں (اصحابِ صفین) اور دین سے خارج ہونے والے (اصحابِ نہروان) سے جہاد کرنے والا ہوں۔ میں یتیموں کا سرپرست، میں بیواؤں کا بچہ ہوں میں وہ ہوں جس کی ولایت کا قیامت کے دن لوگوں سے سوال ہوگا، میں نباءِ عظیم (بڑی خبر) ہوں میں وہ ہوں جس کے ذریعہ خدا نے بروز غدیر خم اپنے دین کو کامل کیا تھا۔ میں ائمہ طاہرین علیہم السلام کا والد ہوں میں وہ ہوں جس نے (حالتِ رکوع میں) انگوٹھی راہِ خدا میں دی۔ میں وہ ہوں جس نے (شبِ ہجرت) بسترِ رسولؐ پر سو کر اپنی جان شاری کا ثبوت دیا۔ میں خدا کا ترجمان، میں علمِ خدا کا خازن اور میں قسیمِ جنت و نار ہوں۔“

یہ فرما کر حضرت امیر المومنین علیؑ خاموش ہو گئے۔ جناب رسول خدا ﷺ نے شہزادہ کو خطاب کر کے فرمایا:

﴿اسمعت یا ابا عبد اللہ ما قال ابو ک و هو عشر عشر معشار مالہ من فضائلہ و هو فوق ذلک و اعلى﴾ اے ابو عبد اللہ! جو کچھ آپ کے والد ماجد نے بیان کیا ہے تم نے اسے سنا ہے۔ یاد رکھو یہ ان کے فضائل و کمالات کا عشرِ عشر بھی نہیں ہے وہ اس سے بھی بہت اجل و اعلیٰ ہیں۔ شہزادہ نے یہ سن کر فرمایا: ﴿الحمد لله الذی فضلنا علی کثیر من عبادہ المؤمنین و علی جمیع المخلوقین و خص جدنا بالتزلیل و التاویل و الصدق و مناجاة الامین جبرئیل و جعلنا خیار من اصطفاه الجلیل و رفعنا علی الخلق اجمعین اما ما ذکرک یا امیر المؤمنین فانک فید صادق امین﴾ اس خدا کا حمد و شکر ہے جس نے ہمیں اہل ایمان اور تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے اور ہمارے جدِ نامدار کو تنزیل و تاویل اور جبرئیل امین کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرنے کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور ہمیں اپنی تمام برگزیدہ مخلوق میں سے افضل قرار دے کر اپنی تمام مخلوق پر رفعت و بلندی عطا فرمائی ہے۔ یا امیر المؤمنین! آپ نے اپنے متعلق جو کچھ بیان فرمایا ہے آپ اس میں صادق القول ہیں۔ جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ﴿اذکر انت یا حسینؑ فضائلک﴾ اے حسین! تم بھی تو اپنے فضائل بیان کرو۔ تب شہزادہ گویا ہوئے۔ ﴿یا ابت انا الحسین بن علی و امی فاطمة الزہراء و سیدۃ نساء العالمین و جدی محمد بن المصطفی سید بنی آدم اجمعین لا ریب فیہ یا علیؑ امی افضل من امک عند اللہ و عند الناس اجمعین و جدی خیر من جدک و افضل عند اللہ و عند الناس اجمعین و انا فی المہدنا غانی جبرئیل و تلقانی اسرافیل یا علیؑ انت عند اللہ افضل و انا افخر بالاباء و الامہات و الاجداد﴾ اے بابا بزرگوار! میں حسینؑ ہوں جو اس علیؑ ابن ابی طالب کا بیٹا ہے (جس کے فضائل آپ نے خود بیان فرمائے ہیں) میری ماں وہ فاطمہ زہراؑ ہیں جو تمام عالمین کی عورتوں کی سردار ہیں۔ اور میرے نانا محمدؐ مصطفیٰؐ ہیں جو بلا شک تمام بنی آدم کے سردار ہیں۔ بابا جان! میری مادر گرامی خدا اور تمام خلق کے نزدیک آپ کی والدہ سے افضل ہیں۔



اور میرے نانا بزرگوار خدا و خلق کے نزدیک آپ کے نانا سے افضل ہیں۔ (والد تو افضل ہیں ہی) اور میں وہ ہوں جس سے جھوٹے میں جبرئیل نے باتیں کیں۔ اور اسرافیل نے ملاقات کی۔ بابا جان! آپ خدا کے نزدیک یقیناً مجھ سے افضل ہیں لیکن جہاں تک آباء و اجداد کے ساتھ فخر و مباہات کا تعلق ہے اس سلسلہ میں مجھے زیادہ فخر حاصل ہے۔ یہ کہہ کر بابا کے گلے میں لپٹ گئے۔

جناب امیر المومنینؑ نے دست شفقت پھیرتے ہوئے فرمایا: ﴿زادک اللہ شرفاً و فخرأ و علماً و حلماً و لعن اللہ ظالمیک یا ابا عبد اللہ﴾ بیٹا خدا تمہارے شرف و فخر اور علم و حلم میں اضافہ فرمائے اور تم پر ظلم کرنے والے ظالموں پر لعنت کرے اس کے بعد شہزادہ اپنے نانا کی گود میں چلے گئے۔<sup>۱</sup>

تجھ سے کروں موازنہ مجھ میں یہ دم نہیں  
مولا! ترا حسین بھی کچھ تجھ سے کم نہیں  
(رشتہ ترا بی)

ظاہر ہے کہ یہ مفاخرہ صرف لوگوں پر اظہار حقیقت کی خاطر تھا ورنہ خود ان بزرگواروں کے درمیان کسی قسم کا اختلاف و افتراق نہ تھا ﴿اہل البیت ادری بما فی البیت﴾

بہر حال صاحبان عقل سمجھ سکتے ہیں کہ قطع نظر خصوصیات امامت کے جو مولود مسعود ایسے والدین کا چشم و چراغ ہو اور جس نے ایسے عالی خانوادہ میں نشوونما پائی ہو وہ کس قدر بلند اخلاق، پختہ کار اور انسانی کمالات کا شاہکار ہوگا۔

سکوتی بیان عہدہ اور کلام

قاضی محمد بہلول زنگہ زوری آفندی نے کیا خوب لکھا ہے:

﴿ہمیں کافی است کہ چشم روزگار مثل علی بن ابی طالب پدرے و فاطمہ مادرے و مانند حسین بن علی ذات با شرافت پسرے ندیدہ است﴾<sup>۲</sup> یعنی چشم و فلک نے علی بن ابی طالب جیسا باپ، فاطمہ زہرا جیسی ماں اور حسین جیسا شریف و نجیب بیٹا نہیں دیکھا۔

آپ خود امام ہیں۔ امام کے بیٹے ہیں۔ امام کے بھائی ہیں اور قیامت تک آنے والے ائمہ برحق ﷺ کے باپ ہیں۔ کون ہے جو حسین کا مثل ہو؟ ﴿ہذا حسین فاعرفوہ﴾ یہ ہیں حسین! ان کو پہچان لو۔

ع حسین کا جواب لا حسین کا جواب دے



## حضرت امام حسین علیہ السلام کے جسمی کمالات یعنی

### ان کے ذاتی اخلاق و اطوار اور نفسانی فضائل و مناقب

ارباب دانش و بینش جانتے ہیں کہ کسی بھی انسان کی حقیقی عظمت و جلالت اس کے ذاتی اخلاق و اطوار اور نفسانی فضائل و کمالات سے واضح و آشکار ہوتی ہے یہی چیز جو ہر انسانیت ہے۔ کما قیل

ع اقبل علی النفس و استكمل فضائلها فانك بالنفس لا بالجسم انسان

جناب ختمی مرتبت ﷺ نے تو اپنی بعثت کا مقصد قصیٰ ہی مکارم اخلاق کی تکمیل قرار دیا ہے کہ ﴿انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق﴾ غرضیکہ جو کام (بنابر مشہور) ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و مرسلین مکمل نہ کر سکے آپ نے اس کو اس درجہ پایہ تکمیل تک پہنچا دیا کہ اب کسی نبی و رسول کے آنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔ جناب سرور انبیاء خلق عظیم پر فائز تھے۔ اس کی تکمیل کی صورت اسی وقت ہو سکتی تھی جبکہ اس کی بقا کا بندوبست ہو ورنہ جس طرح اور انبیاء کی تعلیم وقتی رہی یہ بھی وقتی رہتی اور بقا بغیر تولید مثل محال ہے لہذا حضورؐ نے سب سے پہلے اسی طرف توجہ فرمائی اور اپنی زندگی میں چار نفس (علی، فاطمہ، حسن، حسین) ایسے بنا دیئے جو ہو ہو ایسے ہی تھے جیسے نفس رسولؐ۔ محاسن اخلاق میں کوئی فضیلت ایسی نہ تھی جو رسولؐ میں ہو اور ان میں نہ ہو جس طرح ہر فضیلت کو عملاً رسولؐ نے دکھایا انہوں نے بھی دکھایا۔ یہ قدرت کی طرف سے تکمیل اخلاق کا ایک مکمل بندوبست تھا کہ اس نے بارہ معصوم ہستیاں ایسی خلق فرمائیں جن کو سرور انبیاء کی نیابت کا فخر یکے بعد دیگرے حاصل رہا اور جو اخلاق محمدی کا نمونہ ہر زمانے میں پیش کرتے رہے اور جو جو نفسانی کمالات رسولؐ میں تھے۔ وہ سب بے کم و کاست نمایاں کرتے رہے جس طرح آنحضرتؐ کی نبوت تا قیام قیامت ہے اسی طرح رسولؐ کا یہ اخلاقی نمونہ بھی قیامت تک ہر زمانہ میں چلنے والا ہے۔<sup>۱</sup> ہم ذیل میں اس مقدس گروہ میں سے پانچویں لعل ولایت کے فضائل نفسانیہ، کمالات روحانیہ اور اخلاق جمیلہ و صفات جلیلہ کا ایک شمع ہدیہ قارئین کرام کرنا چاہتے ہیں ورنہ

ع سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لیے



## حسینؑ کے کمالات علمیہ کے بعض نادر نمونے

مخفی نہ رہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں: ایک وہی، دوسرا کسی۔ علم وہی ولدنی وہ ہوتا ہے جو علیم مطلق اپنے بعض مخصوص بندوں کو بذریعہ وحی والہام وغیرہ مرحمت فرماتا ہے۔ یہی وہ حقیقی علم ہے جس میں کسی قسم کی خطا اور غلطی کا امکان نہیں ہوتا کیونکہ اس میں معلم وہ ذات مستجمع جمیع صفات ہے جس کا علم عین ذات ہے اور معلم وہ معصوم ہستیاں ہوتی ہیں جن میں شیطانی سہو و نسیان کا کوئی امکان نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے متعلق بوجہ عصمت و طہارت اغراض نفسانیہ کے تحت اس میں کسی قسم کی کمی یا بیشی کرنے کا احتمال ہوتا ہے۔ کسی علم وہ ہوتا ہے جو دنیا میں اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے جس میں ہر قسم کی غلطی کا امکان ہوتا ہے۔ تمام انبیاء اور ان کے اوصیاء علم وہی ولدنی کے حامل ہوتے ہیں اور مدرسہ الہیہ کے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ وہ دنیوی مدارس میں نہیں پڑھا کرتے۔ ہمارے ائمہ اطہار علیہم السلام بھی اسی مدرسہ الہیہ کے پڑھے ہوئے تھے۔ کسی دنیوی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ ان کے سینے علوم ربانیہ کے دینے اور دماغ معارف الہیہ کے خزینے تھے۔ علم وہی رکھنے والے بزرگوں کی سب سے بڑی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی سائل کے جواب میں ﴿لا ادری﴾ نہیں کہتے چنانچہ علامہ امام میں وارد شدہ متعدد احادیث میں موجود ہے: ﴿الحجة من لا يقول لا ادری﴾ حجت خدا وہ ہوتا ہے جو کسی بھی سائل کے جواب میں ﴿لا ادری﴾ (میں نہیں جانتا) نہ کہے (اصول کافی وغیرہ) بلکہ ہر سائل کے ہر سوال کا تسلی بخش جواب با صواب دے کر اسے مطمئن کر سکے بلکہ امام برحق تو وہ ہوتا ہے کہ خود لوگوں کو سوال کرنے پر آمادہ کرتے ہوئے کہے: ﴿سلونی سلونی قبل ان تفقدونی﴾ جو کسی سائل کے کسی سوال کا جواب نہ دے سکے وہ اور سب کچھ ہو سکتا ہے مگر حجت خدا نہیں ہو سکتا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اسی خانوادہ علم و فضل کے پانچویں فرد فرید و جوہر وحید ہیں۔ ان کے علوم کی تہہ تک رسائی حاصل کرنا حد امکان سے باہر ہے۔ یہاں بطور نمونہ مشتے از خروارے کچھ ان کے خدا داد علم و کمال کی جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) ایک مرتبہ معاویہ کی موجودگی میں عمرو بن العاص نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے دریافت کیا۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہماری اولاد بہ نسبت آپ حضرات کی اولاد کے زیادہ ہے؟ آپ نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا:

بغات الطیر اکثرها فواخاً و ام الصقر مقلال نذور

یعنی شکار نہ کرنے والے کمزور پرندوں کے بچے زیادہ ہوتے ہیں اور شکاری پرندوں کی ماں بچہ مردہ اور کم

اولاد ہوتی ہے۔



پھر عمرو نے پوچھا: اس کی وجہ کیا ہے کہ ہماری مونچھیں آپ سے پہلے سفید ہو جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا:

﴿ان نساء کم نساء بخرة فاذا دلی احدکم من امراته نهکت فی وجهه فشاب منه شاربہ﴾ تمہاری عورتیں گندہ دہن ہیں۔ تم جب ان کے نزدیک جاتے ہو تو وہ بُو پھیلاتی ہیں تو اس سے تمہاری مونچھیں سفید ہو جاتی ہیں۔ پھر عمرو نے دریافت کیا: اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ حضرات کی ڈاڑھیاں گھنی ہوتی ہیں اور ہماری ایسی نہیں۔ فرمایا: ﴿البلد الطیب یخرج نباته باذن ربہ و الذی خبث لا یخرج الا نکدا﴾ جو پاکیزہ بستی ہو اس کی انگوری خدا کے حکم سے اچھی لگتی ہے اور جو بدطینت ہو اس کی انگوری ٹانواں ٹانواں ہوتی ہے۔ حضرت کے یہ نقد مگر تلخ حقائق پر مبنی جوابات سن کر معاویہ پکار اٹھا: ﴿بحقی علیک الا سکت انہ ابن علی بن ابی طالب﴾ تجھے میرے حق کی قسم چپ ہو جاؤ، کیونکہ یہ علی ابن ابی طالب کا بیٹا ہے اس وقت امام علیؑ نے یہ شعر پڑھا:

ان عادت العقرب عدنا لها و کانت النعل لها حاضرة

قد علم العقرب و استیقنت ان لا لها دنیا ولا اخری

اگر عقرب نے دوبارہ عود کیا تو ہم بھی عود کریں گے اور جو تباہ تھ میں موجود ہوگا۔ یہ تو عقرب کو معلوم ہی ہے کہ اس کی نہ دنیا ہے اور نہ آخرت۔

(۲) حسن بھری نے لکھ کر آنجنابؑ سے مسئلہ ”قدر“ کی حقیقت دریافت کی۔ امام عالی مقام علیہ السلام نے جو

اسے جواب دیا وہ درج ذیل ہے، ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فاتبع﴾ ما شرح لك في القدر مما افضى اليها اهل البيت فانه من لم يؤمن بالقدر خيره و شره كفرو من حمل المعاصي على الله جل و عز فقد افتري على الله افترا عظيما ان الله تبارك و تعالی لا يطاع باكراه ولا يعصى بغلبة ولا يهمل العباد في الحكمة لكته المالك لما ملكهم و القادر لما عليه اقدرهم فان ائتمروا بالطاعة لم يكن الله صاد عنها مبطلتا و ان ائتمروا بالمعصية فشاء ان يمن عليهم فيحول بينهم و بين ما ائتمروا به فعل و ان لم يفعل فليس هو حملهم عليها تيسرا ولا كلفهم جبرا بتمكينه اياهم بعد اذاره و انذاره لهم و احتجاجه عليهم طوقهم و مكنهم و جعل لهم السبيل الى اخذ ما اليه دعاهم و ترك ما عنه نهاهم جعلهم مستطيعين لاخذ ما امرهم به من شئ غير اخذ به و لترك ما نهاهم عنه من شئ غير تاركه و الحمد لله الذي جعل عباده اقويا لما امرهم به ينالون بتبلك القوه و ما نهاهم



عنه و جعل العذر لمن لم يجعل له السبيل حمداً متقبلاً فاننا على ذالك اذهب و به اقول و الله و  
انا و اصحابي ايضاً عليه و له الحمد ﴿﴾

دیکھو پیروی کرو اس کی جو میں تمہیں قدر کے متعلق لکھتا ہوں۔ اس علم سے جو ہم اہل بیت تک پہنچا ہے اس  
لیے کہ جو شخص اچھی اور بری ہر قسم کی تقدیر پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے اور جو گناہوں کی ذمہ داری اللہ پر قرار دے اس  
نے خدا پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ خداوند عالم کی اطاعت زبردستی سے نہیں ہوتی اور نہ نافرمانی خدا کے مقابلہ میں  
غالب آنے کی بنا پر ہوتی ہے اور نہ وہ اپنی حکمت سے اپنے بندوں کو مطلق العنان چھوڑتا ہے بلکہ وہ مالک ہے اس کا  
بھی جسے اس نے ان کی ملکیت میں دیا ہے اور قادر ہے اس پر بھی جسے اس نے ان کی قدرت میں رکھا ہے لہذا اگر وہ  
اس کے احکام کی اطاعت کرنا چاہیں تو اللہ اس سے روکنے والا یا دیر کرنے والا نہ ہوگا اور اگر گناہ کرنا چاہیں تو اس وقت  
اگر وہ چاہے کہ اپنے احسان سے کچھ موانع پیدا کر کے ان کو ان کے ارادہ کئے ہوئے گناہ سے باز رکھے تو ایسا کر دیتا  
ہے لیکن اگر ایسا نہ کرے تب بھی ان کے گناہ کا باعث اور مجبور کرنے والا وہ نہ ہوگا اور نہ یہ کہ اس نے زبردستی اس کا  
مرتکب کیا ہوگا بلکہ قدرت دینے کے ساتھ انہیں پورے طور پر اچھا برابھانے اور حجت تمام کرنے کے بعد اس نے انہیں  
اپنے افعال پر طاقت دی ہے اور ان کے لیے راستہ کھلا رکھا ہے کہ یہ اس عمل کو اختیار کریں جس کی طرف اس نے انہیں  
دعوت دی ہے اور اسے ترک کریں جس سے اس نے انہیں منع کیا ہے چاہے یہ انہیں ترک کریں یا نہ! اور مسلسل و متصل  
حمد ہے اس اللہ کے لیے جس نے اپنے بندوں کو طاقت دے رکھی ہے اپنے احکام کی تعمیل پر اور اسی طاقت سے جب  
چاہتے ہیں وہ تعمیل کرتے ہیں اور احکام کی مخالفت پر بھی طاقت دی ہے اور جس کے لیے راستہ تعمیل احکام کا موجود ہی  
نہ ہوا ہے تو معذور قرار دیا ہے (وہ مکلف ہی نہیں ہے) یہی میرا مسلک ہے اور بخدا اسی کا میں قائل ہوں اور میں اور  
میرے تمام اصحاب بحمد اللہ اسی پر قائم ہیں۔

(۳) آنجنابؑ نے ایک کنیز کو آزاد کر کے اس سے عقد کر لیا تھا۔ اس پر اعتراض کرتے ہوئے معاویہ  
نے آپ کو ایک خط لکھا اس کے جواب میں آپؐ نے تحریر فرمایا: ﴿اَما بعد فقد بلغنی کتابک و تعبیرک  
ایسی بانی تزوجت مولائی و ترکت اکفانی من قریش فلیس فوق رسول اللہ منتهی فی شرف ولا  
غایۃ فی نسب و انما کانت ملک یمینی خرجت عن یدی بامر التمسست فیہ ثواب اللہ ثم  
ارتجعتها علی سنة نبیہ و قد رفع اللہ بالاسلام الخسیۃ و وضع عنابہ النقیصۃ فلا لوم علی امرء  
مسلم الا فی امر ماثم و انما اللوم لوم الجاہلیۃ﴾



تمہارا نوشتہ مجھے ملا۔ جس میں تم نے مجھ پر اعتراض کیا ہے کہ میں نے اپنی آزاد کردہ کنیر سے عقد کر لیا اور قریش میں سے کسی برابر کی لڑکی سے شادی نہ کی۔ تو ظاہر ہے رسول کی قرابت سے بڑھ کر (جو کہ مجھے حاصل ہے) نہ تو کوئی شرف ہے نہ اس کے برابر نسب کی کوئی منزل ہے۔ وہ پہلے میری کنیر تھی جسے میں نے ثواب خدا حاصل کرنے کے لیے آزاد کر کے اپنی ملکیت سے نکال دیا پھر میں نے پیغمبر کی سنت پر عمل کرتے ہوئے (عقد کر کے) اسے اپنے پاس پلٹا لیا۔ خداوند عالم نے اسلام کے ذریعہ ہر پستی کو بلندی بخش دی ہے اور اسی اسلام کے ذریعہ ہم (مسلمانوں) سے ہر کمی کو دور کر دیا ہے لہذا مرد مسلمان اسی وقت مستحق ملامت ہے جبکہ اس سے کسی گناہ کا ارتکاب ہو۔ ذلیل و گھٹیا اور بڑی کمینگی تو یہ ہے کہ مسلمان ہو کر کوئی جاہلیت کی ذہنیت پر برقرار رہے۔

(۴) تو حید باری تعالیٰ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِيهَا النَّاسُ اتَّقُوا هَؤُلَاءِ الْمَارِقَةَ الَّذِينَ يَشْبَهُونَ اللَّهَ بِأَنفُسِهِمْ يَصَاهُنُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ بَلْ هُوَ اللَّهُ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ لَا تَدْرِكُهُ الْإِبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْإِبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ اسْتَخْلَصَ الْوَحْدَانِيَّةَ وَالْجَبْرُوتَ وَأَمْضَى الْمَشِيَّةَ وَالْإِرَادَةَ وَالْقُدْرَةَ وَالْعِلْمَ بِمَا هُوَ كَائِنٌ لَا مَنَازِعَ لَهُ فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْرِهِ وَلَا كِفْؤَ لَهُ يَعَادِلُهُ وَلَا ضِدَّ لَهُ يَنَازِعُهُ وَلَا سَمِيَّ لَهُ يَشَابُهُهُ وَلَا مِثْلَ لَهُ يَشَاكِلُهُ لَا اقْتِدَارَ لَهُ الْأُمُورَ وَلَا تَجَرِي عَلَيْهِ الْأَحْوَالُ وَلَا تَنْزِلُ عَلَيْهِ الْأَحْدَاثُ وَلَا يَقْدِرُ الْوَاصِفُونَ كُنْهَ عَظَمَتِهِ وَلَا يَخْطُرُ عَلَى الْقُلُوبِ مَبْلَغُ جَبْرُوتِهِ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ فِي الْأَشْيَاءِ عَدِيلٌ وَلَا تَدْرِكُهُ الْعُلَمَاءُ بِالْبَابِهَا وَلَا أَهْلُ التَّفَكِيرِ بِفِكْرِهِمْ إِلَّا بِالْحَقِيقِ إِيْقَانًا بِالْفِطْرِ ۚ لَا يُوصَفُ بِشَيْءٍ مِنْ صِفَاتِ الْمَخْلُوقِينَ وَهُوَ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ مَا تَصُورُ فِي الْأَوْسَامِ فَهُوَ خِلَافُهُ، لَيْسَ بِرَبِّ مِنْ طَرَحٍ تَحْتَ الْبِلَاحِ وَمَعْبُودٌ مِنْ وَجْدٍ فِي هَوَاءٍ وَغَيْرِ هَوَاءٍ وَهُوَ فِي الْأَشْيَاءِ كَائِنٌ لَا كَيْنُونَةٌ مَخْطُورٌ بِهَا عَلَيْهِ وَمِنْ الْأَشْيَاءِ بَائِنٌ لَا بَيْنُونَةٌ غَائِبٌ عَنْهَا لَيْسَ بِقَادِرٍ مِنْ قَارِنِهِ ضِدٌّ، أَوْ سَاوَاهُ نَدٌّ، لَيْسَ عَنِ الدَّهْرِ قَدَمُهُ وَلَا بِالنَّاحِيَةِ أَمَمُهُ احْتَجَبَ عَنِ الْعُقُولِ كَمَا احْتَجَبَ عَنِ الْإِبْصَارِ وَعَمَّنْ فِي السَّمَاءِ احْتِجَابُهُ كَمَنْ فِي الْأَرْضِ قُرْبُهُ كَرَامَةٌ وَبَعْدُهُ أَهَانَةٌ لَا تَحِلُّهُ فِي، وَلَا تَوَقُّتُهُ إِذْ، وَلَا تَوَامُرُهُ أَنْ، عَلَوُهُ مِنْ غَيْرِ وَقِلْ، وَمَجِيئُهُ مِنْ غَيْرِ تَنْقَلْ، يَوْجَدُ الْمَفْقُودَ، وَيَفْقَدُ الْمَوْجُودَ وَلَا تَجْتَمِعُ لْغَيْرِهِ الصِّفَتَانِ فِي وَقْتٍ. يَصِيبُ الْفِكْرَ مِنْهُ الْإِيمَانُ بِهِ مَوْجُودًا وَجُودُ الْإِيمَانِ لَا وَجُودَ صِفَةٍ، بِهِ تَوْصَفُ الصِّفَاتُ لَا بِهَا يُوصَفُ وَبِهِ تَعْرِفُ الْمَعَارِفُ، لَا بِهَا يَعْرِفُ، فَذَلِكَ اللَّهُ لَا سَمِيَّ لَهُ سُبْحَانَهُ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ، وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿



اے لوگو! ان بے دین لوگوں سے بچو جو خدا کو اپنے نفوس کا ایسا سمجھتے ہیں اور کفار اہل کتاب کی ایسی باتیں کرتے ہیں بلکہ وہ اللہ ہے اس کی ایسی کوئی چیز نہیں۔ وہ دیکھنے اور سننے والا ہے۔ نگاہیں اسے نہیں پاسکتیں وہ البتہ نگاہوں کو دیکھتا ہے۔ وہ مادی کثافتوں سے بری اور بڑا باخبر ہے۔ یکتائی و اقتدار لو اس نے خاص اپنے لیے رکھا ہے۔ اپنی خواہش و ارادہ کو کر گزرنے والا، قدرت کو عمل میں لانے والا، اور ہر ہونے والی بات کا عالم ہے، کسی چیز کے متعلق اگر حکم صادر کر دے تو کسی کو مجال دم زدن نہیں۔ نہ تو کوئی اس کا ہمسر ہے کہ برابری کرے۔ نہ کوئی حریف ہے جسے اختلاف کی جرأت ہو۔ نہ کوئی اس کا نظیر ہے جو اس سے مشابہ ہونے کا دعویٰ کرے۔ نہ اس کا کوئی نمونہ ہے جو اس کا شبیہ ہو، نہ اس پر انقلابات آتے ہیں نہ اس کی حالتیں بدلتی ہیں۔ نہ تغیرات لاحق ہوتے ہیں تو صیغہ کرنے والے اس کی عظمت کی حقیقت بیان کرنے پر قادر نہیں۔ نہ دلوں کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ کتنی قدرت والا ہے کیونکہ موجودات عالم میں کوئی چیز اس کے ہم پلہ نہیں۔ نہ علماء اپنی عقلوں سے، غور و فکر کرنے والے اپنے غور و فکر سے کام لے کر اسے سمجھ سکتے ہیں۔ مگر یہ کہ وہ بے دیکھے اس کی عین حقیقت پر یقین کریں۔ کیونکہ مخلوقات کے اوصاف سے اس کی توصیف نہیں کی جاسکتی۔ (کہ کسی مخلوق سے مثال دے کر اس کی شناخت کرائی جاسکے) وہ واحد و یکتا اور بے نیاز ہے۔ وہم و گمان جو کچھ اس کا خاکہ تیار کرے خداوند عالم اس کے خلاف ہی ہوگا۔

خدا وہ نہیں جو بار مصیبت کے نیچے در ماندہ ہو اور وہ معبود نہیں جو ہوا یا غیر ہوا کسی بھی مکان میں پایا جائے۔ اور وہ تمام چیزوں میں موجود ہے (مگر) ایسا ہونا نہیں جو اسے ان میں محدود بنا دے اور تمام چیزوں سے دور ہے مگر ایسی دوری نہیں جس کی وجہ سے وہ ان سے بے تعلق و بے خبر ہو جائے قادر (علی الاطلاق) وہ نہیں ہو سکتا جس کے ہمسر کوئی ضد اور اس کے ہمتا کوئی اس کا مثل ہو۔ وہ زمانہ کے حدود میں گرفتار اور مکان کی پابندی میں مقید نہیں ہے۔ وہ جس طرح نگاہوں سے پوشیدہ ہے اسی طرح عقلوں سے بھی مخفی ہے اس کی نزدیکی اعزاز اور اس کی دوری تحقیر ہے۔

اس کے ساتھ ”ہیں“ کی لفظ (جو کسی ظرف میں ہونے کا پتہ دے) صرف نہیں ہو سکتی۔ نہ ”جب“ کے ساتھ اس کو کسی وقت سے مخصوص کیا جاسکتا ہے۔ نہ اس کے وجود میں ”اگر“ کی گنجائش ہے۔ بلندی اس کی غیر جسمانی ہے اور متوجہ ہونا اس کا بغیر انتقال مکانی ہے۔ وہ ہست کو نیست اور نیست کو ہست بناتا ہے اور اس کے غیر کے لیے کسی وقت بھی یہ دونوں صفتیں بھم نہیں ہو سکتیں۔ جتنی غور و فکر اس کے موجود ہونے پر ایمان رکھتا ہے ایسا وجود جس پر بس ایمان لایا جاسکتا ہے اس کی توصیف نہیں ہو سکتی صفتیں ہیں ان کا مفہوم اسی کے ذریعہ سے سمجھ میں آتا ہے۔ اس کی ذات ان صفتوں سے سمجھ میں نہیں آتی۔ تمام پہچانی ہوئی چیزیں اس کی بدولت ہمیں معلوم ہیں وہ ان سے معلوم نہیں



ہوتا۔ یہ ہے اللہ جس کا کوئی ہمنام نہیں، وہ ہر عیب سے بری، اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔ اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔“

شیخ عبد اللہ العطار علی لکھتے ہیں: ﴿الاخبار عن الحسين في هذا الباب اكثر من ان تحصي ولقد كان يجيئ بالمدحشآت في الفتيا وما اليها من العلم حتى قال فيه ابن عمر انه يغري العلم غراً اي يبعدي﴾ یعنی اس سلسلہ میں امام حسین علیہ السلام سے بے شمار اخبار مروی ہیں۔ آپ کے فتاویٰ اور علمی کارنامے لوگوں کو مدہوش کر دیتے ہیں۔ ابن عمر آپ کے متعلق کہتے ہیں کہ آپ نے غذائے علم کو سیر ہو کر حاصل کیا ہے۔

### فصاحت و بلاغت

خاندان رسالت کی فصاحت و بلاغت حد بیان سے باہر ہے اس خانوادہ فضل و کمال کا جو بھی فرد ہے۔ وہ میدان فصاحت و بلاغت کا یکہ تازہ شہسوار نظر آتا ہے۔ فصاحت اس بیت علم کی کینر معلوم ہوتی ہے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ﴿اوتيت جوامع الكلم و اوتى على جوامع الكلم﴾ مجھے اور علی کو منجانب اللہ یہ عطیہ ہوا ہے کہ کم الفاظ میں معانی زیادہ سمجھ سکتے ہیں۔

شیخ شبراوی اس خانوادہ عصمت و طہارت کے متعلق لکھتے ہیں: ﴿ان اهل البيت حازوا الفضائل كلها علماً و حلماً و فصاحة و صباحة و ذكاء و بديهة و جوداً و شجاعة فعلمهم لا تتوقف على تكرار درس ولا يزيد يومهم فيها على ما كان بالامس بل هي مواهب من مولا هم من انكرها و اراد سترها كان كمن اراد ستر وجه الشمس﴾

یعنی اہل بیت رسول جمیع فضائل علم و حلم، فصاحت و صباحت، ہدایت و ذکاوت، سخاوت و شجاعت غرضیکہ جمیع فضائل و مکارم پر حاوی و فائز ہیں۔ ان کے علوم تعلیم و تعلم و درس و تدریس اور بحث و تکرار پر موقوف نہیں ہیں اور نہ ایسا ہے کہ ان کا آج کل پر فوقیت رکھتا ہو کہ کل وہ نہیں جانتے تھے اور آج جان گئے ہوں۔ درحقیقت یہ خدا کے بخشے ہوئے کمالات ہیں جو اہل بیت کو عطا ہوئے ہیں جو شخص اس امر کا انکار کرے یا اس کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی آفتاب کو چھپانے کی سعی کرے۔

امیر شام ایسے الذ الخصام بھی اس خاندان کی فصاحت و بلاغت کا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ

۱۔ سمو المعنى في سمو الذات، ص ۲، بحوالہ تحت القول۔

۲۔ شرح نهج البلاغة ابن ميثم بحرانی، ص ۲/۳۰۔

۳۔ کتاب الاحناف بحب الاشراف، ص ۱۹، طبع مصر۔



﴿السنة بنى هاشم الحداد التي تفلق الصخر و تغرف من البحر﴾ یعنی بنی ہاشم کی تیز زبانیں پتھر میں شکاف ڈال دیتی ہیں اور سمندروں سے پانی لیتی ہیں۔<sup>۱</sup> و الفضل ما شهدت به الاعداء۔

حضرت امام حسین ؑ اسی خانوادہ نبوت کے عظیم النظیر خطیب ہیں۔ آپ کے متعلق شیخ محمد بن طلحہ الشافعی لکھتے ہیں: ﴿انه عليه السلام من ذلك الوقت افصح من نطق كانت الفصاحة لديه خاضعة و البلاغة لامره سامعة طائعة﴾ آنجناب اپنے دور کے سب بولنے والوں سے زیادہ فصیح اللسان تھے۔ فصاحت آپ کی فرمانبردار لوٹدی اور بلاغت مطیع امر کنیز تھی۔<sup>۲</sup>

حمود عقاد مصری لکھتے ہیں: ﴿وقد اوتى ملكة الخطابة من طلاقة لسان و حسن بيان و غنة صوت و جمال ايماء﴾ قدرت نے آپ کو ایسا ملکہ خطابت عطا کیا تھا جس میں طلاقت لسان، حسن بیان، صوت حسن اور حسین اشارے بھی کچھ موجود ہے۔<sup>۳</sup> و لنعم ما قبل۔

وہی کلام، وہی لہجہ لسان اللہ  
نثار کوثر و تسنیم و سلسبیل کا حسن  
نپے تلے ہوئے الفاظ وہ معانی خیز  
نبوت اور امامت کے علم کا تیور  
یہی تھا راز نبی کے زباں چمانے میں  
زباں حسین کی گویا زباں قدرت ہے

آنجناب کے کلام معجز نظام پر مشتمل ایک نہایت عمدہ رسالہ بنام بلاغت الحسین طہران میں اور پھر اس کا سلیس اردو ترجمہ اور نفس مقدمات کے ساتھ کچھو سے شائع ہو چکا ہے جس میں آپ کے خطب شریف، مکاتیب نفیسہ اور کلمات قصار لطیفہ درج ہیں۔ شائقین حضرات اس رسالہ کا مطالعہ کر کے نور ایمان و ایقان میں اضافہ کریں۔ یہاں بطور نمونہ آپ کا کچھ کلام حقائق ترجمان پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے نیز قبل ازیں سابقہ عنوان کے تحت بھی اس کے کچھ نمونے پیش کئے جا چکے ہیں۔

(۱) نافع بن ارزق نے ابن عباس سے سوال کیا: ﴿صف لنا الهک الذی تعبدہ﴾ مجھ سے اپنے اس پروردگار کا وصف بیان کرو جس کی عبادت کرتے ہو اور ابن عباس نے عظمت الہی کے احساس سے سر جھکا لیا۔ تب نافع

۱۔ مؤاسم الادب و الآثار العجم و العرب، ص ۳۱/۱۔

۲۔ مطالب السؤل، ص ۲۳۹، طبع لکھنؤ۔

۳۔ ابوالشہداء، ص ۶۴، طبع مصر، بحوالہ مقدمہ بلاغت الحسین۔



حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا۔ حضرت نے فرمایا: ﴿یَا نَافِعُ اِنْ مِنْ وَضَعُ دِیْنَهُ عَلٰی الْقِیَاسِ، لَمْ یَزَلْ فِی الْاِرْتِمَاسِ، مَائِلًا عَنِ الْمُنْهَاجِ، ظَاعِنًا بِالْاَعْوَجَاجِ، ضَالًّا عَنِ السَّبِيلِ قَائِلًا غَیْرِ الْجَمِیْلِ، یَابْنَ الْاَرْزَقِ اَصْفَ الْهٰی بِمَا وَصَفَ بِهِ نَفْسَهُ لَا یَدْرُکُ بِالْحَوَاسِ، وَلَا یُقَاسُ بِالنَّاسِ فَهُوَ قَرِیْبٌ غَیْرِ مُلْتَصِقٍ، وَ بَعِیْدٌ غَیْرِ مُسْتَقْصٰی یُوْحِدُ وَلَا یُعْضُ، مَعْرُوفٌ بِالْاٰیَاتِ، مَوْصُوفٌ بِالْعَلَامَاتِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْکَبِیْرُ الْمُتَعَالٰی، فَبَکِیْ اِبْنَ الْاَرْزَقِ، وَ قَالَ مَا اَحْسَنَ کَلَامَکَ، فَقَالَ لَهُ بَلَّغْنِیْ اَنْکَ تَشْهَدُ عَلٰی اَبِیْ وَ عَلٰی اَخِیْ وَ عَلٰی بِالْکُفْرِ، فَقَالَ لَهُ الْحَسَنِ اَنْیْ سَئَلْتُکَ عَنْ مَسْئَلَةٍ فَقَالَ سَلْ فَسْئَلُهُ عَنْ قَوْلِهِ، وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَکَانَ لِفَلَامِیْنِ یَتِیْمِیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ، فَقَالَ یَابْنَ الْاَرْزَقِ، مَنْ حَفِظَ فِی الْفَلَامِیْنِ، فَقَالَ اَبُو هُمَا فَقَالَ الْحَسَنِ اَبُو هُمَا خَیْرٌ اَمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ اِبْنَ الْاَرْزَقِ قَدْ اَنْبَاَنَا اللّٰهُ عَنْکُمْ اَنْکُمْ قَوْمٌ خَصْمُوْنَ﴾

اے نافع جو شخص اپنے مذہب کی بنیاد قیاس پر رکھے گا ہمیشہ غلطے کھاتا اور راہِ راست سے ہٹا ہوا، بکج روی میں مبتلا، راہِ راست سے گمراہ اور غیر مستحسن اقوال کے ساتھ گویا رہے گا۔ اے نافع بن ارزق میں اپنے خدا کی وہی صفت بتا سکتا ہوں جو اس نے خود اپنی صفت بیان کر دی ہے۔ حساسات سے اس کا ادراک ممکن نہیں اور خلأئق پر اس کا قیاس درست نہیں۔ وہ نزدیک ہے مگر جسمانی طور پر چسپید نہیں۔ اور دور ہے مگر جسمانی طور پر علیحدہ نہیں۔ وہ ایک ہے مگر کسی مجموعہ کا جزو نہیں، نشانیوں سے پہچانا ہوا اور علامتوں سے توصیف کیا ہوا ہے۔ سوا اس بزرگ و بلند کے کوئی دوسرا معبود برحق نہیں۔ یہ سن کر ابن ارزق رونے لگا اور کہا: کیا خوب آپ کا بیان ہے۔ حضرت نے فرمایا: مجھے تو معلوم ہوا ہے کہ تم میرے والد بزرگوار اور بھائی کو اور خود مجھے کافر سمجھتے ہو۔ (اس پر وہ شرمندہ سا ہو گیا) حضرت نے فرمایا: میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: دریافت کیجئے۔ آپ نے یہ آیت پڑھی جو حضرت خضرؑ کے قصہ میں ہے کہ ”وہ دیوار دو یتیم لڑکوں کی تھی۔“ آپ نے فرمایا: اے ابن ارزق یہ لڑکوں کے بارے میں کس کے حقوق کا خیال کیا گیا۔ ارزق نے کہا: ان کے باپ کے حقوق کا، حضرت نے کہا (کہ سچ بتاؤ) ان کے باپ کا درجہ بلند تھا یا رسول اللہ ﷺ کا۔ ابن ارزق نے کہا کہ تم لوگوں کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ یہ لوگ بڑے بحث کرنے والے ہیں۔

(۲) ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الْحِلْمَ زِیْنَةُ، وَ الْوَفَاءَ مَرْوَةٌ وَ الصَّلٰةُ نِعْمَةٌ وَ

الاسْتِکْبَارُ صُلْفٌ، وَ الْعَجَلَةُ سَفَهٌ، وَ السَّفَهُ ضَعْفٌ، وَ الْغُلُوُّ وَرْطَةٌ، وَ مَجَالَسَةُ اَهْلِ الدَّنَائَةِ شَرٌّ، وَ

مَجَالَسَةُ اَهْلِ الْفُسُوْقِ رِیْبَةٌ﴾



بردباری زینت ہے، وفا تقاضائے انسانیت ہے، صلہ نعمت ہے، بڑا بننا بے غیرتی ہے، جلد بازی نادانی اور نادانی ضعف ہے، حد سے گزرنا باعثِ خطرہ ہے، کمینوں کی ہم نشینی بری اور فاسقوں کی ہم نشینی سببِ تہمت ہے۔

(۳) دنیا سے پرہیز کرنے کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: یا بن آدم تفکر، و قل این ملوک

الدنیا و اربابہا الذین عمروا خرابہا، و احتفروا انہارہا، و اغرسوا اشجارہا، و مدنوا مدائنہا، فارقوها و ہم کارہون، و ورثہا قوم اخرون، و نحن بہم عما قليل لاحقون یا ابن آدم اذکر مصرعک، و فی قبرک مضجعک و موقفک بین یدی اللہ، تشهد جوارحک علیک یوم تزل فیہ الاقدام و تبلغ القلوب الحناجر و تبیض وجوہ، و تسود وجوہ، و تبدوا السرائر و یوضع المیزان القسط، یا بن آدم اذکر مصارع ابانک و ابنانک کیف کانوا و حیث حلوا و کانک عن قليل، قد حلت محلہم و ضرت عبرۃ معتبر۔

وانشد شعرا:

ابن الملوک التي عن حفظها غفلت حتى سقاها بكاس الموت ساقیہا

تلك المدائن في الافاق خالية عادت خراباً و ذاق الموت باينہا

اموالنا لذوی الوارث تجمعتها و دورنا لخراب الدهر بانہا

اے فرزند آدم! غور کرو اور بتاؤ کہ شاہان دنیا اور دنیا والے کہاں ہیں؟ کدھر گئے وہ لوگ جنہوں نے اس دنیا کے ویرانوں کو آباد کیا۔ نہریں کھودیں، درخت لگائے۔ اس کے شہروں کو آباد کیا۔ وہ لوگ خواہش نہ رکھتے ہوئے بھی اس دنیا سے جدا ہو گئے اور ان کی جگہ دوسرے لوگ مالک بن بیٹھے۔ ہم لوگ بھی عنقریب ان سے جا ملیں گے۔ اے فرزند اپنے پچھڑنے اور قبر میں لیٹنے اور پھر بروز قیامت خداوند عالم کے سامنے کھڑے ہونے کو یاد کرو۔ جہاں تمہارے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے اس دن جبکہ قدم پھسلیں گے اور دل حلق تک آجائیں گے اور بعضوں کے چہرے سپید اور بعضوں کے سیاہ ہوں گے اور ڈھکی چھپی باتیں ظاہر ہو جائیں گی اور انصاف کی ترازو نصب کی جائے گی۔ اے فرزند آدم اپنے باپ دادا اور اپنی اولاد کے مرنے کو یاد کرو کہ پہلے وہ کہاں تھے اور اب کہاں ہیں اور تم بھی عنقریب انہیں لوگوں کی منزل میں جا پہنچو گے اور عبرت حاصل کرنے والے کے لیے نمونہ عبرت بن جاؤ گے۔

اس کے بعد آپ نے یہ اشعار پڑھے:

کہاں ہیں وہ بادشاہ جو اپنی جانوں کو بچانے سے غافل رہے

یہاں تک کہ پلانے والے نے انہیں موت کا جام پلا دیا



دنیا میں ان کے شہر خالی ہیں  
اور ویران ہو رہے ہیں اور ان کے بنانے والے نے موت کا مزہ چکھ لیا ہے  
ہم اپنے مال وارث ہونے والوں کے لیے جمع کرتے ہیں

اور اپنے گھر زمانے کی تباہ کاریوں کے لیے بناتے ہیں

(۴) اہل بیت رسولؐ کے فضائل اور ان کی اطاعت کے واجب ہونے کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے

ہیں: اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک بار امیر شام مدینہ میں آیا اور مجمع اشرف میں امام حسینؑ سے کچھ بیان کرنے کی خواہش کی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید جنابؑ، معاویہ کا ذکر اچھائی کے ساتھ کریں گے مگر آپؑ منبر پر تشریف لے گئے۔ خدا کی حمد و ثناء کے بعد رسول خدا ﷺ پر درود بھیجا، اس اثنا میں آپؑ نے ایک آدمی کو دوسرے سے یہ پوچھتے ہوئے سنا کہ ﴿من هذا الذی یخطب﴾ یہ کون تقریر کر رہا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: ﴿نحن حزب اللہ الغالبون و عترۃ رسول اللہ الاقربون و اہلبیتہ الطیبون و احد الثقلین، الذی جعلنا رسول اللہ ثانی کتاب اللہ تبارک الذی فیہ تفصیل کل شئی لا یتاہیہ الباطل من بین یدیه ولا من خلفہ، و الموعول علینا فی تفسیرہ ولا یبطنا تاویلہ بل نتبع حقائقہ، فاطیعونا فان طاعتنا مفروضۃ اذ کانت بطاعۃ اللہ و رسولہ مقرونۃ قال اللہ عزوجل اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم، فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ و الرسول، و قال ولورددوہ الی الرسول و اولی الامر منکم لعلکم الذین یستنبطونہ منہم، ولولا فضل اللہ علیکم و رحمۃ لا تبعتم الشیطان الا قلیلا و احذرکم الاصغاء، الی ہتاف الشیطان بکم فانہ لکم عدو مبین فتکونوا کاو لیائہ الذین قال لہم، لا غالب لکم الیوم من الناس و انی جار لکم فلما ترأت الفتنان، نکص علی عقبیہ و قال انی بری منکم، فتلقون للسیوف ضربا و للرماح ورد باو للعمد حطما و للسهام غرضا، ثم لا یقبل من نفس ایمانہا لم تکن امنتم من قبل او اکتسب فی ایمانہا خیرا﴾

ہم اللہ کے غالب رہنے والے لوگ، پیغمبر خدا ﷺ کے قریب ترین عزیز اور آپؑ کے طیب و طاہر اہل بیت اور دو گراں قدر چیزوں میں سے ایک ہیں۔ ہمیں کو پیغمبرؐ نے کتاب خدا کا ثانی قرار دیا ہے۔ وہ کتاب خدا جس میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے اور باطل کا جس کے آس پاس گز نہیں۔ کلام مجید کی تفسیر میں ہمیں پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ ہم سے اس کی تاویلیں مخفی نہیں بلکہ ہم ہی اس کی حقیقتوں کی پیروی کرنے والے ہیں۔ پس تم ہماری اطاعت کرو کہ ہماری



اطاعت فرض ہے کیونکہ خدا اور رسولؐ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ ہماری اطاعت کا ذکر کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد الہی ہے۔ خدا کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اور تم میں سے جو حقدار حکومت ہیں ان کی اطاعت کرو۔ اگر تم میں کسی بات میں نزاع واقع ہو تو اس امر میں خدا اور رسولؐ کی طرف رجوع کرو۔ یہ بھی خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ ”اگر تم خدا اور رسولؐ اور اپنے حقدار ان حکومت سے رجوع کرتے تو یقیناً وہ لوگ جو تحقیق کرنے والے ہیں اس کو سمجھ لیتے اور اگر تم پر خدا کا فضل و کرم اور اس کی مہربانی نہ ہوتی۔ تو تھوڑے آدمیوں کے سوا تم سب کے سب شیطان کی پیروی کرنے لگتے۔“ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ شیطان جو تمہارے کانوں میں کہتا رہتا ہے تو اس کے کہنے پر کان نہ دھرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اگر تم اس کی باتوں پر کان دھرو گے تو اس کے ان پیروؤں کی طرح ہو جاؤ گے جن نے شیطان نے کہا تھا کہ ”آج کے دن تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا میں جو تمہارے ساتھ ہوں لیکن جب دونوں جماعتوں میں مڈ بھڑ ہو گئی تو وہ اٹنے پیروں بھاگ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں“ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ تم تیر و تلواریزہ و گرز گراں کی زد پر آ جاؤ گے پھر اس وقت کسی شخص کا ایمان لانا قابل قبول نہ ہوگا تا وقتیکہ وہ پہلے سے ایمان نہ لایا ہو اور عملی حیثیت سے اپنے ایمان کا ثبوت نہ پیش کیا ہو۔

### امام کے کلام منظوم کا نمونہ

عمدہ نثر کی طرح اچھی نظم میں اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنا بھی فصاحت و بلاغت کا ایک شعبہ اور ذوق سلیم اور طبع کے مستقیم ہونے کی علامت ہے۔ امام کو مبداء فیض سے اس میں سے بھی حظ وافر ملا تھا۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ آپ کا کلام منظوم بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) روزِ عاشورا مبارزت کے وقت<sup>۱</sup> اور بروایت شہادت علی اصغرؑ کے بعد جنابؑ نے یہ اشعار آبدار پڑھے:

کفر القوم و قدماً رغبوا	عن ثواب اللہ رب الثقلین
قلوا قدماً علیاً وابناً	حسن الخیر کریم الطرفین
حنقاً منهم و قالوا اجمعوا	واحشروا الناس الی حرب الحسین
یا القوم من الناس ردّل	جمعوا! الجمع للاحل الحرمین
ثم صاروا و تواصوا کلہم	باجتیاہی لرضاء الملحدین
لم یخافوا اللہ فی سفک دمی	لعمید اللہ نسل الکافرین
و ابن سعد قد رمائی عنوة	بجنود کو کوف الہاطلین



غير فخري بضياء الفرقدين  
والنبي القرشي الوالدين  
ثم امي فانا ابن الخيرتين  
فانا الفضة وابن الذهبين  
او كشيخى فانا من العلمين  
قاصم الكفر بيد وحنين  
وقريش يعبدون الوثنيين  
وعلى كان يصلي القبليين  
فانا الكوكب وابن القمرين  
شفت الغل بغض العسكرين  
كان فيها حتف اهل القبليين  
امة السوء معاً بالعترتين  
وعلى الورد يوم الحجضلين

لا لشي كان مني قبل ذا  
بعلي الخير من بعد النبي  
خيرة الله من الخلق ابي  
انا فضة قد خلصت من ذهب  
من له جد كجدي في الوري  
فاطمة الزهراء امي و ابي  
عبد الله غلاماً يافعاً  
يعبدون اللات والعزى معاً  
فابي شمس و امي قمر  
ولله في يوم احد وقعة  
ثم في الاحزاب والفتح معاً  
في سبيل الله ماذا صنعت  
عتردة البر النبي المصطفى

(۲) مندرجہ ذیل اشعار بھی آپؐ روزِ عاشورا مبارزت کے وقت پڑھتے تھے ۛ

کفانی بهذا مفخراً حين افخر  
ونحن سراج الله في الخلق يزهر  
وعمي يدعى ذا الجناحين جعفر  
وفينا الهدى والوحى بالخير يذكر  
نسر بهذا في الانام ونجهر  
بكاس رسول الله ما ليس ينكر  
ومبغضنا يوم القيامة يخسر

انا بن علي المطهر من آل هاشم  
وجدي رسول الله اكرم من مشي  
وفاطمة امي من سلالة احمد  
وفينا كتاب الله انزل صادقاً  
ونحن امان الله للناس كلهم  
ونحن ولاية الحوض نسقي ولاتنا  
وشيعتنا في الناس اكرم شيعة

(۳) اشعار ذیل بھی جناب سید الشہداء علیہ السلام کی جو دتِ طبع کا نتیجہ ہیں ۛ

فان ثواب الله اعلى و ابل  
فقتل امرء بالسيف في الله افضل

فان تكن الدنيا تعد نفية  
وان تكن الابدان للموت انشأت



وان تكن الارزاق قسماً مقدراً  
فقلعة سعى المرء فى الكسب اجمل  
وان تكن الاموال للترك جمعها  
فما بال متروك به المرء يبخل  
(نفس المہوم، ص ۱۷۷، عاشر بحار، ص ۲۰۳)

آنجناب علیہ السلام کے اکثر خطب و مواعظ آگے چل کر ہم مناسب مقامات پر پیش کریں گے انشاء اللہ۔ دیدہ  
در حضرات کے لیے اتنی مقدار ہی اثباتِ مدعا کے لیے کافی ہے کیونکہ اگر

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جز میں کل

کھیل بچوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا

امام حسین علیہ السلام کے کمالاتِ عملیہ کے بعض نمونے

### جو در سخا و عرفان منزلت

امام عالی مقام علیہ السلام کے عظیم عملی کارناموں سے صفحاتِ تاریخ چمک رہے ہیں یہاں صرف بطور نمونہ بعض واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اخلاقی فضائل میں سے سخاوت ایک بہت بڑی اچھی خصلت ہے۔ اس کی افراط سے اسراف اور تفريط سے بخل جنم لیتے ہیں لہذا سخاوت میں محل و بے محل اور اہل و نا اہل کا خیال کرنا بھی ضروری ہوتا ہے خاندانِ نبوت سے بہتر اس کے صحیح مقام کو اور کون پہچان سکتا تھا۔ وہ سخاوت کرتے وقت یہ معلوم کر لیتے تھے کہ کون کس قدر مروت و احسان کا حقدار ہے؟ پھر اس کے استحقاق کے مطابق اس کے ساتھ حسن سلوک فرماتے تھے۔

(۱) چنانچہ ایک مرتبہ ایک آدمی نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا بن رسول اللہ! میں نے کامل دیت کی ضمانت دی ہے اور اس کی ادائیگی اسے قاصر ہوں۔ میں نے خیال کیا کہ کسی کریم و نخی ترین انسان سے سوال کروں اور جب سوچا تو خاندانِ نبوت سے زیادہ کریم و شریف کسی کو نہ پایا۔ اس لیے آپ سے مستدعی ہوں کہ اس کی ادائیگی کا کوئی بندوبست کر دیجئے۔ آنجناب نے فرمایا: اوفلاں! میں تم سے تین مسئلے دریافت کرتا ہوں۔ اگر ایک مسئلہ کا جواب دیا تو س<sup>۱</sup>۔ دیت ادا کروں گا اور اگر دو کا دیا تو س<sup>۲</sup>۔ اور اگر تینوں کا صحیح جواب دے دیا تو پھر پوری دیت ادا کروں گا۔ اعرابی نے یہ سن کر عرض کیا: یا بن رسول اللہ! آپ جیسا صاحبِ علم و فضل سوال کرے، میری کیا مجال ہے کہ جواب دے سکوں۔ آپ نے فرمایا: میں نے اپنے جدِ نامدار سے سنا ہے کہ ﴿المعروف بقدر المعروف﴾ معرفت کے مطابق حسن سلوک کرنا چاہئے۔ اعرابی نے عرض کیا: اچھا پوچھئے۔ اگر جواب معلوم ہوا تو عرض کروں گا ورنہ جناب سے ہی استفادہ کروں گا۔ ﴿ولا حول ولا قوۃ الا باللہ﴾ امام عالی مقام علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ای الاعمال افضل؟﴾ افضل ترین عمل کون سا ہے؟ اعرابی نے عرض کیا: ﴿الایمان باللہ﴾ اللہ پر ایمان لانا۔ امام نے فرمایا: ﴿فما النجاة من المہلکة؟﴾ ہلاکت سے بچنے کا ذریعہ کیا ہے؟ اعرابی نے عرض کیا: ﴿الثقة



باللہ ﴿خدا پر بھروسہ کرنا۔ پھر آنجنابؐ نے فرمایا: ﴿فما یزین الرجل؟﴾ انسان کے لیے باعث زینت کیا ہے؟ اعرابی نے عرض کیا: ﴿علم معہ حلم﴾ وہ علم جس کے ساتھ بردباری ہو! امامؑ نے فرمایا: اگر یہ موجود نہ ہو تو پھر؟ اس نے عرض کیا: ﴿مال معہ مروءۃ﴾ پھر وہ مال جس کے ساتھ سخاوت ہو۔ امامؑ نے فرمایا: اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر؟ اس نے عرض کیا: ﴿فقر معہ صبر﴾ پھر وہ فقر وفاقہ ہو جس کے ساتھ صبر و شکر ہو۔ امامؑ نے فرمایا: اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر کیا؟ اعرابی نے کہا: ﴿فصاعقۃ تنزل من السماء فتحرقہ فانہ اهل لذلك!﴾ پھر آسمان سے بجلی گرے جو اسے جلا کر راکھ کر دے کیونکہ اس صورت میں وہ اسی بات کا مستحق ہے۔ اعرابی کا یہ جواب سن کر امامؑ مسکرائے اور ہزار دینار کی تھیلی اسے مرحمت فرمائی اور مزید برآں اسے ایک انگوٹھی عطا کی جس کے نگینہ کی قیمت دو سو درہم تھی اور فرمایا: ﴿یا اعرابی اعط الذہب الی غرمائك و اصرف الخاتم فی نفقتک!﴾ اے اعرابی یہ سونا (اشرفیاں) تو اپنے طلبگاروں کو دے اور یہ انگوٹھی اپنی ضروریات پر صرف کر۔

اعرابی نے یہ آیت پڑھتے ہوئے کہ ﴿اللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ وہ تھیلی اور انگوٹھی لے لی اور چلتا بنا۔<sup>۱</sup>

(۲) عبد الرحمن سلیمی نے آنجنابؐ کے کسی شہزادے کو سورۂ حمد پڑھائی۔ امامؑ نے سنی اور سن کر بہت خوش ہوئے۔ معلم کو ایک ہزار دینار، ایک ہزار کپڑوں کا جوڑا مرحمت فرمایا اور اس کا منہ موتیوں سے بھر دیا۔ کسی نے عرض کیا: مختصر سے کام کے عوض اس قدر عطائے کثیر؟ آپؐ نے فرمایا: ﴿این یقع هذا من عطائه﴾ جو کچھ اس نے عطا کیا ہے۔ (سورۂ حمد یاد کرائی ہے) اس سے میری عطا کو کیا نسبت ہے۔ اس کے بعد یہ اشعار آبدار پڑھے۔

ع اذا جادت دنیا علیک فجد بها علی الناس طراً قبل ان تتفلت  
فلا الجود یفنیہا اذا ہی اقبلت ولا البخل یبقیہا اذا ما تولت  
اس واقعہ سے معلمین قرآن کی قدر و منزلت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ معلمین کو تعلیم قرآن کی اجرت طے نہیں کرنا چاہئے مگر بچوں کے والدین کو خود خیال رکھنا چاہئے اور زیادہ سے زیادہ ان کی خدمت کرنی چاہئے۔

ہمدردی خلائی

شفقت علی الخلق وہ جلیل القدر صفت ہے کہ جس سے انسان کی انسانیت کا جوہر کھلتا ہے۔ حدیث نبویؐ میں وارد ہے: ﴿خیر الناس من نفع الناس﴾ بہترین خلائی وہ آدمی ہے جو سب سے زیادہ لوگوں کو نفع پہنچائے۔ جس

۱۔ عاشر بحار، ص ۱۳۵۔ مجمعۃ ساکبہ، ص ۲۷۳، ۲۷۴۔ مقتل الحسینؑ خوارزمی، ج ۱، ص ۱۵۶، ۱۵۷، طبع نجف اشرف۔

۲۔ عاشر بحار، ص ۱۳۴۔ مجمعۃ ساکبہ، ص ۲۷۳۔ مناقب شہراہن آشوب، ج ۴، ص ۷۶، طبع بمبئی۔



شخص میں انسانی ہمدردی نہیں وہ فی الحقیقت جوہر انسانیت سے عاری ہے ۔

عبادت بجز خدمت خلق نیست      بتسبیح و سجاده و دلق نیست

دیگر صفاتِ جلیلہ کی طرح اس صفت میں بھی ائمہ اہل بیت علیہم السلام بے نظیر نظر آتے ہیں۔ وہ کسی ستم رسیدہ انسان کی تکلیف گوارا نہ کر سکتے تھے اور اس کی تکلیف رفع کرنے میں مقدور بھر سعی بلیغ فرماتے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شفقت علی الخلق زبان زد خاص و عام ہے۔ ذیل میں ایک دو واقعات بطور تبرک ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) ایک مرتبہ آپ اسامہ بن زید کی بیماری میں اس کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ اسامہ نے کہا: ﴿و اغصاه﴾ (ہائے غم) آنجناب نے دریافت کیا: اے بھائی تجھے کیا غم ہے؟ اسامہ نے عرض کیا: ساٹھ ہزار درہم کا مقروض ہوں۔ امام نے فرمایا: غم نہ کر۔ یہ قرض میں ادا کر دوں گا۔ اسامہ نے کہا: کہیں اس کی ادائیگی سے قبل میں مرنہ جاؤں؟ آنجناب نے فرمایا: مطمئن رہو۔ تمہاری وفات سے پہلے ادا کر دوں گا۔ چنانچہ ان کی وفات سے پہلے ان کا وہ تمام قرضہ چکا دیا آنجناب فرمایا کرتے تھے۔ بادشاہوں میں تین خصلتیں بہت بری ہیں۔ (۱) طاقت ور دشمنوں سے بزدلی (۲) کمزور لوگوں پر ظلم و ستم۔ (۳) عطا و بخشش کے وقت بخل۔

(۲) حضرت امام حسین علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک غلام کو دیکھا کہ وہ کتے کو روٹی کھلا رہا ہے۔ میں نے اس کا سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا: میں غمزدہ ہوں۔ اس کتے کو خوش کر کے اپنی خوشی کا خواہشمند ہوں کیونکہ (میں مسلمان ہوں) اور میرا مالک یہودی ہے جس سے میں غلیجہ گی چاہتا ہوں۔ امام فرماتے ہیں میرے نزدیک میرے جدنا مدارگاہ یہ فرمان ثابت تھا کہ ﴿افضل الاعمال بعد الصلوٰۃ ادخال السرور فی قلب المؤمنین بما لا اثم فیہ﴾ نماز کے بعد بہترین عمل یہ ہے کہ بغیر گناہ کا ارتکاب کئے اہل ایمان کو خوش کیا جائے۔ چنانچہ میں اس کی قیمت دو سو (۲۰۰) دینار لے کر اس کے سردار یہودی کے پاس گیا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ یہودی نے کہا: ﴿الغلام فداہ لخطاک و هذا البستان لہ۔ و رددت علیک المال﴾ غلام آپ کے قدموں کا صدقہ ہے (یہ آپ کا مال ہے) اور یہ باغ بھی اس کا ہے اور آپ کی رقم بھی واپس کرتا ہوں۔ میں نے کہا: ﴿و انما قد وھبت لک المال﴾ میں یہ رقم تم کو ہبہ کرتا ہوں۔ یہودی نے کہا: ﴿قبلت المال و وھبتہ للغلام﴾ میں اسے قبول کر کے غلام کو ہبہ کرتا ہوں۔ امام نے فرمایا: ﴿اعتقت الغلام و وھبت لہ جمیعاً﴾ اور میں غلام کو (جو میری ملکیت میں داخل ہو چکا تھا) آزاد کر کے یہ سب مال و منال اسے بخشا ہوں۔ یہ مظاہرہ دیکھ کر اس غلام کی بیوی نے کہا: ﴿قد اسلمت و وھبت زوجی مھری﴾ میں اسلام قبول کرتی ہوں اور اپنا حق مہر بھی اسے معاف کرتی



ہوں۔ یہ منظر دیکھ کر یہودی نے کہا: ﴿و انا ايضاً اسلمت و اعطيتها هذه الدار﴾ میں بھی اسلام لاتا ہوں اور یہ گھر بھی اس عورت کو عطا کرتا ہوں۔<sup>۱</sup> ﴿اللّٰهُم صل على محمد و آل محمد﴾  
تواضع اور بخشش

فروتنی و انکساری جس کی ضد تکبر و غرور ہے دیگر اخلاقی فضائل کی طرح ایک بہت بڑی عمدہ اخلاقی صفت ہے۔ دوسری صفاتِ جلیلہ کی طرح یہ صفت بھی ائمہ اطہار علیہم السلام میں بدرجہ اتم و اکمل پائی جاتی تھی۔ وہ آیتِ مبارکہ ﴿تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾ کے صحیح مصداق تھے۔ نیز ﴿اذلّة على المؤمنين و اعزة على الكافرين﴾ انہی کی شان میں وارد تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی تواضع پسندی اور غرباء و مساکین پر شفقت و مہربانی مشہور عالم تھی۔

(۱) ایک بار آپ چند مساکین کے پاس سے گزرے جو ایک چادر پر روٹیوں کے کچھ ٹکڑے پھیلائے بیٹھے تھے۔ آپ نے ان پر سلام کیا۔ انہوں نے جواب سلام کے بعد آپ کو دعوتِ شرکت دی۔ آپ ان کے ہمراہ دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ﴿لولا انه صدقة لا کلت معکم﴾ اگر یہ روٹیاں صدقہ کی نہ ہوتیں (جو کہ ہم پر حرام ہے) تو ضرور میں تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتا۔ اس کے بعد ان سے فرمایا: میرے گھر چلو چنانچہ ان کو گھر لے جا کر عمدہ کھانا کھلایا، کپڑے پہنائے اور چند درہم بھی عطا فرمائے۔

(۲) روز عاشور حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادتِ عظمیٰ کے بعد ان کی پشتِ اقدس پر گھٹوں کے کچھ نشان دیکھے گئے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے اس کا سبب پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا: ﴿هذا مما كان ينقل الجراب على ظهره الى منازل الارامل و اليتامى و المساکين﴾ کہ آنجناب بیواؤں، یتیموں اور غریبوں اور مسکینوں کے گھروں میں ضروریاتِ زندگی اپنی پشت پر اٹھا کر لے جاتے تھے۔ یہ اسی بار برداری کے آثار ہیں۔<sup>۲</sup>

عفو و درگزر

باوجودیکہ انسان بدلہ لینے پر قدرت رکھتا ہو اور پھر بھی عفو و صفا سے کام لے۔ یہ صفتِ جلیلہ لاکھوں میں سے کسی ایک میں ہوتی ہے۔ خداوندِ عالم نے اپنے مخصوص بندوں کی صفاتِ خاصہ میں اس صفتِ جلیلہ کو بھی خاص طور پر ذکر فرمایا ہے کہ ﴿وَ الْكَافِرِينَ الْعِظَ وَ الْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ﴾ کہ وہ اپنے غصہ کو پی جاتے ہیں اور جرمِ معاف کر

۱۔ عاشر بحار، ص ۱۳۵۔ دمعہ ساکبہ، ص ۱۷۳۔ مناقب، ج ۴، ص ۸۱۔

۲۔ عاشر بحار، ص ۱۳۳۔ الدمعہ ساکبہ، ص ۱۷۳۔ مناقب، ج ۴، ص ۷۶۔

۳۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۷۶۔ عاشر بحار، ص ۱۳۳۔



دیا کرتے ہیں۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام ہمیشہ لوگوں کی لغزشوں کو نظر انداز فرما دیا کرتے تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کو منجانب اللہ یہ جلیل صفت وافر مقدار میں ملی تھی۔ ایک مرتبہ آپ کے کسی غلام سے کوئی ایسا قصور سرزد ہوا جس کی وجہ سے وہ مستوجب سزا قرار پاتا تھا۔ آنجناب نے حکم دیا کہ اسے کوڑے لگائے جائیں۔ اس غلام نے فوراً کہا: ﴿مولائی و الکاظمین الغیظ﴾ میرے آقا! خدا فرماتا ہے میرے خالص بندے وہ ہوتے ہیں جو غصہ کو ضبط کر لیتے ہیں۔ امام نے فرمایا: ﴿خللوا عنه﴾ اسے چھوڑ دو۔ اس نے آیت کا دوسرا ٹکڑا پڑھا: ﴿یا مولائی والعافین عن الناس﴾ میرے آقا! خدا کے خالص بندے تو مجرموں کو ان کا جرم معاف کر دیا کرتے ہیں۔ امام نے فرمایا: ﴿عفوت عنک﴾ میں نے تجھے معاف کر دیا۔ غلام نے آیت کا آخری حصہ پڑھا: ﴿یا مولائی واللہ یعحب المحسنین﴾ خدا تو نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ امام نے یہ سن کر فرمایا: ﴿انت حر لوجه اللہ و لک ضعف ما کنت اعطیک﴾ جا تجھے میں راہ خدا میں آزاد کرتا ہوں اور جو کچھ پہلے تجھے ملتا تھا اس کا دو چند بھی دیتا ہوں۔

ایک مرتبہ آپ بیت الخلاء میں داخل ہوئے وہاں روٹی کا ایک لقمہ دیکھا۔ اٹھا کر غلام کو دیا کہ جب میں باہر آؤں تو یہ لقمہ مجھے دینا۔ غلام نے (پاک صاف کر کے) وہ لقمہ کھا لیا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو پوچھا: او فلاں وہ لقمہ کہاں ہے؟ غلام نے عرض کیا: میرے آقا! وہ تو میں نے کھا لیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ امام نے فرمایا: ﴿انت حر لوجه اللہ﴾ جا تو راہ خدا میں آزاد ہے۔ کسی نے عرض کیا: یا بن رسول اللہ! اتنی سی بات پر اسے پروانہ آزادی دے دیا۔ آپ نے جواباً فرمایا: ﴿سمعت جدی صلی اللہ علیہ و آلہ یقول من وجد لقمۃ ملقاة فمسح منها ما مسح و غسل منها ما غسل ثم اکلها لم یسغها فی جوفہ حتی یعتقہ اللہ من النار۔ ولم اکن لاستعبد رجلاً اعتقہ اللہ من النار﴾ میں نے اپنے جد نامدار سے سنا ہے کہ جو شخص کہیں لقمہ پڑا ہوا دیکھ لے اور اگر صاف کرنے کے قابل ہے تو اسے صاف کر کے یاد دھونے کے لائق ہے تو دھو کر اسے کھا لے تو قبل اس کے کہ وہ اس کے پیٹ میں ہضم ہو۔ خدا اسے آتش جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ایک ایسے شخص کو غلام رکھوں جسے خدا نے آتش جہنم سے آزاد کر دیا ہے۔

### عبادت و زہادت

عبادت وہ گراں قدر چیز ہے جسے خلاق عالم نے جن وانس کی خلقت کی اصلی غرض و غایت قرار دیا ہے۔ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ لہذا جو شخص جس قدر عبادت الہی زیادہ اور خلوص و خشوع سے کرے



گا اسی قدر اس کا مقام انسانیت بلند سے بلند تر متصور ہوگا۔ بلا خوف روکھا جاسکتا ہے کہ دنیا میں جس طرح سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام نے خشوع و خضوع اور خلوص کے ساتھ عبادت ایزدی کی ہے کہیں اور اس کی مثال کا ملنا ناممکن ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام بھی اسی خانوادہ عصمت و طہارت کے رکن رکین ہیں جس مقدس ہستی نے سرکار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ایسے عبادت گزاروں کی آغوش عصمت میں پرورش پائی ہو۔ اس کی عبادت و اطاعت کا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے؟

روایات میں وارد ہے کہ جب جناب امام حسین علیہ السلام نماز کے لیے وضو فرماتے تھے تو ﴿تَغْيِرُ لَوْنَهُ وَ ارْتَعَدَتْ مَفَاصِلُهُ﴾ رنگ مبارک متغیر ہو جاتا اور اعضا میں کچکی پیدا ہو جاتی تھی۔ لوگوں کے عرض کرنے پر کہ فرزند رسول آپ کی یہ حالت کیوں ہو جاتی ہے؟ فرماتے تھے: ﴿حَقٌّ لِّمُؤْمِنٍ وَقَفَ بَيْنَ يَدَيِ الْمَلِكِ الْجَبَّارِ أَنْ يَصْفَرَ لَوْنَهُ وَ ارْتَعَدَتْ مَفَاصِلُهُ﴾ مؤمن کو چاہئے کہ وہ جب اپنے جبار و قہار بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہو تو اس کا رنگ زرد پڑ جائے اور جوڑوں میں کچکی پیدا ہو جائے۔<sup>۱</sup>

(۱) ایک مرتبہ کسی شخص نے عرض کیا۔ مولا! آپ اس قدر خدا سے کیوں ڈرتے ہیں؟ فرمایا: ﴿لَا يَأْمَنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَنْ خَافَ اللَّهَ فِي الدُّنْيَا﴾ بروز قیامت وہی لوگ امن و امان میں ہوں گے جو دنیا میں خدا سے ڈرتے ہیں۔<sup>۲</sup> وَلَنَعْمَ مَا قِيلَ ۝

خواہی کہ روز حشر کئی خندہ بایدت  
امر و راز مصیبت فرد اگر یستن  
(۲) کسی شخص نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کے والد ماجد کی اولاد کم کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا: اَتَعْجَبُ كَيْفَ وَلَدْتُ وَ لَقَدْ كَانَ يُصَلِّي فِي الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ الْفِ رَكْعَةٍ ﴿مجھے تو بہت عجب ہے کہ ہماری ولادت کیونکر ہو گئی؟ آنجناب تو شب و روز میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔<sup>۳</sup>

ارباب سیر و توارخ نے لکھا ہے کہ آنجناب نے پورے پچیس حج پیادہ پا کئے حالانکہ سواریاں ہمراہ ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ کسی نے دریافت کیا: فرزند رسول جب سواری موجود ہے تو پھر سواریوں کیوں نہیں ہوتے؟ اور اگر سواری نہیں ہونا تو پھر سواری ہمراہ کیوں لاتے ہیں؟ فرمایا: سواریاں لیے نہیں ہوتے کہ خدا سے حیا و امن گیر ہوتی ہے کہ اس کے گھر کی زیارت کو جائیں اور سوار ہو کر جائیں اور سواری اس لیے ساتھ لاتے ہیں کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم مجبوری کی بنا

۱۔ ومعہ ساکبہ، ص ۲۷۲ بحوالہ عوالم۔ ۲۔ مناقب، ص ۷۸۔ ومعہ ساکبہ، ص ۲۷۲۔

۳۔ عاشر بحار، ص ۱۷۵۔ ومعہ ساکبہ، ص ۲۷۲ بحوالہ الحقد الفرید لا بن عبد ربہ اندلسی۔

۴۔ مناقب، ص ۷۸۔ ومعہ ساکبہ، ص ۲۷۲، کذا فی النسخ و التمام۔



پر پیدل چل رہے ہیں کہ سواری ملتی نہیں ہے۔

آپ کو عبادت الہی کا اس درجہ شوق تھا کہ شب عاشور آپ نے محض عبادت کے لیے بمشکل پیر سعد سے مہلت لی تھی۔ شب عاشور سخت رات تھی۔ دنیا بھر کے مصائب حضرت پر ہجوم کیے ہوئے تھے ایسے وقت میں بکمال شوق اور انتہائی خضوع و خشوع سے عبادت کرنا انہی کا کام تھا اور اس سے بھی زیادہ سخت وقت نماز ظہر کا تھا۔ فوج مخالف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔

ایک زخمی مظلوم کو چاروں طرف سے دشمن گھیرے ہوئے تھے۔ وار پر وار کر رہے تھے اور حسینؑ ایسے وقت میں نماز ادا فرما رہے تھے۔

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں  
نماز عشق ادا ہوتی ہے تلواریں کے سائے میں

### شجاعت و شہامت

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ صفات نفسانی میں صفت ”شجاعت“ کو نہایت بلند مقام حاصل ہے لیکن وہ تہور اور جہن کے درمیان ایسا خط ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلواریں سے زیادہ تیز ہے۔ معمولی سے افراط سے تہور (اجڈ پن) پیدا ہو جاتا ہے اور ذرا سی تفریط سے ”جہن“ (بزدلی) جنم لے لیتی ہے۔ عوام الناس عموماً شجاعت کا حقیقی مفہوم سمجھنے میں غلطی کا شکار رہے ہیں۔ وہ شجاعت کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ انسان موقع محل دیکھے بغیر ہر جگہ سینہ تان کر اور شمشیر بکف ہو کر مرنے اور مارنے پر آمادہ ہو جائے حالانکہ یہ شجاعت نہیں بلکہ اجڈ پن ہے۔ شجاعت میں موقع محل کی مناسبت کو دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ہر موقع کی مناسبت سے مناسب اقدام کا نام شجاعت ہے۔ شجاع وہ ہے کہ اگر شمشیر زنی میں مصلحت ہو تو تمام خطرات کو بالائے طاق رکھ کر میدان قتال و جدال میں کود پڑے اور اگر عواقب پر نگاہ کرتے ہوئے اپنے مقصد کا تحفظ تلواریں کو نیام کے اندر کرنے میں پوشیدہ ہو تو وہاں صبر و ضبط سے کام لے کیونکہ

نہ ہر جاتواں مرکبے تاختن کہ جاہا بود سپر انداختن

چونکہ ائمہ معصومینؑ شجاعت کے حقیقی مفہوم سے آگاہ اور صحیح معنوں میں شجاع تھے اس لیے دین کے تحفظ و بقا کی خاطر ان کا ہر اقدام موقع محل کی مناسبت سے ہوتا تھا جہاں دیکھا دین کی بقا و صبر و سکون میں ہے وہاں ساکت و صامت ہو کر خانہ نشین ہو گئے اور جہاں شمشیر زنی میں مصلحت دیکھی وہاں شمشیر بکف ہو کر میدان کارزار میں اتر آئے۔ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی کے مختلف ادوار میں یہ اختلاف عمل نمایاں طور پر نظر آتا



ہے۔ کیا کوئی مسلمان یہ جرأت کر سکتا ہے کہ آپؐ کے کسی اقدام صلح یا جنگ پر بزودی یا تھوڑے کا الزام لگائے؟ پس جو تاویل پیغمبر اکرم ﷺ کے اختلاف عمل کی کی جائے وہی ائمہ اطہارؑ کے مختلف اقدامات کی کرنی چاہئے۔ ہم نے اوپر اصل حقیقت بیان کر دی ہے کہ شجاعت نام ہی موقع و محل کے مناسب اقدام کا ہے۔ بنا بریں امام حسن علیہ السلام کے صلح کرنے اور امام حسین علیہ السلام کے جنگ کرنے کا ابراہاد درجہ اعتبار سے ساقط ہو جاتا ہے۔

بہر حال حضرت امام حسین علیہ السلام میں جو ہر شجاعت بدرجہ اتم و اکمل پایا جاتا ہے اگرچہ آپ اپنے عظیم والد کے حین حیات میں جنگ جمل و صفین میں اپنی شجاعت و شہامت کے جوہر دنیا کو دکھا چکے تھے مگر آپ کی شجاعت کا شاہکار معرکہ کربلا ہے۔ بالخصوص روز عاشورا اور وہ بھی بعد از شہادت اصحاب و اقرباء۔ بعض راویان اخبار کا بیان ہے: ﴿فَوَاللّٰہِ مَا رَاَیْتُ مَکْثُورًا قَطُّ قَدْ قُتِلَ وَلَدٌ وَ اَہْلٌ بَیْتِہٖ وَ اصْحَابُہٖ اَرْبَطَ جَاشًا مِنْہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَ اِنْ کَانَ الرَّجُلُ لَتَشَدَّ عَلَیْہِ فِی شَدِّ عَلَیْہَا بِسَیْفِہٖ فَتُکْشَفُ عَنْہٗ اِنْکِشَافُ الْمَعْرِی اِذَا شَدَّ فِیْہَا الذَّنْبُ وَ لَقَدْ کَانَ یَحْمِلُ فِیْہِمُ وَ قَدْ تَکْمَلُوا ثَلَاثِیْنَ اَلْفًا فِیْ نَہْزِ مَوْنٍ بَیْنَ یَدَیْہِ کَانَہُمْ الْجَرَادُ الْمُنْتَشِرُ۔ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلَی مَرْکَزِہٖ وَ هُوَ یَقُولُ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ﴾ بخدا میں نے کبھی کثرتِ اعداء کے نزعہ میں گھرے ہوئے ایسے شخص کو جس کا سارا گھرانہ اس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہو گیا ہو حسینؑ جیسا شجاع، ثابت قدم، مطمئن اور جری نہیں دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ چاروں طرف سے پیادے حملہ کرتے تھے مگر جب امام حسین علیہ السلام تلوارِ سونت کر ان پر حملہ کرتے تو وہ اس طرح بھاگ کھڑے ہوتے جس طرح بھیڑیے کے حملہ کے وقت بکریاں بھاگ جاتی ہیں حالانکہ ان کی تعداد تیس ہزار تھی۔ مگر امامؑ کے حملہ کے وقت یوں تتر بتر ہو جاتے جیسے منتشر شدہ مڈیاں ہوں<sup>۱</sup> حتیٰ کہ ایسی حالت میں علاوہ زخمیوں کے ایک ہزار نو سو پچاس ناریوں کو واصلِ جہنم کیا۔<sup>۲</sup>

ان حقائق کی روشنی میں صاحب کشف الغمہ کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ شجاعة الحسین علیہ السلام یضرب بہا المثل و صبرہ فی ماقط الحرب اعجز الا و اخر و الاول۔ حسینؑ کی شجاعت ضرب المثل ہے اور مقامات حرب و ضرب میں ان کے صبر و ثبات نے اوائل و اواخر کو عاجز کر دیا ہے۔<sup>۳</sup> و لنعم ما قیل ۛ

حسین جان مصطفیٰ وہی سب اس میں عادتیں  
سپر تھر تھرا گیا دکھائیں وہ شجاعتیں  
زمین جگمگا اٹھی وہ دل سے کیوں عبادتیں  
تن حسینؑ پاک سے چمک رہی تھی آیتیں  
رکوع کی، سجود کی، قیام کی، قعود کی

۱۔ نفس المہموم، ص ۱۸۷۔ ارشاد، ص ۲۶۴۔ لمہوف، ص ۱۰۴۔  
۲۔ عاشر بحار، ص ۲۰۵۔ نفس المہموم، ص ۱۸۸۔

۳۔ کشف الغمہ، اربعی، ص ۱۸۱، طبع ایران۔



## حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعض معجزات

معجزہ کے لغوی معنی ہیں ”عاجز کنندہ“ اور اصطلاح علماء متکلمین میں ”معجزہ“ خداوند عالم کے اس خارق عادت فعل کو کہا جاتا ہے جسے وہ اپنے کسی نبی یا اس کے وصی کے ہاتھوں پر ان کی صداقت و حقانیت ظاہر کرنے کے لیے ظاہر کرتا ہے بشرطیکہ اس فعل کا ظہور مقرون بالتحدی ہو اور دعوائے نبوت و امامت کے ساتھ ملا ہوا ہو لہذا اگر کسی نبی یا امام سے کوئی ایسا فعل اعلان نبوت و امامت سے قبل صادر ہو تو اسے اصطلاح میں ”ارہاس“ کہا جاتا ہے اور اگر نبی یا امام کے علاوہ کسی اور مقدس بزرگ سے ایسا کوئی خارق عادت امر ظاہر ہو تو اسے ”کرامت“ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔<sup>۱</sup> معجزہ کی مذکورہ بالا اجمالی کیفیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خداوند عالم ہوتا ہے ہاں چونکہ حسب ظاہر اس کا ظہور نبی و امام سے ہوتا ہے اس لیے مجازاً ان کا فعل کہلاتا ہے یہی امر قرآن کریم، احادیث معصومین اور تحقیقات علماء متقدمین و متاخرین سے مستفاد ہوتا ہے۔ تفصیل کے شائقین ہماری کتاب ”اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ“ کے باب چہارم کا مطالعہ فرمائیں۔

بہر کیف اس بات پر سب اہل حق کا اتفاق ہے کہ خداوند عالم کے مقرر کردہ انبیاء و مرسلین اور اوصیاء وائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کا صاحب معجزہ ہونا ضروری ہے تاکہ صادق و کاذب کے درمیان بآسانی امتیاز ہو سکے۔ ائمہ اطہار علیہم السلام کے معجزات اس قدر کثیر التعداد ہیں کہ ان کا عدد و احصاء کرنا مشکل ہے ہم ذیل میں تبرکاً و تہنناً صرف حضرت سید الشہداء روحی لہ الفدا کے چند معجزات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

### پہلا معجزہ

ابی خالد کابلی یحییٰ بن ام الطویل سے نقل کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ہم حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے کہ اس اثنا میں ایک نوجوان روتا ہوا آیا۔ آنجناب نے اس سے رونے کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا کہ ابھی ابھی میری والدہ کا انتقال ہوا ہے اور وہ بڑی مالدار تھی مگر وہ اس کے متعلق کوئی وصیت نہیں کر گئی اور نہ ہی اس کا کوئی اتہ پتہ بتا گئی ہے البتہ اس نے مجھے یہ حکم دیا تھا کہ اس کی تجھیز و تکفین وغیرہ سے قبل آپ کو اس کی موت کی اطلاع دے دوں۔ یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: چلو اس مؤمنہ کے پاس چلیں۔ چنانچہ ہم اس کے گھر کے دروازے پر



پہنچے تو دیکھا کہ وہ عورت مردہ حالت میں کپڑے میں ڈھانپی ہوئی پڑی ہے۔ امام علیہ السلام نے دہلیز دروازہ کے پاس کھڑے ہو کر ﴿دعا اللہ لیحھا حتی توصی بما تحب من وصیتھا فاحیاھا اللہ تعالیٰ.....﴾ بارگاہ احدیت میں دعا کی تاکہ خدا اسے زندہ کرے اور وہ اپنے حسب غشاء وصیت کرے۔ امام کی دعا کے نتیجہ میں قادر مطلق نے اس عورت کو زندہ کر دیا اور وہ کلمہ شہادت پڑھتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

امام علیہ السلام کو دیکھ کر عرض کیا: ﴿ادخل البیت یا مولائی و مرنی بامرک﴾ میرے آقا اندر تشریف لائے اور اپنے حکم سے آگاہ فرمائیے۔ چنانچہ امام عالی مقام علیہ السلام اندر تشریف لائے اور تکیہ پر بیٹھ گئے۔ پھر اس مؤمنہ سے فرمایا: ﴿وصی یرحمک اللہ﴾ خدا تم پر رحم کرے اپنی وصیت کر۔ اس نے عرض کیا: یا بن رسول اللہ میرے پاس اتنا اتنا مال ہے جو فلاں جگہ رکھا ہے اس کا تیسرا حصہ تو میں آپ کی نذر کرتی ہوں تاکہ آپ جہاں مناسب سمجھیں اپنے محبوبوں میں صرف فرمائیں۔ اور دوسرے حصے اپنے اس بیٹے کو دیتی ہوں بشرطیکہ آپ کے نزدیک آپ کے محبوبوں میں شامل ہو۔ ورنہ یہ بھی آپ کا مال ہے۔ ﴿فلا حق للمخالفین فی اموال المؤمنین﴾ کیونکہ مخالفین کا اہل ایمان کے مال میں کوئی حق نہیں ہے۔ پھر اس مؤمنہ نے امام سے التماس کیا کہ آپ اس پر نماز جنازہ پڑھائیں اور اس کی تجہیز و تدفین کا خود انتظام فرمائیں۔ اس کے بعد وہ سابقہ حالت کی طرف لوٹ گئی (یعنی مر گئی)۔  
**دوسرا معجزہ**

ایوب بن اعین حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے زمانہ میں ایک عورت ایام حج میں طواف کر رہی تھی اور ان کے پیچھے پیچھے ایک مرد بھی طواف میں مشغول تھا۔ اثناء طواف میں عورت نے اپنی کلائی باہر نکالی اور اس مرد نے اپنا ہاتھ اس کی کلائی پر رکھ دیا۔ خدا نے اس کا ہاتھ وہیں کلائی میں گاڑ دیا۔ طواف منقطع ہو گیا۔ لوگ اس مرد عورت کو پکڑ کر حاکم مکہ کے پاس لے گئے۔ اس نے فقہاء کی طرف رجوع کیا۔ سب نے یہی فتویٰ دیا کہ اس مرد کا ہاتھ کاٹ دینا چاہئے کیونکہ اس نے خانہ خدا میں اس جرم شنیع کا ارتکاب کیا ہے۔ حاکم نے پوچھا آیا یہاں اولاد رسول میں سے کوئی بزرگ موجود ہیں۔ لوگوں نے کہا: ہاں گزشتہ شب حضرت امام حسین علیہ السلام تشریف لے آئے ہیں۔ اس نے امام عالی مقام سے دربار میں تشریف لانے کی استدعا کی۔ جب آپ تشریف لائے تو اس نے تمام صورت حال عرض خدمت کی۔ ﴿فاستقبل القبلة و رفع یدیه فمکثوہ طویلاً یدعو﴾ امام علیہ السلام رو بقبلہ دست دعا بلند کر کے کافی ریت تک دعا کرتے رہے اس کے بعد وہاں تشریف لے گئے جہاں وہ مرد عورت کھڑے تھے۔ ﴿حتی خلس یدہ من یدھا﴾ اور پھر اپنے دست حق پرست سے اس مرد کے ہاتھ کو



عورت کے ہاتھ سے علیحدہ کر دیا۔ حاکم نے پوچھا: کیا ہم اس مرد کو سزا نہ دیں؟ امام نے فرمایا: نہیں۔

### تیسرا معجزہ

محمد بن عمارہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے اور وہ اپنے آباء و اجداد طاہرین (علیہم السلام) کے سلسلہ سند سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اہل کوفہ حضرت امیر (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خشک سالی کی شکایت کرتے ہوئے آنجناب سے استدعا کی کہ آپ طلب باران کی دعا فرمائیں۔ آنجناب نے اپنے شہزادہ امام حسین (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ اٹھ کر ان کے لیے طلب باران کرو۔ ﴿فقام و حمد الله و اثنى عليه و صلى على النبي و قال اللهم معطى الخيرات و منزل البركات ارسل السماء علينا مدراراً..... الخ﴾ شہزادہ نے کھڑے ہو کر پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر جناب رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود و سلام بھیجا۔ اس کے بعد دعا کی: یا اللہ! اے خیرات کے عطا کرنے والے اور برکات کے نازل کرنے والے موسلا دھار بارش برسا۔ راوی کہتا ہے ﴿فما فرغ من دعائه حتى غاب الله غيباً بغتة﴾ ابھی امام (علیہ السلام) دعا سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ خداوند عالم نے اچانک باران رحمت نازل کر دیا اور کوفہ کے اطراف و جوانب سے ایک اعرابی آیا اور ذکر کیا کہ اس قدر بارش ہوئی ہے کہ کوفہ کے تمام نشیب و فراز والے مقامات لبریز ہو گئے ہیں۔

### چوتھا معجزہ

جب امام (علیہ السلام) نے عراق جانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت ام سلمہؓ نے ان کو یہ کہہ کر اس ارادہ سے روکنے کی کوشش کی کہ میں نے جناب رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرا بیٹا حسینؓ عراق میں شہید کیا جائے گا اور میرے پاس ایک شیشی میں اس جگہ کی مٹی بھی ہے۔ یہ سن کر امام (علیہ السلام) نے فرمایا: ﴿انسى والله مقتول كذا لك و ان لم اخرج الى العراق يقتلوننى فان احببت ان اريك مضجعى و مضجع من يستشهد معى فعلت!!﴾ خدا کی قسم میں ضرور اسی طرح شہید کیا جاؤں گا (جس طرح میرے جد نادر نے خبر دی ہے) اور اگر میں عراق نہ بھی جاؤں تو بھی یہ ظالم مجھے ضرور قتل کر ڈالیں گے۔ پھر فرمایا: اگر آپ چاہیں تو میں ابھی آپ کو اپنی اور اپنے اصحاب کی قتل گاہ بھی دکھا دوں۔ جناب ام سلمہؓ نے کہا: ﴿قد شئت و حضرتہ﴾ ”ہاں میں دیکھنا چاہتی ہوں۔“ ﴿فتكلم باسم الله عز وجل الاعظم فانخفضت الارض حتى اراها مضجعه و مضجعهم و اعطاها من الصربة..... الخ﴾ امام (علیہ السلام) نے اسم اعظم پڑھا۔ پس فوراً زمین پست ہو گئی۔ امام (علیہ السلام) نے جناب ام سلمہؓ کو

۱۔ عاشر بحار الانوار، ص ۱۳۲۔ مدعہ ساکبہ، ص ۲۶۹۔ مناقب شہراہن آشوب، ج ۳، ص ۶۸، تعظیم الزہراء، ص ۹۔

۲۔ عاشر بحار، ص ۱۳۳۔ مدعہ ساکبہ، ص ۲۷۰ وغیرہ۔



اپنی اور اپنے اصحاب و اعزہ کی قتل گاہ دکھائی اور کچھ خاک کر بلا بھی ان کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فاذا فاضت دما فاعلمی انی قد قتلت﴾ جب اس سے خون ابلنے لگے تو سمجھ لینا کہ میں شہید ہو گیا ہوں۔ جناب ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب روز عاشورا ظہر کے بعد میں نے دونوں شیشیوں کو دیکھا تو ان سے خون ابل رہا تھا اس وقت میں پھوٹ پھوٹ کر روئی۔<sup>۱</sup>

### پانچواں معجزہ

جناب سید الشہداء علیہ السلام کا گلوئے بریدہ سے قرآن مجید کی تلاوت کرنا ہے جس کی تفصیل بعد از شہادت کے واقعات میں آئیگی اسی طرح میدان کر بلا میں بعض اشتیاء آنجنابؑ کے حق میں گستاخی کرنے اور پھر امامؑ کی دعائے بد سے فوراً ان کے واصل جہنم ہو جانے کے واقعات بھی آنجنابؑ کے معجزات باہرہ میں سے ہیں۔ ان کا تذکرہ بھی اسی کتاب میں اپنے مناسب مقام پر کیا جائے گا۔ انشاء اللہ فانظر۔

SIBTAIN.COM



## حضرت امام حسین علیہ السلام کی امامت حقہ کے بعض دلائل و براہین

اگرچہ آنجناب کی خلافت و امامت مع ”آفتاب آمد دلیل آفتاب“ کی مصداق ہے نیز اس موضوع پر ہر زبان میں اس قدر لکھا جا چکا ہے کہ اس پر مزید کچھ خامہ فرسائی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ میں خود بفضلہ تعالیٰ اس موضوع پر ایک مبسوط و مدلل کتاب بنام ”اثبات امامۃ الائمۃ الاطہار فی ضوء العقل والآیات والاخبار“ لکھ چکا ہوں جو منظر عام پر آ چکی ہے اور گرم گشتگان وادی ضلالت کے لیے اسباب رشد و ہدایت فراہم کر رہی ہے تاہم بطور تبرک و تمہن ذیل میں امام عالی مقام علیہ السلام کی امامت حقہ کے چند دلائل کی طرف اجمالی اشارہ کیا جاتا ہے تاکہ یہ کتاب اپنے موضوع پر ہر لحاظ سے مکمل و مختتم ہو جائے اور کوئی گوشہ بھی تشفیہ تکمیل نہ رہ جائے۔

ارباب دانش جانتے ہیں کہ آنجناب کی امامت مطلقہ کو عمومی اور خصوصی طور پر ہر طرح ثابت کیا جاسکتا ہے۔

### اول

اتنا تو سنی و شیعہ ہر دو فریق کے نزدیک مسلم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بارہ خلفاء ان کی مسند کے وارث ہوں گے جیسا کہ بخاری و مسلم وغیرہ صحاح ستہ کی متعدد احادیث نبویہ سے بھی ثابت ہے۔ ہاں اگر کوئی اختلاف ہے تو صرف ان بارہ خلفاء کی تعیین میں ہے۔ وہی سلسلہ پیش نظر ہیں۔ ایک وہ جو حضرت علی علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت قائم آل محمد عجل اللہ تعالیٰ فرجہ پر اختتام پذیر ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو ابوبکر صاحب سے شروع ہوتا ہے اور بالعموم اس کا اختتام ولید بن یزید بن عبد الملک بن مروان پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہمارے علم کلام و مناظرہ میں ناقابل رد دلائل قاطعہ سے اس دوسرے سلسلہ کی خلافت و امامت باطل کی جا چکی ہے اور اس کے بطلان سے خود بخود پہلے سلسلہ جلیلہ کی امامت حقہ ثابت ہو جاتی ہے۔

### دوم

خود پیغمبر اسلام ﷺ کے ایسے نصوص کثیرہ موجود ہیں۔ جن میں نام بنام آنحضرت نے اپنے حقیقی خلفاء و اوصیاء کی تعیین و تشخیص فرمادی ہے یہاں بنظر اختصار صرف ایک دو روایات شریفہ نقل کی جاتی ہیں۔ (۱) جناب جابر بن عبد اللہ انصاری بیان فرماتے ہیں کہ جب آیت مبارکہ اولی الامر ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِی الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ نازل ہوئی تو میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: ﴿عَرَفْنَا اللَّهَ وَ رَسُولَهُ فَمَنْ أُولُو الْأَمْرِ الَّذِينَ﴾



قرن اللہ طاعتہم بطاعتک؟ ﴿یا رسول اللہ! ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو تو پہچان لیا ہے مگر یہ اولی الامر کون ہیں جن کی اطاعت خداوند عالم نے آپ کی اطاعت کے ساتھ ملا کر واجب کی ہے۔ جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ﴿ہم خلفائی یا جابر و ائمة المسلمین من بعدی اولہم علی بن ابی طالب ثم الحسنؑ و الحسینؑ ثم علی بن الحسینؑ ثم محمد بن علیؑ المعروف فی التوراة بالباقر و سندر کہ یا جابر فاذا لقیته فاقراءہ منی السلام ثم الصادق جعفر بن محمدؑ ثم موسیٰ بن جعفرؑ ثم علی بن موسیٰؑ ثم محمد بن علیؑ ثم علی بن محمدؑ ثم الحسن بن علیؑ ثم سَمی و کنیتی حجة اللہ فی ارضہ و بقیۃ فی عبادہ ابن الحسن بن علیؑ ذاک الذی یفتح اللہ تعالیٰ ذکرہ علی یدہ مشارق الارض و مغاربہا ذاک الذی یغیب عن شیعۃ و اولیائہ غیبة لا یثبت فیہا علی القول بامامتہ الا من امتحن اللہ قلبہ للایمان﴾

اے جابر! وہ میرے خلفاء اور میرے بعد مسلمانوں کے امام ہیں۔ پہلے حضرت علی بن ابی طالب۔ ان کے بعد حسنؑ پھر حسینؑ پھر علی بن حسینؑ پھر محمد بن علیؑ جو کہ توراة میں باقر کے لقب سے مشہور ہیں۔ اے جابر عنقریب تم ان سے ملاقات کرو گے جب ان سے ملو تو میرا نہیں سلام پہنچا دینا۔ ان کے بعد جعفر بن محمدؑ (صادق) ان کے بعد موسیٰ بن جعفرؑ (کاظم) پھر علی بن موسیٰؑ (رضا) پھر محمد بن علیؑ (تقی) پھر علی بن محمدؑ (تقی) پھر حسن بن علیؑ (عسکری) پھر میرے ہم نام وہم کنیت حجة اللہ فی الارض و بقیۃ اللہ فی البلاد فرزند حسن بن علیؑ۔ یہی وہ بزرگوار ہے جس کے ہاتھوں پر خداوند عالم مشارق و مغارب کو فتح کرے گا۔ (اور ہر جگہ حقیقی اسلام کا پرچم لہرائے گا) اور یہ امام اپنے شیعوں اور دوستوں سے اس قدر طویل غیبت اختیار کریں گے کہ ان کی امامت پر صرف وہی لوگ ثابت قدم رہیں گے جن کے ایمان و ایقان کا خدائے رحمن نے امتحان لے لیا ہوگا۔

(۲) حضرت سلمانؓ محمدی بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار میں جناب رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حسینؑ ان کی ران پر بیٹھے تھے اور آنحضرتؐ ان کی آنکھوں اور منہ پر بوسہ دے رہے تھے اور ساتھ ہی فرماتے جاتے تھے: ﴿انت سید بن سید انت امام بن امام ابو ائمة انت حجة بن حجة ابو حجج تسعة من صلیک تسعہم قائمہم﴾ تو سردار اور سردار کا بیٹا ہے تو امام اور امام کا بیٹا اور ائمہ کا باپ ہے۔ تو حجت خدا اور

۱۔ اکمال الدین شیخ صدوق، باب فی نص اللہ تبارک و تعالیٰ علی القائم، صفحہ ۲۴۶۔ کفایۃ الاثر، ص ۲۹۵، مطبوعہ معارف اربعین مجلسی۔ عاشر بحار اور

دعوتہ الساکبہ، ص ۲۶۶۔ ینایح المودۃ، باب ۹۴، ص ۲۹۴۔



حجت خدا کا بیٹا اور نو حجت ہائے خدا کا باپ ہے جو تیری صلب سے ہوں گے جن کا نواں قائم (آل محمد) ہوگا۔<sup>۱</sup>

سوم

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی خلافت بلا فصل اور امامت مطلقہ دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے ساتھ ثابت ہے۔ (ان دلائل کے یہاں نقل کرنے کی گنجائش نیز ضرورت نہیں ہے فلست طلب من مظاہفہا) اب آنجناب جس پر نص امامت فرمادیں گے وہ امام سمجھا جائے گا اور یہ امر نصوص متظاہرہ بلکہ متواترہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے امام حسن علیہ السلام کے بعد امام حسین علیہ السلام کی امامت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ہم بنظر اختصار صرف ایک ارشاد نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ جناب اصبح بن نباتہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر علیہ السلام اپنے دولت سرا سے اس حالت میں برآمد ہوئے کہ ان کا ہاتھ امام حسن علیہ السلام کے ہاتھ میں تھا۔ ﴿وہو یقول خرج علينا رسول الله صلى الله عليه واله ذات يوم ویدی فی یدہ هكذا وهو یقول خیر الخلق بعدی و سیدہم اخی هذا امام کل مسلم و مولی کل مؤمن بعد وفاتی الا و انه س یظلم بعدی کما ظلمت بعد رسول الله و خیر الخلق و سیدہم بعد الحسن ابنی اخوہ الحسین المظلوم بعد اخیہ المقتول فی ارض کربلا الا انه و اصحابہ سادۃ الشهداء یوم القیامۃ و من بعد الحسین تسعة من صلیہ خلفاء الله فی ارضہ و حججہ علی عبادہ و امنائہ علی و حیہ و ائمة المسلمین و قادة المؤمنین و سادۃ المتقین و تاسعہم القائم﴾ (الحدیث) اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرما رہے تھے کہ ایک بار اسی طرح جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے تھے اور میرا ہاتھ اسی طرح ان کے ہاتھ میں تھا۔ اس وقت وہ فرما رہے تھے۔ میرے بعد تمام مخلوق سے افضل اور ان کا سردار میرا یہ بھائی ہے یہی ہر مسلمان کا امام اور میری وفات کے بعد ہر مؤمن کا آقا و سردار ہے (اس کے بعد جناب امیر نے فرمایا) آج اسی طرح میں بھی کہتا ہوں کہ میرے بعد سب لوگوں سے افضل اور ان کا سردار میرا یہ بیٹا حسن ہے۔ یہ میری وفات کے بعد ہر مسلمان کا امام اور ہر مؤمن کا آقا ہے لیکن ان پر بھی میری وفات کے بعد اسی طرح ظلم و ستم کیا جائے گا جس طرح پیغمبر کی وفات کے بعد مجھ پر کیا گیا تھا۔ پھر میرے اس بیٹے کے بعد سب مخلوق سے افضل اور ان کا سردار ان کا بھائی حسین ہے۔ جس پر اپنے بھائی کے بعد ظلم کیا جائے گا اور وہ زمین کر بلا میں شہید کیا جائے گا۔ وہ اور ان کے ساتھ شہید ہونے والے بزرگوار بروز قیامت تمام شہداء کے سردار ہوں گے۔ حسین کے بعد ان کی پشت سے نو بزرگوار اللہ کی زمین میں اس کے خلفاء اس کے بندوں پر، اس کی وحی پر اس کے امین، مسلمانوں کے امام، مؤمنوں کے قائد اور متقیوں کے سردار ہوں گے ان میں کا نواں قائم (آل محمد) ہوگا۔<sup>۲</sup>



## چہارم

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی نص کے مطابق ان کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام امام مفترض الطاعت ہیں۔ ظاہر ہے کہ اب جس پر امام حسن علیہ السلام نص فرمائیں گے وہی آپ کے بعد مسند آرائے امامت ہوگا۔ اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ امام حسن مجتبیٰ نے اپنے بعد جناب امام حسین علیہ السلام کی نشان دہی فرمائی تھی اور اپنی تجہیز و تکفین وغیرہ امور کی بھی انہی کو وصیت فرمائی تھی اور اسرار نبوت و وداع امامت آپ کے ہی سپرد کئے تھے۔ آپ کا یہ ارشاد کتب معتبرہ میں موجود ہے فرمایا: ﴿ان الحسین بن علی بعد وفاة نفسی و مفارقة روحی جسمی امام من بعدی و عند الله جل اسمه فی الكتب الماضی وراثۃ من النبی..... الخ﴾ یعنی میری وفات اور روح و جسم کی مفارقت کے بعد حسین بن علی کتاب اللہ کے مطابق وراثۃ من النبی میری مسند امامت کے وارث ہیں۔<sup>۱</sup>

## پنجم

باب چہارم میں یہ امر ثابت کیا جا چکا ہے کہ نبی و امام کا صاحب معجزہ ہونا ضروری ہے۔ بالفاظ دیگر جو صاحب معجزہ ہے وہ یا نبی ہے یا نبی کا وصی۔ نیز سابقہ باب میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے متعدد معجزات قاهرہ و آیات باہرہ بیان کئے جا چکے ہیں۔ بعد ازیں دو ہی راستے رہ جاتے ہیں یا تو اس کو نبی مانا جائے یا امام؟ لیکن چونکہ جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوت کا دروازہ تو ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے اب کوئی نبی تو ہو نہیں سکتا لہذا لا محالہ آپ کو وصی نبی اور امام حق تسلیم کرنا پڑے گا۔ وهو المطلوب و قد حصل بعون اللہ الودود۔

مخفی نہ رہے کہ آنجناب کا دعوائے امامت کرنا اظہر من الشمس ہے اور علاوہ دیگر بیسیوں شواہد و دلائل کے آپ کا وہ خطبہ شریف بھی اس امر پر نص صریح ہے جو آپ نے امیر شام کے رو برو ارشاد فرمایا تھا جو اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۵۹ پر گزر چکا ہے۔ فراجع۔



٢٠٠٠ بحار الانوار، ج ١١، ص ٣، منتخب التواريخ، ص ٣٣٣، وغيره۔







ہے کہ یہ عقد حضرت امام حسن علیہ السلام کی وصیت کے نتیجہ میں عمل میں لایا گیا تھا۔

(۵) جناب قضا عیہ :- یہ شہزادہ جعفر بن الحسین کی والدہ ماجدہ ہیں جن کا امام کے حین حیات میں مدینہ کے اندر انتقال ہو گیا تھا۔

آنجناب کی اولاد امجاد کی تعداد میں اگرچہ فی الجملہ اختلاف ہے مگر جو امر محققین علماء سیر و تواریخ کی تحقیقات کے بعد پایہ ثبوت تک پہنچا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آنجناب کے چار صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔

(۱) حضرت علی بن الحسین امام زین العابدین - (۲) شہزادہ علی اکبر - (۳) شہزادہ عبد اللہ مشہور بہ علی اصغر - (۴) شہزادہ جعفر بن الحسین - (۵) جناب فاطمہ خاتون - (۶) جناب سیکندہ خاتون۔

جناب علامہ مجلسی نے بھی چھ عدد اولاد والا قول لکھنے کے بعد فرمایا ہے: ﴿و انچه مذکور شد اظهر و ميان علماء اماميه اشهر است﴾

سطور بالا میں اجمالاً لکھا جا چکا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی شہربانوہ (و بروایتے شاہ زناں) ہے اور قمر بنی ہاشم شہزادہ علی اکبر کی والدہ ماجدہ جناب لیلیٰ بنت ابی مرہ ثقیفہ تھیں اور شہزادہ عبد اللہ معروف بہ علی اصغر اور جناب سیکندہ بنت الحسین ہر دو کی والدہ ماجدہ جناب رباب بنت امرئ القیس کلبیہ ہیں اور شہزادہ جعفر محترمہ قضا عیہ کے بطن سے ہیں اور جناب فاطمہ خاتون کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی ام اسحاق تیمیہ ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعد ان کے جو صاحبزادے زندہ رہے اور جن سے امام حسین علیہ السلام کی نسل برہی وہ صرف حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین علیہ السلام) ہیں۔ باقی دو شہزادے (جناب علی اکبر و اصغر) میدان کربلا میں شہادت کے درجہ رفیعہ پر فائز ہوئے اور شہزادہ جعفر کا واقعہ کربلا سے پہلے مدینہ میں طبعی موت سے انتقال ہو گیا تھا۔ کسی شاعر نے امام زین العابدین علیہ السلام کو آل رسول کا باوا آدم قرار دیا ہے۔

علی السجاد محراب الدعاء ادم الال علی بن الحسین

حمد اللہ مستونی نے اپنی تاریخ گزیدہ میں لکھا ہے: یزید عنید کے چودہ لڑکے تھے اور حضرت امام حسین علیہ السلام اپنی شہادت کے وقت صرف ایک شہزادہ چھوڑ گئے تھے لیکن اس کے باوجود آج تمام اطراف و اقطار عالم میں

۱۔ منتخب التواریخ، ص ۲۳۸، مخطی نہ رہے کہ ارشاد شیخ مفید، منتہی الامال، مناقب شہر ابن آشوب وغیرہ کتب معتبرہ میں انہی پانچ ازواج محترمت کے حالات ملتے ہیں۔ واللہ العالم۔

۲۔ تفصیل کیلئے ارشاد مفید، اعلام الوری طبری، عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، جلاء العین، منتہی الامال، محدث قمی، منتخب التواریخ، محدث خراسانی، تاریخ التواریخ، مرزا سپہر کا شانی، تقام زخار و مصاصم بتار شہزادہ فرہاد مرزا وغیرہ کتب معتبرہ کی طرف رجوع کیا جاوے۔

۳۔ جلاء العین، ص ۲۳۹، طبع ایران۔



حسین علیہ السلام کی اولاد آسمانی ستاروں سے بھی زیادہ موجود ہے اور نسل یزید کا کہیں کوئی نام و نشان بھی موجود نہیں ہے اور یہ بات ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ - وَإِنَّ شَانِكَ هُوَ الْآبَتَرُ﴾ کی اصلی تفسیر ہے۔

یرید الجاحدون لیطفؤہ ویابی اللہ الا ان یتّمہ

اور صاحبزادیوں میں سے جناب فاطمہ خاتون سے آپ کی نسل بڑھی جو کہ جناب شہزادہ حسن ثنی کی زوجیت میں تھیں اور ان سے ان کے تین صاحبزادے متولد ہوئے: (۱) عبد اللہ المحض - (۲) ابراہیم الغمر - (۳) حسن المثنی - (تفصیلات دیکھنے کے شائقین عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب کا مطالعہ فرمائیں)۔

SIBTAIN.COM



## امام حسین علیہ السلام کی زندگی کا دوسرا دور

وفات پیغمبرؐ سے شہادت جناب امیرؑ  
اور شہادت جناب امیرؑ سے شہادت امام حسنؑ تک  
۱۱ھ تا ۴۰ھ تا ۵۰ھ

حضرت امام حسین علیہ السلام کی کل عمر شریف ستاون برس اور کچھ ماہ ہے جس میں قریباً سات برس جناب رسول خدا ﷺ کے ساتھ اور چھتیس سال اپنے والد ماجد حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے ہمراہ اور چھیالیس برس اپنے برادر معظم حضرت امام حسن علیہ السلام کی معیت میں گزارے اور قریباً دس برس اور کچھ ماہ اپنی ظاہری امامت کی مدت ہے۔ ہم نے سابقہ ابواب میں سرکار سید الشہداء کے چیدہ چیدہ حالات اور فضائل و کمالات لکھ دیئے ہیں۔ نانا کے حین حیات میں آپ صغیر الحسن تھے مگر یہ آپ کے ناز و نعم اور لاڈ و پیار کا دور تھا جو بہت جلد بیت گیا اور اللہ میں جناب سرور کائنات ﷺ دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ آنحضرتؐ کی وفات شمع رسالت کے تمام پروانوں کے لیے بالعموم اور ان کے اہل بیت علیہم السلام کے لیے بالخصوص بڑا روح فرسا و جاگداز حادثہ تھی۔ بالخصوص حسینؑ کے غم و ہم کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جس کے ساتھ پیغمبرؐ کی شفقت کا اندازہ ہی نہ لالہ تھا وہ نانا جو اپنی گود میں بٹھاتا تھا، سینہ پر لٹاتا تھا اور کاندھے پر چڑھاتا تھا جو ذرا سی بھی خاطر شکنی حسینؑ کی گوارا نہ کرتا تھا آج حسینؑ آنکھیں پھیر پھیر کر چاروں طرف دیکھتے تھے اور وہ شفیق و مہربان نانا نظر نہ آتا تھا۔

جب ایک مؤرخ دیکھتا ہے کہ وفات پیغمبر اسلام ﷺ سے لے کر خلافت ثالثہ کے دور تک بلکہ ظاہری خلافت امیر و امام حسن مجتبیٰ علیہم السلام تک اسی حسینؑ کے حالات پر بالکل پردہ پڑا ہوا ہے تو اسے بڑا تعجب ہوتا ہے اور مایوسی بھی! کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ ابھی چند روز پیشتر حیات رسولؐ کے زمانہ میں ان کی توقیر و تعظیم کیا تھی؟ یہ وہی بزرگوار ہیں جن کے فضائل و مناقب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے برابر سنے جاتے ہیں۔ یہ وہی حضرات ہیں جن کی محبت تمام اہل اسلام پر واجب کی گئی تھی۔ یہ وہی ذوات عالیہ ہیں جن کی اطاعت جزو ایمان اور ارکان اسلام



میں سے بتائی گئی تھی۔ یہ وہی مقدس بزرگوار ہیں جو اپنی ذاتی شرافت و فضیلت کے اعتبار سے تمام لوگوں پر ترجیح رکھتے تھے جن کا دوست خدا و رسول کا دوست اور جن کا دشمن خدا و رسول کا دشمن سمجھا جاتا تھا۔

مگر آنحضرت ﷺ کے بعد ان کے حالات و واقعات پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ ارباب عقل و اطلاع پر اس کی اصلی وجہ مخفی و مستور نہیں ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ آنحضرت کی وفات حسرت آیات کے بعد ذاتی ہوا و ہوس اور ذاتی اقتدار کی خاطر کچھ ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے کہ مسند رسول کے جو حقیقی وارث و جانشین تھے ان کو خانہ نشین کر دیا گیا اور ان خود غرضیوں کے پیش نظر رسول خدا ﷺ کی وصیتوں کو بھلا دیا گیا۔ خدا و رسول کے فرمان نظر انداز کر دیئے اور یہ

### منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

اے کاش دنیوی و ملکی اقتدار سلب کرنے کے بعد اہل اسلام کم از کم دینی معاملات میں تو خاندان رسول کے فیوض و برکات سے استفادہ کرتے رہتے مگر افسوس ان کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا گیا اور رئیس اہل بیت حضرت امیر المؤمنین نے بھی اس وقت صبر و سکوت میں اسلام کی بقاء و بہتری دیکھتے ہوئے ان لوگوں کی زیادتیوں اور چیرہ دستیوں پر صبر و ضبط سے کام لیا اور خانہ نشین ہو کر بیٹھ گئے۔ اسی طرح قریباً پچیس سال گزر گئے۔ اس مدت مدید میں یہ حضرات بڑی خاموشی اور حکمت عملی کے ساتھ معارف قرآن و حدیث اور حقائق اسلام و ایمان کی تعلیم و تلقین اور ترتیب و تدوین کرتے رہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا شغل معلوم نہیں ہوتا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ برسر اقتدار طبقہ اور جناب امیر المؤمنین کے باہمی تعلقات بڑے خوشگوار تھے لیکن قطع نظر دوسرے بے شمار قرائن و شواہد کے جو اس دعویٰ کو قطعاً باطل ثابت کرتے ہیں صرف یہی بات اس دعویٰ کی نفی کے لیے کافی ہے کہ تینوں خلافتوں کے دور میں بڑی بڑی جنگیں لڑی گئیں اور ان لوگوں کے خیال کے مطابق یہ تھیں بھی اسلامی جنگیں مگر کوئی تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ علی بن ابی طالب ایسے اسلامی جرنیل نے کسی جنگ میں شمولیت فرمائی ہو؟ بہر حال یہ تھے وہ علل و اسباب جن کی وجہ سے ان خلافتوں کے دور میں امام مظلوم کے حالات زاویہ خمول میں مستور نظر آتے ہیں اور آپ کے حالات مبارکہ میں لکھی گئی بڑی بڑی ضخیم کتب مثل بحار الانوار، مقام ذخار اور ناسخ التواریخ وغیرہ بھی بالکل تہی دامن نظر آتی تھیں۔ صاحب ذبح عظیم نے اس دور کے دو تین واقعات درج ضرور کئے ہیں مگر وہ ایسے واقعات ہیں کہ خود مرحوم کو اعتراف ہے کہ ”ان واقعات سے بھی ان حضرات کا کوئی خاص تعلق کسی خاص مقصد اسلامی سے نہیں پایا جاتا اور نہ ان سے کسی ملکی ضرورت سے لگاؤ ثابت ہوتا ہے اور نہ فرمانروائے عہد کی کوئی توجہ اور



الغفات ظاہر ہوتی ہے۔“

اسی لیے ہم نے ان واقعات کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔

باقی رہا حضرت امیر علیہ السلام اور حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا مختصر ظاہری دور خلافت و امامت۔ اس میں اگرچہ امام حسین علیہ السلام کے بعض ایسے واقعات ضرور ملتے ہیں جو قابل تذکرہ ہیں اور ہم بعد ازیں عنقریب ان واقعات کا تذکرہ بھی کریں گے انشاء اللہ مگر خاص اہم واقعات کے نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں حسب ظاہر امام حسین کی پوزیشن ایک محکوم کی ہے نہ حاکم کی، امام وقت حضرت امیر علیہ السلام ہیں یا امام حسن علیہ السلام اور یہ بات شیعہ نقطہ نگاہ سے مسلم الثبوت ہے کہ جب کسی وقت میں دو امام اکٹھے ہوں تو حکم اسی امام کا نافذ ہوتا ہے جو ظاہری درجہ امامت پر فائز ہوتا ہے اور دوسرا ساکت و صامت ہوگا۔ اصول کافی (ص ۷۶) وغیرہ کتب معتبرہ میں اس مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں۔ کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے دریافت کیا جاتا ہے: ﴿تکون الارض لیس فیہا امام؟﴾ آیا ایسا ہو سکتا ہے کہ زمین میں امام (حجت خدا) موجود نہ ہو۔ اور وہ جواب میں فرماتے ہیں: ﴿لا﴾ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر راوی پوچھتا ہے: ﴿یکون امامان؟﴾ آیا ایک وقت دو امام ہو سکتے ہیں جواب دیا جاتا ہے: ﴿لا الا واحدہما صامت﴾ نہیں مگر اس صورت میں کہ ایک ساکت و صامت ہو! اس لئے آپ کے بابا اور بھائی کے دور خلافت میں بھی ایسے واقعات بہت کم ملتے ہیں جن کو آپ کی مخصوص سیرت میں درج کیا جاسکے۔ علاوہ بریں ان ہر دو بزرگواروں کے دور میں بھی امت کی مہربانیوں سے سکون و اطمینان کہاں نظر آتا ہے تاکہ یہ بزرگوار طمانیت قلب کے ساتھ اپنے علمی و عملی کارنامے انجام دیتے۔

بہر حال محض اس خیال سے کہ قارئین کرام ہماری کتاب میں یہ خلا بری طرح محسوس نہ کریں۔ جو کچھ تھوڑے بہت سیر و تاریخ میں اس طویل دور کے واقعات ملتے ہیں۔ جن کا براہ راست سید الشہداء کی ذات کے ساتھ تعلق ہے۔ یا وہ واقعات جو اگرچہ کسی اور ذات سے متعلق ہیں۔ لیکن اپنے دور رس اثرات کی وجہ سے واقعہ کربلا کے ساتھ بالواسطہ مرتبط ہیں ان کا اجمالاً تذکرہ کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں بجائے اس کے کہ ہم خود کچھ خامہ فرسائی کریں۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب مستطاب ”شہید انسانیت“ طبع ثانی میں اس موضوع پر جو سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے جو کئی صفحات تک پھیلا ہوا ہے اس کا ایک جامع خلاصہ یہاں پیش کر دیں۔ چنانچہ صاحب شہید انسانیت مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

”افسوس ہے کہ رسول کی خلافت کا مسئلہ اتنا اختلافی بن گیا۔ کہ آج تک اس کی بنا پر شیعہ اور سنی کا تفرقہ قائم



ہے یہاں اس پر بحث کرنا مقصود نہیں ہے نہ ان ناگوار واقعات کا کوئی مستقل تذکرہ مقصود ہے۔ بہر حال یہ متفق علیہ تاریخی حقیقت ہے کہ رسولؐ کے بعد کچھ افراد امت نے متفق ہو کر سیاسی اقتدار خاندان رسولؐ سے ہٹا دیا۔ اس انقلاب کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ سرکار رسالت کے بعد ڈیوڑھی کی چہل پہل اور رونق سنائے میں تبدیل ہو گئی۔ اور وہ ماحول جس میں حسینؑ زندگی بسر کر رہے تھے ایک دم بالکل بدلا ہوا نظر آیا حسینؑ ماں کے پاس جاتے تو یہ دیکھتے کہ سوائے اوقات نماز کے ہر وقت گریہ و زاری سے کام ہے۔ باپ کے پاس جاتے تو یہ دیکھتے کہ انہوں نے اہل زمانہ کی بے رخی کو دیکھتے ہوئے گھر سے نکلنا اور لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا ہے۔ آپ ہر وقت ایک گوشہ میں بیٹھے قرآن مجید کے متفرق اجزاء کو اصلی ترتیب اور شان نزول کے مطابق کتابی شکل میں مرتب کرتے رہتے۔ کیا اس صورت حال کو دیکھ کر حسینؑ کا دل نہ گھٹتا ہوگا؟ وہ سوچتے ہوں گے کہ اے خدا یہ کیسا اندھیرا ہے؟ جو ایک دم ہماری آنکھوں کے سامنے چھا گیا۔ بہر حال آپؑ نے اپنے باپ کے طرز عمل میں یہ نصب العین نمایاں پایا کہ چاہے حالات کتنے ہی ناسازگار ہوں۔ مگر ہمیں اسلام کی خدمت سے ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے۔ ہمارا اور قرآن کا ساتھ ہے۔ اس لئے قرآن کی حفاظت ہمارا فرض ہے اور اس فرض کو کسی وقت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

افسوس ہے کہ رسولؐ کی وفات سے چند ہی مہینوں کے بعد گونا گوں مصائب و تکالیف اٹھانے کے ساتھ حسینؑ سے ان کی بزرگ مرتبت ماں بھی جدا ہو گئیں۔ حضرت فاطمہ زہراءؑ کی وفات سے علی ابن ابی طالبؑ اور بھی دل شکستہ ہو گئے اور حسنؑ و حسینؑ کے لئے مہر و محبت کی دنیا بڑی حد تک ویران نظر آنے لگی۔ اب ان کے لئے گہوارہ شفقت و تربیت صرف ایک تھا۔ اور وہ تھی ان کے بزرگ مرتبہ باپ کی ذات سات برس کی عمر سے لے کر چھتیس سال کی عمر تک انتیس سال برابر حسینؑ اپنے وہی کمالات کے ماورا حضرت علی بن ابی طالبؑ ایسے حکیم الہی عالم ربانی۔ معلم اخلاق انسانیت اور مجموعہ فضائل نفسانی کے علمی اور عملی فیوض سے بہرہ یاب ہوتے رہے اور یہی وہ زمانہ ہے جس میں عام نظام اسباب کی دنیا میں انسانیت کی حقیقی تعمیر ہوتی ہے۔ اس عمر کے آغاز سے بلوغ کی مدت تک اوصاف و ملکات کی داغ بیلیں پڑتی ہیں۔ نو جوانی کے زمانہ میں ان پر دیواریں اٹھتی ہیں۔ اور جوانی کے اختتام تک یہ عمارت مکمل ہو کر اس پر نقش و نگار بن جاتے ہیں۔ اور وہ ساز و سامان اور شیشہ و آلات سے بھی آراستہ ہو جاتی ہے حسینؑ کے لئے ان تمام منازل کی ظاہری تکمیل علی ابن ابی طالبؑ کی نگرانی میں ہو رہی تھی حسینؑ نے دیکھا کہ ان کے والد بزرگوار علی بن ابی طالبؑ باوجود یکہ زمانہ کی بے توجہی، حق فراموشی اور سرد مہری سے کبیدہ خاطر ضرور تھے۔ لیکن جب کسی عملی مسئلہ میں کسی مہم کے متعلق مشورہ میں کسی مقدمہ کے فیصلہ میں ان کی ضرورت پڑ جاتی اور ان سے امداد کی خواہش کی جاتی۔ تو وہ فوراً بلا عذر امداد کرنے کے لئے تیار ہو جاتے۔ یہ جذباتی انسانوں کے رویہ کے بالکل خلاف ہے۔ وہ اگر کسی منصب



کے حصول سے جس کے وہ حقدار ہوں محروم کر دیئے جائیں تو وہ متعلقہ افراد سے خفا ہو کر الگ ہو جائیں گے۔ اور اگر اس منصب سے تعلق رکھنے والے معاملات میں ان سے مدد طلب کی جائے تو اپنی دلی رنجش کی بنا پر تعاون سے انکار کر دیں گے۔ اس سے اہل بیت کی ہر فرد کے سامنے یہ نمونہ پیش ہو رہا تھا۔ کہ ہم چاہے مسلمانوں سے کتنے ہی غیر متعلق کر دیئے جائیں۔ مگر ہمیں کبھی اپنے کو غیر متعلق سمجھنا نہیں چاہئے ہمیں ہر ایسے موقع کا منتظر رہنا چاہئے کہ جس وقت ہمارے ذریعہ سے اسلامی مفاد کو حقیقی فائدہ پہنچ سکتا ہو۔ تو اس موقع پر فوراً ہمیں اپنے فرض کو انجام دینا چاہئے۔ اور اسلام کی خدمت کو اپنا نصب العین سمجھنا چاہئے۔

تیسرے خلیفہ کے انتخاب کے موقع پر وقت ایسا آیا کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ تخت حکومت کو حاصل کر لیتے۔ جبکہ خلیفہ دوم نے اپنے انتقال کے وقت چھ آدمیوں کی کمیٹی بنا کر خلافت کو ان میں منحصر کر دیا۔ اور ان میں سے ایک حضرت علی بن ابی طالبؓ کو بھی قرار دیا تھا تمام دوسرے ارکان حضرت علیؓ کو خلافت کے منصب پر نامزد کرنے کے لئے تیار تھے۔ بشرطیکہ آپ کتاب سنت کے علاوہ شیخین (ابو بکر و عمر) کی سیرت پر عمل کا بھی عہد کریں! مگر حسینؑ نے دیکھا کہ ان کے حقیقت پرور۔ بلند ہمت اور مستغنی طبیعت باپ نے اس موقع کو ہاتھ سے دے دیا۔ اس پر کہ وہ کتاب و سنت پر عمل کے علاوہ کسی دوسری شرط کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ جس کے نتیجہ میں وہ ظاہری خلافت کا ہما جو ان کے سر ہمایوں پر چکر لگا رہا تھا۔ ایک طویل عرصہ تک کے لئے ان سے علیحدہ ہو گیا۔ حسینؑ نے اس میں ایک بڑے اہم سبق کا عملی نمونہ دیکھا جس پر ان کے آئندہ اقدامات کی بنیاد قائم ہونا تھی۔ اور وہ یہ کہ شریعت اور مسلمان حکمرانوں کی سیرت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ جو حکومت کا آئین اور اس کا عمل ہو۔ اس کو شریعت کی رو سے بھی صحیح ماننا پڑے۔ بلکہ شریعت کے مستقل اصول ہیں جنہیں مقتدر ہونا چاہئے اور حکومت کے عمل کو ان کا ماتحت ہونا چاہئے۔ اور جب ایسا نہ ہو تو ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ شریعت کو تسلیم کرے۔ اور حاکم کے عمل کو تسلیم نہ کرے۔ اور اگر کسی وقت ایسا موقع پیش آئے کہ حکام کا عمل کھلم کھلا شریعت کے خلاف اور انہیں مذہب میں بنیادی تبدیلی کا باعث ہوئے تو مسلمان کا فرض ہے کہ وہ شریعت کی حمایت میں کمر بستہ ہو جائے اور اس کے لئے بشرط ضرورت کسی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ تیسرے خلیفہ عثمان کے دور کا آخری حصہ بڑی بے اطمینانی اور کشمکش میں گذرا۔ مسلمانوں کو ان سے شکائتیں پیدا ہوئیں۔ اور اقدامات کی حد تک پہنچیں مگر حضرت علی بن ابی طالبؓ نے ان اقدامات کو تقویت پہنچانے کے بجائے پوری کوشش کے ساتھ ان کو روکنے کی کوشش فرمائی کئی مرتبہ بیچ میں پڑ کر صلح



کرائی۔ مخالف جماعت کی شکایات دور کرائیں۔ اور انہیں سمجھا بجھا کر منتشر کیا<sup>۱</sup> مگر مروان جو اس دور میں کاتب کے عہدہ پر تھا۔ اس کی شرارتوں نے ان کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ اور اس جماعت نے حاکم وقت کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت بھی حضرت علی بن ابی طالبؑ نے یہ ہمدردی کی۔ کہ جب آپ کو معلوم ہوا۔ کہ محاصرہ کرنے والوں نے پانی بند کر دیا ہے۔ تو آپؑ نے حسنؑ و حسینؑ اپنے دونوں فرزندوں کو کچھ مشکوں کے ساتھ روانہ کیا اور ان دونوں صاحبزادوں نے اپنے کو خطرہ میں ڈال کر پانی قصر حکومت کے اندر پہنچا دیا۔ بہر حال نظام حکومت کا پیمانہ لبریز تھا اور پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ حملہ آور جماعت نے دارالحکومت کی سرزمین کو خلیفہ کے خون سے رنگین اور ان کے رشتہ حیات کو قطع کر دیا۔

ایک مہینہ انیس دن محاصرہ<sup>۲</sup> رہا۔ لاش تین دن تک بے گور و کفن<sup>۳</sup> رہی۔ اور عامہ مسلمین دفن کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ آخر میں رات راتی ”عش کوکب“ نام کے مقام پر جو مسلمانوں کے قبرستان سے الگ تھا۔ سپرد خاک کئے گئے۔<sup>۴</sup>

اس عبرت ناک موقع سے ایک حساس انسان کس قدر اہم نتائج اخذ کر سکتا تھا؟ سلطنت دنیا کی بے ثباتی جمہور کی وفاداری پر عدم اعتماد نیز مروان اور دیگر بنی امیہ کے ہاتھوں اسلام کے شیرازہ کی ابتری یہ سب کچھ حسینؑ نے دیکھا اور اپنی آئندہ زندگی کے سب سے اہم کارنامہ کی بنیادوں کو مستحکم بنانے میں ان میں سے ہر ایک پہلو کا لحاظ رکھا۔ حالات بہت تیزی سے تبدیل ہوتے ہیں۔ اور ان حالات کے لحاظ سے جمہور کے رجحانات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ اس ہنگامی انقلاب کے نتیجہ میں مسلمانوں کی آنکھیں اور ان کے انتخاب کی نگاہیں حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے چہرہ پر جم گئیں۔ انہوں نے آپؑ کے پاس آ کر خلافت اسلامی کی ذمہ داری کو سنبھالنے کی درخواست کی۔ یہ بات حیرت میں ڈالنے والی تھی۔ کہ حضرت علیؑ باوجودیکہ اس سے پہلے ہمیشہ خلق خدا کی ہدایت اور ان کے نظم و نسق کی اصلاح کے لئے بے چین اور خلافت رسولؐ کے لئے اپنے استحقاق کا اعلان فرماتے رہے تھے۔ آج مسلمانوں کی اس ملتجیانہ پیش کش کو مسترد فرما رہے تھے<sup>۵</sup> حسینؑ خوب جانتے تھے کہ اس کا سبب کیا ہے؟ عمال حکومت کے رویہ کی بدولت مسلمانوں کی عادتیں بگڑ چکی تھیں اور زاویہ نگاہ میں تبدیلی ہو چکی تھی۔ اسلامی حکومت بڑی حد تک دنیاوی اقتدار سلطنت کے قالب میں ڈھل گئی تھی۔ اور کسرویت و قیصریت کے آثار اس میں نمودار ہو گئے تھے۔ یہ چیز کسی طرح اس

۱۔ الوزراء والکتاب، ص ۱۴۔ طبری، ج ۵، ص ۱۱۱، ۱۱۲۔

۲۔ طبری، ج ۵، ص ۹۶، ۹۷، ۱۰۰، ۱۱۷، ۱۲۲۔

۳۔ طبری، ج ۵، ص ۱۳۳۔

۴۔ طبری، ج ۵، ص ۱۲۲۔

۵۔ طبری، ج ۵، ص ۱۵۲۔

طبری، ج ۵، ص ۱۳۳، ۱۱۴۔



سادگی اور مساوات کے ساتھ سازگار نہ تھی جسے پیغمبر اسلام ﷺ نے دنیا میں پھیلایا تھا۔ اور جس پر حضرت علی ابن ابی طالبؓ نہایت سختی کے ساتھ عامل تھے۔ اس لئے آپؐ نے پورے طور پر انکار کیا۔ مگر مسلمانوں کا اصرار اتمامِ حجت کی صورت اختیار کر گیا۔ مجبوراً حضرت علیؓ کو یہ ذمہ داری قبول کرنا پڑی مگر آپؐ نے صاف اعلان کر دیا کہ دیکھو جب تم ذمہ داری کو میرے سپرد کر رہے ہو تو میں جو ٹھیک راستہ سمجھوں گا اسی پر تمہیں چلاؤں گا۔ اور کسی کے اعتراض اور نکتہ چینی کی پروا نہ کروں گا۔ لوگوں نے اس کا اقرار کر کے ذی الحجہ ۳۵ھ میں علی ابن ابی طالبؓ کی بیعت کی۔ اور آپؐ خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لئے گئے۔ اس سے ایک طرف یہ ثابت کیا گیا۔ کہ دنیا کی فضا اب اہل بیتؑ کے حکومت و اقتدار کے لئے موزوں نہیں ہے۔ دوسری طرف یہ کہ اگر اللہ کے بندے وفاداری کے عہد کے ساتھ رہنمائی کے طالب ہوں تو جب تک حجت ان پر پورے طور سے تمام نہ ہو جائے ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم بظاہر ان کے عہد و پیمان کو باور کریں۔ اور ان کی خواہش رہنمائی کی تکمیل کے لئے قدم آگے بڑھائیں۔

خلافت کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد وہی ہوا جو حضرت علیؓ پہلے سے سمجھے ہوئے تھے کچھ لوگوں نے تو بیعت سے ہی پہلو تہی کی۔ حضرت علیؓ نے ان کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی۔ جب تک وہ عملی طور سے کوئی مخالفت نہ کرتے۔ ضرورت ہی کیا تھی کہ ان سے تعرض کیا جائے جبکہ اصول مذہب میں دستور یہ ہے کہ لا اکسراہ فی الدین تو خلافت کے تسلیم کرانے میں اکراہ کے کیا معنی؟ لیکن بعض لوگوں کا یہ مشورہ کہ معاویہ اور جتنے عثمان کے زمانہ کے عامل ہیں۔ ان سب کو آپؐ برقرار رکھیں۔ اور وہ مطمئن ہو جائیں اور آپؐ کی گرفت میں آجائیں۔ تو پھر چاہے سب کو معزول کر دیں۔ اسے آپؐ نے منظور نہیں فرمایا۔ اور آپؐ نے کہا کہ سیاست دنیا کے لحاظ سے تو بے شک یہی بہتر ہے جو تم کہتے ہو۔ مگر جب میں جانتا ہوں کہ وہ ظالم اور نااہل ہیں تو انہیں اپنی طرف سے حکومت کا پر دانہ بھیج کر میں ان کے مظالم میں شریک ہوں۔ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔<sup>۱</sup>

یہ بڑا دور رس واقعہ ہے۔ اگر حضرت علی ابن ابی طالبؓ اپنی ماتحتی میں معاویہ ایسے شخص کی حکومت کو دینی فریضہ کے ماتحت برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ تو اس کے بعد بھی حسینؑ بیعت کر کے معاویہ سے بڑھ کر بیزید ایسے شخص کی حکومت کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں؟

پھر بھی حضرت علیؓ نے معاویہ کے نام خط لکھا اس میں کوئی سختی و درشتی اور جنگ جو یا نہ انداز نہ تھا<sup>۲</sup> معاویہ

۱۔ طبری، ج ۵، ص ۱۵۶۔

۲۔ طبری، ج ۵، ص ۱۵۹، ۱۶۰۔

۳۔ ملاحظہ ہو: بیچ البلاغ، ج ۲، ص ۱۳۰۔



اگر مخالفت پر پہلے ہی تلے ہوئے نہ ہوتے تو اس خط پر انہیں عمل کرنا چاہیے تھا۔ (کہ لوگوں سے بیعت حضرت علیؑ کی لے کر خود ایک وفد کے ساتھ مدینہ آنجناب کی خدمت میں حاضر ہو جاتے) مگر وہاں تو عناد و مخالفت کی چنگاریاں پہلے سے سلگ رہی تھیں۔ آخر آپ کے مقابلہ میں قتل عثمان کا غلط الزام تراشا گیا۔ اور اس بہانہ سے آپ کی مخالفت کا جھنڈا اونچا کیا گیا۔ معاویہ نے شام والوں کو حضرت علی ابن ابی طالب کے خلاف اس غلط تہمت کو ان کے ذہن نشین کر کے پورے طور پر مشتعل کر دیا۔ مسجد جامع دمشق میں ماتمی جلے کئے گئے۔ مقتول خلیفہ کا خون بھرا کرتا منبر پر ڈال دیا گیا۔ اور عالم یہ تھا کہ پچاس ساٹھ ہزار کا مجمع اسے دیکھ نالہ و زاری کرتا۔ اور اس جوش رقت میں ان سے کہا جاتا کہ اب تمہیں علیؑ سے اس خون کا بدلہ لینا ہے۔<sup>۱</sup>

اب حضرت علیؑ شام کی مہم کے تذراک کا سامان کرنا چاہ رہے تھے جو یک بیک خبر آئی کہ طلحہ اور زبیر نے زوجہ رسولؐ عائشہ بنت ابوبکر کو آمادہ کر کے آپ کے خلاف محاذ تیار کر لیا ہے۔<sup>۲</sup>

وہ لوگ جو پچیس برس تک حضرت علیؑ کو میدان جنگ سے بالکل علیحدہ رہتے ہوئے بالکل خاموشی کی زندگی گزارتے دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ وہی علیؑ اپنی تلوار کو اتنے عرصہ تک نیام میں رکھ چکے تھے کہ جوانی سے بڑھا پا آ گیا تھا۔ آج وہ ذمہ داری اپنے اوپر عاید ہو جانے کے بعد آئیں و اصول اور حق کی حفاظت کے لئے جنگ پر بالکل تیار ہیں۔ بے شک امام حسینؑ نے دیکھا کہ ان کے پدر بزرگوار نے اس اصول کی سختی کے ساتھ پابندی فرمائی کہ جب تک فریق مخالف عملاً جنگ کی ابتدا نہ کر دے۔ اس وقت تک تلوار میان سے نہ نکالی جائے۔ چنانچہ جمل کے میدان میں یہی ہوا۔ کہ جب صفوف لشکر مرتب ہو چکے۔ تو حضرت علی ابن ابی طالب نے ہاتھ میں قرآن لے کر اپنے ساتھیوں سے فرمایا: کہ کون ہے جو اس قرآن کو لے جا کر انہیں اس پر عمل کرنے کی دعوت دے۔ مگر یہ بتائے دیتا ہوں کہ وہ قتل کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر اہل کوفہ میں سے ایک جوان جس کا نام مسلم تھا کھڑا ہوا کہا میں جاؤں گا۔ (تین بار آپ نے یہی اعلان فرمایا اور یہی جوان ہر بار اٹھا) (المختصر) وہ قرآن لے کر صفوف مخالف کے سامنے گیا (دعوت عمل دی) مگر ظالموں نے (اس کے یکے بعد دیگرے دونوں بازو قلم کرنے کے بعد) اسے قتل کر دیا۔ علی ابن ابی طالب پکارے۔ اب ان سے جنگ حلال ہو گئی۔<sup>۳</sup>

۱۔ طبری، ج ۵، ص ۱۶۳ (کذافی اکامل، ج ۳، ص ۱۴۱)۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی زوجہ فاطمہ کی کئی ہوئی انگلیاں منبر پر آویزاں کی جاتی تھیں۔ اور سامنے گریہ زاری کی جاتی تھی۔

۲۔ طبری، ج ۵، ص ۱۶۳۔

۳۔ طبری، ج ۵، ص ۲۰۵، ۲۰۶۔



اب دنیا نے دیکھا کہ وہی تلوار جو بدر، احد، خندق اور خیبر میں کسی وقت چمک چکی تھی۔ جمل کے میدان میں چمکنے لگی۔ وہی ہاتھ ہے اور ہاتھ کی صفائی۔ وہی دل ہے اور دل کی طاقت۔ یہاں تک کہ جمل کا معرکہ فریق مخالف کی شکست پر ختم ہوا۔ اس وقت حضرت علیؑ نے فریق مخالف کی سرگروہ ام المومنین عائشہ کے ساتھ وہ شریطانہ اور باعزت برتاؤ کیا جیسا کسی فاتح نے اپنے مغلوب فریق کے ساتھ نہیں کیا ہوگا۔ یہ معرکہ روز پنجشنبہ ۱ جمادی الثانیہ ۳۶ھ کو پیش ہوا۔

ظاہر ہے کہ عام اسباب کے لحاظ سے اب جناب امیر کائنات کی انگلیوں کی انگلیوں کا متقاضی نہیں تھا۔ اسٹھ برس کی عمر تھی مگر آپ کا پچیس برس کی خاموشی کے بعد اب میدان جنگ میں آ جانا۔ اعلان کر رہا تھا کہ حقیقتاً ہمارا حرکت سکون سب فرض کے احساس کا نتیجہ ہونا چاہیے۔ فرض کی پکار پر ہمیں جواب دینا چاہئے۔ اصول و مرض کے حدود میں جذبات کا تقاضا اور سن کا اختلاف کوئی چیز نہیں ہے اگر فرض ہمارا خاموشی کا ہوتو چاہے جوانی کی تمام انگلیں قدم اٹھانے پر مجبور کر رہی ہوں۔ پھر بھی ہم کو اپنی زندگی خاموشی کے ساتھ گزار دینا چاہیے۔ اور جوانی سکون کے عالم میں بسر کرنا چاہئے۔ اور اگر فرض ہمارا عملی اقدام کا ہوتو چاہے بڑھاپے کا اضمحلال جسمانی قوتوں کو متاثر بھی کئے ہو مگر پھر بھی ہمیں عزم و ارادہ کے قدموں پر کھڑا ہو جانا چاہئے۔ اور وہ کرنا چاہئے جو جو امر و نہی کا تقاضا ہے۔

ادھر شام میں اشتعال انگیزی مسلسل جاری رہی مگر آپ نے اپنی جانب سے اصلاح کی کوشش جاری رکھی (کنی آدمی) معاویہ کے پاس روانہ فرمائے۔ تاکہ جا کر اتحاد و اتفاق اور اطاعت و اجتماع کی دعوت دیں مگر اس امن پسندانہ پیش قدمی کا جواب یہ ملا کہ پلٹ جاؤ میرے پاس سے کیونکہ میرے تمہارے درمیان تلوار سے فیصلہ ہوگا۔ ہلا خرمسلمانوں کا خون بے دریغ بہایا جانے لگا۔ اس جنگ کے آغاز و اشا اور انجام میں بہت سے جاذب توجہ امور پیش آتے رہے۔ پہلے یہ کہ اس جنگ میں بھی حضرت علیؑ نے اپنی فوج کو ہدایت کر دی کہ جب تک دشمن ابتداء نہ کرے تم جنگ نہ کرنا۔ (نام نہاد مسلمانوں کے ساتھ تمام پیش کردہ معرکوں میں آپؑ نے یہی ہدایت فرمائی) اور جب لڑائی چھڑ جائے اور پھر دشمن کو شکست ہو۔ تو کسی بھاگتے ہوئے کا پیچھا نہ کرنا کسی زخمی پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ کسی عورت کی بے حرمتی نہ کرنا کسی مقتول کے اعضا قطع نہ کرنا خیام میں بلا اجازت داخل نہ ہونا۔ ان کے مال و اسباب کو نہ لوٹنا۔ اور دشمنوں کی عورتیں تمہیں اور تمہارے سرداروں کو گالیاں بھی دیں تو انہیں کوئی ایذا نہ پہنچانا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک واقعہ سامنے آیا۔ کہ معاویہ کے مقدمہ انجمن ابوالاعور سلمیٰ نے نہر فرات پر قبضہ کر لیا اور حضرت علیؑ کے لشکر پر پانی

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھو: طبری، ج ۵، ص ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۵۔ ج ۲، طبری، ج ۵، ص ۲۳۳۔

۲۔ طبری، ج ۶، ص ۶۔

۳۔ طبری، ج ۵، ص ۲۲۸۔



بند کر دیا۔ مجبوراً آپ نے پانی کے لئے جنگ کا حکم دیا۔ آپ کے لشکر نے ابوالاعور سلمیٰ کی فوج سے گھاٹ چھین لیا اور یہ ارادہ کیا کہ اب دشمن کی فوج پر اسی طرح پانی بند کر دیا جائے۔ جیسے اس نے ہم پر بند کیا تھا۔ مگر حضرت علیؑ نے اس کو گوارا نہ فرمایا آپ نے کہا وہ ان کا فعل تھا مگر تم انہیں پانی سے نہ روکو۔ اطمینان کے ساتھ سیراب ہونے دو۔ اس سے یہ سبق دیا جا رہا تھا کہ ہماری مخالف جماعت انسانیت اور اخلاق میں کتنی ہی پست ہو جائے۔ مگر ہم کو ہمیشہ بلند ظرفی سے کام لینا چاہیے۔ اور اس کے مکینہ طرز عمل کا معاوضہ اس کے مثل سے نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہمیں انسانیت کی بلندی کا تحفظ کرنا ضروری ہے جنگ صفین میں حضرت علیؑ کو مسلمانوں کی خوزیزی سے بڑی تکلیف محسوس ہو رہی تھی چنانچہ پکار کر امیر شام سے کہا کہ اس سے کیا حاصل ہے کہ عام مسلمانوں کا خون بڑی فیاضی سے بہہ رہا ہے۔ بس تم نکل آؤ میدان میں۔ اور میں آ جاؤں۔ اور اس جنگ کا فیصلہ ہو جائے۔ مگر معاویہ نے اس خطرہ کو اپنی ذات کے لئے مول نہ لیا۔ وہ دوسروں کے گلے کٹواتے رہے۔ مقابلے کے لئے میدان میں نہیں آئے۔ برخلاف اس کے حضرت علیؑ جان کو جان نہ سمجھتے ہوئے برابر مجاہدین کی صفوں کے آگے تھے۔ اس لئے ان کا ضمیر مطمئن تھا۔ وہ شہادت کے مشاق تھے۔ ان کا تو قول تھا کہ میں موت کے ساتھ اس سے زیادہ مانوس ہوں جتنا بچہ آغوش مادر سے مانوس ہوتا ہے۔ اسی جنگ صفین میں ایک موقع پر امام حسنؑ سے فرمایا تمہارے باپ کو تو کوئی پروا نہیں کہ موت اس پر گر رہی ہے یا وہ خود موت کے اوپر گر رہا ہے۔ پھر جو ایسے باپ کے بیٹے ہوں۔ جن کے سامنے یہ سیرت ہو۔ اور جن کے کانوں میں یہ باتیں پڑ رہی ہوں۔ انہیں موت کا اندیشہ کیونکہ رہ سکتا ہے۔ چنانچہ حسینؑ اپنے بھائی حسنؑ اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ اس جنگ میں برابر حصہ لے رہے تھے۔ اور سخت سے سخت موقعوں پر شہادت قدم کے جوہر دکھا رہے تھے۔ تاریخ نے ایک ایسے موقع کی تصویر کشی کرتے ہوئے جب علی بن ابی طالبؑ کے لشکر کا بڑا حصہ شکست کھا چکا تھا لکھا ہے کہ اس وقت نہیں رہ گئے تھے علیؑ کے پاس۔ مگر بڑے فرض شناس اور پر جگر افراد اس وقت آپؑ نے اپنے گھوڑے کا رخ میسرہ کی جانب پھیرا کہ جدھر قبیلہ ربیعہ کے لوگ اب تک دشمنوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ راوی جس کا نام زید بن وہب جہنی ہے بیان کرتا ہے کہ میں دیکھ رہا تھا علیؑ کو کہ آپؑ ربیعہ کی فوج کی طرف جا رہے تھے۔ اور آپؑ کے فرزند حسنؑ حسینؑ اور محمد بن حنفیہ آپؑ کے ساتھ ساتھ تھے اور شیر علیؑ کے کان اور شانوں کے پاس سے گذر رہے تھے مگر آپؑ کے فرزند بڑھ بڑھ کر سپر بن جاتے تھے۔ اور آپؑ اپنے باپ کی حفاظت کرتے تھے۔



کیا یہ جذبہ فداکاری اور قربانی کا معمولی مظاہرہ ہے جو علیؑ کی آنکھوں کے سامنے ان کے صاحبزادوں سے ظاہر ہو رہا تھا؟ کیا اس کے بعد بھی یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ علیؑ کے یہ بہادر بیٹے موت کے ڈر سے کسی فرض میں کوتاہی کریں۔ یا کسی باطل طاقت کے سامنے جان کے خوف سے سر جھکا لیں؟ اسی جنگ صفین کے میدان میں ایک اور منظر کا بھی مشاہدہ ہوا۔ وہ یہ کہ عین جنگ کی حالت میں حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی نگاہ آفتاب پر تھی۔ ابن عباسؓ نے سبب دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھتا ہوں نماز ظہر کا وقت آیا یا نہیں؟ ابن عباسؓ نے عرض کیا یہ نماز کا موقع ہے؟ جنگ تو ہو رہی ہے۔ آپؑ نے فرمایا۔ اور ہماری یہ جنگ کس بات کے لئے ہے؟ اسی نماز کے لئے تو جنگ کر رہے ہیں۔ یہ عبادت الہی کے فرض کی اہمیت کا ایک بے مثال عملی درس تھا۔ کہ تیروں کی بارش ہو یا آگ برس رہی ہو۔ جب نماز کا وقت آئے تو لازم ہے کہ اس فرض کے ادا کرنے کے لئے کھڑے ہو جاؤ جنگ کو بہت طویل ہو چکا تھا۔ آخر ایک دن حضرت علیؑ نے طے کیا کہ اب ملک فتح کرنے کے بعد ہی جنگ کو موقوف کیا جائے۔ ایک دن و رات مسلسل ہنگامہ دار و گیر برپا رہا۔ جس کے نتیجے میں فوج شام کے قدم اکھڑنے لگے۔ اور معاویہ کو شکست کا یقین ہو گیا۔ مگر عمرو بن العاصؓ نے اس دن کے لئے ایک چال اٹھا رکھی تھی۔ وہ یہ کہ فوراً قرآن نیزوں پر بلند کر دیئے گئے۔ اور ندائی گئی کی بھائیو! یہ کتاب خدا ہی ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گی۔ شام والے سب ہلاک ہو گئے۔ تو شام کے حدود کی حفاظت کون کرے گا اور عراق والے ہلاک ہو گئے تو عراق کے حدود کا نگہبان کون ہوگا؟

حضرت علیؑ نے اپنی فوج والوں کو اس مکاری اور چال بازی سے آگاہ کیا اور صاف فرمایا کہ یہ لوگ نہ اہل دین ہیں نہ اہل قرآن۔ مگر آپؑ کی فوج کے بہت سے لوگ آپؑ سے منحرف ہو کر اس بات پر مقرر ہو گئے کہ اب تلوار روک لیجئے۔ نہیں تو ہمارے اور آپؑ کے درمیان تلوار چلے گی۔ یہ بڑی کشمکش کا موقع تھا۔ دشمن کے مقابلہ کے وقت اپنی فوج میں تلوار چلنے لگے۔ ایک انتہائی ہولناک صورت حال تھی۔ مجبوراً آپؑ نے جنگ کے التواء کا حکم دیا۔ اور طے پایا کہ ایک حکم اہل شام کی طرف سے نامزد ہو۔ اور ایک کوفہ کی طرف سے۔ مگر اہل شام کی طرف سے عمرو بن العاصؓ ایسا امیر شام کا نفس ناظمہ مقرر کیا گیا۔ اور حب علیؑ نے چاہا کہ مالک اشتر یا عبداللہ بن عباسؓ یا کسی دوسرے ایسے ہی مخلص کو اپنی جانب سے مقرر کریں۔ تو وہی اپنی فوج والے پھر بگڑ گئے۔ آخر سب نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنی جانب سے مقرر کیا۔ (صلح نامہ میں یہ نمایاں طور لکھا گیا تھا کہ حکمین کتاب خدا کے مطابق فیصلہ کریں گے) اس کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ حکمین کو اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ یہ اقرار نامہ ۱۳ صفر ۳۷ھ کو پایہ تکمیل کو پہنچا۔ (بالآ خر عمرو بن العاصؓ کی مکارانہ کارروائیوں سے اس کا جو انجام ہوا۔ اور اس نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو



جس طرح بے وقوف بنایا یہ تاریخ اسلام کے مبتدی طالب علموں سے بھی حقائق پوشیدہ نہیں ہیں۔

ابوموسیٰ اشعری چیخ اٹھے۔ ارے یہ تو نے کیا کیا۔ تو نے غزاری کی۔ بے ایمانی کی۔ تو گھٹنے کی طرح ہے۔ عمرو عاص نے جواب دیا۔ تمہاری مثال گدھے کی سی ہے جس کی پشت پر کتابیں لاد دی گئی ہوں۔ غرض اس ہڑبونگ اور ان تہذیب و اخلاق کے مظاہروں کے ساتھ یہ اجتماع منتشر ہو گیا۔ اس مکارانہ فیصلہ کو کسی نے تسلیم نہ کیا۔ اور اختلاف جوں کا توں قائم رہ گیا۔ باوجود حضرت علیؓ کی اس دوراندیشی اور احتیاط کے پھر بھی مفسد آدمی فتنہ و فساد برپا کرنے سے باز نہ آئے۔ اقرار نامہ کے لکھتے ہی آپ کی فوج سے یہ آواز آئی۔ انسانوں کو حکم بنانا درست نہیں: ﴿لَا حَکَمَ إِلَّا لِلّٰہ﴾ یہ جماعت خوارج کا سنگ بنیاد تھا۔ انہوں نے حضرت سے معاویہ کے ساتھ جنگ کرنے پر اصرار کیا۔ حضرت نے فرمایا: معاہدہ ہو گیا ہے۔ اس کی مخالفت ممکن نہیں۔ بہر حال خوارج نے اپنی جماعت کو منظم کر کے مقابلہ کی تیاری کر دی۔ جس سے ۳۸ھ میں جنگ نہروان کی صورت پیش آئی۔ (اور بالآخر مخالف کی شکست پر ختم ہوئی)۔ نہروان کے بعد بھی فتنے بالکل ختم نہیں ہوئے۔ امیر شام نے اہل کوفہ کے افتراق سے فائدہ اٹھا کر اپنی قوت کو زیادہ منظم کر لیا۔ برابر اطراف مملکت میں اپنی فوجیں بھیج کر بد امنی کا سلسلہ قائم کئے ہوئے تھا جس میں خفیہ و اعلانیہ ہر قسم کے اقدامات شامل تھے۔

جناب امیر المومنینؓ کے بڑے معاون مالک اشتر کو زہر دلو کر خاتمہ کرا دیا۔ ان کے بعد محمد بن ابی بکر مصر کے گورنر بنا کر بھیجے گئے مگر عمرو بن عاص نے خطوط لکھ کر مصر کے بعض عمائد سے ساز باز کر کے اپنی فوج لے کر حملہ کر دیا۔ ادھر سے شام والوں کی فوج اور ادھر خود مصر والوں کا مسلح لشکر محمد بن ابوبکر چکی کے دو پاٹوں میں آ گئے۔ شکست کھائی اور خود انتہائی بے دردی کے ساتھ قتل کئے گئے بلکہ لاش کو بھی آگ میں جلا دیا گیا۔ اس کے بعد مصر پر معاویہ کا تسلط ہو گیا (اس طرح امیر شام نے مختلف علاقوں میں فوج کے دستے بھیج کر حضرت امیر المومنینؓ کے کئی آدمی قتل کر دیئے۔ افراتفری مچائی اور گوریلا جنگ کی شکل اختیار کر لی) اس سلسلہ کا سب سے زیادہ اندوہناک سانحہ بسر بن ارطاة کا تین ہزار کی فوج کے ساتھ حجاز پر حملہ تھا۔ جس نے مدینہ اور مکہ والوں سے بکھر بیعت لینے کے بعد یمن کا رخ کیا اور وہاں کئی آدمیوں کو قتل کیا۔ عبداللہ بن عباس کا مکان لوٹا اور ان کے دو کم سن بچوں کو ذبح کر دیا۔ پھر جب حضرت علیؓ نے مقابلہ کے لیے لشکر بھیجا تو معاہدہ اپنی فوج کے شام کی طرف فرار کر گیا۔



یہ بزدلی کا طریقہ حضرت علیؓ کے لیے نہایت تکلیف کا باعث تھا۔ مجبوراً پھر آپؐ نے تہیہ فرمالیا تھا کہ دشمن پر فوج کشی کر کے ہمیشہ کے لیے اس قصہ کو ختم کیا جائے جس کے لیے آپؐ نے ایک بڑے زور خطبہ پڑھ کر مسلمانوں کو آمادہ بھی کر لیا مگر اس کے بعد ایک ہفتہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ مسجد میں عین حالت نماز میں ۱۸ (شب ۱۹) ماہ رمضان کو آپؐ کے سر مبارک پر ابن ملجم مرادی نے زہر میں بھی ہوئی تلوار لگائی۔ جس کے اثر سے ۲۱ ماہ رمضان ۴۰ھ کو آپؐ نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ اس وقت حسینؑ بن علیؑ چھتیس برس کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اس طولانی دور میں حسینؑ نے اپنے والد بزرگوار علیؑ بن ابی طالبؑ سے کیا کچھ دیکھا؟ کیا کچھ سنا۔ اور کتنا اثر لیا؟ مسلم الثبوت شیعہ معتقدات سے قطع نظر کرنے کے بعد تمام تاریخی حالات اور ظاہری اسباب کے ماتحت یہ اہم تجربات اور گراں قدر تعلیمات جو ایک ربع صدی سے زیادہ تک حضرت امام حسینؑ کو حاصل ہوتے رہے۔ ایک انسان کے بلندی اخلاق و صفات اور پختہ کاری کے قطعی ضامن اور ذمہ دار ہیں۔

انتقال فرمانے سے پہلے حضرت علیؓ نے ایک تحریری وصیت نامہ امام حسنؑ کے نام لکھا اور اس پر امام حسینؑ و محمد بن حنفیہ اور اپنی دیگر اولاد اعزا اور مخصوص اصحاب کی گواہیاں لکھوائیں اور وصیت نامہ حسن مجتبیٰ کو سپرد کرتے وقت فرمایا کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت تم اسے حسینؑ کے سپرد کر دینا۔ اس کے علاوہ ایک وصیت آپؐ نے حسنؑ اور حسینؑ دونوں بھائیوں کو مشترکہ طور پر فرمائی۔ وہ یہ تھی۔ میں تم کو فرض شناسی کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ تم کو کبھی دنیا کے طلبگار نہ ہونا چاہئے۔ وہ دنیا خود تمہاری طلب گار اور کسی دنیاوی نقصان پر کبھی رنجیدہ نہ ہونا۔ اور ہمیشہ حق کے لیے زبان کھولنا۔ اور ثواب کے لیے کام کرنا۔ اور ظالم کے بد مقابل اور مظلوم کے مددگار رہنا۔ میں تم کو تمام اپنی اولاد اور اعزہ اور ان لوگوں کو جن تک میرا پیغام پہنچے وصیت کرتا ہوں کہ ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہنا۔ اور اپنے شیرازہ کو منتشر نہ ہونے دینا۔ اور اپنے درمیانی جھگڑوں کو صلح و آشتی کے ساتھ طے کرتے رہنا۔ اور دیکھو قیموں کا خیال رکھنا۔ ان کی برابر خبر گیری کرتے رہنا۔ اور پڑوسیوں کا خیال رکھنا۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں وصیت کی تھی اور دیکھو قرآن کا خیال رکھنا۔ تم سے بڑھ کر کوئی قرآن پر عمل کرنے والا نہ ہو۔ اور نماز کا خیال رکھنا۔ یہ تمہارے دین کا ستون ہے۔ اور اللہ کے گھر (خانہ کعبہ) کا خیال رکھنا۔ زندگی بھر اس کو کبھی اکیلا نہ چھوڑنا اور دیکھو خدا کی راہ میں اپنے جان و مال اور زبان سے جہاد کرتے رہنا۔ اور آپس میں صلہ رحمی رکھنا۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ فیاضی کے ساتھ پیش آنا۔ اور دیکھو کبھی خلق خدا کو نیک اعمال کی ترغیب دینے اور بد اعمالیوں سے روکنے سے



باز نہ آنا۔ تاکہ تم پر بُرے لوگوں کا اقتدار قائم نہ ہو جائے۔ اور دیکھو میرے بعد ایسا نہ ہونے پائے کہ بنی ہاشم مسلمانوں میں میرے خون کے بہانے سے خونریزی شروع کر دیں۔ دیکھو زیادہ سے زیادہ میرے خون کے قصاص کے طور پر بس میرے قاتل کو قتل کیا جاسکتا ہے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ اس کو ایک ضربت کی پاداش میں ایک ضربت ہی لگائی جائے اور اس کو ہرگز مسئلہ نہ کیا جائے۔ یعنی اعضاء و جوارح قطع نہ کئے جائیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ فرما گئے ہیں کہ خبردار کسی کو مسئلہ نہ کرو چاہے وہ کاٹنے والا لگتا کیوں نہ ہو۔<sup>۱</sup>

عام دنیا سے جانے والے باپ اس وقت اپنی ملولاد سے وصیت اپنے گھر کے نجی معاملات کے متعلق کرتے ہیں مگر آل محمدؑ تو دین و شریعت، کتاب اور سنت کو اپنے ذاتیات میں داخل سمجھتے تھے۔ انہوں نے اس وقت پر جو وصیتیں کی ہیں۔ وہ سراسر مفاد عامہ، مفاد شریعت اور احکام الہی سے متعلق تھیں۔ یوں تو یہ فرزند وہ تھے جو خود صحیح اور مناسب ہی کام کرتے مگر حضرت علی بن ابی طالبؓ کو بظاہر اسباب ایک مری باپ کی طرح اپنا فرض انجام دینا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ ان وصیتوں کی ہر ہر لفظ و فاشعار بیٹوں کے دل پر نقش ہو جائے۔ یہ الفاظ ان کے کانوں میں ہمیشہ گونجتے رہیں کہ فرض شناسی کو اپنا اصول رکھنا۔ دنیاوی جاہ و اقتدار کے کبھی طالب نہ ہونا۔ دنیاوی نقصان کی کبھی پروا نہ کرنا۔ زبان پر حق کو جاری رکھنا، ظالم کے مد مقابل اور مظلوم کے مددگار رہنا۔ چنانچہ ان تعلیمات کو دونوں فرزندوں نے اپنے عمل سے مجسم شکل میں پیش کیا۔ اور اس میں ہم آہنگی کو بھی ہر صورت میں برقرار رکھا۔ یہ الفاظ ”خدا کی راہ میں اپنے جان و مال اور زبان سے جہاد کرتے رہنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو کبھی ترک نہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ تم پر بُرے لوگوں کا اقتدار قائم ہو جائے۔“ خصوصیت کے ساتھ ان کو عملی جامہ پہنانے کا جس طرح حسین علیہ السلام کو موقع ملا وہ دنیا کی تاریخ میں یادگار رہے۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے متفقہ طور پر آپ کے بڑے فرزند امام حسنؓ کی خلافت تسلیم کی۔ ابھی ملک حضرت علیؓ کے غم میں سوگوار ہی تھا۔ اور حضرت امام حسن علیہ السلام پورے طور پر انتظامات بھی نہ کر چکے تھے کہ معاویہ کی طرف سے آپ کی مملکت میں دراندازی شروع ہو گئی اور ان کے خفیہ کارکن ریشہ دو انیاں کرنے لگے۔ اپنے جاسوس یہاں پھیلا دیئے۔ (بعض کوفہ و بصرہ سے پکڑے بھی گئے)۔ (ارشاد، ص ۱۹۹، ۲۰۰) اس واقعہ کے بعد امام حسنؓ نے معاویہ کو ایک خط لکھا (جس میں اس کی ان شرارتوں پر زبرد توخ تھی)۔۔۔۔۔ اس خط کے بعد معاویہ اور امام حسنؓ کے درمیان بہت سے خطوط کی رد و بدل ہوئی۔ بہر حال ان

۱۔ نیج البلاغ، ج ۲، ص ۷۸، ۷۹۔ طبری اور ابوالفرج اصفہانی نے ان میں سے اکثر فقرات کو امام حسن علیہ السلام کے نام تحریری وصیت نامہ میں درج کیا (مقاتل الطالبین، ص ۲۵، ۲۷)۔

طبری، ج ۶، ص ۸۶۔ نیج البلاغ، ج ۲، ص ۸۰۔



واقعات سے یہ امر بالکل ظاہر ہو گیا کہ امیر شام معاویہ کو جناب امیر سے کوئی وقتی عداوت نہ تھی ورنہ وہ ان کی شہادت کے ساتھ ختم ہو جاتی بلکہ یہ آل رسول سے ایک مستقل دشمنی ہے جس کے نتائج آئندہ دیکھے کیا ہوں۔۔۔۔۔ بہر حال امام حسن دشمن کے مقابلہ کے لیے تیار تھے۔۔۔۔۔ بے شک آپ کو اور اس کے ساتھ حسین کو اپنے ملک کی فضا کی طرف سے بے اطمینانی ضرور تھی اس لیے کہ خوارج کے فتنہ کے بعد سے خود اہل کوفہ میں پھوٹ پڑ چکی تھی اور بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو بظاہر حضرت علی کی فوج میں شامل تھے مگر قرابت، دوستی یا کسی وجہ سے خوارج کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے۔ حضرت امیر کو خود ان لوگوں کی شورش پسندی، اختلاف رائے، اور نظم کی کمی سے اتنی تکلیف اور پریشانی تھی کہ آپ موت کے آرزو مند تھے۔ تمام کتب تواریخ اور بالخصوص نہج البلاغہ میں ایسے خطبے آپ کے درج ہیں جو آپ کی کبیدہ خاطر کی بلکہ روحانی تکلیف کے مظہر ہیں۔ آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے میرا دل پیپ سے بھر دیا۔ اور میرے سینہ کو غم و غصہ سے پُر کر دیا۔ کبھی فرمایا کہ کاش معاویہ میرے ساتھ اپنی جماعت کا تمہاری جماعت سے تبادلہ کر لیتا۔ اس طرح جس طرح سونے کے سکے کا تبادلہ چاندی کے سکے سے ہوتا ہے یعنی تم میں سے دس (۱۰) لے لیتا اور اپنوں میں کا ایک مجھے دے دیتا۔۔۔۔۔ یہی وہ جماعت تھی کہ جس سے امام حسن کو سابقہ پڑا تھا۔۔۔۔۔ یقیناً امیر شام کو بھی اپنے جاسوسوں کے ذریعہ یہاں کے حالات کا علم ہو گیا ہوگا۔۔۔۔۔ اس لیے انہیں ہمت ہوئی کہ وہ یکا یک عراق پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ وہ اپنی فوجوں کو لے کر جرمنج تک پہنچ گئے۔ امام حسن نے بھی مدافعت کے انتظامات شروع کئے۔ حجر بن عدی کو بھیجا کہ وہ دورہ کر کے تمام مقامات کے عاطلوں کو صورت حال کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کریں اور لوگوں کو جہاد کے لیے تیار کریں۔ مگر اندازہ کے بالکل مطابق یہ افسوس ناک صورت سامنے آ گئی کہ لوگوں نے حجر بن عدی کا گرجوئی سے استقبال نہیں کیا۔ عام طور پر جمود اور سرد مہری سے کام لیا گیا۔ کچھ تھوڑی سی جمعیت مقابلہ کے لیے تیار ہوئی بھی تو اس میں کچھ حصہ خوارج کا تھا۔۔۔۔۔ تھوڑے لوگ وہ ہوں گے جو واقعی حضرت علی اور امام حسن کے شیعہ سمجھے جاسکتے ہیں۔ (اس کے بعد جو حالات رونما ہوئے وہ بڑے تکلیف دہ ہیں، کئی جرنیلوں کو معاویہ نے لطائف الخیل سے اپنے ساتھ ملا لیا۔ فوج میں ابتری پھیل گئی۔ ہمتیں پست ہو گئیں۔ تفصیل کے لیے تاریخ طبری و کامل وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے۔ بنظر اختصار ہم اس حصہ کو قلمزد کرتے ہیں۔) حد ہو گئی کہ ان حالات کے پیش نظر امام کی صلح جو یا نہ گفتگو کرنے والے (ارشاد ص ۱۹۴) اور روایت ابن جریر قیس بن سعد (جرنیل کی) خبر مرگ مشہور ہونے (طبری، ج ۶، ص ۹۲) سے مجمع میں بد نظمی پیدا



ہوگی، فدریج گیا۔ وہ خیمہ جس میں امام حسنؑ کا قیام تھا لوٹ لیا گیا یہاں تک کہ جس بچھونے پر آپؑ تھے اسے آپؑ کے نیچے سے کھینچ لیا گیا۔

یہ سب کچھ دیر کعب کے نزدیک ساہاٹ میں ہوا۔ اس کے بعد آپؑ مدائن کی طرف روانہ ہو گئے مگر وہاں پہنچنے پر جراح بن قہصہ اسدی نے جوانی خوارج میں تھا۔ کمین گاہ میں چھپ کر خنجر سے حملہ کر دیا جس سے آپؑ زخمی ہو گئے۔ عرصہ تک مدائن میں علاج کے بعد آپؑ تندرست ہوئے اور پھر معاویہ سے مقابلہ کی تیاری کی۔ معاویہ نے آپؑ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپؑ جن شرائط پر چاہیں صلح پر تیار ہوں۔ اور اس کے ساتھ آپؑ کی فوج کے ان سرداروں کے خطوط بھی روانہ کر دیئے جنہوں نے خفیہ طریقہ سے معاویہ سے ساز باز کرنا چاہی تھی۔ اور دعوت دی کہ آپؑ آئیے تو ہم حسنؑ کو گرفتار کر کے آپؑ کے سپرد کر دیں گے۔ یا ان کو قتل کر ڈالیں گے۔ امام حسنؑ پہلے ہی اپنے ساتھیوں کی فزاری سے واقف تھے اور اس لیے جنگ کو مناسب وقت خیال نہیں کرتے تھے لیکن یہ ضرور چاہتے تھے کہ کوئی صورت ایسی پیدا ہو کہ باطل کی حمایت کا دھبہ بھی میرے دامن پر نہ آنے پائے۔

اب معاویہ نے جو آپؑ سے منہ مانگے شرائط پر صلح کرنے کی آمادگی ظاہر کی۔ تو آپؑ نے اپنے نانائے اور باپؑ کی دیکھی ہوئی سیرت کے مطابق مصالحت کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو ناکام واپس نہیں کیا۔ آپؑ نے صلح کے شرائط مرتب کر کے معاویہ کے پاس روانہ کئے۔ وہ تمام شرائط جن سے قانونی طور پر آئین و شریعت کا تحفظ ہو جاتا ہے چنانچہ صلح کی دستاویز مکمل ہوئی اور جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔

اس صلح نامہ کی مکمل شرائط جو علامہ ابن حجر مکی نے درج کئے ہیں، حسب ذیل ہیں:

- (۱) یہ کہ معاویہ حکومت اسلام میں کتاب خدا اور سنت رسولؐ اور صحیح راستے پر چلنے والے خلفاء راشدین کے طریقہ پر عمل کریں گے۔
- (۲) یہ کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی خلیفہ کے نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔
- (۳) یہ کہ شام و عراق و حجاز و یمن سب جگہ کے لوگوں کے لیے امان ہوگی۔
- (۴) یہ کہ حضرت علیؑ کے اصحاب اور شیعہ جہاں بھی رہیں ان کے جان اور ناموس و اولاد محفوظ رہیں گے۔
- (۵) یہ کہ معاویہ حسنؑ بن علیؑ اور ان کے بھائی حسینؑ اور کسی کو بھی خاندان رسولؐ میں کوئی نقصان پہنچانے یا ان کی جان لینے کی کوشش نہ کریں گے۔ نہ خفیہ طریقہ پر اور نہ علانیہ۔ اور ان میں سے کسی کو کسی جگہ دھمکا یا، ڈرایا اور دہشت











کے لیے امیر شام نے کیا کیا پاؤں بیلے۔ عراق و حجاز والے لوگوں پر کیا ستم ڈھائے گئے۔ شیعان علیؑ کو کیوں کر پٹن پٹن کرتے تیغ کیا گیا۔ حضرت امیرؑ پر کیوں کر سب و شتم کیا جاتا رہا۔ اور امام حسن و امام حسینؑ کو کیسے کیسے غم و غصہ کے گھونٹ پلائے گئے۔ ان دردناک واقعات سے صفحات تاریخ لبریز ہیں۔ لیکن ہم خوف طوالت سے یہاں ان کا تذکرہ نہیں کر سکتے۔ شائقین تفصیل کتب تاریخ کی طرف رجوع کریں مگر ان تمام واقعات کے باوجود حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام نے کبھی دامن صبر و ضبط کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

مگر اس انتہائی صبر و تحمل کے بعد بھی امام حسنؑ کی زندگی محفوظ نہ رہ سکی۔ سلطنت وقت کو جب کوئی بہانہ ان کے خلاف کھلے ہوئے جوہر و ستم کا نہ ملا تو پھر وہ خاموش حربہ استعمال کیا گیا جو سلطنت بنی امیہ میں بڑی مہموں کے سر کرنے میں صرف کیا جاتا رہا تھا۔ امیر شام معاویہ نے اشعث بن قیس کی بیٹی جعدہ کے ساتھ جو حضرت امام حسنؑ کی زوجیت میں تھی۔ ساز باز کر کے اس کو ایک لاکھ درہم بھجوائے اور یزید کے ساتھ شادی ہو جانے کا وعدہ کیا اور اس کے ذریعہ سے حضرت کو زہر دلوادیا جس سے آپؑ کے کلیجے کے ٹکڑے ہو گئے۔ جب آپؑ کی حالت دگرگوں ہوئی تو آپؑ نے اپنے مختلف البطن بھائی محمد بن الحنفیہ کو بلا کر فرمایا کہ دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بعد حسینؑ سے اختلاف کرو۔ حسینؑ میرے بعد امام ہیں اور ان کی اطاعت لازم ہے۔ محمد نے نہایت خلوص کے ساتھ اقرار و وفاداری کیا اور امام حسینؑ کی اطاعت کا وعدہ کیا۔ پھر حضرت امام حسینؑ کو بلایا اور وصیت کی مجھے غسل و کفن کے بعد میرے جد بزرگوار رسول خدا ﷺ کے روضہ پر لے جانا تاکہ ایک مرتبہ زیارت، رسول کا شرف اور حاصل ہو جائے۔ اور مجھے یقین ہے کہ لوگ یہ خیال کرتے ہوئے کہ مجھے وہاں دفن کیا جائے گا مزاحمت کریں گے تو خبردار اس بارے میں ایک قطرہ خون بھی نہ گرنے پائے۔ تم مجھ کو میری دادی فاطمہ بنت اسد کی قبر کے پاس جنت البقیع میں دفن کر دینا۔

۲۸ صفر ۵۵ھ کو وہ امن و صلح و سلامتی کا شہنشاہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ امام حسینؑ نے وصیت کے مطابق اپنے بھائی کو غسل کے بعد تابوت میں لٹا کر روضہ رسولؐ کی طرف لے چلے۔ بنی امیہ کو یقین ہوا کہ آپؑ کو وہاں دفن کریں گے۔ سب کے سب مروان کے ساتھ ہتھیار باندھ کر نکل آئے۔ اور بیچ میں سد راہ ہوئے۔ اس وقت بنی ہاشم کو بہت اشتعال تھا مگر حسینؑ اپنے بھائی امام حسنؑ کی وصیت اور فرض کے احساس سے مجبور تھے۔ آپؑ فرما رہے تھے:

۱۔ ارشاد، ص ۱۹۷۔

۲۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۱۸۶۔

۳۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۱۸۵ و ۱۸۷۔

۴۔ ارشاد، ص ۱۹۸۔



خدا کی قسم اگر بھائی کی وصیت اور ان کے اصول کا پاس نہ ہوتا تو تم دیکھتے کہ کیسی اس وقت تلوار چلتی ہے۔<sup>۱</sup>  
 بہر حال حضرت امام حسن علیہ السلام کے جنازہ کو روضہ رسولؐ سے واپس لے گئے اور جنت البقیع میں دفن کر دیا۔  
 پھر یہ خبریں بھی معلوم ہوئیں کہ امیر شام نے امام حسن علیہ السلام کی وفات پر اظہار مسرت کیا اور طعن و تشنیع کے کلمات  
 کہے۔ اتفاق سے اس وقت ابن عباس دمشق میں تھے۔ انہوں نے یہ الفاظ سنے تو کہا کہ خوش نہ ہو تم بھی حسنؑ کے بعد  
 عرصہ تک زندہ نہ رہو گے۔<sup>۲</sup> (خلاصہ ختم ہوا)۔

SIBTAIN.COM



## حضرت امام حسین علیہ السلام کی زندگی کا تیسرا دور

### شہادتِ امام حسنؑ سے ۶۰ھ تک

افسوس ہے کہ اس دس سال کی مدت میں بھی کوئی ایسا قابل ذکر واقعہ نظر نہیں آتا جسے نمایاں طور پر پیش کیا جاسکے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرت امام حسنؑ معاویہ کے ساتھ جو معاہدہ فرما چکے تھے اس کی رو سے جناب امام حسینؑ بھی کوئی عملی کارروائی نہ فرما سکتے تھے اور حضرت امام حسینؑ کے اس طرز عمل نے ان لوگوں کے خیال کو بھی بالکل باطل کر دیا جو یہ کہا کرتے تھے کہ امام حسینؑ اس معاہدہ صلح سے راضی نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر ان لوگوں کا یہ خیال حقیقت پر مبنی ہوتا اور واقعاً امام حسینؑ اپنے بھائی کے طرز عمل سے متفق نہ ہوتے تو اب ان کی شہادت کے بعد تو آپؑ پر کوئی ظاہری دباؤ نہ تھا۔ آپ اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے میں آزاد تھے۔ مگر آپ نے معاویہ کی حین حیات تک سختی کے ساتھ اس معاہدہ حسنؑ کی پوری پابندی کی حالانکہ شہادتِ امام حسنؑ کے بعد شیعیان کوفہ میں ہجانی کیفیت بھی پیدا ہوئی اور انہوں نے امام حسینؑ کو یقین دلایا کہ وہ معاویہ کی بیعت تو ذکر آپؑ کی بیعت کرنے پر آمادہ ہیں مگر امام حسینؑ نے ان کو یہی جواب دیا کہ معاویہ سے معاہدہ ہو چکا ہے جب تک معاویہ زندہ ہے ہم اس معاہدہ کو توڑ نہیں سکتے۔

یہ درست ہے کہ آپؑ جب امیر شام کی مسلسل شرائط معاہدہ کی خلاف ورزیاں اور اس کی چیرا دستیائیں دیکھتے۔ تو آپؑ کو روحانی صدمہ ہوتا مگر پھر بھی آپؑ صبر و ضبط سے کام لیتے۔ آنجنابؑ نے امیر شام کے تمام مظالم و مصائب کا آئینہ ایک تاریخی مکتوب گرامی کی شکل میں اس کے سامنے پیش کیا جبکہ امیر شام نے عمر بن عثمان کے شکایتی خط سے متاثر ہو کر حضرت امام حسینؑ کو ایک تہدید آمیز خط لکھا اور اپنی ثروت و سطوت سے شہزادہ کوئین کو مرعوب کرنا چاہا۔ آنجنابؑ نے اس کے جواب میں جو دندان شکن تاریخی خط ارسال کیا۔ وہ درج ذیل ہے، فرماتے ہیں:

﴿اَما بعد فقد بلغنی کتابک تذکر فیہ الہ قد انتہت الیک عنی امور، انت لی عنہا راغب، و انا بغيرها عندک جدیر و ان الحسنات لا یهدی لہا، ولا یسدد الیہا الا اللہ تعالیٰ: و اما ما ذکرک



انه رقي اليك عنى، فانه رقاها اليك الملاقون المشاؤون بالنميمة المفرقون بين الجمع، و كذب  
 الغاؤون، ما اردت لك حربا، ولا عليك خلافا، و انى لا خشى الله فى ترك ذلك منك ومن  
 الا عذار فيه اليك، و الى اوليائك القاسطين الملحدين، حزب الظلمة و اولياء الشياطين الست  
 القاتل حجر بن عدى اخا كندة و اصحابه المصلين العابدين، كانوا ينكرون الظلم و يستفظعون  
 البدع و يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر ولا يخافون فى الله لومة لائم ثم قتلهم ظلما و  
 عدوانا. من بعد ما اعطيتهم الايمان المغلظة و المواثيق المؤكدة جراءة على الله و استخفافا  
 بعهد، او لست قاتل عمرو بن الحمق صاحب رسول الله ﷺ العبد الصالح الذى ابلته العبادة  
 فنحل جسمه و اصفر لونه فقتلته بعد ما امنته و اعطيته من العهود ما لو فهمه العصم لنزلت من  
 رؤوس الجبال او لست بمدعى زياد بن سمية المولود على فراش عبيد ثقيف فرعمت انه ابن  
 ابيك، وقد قال رسول الله ﷺ الولد للفراش و للعاهر الحجر، فتركت سنة رسول الله ﷺ  
 تعصدا و تبعت هواك بغير هدى من الله ثم سلطته على اهل الاسلام، يقتلهم و يقطع ايديهم و  
 ارجلهم و يسمل اعينهم و يصلبهم جذوع النخل كانك لست من هذه الامة و ليسوا منك او  
 لست قاتل الحضرميين الذين كتب اليك فيهم زياد انهم على دين علي فكتبت اليه ان اقتل كل  
 من كان على دين علي فقتلهم و مثل بهم بامرک و دين علي هو دين ابن عمه الذى اجلسك  
 مجلسك الذى انت فيه ولو لا ذالك لكان شرفك و شرف ابائك تجشم الرحلتين رحلة  
 الشتاء و الصيف، و قلت فيما قلت، انظر لنفسك و لديك و لامة محمد افضل من ان  
 اجاهدك فان فعلت فانه قرابة الى الله و ان تركته فانى استغفر الله لدينى و اسئله توفيقه لارشاد  
 امرى و قلت فيما قلت انى ان انكرتك تنكرنى و ان اكدك تكدننى فكدننى ما بذالك، فانى  
 ارجو ان لا يضرنى كيدك و ان لا يكون على احد اضر منه على نفسك لانك قد ركبت  
 جهلك و تحرست على نقض عهديك، و لعمري ما وفيت بشرط و لقد نقضت عهديك بقتل  
 هؤلاء النفر الذين قتلتهم بعد الصلح و الايمان و العهود و المواثيق فقتلتهم من غير ان يكونوا  
 قاتلوا و قتلوا ولم تفعل بهم الا لذكرهم فضلنا و تعظيمهم حقنا فقتلتهم مخافة امر لعلك لو لم  
 تقتلهم مت قبل ان يفعلوا او ما تواقبل ان يدرکوا، فابشر يا معاوية بالقصاص و استيقن بالحساب،  
 و اعلم ان لله كتابا لا يغادر صغيرة ولا كبيرة الا احصاها، و ليس الله بناس لاخذك بالظنة و



فقلک اولیائہ علی التہم و نفیک اولیائہ من دورہم الی دار الغربۃ و اخلک للناس بیعة ابنک  
غلام حدث یشرّب الشراب، یلعب بالکلاب، ما اراک الا قد خسرت نفسک و تبرئت دینک  
و غششت رعیتک و احربت امانتک و سمعت مقالة السفیہ الجاہل و اخفت الورع التقی و  
السلام ﴿

مجھے تمہارا خط ملا جس میں تم نے لکھا ہے کہ میرے متعلق تمہیں کچھ خبریں پہنچی ہیں جنہیں تم میرے لیے  
نا پسند کرتے ہو اور اگر یہ باتیں مجھ سے ظہور میں نہ آتیں تو تمہارے نزدیک زیادہ بہتر تھا۔ حالانکہ حقیقت امر یہ ہے  
کہ نیکیوں کی ہدایت کرنے والا اور اپنی توفیق شامل حال کرنے والا صرف خداوند عالم ہے اور تم نے یہ جو لکھا ہے کہ تم  
تک میرے متعلق یہ باتیں پہنچی ہیں تو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ باتیں تم تک چغل خور، پھوٹ ڈالنے والے، جھوٹے،  
گمراہ لوگوں ہی نے پہنچائی ہیں۔ میرا تم سے جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور نہ تم سے مخالفت کرنے کا (ابھی تک) قصد  
کیا ہے۔ اگرچہ ایسا نہ کرنے کی وجہ سے میں خدا سے ڈرتا ہوں (کہ وہ مجھ سے جواب طلب نہ کرے) کہ میں نے  
تمہارے مقابلے میں اور تمہارے ان ستمگارا اور لامذہب ساتھیوں کے مقابلہ میں جو ظالموں کا جھٹکا اور شیطانوں کے  
غیر وہیں پوری پوری امکانی کوشش کیوں نہ کر لی کیا تم حضرت حجر بن عدیؓ کے جو قبیلہ کندہ سے تھے اور ان کے عبادت  
گزار نمازی اصحاب کے قاتل نہیں ہو جو ظلم سے انکادی اور بدعتوں کے مخالف تھے۔ امر بالمعروف کرتے تھے اور بری  
باتوں سے روکتے تھے اور خدا کے بارے میں کسی ملامت کرائے والے کی ملامت سے ڈرتے تھے۔ پھر تم نے انہیں  
سخت قسم کے عہد و پیمان کرائے اور ٹھوس وعدے کرنے کے باوجود خدا پر جرات کر کے اور اس کے عہد کو خفیہ سمجھ کر  
محض ازراہ ظلم و جور شہید کر ڈالا۔ کیا تم حضرت عمرو بن حمقؓ کے قاتل نہیں ہو جو رسولؐ کے صحابی اور نیکو کار اللہ کے  
بندے تھے۔ جنہیں عبادت نے اتنا لاغر کر دیا تھا کہ ان کا جسم کا ہیدہ اور ان کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ تم نے انہیں امان  
دینے کے بعد ایسے سخت و شدید وعدے کئے کہ اگر ایسے وعدے بڑکوبنی کے ساتھ کئے جائیں تو وہ بھی پہاڑ چٹور نہ کر نیچے  
اتر آئے۔ قتل کیا۔ کیا تم نے زیاد بن سمیہؓ کو جو ثقیف کے غلام کے گھریلو ایوانہ بھائی نہیں بنایا؟ اور یہ دعویٰ نہیں کیا؟  
کہ وہ تمہارے باپ کا بیٹا ہے حالانکہ پیغمبر ﷺ فرما چکے تھے کہ لڑکا شہر کے لیے ہے اور نہ ناکار کے لیے سنگ ساری  
ہے۔ تم نے عہد شریعت پیغمبرؐ سے گواہ کیا اور اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس میں خدا کی طرف سے تم بالکل ہدایت  
پر نہیں تھے۔ پھر (اسی پر تم نے پس نہ کی بلکہ) اس زیاد کو تم نے مسلمانوں پر مسلط کر دیا کہ وہ انہیں قتل کر کے ان کے  
ہاتھ پیر کاٹ لے۔ ان کی آنکھوں میں سلاخیاں پھروائے۔ اور درخت خرما پر پھانسی پڑھا دے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم  
اس امت سے جو نبی نہیں اور نہ ہی خیامت اسلام تم سے کوئی سروکار رکھتی ہے۔ کیا تم نے حضرت جابرؓ کو قتل نہیں کیا



جس کے متعلق زیادہ نے تمہیں لکھا تھا کہ وہ علیؑ کے دین پر ہیں۔ تو تم نے زیادہ کو لکھا کہ جو بھی علیؑ کے دین پر ہوا سے قتل کر ڈالو۔ تمہارے حکم کی بنا پر اس نے سب کو قتل کر ڈالا اور تمہارے حکم کی وجہ سے اس نے ان کا مثلہ کیا (ہاتھ پیر کاٹے) حالانکہ علیؑ کا دین بعینہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا دین ہے وہ محمد مصطفیٰ ﷺ جن کی وجہ سے تم آج اس جگہ پر بیٹھے ہو۔ اگر وہ نہ ہوتے تو تمہاری اور تمہارے آباء و اجداد کی عزت بس پھیریاں لگاتا ہوتا جاڑے کی پھیری اور گرمی کی پھیری اور تم نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ذرا اپنے اور اپنی مذہبی ذمہ داریوں کے متعلق خوب غور کر لیں اور میں نے خوب غور کیا تو اپنے لیے اور اپنے مذہبی مفاد اور امت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے اس سے بہتر کچھ نظر نہیں آتا کہ جہاں تک ہو سکے میں تمہارا مقابلہ کروں۔ اب اگر میں نے ایسا کیا تو میرے لیے رضائے الہی کا ذریعہ ہوگا۔ اور اگر اسے ترک کیا تو پھر خدا سے مجھے اپنی مذہبی فرض کی بنا پر طالب مغفرت ہونا پڑے گا اور اسی سے میری درخواست ہے کہ وہ مجھے صحیح طریقہ کار کے اختیار کرنے کی توفیق عطا کرے اور تم نے اپنے سلسلہ کلام میں مجھے دھمکایا ہے کہ اگر میں تم سے مخالفت کروں گا تو تم بھی مجھ سے مخالف ہو جاؤ گے اور میں تمہارے مقابلہ میں تدبیر کروں گا۔ تو تم بھی تدبیر کرو گے۔ اچھا تو تم جو چاہو میرے خلاف تدبیر کر لو۔ مجھے امید ہے کہ تمہاری تدبیروں سے مجھے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ اور سب سے زیادہ ان کا نقصان خود تم ہی کو ہوگا اس لیے کہ تم جہالت کی سواری پر سوار ہو اپنے عہد کے توڑنے کی فکر میں ہو اور مجھے اپنی زندگی کی قسم ہے کہ تم نے ایک شرط بھی پوری نہیں کی ہے اور تم اپنا عہد توڑ چکے ہو۔ ان لوگوں کو قتل کر کے جو تمہارے ساتھ مصالحت کر چکے تھے اور جن کے لیے امان دیئے جانے کی قسمیں اور عہد و پیمان ہو چکے تھے تم نے انہیں قتل کر ڈالا بغیر اس کے کہ وہ جنگ کرتے اور کسی کو قتل کرتے۔ اور تم نے یہ سلوک ان سے صرف اس جرم میں کیا کہ وہ ہمارے فضائل بیان کرتے تھے اور ہمارے حقوق کا احترام کرتے تھے۔ تو تم نے انہیں قتل کر ڈالا۔ صرف ایسے خطروں کے توہمات کے بنا پر جو اگر تم انہیں قتل نہ کرتے تو شاید تمہاری زندگی میں وہ خطرات درپیش نہ آتے یا ممکن ہے کہ اس قسم کے اقدامات سے پہلے وہ ہی مر جاتے۔ اب تمہیں مبارک ہو کہ ان کا قصاص تم سے ضرور لیا جائے گا اور تمہیں آخرت میں باز پرس کا یقین رکھنا چاہئے اور معلوم ہونا چاہئے کہ خداوند عالم کی طرف سے ہر شخص کا ایک اعمال نامہ مرتب ہوتا رہتا ہے جس میں کوئی چھوٹا بڑا کام ایسا نہیں ہوتا جو درج نہ ہو۔ اور خدا فراموش نہیں کرے گا تمہارے ان افعال کو کہ تم نے لوگوں کو صرف بدگمانیوں کی بنا پر گرفتار کیا اور دوستانہ خدا کو بے بنیاد الزامات پر قتل کیا اور انہیں ان کے گھروں سے جلا وطن کر کے پردیس میں پہنچایا اور لوگوں کو اپنے اس گمراہ لڑکے کی بیعت پر مجبور کیا جو شراب خور اور کتوں سے کھیلنے والا ہے۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تم نے اپنے کو بڑے خسارے میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اور اپنے دین کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اور اپنی رعایا سے کھوٹ کی ہے۔ اور اپنے امانت داروں کو رسوا کر دیا ہے اور جاہل



اجتہاد کی باتوں پر عمل کیا ہے اور متقی و پرہیزگار افراد کو خوف و دہشت میں مبتلا کیا ہے۔

جہاں معاویہ نے تمام دوسری شرائط صلح کی خلاف ورزی کی وہاں اس دوسری شرط کہ ”معاویہ کو اپنے بعد کسی خلیفہ کے نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا“ کی بھی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے نااہل بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنانے اور اس کے لیے فضا کو ہموار کرنے میں اپنا کوئی امکانی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ یزید کو ولی عہد بنانے کی تمنا تو امیر شام کے دل میں مدت سے چٹکیاں لے رہی تھی مگر وہ بدوجہ کھل کر اس آرزو کا اظہار کرنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ ایک تو صلح نامہ میں یہ شرط موجود تھی کہ وہ کسی کو اپنا ولی عہد مقرر نہیں کرے گا۔ دوسرے یزید کے کردار اور بڑے اطوار کی وجہ سے خائف تھا کہ شاید مسلمان اس کی بیعت پر تیار نہ ہوں گے۔ (اور اصل وجہ وجہ یہ بھی یہی تھی) لیکن زمین کو ہموار کرنے کی فکر و تدبیر برابر شروع تھی آخر مغیرہ بن شعبہ نے جو بہت ہی چالاک آدمی تھا اس ظلم سکوت کو توڑا اور امیر شام کو کھلم کھلا اس امر کے اعلان کرنے پر آمادہ کیا جیسا کہ روضۃ الصفاؒ وغیرہ تواریخ سے مستفاد ہوتا ہے۔ اس قصہ کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ مغیرہ معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا لیکن کسی وجہ سے معاویہ نے اسے معزول کر کے اس کی جگہ سعید بن العاص کو گورنر مقرر کرنے کا ارادہ کیا۔ مغیرہ نے اپنی گورنری کے تحفظ کی خاطر یہ تدبیر سوچی کہ اس نے دمشق میں جا کر یزید سے ملاقات کی اور اسے یہ پٹی پڑھائی کہ وہ اپنے والد سے یہ تقاضا کرے کہ وہ اس کی ولی عہدی کا اعلان کریں۔ چنانچہ یزید نے اپنے باپ سے جا کر یہ استدعا کی جب معاویہ کو معلوم ہوا کہ یہ سب مغیرہ کی کارستانی ہے تو اس نے مغیرہ کو خلوت میں بلا کر پوچھا کہ یزید کیا کہہ رہا ہے؟ مغیرہ نے کہا: وہ درست کہتا ہے بہتر یہی ہے کہ آپ کسی کو اپنی زندگی میں ولیعہد مقرر کر جائیں تاکہ بعد میں خون خرابہ نہ ہو۔ معاویہ نے کہا: یہ کام بہت مشکل ہے کیونکہ اس کی تکمیل ہوگی؟ مغیرہ نے کہا: شہر دو ہی مہم ہیں۔ ایک کوفہ اور دوسرا بصرہ۔ کوفہ میں میں موجود ہوں۔ میں حالات کو سازگار کر لوں گا اور بصرہ میں زیادہ موجود ہے وہاں کے حالات کو وہ درست کر لے گا۔ معاویہ نے اس گفتگو سے خوش ہو کر مغیرہ کو کوفہ کی گورنری پر بحال رکھا چنانچہ مغیرہ نے کوفہ پہنچ کر سلسلہ جنابانی شروع کر دی اور بنی امیہ کے ہوا خواہوں سے مل ملا کر ایک وفد کی تشکیل کی جس پر اس نے بیت المال سے تین ہزار درہم بطور رشوت صرف کئے یعنی اپنے بیٹے موسیٰ کی زیر قیادت دس آدمی دمشق روانہ کئے اور ہر ایک کو تین تین ہزار درہم دیئے۔

چنانچہ انہوں نے پروگرام کے مطابق معاویہ سے جا کر خواہش کی کہ وہ یزید کو اپنا جانشین مقرر کریں۔ معاویہ نے وفد سے تو صرف یہی کہا کہ ابھی جلدی نہ کرو اور خلوت میں موسیٰ سے دریافت کیا کہ ”پدر تو دین ایں مردم



راکہ از کوفہ آمدہ اند بچند خریدہ است؟“ کہ تمہارے باپ نے کتنے میں ان لوگوں کے دین و ایمان کو خریداہے؟ موسیٰ نے کہا: تمیں ہزار درہم میں۔ اس پر معاویہ نے کہا: ”دین و ملت ازیں جماعت چنداں قیمت نداشتہ است“<sup>۱</sup> ان لوگوں کی نظر میں دین و ایمان کی کوئی خاص قدر و قیمت نہیں ہے۔“

اسی طرح زیاد نے بصرہ کی زمین ہموار کی اور رجب ۵۵ھ میں مغیرہ کی وفات ہوگئی تو کوفہ و بصرہ ہردو کی گورنری زیاد کے متعلق ہوگئی۔ اس نے حالات مزید سازگار بنائے اور رجب ۵۳ھ کو زیاد کا بھی انتقال ہو گیا تو اب معاویہ نے اس معاملہ میں مزید تاخیر و تعویق مناسب نہ سمجھی چنانچہ امیر شام نے بڑے اہتمام کے ساتھ یزید کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا۔<sup>۲</sup> اور ساتھ ہی یہ انتظام کیا کہ اس نے جو خطبہ یزید کی تعریف و توصیف میں پڑھا۔ چند مخصوص لوگوں (مثل سعید بن العاص، حصین بن نمیر، ضحاک بن قیس وغیرہ) نے بڑھ چڑھ کر اس کی تائید کی۔ اور اس طرح شام میں عامۃ الناس سے بیعت لے لی گئی۔<sup>۳</sup>

کوفہ و بصرہ اور بالخصوص دمشق کے لوگوں کی طرف سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد اب معاویہ کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ مکہ و مدینہ کے لوگوں سے بیعت لینی چاہئے چنانچہ زمین حجاز کو ہموار کرنے کے لیے مروان بن الحکم (حاکم مدینہ) کو اس مقصد کے لیے خط لکھا۔ مصر و عراق اور دمشق کے اکابر و مشاہیر نے میرے بیٹے یزید کی بیعت کر لی ہے۔ تم اہل مدینہ سے بھی اس کی بیعت لو۔<sup>۴</sup>

SIBTAIN.COM

معاویہ اس سلسلہ میں ہر روڑے کو راستہ سے ہٹا رہا تھا اور ہر خزشہ کو مٹا رہا تھا۔ چنانچہ جب ابتدا میں اسے معلوم ہوا کہ اہل دمشق یزید کی نسبت عبدالرحمن بن خالد بن ولید کی طرف (اس کے والد کے کارناموں کی وجہ سے) زیادہ مائل و راغب ہیں اور اسے اندیشہ دامن گیر ہوا کہ کہیں لوگ اسے خلیفہ نہ مان لیں جس کا اظہار بھی لوگوں نے کر دیا تھا تو اسے زہر دلا دیا۔ ابن عبدالبر نے اس واقعہ کی نسبت لکھا ہے: ﴿ثم ان عبد الرحمن مرض فامر معاوية

۱۔ روضۃ الصفا، ج ۳، ص ۲۳۔

۲۔ تاریخ التواریخ، ج ۶، ص ۱۳۵۔

۳۔ روضۃ الصفا، ج ۳، ص ۲۵۔ تاریخ کامل، ج ۳، ص ۲۳۹ پر یزید کی ولی عہدی کا تذکرہ ۵۶ھ میں کیا ہے۔

۴۔ روضۃ الصفا، ج ۳، ص ۲۵۔



طیباً عندہ یہودیا و کان عندہ مکینا ان یاتیہ فیسقیہ سقیۃ یقتلہ بہا فاتاہ فسقاہ فانخرق بطنہ  
لمات (و قصۃ ہذہ مشہورۃ عند اہل السیر و العلم و الآثار و الاخبار) عبدالرحمن بیمار ہوا۔ معاویہ نے  
اپنے ایک معتمد یہودی طبیب کو حکم دیا کہ وہ دوا میں کوئی ایسی چیز پلا دے کہ وہ ختم ہو جائے۔ چنانچہ اس نے کوئی ایسی  
چیز اسے دی جس کی وجہ سے اس کا پیٹ پھٹ گیا اور اس کی موت واقع ہو گئی۔

اسی طرح جب سعید بن عثمان نے یزید کی ولیعہدی پر اعتراض کرتے ہوئے اپنے استحقاق کا اظہار کیا تو  
معاویہ نے اسے خراسان کا حاکم بنا کر (اور بروایت چالیس لاکھ درہم بھی دیے) اس کے دین و ایمان کو خرید لیا  
اور وہ مطمئن ہو گیا۔

بہر حال مروان نے مسجد نبویؐ میں اکابر صحابہ و تابعین کا ایک اجتماع کیا اور خود منبر پر جا کر بیان کیا کہ امیر  
شام اب بہت بوڑھے ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اپنے بعد خلافت کے متعلق ایک ایسا فیصلہ کیا ہے جس میں خدا اور رسولؐ  
کی رضا کے علاوہ خود مسلمانوں کا بھی سراسر فائدہ ہے۔ بتائیے آپ حضرات کا کیا خیال ہے؟ لوگوں نے سمعاً و طاعتاً  
کہتے ہوئے وضاحت طلب کی۔ مروان نے کہا: انہوں نے ایک ایسے شخص کو ولی عہد بنایا ہے جو نیک سیرت، صاحب  
عدل و مروت اور خلفائے راشدین کے قدم بقدم چلنے والا ہے۔ اور یہ شخص امیر کا بیٹا یزید ہے۔ یہ سننا تھا کہ عبدالرحمن  
بن ابوبکر بگڑ گئے۔ اور کہا: اے مروان تم بھی جھوٹ کہتے ہو۔ اور جس نے تمہیں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہ بھی  
جھوٹ کہتے ہیں۔ یزید ہرگز ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم بیان کر رہے ہو۔ اور ہم ہرگز ایسے (زانی و شرابی) کی بیعت پر  
راضی نہیں ہیں۔ کچھ اور لوگوں نے بھی اس کی تائید کی۔ اس پر مروان نے آگ بگولہ ہو کر کہا: یہ اعتراض کرنے والا وہ  
شخص ہے جس کے متعلق آیت قرآنیہ ﴿وَالَّذی قَالَ لَوَالدیہ اف لکما﴾ نازل ہوئی ہے۔ عبدالرحمن نے غصہ  
سے بھر پور ہو کر کہا: اچھا تم آج اس قابل بھی ہو گئے کہ میرے حق میں قرآن کی تاویل کرو۔ کیا تو وہی نہیں ہے جسے  
پیغمبر اسلام ﷺ نے تمہیں اور تمہارے باپ کو مدینہ سے نکال دیا تھا۔ یہ کہہ کر عبدالرحمن اٹھے اور مروان کی ٹانگ سے  
پکڑ کر اسے منبر سے نیچے گھسیٹ لیا۔ بنی امیہ نے عبدالرحمن کو گزند پہنچانے کا قصد کیا ہی تھا کہ جناب عاتشہ کچھ دیگر  
خواتین کے ساتھ مسجد میں آ گئیں۔ اور مروان کو سخت و سست کہا۔ کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ جناب رسول خدا ﷺ  
نے تم پر اور تمہارے باپ پر لعنت کی ہے۔ تم طرید بن طرید ہو کہ میرے بھائی سے ایسا کلام کرتے ہو۔ غرضیکہ اس

۱۔ استیعاب، ج ۲، ص ۳۹۶۔ کذائی روضۃ الصفا، ج ۳، ص ۳۳۔ اس میں طبیب کو نصرانی لکھا ہے و طبری، ج ۶، ص ۱۲۸۔

۲۔ روضۃ الصفا، ج ۳، ص ۲۹۔ ۳۔ تاریخ الخلفاء، ج ۲، ص ۳۲۱۔

۴۔ روضۃ الصفا، ج ۳، ص ۲۶۔ تاریخ التواتر، ج ۶، ص ۱۳۶۔ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۵۰۔



ہڑبونگ اور تہذیب و متانت کے اس مظاہرہ پر یہ اجتماع منتشر ہو گیا۔

معاویہ کو ان حالات کی اطلاع دی گئی۔ اسے یہ حالات و واقعات معلوم کر کے بڑی پریشانی ہوئی کیونکہ وہ اعتراض کرنے والوں کی اہمیت سے واقف تھا اس لیے اصلاح احوال اور اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے اس سے اپنے ناخلف بیٹے کی معیت میں حج کے بہانہ سے سفر حجاز اختیار کیا اور بڑے شاہانہ شان و شکوہ کے ساتھ مدینہ پہنچے سب سے پہلے حضرت امام حسین علیہ السلام سے سامنا ہوا (چونکہ ان کے متعلق بھی معاویہ کو بہت شکایات کی اطلاع پہنچ چکی تھی) لہذا معاویہ نے آنجناب کے حق میں کہا: لا مرحباء ولا اهلا تو بدنة را مانی کہ خون او بجوش آمدہ باشد و حق عز و علاء خون ترا خواہد ریخت۔<sup>۱</sup> تمہارے لیے نہ خوشی ہو اور نہ برکت۔ تم قربانی کا وہ دنبہ ہو (معاذ اللہ) جس کا خون جوش مار رہا ہے خدا تمہارے خون کو ضرور بہائے گا۔

امام حسین علیہ السلام نے جواب میں کہا: ”اے معاویہ ہموار باش و ناہنجار سخن متراش کہ ما مخاطب این گونه سخن نیستیم!“ اے معاویہ! چپ رہو کہ ہم ایسے ناہنجار کلام کے اہل نہیں ہیں۔<sup>۲</sup> معاویہ نے کہا: ”اہل این سخنید و بدتر ہم“ تم اس کے بلکہ اس سے بدتر کے اہل ہو۔<sup>۳</sup>

پھر عبدالرحمن بن ابی بکر ملے تو ان سے کہا تم بالکل بڑھے ہو کر سٹھیا گئے۔ عبداللہ بن زبیر ملے تو ان سے کہا: تم مکار و سوسار کی طرح ہو۔ جو سوراخ میں سر چھپا کر دم ہلاتا ہے۔ بخدا یہ دم پکڑی جائے گی۔ اسی طرح عبداللہ بن عمر کو بھی سخت سست کہا۔

وقتی مصلحت کے تقاضے کے تحت حضرت امام حسین علیہ السلام، عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر مکہ چلے گئے۔<sup>۴</sup>

اب معاویہ کی نظر تین شخصیتوں پر جمی ہوئی تھی جن کا مدینہ بلکہ بیرونی اسلامی دنیا میں بڑا اثر و رسوخ تھا۔ عبد اللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور جناب عائشہ۔ چنانچہ اول الذکر دونوں حضرات سے خلوت میں ملاقات کی۔ بڑے لطف و مدارات سے پیش آیا۔ اور پھر اپنے مطلب کا اظہار کیا لیکن ابن عباس اور بالخصوص جناب عائشہ سے اسے سخت مایوسی ہوئی۔ البتہ ابن عمر کے نرم جواب اور پھر خانہ نشین ہو جانے نے اس کے لیے راستہ کو قدرے ہموار کر دیا۔ چنانچہ معاویہ نے مسجد نبویؐ میں ایک جم غفیر کے سامنے منبر پر جا کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اپنے اصلی مقصد پر آتے ہوئے کہا: اے لوگو! تمہیں کہو۔ اس وقت علم و عدل اور فضل و بذل کے اعتبار سے کون ایسا شخص ہے جو میرے بیٹے یزید

۱۔ تاریخ التواریخ، ج ۶، ص ۱۳۶۔

۲۔ روضۃ الصفا، ج ۳، ص ۲۶، کامل، ج ۳، ص ۲۵۱۔

۳۔ تاریخ التواریخ، ج ۶، ص ۱۳۶۔

۴۔ روضۃ الصفا، ج ۳، ص ۲۶۔



سے بڑھ کر حقدار خلافت ہو؟ اس کے بعد خاص کر حضرت امام حسین علیہ السلام، عبدالرحمن بن ابی بکر، اور عبداللہ بن زبیر وغیرہ ہم کا نام بنام ذکر کر کے کہا کہ یہ لوگ اگر یزید کی بیعت کر لیں تو فہما۔ ورنہ میری طرف سے اچھا نہ ہوگا۔ اس طرح ان حضرات کو بالخصوص اور دوسرے لوگوں کو بالعموم ڈرانے اور قتل کی دھمکیاں دینے کے بعد اپنی رہائش گاہ میں پہنچے۔ جب جناب عائشہ کو ان کی اس گفتگو کا علم ہوا تو وہ نہایت غصہ کی حالت میں معاویہ کے پاس گئیں۔ اور کہا: ”اے معاویہ ہیچ می دانی کہ چہ کردہ و چہ میکنی برادر من محمد را در مصر ماخوذ داشتی و بکشتی آنگاہ برا فروختی و بسوختی۔ و اکنون کہ سفر مدینہ کردہ برادر دیگر من عبد الرحمن را بتهدید و تھویل میترسانی و میرنجانی و پسران اصحاب را از خویشتن ہم عذاب و عقاب میدہی۔ تو کجا از من ایمن شدی۔ و امان یافتی اگر بفرمائم تورا دست بگردن بسته فراز آرند۔ و بخون برادرم محمد سر بردارند۔ کیست کہ در این کار مرا ممانعت نماید۔“ اے معاویہ! تم نے اب تک کیا کیا ہے اور اب کیا کر رہے ہو۔ تو نے مصر میں میرے بھائی محمد کو قتل کیا اور پھر ان کی لاش کو نذر آتش کیا۔ اور آج مدینہ میں میرے دوسرے بھائی کو ڈراتے دھمکاتے ہو۔ نیز اصحاب رسول کی اولاد کو ہراساں کرتے ہو۔ تم کب میری گرفت سے آزاد ہوئے ہو۔ اگر ابھی میں حکم دوں تو لوگ تجھے گردن سے پکڑ کر میرے بھائی محمد کے قصاص میں قتل کر ڈالیں گے۔ اور اس سلسلے میں مجھے روکنے والا کون ہے۔ بعد ازیں جب معاویہ نے لوگوں سے بیعت لینا چاہی تو بھی جناب عائشہ نے مزاحمت کی۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب اوائل میں (علی ما نقل عنہ) لکھا ہے: ﴿وكان (معاوية) على منبر رسول الله صلى الله عليه (واله) وسلم ياخذ البيعة ليزيد فاخرجت عائشه رأسها من الحجرة وقالت صد صد هل استدعى الشيوخ لبيهم البيعة قال لا قالت فبمن تقتدى انت فخرجت و نزل عن المنبر..... الخ﴾ معاویہ منبر رسول پر بیٹھ کر لوگوں سے اپنے بیٹے یزید سے بیعت لے رہا تھا کہ جناب عائشہ نے اپنے حجرہ سے سر باہر کر کے کہا: خاموش! کیا تم سے پہلے خلفاء نے بھی کبھی اپنے بیٹوں کے لیے بیعت لی تھی؟ معاویہ نے کہا: نہیں! جناب عائشہ نے کہا: پھر تم کس کی اقتداء کر رہے ہو؟ یہ سن کر معاویہ شرمسار ہوا۔ اور منبر سے نیچے اتر آیا۔

ان حالات کے پیش نظر جب امیر شام کو جناب عائشہ کی طرف سے بالکل مایوسی ہو گئی اور یہ بھی یقین ہو گیا کہ ان کی موجودگی میں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوتی اور گو ہر مقصود ہاتھ نہیں آتا تو اب ان کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ بنایا۔ جو کامیاب رہا۔ سیوطی نے اوائل میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھا ہے: ﴿و بنی لها حفرة فوقعت فيها



وما تے ﴿۔ معاویہ نے ان (عائشہ) کے لیے ایک گڑھا کھدوایا جس میں گر کر وہ جان بحق ہو گئیں۔

اس واقعہ کی تفصیل حبیب السیر (جلداول جزء سیوم، ص ۸۵) میں مرقوم ہے۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے:

﴿در تاریخ حافظ آبرو از ربیع الابرار و کامل السفینہ منقول است کہ در مشہور ۵۵۸ ھ ثمان و خمیس من الهجرة معاویة ابن ابی سفیان جہت پسر لعین خود بمدینہ رفتہ امام حسینؑ و عبد الرحمن بن ابی بکر و عبد اللہ بن زبیر را برنجانید عائشہ زبان ملامت و اعتراض بروے بکشاد۔ و معاویہ در خانۂ خویش چاہے کندہ و سرآں را بہ خاشاک پوشانید و کرسی آبنوس برآں نہادہ و آنگاہ عائشہ را بضیافت طلب داشتہ۔ بر کرسی نشانید تا درآں چاہ افتاد۔ و معاویہ سرآں چاہ را باہگ مضبوط نمود۔ و از مدینہ بمکہ رفت ﴿۔ حافظ آبرو کی تاریخ میں ربیع الابرار اور کامل السفینہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ۵۵۸ ھ میں معاویہ بن ابی سفیان اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لینے کی غرض سے مدینہ گیا۔ اور حضرت امام حسینؑ، عبد الرحمن بن ابی بکر اور عبد اللہ بن زبیر کو پریشان کیا۔ جناب عائشہ نے اس کی سرزنش کی۔ معاویہ نے اپنی رہائش گاہ میں ایک کنواں کندہ کرایا۔ اور اس کا دہانہ خس و خاشاک سے بند کر دیا۔ اور اس پر آبنوس کی کرسی رکھ دی۔ اس کے بعد عائشہ کو کھانے کے بہانے سے طلب کیا۔ جب وہ آئیں تو ان کو اسی کرسی پر بٹھایا۔ وہ فوراً کنویں میں گر گئیں۔ معاویہ نے چونہ سے اسے بند کر دیا۔ اور مکہ کی طرف چلا گیا۔

بہر حال اہل مدینہ سے بیعت لینے کے بعد امیر شام نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر پھر حضرت امام حسینؑ، عبد الرحمن بن ابی بکر اور عبد اللہ بن زبیر سے ملاقات ہوئی۔ پہلی ملاقات کے برخلاف اب کی مرتبہ معاویہ ان سے بڑی تہذیب اور ملائمت کے ساتھ پیش آیا اور عبد الرحمن بن ابوبکر، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر کے پاس گرانقدر عطیات بھیجے جنہیں انہوں نے قبول کر لیا مگر جب ان سب سے زیادہ تحف و ہدایا حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پیش کئے مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح معاویہ نے جو منصوبہ تیار کیا تھا اس پر پانی پھر گیا مگر اس نے ایک اور مکر و حیلہ سے کام چلا لیا اور وہ یوں کہ اس نے برسر منبر اعلان کیا کہ (معاذ اللہ) امام حسینؑ، عبد الرحمن بن ابی بکر اور عبد اللہ بن زبیر نے یزید کی بیعت کر لی ہے (اس وقت ان کو تردید کی مہلت ہی نہ دی۔<sup>۱</sup> بعد میں وہ اس کی نفی کرتے رہے مگر تیرکمان سے نکل چکا تھا) اس بہانہ سے اہل مکہ سے بیعت لے لی۔ اس طرح امیر شام

۱۔ روضۃ الصفا، ج ۳، ص ۲۷۔ ناخ التواریخ، ج ۶، ص ۱۳۸۔

۲۔ تفصیل کیلئے: تاریخ کامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۲۵۲، اور روضۃ الصفا، ج ۳، ص ۲۹۔ ناخ، ج ۶، ص ۱۴۰۔ تاریخ الخلفاء، ص ۱۹۷، طبع مصر جدید

(نوٹ) ناخ التواریخ سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ معاویہ نے یہ حیلہ سازی دوسرے سفر میں کی تھی جو اس نے ۵۵۹ ھ میں کیا تھا۔



ظاہر اپنے ارادہ کی تکمیل سے شاد کام ہو کر واپس گیا۔ اس سے زیادہ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

بالآخر ۵۹ھ میں معاویہ بیمار ہوا اور اکثر مورخین کے بیان کے مطابق ۶۰ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ دم واپس بھی اسے اگر خیال تھا تو یہی کہ یزید کی خلافت کیوں کر مستحکم و مضبوط ہو۔ کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ وہ یزید جس کے لیے امیر شام نے راہِ راست کو خیر باد کہا۔ دین و دیانت اور ضمیر کی قربانی دی۔ جس کا اعتراف خود انہوں نے مروان کے سامنے کیا تھا جیسا کہ ابن حجر کی نے تطہیر البیان میں لکھا ہے کہ ایک روز معاویہ رونے لگے۔ مروان نے سبب دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ دنیا میں کون سی راحت تھی جو میں نے نہ اٹھائی ہو۔ اب سن زیادہ ہو گیا ہے اور ہڈیاں گھل گئیں اور جسم کمزور ہو گیا۔ اگر مجھ پر یزید کی محبت کا غلبہ نہ ہوتا تو میں اپنے لیے راہِ راست کو حاصل کر لیتا۔ وہی یزید اپنے اس مہربان باپ کے آخری وقت میں پاس موجود ہی نہ تھا۔ بلکہ دمشق کے باہر مقام ”خوارین“ میں عیش و عشرت کی داد دے رہا تھا۔<sup>۱</sup>

معاویہ نے آدمی بھی اس کے بلانے کو بھیجا مگر وہ اس وقت آیا جب معاویہ دفن بھی کئے جا چکے تھے۔<sup>۲</sup> معاویہ نے اپنی آخری وصیت بھی ضحاک بن قیس فہری اور مسلم بن عقبہ کے ذریعہ یزید تک پہنچائی جس کا آخری حصہ یہ تھا کہ یزید کو بتا دینا کہ مجھے اس کے خلاف فقط چار آدمیوں سے اندیشہ ہے حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر، عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عمر۔<sup>۳</sup>

اس سے ظاہر ہے کہ ایسے حال میں بھی معاویہ کو اگر کوئی فکر تھی تو وہ صرف اور صرف یزید کی خلافت کے استحکام کی تھی اور وہ نام زدہ اشخاص کو جن میں سے سرکار امام حسین علیہ السلام سرفہرست ہیں اپنی آنکھوں کی سوئیاں سمجھتا تھا اور ان سوئیوں کے رہ جانے کا اس کو بہت ہی صدمہ تھا۔ بہر حال اس صدمہ کو سینہ میں لے کر امیر شام بنابر مشہور ۱۵ رجب و بقولے ۲۲ رجب ۶۰ھ کو پورے چالیس سال بادشاہی کرنے کے بعد ۸۷ و بقولے ۸۵ سال کی عمر میں عدم آباد سے اپنے اصلی مقام کی طرف انتقال کر گیا اور اسی دن یزید تخت حکومت پر متمکن ہو گیا۔  
حسن بھری کہا کرتے تھے کہ معاویہ نے چار کام ایسے کئے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اس کی ابدی ہلاکت و

۱۔ تطہیر البیان بر حاشیہ صواعق محرقة، ص ۵۶۔

۲۔ طبری، ج ۶، ص ۱۸۰۔

۳۔ طبری، ج ۶، ص ۱۸۳۔

۴۔ طبری، ج ۶، ص ۲۸۳۔

۵۔ الاخبار الطوال، ص ۲۲۔ طبری، ج ۶، ص ۱۸۰۔



بربادی کے لیے کافی ہے۔ اول یہ کہ چند جاہلوں کے تعاون سے تخت خلافت پر متمکن ہو گیا۔ حالانکہ اس وقت اس سے افضل اصحاب رسول موجود تھے۔ دوسرے یہ کہ یزید جیسے نابکار بیٹے کو اپنا ولی عہد بنایا جو شرابی، کبابی، بھنگی، چری اور خلاف شرع ریشم پہننے اور طنبورہ بجانے والا تھا۔ تیسرے زیاد کو ابوسفیان کا بیٹا قرار دے کر اسے اپنا بھائی بنایا حالانکہ زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔ (الولد للفراش و للعاهر الحجر)۔ چوتھے یہ کہ حضرت حجرؓ (بن عدی) اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا۔ (طبری، ج ۶، ص ۱۵۷۔ کامل، ج ۳، ص ۲۳۲۔ ابوالفدا، ج ۱، ص ۱۹۶)

SIBTAIN.COM



## آیا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ ایک اتفاقی حادثہ تھا؟ یا مسلسل علل و اسباب کا نتیجہ تھی؟

عنوان بالا کے متعلق ایک کوتاہ اندیش اور سطحی نگاہ رکھنے والا انسان تو فوراً کہہ سکتا ہے کہ یہ دردناک واقعہ حادثاتی اور ناگہانی طور پر واقع ہوا یعنی مرگ معاویہ کے بعد یزید اس کی بچھائی ہوئی مسند پر بیٹھا۔ اور اس نے امام حسین علیہ السلام سے بشدت بیعت کا مطالبہ کیا۔ سرکار سید الشہداء علیہ السلام نے انکار پر اصرار فرمایا جس کا نتیجہ ان کی شہادت کی صورت میں نمودار ہوا۔ چنانچہ اکثر دشمنان حسین و حسنین ہمیشہ اس واقعہ ہائلہ کی اہمیت و عظمت کو کم کرنے کے لیے یہی کہا کرتے ہیں اور جو حضرات ذرا عمیق نگاہوں سے حقائق کا جائزہ لیتے ہیں۔ ان کا یہ بیان ہے کہ ”اگرچہ شہادت حسین کا تیرہ و تار واقعہ ۶۱ھ میں واقع ہوا۔ لیکن اس میں دیکھو قیامت کی شام ظلمت اسی وقت سے شروع ہو چکی تھی۔ جب خورشید رسالت غروب ہوا۔ اور جناب رسالت مآب ﷺ نے اس دایر فانی سے عالم جاودانی کو انتقال فرمایا۔“

لیکن محققین و ژرف بین نگاہ رکھنے والے حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ اس خون آشام اور درد انگیز واقعہ کے علل و اسباب کا سلسلہ بہت طویل ہے اور اس کی ابتدائی کڑیوں کا تعلق اس زمانہ سے ہے جبکہ اس ظاہری عالم میں امام حسین کی ولادت باسعادت بھی واقع نہیں ہوئی تھی۔ اس سلسلہ میں ایک نازک مقام پر پہنچنا پڑتا ہے۔ جس کا تذکرہ کچھ خوشگوار معلوم نہیں ہوتا۔ مگر کیا کیا جائے جب تک (اختصار کے ساتھ ہی سہی) اس سلسلہ کی جملہ کڑیاں بیان نہ کی جائیں۔ اس وقت تک یہ مطلب مستحق نہیں ہو سکتا۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ کتاب شہید اعظم، مجاہد اعظم اور بالخصوص شہادت عظمیٰ میں اس پر بہت سیر حاصل بحث کی گئی ہے ہم اس موضوع کی عام کتب سے بالعموم اور مولانا الحق سید علی حیدر صاحب مرحوم کجوی کی کتاب شہادۃ عظمیٰ سے بالخصوص استفادہ کرتے ہوئے ذیل میں اس واقعہ ہائلہ کے تمام گفنی و ناگفنی علل و اسباب کا تذکرہ کرتے ہیں۔



ارباب بصیرت پر یہ امر مخفی و مستور نہیں ہے کہ کسی بھی عظیم واقعہ سے پہلے اس کے علل و اسباب مجتمع ہوتے رہتے ہیں اور اس کے وقوع پذیر ہونے کے بعد زمانہ دراز تک اس کے نتائج و اثرات مرتب ہوتے رہتے ہیں جس طرح کسی عظیم واقعہ کے نتائج و اثرات پر غور و تأمل نہ کرنا کھلی ہوئی غفلت ہے اس سے بڑھ کر اس کے علل و اسباب کا تصور کئے بغیر اس واقعہ کا وقوع تسلیم کر لینا بھی غفلت و کوتاہ اندیشی ہے جب یہ ایک مسلم الثبوت حقیقت ہے کہ شہادت حسینؑ کا خونی اور دردناک واقعہ ایسا عظیم ہے کہ تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے تو عقل سلیم یہ کیونکر باور کر سکتی ہے کہ اتنا بڑا سانحہ علل و اسباب کے طویل سلسلہ کے بغیر واقعہ ہو گیا ہو حقیقت یہ ہے کہ شہادت حسینؑ کا قصر عرصہ دراز سے تعمیر ہو رہا تھا اور اس کی اینٹوں کی فہرست بہت لمبی ہے البتہ اس کی آخری اینٹ خلافت یزید بن معاویہ ہے۔ کامل غور کے بعد اس عمارت کی ابتداء اور انتہایوں معلوم ہوتی ہے۔

### شہادت حسینؑ کی پہلی اینٹ واقعہ عقبہ ہے

اس کی پہلی اینٹ ۹ھ میں واقعہ عقبہ کے موقع پر رکھی گئی۔ حضرت رسول خدا ﷺ نے اپنے اعلان نبوت کے چوتھے سال (جبکہ کھلم کھلا دعوت کا حکم ہوا) بحکم خدا حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان کر دیا تھا یہ آپ کی خلافت کا پہلا قولی اعلان تھا اور جب شب ہجرت آپ کو اپنی جگہ مکہ میں چھوڑ کر خود مدینہ تشریف لے گئے تو یہ آپ کی خلافت کا پہلا عملی اعلان تھا مگر منافقوں کو اس کی کب امید ہو سکتی تھی کہ مدینہ میں اسلام اس قدر پھلے اور پھولے گا۔ اس لیے اس موقع پر انہوں نے آنحضرتؐ کے قتل کی کوئی اجتماعی بلکہ انفرادی کوشش بھی نہیں کی مگر جب آنحضرتؐ کے مدینہ میں آنے کے بعد آٹھ نو سال تک انہوں نے دیکھا کہ اسلام مسلسل بڑھ رہا ہے اور منازل ترقی طے کر رہا ہے تو اب منافقین کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ یا تو حضرت رسول خدا ﷺ کو قتل کر دیا پھر کوئی ایسی تدبیر کرو کہ اسلام کی بست و کشاد اور شان و شکوہ ان کے قبضہ میں آجائے۔ چنانچہ ۹ھ میں آنحضرتؐ غزوہ تبوک میں جانے لگے تو مدینہ میں حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ ﴿ان رسول اللہ خرج الی تبوک فاستخلف علیاً﴾ (بخاری کتاب المغازی، پ ۱۸، ص ۸۹) یہ آپ کی خلافت کا دوسرا عملی اعلان تھا۔ اب ان کو یقین ہو گیا کہ رسولؐ دنیا سے جاتے وقت بھی علیؑ ہی کو اپنا جانشین بنائیں گے اور اس طرح ان کو ہمیشہ محکوم رہنا پڑے گا اس لیے قتل رسولؐ کا منصوبہ بنایا۔ جب آنحضرتؐ واپس مدینہ تشریف لا رہے تھے تو جب مقام عقبہ ذی فلق پر پہنچے تو رات کا وقت تھا۔ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس وقت ۱۲ یا ۱۳ دی آپ کی سواری کی طرف بڑھے اور حملہ کر کے آپ کو ختم کرنا چاہا مگر خدا نے اپنے حبیب کو بذریعہ وحی ان لوگوں کے عزائم مشکومہ سے آگاہ کر دیا تھا اس لیے آپ نے بچاؤ کی تدبیر کر لی۔ اور یہ لوگ خائب و خاسر ہوئے۔ (تاریخ خمیس، ج ۲، ص ۱۳۸) جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب حذیفہؓ کو ان منافقین



کے نام بتادیئے تھے مگر یہ تاکید کر دی تھی کہ ان کا اظہار نہ کرنا چنانچہ بعض حضرات ہمیشہ ان سے پوچھا کرتے تھے کہ ان کا نام تو ان میں شامل نہیں ہے لیکن جب رازدار رسولؐ نے بتانے سے اپنے انکار پر اصرار کیا تو بالآخر ایک دن ان جناب نے حلفیہ طور پر خود ہی کہہ دیا ﴿یا حذیفہ واللہ انا من المنافقین﴾ اے حذیفہ (تم بتاؤ یا نہ بتاؤ) بخدا میں منافقوں میں سے ہوں۔<sup>۱</sup>

### دوسری اینٹ: واقعہ تبلیغ سورۃ برأت

۹ھ کے آخر میں آنحضرتؐ نے جناب اول کو سورۃ برأت کی تبلیغ کے لیے مکہ بھیجا انہوں نے کچھ راستہ طے کیا تھا کہ ان کو اس شرف سے محروم کر کے ان کی جگہ اس خدمت کی انجام دہی حضرت علیؑ کے ذمہ لگا دی جس پر ان کو صدمہ ہوا۔ یہ سب کچھ وحی الہی کے ماتحت عمل میں آیا تھا۔ مجبور تھے۔ شکایت تو کی مگر اور کچھ نہ کر سکے۔

### تیسری اینٹ: واقعہ غدیر

عن عمر بن الخطاب قال نصب رسول الله علياً علماً فقال من كنت مولاه فعلي مولاه اللهم وال من والاه و عاد من عاداه و اخذل من خذله و انصر من نصره اللهم انت شهيدى عليهم قال و كان فى جنبى شاب حسن الوجه طيب الريح فقال لى يا عمر لقد عقد رسول الله عقداً لا يحله الا منافق فاحذر ان تحله قال عمر فقلت يا رسول الله انك حيث قلت فى على كان فى جنبى شاب حسن الوجه طيب الريح قال نعم يا عمر انه ليس من ولد آدم لكنه جبرئيل اراد ان يؤكده عليكم ما قلته فى على۔ جناب ثانی بیان کرتے ہیں کہ جس وقت پیغمبر خدا ﷺ مقام غدیر پر حضرت علیؑ کی آقائی کا اعلان فرما رہے تھے، اس وقت میرے پہلو میں ایک خوبصورت اور خوشبودار نوجوان کھڑا تھا جس نے مجھ سے کہا: آج رسول خدا ﷺ نے ایک ایسی گرہ لگا دی ہے جسے سوائے منافق کے اور کوئی نہیں کھول سکے گا۔ جب ثانی نے آنحضرتؐ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا: اے عمر تم خیال رکھنا کہ کہیں تم اس گرہ کو نہ کھول دو۔ نیز آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا: اے فلاں وہ کوئی آدمی نہ تھا۔ بلکہ جبرئیل تھے جو کچھ میں نے علیؑ کے بارے میں کہا ہے وہ اس کی تاکید مزید کر رہے تھے۔<sup>۲</sup>

### چوتھی اینٹ: تحلف از جیش أسامہ

حضرت رسول خدا ﷺ کو اپنے بعض مخصوص اصحاب کی مخفی کارروائیوں کا پتہ چلتا رہتا تھا اس لیے آپؐ نے

۱۔ میزان الاعتدال ذہبی، ج ۱، ص ۳۲۶۔ ۲۔ قرۃ العین، ص ۲۳۲۔ بخاری، پارہ ۲، ص ۲۳۸۔ کنز العمال، ج ۱، ص ۲۳۹۔

۳۔ مؤدۃ القرنی سید علی ہمدانی شافعی، ص ۱۶۔



اپنے انتقال کے وقت کوشش کی کہ ان سب کو مدینہ سے باہر کسی دور دراز مقام پر بھیج دیں تاکہ وفات کے وقت نہ وہ مدینہ میں موجود ہوں اور نہ خلیفہ کا جھگڑا کھڑا ہو۔ چنانچہ صفر ۱۱ھ اپنی وفات سے چند روز قبل حضرت علیؓ کو روک کر باقی تمام اصحاب کو جن میں اصحاب ثلاثہ بھی شامل تھے حکم دیا کہ اُسامہ بن زید کی ماتحتی میں اہل روم سے جنگ کرنے کے لیے مدینہ سے چلے جائیں۔ جب صحابہ کو اس کا علم ہوا۔ تو وہ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ اور جب آنحضرتؐ کو ان کے تساہل کی اطلاع ملی تو بڑی شدت سے فرمایا: ﴿جَهْزُوا جَيْشَ اسَامَةَ لَعْنُ اللّٰهُ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا﴾ اُسامہ کے لشکر کو جلد روانہ کرو جو لوگ اس کے ساتھ جانے سے پہلو تہی کریں۔ ان پر خدا کی لعنت ہو۔ مگر اس تاکید و تہدید کے باوجود یہ حضرات وہیں جمے رہے تاکہ وفات رسولؐ کے بعد آپ کی اہل بیتؑ کو مسند خلافت پر متمکن نہ ہونے دیں۔

### پانچویں ایبٹ: واقعہ قرطاس

پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے آخری لمحات حیات میں چاہا کہ ایک ایسا وثیقہ لکھ دیں جس کے بعد اہل اسلام گمراہ نہ ہوں مگر حضرت ثانی آڑے آئے اور صاف کہہ دیا: ﴿اِنَّ الرَّجُلَ لِيَهْجُرَ﴾ (معاذ اللہ) رسولؐ کو ہڈیاں ہو گیا ہے۔ حسبنا کتاب اللہ۔ ابن عباس اس واقعہ کو یاد کر کے اس قدر رو دیا کرتے کہ پاس والے سنگریزے تر ہو جاتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر جناب رسول خدا ﷺ وہ مخصوص وصیت نامہ لکھنے میں کامیاب ہو جاتے اور وہ عامۃ المسلمین کو مل جاتا تو وہ آنحضرتؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد چاہے ضلالت میں نہ پڑتے۔ اور نہ کسی کو جرأت ہوتی کہ وہ امام حسینؑ کو شہید کرے کیونکہ اس صورت میں نہ خلیفہ اول کا دور ہوتا۔ نہ ثانی کا، نہ ثالث کا، نہ معاویہ کا اور نہ یزید کا، بلکہ آنحضرتؐ کے بعد سیادت و قیادت حضرت علیؓ اور ان کے بعد امام حسنؑ اور ان کے بعد امام حسینؑ کے سپرد ہوتی۔ اور یہ حضرات ظاہری طور پر بھی تمام مسلمانوں کے آقا و پیشوا اور مقتدا ہوتے۔ یزید کا کہیں پتہ بھی نہ چلتا۔ پیشوائے اہل حدیث مولوی وحید الزمان حیدر آبادی نے خوب لکھا ہے:

”انہیں کی جوتیوں کے طفیل سے یزید اور یزید کے باپ کو اتنی بڑی حکومت اور بادشاہت ملی ورنہ جنگل کے سور چراتا پھرتا۔ اونٹ کا دودھ اور موت اور گوڑ پھوڑ کا گوشت کھاتا رہتا۔ اس محسن کشی اور کور نمکی کا کہیں ٹھکانا ہے۔“ ۳

۱۔ الملل والنحل، ج ۱، ص ۲۰۔ شرح ابن ابی حدید، ج ۲، ص ۲۱ وغیرہ۔

۲۔ بخاری، پارہ اول، ص ۱۰۶۔ مشکوٰۃ، ج ۲، ص ۲۵۳۔ طبری، ج ۳، ص ۲۳۔

۳۔ انوار اللغات، پ ۱۸، ص ۱، طبع جگپور۔



ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت رسول خدا ﷺ کی زندگی میں شہادتِ حسینؑ کی عمارت میں کم از کم پانچ اینٹیں لگ چکی تھیں۔ آج دنیا والوں کو تعجب ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات سے صرف پچاس برس بعد آپؐ کی ہی امت نے آپؐ کے پیارے نواسہ کو کیونکر شہید کیا؟ امت کیوں کر اس اقدام پر آمادہ ہوئی۔ اگر مذکورہ بالا حقائق پر نگاہ کی جائے تو یہ تعجب ختم ہو جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ ایسا ہونا ضرور تھا۔ جب بعض بظاہر صحابہ اپنے ذاتی اغراض کے تحت حضرت رسول خدا ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش سے باز نہ آئے تو نواسہ رسول کو قتل کرنے سے کیا امر مانع تھا؟ جب خلیفہ اول نے سورہ برأت کی تبلیغ سے معزولی پر حضرت رسولؐ سے بطور مقابلہ سوال و جواب کیا تو ان کو نواسہ رسولؐ کی تعظیم و تکریم کا خیال کس حد تک ہو سکتا تھا۔ جب حضرت رسول خدا ﷺ نے مقامِ غدیر خم پر اعلانِ خلافتِ مرتضویٰ کر دیا۔ حضرت ثانی کو اس گمراہی کے نہ کھولنے کی تاکید کی گئی مگر انہوں نے اس گمراہی کو کھول ہی دیا۔ تو ان کو امامتِ حسینیؑ سے انکار کرنے میں کیا امر مانع تھا؟ جب لشکرِ سامہ کی روانگی کا آنحضرتؐ نے تاکید حکم دیا۔ خلاف ورزی کرنے والوں پر لعنت کی۔ مگر ارباب غرض نے حکم رسولؐ کی تعمیل نہ کی۔ نہ مدینہ چھوڑا نہ لعن اللہ من تخلف عن جیشِ سامہ کی تہدیدِ شدید کی کوئی پروا کی۔ تو پھر ان کو اطاعتِ حسینؑ کرنے اور ان کی مخالفت سے ڈرنے کی کیا پروا ہو سکتی تھی؟ جب جناب رسول خدا ﷺ اپنے حینِ حیات میں یہ فرمائیں کہ مجھے قلمِ دواتِ لا دو کہ میں ایک ایسا وثیقہ لکھ جاؤں کہ میرے بعد گمراہ نہ ہو۔ مگر یارِ لوگ ایک نہ سنیں۔ اور اٹھنا ان پر تہمتِ ہدیان لگائیں۔ تو آپؐ کی وفات کے پچاس برس بعد آپؐ کے اس ارشاد کی وہ لوگ کیا تعمیل کرتے۔ کہ ان ﴿ان ابسی هذا الحسین﴾ بقتل بارض کربلا فمن شهد ذلك منکم فلینصرہ ﴿میرا یہ فرزندِ حسینؑ کربلا میں شہید کیا جائے گا۔ تم میں سے جو شخص بھی اس وقت موجود ہو۔ وہ ضرور ان کی نصرت کرے۔﴾ جنہوں نے آپؐ کی زندگی کے آخری لمحاتِ حیات میں آپؐ کے حکم کی تعمیل نہ کی۔ وہ محبت و مودتِ حسینؑ اور آپؐ کو ہادی و امام ماننے اور ان کی نصرت و اعانت کرنے کے متعلق حکمِ نبویؐ کو کس کان سے سنتے؟

واقعہ قرطاس سے متعلق مولانا ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی کا بیان پڑھنے کے قابل ہے اور دیدہ بینا رکھنے والے لوگوں کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ”سب سے پہلے واقعہ قرطاس نے بھانڈا پھوڑا کہ اول دن سے رکاوٹوں کی کھجڑی خلافت کے لیے پک رہی تھی۔۔۔۔۔ بات پھر بھی گول مول رہی۔۔۔۔۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے وصیت کی جس کے لیے کاغذ منگواتے تھے۔ کچھ صراحت نہ فرمائی کہ کیا لکھوانا چاہتے تھے مگر جن کے دل میں تمنائے

۱۔ سزا العالمین غزالی، ص ۹، طبع بمبئی کی عبارت پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

۲۔ ثابت بالسنة، شیخ عبدالحق دہلوی، ص ۱۱۔



خلافت چٹکیاں لے رہی تھی۔ انہوں نے دھینگا مشتی سے منصوبہ ہی کو چٹکیوں میں اڑا دیا اور مزاحمت کی تاویل یہ کہ ہماری ہدایت کے لیے قرآن بس کرتا ہے اور چونکہ اس وقت پیغمبر صاحب برجانہیں کاغذ۔ قلم دوات کا لانا کچھ ضرور نہیں۔ خدا جانے کیا کیا لکھوادیں گے۔<sup>۱</sup> حسین علیہ السلام کے جدناہد ار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ لوگوں نے اتنی تکلیف و اذیت دی کہ آپ کو فرمانا پڑا: ﴿مَا أَوْذَىٰ نَبِيٍّ كَمَا أَوْذَيْتَ﴾ اور کچھ لوگوں نے آپ کی مخالفت کر کے اس قدر آپ کو روحانی صدمے پہنچائے کہ خداوند عالم کو ارشاد فرمانا پڑا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا

مُهِينًا﴾ (سورۃ احزاب، آیت ۵۷)

بالآخر ان لوگوں کی سرکشی و ایذا رسانی اس حد تک پہنچی کہ خلق عظیم کے مالک کو آخری وقت میں فرمانا پڑا کہ:

﴿قُمُوا عَنِّي﴾۔ ”میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔“<sup>۲</sup>

### شہادتِ حسینؑ کی چھٹی اینٹ

قتلِ حسینؑ کی چھٹی اینٹ وفاتِ رسولؐ کے وقت رکھی گئی۔ اگر کوئی انسان بھی مر جاتا ہے تو اس کے ساتھ معمولی سا تعلق رکھنے والے لوگ اپنا کام کاج ترک کر کے اس کی تجہیز و تکفین میں شمولیت ضروری سمجھتے ہیں۔ اور یہ تو سرور کائنات ﷺ کی وفاتِ حسرتِ آیات تھی۔ چاہے تو یہ تھا کہ اگر تمام روئے زمین کے مسلمان نہیں تو کم از کم مدینہ منورہ کے تمام صحابہ کرام تو اپنے تمام کاروبار بند کر کے آنحضرت ﷺ کے در دولت پر حاضر ہوتے۔ اور آپؐ کی تقفیل و تکفین اور تدفین کا شرف حاصل کرتے مگر یہاں تو عالم یہ ہے کہ شمع رسالتؐ کے پروانے ہونے کے دعویدار جنازہ رسولؐ چھوڑ کر غائب ہو جاتے ہیں اور پورے تین دن کے بعد تشریف لاتے ہیں۔ مؤرخ طبری نے لکھا ہے:

﴿لَمَّا قَبِضَ النَّبِيُّ كَانَ أَبُو بَكْرٍ غَائِبًا فَجَاءَ بَعْدَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ... الخ﴾ جب رسول خدا ﷺ کا انتقال ہوا تو اول صاحب غائب تھے۔ تین دن کے بعد آئے۔<sup>۳</sup> اس طرح جنازہ رسولؐ تین دن بے دفن پڑا رہا کیونکہ لوگ اول صاحب کی بیعت میں مشغول تھے۔<sup>۴</sup> ﴿أَمَّا دَفْنُ النَّبِيِّ بَعْدَ وَفَاتِهِ بِثَلَاثَةِ أَيَّامٍ﴾۔<sup>۵</sup>

البتہ جن لوگوں کو آنحضرت ﷺ سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علیؑ و خاندانِ بنی ہاشم، ان پر اس فطری تعلق کا پورا اثر ہوا۔ اور اس وجہ سے ان کو آنحضرت ﷺ کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی فرصت نہ

۱ بخاری، ج ۳، ص ۷۰۱ وغیرہ۔

۲ اہمات الامم، ص ۹۲۔

۳ سیرۃ حلبیہ، ج ۳، ص ۳۶۶۔

۴ طبری، ج ۳، ص ۱۹۸۔

۵ طبری، ج ۳، ص ۲۴۔



میں۔۔۔۔۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ لہٰذا جب بقول شبلی صاحب نعمانی ”اسلام کے مہر و ماہ“ خود رسول مقبولؐ سے وہ برتاؤ کریں جو ایک معمولی مسلمان سے بھی نہیں کیا جاتا تو ۶۱ھ کے مسلمان اسی دنیوی بادشاہت کے لالچ میں حسینؑ کا خون کیوں نہ بہاتے۔ جب نانا کی یہ توہین کی تو ان کے نواسہ کی کیوں نہ اہانت کرتے؟ افسوس۔۔۔

ہیچ کافر نکند آنچه مسلمان کردند

### شہادتِ حسینؑ کی ساتویں اینٹ سقیفہ بنی ساعدہ

حضرت رسول اکرم ﷺ نے بار بار حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت کا اعلان فرما دیا تھا مگر اس کے باوجود آنحضرتؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی صحابہ کرام کی اکثریت نے ان تمام اعلانات و اہتمامات کو پس پشت ڈال دیا اور حضرت علیؑ کو جنازہ رسولؐ کے پاس چھوڑ کر خود سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے۔ اور ظاہری خلافت پر قابض ہو گئے صرف اس پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ انہی حضرت امیر المومنینؑ سے بھی بیعت لینے پر اصرار کیا جس پر جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا: ﴿انتم احق بالبیعة لی﴾ تم کو میری بیعت کرنی چاہئے اور پھر صاف صاف فرمایا: ﴿انا اخذوہ منا اهل البیت غصبا﴾ کیا تم خلافت کو ہم اہل بیت رسولؐ سے غصب کرنا چاہتے ہو؟

ظاہر ہے کہ یزید نے بھی سقیفہ بنی ساعدہ والی کارروائی کا اعادہ ہی کیا ہے کیونکہ رسولؐ کے اعلان کے مطابق ان کے پہلے حقیقی خلیفہ سے ارباب سقیفہ نے خلافت غصب کی اور صحیح وارث مسند کو بیعت کرنے پر مجبور کیا اسی طرح ان کے تیسرے صحیح جانشین سے یزید نے خلافت غصب کر کے ان کو بیعت کرنے پر مجبور کر دیا اور جب انہوں نے انکار کیا تو ان کو شہید کر دیا اگر ارباب سقیفہ علیؑ کو اپنے حق خلافت سے محروم نہ کرتے تو یزید کو اس کی جرأت کہاں ہوتی؟ بلکہ اس تک نوبت ہی کب پہنچتی؟ یہی توجہ ہے کہ ﴿قیل لرجل من بنی ہاشم متی قتل الحسین بن علی﴾ ایک ہاشمی سے کسی نے پوچھا کہ حسینؑ کب شہید ہوئے؟ ﴿قال یوم سقیفہ بنی ساعدہ﴾ کہا کہ درحقیقت وہ سقیفہ بنی ساعدہ کے روز فوج ہو گئے تھے۔ ﴿ولنعم ما قیل﴾ کہ کشتہ شد حسینؑ اندر سقیفہ۔

جناب مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے مذکورہ بالا حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ”سخت افسوس کی بات ہے کہ اہل بیت نبویؐ کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی سے ایسے ناملائم اتفاقات پیش آئے کہ ان کا

۱۔ الفاروق، ص ۶۶۔

۲۔ الامامت والسیاست، ص ۱۹۔

۳۔ رسالہ الافاظ الکتابیہ، ص ۱۳۳، طبع بیروت۔







شبلی نعمانی نے لکھا ہے: ”علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا: میں گھر کو آگ لگا دوں گا۔۔۔۔۔ اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، حضرت عمرؓ کی تندہی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں۔ (الفاروق، ص ۷۱) اللہ اکبر۔ جس رسولؐ کا کلمہ پڑھیں، جس کی نبوت کی پانچ وقت اذان میں گواہی دیں، جس کی شفاعت پر جہنم سے بچنے کی امید رکھیں۔ اسی کی چہیتی بیٹی سیدہ نساء العالمینؓ کے دروازہ پر اسی دروازہ کو جلانے کے لیے آگ اور لکڑیاں لے جائیں؟ کیا آدمؑ سے لے کر اس وقت تک کسی نبیؐ، کسی رسولؐ، کسی وحیؐ، کسی ولیؐ یا اور کسی مذہبی پیشوا کی بیٹی کے ساتھ اس کے ماننے والوں نے یہ سلوک کیا ہے؟

نمود نے ضرور حضرت ابراہیمؑ کو جلانا چاہا مگر وہ کافر تھا۔ آپؐ کی نبوت کا قائل نہ تھا۔ اب جو لوگ واقعہ کربلا پر حیرت و استعجاب کرتے ہیں کہ یزیدؓ نے کیونکر قتل حسینؑ کا حکم دیا؟ کیا وہ یہ نہ جانتا تھا کہ یہ نواسہ رسولؐ ہیں؟ وہ یہ بتائیں کہ اول صاحب نے دروازہ علیؑ و بتولؑ پر آگ اور لکڑیاں لے جانے کی اجازت کیونکر دی؟ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ انہی کے رسولؐ کے پارہ جگر ہیں؟ جو شمر کے فعل پر تعجب کرتے ہیں کہ اس نے حسینؑ پر کیونکر تلوار اٹھائی۔ وہ ثانی کے فعل کو کیوں نظر انداز کر جاتے ہیں کہ وہ کیوں کر دروازہ سیدہ پر لکڑیاں لے گئے۔ کیا وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ بضعة الرسولؐ کا دروازہ ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر آج طلب بیعت کے لیے در دولت پر آگ اور لکڑیاں جمع کر کے گھر جلانے کی دھمکیاں نہ دی جاتیں۔ اور اس خانوادہ کی توہین و تذلیل کا دروازہ نہ کھولا جاتا تو ۶۱ھ میں کربلا کے میدان میں شہادت حسینؑ کے بعد لوگ خیام حسینؑ سے آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے بلند ہوتے نہ دیکھتے اور یہ نعرے لگتے ہوئے نہ سنتے۔

لوٹو تبرکات علی و بتول کو

### قتل حسینؑ کی دسویں اینٹ محرومی جناب سیدہ از میراث

شریعت اسلام کا مسلمہ اصول ہے کہ ہر باپ کی میراث اس کے بیٹوں اور بیٹیوں کو ملتی ہے۔ قرآن نے انبیاءؑ کا کوئی استثناء نہیں کیا۔ جب وفات رسولؐ کے بعد مسلمانوں نے خلافت علویہ کے ساتھ حق فاطمیہ پر بھی قبضہ کر لیا تو اسی مذکورہ بالا اصول کے ماتحت جناب سیدہؓ نے خلیفہ وقت سے اپنی وراثت کا مطالبہ کیا مگر دربار خلافت سے یہ جواب ملا کہ رسولؐ کا ارشاد ہے: ہم گروہ انبیاءؑ کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ (وقف) ہوتا ہے غرضیکہ اول صاحب نے بالکل انکار کر دیا اور رتی برابر کوئی چیز بھی جناب سیدہؓ کو نہ دی جس کی وجہ سے جناب سیدہ عالم سلام اللہ علیہا اول صاحب پر اس قدر غضب ناک ہوئیں کہ مرتے دم تک ان سے کلام نہ کیا۔ اور حضرت



علیؑ کو وصیت کر گئیں کہ جن لوگوں نے مجھے صدمہ پہنچایا ہے ان کو میرے جنازہ میں شریک نہ ہونے دینا۔ چنانچہ جناب امیرؑ نے ایسا ہی کیا۔<sup>۱</sup>

عجیب لطیفہ یہ ہے کہ اول صاحب تو یہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ ہم انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ کسی کو وارث کرتے ہیں مگر کتب میر و تواریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ اپنے والد ماجد کے وارث ہوئے تھے۔ چنانچہ فاضل حلبی نے لکھا ہے کہ جناب رسول خداؐ کے والد جناب عبد اللہ نے اپنے بعد پانچ اونٹ اور کچھ دغیاں چھوڑیں۔ اور جناب رسول خداؐ نے یہ چیزیں اپنے والد کی وراثت میں حاصل کیں۔<sup>۲</sup> اور ابن قیم نے لکھا ہے کہ ماثور وہ پہلی تلوار ہے جو رسول اکرمؐ نے اپنے والد سے میراث میں پائی تھی۔<sup>۳</sup> جناب رسول خداؐ تو اتنی چیزیں وراثت میں حاصل کریں۔ مگر خلیفہ اول کا بیان یہ ہے کہ انبیاء وراثت میں کچھ نہیں پاتے! اب اہل انصاف بتائیں کہ کس کو سچا اور کس کو جھوٹا مانا جائے؟

**نوٹ:** مخفی نہ رہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا دعویٰ صہبہ فدک اور اس کا منظور نہ ہونا بھی اسی مطالبہ فدک کی ایک کڑی ہے کیونکہ آیت مبارکہ ﴿وَآتَٰ ذَٰلَاقُرْبٰنٰی حَقَّہٗ﴾ کے نزول کے وقت آنحضرتؐ نے فدک جناب سیدہ کو عطا فرما دیا تھا۔ مگر مزید برآں ایک سند بھی لکھ دی تھی جسے جناب سیدہ نے دعویٰ کے وقت پیش بھی فرما دیا تھا۔<sup>۴</sup> اور تحقیق یہ ہے کہ پہلے جناب سیدہ نے اسی بہہ کا دعویٰ کیا تھا مگر جب دربار خلافت میں اس دعویٰ کی شنوائی نہ ہوئی تو پھر سیدہ عالم نے اپنے حق کو حاصل کرنے کے لیے دوسرا طریقہ استعمال کیا کہ اگر یہ حق مجھے بطور بہہ کے نہیں دیتے تو پھر مجھے بطور وراثت پدر کے دو۔ مگر افسوس مسلمانوں نے بضعتہ الرسولؐ کا یہ دعویٰ بھی تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا اور النان کی تکذیب بھی کی۔ یہی تو وجہ تھی کہ بی بی عالم رنج و الم میں گھل گھل کر یہ مرثیہ پڑھتے ہوئے دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئیں۔<sup>۵</sup>

صبت علی مصائب لو انھا صبت علی الایام صرن لیالیا<sup>۶</sup>

۱۔ مدارج النبیؐ، ج ۲، ص ۴۴۔ روحۃ الاحباب، ج ۱، ص ۳۳۴ طبع تلمنٹ۔ شرح نبیؐ ابلاغ حدیدی، ج ۱، ص ۲۰۔

۲۔ سیرت حلبیہ، ج ۱، ص ۵۶۔

۳۔ زاد المعاد، ج ۱، ص ۲۳۔ مدارج، ج ۲، ص ۲۸۹۔

۴۔ تفسیر درمنثور، ج ۴، ص ۱۷۷۔ تفسیر کبیر، ج ۸، ص ۱۲۵۔

۵۔ معارج النبیؐ، درکن چہارم، ص ۲۲۱۔ روحۃ الصفا، ج ۲، ص ۱۵۸، طبع نولنگھور۔

۶۔ رواج المصطفیٰ، ص ۳۷۔



برادران اسلامی کے نامور عالم مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی نے انہی جاگداز حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے اور خوب لکھا ہے فرماتے ہیں: ”جو شخص سب سے زیادہ پیغمبر صاحب کی وفات سے متاثر ہو اور فاطمہ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں۔ اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب تھے۔ اور باپ بھی کیسے باپ دین و دنیا کے بادشاہ۔ ایسے باپ کا سر سے اٹھ جانا۔ اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم رہنا اور نمک بر جراثیم ترکہ پدری باغ فدک کا دعویٰ کرنا اور مقدمہ کا بار جانا کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدقات پہنچتے تو نہ ہر کھا کر مر جاتا مگر ان کے صبر و ضبط ان ہی کے ساتھ تھے۔ پھر بھی انہی رنجوں میں کھل کھل کر چھ مہینہ کے اندر اندر انتقال فرما گئیں اور جتنے دن زندہ رہیں ان لوگوں سے جن سے انہیں رنج پہنچے تھے۔ نہ بولیں اور نہ بات کی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کے اپنے جنازہ پر آنے کی بھی منافی کر دی۔ اور شب کے وقت مدفون ہو گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مانا کہ ان کا غصہ کسی قدر بے جا بھی ہوتا۔ تاہم ان کے باپ کے حقوق کیا چاہتے تھے؟ فاطمہ کے دل غمزہ کو خوش کرنے کے لیے علی کو اگر وہ اہل نہ بھی تھے برائے نام خلافت دے دی ہوتی اور آپ انتظام کیا ہوتا خیر خلافت کون دینے دیتا تھا مگر باغ فدک کے دے دینے میں ایسی کون سی قباحت تھی۔ غایۃ مافی الباب حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نور ولا نورث ما ترکنا صدقۃ کے خلاف ہو تو ہو۔ گناہ اگر ہوتا تو فاطمہ کو ہوتا کہ وہ سیدانی ہو کر صدقہ کھائیں۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ اہل بیت نبویؐ کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی سے ایسے ناملائم اتفاقات پیش آئے کہ ان کا وہ ادب اور لحاظ جو ہونا چاہئے تھا اس میں ضعف آ گیا اور شدہ شدہ منہر ہوا اس ناقابل برداشت واقعہ کو بلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔“

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی وفات حسرت آیات کے بعد اہل بیت نبویؐ کے لیے قافیہ حیات تنگ سے تنگ تر ہو گیا تھا۔ صاحب براہین قاطعہ ترجمہ صواعق محرقة نے لکھا ہے: ”امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ در مدت حیات فاطمہ الزہراءؑ بیعت نہ کردہ بود لیکن او را عز و جاہی بواسطہ حیات حضرت خیر النساء نزد مرد ماں بود۔ چوں حضرت فاطمہ وفات یافت حضرت علیؑ از روئے مرد ماں انکار نمود و عزلت اختیار کرد و کسے باد آمد و شد نہ کرد۔“

### شہادت حسینؑ کی گیارہویں اینٹ بنی امیہ کی اسلامی عہدوں پر تقرری ہے

جب سے اسلام ظاہر ہوا۔ اس کے سب سے زیادہ سخت اور کھلم کھلے دشمن بنو امیہ رہے۔ ان کو اسلام سے بدو و دشمنی تھی ایک اس سبب سے کہ وہ بنو ہاشم کے خاندانی حریف تھے۔ وہ ان کی عظمت و مہر بلندی ہر گز گوارا نہ کر



سکتے تھے۔ دوسرے اس لیے کہ وہ اپنے آبائی مذہب کفر و شرک کی حفاظت اپنا حاصل زیست سمجھتے تھے۔ بہر حال فتح مکہ سے پہلے کفار نے جتنی جنگیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف لڑیں وہ سب ابوسفیان کی سرداری یا اس کی شرکت سے لڑی گئیں۔ حتیٰ کہ ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد خوف تلوار سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ کر زمرہ مسلمین میں داخل ہو گیا۔ مگر تمام مؤرخین نے ابوسفیان اور اس کے بیٹے معاویہ کو مؤلفۃ القلوب میں شمار کیا ہے۔ حضرت امیر المؤمنین اسی طرح اشارہ کرتے ہوئے امیر شام کو ایک خط میں لکھتے ہیں: ﴿و انی لعلی المنہاج الذی ترکتموہ طائعین و دخلتم فیہ مکرہین...﴾ (ترجمہ) میں اس دین پر قائم ہوں جس میں تم داخل تو مجبوری کے تحت ہوئے تھے مگر اسے ترک بخوشی کیا ہے۔

بہر حال ظاہری اسلام کے بعد اب خفیہ طور پر اسلام و بانی اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے رہے البتہ ۱۱ھ کو جب رحلت رسولؐ کے بعد جب حضرت علیؓ ظاہری خلافت سے محروم کر دیئے گئے تو اب ابوسفیان نے چاہا کہ حمایت علیؓ کا بہانہ کر کے مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہائیں۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ابوسفیان نے حضرت علیؓ سے کہا کہ قریش کے ذلیل ترین انسان کو خلافت سے کیا واسطہ؟ اگر کہو تو پیادوں اور سواروں سے میدان کو بھر دوں! حضرت علیؓ نے فرمایا: ابوسفیان! تو مدت سے اسلام اور مسلمانوں کا دشمن ہے۔ مگر تیری دشمنی سے اسلام کو کچھ ضرر نہیں پہنچے گا۔ (اب بھی چاہتا ہے کہ اسلام میں فتنہ پھا کرے)۔ جناب نے یہ جواب با صواب دے کر ان کے غلط منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔ دوسری طرف جب ابو بکر و عمر صاحب کو معلوم ہوا۔ وہ انکی مخالفت کر رہا ہے۔ تو انہوں نے اس کے بیٹے یزید کو حکومت شام کا پروانہ دے دیا۔ جس پر ابوسفیان ان کا مطیع و منقاد ہو گیا۔ اس طرح شہادت حسینؓ کی عمارت کی گیارہویں اینٹ رکھی گئی۔ اگر ابوسفیان کا بیٹا یزید شام کا گورنر نہ بنایا جاتا تو اس کے بعد اس کا بھائی معاویہ بھی وہاں کا گورنر نہ بنتا۔ نہ وہ حضرت امیرؓ سے جنگ کرتا۔ نہ اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بناتا۔ اور نہ امام حسینؓ شہید ہوتے۔ اس طرح اہل سقیفہ نے خاندان رسولؐ کی تباہی و بربادی کا مکمل سامان کر دیا۔ سقیفہ میں خود خلیفہ بن کر اہل بیتؑ پر امن و عافیت کا دروازہ بند کر دیا۔ اور بنی امیہ کو شام کی حکومت دے کر ان کے سانس لینے کا دوسرا دروازہ بھی بند کر دیا۔ اس طرح بنی امیہ کو اپنی طاقت بڑھانے کا موقع مل گیا۔ اور وقت آنے پر وہ کچھ کر دکھایا جس پر مسلمان قیامت تک آنسو بہاتے رہیں گے۔

**شہادت حسینؓ کی بارہویں اینٹ امیر شام معاویہ ہے**

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یزید بن ابوسفیان کو شام کا گورنر بنایا گیا۔ ۱۵ھ یا ۱۹ھ میں اس کا انتقال ہوا۔



اس کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ نے اس کے بھائی معاویہؓ کو اس کی جگہ شام کا گورنر مقرر کیا۔ پھر معاویہؓ نے اپنی طویل گورنری اور پھر متغلبانہ خلافت کے دور میں جو مظالم و مصائب خاندان نبوتؐ پر ڈھائے اور اپنے ناخلف بیٹے یزیدؓ کو سربراہی کے تحت خلافت کرنے کے لیے کیا سازشیں کیں اور دین اسلام کا صحیح حلیہ مسخ کرنے کے لیے کیا کیا حربے استعمال کئے۔ اس کی اجمالی کیفیت ہم سابقہ باب میں بیان کر چکے ہیں۔

### شہادتِ حسینؓ کی تیرہویں اینٹ شورئی ہے

امام حسینؓ کے قتل کی جو عمارت ۹ھ سے تیار ہو رہی تھی کی تیرہویں اینٹ جناب ثانی کی قائم کردہ شورئی کمیٹی ہے اس وقت شورئی کی تفصیل میں جانا اور یہ بتانا مقصود نہیں کہ جناب امیرؓ کو کس ڈرامائی انداز میں محروم خلافت کیا گیا۔ اس ہمہ راز است کہ معلوم عوام است۔ البتہ اس کے متعلق لائق مورخ جسٹس امیر علیؒ نے تاریخ اسلام میں جو یمارک دیئے ہیں۔ ان کا یہاں نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ”خلافت کو شورئی پر چھوڑنے میں خلیفہ دوم سے ایسی غلطی سرزد ہوئی جس نے بنو امیہ کی سازشوں کے لیے راستہ صاف کر دیا۔ بنو امیہ اب مدینہ میں نہایت زبردست ہو گئے تھے اور یہ خاندان رسول کے مدت سے رقیب تھے۔ اور بنی ہاشم سے سخت نفرت کرتے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے جناب رسالت مآب ﷺ کا نہایت تندہی سے تعاقب کیا تھا اور فتح مکہ کے بعد محض ذاتی مفاد اور اغراض کی خاطر مسلمان ہو گئے تھے۔ اسلام کی ترقی کو وہ اپنے ذاتی اقبال کا ذریعہ بنانے کی ٹھانے ہوئے تھے۔ انہوں نے نہایت سہولت سے بدوسرداروں کو جو ان کے بھائی بند تھے اپنے ساتھ گانٹھ لیا۔ اور اپنی چال بازیوں سے وہ حضرت علیؓ کو خلافت سے محروم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ چند دن کی بحث و مباحثہ کے بعد بنو امیہ خاندان کے ممبر حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کیا۔ ان کا انتخاب آخر میں اسلام کی تباہی کا باعث ہوا۔ حضرت عثمانؓ کمزور اور ارادے کے کچے تھے۔ اور کسی بھی انتظام حکومت کی قابلیت نہیں رکھتے تھے۔ بنو امیہ کے حسب منشاء وہ فوراً اپنے خاندان کے اثر میں آ گئے۔ وہ بالکل اپنے سیکریٹری مروان کے کہنے پر چلتے جو بنی امیہ میں سخت بدطینت تھا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کے بہت سے گورنروں کو موقوف کر کے ان کی جگہ اپنے خاندان کے آدمی جو سخت نالائق اور ناقابل تھے، مقرر کئے۔“ اس کارروائی کے جو ناخوشگوار نتائج برآمد ہوئے اور جس طرح اس کی سزا امت مسلمہ کو بھگتنی پڑی وہ تاریخ اسلام پر سرسری نگاہ رکھنے والے حضرات پر مخفی نہیں ہے۔

### شہادتِ حسینؓ کی چودھویں اینٹ خلافتِ ثالثہ

جیسا کہ سابقہ تنقیح سے ظاہر ہے خلافتِ ثالثہ بھی عمارتِ شہادتِ حسینؓ کی ایک اینٹ ہے۔ جس طرح وہ



خلیفہ منتخب ہوئے اور انہوں نے اپنے دور خلافت میں بنی امیہ کی طاقت کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا جس طرح کنبہ پروری کا مظاہرہ کیا اور پھر جس طرح بعض احداث ظاہر کئے۔ اور مفاد دین و ملت اور مقتضائے سیاست دنیوی کے خلاف بعض ناگفتہ بہ افعال و اعمال کا ارتکاب کیا جو بالآخر ان کے قتل تک منجر ہوئے۔ یہ حقائق تاریخ اسلام کے مبتدی طالب علموں پر بھی غفی نہیں ہیں۔ یہاں تو صرف اس قدر بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر آپ خلیفہ نہ بنائے جاتے تو پھر نظر بہ نظر شہادت حسین بھی واقع نہ ہوتی کیونکہ نہ پھر آپ قتل ہوتے۔ نہ معاویہ جناب امیر پر ان کے قتل کا الزام عائد کرتا۔ نہ وہ آنجناب سے لڑتا۔ نہ اسے خود خلیفہ بننے کا بہانہ ملتا۔ اور نہ اپنے بعد یزید کو اپنا ولی عہد اور جانشین بنانے کا اس کے لیے موقع پیدا ہوتا۔ یہ سب امور طبعی ترتیب کے مطابق وقوع پذیر ہوئے جس سے حضرت عثمان کا دامن کسی طرح آزاد نہیں ہو سکتا۔

### پندرہویں ایبٹ: ایک ام المؤمنین کی مہربانیاں

خلافت اولیٰ و ثانیہ کی تشکیل اور پھر دونوں صاحبوں کی روضہ رسولؐ میں تدفین میں ایک ام المؤمنین کا جو حصہ ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے اسی طرح جنگ جمل میں انہوں نے اپنے پرانے بغض و کینہ کا حضرت امیرؓ سے وہ انتقام لیا کہ اس کے مثل کسی نے نہ لیا ہوگا اس طرح انہوں نے لوگوں کو خاندان نبوت سے بدظن اور دور کرنے میں خاص کردار ادا کیا ہے۔ اسی بغض و کینہ کی چنگاریاں مسلسل بجتی رہیں۔ جو بالآخر شہادت حسینؑ کی صورت میں نمودار ہوئیں۔

### سولہویں اور آخری ایبٹ خلافت یزید ہے

مذکورہ بالا حقائق کو پیش نظر رکھنے کے بعد اب یہ دعویٰ محتاج تاویل و تردید نہیں رہتا کہ یزید شہادت حسینؑ کی آخری ایبٹ ہے۔ سب غلط و اسباب جمع ہو چکے تھے۔ اس نے جزئہ متمم کا کام کیا۔ اور بالآخر اسی اشقی الاولین و الآخین کے منحوس دور میں اسی کے حکم سے یہ سانحہ کبریٰ اور حادثہ عظمیٰ ظہور پذیر ہوا۔ جس پر مسلمان روز قیامت تک اشک غم بہاتے رہیں گے۔ تفصیل آئندہ اوراق میں ملاحظہ کیجئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔



## امام حسنؑ کی صلح اور امام حسینؑ کی جنگ

بالفاظ دیگر امام حسنؑ کے تقیہ کرنے اور امام حسینؑ کے تقیہ نہ کرنے کے بعض رموز و اسرار

قدیم الایام سے کچھ کوتاہ اندیش لوگ یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ جس طرح امام حسنؑ نے امیر شام سے مصالحت کر لی تھی اسی طرح اگر جناب امام حسینؑ بھی معاویہ کے بیٹے یزید سے صلح کر لیتے تو یہ خوبی سامنے کر بلا روئے نہ ہوتا اور نہ طرفین کا یہ خون خرابہ ہوتا۔

اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے ہم اس باب میں چند ناقابل تردید حقائق بیان کرتے ہیں جن کے دیکھنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح و آشکار ہو جائے گی کہ اصلی مقصد (تحفظ و بقاء اسلام) کے حصول کے لیے جس طرح امام حسنؑ کے دور میں صلح ضروری تھی۔ اسی طرح امام حسینؑ کے وقت میں جنگ ناگزیر تھی۔ امامین کے طرز عمل کا یہ ظاہری اختلاف صرف وقتی تقاضوں کے اختلاف کا نتیجہ ہے۔ ورنہ تمام معصومین کے طرز عمل میں حقیقی و معنوی طور پر کوئی اختلاف نہیں ہے سب کا مقصد ایک تھا اور وہ تھا احقاقِ حق و ابطالِ باطل۔ اس مقصد کے حصول کے لیے حالات حاضرہ کا جو تقاضا ہوتا تھا امام وقت وہی طرز عمل اختیار کرتے تھے بظاہر جیسا اختلاف امام حسنؑ و امام حسینؑ کے طرز عمل میں نظر آتا ہے بعینہ ایسا ہی اختلاف خود صاحب شریعت مقدر کے اپنے عمل میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ ایک وقت میں ان کو مختلف انواع و اقسام کی اذیتیں پہنچائی جاتی ہیں مگر آپ ﷺ لکھ دینکم ولی دین کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں اور اپنا فریضہ تبلیغ دین انجام دیتے رہتے ہیں۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ جنگ و جدال اور قتل و قتل کے بعد حدیبیہ کے مقام پر ﷺ الصلح خیر پر عمل کرتے ہوئے کفار مکہ سے صلح کر لیتے ہیں اور وہ بھی بظاہر ایسے کمزور شرائط پر کہ بعض مشہور صحابہ کو آپ کی نبوت میں بھی شک پڑنے لگتا ہے۔ اور اس کے بعد ایک تیسرا دور ایسا بھی آتا ہے کہ مخالفین کی انتہائی بے راہ روی کے پیش نظر ﷺ فافشلوا المشرکین حیث وجدتموہم کا تشدد نہ حکم دیا جاتا ہے! تو اب اس ظاہری اختلاف کو دیکھ کر کوئی صحیح الدماغ انسان اور وہ بھی مسلمان یہ وہم و گمان بھی کر سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کے طرز عمل میں فی الحقیقت کسی قسم کا تضاد و اختلاف پایا جاتا ہے؟ ماننا پڑتا ہے کہ حالات کے اختلاف سے فرائض



کے تقاضے بھی مختلف ہوتے رہتے ہیں۔ اور درحقیقت انسان کامل وہی ہوتا ہے جو جذبات کے افراط و تفریط سے اپنے دامن کو بچاتے ہوئے موقع و محل کی مناسبت اور حالات کے تقاضوں کا کامل غور و تدبیر کے ساتھ جائزہ لے کر ان کے مناسب حال اقدام کرے بنا بریں یہ کہنا بالکل صحیح اور درست ہے کہ ہر اقدام جو اپنے وقت پر ہو وہ مفید، نتیجہ خیز اور مؤثر ہوتا ہے لیکن اگر وقت سے پہلے عمل میں لایا جائے تو وہ نتیجتاً مفید ہونے کی بجائے مضر ثابت ہوتا ہے بلکہ اپنے مرتکب کو اکثر ہمیشہ کے لیے مورد الزام بنا دیتا ہے۔ واقعات کی رفتار یکساں حالت پر نہیں ہوتی بلکہ تدریجی حیثیت سے ترقی کرتی رہتی ہے اور اس کا طریقہ علاج بھی اس اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر زخم رسیدہ پکے ہوئے جزء بدن ہاتھ یا پیر کا علاج کرو۔ پھا ہے لگاؤ۔ مرہم بدلو۔ ضرورت ہو تو بار بار نشتر دلو او۔ پھر اگر اچھا نہ ہو اور اس کی سمیت کے جسم میں سرایت کرنے کا خوف ہو تو اسے کاٹ کر بھی پھینک دو۔ کسی کو اعتراض کا حق نہ ہوگا لیکن اگر زخم پیدا ہونے کے ساتھ ہی اور کوئی علاج معالجہ کرنے سے پہلے ہی کاٹ ڈالتے۔ تو ضرور مورد الزام ہوتے اور عام طور پر بے عقل سمجھے جاتے۔ حالانکہ یہ طرز عمل وہی ہے جو بعد میں اختیار کئے جانے پر ممدوح و مستحسن قرار پائے گا۔ دشوار گزار حالات کی اصلاح کے لیے قربانی اور وہ بھی جان کی قربانی کامیاب اور مؤثر ترین حربہ ہے لیکن سب سے آخری۔ جب تمام وسائل اور ذرائع ختم ہو جائیں اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہو۔ اس وقت اس کا درجہ ہے وہ جہاں تک آخری رہے وہیں تک مؤثر ہے اور اگر اس سے پہلے عمل میں آجائے تو جلد بازی، غیر موقع شناسی اور ناعاقبت اندیشی وغیرہ کا الزام آ جانا ضروری ہے۔

باب ہفتم میں صلح حسنیٰ کا جو تذکرہ کیا جا چکا ہے وہ اس محاربہ کر بلا کی تمہیدی تھی۔ اور یہ واقعہ ہانکہ اس کا نتیجہ اور اسی مبتداء کی خبر!

اس قدر تمہیدی بیان کے بعد ہم صلح حسنؓ اور اقدام حسینؓ کے چند نمایاں فروق بیان کرتے ہیں تاکہ حقیقت بالکل واضح و آشکار ہو جائے کہ دونوں شہزادوں کے طرز عمل میں فی الحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق ایک ہی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مختلف مظاہرے ہیں۔

### صلح حسنؓ و اقدام حسینؓ کا پہلا فرق

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ جانی قربانی اصلاح احوال کا آخری اور بالکل آخری حربہ ہے یعنی جب تک حالات بالکل ناقابل اصلاح نہ ہو جائیں اس وقت تک اس آخری طریقہ کار کے اختیار کرنے کا کوئی عقلی جواز موجود نہیں ہے۔ ابتدائی حالات میں زبانی استدلال و احتجاج اور پھر مصالحت کو عمل میں لانا ضروری ہوتا ہے تاکہ اگر اس



سے بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح ہو جائے تو فھو المراد۔ ورنہ پھر آخری اور فیصلہ کن اقدام کیا جائے چنانچہ اس طبعی ترتیب کے عین مطابق شہزادہ صلح و امن حضرت امام حسن (علیہ السلام) نے اصلاح احوال کا یہی ابتدائی طریقہ کار استعمال کیا جس کا اختیار کرنا عقلاً و شرعاً ضروری تھا اور پھر ظاہری تخت و تاج سے علیحدہ ہو کر پورے دس برس تک اس طرزِ عمل کے نتائج کا انتظار کیا اور اس اثناء میں سرکار سید الشہداءؑ بھی حالاتِ حاضرہ کا بنظرِ غائر جائزہ لیتے رہے لیکن افسوس کہ حالات بجائے اصلاح پذیر ہونے کے بد سے بدتر اور خراب سے خراب تر ہوتے چلے گئے۔ تمام شرائطِ معاہدہ کی خلاف ورزی کی گئی۔ خلاف اسلام افعال و اعمال کے ارتکاب پر اصرار کیا گیا۔ مؤمن کے حقوق پامال کر دیئے گئے۔ بنابرین اب اصلاح احوال کے لیے آخری طریقہ کار (جانی قربانی) کا وقت آچکا تھا۔ لہذا اب سرکار سید الشہداءؑ کے متعلق تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کہ وہ پھر مصالحت کر کے حالات کے سنورنے و سدھرنے کا انتظار کریں اور پھر یہ مصالحت بھی کس سے؟ یزید بن معاویہ سے! یا للعجب۔

### دوسرا فرق

تاریخ اسلام اس بات پر گواہ ہے کہ معاویہ نے حضرت امام حسنؑ سے بیعت کا کبھی مطالبہ نہیں کیا تھا بلکہ آدی بھیج بھیج کر بڑی لجاجت و خوشامد سے صرف مصالحت کی بار بار درخواست کرتا رہا تھا جسے رحمۃ اللعالمینؑ کے نواسے نے مسلمانوں کی حالتِ زار پر رحم و کرم کرتے ہوئے منظور کر لیا۔ چنانچہ خود امام حسنؑ امیر شام کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

هلو آثرت ان اقاتل احداً من اهل القبلة لبدأت بقتالک فانی ترکتک لاصلاح الامة و حقن دمانھا اے معاویہ! تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ اگر اہل قبلہ میں سے کسی کے ساتھ میں جنگ کرتا تو پھر سب سے پہلے تجھ ہی سے کرتا لیکن میں نے تو امتِ جد کی اصلاح و فلاح اور ان کے خون کی حفاظت کی خاطر تجھے چھوڑ دیا ہے۔

اس کے برخلاف یزید نے امام حسینؑ کے سامنے کبھی صلح کا نام تک نہیں لیا۔ بلکہ دولتِ اقتدار کے نشہ سے سرشار ہو کر یہ چاہا کہ مسندِ رسولؐ کے حقیقی وارث و جانشین سے بیعت لے۔ اور یہ نمرودِ وقت فخرِ خلیلؑ کی گردن کو اپنے سامنے جھکائے۔ ظاہری مادی ساز و سامان کی کثرت اور غیر معمولی فوجی طاقت و قوت کے بل بوتے پر اپنے اس خواب کی تعبیر دیکھنے کا انتظار کرنے لگا۔ اس وقت اسد اللہ کے تحتِ جگر نے اپنے عمل سے دنیا کو دکھا دیا کہ حسینؑ کی یہ گردن حفاظتِ حق کے لیے کٹ تو سکتی ہے مگر باطل کے سامنے جھک نہیں سکتی۔ لہذا حالات کے اختلاف کے لحاظ سے ان

۱۔ ملاحظہ ہو: تاریخ ابوالفداء، ج ۱، ص ۱۸۲۔ تاریخ الخلفاء، ج ۱، ص ۱۹۱، ۱۹۲۔ کامل، ج ۳، ص ۲۰۳۔ طبری، ج ۶، ص ۹۲۔ بیعت کا کہیں نام تک مذکور نہیں ہے۔

۲۔ تاریخ کامل، ج ۳، ص ۲۰۵۔ الامامة والسياسة، ص ۱۸۳۔



کے تقاضے بھی مختلف تھے۔ اور ہر امام نے اسی طریقہ کار کو اختیار کیا ہے جو مقتضائے حال تھا۔

## تیسرا فرق

امام حسن مجتبیٰ علیہ افضل التحیۃ والثناء نے ظاہری حالات سے مجبور ہو کر امیر شام سے معاہدہ صلح کر لیا۔ لیکن اس کا نہ تو یہ مطلب ہے کہ عہدہ امامت و خلافت اس کے سپرد کر دیا کیونکہ اگر امامت و خلافت کو عہدہ الہیہ تسلیم کیا جائے۔ (جیسا کہ فرقہ حق کا عقیدہ ہے) تو اس عہدہ جلیلہ کا عطا کرنا قبضہ قدرت میں ہے اور کوئی اس کے عطا پر قادر نہیں (ہر ایک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لہم الخیرۃ) اور اگر تفرخ خلیفہ و امام جمہور امت کے اختیار میں ہے (جیسا کہ اہل سنت کا خیال ہے) تو پھر بھی عزل و انتخاب کا حق صرف جمہور امت کو ہے وہ جسے چاہیں بنائیں اور جسے چاہیں محضول کریں۔ ایک خلیفہ کو کیا حق حاصل ہے کہ اپنے آپ کو محضول کر کے کسی اور کو خلیفہ بنا دے؟ اور نہ ہی اس مصالحت کا یہ مطلب تھا کہ وہ معاویہ کے افعال و اعمال کی سخت پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں ورنہ پھر کفار مکہ کے ساتھ جناب رسول خدا ﷺ کی مصالحت کا بھی یہی مفہوم لینا چاہیے گا کہ وہ کفار مکہ کے اعمال کی توثیق کر رہے تھے۔ (معاذ اللہ) کیا کوئی شخص یہ باور کر سکتا ہے؟ بلاشبہ جس طرح صلح حدیبیہ کفار کی طرف سے غلط اور پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے صحیح تھی اسی طرح یہ معاہدہ صلح بھی امیر شام کی طرف سے غلط اور امام حسن علیہ السلام کی طرف سے صحیح تھا۔ امام اہل حدیث مولانا وحید الرحمن لکھتے ہیں:

”ہمارے بڑے شہزادے امام حسن علیہ السلام آنحضرت کی طبیعت پر تھے۔ نہایت دانشمند اور انجام دین۔ وقت اور موقع محل کو دیکھ کر کام کرنے والے۔ جیسے آنحضرت نے حدیبیہ میں کافروں سے دس کر مصلحہ صلح کر لی تھی۔ ویسے ہی حضرت امام نے بھی دیکھا کہ میری فوج والوں کا اعتبار نہیں۔ ان کے دلوں میں خیانت بھری ہوئی ہے۔ ادھر معاویہ جنگ پر تلا ہوا ہے۔ اسلام تباہ ہوا چاہتا ہے تو ناچار آپ نے دفع الوقتی کر کے معاویہ سے صلح کر لی۔ اب جن لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ آپ نے بنو شامی معاویہ کو خلافت دے دی۔ اور معاویہ کی خلافت صحیح اور شرعی ہو گئی۔ انہوں نے حالات اور وقائع پر غور نہیں کیا۔ اصل یہ ہے کہ امام اس وقت کے حالات کے اوپر نظر کر کے مجبور ہو گئے اور آپ نے ایک ضرر عظیم سے بچنے کے لیے ضرر خفیف کو گوارا کیا۔ پس درحقیقت یہ صلح امام کی طرف سے صحیح اور جائز تھی لیکن معاویہ کی طرف سے ناجائز۔ اور محض ظلمی اور جبری تھی۔ جیسے صلح حدیبیہ آنحضرت کی طرف سے جائز اور صحیح تھی لیکن مشرکوں کی طرف سے ظلمی اور جبری تھی۔ اس نکتہ کو یاد رکھنا چاہیے کیونکہ اس میں بڑے بڑے علماء کو دھوکا



ہو گیا ہے۔“

اسی طرح مولانا موصوف ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ اس بات کا گواہ ہے کہ ہمارے امام اور شہزادے نے اپنی خوشی کے ساتھ یہ خلافت معاویہ کو نہیں دی بلکہ مجبوری سے آپؐ نے دیکھا کہ میرے ساتھی لوگ در پردہ معاویہ سے سازش رکھتے ہیں اور معاویہ جنگ پر تلا ہوا ہے۔ آپؐ معاویہ کو ظالم و غاصب جانتے تھے۔ اور ہرگز خلافت کا مستحق نہیں جانتے تھے۔“

بہر حال اس بیان حقیقت ترجمان سے واضح و عیاں ہے کہ اس مصالحت سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام حسنؑ معاویہ کے اعمال کی صحت پر مہر توثیق ثبت کر رہے ہیں بلکہ صلح کے باوجود بھی حسنؑ ہیں اور معاویہ معاویہ! لیکن یزید امام حسینؑ سے اپنی بیعت کا مطالبہ کر رہا تھا اور بیعت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جس شخص کی بیعت کی جا رہی ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کے اعمال و افعال کی صحت و صداقت پر بھی مہر تصدیق ثبت کی جا رہی ہے۔ طلب بیعت سے یزید کا مقصد وہی تھا جو مکہ معظمہ میں ابوسفیانؑ کا رسول خدا ﷺ سے مطالبہ تھا کہ اسلام کا نام نہ لو۔ کفر و شرک کو ضلالت و گمراہی قرار نہ دو۔ خدا کی وحدانیت کو چھوڑ کر صنم پرستی اختیار کرو۔ غرضیکہ تم بھی ہماری روش و رفتار اختیار کرو۔ (اور ابوسفیانؑ کا بیٹا بھی اسلام کے پردہ میں اسی طریق کار پر کار بند رہا) اب یزید کے حضرت امام حسینؑ سے بیعت طلب کرنے کا مقصد صرف یہی تھا کہ وہ چونکہ بموجب

آنچہ پدر نتواند پسر تمام کند

اپنے آباء و اجداد کے کافرانہ نظریات اور ان کے کفریات کی نشر و اشاعت پر تلا ہوا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ وہ جن ننگ اسلام بلکہ ننگ انسانیت حرکات و سکنات کا ارتکاب کر رہا تھا اس پر صحیح وارث اسلام جناب امام حسینؑ سے مہر تصدیق ثبت کرائے اور اس طرح عوام الناس کی آنکھوں میں دھول ڈالے کہ اگر اس کے نظریات اور حرکات شرعاً صحیح نہ ہوتے تو امام حسینؑ اس کی بیعت کیونکر کرتے؟ (کفر یزید کی بحث آئندہ باب میں ملاحظہ فرمائیں) امام عالی مقام اپنے منصب و مقام اور وظیفہ و کام سے کما حقہ واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اس شراب خوار، زنا کار، تارک صوم و صلوٰۃ، خدا و رسولؐ سے استہزاء کرنے والے اور احکام شریعت کو منانے والے نابکار کی بیعت کرنے کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یزید کے رندانہ حرکات اور لٹکانہ خیالات شرعاً درست ہیں۔ اور اس کے اعمال و احکام صحیح اور واجب العمل ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اسلام وہی ہے جو یزید پیش کر رہا ہے۔ یہ مطلب اس وقت اور بھی زیادہ واضح



ہو جاتا ہے جب یہ بات پیش نظر رکھی جائے کہ پہلے زمانہ میں بیعت اس شرط پر لی جاتی تھی کہ کتاب و سنت پر عمل ہوگا مگر یزیدی سرکشی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ بیعت کرنے والے کو اقرار کرنا پڑتا تھا کہ میں خلیفہ کی ملکیت ہوں۔ وہ میرے اور میرے مال و اولاد کے ساتھ جو چاہے سلوک کر سکتا ہے۔ اب ارباب انصاف فرمائیں کہ ان حالات میں اگر حضرت امام حسین علیہ السلام یزید کی بیعت کر لیتے (حالانکہ کسی وقت بھی امام برحق کے لیے کسی اور کی بیعت جائز نہیں۔ خواہ وہ عالم و عادل ہی کیوں نہ ہو) تو پھر اسلام رجعت قہری کر کے سابقہ حالت کفر و بے دینی پر آ جاتا، کفر کا دور دورہ ہوتا، دین اسلام نیست و نابود ہو جاتا۔ حسین کے جد نامدار، پدر بزرگوار اور برادر عالی وقار کی کوششوں پر پانی پھر جاتا۔ اور ان کی تمام محنتیں اور زحماتیں ضائع و برباد ہو جاتیں۔ کیا حسینؑ یہ گوارا کر سکتے تھے؟ نہیں اور ہرگز نہیں! چنانچہ امام مظلومؑ نے ناقابل برداشت مصیبتیں اٹھائیں۔ اپنے اعز و اقارب، اصحاب و احباب کا قتل گوارا فرمایا، مخدرات عصمت و طہارت کی اسیری منظور کی مگر اسلام کی ابدی تباہی و بربادی قبول نہ کی بلکہ پورے استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ انکار بیعت کر کے اعز و انصار، مال و جان کی قربانی دے کر اور ناقابل تحمل مصائب و شدائد برداشت کر کے اسلام کو ایک زندہ جاوید حقیقت بنا دیا اور مسلمانان عالم کے سامنے ایک نمونہ عمل پیش کر دیا کہ حق و حقیقت کی حمایت اور دین اسلام کی حفاظت کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگانا پڑ جائے تو یہ کہہ کر کہ ۛ

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

سب کچھ قربان کر دینا مگر حق و صداقت پر آنچ نہ آنے دینا، سچ ہے ۛ

سر داد و نداد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

### چوتھا فرق

تقیہ ضرور شریعت اسلام میں جائز ہے جیسا کہ آیت مبارکہ ﴿إِلَّا أَنْ تَقِفُوا مِنْهُمْ ثَقَّةً﴾ (پ ۵، ع ۱۳) اور ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ مَّ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مِنْ أَكْثَرِ وَّ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ م بِالْإِيمَانِ﴾ (پ ۱۴، ع ۲۰) وغیرہ آیات قرآنیہ سے مستفاد ہوتا ہے مگر ارباب دانش و بینش جانتے ہیں کہ تقیہ کے جواز کے چند شرائط ہیں۔ منجملہ ان کے ایک اہم شرط یہ ہے کہ تقیہ کرنے سے جان و مال اور عزت و ناموس بچ جائے اور دین حق کو بھی کوئی گزند نہ پہنچے۔ لیکن اگر تقیہ کرنے سے دین حق کو نقصان پہنچتا ہو تو اس صورت میں اس کا مستحسن ہونا تو بجائے خود جواز ہی ثابت نہیں ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ انبیاء و مرسلین اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے نصب و تقرر کی غرض و غایت ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ دین و شریعت کی حفاظت و حراست کریں۔ اور کفر و شرک اور باطل کا قلع قمع کریں۔ بنا بریں جبکہ یزید کافق و فجور بلکہ اس کا



کفر صریح واضح و آشکار ہو چکا تھا جو بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح جائز سمجھتا تھا جو شراب کو پانی کی طرح پیتا اور نماز کا نام نہ لیتا تھا۔<sup>۱</sup> جو منبر رسول پر بیٹھ کر علانیہ یہ کفریہ اشعار پڑھتا تھا۔

لعبت بنو هاشم بالملك فلا خبر جاء ولا وحى نزل<sup>۲</sup>

دریں حالات اگر سید الشہداء علیہ السلام تقیہ فرماتے تو ان کی اور ان کے اعزاء و انصار کی جان تو ضرور بچ جاتی مگر دین اسلام مٹ جاتا۔ کفر و شرک کی نشر و اشاعت ہوتی لوگ صراط مستقیم سے بھٹک جاتے۔ حقائق ایمان کی جگہ رسوم جاہلیت لے لیتیں۔ اور اس طرح حسین کے مقدس آباء و اجداد کی مساعی جمیلہ پر پانی پھر جاتا ہے ایسے حالات میں حسین ایسے حق باز و حق کوش اور جری و بہادر پاکباز انسان کے لیے ممکن تھا کہ اپنی جان کی حفاظت کے لیے اسلام کو قربانی کی بھیٹ چڑھا دیتے؟ لا واللہ۔ بلکہ ایسے حالات میں تو اہل سنت کے اصول کے مطابق بھی حسین پر اعلائے کلمۃ الحق کے لیے جہاد واجب تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے لکھا ہے: ﴿اذا كفر الخليفة بانكار ضروري من ضروريات الدين حل قتاله بل وجب..... فصار قتاله من الجهاد في سبيل الله.....﴾<sup>۳</sup> الخ جب کوئی خلیفہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہو جائے تو اس وقت اس سے جنگ کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہو جاتا ہے۔۔۔ اور اس سے جنگ کرنا جہاد فی سبیل اللہ میں شمار ہوتا ہے۔<sup>۴</sup> ان حالات میں اگر امام حسین تقیہ کر کے گھر میں بیٹھے رہتے تو پھر اسلام کو پناہ کون دیتا؟ اسلام کی جڑ کاٹی جا رہی تھی۔ اس کی روک تھام کون کرتا؟ تین پشتوں کا دشمن اسلام تو اس کے قلع قمع کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس کو اس کے ناپاک عزائم میں ناکام کون بناتا؟ جب اسلام کو مٹایا جا رہا تھا تو اس کا علم کون بلند کرتا؟ اس لیے حسین آگے بڑھے۔ اور وہی کچھ کیا جو شرعاً ان کا فرض منصبی تھا یعنی زبان حال سے یہ کہتے ہوئے کہ

ان كان دين محمد لم يستقم الا بقتلي فيا سيف خديني

جان و مال اور اہل و عیال کو راہ حق میں شمار کر کے اسلام کو ابد الابد تک کے لیے زندہ و پائندہ حقیقت بنا دیا۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

لیکن امام حسن علیہ السلام کے وقت یہ صورت حال نہ تھی چونکہ معاویہ اگرچہ دینی اعتبار سے جتنا بھی گیا گزرا ہوا

۱۔ تاریخ الخلفاء، بیروتی، ص ۳۰۹۔

۲۔ تذکرہ خواص الامہ، ص ۲۶۱ وغیرہ۔

۳۔ حیدر اللہ الباقی، ص ۳۳۶۔



تھا مگر پھر بھی اس نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا اس نے اپنے جیسے کی طرح اسلام کا جواب بالکل اتار کر دوڑ نہیں پھینک دیا تھا۔

### پانچواں فرق

خداوند عالم کا ارشاد ہے: ﴿قَاتِلُوا النَّاسَ تَبِيعُوا حَتَّى تَقَى إِلَى أَمْرِ اللَّهِ﴾ (پ ۲۶، ع ۱۳، س حجرات) باغی گروہ سے اس وقت تک جہاد جاری رکھو جب تک کہ وہ اللہ کے ”امر“ کی طرف پلٹ نہ آئے ”امر اللہ“ کی تفسیر دو چیزوں سے کی گئی ہے۔ اول امام حق کی اطاعت قبول کر لینا۔ دوسرے صلح کرنے پر آمادگی ظاہر کرنا۔ چنانچہ علامہ رازی نے بذیل آیت بالا یہی دوسرے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ﴿إِذْ أَمَرَ إِلَى الصَّلَاحِ فَانْهَ مَمُورٌ بِهِ يَدُلُّ عَلَيْهِ قَوْلُهُ تَعَالَى فَاصْلَحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾<sup>۱</sup> یعنی امر اللہ کی طرف پلٹنے سے مراد صلح پر آمادہ ہونا ہے کیونکہ صلح کا خدا نے حکم دیا ہے جس پر یہی ارشاد الہی دلالت کرتا ہے کہ اپنے جھگڑوں کی اصلاح کرو۔ بنا بریں جب معاویہ نے صلح کی پیشکش کی تو شہزادہ امن و سلام کے لیے صلح شرعاً جائز تھی۔ خصوصاً جبکہ یہ بھی ملحوظ رکھا جائے کہ حالات ایسے ناخوشگوار ہو چکے تھے کہ آپ کے ساتھی بری طرح داخلی افتراق و انتشار کا شکار ہو چکے تھے اور آپ کے صحیح غمخوار آئے میں نمک کے برابر بھی نہ تھے مگر حضرت امام حسینؑ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ یہاں امیر شام کا ناخلف بیٹا نشہ دولت و اقتدار سے سرشار ہو کر امام عالی وقار سے بیعت لینے پر اصرار کر رہا تھا۔ اور امام حسینؑ کسی قیمت پر بھی اس کی بیعت نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ اس میں دین اسلام کی ہلاکت و بربادی تھی۔ اس لیے سوائے اقدام جہاد کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت ناقابل تردید حد تک واضح ہو جاتی ہے کہ تقاضائے وقت کے لحاظ سے امام حسنؑ کی صلح ایسی تھی کہ اگر اس وقت امام حسینؑ ذمہ دار ہوتے تو وہ بھی صلح ہی کرتے۔ اور امام حسینؑ کا جہاد بھی اپنے وقت کے اعتبار سے ایسا صحیح اقدام تھا کہ اگر ان کی جگہ امام حسنؑ ہوتے تو وہ بھی اسی مسلک کو اختیار فرماتے۔

### چھٹا فرق

شیعی نقطہ نگاہ سے تو یہ مسئلہ بالکل واضح ہے کہ ہر امام اپنے دور میں حکم خداوندی کے مطابق عمل درآمد کرتا ہے اور اس کا ہر قول و فعل مشیت ایزدی کے تابع ہوتا ہے۔ جسے حکم صلح ہو وہ صلح کر کے وقت گزار لیتا ہے اور جسے حکم جہاد ہو وہ اس پر عمل کر کے اپنا فریضہ ادا کرتا ہے۔ ﴿إِنَّ الْأَوَّلَةَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَمْ يَفْعَلُوا شَيْئًا وَلَا يَفْعَلُونَ إِلَّا



بعہد من اللہ عزوجل و امر منہ لا یتجاوز ولہ <sup>۱</sup> امام حسن علیہ السلام کو حکم صلح تھا انہوں نے صلح کر لی اور امام حسین علیہ السلام جہاد تھا انہوں نے جہاد کیا۔ <sup>۲</sup> چنانچہ بعض آثار میں وارد ہے کہ جناب جابر بن عبد اللہ انصاری نے امام حسین کو اپنے بھائی امام حسن کی طرح صلح کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ امام عالی مقام نے فرمایا تھا: <sup>۳</sup> یا جابر قد فعل احی ذلک یا امر اللہ تعالیٰ و رسولہ صلی اللہ علیہ و آلہ و انا ایضا افعل یا امر اللہ تعالیٰ و رسولہ صلی اللہ علیہ و آلہ۔۔۔ الخ <sup>۴</sup> اسے جابر میرے بھائی نے جو کہہ کر کیا وہ خدا و رسول کے حکم سے کیا اور جو کچھ میں کر رہا ہوں یہ بھی خدا و رسول کے ہی حکم کے ماتحت ہے۔ <sup>۵</sup>

بہر کیف دونوں شہزادگان کو یمن نے اپنے اپنے محل سے اپنے جد نامہ دار کے اس ارشاد کی عملی تفسیر پیش کر دی کہ (ابنای ہذان امامان قاعا او قعدا) <sup>۶</sup> میرے یہ دونوں شہزادے بہر حال امام برحق ہیں خواہ (صلح کر کے) بیٹھ جائیں۔ یا (جہاد کر کے) کھڑے ہو جائیں۔ <sup>۷</sup> ولنعلم ما قیل۔

چاہا جب خدا نے یہ بتائے دنیا والوں کو کہیں پر صلح ہوتی ہے کہاں پر جنگ ہوتی ہے  
تو بھیجے اپنی رحمت سے علیؑ کے لائے دونوں یہ سمجھا جائیں جس پر آج دنیا دنگ ہوتی ہے  
یہ آئے اور مسلم کو عمل کر کے یہ بتلایا یہاں پر صلح ہوتی ہے یہاں پر جنگ ہوتی ہے

ان فی ذلک لایۃ لمن کان لہ قلب او الفی السمع وهو شہید۔

۱۔ اصول کافی، ج ۱، طبع ایران۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ نفس المہجوم، ج ۱، ص ۳۹۔

۴۔ الامارۃ، دہلی۔



آیا امام حسین علیہ السلام کا یہ اقدام باغیانہ تھا؟ (معاذ اللہ)

اور

یزید کے حقیقی خدو خال، تاریخ کی روشنی میں

اگرچہ جمہور مسلمین یزید عنید کو فاسق و فاجر بلکہ ملحد و مرتد اور دائرۃ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں مگر ہمیشہ ہر زمانے میں کچھ نہ کچھ لوگ ایسے بھی رہے ہیں اور اب بھی (خصوصاً ہمارے ملک میں) موجود ہیں۔ جو یزید کی حمایت کر کے اسے صرف خلیفہ رسول ہی نہیں بلکہ اسے خلیفہ راشد ثابت کرنا اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔ (خدا ان کا حشر و نشر یزید کے ساتھ کرے) اسی گروہ کا سرخیل ابن تیمیہ حرانی ہے جو کہتا ہے: ﴿لَا يَجُوزُ لَعْنُ يَزِيدَ وَلَا تَكْفِيرُهُ فَانْهَ مِنْ جَمَلَةِ الْمُؤْمِنِينَ﴾۔ یزید پر لعنت کرنا اور اس کی تکفیر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ مؤمنین میں سے ایک مؤمن ہے۔<sup>۱</sup>

SIBTAIN.COM

اور اسی بد بخت گروہ کا دوسرا سرگرم رکن ابن العربی مالکی ہے جو حمایت یزید میں یہاں تک کافرانہ فتویٰ دے گیا ﴿لَمْ يَقْتُلْ يَزِيدُ الْحُسَيْنَ﴾ الا بسيف جدہ ﴿یزید نے حسین کو قتل نہیں کیا مگر انہی کے جد کے تلوار کے ساتھ۔ اس گروہ کا ایک ترجمان ملا علی قاری بھی ہے۔ وہ لکھتا ہے: ﴿ان الامر بقتل الحسين بل قتله ليس موجبا للجنة على مقتضى مذهب اهل السنة﴾ امام حسین کے قتل کا حکم دینا بلکہ ان کو قتل کرنا بھی اہل سنت کے مذہب کے مطابق کفر نہیں ہے۔<sup>۲</sup>

نیز اسی فرقہ ضالہ و مغلہ کے ایک مشہور فرد ابن حجر مکی نے حافظ ابن صلاح کے حوالے سے لکھا ہے: ﴿لکونه امر بقتل الحسين لم يصح عندنا انه امر بقتله رضي الله عنه.... و اما سب يزید و لعنه فليس شان المؤمنين و ان صح انه قتله او امر بقتله﴾ یہ بات ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے کہ یزید نے قتل حسین کا حکم دیا تھا اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ اس نے امام کو قتل کیا یا ان کے قتل کا حکم دیا تاہم اس پر لعنت کرنا اہل

۱۔ منہاج السنۃ، ج ۱، کذا فی الصواعق ۲۲۳۔ ۲۔ مکمل شرح قصیدہ ہمزہ ابن حجر مکی۔ بحوالہ مجاہد اعظم، ج ۱، صواعق محرقة، ص ۲۲۳، طبع جدید۔

۳۔ شرح بدء الامالی۔



ایمان کی شان نہیں ہے۔

جناب غزالی بھی اسی جماعت کی صف میں نظر آتے ہیں جنہوں نے احیاء العلوم<sup>۱</sup> میں بڑی شد و مد سے لعنت یزید کی ممانعت فرمائی ہے۔ ہمارے ملک میں ”خلافت معاویہ و یزید“ اور ”خلافت رشید ابن رشید“ وغیرہ کتب و رسائل کے مؤلفین اپنے پیشروں سے بھی چند قدم آگے نکل گئے ہیں۔ بہر حال کہاں تک یزید کے پرستاروں کے نام گنوائے جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ

يك حسينے نيست كو گردد شهيد ورنه بسيار اند در دنيا يزيدي

جیسا کہ آپ نے سطور بالا میں ملاحظہ کر لیا ہے اس گروہ میں کچھ ایسے بھی دین و ایمان کے دشمن یزید کے حمایتی موجود ہیں جنہوں نے محض یزید کی پوزیشن صاف کرنے کے لیے حضرت امام حسین علیہ السلام پر بغاوت کا الزام عائد کیا ہے۔ چونکہ دشمنان حسینؑ و ہوا خواہان یزید ہمیشہ یہ اعتراض کرتے رہتے ہیں اس لیے ضرورت ہے کہ ان لوگوں کے اس ایراد کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا جائے تاکہ معلوم ہو کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے اور اس میں کتنا وزن ہے؟ اسی لیے ہم نے یہ باب منعقد کیا ہے۔ حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے پہلے بغاوت کی شرعی تعریف معلوم ہونی چاہئے۔ سو مخفی نہ رہے کہ اصطلاح شرع اقدس میں بغاوت کا مفہوم ہے جناب رسول اسلام ﷺ کے صحیح وارث و جانشین کے خلاف علم مخالفت بلند کرنا۔<sup>۲</sup> جیسا کہ جمل و صفین والوں نے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ بنا بریں کسی شخص پر بغاوت کا الزام عائد کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ جس کے خلاف اس نے کوئی اقدام کیا ہے۔ آیا اس کی خلافت و امامت صحیح طریقہ پر ثابت بھی ہے یا نہیں؟ اس اصول کے تحت اگر خلافت یزید کا جائزہ لیا جائے تو وہ (شیعی نقطہ نظر سے قطع نظر کرتے ہوئے) اہل سنت کے قواعد کے مطابق بھی کسی طرح درست ثابت نہیں ہوتی اور اس کے متعدد وجوہ ہیں۔

### خلافت یزید کے ناجائز ہونے کی پہلی وجہ

یہ ہے کہ باب ہفتم میں شرائط صلح امام حسن و معاویہ کے ضمن میں مکمل وضاحت کی جا چکی ہے کہ ان شرائط میں سے ایک اہم شرط یہ تھی کہ معاویہ کو اپنے بعد اپنا ولی عہد اور خلیفہ مقرر کرنے کا کوئی حق<sup>۳</sup> نہ ہوگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ معاویہ کا یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا اصول شریعت اور آئین اسلام کے سراسر خلاف ہے۔ معاویہ کو اس تقرر کا

۱۔ احیاء العلوم، ج ۳، ص ۱۲۱، ۱۲۲، طبع مصر۔

۲۔ الحدیث، ج ۱، ص ۵۸۴، حاشیہ۔

۳۔ صواعق محرقہ، ص ۱۳۶۔ الامامة والسياسة، ص ۲۵۸، بحری، ج ۴، ص ۹۴ وغیرہ۔



قطعاً کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ ﴿ولو نظروا فی سیر العلماء لعلموا کیف عقدت له البیعة و الزم الناس بها و لقد فعل فی ذلک کل قبیح﴾ اگر یہ لوگ کتب سیر و تواریخ پر نگاہ کرتے تو ان کو یہ حقیقت معلوم ہو جاتی کہ بیعت یزید کیونکر منعقد ہوئی اور کس طرح لوگوں کو اس بیعت پر مجبور کیا گیا اور کس طرح اس سلسلہ میں تمام قبیح و شنیع کارروائیاں کی گئیں؟ لے ان قبیح کارروائیوں کا ایک شہ ہم آٹھویں باب میں ذکر کر چکے ہیں۔ ناظرین کرام اس کی طرف رجوع کریں۔

تو خود حدیث مفصل بخوان ازیں مجمل

مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے بھی اسی طرح لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ خلافت غیر آئینی تھی اور کسی طرح بھی درست نہ تھی۔ چنانچہ وہ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں: ”تمام کتب سیر و تواریخ وغیرہ سے ثابت ہے اور تمام علماء محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت صرف ان کی حیات تک کے لیے سپرد کی تھی۔ اور اس شرط پر ان کو خلافت سونپ دی تھی کہ تمہارے بعد پھر خلافت ہماری ہی طرف لوٹے گی۔ تم کو ہرگز یہ حق نہ ہوگا کہ کسی کو اپنا ولی عہد بناؤ یا اس کو میراث سمجھو اور کسریٰ اور قیصر کی سلطنت بناؤ۔ علامہ ابن عبد البر اندلسی استیعاب جلد اول ص ۱۴۴ میں تحریر فرماتے ہیں: ﴿ولا خلاف بین العلماء ان الحسن انما سلم الخلافة لمعاویة حیاته لا غیر ثم یكون له من بعده و علی ذلک انعقد بینهما ما انعقد فی ذلک﴾ باتفاق تمام علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ امام حسنؑ نے امیر معاویہ کو صرف ان کی حیات تک کے لیے خلافت سپرد کی تھی۔ نہ مابعد کے لیے بھی۔ اور اسی پر ان دونوں کے مابین صلح ہوئی تھی۔ اور اصابہ فی تمیز الصحابہ، ص ۶۷ میں ہے: ﴿..... علی ان یجعل العهد له من بعده﴾ یعنی ”اس بات پر کہ خلافت ان کے بعد پھر انہی امام حسنؑ کے سپرد ہو۔۔۔۔۔ (کذا فی الامامة والسیاسة، ص ۲۵۸)۔۔۔۔۔ لیکن افسوس معاویہ نے خلاف معاہدہ یزید کو خلیفہ ولی عہد مقرر کر دیا۔“ لہذا جب یزید کی خلافت ہی صحیح نہیں تو اس کے خلاف کوئی اقدام کیونکر بغاوت ہو سکتا ہے؟

### دوسری وجہ

ظاہر ہے کہ یزید کی خلافت خلافت معاویہ کی فرع ہے لہذا اگر معاویہ کی خلافت شرعاً درست ثابت ہوگئی تو پھر تو یزید کی خلافت کے صحیح ہونے کا کچھ احتمال ہو سکتا ہے؟ لیکن اگر سرے سے خود معاویہ کی خلافت و امارت ہی غیر

۱۔ تفسیر روح المعانی، ج ۸، ص ۱۲۶۔

۲۔ رسالہ شہادت حسین، ص ۴۵۔



آئینی اور ان کی دھینگا مشتی کا نتیجہ ثابت ہوئی تو پھر خلافت یزید کی صحت بالکل خارج از بحث سمجھی جائے گی۔ اس لیے خلافت معاویہ کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے سو مخفی نہ رہے کہ اہل سنت کے علماء محققین کو تحقیقات بسیار کے بعد اس بات کا اقرار کرنا پڑا ہے کہ معاویہ کی خلافت کو کسی طرح بھی شرعاً درست نہیں قرار دیا جاسکتا چنانچہ اہل سنت کے علامہ و امام مولوی وحید الزمان لکھتے ہیں: ”یہ بعض مولویوں کی صریح غلطی ہے کہ جو آیتیں یا حدیثیں مہاجرین و انصار کی فضیلت میں وارد ہیں ان سے ابوسفیان اور معاویہ کی فضیلت ثابت کرتے ہیں۔ معاویہ اور ابوسفیان نہ سابقین اولین میں سے ہیں اور نہ تبعین باحسان میں سے بلکہ ساعین الی البغی و العدوان (بغاوت اور سرکشی کرنے والوں) میں سے ہیں۔ امام نسائی نے فرمایا: معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔ سوائے ایک حدیث کے کہ اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے۔ اور یہ دعا آپ کی معاویہ کے حق میں قبول ہوئی۔ ان کے سامنے ستر طرح کے کھانے رکھے جاتے۔ وہ کھاتے کھاتے تھک جاتے، پر ان کا پیٹ نہ بھرتا۔۔۔۔۔ جب معاویہ نے منبر پر بیان کیا کہ خلافت کا مستحق کوئی ہم سے زیادہ نہیں ہے تو عبد اللہ بن عمر نے اپنے جی میں کہا: تجھ سے زیادہ خلافت کا مستحق وہ ہے جو تجھ سے اور تیرے باپ سے لڑتا رہا۔ یعنی جس زمانہ میں تو اور تیرا باپ دونوں کافر تھے تو دوسرے لوگ جو تجھ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور تجھ سے جہاد کرتے تھے وہ تجھ سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ کی حکومت دھینگا مشتی سے تھی۔ نہ صلاح و مشورہ اور استحقاق سے۔ تو اس کو خلافت نہیں کہہ سکتے۔ جیسے اوپر کئی بار بیان ہو چکا ہے۔“

باب دہم میں اسی بزرگ کا صلح حسن کے سلسلہ میں یہ کلام نقل کیا جا چکا ہے کہ جناب امام حسن کی صلح معاویہ سے اسی طرح تھی جس طرح پیغمبر اسلام ﷺ کی صلح کفار مکہ سے جو آنحضرت کی طرف سے صحیح اور کفار کی طرف سے جبری اور ظلمی تھی۔ یہی کیفیت یہاں بھی تھی۔

پس اس بیان حقیقت ترجمان سے یہ حقیقت بالکل واضح دے دیاں ہو گئی کہ معاویہ بن ابوسفیان کی خلافت غلط اور غیر آئینی تھی اس کے بعد یزید کی خلافت کا بطلان محتاج دلیل و برہان نہیں رہتا۔

خشت اول چوں نہد معمار کج      تا ثریا می رود دیوار کج  
مولانا نے موصوف کا یہ بیان حرز جان بنانے کے لائق ہے کہ ”یزید کا کوئی حق نہ تھا کہ اس کو مسلمانوں پر حکومت ملے۔ بھلا جب فرشتے موجود ہوں تو کوئی شیطان کی حکومت منظور کرے گا؟ مگر معلوم نہیں کہ اہل شام کس قبیل کے مسلمان تھے۔ امام حسین علیہ السلام کی کنش برداری کی بھی یزید لیاقت نہیں رکھتا تھا۔“

کجا عیسیٰ کجا دجال ناپاک

چہ نسبت خاک را با عالم پاک



مگر امام صاحب کے موجود ہوتے ہوئے بھلے مانسوں نے یزید سے بیعت کر لی اور اس پر بھی اکتفا نہ کی۔  
امام صاحب کی جان کے درپے ہو گئے آخر کس شقاوت سے آپ کو بچوں اور عزیزوں سمیت قتل کر دیا۔

اگر اسلام ہمیں است کہ این ها در اند وائے گر پس امروز بود فردائے  
اہل سنت کی اس مسلم الثبوت حدیث کہ ﴿الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم يكون ملك عضوض﴾  
میرے بعد خلافت صرف تیس برس تک ہوگی۔ اس کے بعد کاٹنے والی بادشاہی ہوگی۔ (انوار اللغۃ، پ ۱۸، ص ۱۳۴)  
سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ خلیفہ نہیں بلکہ اسے زیادہ سے زیادہ ایک بادشاہ کہا جاسکتا ہے کیونکہ اس بنا پر تیس  
سال کا عرصہ امام حسن کی شش ماہی ظاہری خلافت پر ختم ہو جاتا ہے۔ پس جب یزید کی خلافت ہی شرعاً ثابت نہیں تو اس  
کے خلاف اقدام کرنے والا کیونکر باغی قرار دیا جاسکتا ہے۔

### تیسری وجہ

ہر چیز کا ایک میزان و معیار ہوتا ہے۔ آخر خلیفہ رسول ہونے کا بھی تو کوئی معیار ہونا چاہئے۔ ایسا تو نہیں ہو  
سکتا کہ جو شتر بے مہار دعوائے خلافت کر دے۔ اور لاشی کے زور سے تخت خلافت پر متمکن ہو جائے۔ وہ خلیفہ رسول  
بن جائے؟ اگرچہ شرابخوار، زنا کار، تارک صوم و صلوٰۃ غرضیکہ پکا فاسق و فاجر بلکہ عقیدۃ کافر اور اسلام کا غدار بھی ہو؟  
کیا کوئی مسلمان فقیہ اس دھاندلی کی اجازت دے سکتا ہے؟ حاشا و کلا۔ بنا بریں یزید کے آراء و افکار  
اور اس کی سیرت و کردار کا جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ اس کا استحقاق یا عدم استحقاق خلافت معلوم ہو جائے۔ جہاں تک  
ہم نے اسلامی کتب تاریخ و حدیث کا مطالعہ کیا ہے ہم تو اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یزید اپنی سیرت و کردار اور آراء و افکار  
کے اعتبار سے صرف فاسق و فاجر ہی نہیں بلکہ بالکل کافر ہے ہم ان حقائق کا ایک شمع ذیل میں درج کر کے بالانصاف  
ناظرین کرام کو دعوت فکر دیتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ تعصب و عناد کی عینک اتار کر حقائق کا مطالعہ کرنے والے  
حضرات اس نتیجے میں ہمارے ساتھ اتفاق رائے کریں گے۔

### یزید کے بعض کفرانہ عقائد و نظریات

یزید کہتا ہے ۛ

لیت اشیاء خبی بیدر شہدوا جزع الحزرج من وقع الاسل

۱۔ انوار اللغۃ، پ ۱۲، ص ۵۴۔

۲۔ معاویہ بن ابی سفیان کی خلافت کے ابطال اور اس کی ملوکیت کے اثبات کے سلسلہ میں کتاب ”خلافت سے ملوکیت تک“ کا مطالعہ بہت

منفید ہے۔



قد قتلنا القرم من ساداتکم      وعد لنا میل بدر فاعتدل  
فاهلوا واستهلوا فرحاً      ثم قالوا یا یزید لا تشل  
لست من خندف ان لم انتقم      من بنی احمد ما کان فعل  
لعبت بنو هاشم بالملک فلا      خبر جاء ولا وحی نزل

یزید ان اشعار کفر شعار میں دین اسلام اور اس کے خالق کا انکار کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے نجس و ناپاک کشتگان بدر کا ذریت رسولؐ سے بدلہ لینے کے بعد کہتا ہے:

(۱) کاش میرے بدر والے وہ بزرگ جنہوں نے تیر کھا کر بنی خزرج کی جزع فزع اور اضطراب کو دیکھا تھا آج موجود ہوتے۔

(۲) (اور دیکھتے کہ) ہم نے تمہارے سرداروں میں سے بڑے سردار (امام حسینؑ) کو قتل کر کے بدر والی کچی کو سیدھا کر دیا ہے۔

(۳) اس وقت خوشی کے مارے ضرور باواز بلند پکار کر کہتے کہ اے یزید تیرے ہاتھ شکل نہ ہوں۔

(۴) میں اولادِ خندف سے نہیں ہوں اگر اولادِ احمدؑ سے ان کے کئے کا بدلہ نہ لے لوں۔

(۵) بنی ہاشم نے ملک گیری کے لیے ایک ڈھونگ رچایا تھا ورنہ نہ کوئی خبر آسانی آئی تھی اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی تھی (معاذ اللہ)۔

تاریخ طبری میں ان اشعار کے بعد اس رائے کا اظہار ملتا ہے: ﴿هَذَا هُوَ الْحَرْقُ مِنَ الدِّينِ وَقَوْلُ مَنْ لَا يَرْجِعُ إِلَى اللَّهِ وَلَا إِلَى دِينِهِ وَلَا إِلَى كِتَابِهِ وَلَا إِلَى رَسُولِهِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَلَا بِمَا جَاءَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ.....﴾ یعنی یہ کھلم کھلا دین اسلام سے خروج ہے اور ایک ایسے شخص کا قول ہے جو خدا اور رسولؐ اور ان کے لائے ہوئے دین پر ایمان نہیں رکھتا۔

### حلت شراب کے متعلق یزید کا نظریہ اور پینے کے متعلق معاویہ کی تدبیر

یزید چونکہ علانیہ شراب کے دور چلا کر داد عیش و عشرت دیتا تھا امیر شام کو اندیشہ ہوا کہ چونکہ ابھی تک اکثر لوگوں کے دل و دماغ میں اسلامی احکام و ارکان کی کچھ نہ کچھ عظمت راسخ ہے۔ اس لیے وہ کہیں یزید سے متنفر نہ ہو

۱۔ تذکرہ خواص الامۃ سبط ابن جوزی، ص ۱۳۸۔ صواعق محرقہ، ص ۲۲۲۔ بیان فی المودۃ، ص ۳۲۵۔ نزل الابرار بدخشی، ص ۹۷۔ اتحاف لجب

الاشراف، ص ۱۸۔ وسیلۃ النجا، ص ۲۹۹ وغیرہ بحوالہ ناموس اسلام، ج ۴، ص ۲۱۶۔

تاریخ طبری، ص ۳۵۸ طبع جدید۔



جائیں اور اس طرح وہ جو یزید کی ولی عہدی کے لیے زمین ہموار کر رہا ہے اس میں اسے مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس لیے اپنے چہیتے بیٹے کو شراب خواری کی یہ تدبیر بتائی۔ ﴿لَا تَفْعَلْ نَهَاراً لِّثَلَا تَهْوَنَ فِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ﴾ ﴿یٰۤاِذَا دُنِیْتُ لَكَ شَرَابٌ لَا یَسَآءُ لَكَ شَرَابٌ﴾ تاکہ لوگوں کی نگاہوں میں تمہاری قدر و منزلت نہ گر جائے۔ ﴿ذَكَرَهُ ابْنُ الْمَغَازِلِیِّ فِيْ تَارِيْخِهِ وَ ابْنُ الْاَنْبَارِیِّ فِيْ تَارِيْخِهِ﴾

اس کے جواب میں یزید نے اپنے باپ کو جواباً یہ دو شعر لکھ کر بھیج دیے۔

فَإِنْ حَرَمْتَ يَوْمًا عَلَى دِينَ أَحْمَدَ	فَخَذَهَا عَلَيَّ دِينَ مَسِيحِ بْنِ مَرْيَمَ
اگر دین احمد میں شراب نوشی حرام ہے	تو پھر مسیح بن مریم کے دین پر پی لو
مَا قَالَ رَبُّكَ وَبَلْ لِلذِّی شَرَبُوا	بَلْ قَالَ رَبُّكَ وَبَلْ لِلْمَصْلِيْنَ
خدا نے شرابخواروں کے متعلق ویل	البتہ نماز گزاروں کے متعلق قرآن میں ویل
لِلشَّارِبِيْنَ كَهَيْسَ لَا يَسْأَلُ	لِلْمَصْلِيْنَ مَوْجُودٌ هَلْ

ان اشعار سے واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ یزید صرف یہی نہیں کہ عملاً ایک انتہائی گنہگار شخص تھا بلکہ وہ خیالات و نظریات کے اعتبار سے بھی ایسا لاپرواہی تھا کہ وہ احکام شریعت کا استہزاء کیا کرتا تھا یہ کمبخت شراب کا اتنا دلدادہ تھا کہ جس وقت معاویہ اس کی ولیعہدی کی کوششوں میں مشغول تھا تو اس نے یزید کو حج کے بہانہ سے اہل مکہ و مدینہ کو متاثر کرنے کے لیے حجاز بھیجا تھا تو اس نے مدینہ منورہ پہنچ کر بھی بادہ کشی کا دور چلایا تھا۔<sup>۱</sup>

### یزید اور محرمات شرعیہ جیسے زنا، ترک صلوٰۃ اور شرب خمر کا ارتکاب

عبداللہ بن حنظلہ (غسل الملائکہ) بیان کرتے ہیں: ﴿وَاللّٰهُ مَا خَرَجْنَا عَلٰی یَزِيْدَ حَتّٰی خَفِنَا اِنْ نَرْمِيْ بِالْحِجَارَةِ مِنَ السَّمَاءِ اِنْ رَجُلًا يَنْكَحُ امِهَاتِ الْاَوْلَادِ وَالْبَنَاتِ وَالْاَخْوَاتِ وَيَشْرَبُ الْخَمْرَ وَيُدْعِ الصَّلٰوةَ﴾ خدا کی قسم ہم نے اس وقت تک یزید کے خلاف آواز بلند نہیں کی جب تک ہمیں یہ خوف دامن گیر نہیں ہو گیا کہ کہیں ہم پر آسمان سے پتھر نہ برسے کیونکہ وہ ایسا شخص تھا جو (جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے) اپنی سوتیلی ماؤں اور اپنی بیٹیوں اور بہنوں تک کو نہ چھوڑتا تھا۔ اور شراب علانیہ پیتا تھا اور نماز ترک کرتا تھا۔<sup>۲</sup> اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یزید عملی حیثیت سے کس قدر گرا ہوا تھا؟

۱۔ روض الجنان، مولانا اشرف علی تھانوی (علی ما نقل فی ناموس السلام)۔

۲۔ تاریخ کامل ابن اثیر، ج ۴، ص ۶۳، مطبوعہ مصر، ۱۲۷۵ھ۔

۳۔ تاریخ الخلفاء، سیوطی، ص ۲۰۸، ۲۰۹۔ تذکرہ سبط ابن الجوزی، ص ۱۶۳۔ صواعق محرقة، ص ۱۳۴۔



## یزید کے عام عادات و اطوار

مؤرخ جلیل مسعودی نے یزید کے متعلق لکھا ہے: ﴿وكان يزيد صاحب طرب و جوارح و كلاب و نرود و فهود و منادمة على الشراب.... الخ﴾ یزید بڑا عیش و عشرت پسند، شکاری جانوروں، کتوں، بندروں اور چیتوں کا دلدادہ تھا اور ہر وقت انہی اشغال میں مشغول رہتا تھا اور ہر وقت اس کے ہاں شراب خواری کی بریں قائم رہتی تھیں۔<sup>۱</sup> جب یزید کی بدکرداریوں کی عام شہرت ہوئی تو مدینہ کے لوگوں پر بالخصوص یہ بات بہت شاق گزری۔ حاکم مدینہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان نے معاملہ کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اشراف مدینہ کا ایک وفد مرتب کر کے یزید کے پاس بھیجا جس میں جناب عبد اللہ بن حنظلہ انصاری اور منذر بن زبیر وغیرہ شامل تھے۔ عثمان کا خیال تھا کہ یہ لوگ یزید کی عطا و بخشش سے مطمئن ہو جائیں گے مگر اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ ان حضرات نے واپس آ کر یزید کے کردار کو بالکل طشت از بام کر دیا اگرچہ یزید نے رخصت کے وقت بطور رخصتانہ عبد اللہ کو ایک لاکھ اور ان کے ہمراہیوں کو دس دس ہزار درہم دیئے۔ یزید کا خیال تھا کہ اس حیلہ سے ان کو اپنے دام تزیور میں پھانسنے میں کامیاب ہو جائے گا مگر اس کی توقع کے خلاف جب یہ لوگ واپس پلٹ کر مدینہ پہنچے تو برملا ﴿فاظهروا رستم يزيد و عيبه و قالوا قد منا من عند رجل ليس له دين يشرب الخمر و يضرب بالطنابير و يعزف عنده القيان بالمعازف و يلعب بالكلاب و يسمر عند الحراب و هم اللصوص و انا نشهدكم انا قد خلعناه﴾ یزید کے عیوب اور اس کی برائیاں ظاہر کیں اور کہا ہم ایک ایسے شخص کے پاس سے آرہے ہیں جو بالکل بے دین ہے، شراب پیتا ہے، طنزورے بجاتا ہے، اس کے سامنے کنیریں باجے بجاتی ہیں، کتوں سے کھیل کر دل بہلاتا ہے، رات کو بد معاشوں اور چوروں کے جھگھٹ میں جنگی کہانیاں بیان ہوتی ہیں۔ ہم تمہیں گواہ کر کے کہتے ہیں کہ ہم نے اس کی بیعت توڑ دی ہے۔<sup>۲</sup>

چنانچہ دیگر اہل مدینہ نے بھی یزید کی بیعت توڑ دی جس کے نتیجہ میں وہ السیہ واقع ہوا جو واقعہ حرہ کے نام سے تاریخ میں یاد کیا جاتا ہے۔ ”حرہ“ مدینہ طیبہ کے مشرق میں ایک مقام کا نام ہے جہاں فوج یزید کے سپہ سالار مسلم بن عقبہ (جس کے پاس پندرہ ہزار کالشکر جارا تھا) اور اہل مدینہ میں سخت خونریز جنگ ہوئی اور نتیجتاً اہل مدینہ کو شکست ہوئی۔ سرداران لشکر (عبد اللہ بن حنظلہ و عبد اللہ بن مطیع) جنگ میں کام آئے۔ اس کے بعد مسلم (سرف انب ہے) نے مدینہ رسول میں جو مظالم ڈھائے۔ ان کے بیان سے قلم اور زبان عاجز و حیران ہے۔ مؤرخین کے ایک عام

۱۔ مروج الذهب، ج ۲، ص ۶۸۔ طبع مصر۔

۲۔ طبری، ج ۷، ص ۴۰۔ تاریخ الخلفاء، ص ۱۳۸۔



اندازے کے مطابق تین شبانہ و روز تک مدینہ کو تاخت و تاراج کیا گیا۔ علاوہ مالی نقصان کے صرف جانی نقصان کا یہ اندازہ ہے کہ اس میں سات سو (۷۰۰) صحابہ رسولؐ اور دس ہزار عوام شہید کئے گئے۔ کم و بیش تین سو کنواری لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی۔ مسجد نبویؐ کی اس طرح ہتک حرمت کی گئی کہ اس میں خچر اور گدھے باندھے گئے۔ تین دن تک مسجد نبویؐ میں نماز و اذان نہ ہوئی۔ یہ جنگ اسلام بلکہ جنگ انسانیت ۶۰ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور آغاز ۶۲ھ میں ہلاک ہو گیا۔ اس تین سال اور کچھ ماہ میں تین ایسے شنیع جرائم کا ارتکاب کیا جن کو یاد کر کے انصاف پسند دنیا قیامت تک اس پر نفرت کرتی رہے گی۔ حکومت کے پہلے سال خاندان رسولؐ کی بربادی، دوسرے سال بلد رسولؐ کی تباہی اور آخری سال خانہ خدا پر حملہ اور اس کی ویرانی ع

ناوک نے اس کے صید نہ چھوڑا زمانے میں

ذہبی نے اس کے متعلق لکھا ہے: ﴿افتتح دولته بقتل الحسين و اختتمها بواقعة الحرة فمقتة الناس ولم يبارك في عمره﴾ یعنی یزید نے اپنی حکومت کا افتتاح شہادت حسینؑ اور اختتام واقعہ حرہ سے کیا جس کی وجہ سے لوگوں نے اس سے نفرت کی اور خدا نے اس کی عمر میں برکت نہ دی۔ (میزان الاعتدال)

یزید کے متعلق اسلامی دنیا کی رائے

انہی حقائق کے پیش نظر اہل سنت کے بڑے بڑے جلیل القدر علماء و ائمہ نے یزید کو نہ صرف فاسق و فاجر بلکہ کافر لکھا ہے۔

(۱) چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں: ﴿اختلف في اكفار يزيد قيل نعم يعني لما روى عنه ما يدل على كفره من تحليل الخمر..... و لعله وجه ما قال الامام احمد بتكفيره لما ثبت عنده﴾ یعنی کفر یزید کے بارے میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ ہاں وہ کافر ہے کیونکہ اس سے ایسے افعال و اقوال نقل ہوئے ہیں جو اس کے کفر پر دلالت کرتے ہیں جیسے شراب کو حلال سمجھنا وغیرہ۔ اور شاید انہی وجوہ کی بنا پر امام احمد بن حنبل نے اس کے کفر کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کے یہ کفرانہ اقوال و افعال ثابت ہو گئے تھے۔<sup>۲</sup>

(۲) پیشوائے اہل سنت شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی تحریر فرماتے ہیں: ”اکثر اکابرین و محدثین و بزرگان دین مثل امام احمد بن حنبل، و علامہ ابن جوزی، و جلال الدین سیوطی و علامہ سعد الدین تفتازانی و سید آلوسی وغیرہم

۱ تاریخ الخلفاء، ص ۲۰۹۔ طبع مصر جدید۔ بالاختصار و اصابہ، جزء ۶، ص ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲



رحمہم اللہ تعالیٰ، یزید کے کفر کے قاتل ہیں اور سرے سے اسے مسلمان ہی نہیں جانتے۔ لے الخ۔“

(۳) علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں: ﴿فنسحق لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنة الله عليه و علی انصارہ و اعوانہ﴾ ہم یزید پر لعنت کرنے کے جواز بلکہ اس کے بے دین و بے ایمان ہونے پر کسی قسم کا توقف اور شک و شبہ نہیں کرتے۔ اس پر اور اس کے اعوان و انصار پر خدا کی لعنت ہو۔

(۴) علامہ جلال الدین سیوطی (جو یزید کو چھٹا خلیفہ بھی شمار کرتے ہیں) لکھتے ہیں: ﴿لعن الله قاتله و ابن زياد معه و يزيد ايضاً﴾ خداوند عالم حسینؑ کے قاتل اور ابن زیاد اور یزید پر بھی لعنت کرے۔

(۵) علامہ ابن جوزی نے یزید کے کفر اور اس پر لعنت کے جواز میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے: ”الرد على المتعصب العنيد في جواز اللعن على يزيد“ اس میں انہوں نے دلائل قاطعہ و براہین مباطعہ سے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے۔

(۶) سبط ابن جوزی نے بھی اپنی کتاب تذکرہ خواص الامۃ میں اس کا کفر اور اس پر لعنت کا جواز ثابت کیا ہے۔

(۷) سید محمود آلوسی بغدادی نے اپنی تفسیر روح المعانی جلد ہشتم میں کفر یزید کی بحث کرتے ہوئے ابن عربی مالکی کے کفرانہ فتویٰ کا تار و پود بکھیرنے اور کفر و لعنت یزید کے بارے میں مختلف علماء اہل سنت کے نظریات نقل کرنے کے بعد خود لکھا ہے جس کا ماحصل یہ ہے: ”میرا گمان غالب یہی ہے کہ وہ خبیث ہرگز مسلمان اور مصدق رسالت نہیں تھا۔“

(۸) قاضی شہاب الدین فرماتے ہیں: ﴿تواتر عن يزيد من ايداء النبي في اهل بيته ما يوجب اللعن فرحم الله من جوز لعنه قال الله تبارك و تعالى ان الذين يؤذون الله و رسوله لعنهم الله في الدنيا و الآخرة و اعد لهم عذاباً مهيناً﴾ ”یزید کے متعلق یہ بات بالتواتر ثابت ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوجہ قتل اہل بیت اذیت پہنچائی۔ اور یہ بات موجب لعنت ہے۔ خدا رحم کرے ان لوگوں پر جو یزید پر لعنت کو جائز سمجھتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے جو لوگ خدا اور رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان پر خدا نے لعنت کی ہے۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے۔“ (قول سدید، ص ۷۳)

۱۔ شہادت حسین، ص ۵۴۔

۲۔ شرح عقائد نسفی، ص ۱۱۷۔

۳۔ تاریخ الخلفاء، ص ۲۰۷، طبع جدید۔

۴۔ روح المعانی، ج ۸، ص ۱۴۶۔



- (۹) علامہ ذہبی لکھتے ہیں: ﴿کان (یزید) ناصباً فظاً غلیظاً يتبادل المسكر و يفعل المنكر﴾ یزید کا دشمن اہل بیت اور سخت بد خو تھا۔ وہ شراب پیتا تھا اور گناہوں کا ارتکاب کرتا تھا۔ (میزان الاعتدال)
- (۱۰) جناب پھلواروی صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کا یہ فتویٰ ان کے فتاویٰ (ج ۳، ص ۷) سے اپنے رسالہ میں نقل کیا ہے۔ ﴿در شان وے (یزید) براہ افراط و موالات رفتہ می گویند۔ کہ وی بعد ازاں کہ باتفاق مسلمانان امیر شد۔ اطاعتش بر امام حسینؑ واجب شد و ندانستند کہ وی باوجود حسینؑ امیر شود؟ اتفاق مسلمانان کسے باشد جماعتی از صحابہ و از اولاد صحابہ خارج از و بودند و برخے کہ حلقۃ اطاعت او بگردن انداختند چون حال او بہ تشرب خمر و ترک صلوٰۃ و زنا و استحلال محارم معائنہ کردند بہ مدینہ منورہ باز آمدند و خلع بیعت کردند..... الخ﴾ یعنی ”کچھ لوگ محبت یزید میں افراط کا شکار ہو کر یہ کہتے ہیں کہ جب یزید تمام مسلمانوں کے اتفاق سے امیر تسلیم ہو گیا تھا تو اب حسینؑ پر بھی اس کی اطاعت واجب تھی۔ ان لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ کیا حسینؑ کی موجودگی میں یزید امیر ہو بھی سکتا تھا؟ نیز یہ کہان کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ اس کی خلافت پر تمام مسلمانوں نے اتفاق کر لیا تھا جبکہ صحابہ اور اولاد صحابہ کی ایک جماعت اس سے خارج تھی۔ اور جنہوں نے اس کی اطاعت کا قلاوہ گردن میں ڈالا بھی تھا۔ ان کو بھی جب اس کے صحیح حالات معلوم ہوئے کہ وہ شراب خوار، تارک نماز، زنا کار اور محارم الہیہ کو حلال جاننے والا ہے تو انہوں نے مدینہ میں پہنچ کر اس کی بیعت توڑ ڈالی۔“<sup>۱</sup>
- (۱۱) مولانا محمد مبین صاحب فرنگی محلی نے بڑی تفصیل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ﴿یزید و بنو الحکم ملعونون علی لسان النبی﴾<sup>۲</sup> ”یزید اور حکم کی تمام اولاد پیغمبر اسلامؐ کی زبانی ملعون ہے۔“
- (۱۲) علامہ وحید الزمان نے انوار اللغۃ میں کئی جگہ پر کفر یزید اور اس پر لعنت کرنے کے جواز کی تصریحات کی ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: ”اب تک ان اہل شام کے چیلے چا پڑوں سے جہاں پاک نہیں ہوتا۔ کوئی تو یزید کو پیغمبری تک پہنچا دیتا ہے۔ کوئی اس کو خلیفہ برحق کہتا ہے۔ امام صاحب کو باغی قرار دیتا ہے۔ کوئی کہتا ہے (شیخ ابو بکر بن عربی مالکی استاد امام غزالی) اگر یزید امام صاحب کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتا تب بھی میں اس پر لعنت نہ کرتا۔ کیونکہ وہ اولوالامر میں تھا۔ کوئی کہتا ہے امام حسینؑ اسی تلوار سے مارے گئے جو ان کے نانا کی



تھی۔ اللہ ان لوگوں سے سمجھے۔ معلوم نہیں قیامت کے دن آنحضرتؐ کے سامنے یہ لوگ اپنا منہ کیسے بنائیں گے؟ ہم تو یزید کو معہ اس کے معاونین جیسے شمر، عین، ابن زیاد، عمر بن سعد، خولی، سنان وغیرہم کو ملعون اور مردود اور اشقی الخلق والخلق جانتے ہیں۔

الف الف لعنت یزید پر اور الف الف لعنت یزید کے طرفداروں اور حامیوں اور تعریف کرنے والوں پر جو اس کو خلیفہ یا اولوالامر میں سے سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کو اتنا دقوف نہیں کہ خلافت شرعی کوئی خالہ جی کا گھر ہے کہ جو زبردست ہوا۔ اس نے دبا لیا۔ اور خلیفہ بن گیا۔ یہاں بنظر اختصار انہی بارہ شہادتوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔ تفصیل کے شائقین کتاب معاویہ و یزید اور سیاست معاویہ و یزید وغیرہ کتب مبسوطہ کی طرف رجوع کریں۔

ان حقائق پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے بآسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان حالات میں یزید کسی طرح بھی خلافت نبویہ کا مستحق نہ تھا۔ اس کا اسلام ہی ثابت نہیں۔ تا بخلاف چہ رسد؟ لہذا اس کے خلاف کوئی اقدام کرنا ہرگز بغاوت نہیں قرار دیا جاسکتا۔ والحمد للہ علی وضوح الحق والحقیقہ۔

### ایک مشہور شبہ کا جواب

ہوا خواہان بنی امیہ و مجبان یزید بہت ہاتھ پیر مارنے کے بعد بموجب ”ڈوبتے کو تنکے کا سہارا“ نجات یزید کے سلسلہ میں بخاری کی اس حدیث کو پیش کیا کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ﴿أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ﴾ ”میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر (بادشاہ روم کے) شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گا وہ بخشا ہوا ہے۔“ ۳۹ھ میں معاویہ نے ایک فوج سفیان بن عوف کی کمان میں قسطنطنیہ بھیجی تھی اور چونکہ یزید اس لشکر میں شامل تھا۔ لہذا وہ مبشر بالجحیم قرار پاتا ہے۔ یہ دلیل بالکل علیل اور بچند وجہ ناقابل قبول ہے۔

اولاً: یہ روایت سند کے اعتبار سے مجروح و مقدوح ہے کیونکہ اس کے راوی بوجہ بدعقیدہ یا بدعمل ہونے کے ناقابل اعتبار ہیں۔ اس روایت کا سلسلہ سند اس طرح ہے: ﴿حَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ اِبْرَاهِيمَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ عَنْ عَمِيرِ بْنِ الْاَسْوَدِ الْعَتَسِيِّ الْحَمَصِيِّ﴾۔ اس سلسلہ کا پہلا راوی اسحاق ہے جو کہ علماء رجال کے نزدیک ضعیف ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب (ج ۱، ص ۲۲۰، طبع حیدرآباد) میں لکھتے ہیں: ﴿قال ابن ابی حاتم کتب عنه ابی و سمعت ابا زرعة يقول ادر کناه ولم نکتب عنه﴾۔ ابن ابی حاتم بیان کرتے ہیں: میرے باپ نے اس (اسحاق) سے حدیث لکھی اور میں نے ابو زرہ (رازی) سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ ہم نے اس کا زمانہ پایا ہے مگر (بوجہ ضعیف ہونے کے) اس سے حدیث نہیں لکھی۔



دوسرا راوی یحییٰ ہے۔ اس کے متعلق تہذیب التہذیب (ج ۱۱، ص ۲۰۰) میں لکھا ہے: ﴿کان یروی عن ابن معین انہ کان قدریاً﴾ اس پر قدری ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اور ابی معین (بہت بڑے نقاد) سے روایت ہے کہ یہ قدری تھا۔ اور جناب رسول خدا ﷺ کا ارشاد ہے: ﴿القدریۃ مجوس ہذہ الامۃ﴾ قدریہ میری امت کے مجوسی ہیں۔ (شرح مقاصد)

تیسرا راوی ثور ہے۔ اس کے متعلق تہذیب (ج ۲، ص ۳۳) میں لکھا ہے: ﴿یقال انہ کان قدریاً وکان جدہ قتل یوم صفین مع معاویۃ وکان ثور اذا ذکر علیاً قال لا احب رجلاً قتل جدی نفاہ اہل الحمص لکونہ قدریاً﴾ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص قدری المذہب تھا۔ اس کا دادا جنگ صفین میں معاویہ کی معیت میں مارا گیا۔ چنانچہ جب کبھی ثور حضرت علی علیہ السلام کا ذکر کرتا تو کہتا تھا میں ایسے شخص کو دوست نہیں رکھتا جس نے میرے دادا کو قتل کیا ہے۔ اہل حمص نے اس کو قدری ہونے کی وجہ سے شہر بدر کر دیا تھا۔ (کذا فی میزان الاعتدال) اس سے معلوم ہوا کہ یہ شخص قدری ہونے کے ساتھ ساتھ دشمن اہل بیت بھی تھا۔ اور یہ امر بجائے خود راوی کے لیے قاذب ہے لہذا ایک قدری و ناصبی کی روایت کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہے؟

چوتھا راوی خالد بن معدان ہے۔ اس کے متعلق تقریب التہذیب (ص ۱۱۱) میں تصریح موجود ہے کہ ﴿یروسل کثیراً﴾ کہ یہ شخص روایت نقل کرنے میں ارسال سے بہت کام لیتا تھا۔ اس بنا پر یہ بھی ناقابل اعتماد ہو کر رہ جاتا ہے۔

علاوہ بریں ان تمام راویوں کا دمشق (شامی) اور حمصی ہونا بھی بڑی طرح کھٹکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان راویوں نے اپنی طرف سے یا حکومت وقت کے اشارے پر ایسی روایات وضع کر کے بلاد اسلامیہ میں پھیلا دیں جن سے سلاطین وقت کی خوشنودی حاصل ہو سکے۔ ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ یہ روایت بالکل وضعی و جعلی ہے اور ناقابل استدلال۔

**ثانیاً:** اگر بالفرض اسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس میں پہلے شکر کی فضیلت وارد ہوئی ہے اور جس لشکر میں یزید شامل تھا وہ پہلا نہ تھا۔ یزید ۵۰ھ میں شریک ہوا۔ حالانکہ اس سے بہت پہلے ۴۲ھ میں ایک مہم مدینہ قیصر قسطنطنیہ کے خلاف روانہ کی جا چکی تھی۔ اور سالہائے مابعد میں بھی برابر مہمیں روانہ ہوتی رہیں۔ جیسا کہ یزید کے خاص ہمنوا ابن خلدون اور ابن کثیر نے بیان کیا ہے۔ (از قول سدید)

**ثالثاً:** واقعات شاہد ہیں کہ یزید نے اس مہم میں بادل ناخواستہ شرکت کی تھی۔ ظاہر ہے کہ جو عمل قلبی رضا مندی سے نہ ہو۔ وہ شرعاً قابل اعتنا نہیں ہوتا۔ چنانچہ مورخ شہیر ابن اثیر کا بیان ہے کہ معاویہ نے یزید کو شرکت



جہاد کا حکم دیا مگر اس نے سستی سے کام لیا۔ اور کوئی بہانہ کر کے رہ گیا۔ ادھر لشکر میں بنجار اور چیچک کی وبا پھوٹ پڑی۔ جب یزید کو اس کی اطلاع ملی تو اس کے خوب بغلیں بجائیں اور یہ عیا شانہ اشعار پڑھے ۔

ما ان ابالی بما لاقت حبوهم بالفدفا البید من حمی ومن شوم

اذا اتکأت علی الاغاط مرتفعاً بدیر مران و عندی ام کلثوم

جب معاویہ کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے کہا: بخدا میں اس کو بھیج کر رہوں گا۔ چنانچہ یزید کو طوعاً کرہاً جانا پڑا۔ اس طرح یزید نے بادل ناخواستہ مجبوراً اس جہاد میں شرکت کی۔ (کامل، ج ۳، ص ۲۲۷) ان حالات میں یزید کے لیے کیا فضیلت باقی رہ جاتی ہے۔

**رابعاً:** بعض محدثین اہل سنت (ابن اکتین و ابن المنیر) نے اس حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ ﴿لا يلزم من دخوله في ذلك العموم ان لا يخرج بدليل خاص اذ لا خلاف ان قوله عليه السلام و الصلوة مغفور لهم مشروط بكونه من اهل المغفرة حتى لو ارتد ممن غزاها بعدة لك لم يدخل في ذلك العموم اتفاقاً... الخ﴾ اس (بخشش) والے عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دلیل خاص کے ذریعہ اس سے نکل نہ سکے کیونکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آنحضرت کا یہ ارشاد کہ وہ (لشکر) بخشا ہوا ہے اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ شامل ہونے والا شخص مغفرت کی قابلیت بھی رکھتا ہو۔ لہذا اگر اس لشکر والوں میں سے کوئی شخص بعد میں مرتد ہو جائے تو وہ بالاتفاق اس (بخشش کے) عموم میں داخل نہ ہوگا۔<sup>۱</sup> اور چونکہ یزید نے بعد ازاں وہ وہ افعال شنیعہ کئے ہیں کہ اگر پہلے اس کا اسلام بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر اس کا ارتداد یقینی لازم آتا ہے (لہذا وہ اس عموم سے خارج متصور ہوگا۔

**خامساً:** شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ”جہاد ماضی کے گناہ دھوتا ہے مستقبل کے گناہوں یا اعمال کو محو نہیں کرتا۔ یزید سے بعد میں جو گناہ سرزد ہوئے۔ ان کا حساب کتاب اور جزا و سزا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جو انہیں بہت اچھی طرح جانتا ہے۔“<sup>۲</sup> اس جواب باصواب سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہی شخص جنتی کہلا سکتا ہے جس کا خاتمہ بالخیر ہوا ہو۔ یہ نکتہ تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کے لیے خصوصی توجہ کا مستحق ہے کہ کسی بھی شخص کے بارے میں اخلاص و عقیدت کے پھول نثار کرنے سے قبل یہ دیکھ لینا چاہئے کہ آیا اس کا خاتمہ بالخیر بھی ہوا تھا یا نہ؟ ﴿لان الاعمال بالخواتیم﴾ رزقنا اللہ حسن الخاتم بجاہ النبی و الوصی و

۱۔ تفسیر شریح بخاری، ج ۵، ص ۸۴، ۸۵، ج ۱۰، ص ۱۳۹۔

۲۔ ماہنامہ الرحیم مجریہ اپریل ۱۹۶۷ء، ص ۶۳، شائع کردہ: شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ۔



## ابنائہما و فاطمہؑ

**سادس:** بنا برتسلیم خود علمائے اہل سنت نے اس کے متعدد جوابات دیے ہیں۔ سبط ابن جوزی نے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے: ﴿قلنا فقد قال النبی لعن اللہ من اخاف مدینتی و الآخر ینسخ الاول﴾ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ جو شخص میرے شہر مدینہ کے لوگوں کو خوف زدہ کرے اس پر خدا کی لعنت ہو۔ (اور چونکہ غزوہ قسطنطنیہ کے بعد یزید نے اہل مدینہ کو واقعہ حرہ میں خوف زدہ کیا تھا لہذا آخری حدیث نے پہلی کو منسوخ کر دیا۔<sup>۱</sup>

جناب رسول خدا ﷺ کا ارشاد ہے: ﴿من اخاف اهل المدينة ظلماً اخافه الله و عليه لعنة الله و الملائكة و الناس اجمعین ولا یقبل الله منه صرفاً ولا عدلاً﴾ جو شخص اہل مدینہ پر ظلم کرے انہیں ناجائز طور پر ڈرائے اسے خدا ڈرائے گا اور اس پر خدا، اس کے ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی اور بروز قیامت خداوند عالم اس کا کوئی مالی و جانی عمل قبول نہ کرے گا۔<sup>۲</sup> اب رہا یزید کا مسلم بن عقبہ کی ماتحتی میں لشکر جرار بھیج کر اہل مدینہ کو ڈرانا دھمکانا اور ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھانا تو یہ تاریخ کا وہ مسلم الثبوت دردناک و کرہ بئاک واقعہ ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ حتیٰ کہ اس سلسلہ میں قریباً ایک ہزار باکرہ عورتوں کی بکارت زائل کی گئی (اور ناجائز حمل ٹھہرے) اور قریباً اتنے ہی صحابہ تہ تیغ کئے گئے۔ قریباً سات سو قاریانِ قرآن ذبح کئے گئے۔ کئی دن تک مدینہ کی ہتک حرمت کی گئی۔ مسجد میں سلسلہ جماعت اور آمد و رفت موقوف ہو گیا۔ اہل مدینہ چھپ گئے یہاں تک کہ مسجد نبویؐ میں گتے اور بھیڑیے داخل ہونے لگے۔ اور منبر رسولؐ پر پیشاب کیا۔<sup>۳</sup> ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾۔

اور ابن زبیر کے معاملہ میں منجنيقوں سے خانہ خدا کی دیواریں منہدم کر کے اسے آگ لگا دی گئی۔<sup>۴</sup> اہل انصاف غور فرمائیں۔ بعد ازیں بھی یزید کی نجات کی کوئی امید باقی رہ جاتی ہے۔ لعنة الله عليه و علیٰ انصاره و اعوانه۔

سبط ابن جوزی لکھتے ہیں: ﴿ان جماعة سنلوا جدی عن یزید۔ فقال ما تقولون فی رجل ولی ثلاثہ سنین ففی سنة الاولى قتل الحسینؑ۔ و فی الثانية اخاف المدينة و اباحها و فی الثالثة رمی

۱۔ تذکرہ الخواص، ص ۲۰۸، طبع مصر۔

۲۔ مسند احمد بن حنبل۔ تذکرہ خواص الامۃ و طبرانی۔

۳۔ صواعق محرقة، ص ۱۳۲۔

۴۔ صواعق محرقة، ص ۱۳۲۔



الكعبة بالمجانق و هدهما فقالوا نلعنه فقال فالعنوه ﴿﴾ ایک گروہ نے میرے نانا (ابن جوزی) سے یزید کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے جواب میں فرمایا: بھلا تم ایسے شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے اپنے سہ سالہ دور حکومت میں سے پہلے سال میں حسینؑ کو شہید کیا۔ دوسرے سال میں اہل مدینہ کو خوف زدہ کر کے مدینہ کی ہنگ حرمیت کی اور تیسرے سال میں خانہ کعبہ کو منجنيقوں سے اڑا دیا۔<sup>۱</sup> انہوں نے کہا: کیا ہم اس پر لعنت کریں؟ کہا: ہاں اس پر لعنت کرو۔

انہی حقائق کی بناء پر مؤرخ جلیل مسعودی نے لکھا ہے: ﴿﴾ و ليزيد و غيره اخبار عجيبة و مثالب كثيرة من شرب الخمر و قتل ابن الرسول و لعن الوصي و هدم البيت. و سفك الدماء و الفسق و الفجور و غير ذلك مما ورد فيه الوعيد بالياس من غفرانه كوروده فيمن جحد توحيدہ و عائف رسلہ... الخ ﴿﴾ یزید اور اس کے ہمراہیوں کے اخبار و آثار عجیب و مثالب کثیر ہیں۔ جیسے شراب پینا، فرزند رسول کو قتل کرنا، وصیؑ پر لعن طعن کرنا، خانہ کعبہ کا گرانا، مسلمانوں کا خون بہانا، اور دیگر مختلف قسم کے ایسے فسق و فجور کے کاموں کا ارتکاب کرنا جن کے ارتکاب کرنے والوں کے لیے اسی طرح رحمت و بخشش خداوندی سے ناامیدی کی وعید و تہدید وارد ہوئی ہے جس طرح منکرین توحید و مخالفین رسول کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔<sup>۲</sup> ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ جو منکرین خدا و رسول کا مقام ہے۔ وہی یزید بن معاویہ کا مقام ہے بلکہ کئی اعتبار سے اس کا معاملہ ان سے بھی بدتر ہے۔ بنس ما اشتروا به انفسهم لو كانوا يعلمون۔

۱۔ تذکرہ خواص الامة، ص ۱۶۵۔

۲۔ مروج الذهب، ج ۲، ص ۷۰۔



## حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے مقصد کی وضاحت

اب تک سابقہ ابواب خصوصاً دسویں باب میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ اگرچہ مقصد شہادت حسینؑ کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ ان مباحث کا مطالعہ کرنے والے ناظرین کرام پر حسینی شہادت عظمیٰ کا مقصد اقصیٰ مخفی و مستور نہیں رہ سکتا۔ تاہم اس باب کے ضمن میں ذرا اور وضاحت و صراحت کے ساتھ اس موضوع پر تبصرہ کیا جاتا ہے تاکہ ہر کہ وہ پر اس بے نظیر حسینیؑ کا رنامے کا مقصد و مطلب بالکل واضح و لائح ہو جائے۔

### کام کی قدر و قیمت اس کی غرض و غایت کے تابع ہوتی ہے

یہ امر کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے کہ کوئی عقل و خرد رکھنے والی ہستی کوئی کام بغیر کسی غرض و غایت کے نہیں کرتی البتہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ غرض ہمیشہ یکساں نہیں ہوتی بلکہ کبھی بلند اور کبھی پست ہوتی ہے۔ اسی لیے ہمیشہ کسی بھی فعل کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ اس کی غرض و غایت کی بلندی یا پستی سے لگایا جاتا ہے جس فعل کی جس قدر غرض و غایت بلند اور عظیم الشان ہوگی اسی قدر وہ کام بلند و عظیم المرتبت سمجھا جائے گا اور جس قدر اس کی غرض و غایت دنی اور پست ہوگی اسی قدر وہ فعل ارباب نظر کی نگاہ میں حقیر و مبہین متصور ہوگا۔ مثلاً ایک شخص اپنے محبوب حقیقی کے پسندیدہ دین کی بقا و تحفظ کی خاطر اپنی جان عزیز جان آفرین کے سپرد کرتا ہے وہ شہید راہ خدا کہلاتا ہے۔ اور زندہ جاوید کے ممتاز لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور اس طرح خوشنودی خدا کا تمغہ حاصل کرتا ہے اور لوگ اس پر مدح و ثنا کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔

ایک دوسرا شخص ہے وہ بھی اپنی جان نثار کرتا ہے مگر کسی پری و ش محبوبہ کے عشق و محبت میں گرفتار ہو کر اور اس کے در و فراق سے متاثر ہو کر تو وہ عند اللہ "خودکشی" ایسے سنگین جرم کا مجرم قرار دیا جاتا ہے اور ارباب عقل و دانش اس کی حماقت پر ہنستے ہیں۔ یہ اختلاف و تفاوت کیوں ہے؟ جبکہ دونوں فعل بظاہر متجانس و متماثل ہیں۔ دونوں میں جان کا زیاں ہے لہذا ماننا پڑے گا کہ یہ اختلاف اقدار صرف اغراض و مقاصد کے اختلاف سے رونما ہوا ہے۔ اس لیے اس مسئلہ اصول کی بنا پر حسینی شہادت کی حقیقی عظمت معلوم کرنے کے لیے اس کا اصلی مقصد معلوم کرنا ضروری ہے۔

### شہادت حسینیؑ نے بنی امیہ کے خلاف اسلام کو دار کو بے نقاب کر دیا

کچھ عرصہ سے خلافت نبویہؐ کو جس نہج پر چلایا جا رہا تھا اس نے بتدریج اب قیصر و کسریٰ کی ملوکیت کی شکل و



صورت اختیار کر لی تھی۔ اب حالت یہ تھی کہ کھلے بندروں حکام اسلام احکام اسلام کی مخالفت کرتے تھے اور ان کو کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ تھا۔ کھدر ایسے سادہ اسلامی لباس کی جگہ اب ریشم و دیبا نے لے لی تھی۔ ان کے گھروں سے اب آواز قرآن کی جگہ راگ و سرود کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔ عبادت و اطاعت میں شب زندہ داری کی جگہ راتیں داد عیش و عشرت دینے میں گزاری جاتی تھیں۔ پانی کی بجائے اب دور جام و سبو چلتا تھا۔ محرمات ابدیہ سے اب جنسی خواہش کی تسکین مباح سمجھی جاتی تھی۔ اور ستم بالائے ستم یہ تھا کہ عامۃ المسلمین انہی نظریات اور افعال کو اصل اسلام سمجھتے تھے اور نام نہاد حکام اسلام کے خلاف شرع افعال و احکام کو عین اسلام قرار دیا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر اس وقت اسلام کا صحیح ہمدرد، ہانی اسلام کا نواسہ، اسلام کے پہلے بطل جلیل و عظیم جرنیل کا تخت جگہ اور امت مسلمہ کا سچا غمخوار یعنی حسین بن علی علیہما السلام خاموش تماشا کی طرح حالات کو دیکھتا رہتا۔ یا (معاذ اللہ) یزید عنید کی بیعت کر لیتا تو ظاہر ہے کہ پھر اس نام نہاد خلیفہ وقت کے مذکورہ بالا ملحدانہ نظریات اور کافرانہ حرکات پر مہر صحت ثبت ہو جاتی۔ اور اس طرح اسلام نیست و نابود ہو جاتا اور اگر برائے نام باقی رہ بھی جاتا تو اس مسخ شدہ شکل میں کہ اسے اصل صحیح اسلام سے ذرہ بھر بھی کوئی مناسبت نہ ہوتی۔ ایسے حالات میں حضرت امام حسینؑ نے بیعت سے انکار اور شہادت عظمیٰ کا راستہ اختیار کر کے تمام عالم پر اس حقیقت کو آشکار کر دیا کہ اسلام اور ہے۔ اور موجودہ مسلمانوں خصوصاً نام نہاد خلیفہ المسلمین کا عمل و کردار اور؟ جسے اسلام کی تصویر سمجھنا بالکل غلط ہے۔ اس طرح امام عالی مقام نے جام شہادت نوش کر کے قیامت تک اسلام کو زندہ جاوید بنادیا۔ اور بنی امیہ کے چشم و چراغ یزید پلید کے ملحدانہ اعتقادات اور کافرانہ حرکات کو بالکل بے نقاب کر دیا۔ اب رائے عامہ اس قدر بیدار ضرور ہو گئی تھی کہ اگر یزید کے بعد بھی بنی امیہ یا بنی عباسیہ کی بعض خلافتوں کے دور میں ایسے قبیح و شنیع حرکات کا ارتکاب قصر ہائے حکومت میں کیا گیا ہے۔ تو ایک لمحہ کے لیے بھی مسلمانوں نے اسے اسلام نہیں سمجھا بلکہ یہی کہا ہے کہ اسلام اور ہے اور خلیفہ کا کردار اور؟

### شہادت حسینؑ بقائے اسلام کی ضامن ہے

یزید کے عقائد و اعمال پر سرسری نظر کرنے سے (جن کا ایک معتد بہ حصہ گیارہویں باب میں ذکر ہو چکا ہے) یہ حقیقت بالکل کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ یزید کا مقصد اسلام کو مٹانا اور اسے صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر کے اس کی جگہ اپنے آبائی مذہب (کفر و شرک) کو دوبارہ رائج کرنے کے لیے زمین کا ہموار کرنا تھا جس کا سنگ بنیاد رکھا جا چکا تھا البتہ اب اس کی تکمیل امام حسینؑ سے بیعت لے کر کرنا چاہتا تھا تا کہ عام مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول ڈال سکے۔ اور ان کو با سانی یہ باور کرا سکے کہ اگر اس کے نظریات اور حرکات و سکنات درست نہ ہوتے تو ہانی اسلام کا جگر گوشہ، حسب و نسب میں یکتائے روزگار۔ اور اسلام کی مزاج شناسی میں وحید عصر اور اس کا سچا غمخوار کیوں کر اس کی



بیعت کرتا؟ امام علیؑ حقیقت حال سے آگاہ تھے۔ اس لیے انہوں نے زبان حال سے یہ کہہ کر کہہ

ان کان دین محمد لم یستقم الا بقتلی فیما سیوف خذینی

خندہ پیشانی سے جا نگداز مصائب و آلام برداشت کرتے ہوئے بیعت یزید سے انکار کر دیا۔ اور آخری دم تک اس پر ثابت قدم رہ کر یزید کے عزائم مشؤمہ کو خاک میں ملا دیا اور اس طرح اسلام کو ایک زندہ جاوید حقیقت بنا دیا۔ حلال و حرام کے درمیان ابدی خط امتیاز کھینچ دیا۔ جائز و ناجائز کے حدود کو مضبوط کر دیا۔ اسلامی اصول و اقدار کو پائدار بنا دیا۔ عامۃ المسلمین کو خواب غفلت سے بیدار کر دیا۔ لوگوں کو ظالم سے نفرت اور مظلوم کی ہمدردی و حمایت پر وا دار کر دیا۔ اس طرح کفر و الحاد کا ہمیشہ کے لیے سرنگوں کر کے پرچم اسلام کو ابد الابد تک کے لیے بلند و بالا کر دیا۔ لہذا آج جہاں جہاں اسلام اور مسلمان موجود ہیں۔ یہ سب شہادتِ حسینؑ کا صدقہ ہے۔

بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است پس بنائے لا الہ گردیدہ است

(اقبال)

اگر شہادتِ حسینؑ نہ ہوتی تو آج نہ کوئی کلمہ اسلام پڑھتا اور نہ ہی کوئی نماز و روزہ وغیرہ اسلامی شعائر پر

عمل درآمد کرتا۔

دیتے نہ سر حسینؑ تو پڑھتا نماز کون؟

ماننا پڑتا ہے کہ اس وقت دنیا میں اسلام کے جو کچھ علائم و آثار موجود ہیں یہ سب کچھ امام حسینؑ کی شہادت کے طفیل ہے اس طرح وہ مسلمانوں کے محسن اعظم قرار پاتے ہیں۔ لہذا بموجب ہل جزاء الاحسان الا لاحسان تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ سرکار شہادت کی یادگار منانے اور ان کی مجالس عزائم منعقد کرنے میں باہمی اشتراک عمل اور تعاون کا مظاہرہ کر کے اپنے اس محسن کے احسان کا بدلہ احسان سے دینے کی کوشش کریں۔ فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

شہادتِ حسینؑ نے پورے عالم انسانیت کو ہلاکتِ ابدی سے بچا لیا

اگر ذرا بنظر غائر تاریخی حالات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ نے اپنی شہادتِ عظمیٰ کے ذریعہ سے نہ صرف اسلام کو کفر و شر کی یلغار سے بچایا ہے بلکہ پورے عالم انسانیت کو ابدی ہلاکت و بربادی سے بھی بچایا ہے۔ ارباب عقل و خرد جانتے ہیں کہ انسان اور عام حیوان میں ماہہ الامتیاز جو ہر عقل ہی ہے چونکہ انسان میں یہ جوہر نفیس موجود ہے اس لیے وہ خیر و شر، حسن و قبح اور حلال و حرام میں تمیز کرتا ہے اور حیوان چونکہ اس گرانقدر عطیہ الہی سے محروم ہے اس لیے وہ اپنی خورد و نوش اور حرکات و سکنات میں خوب و زشت اور حلال و حرام کی قید سے آزاد ہوتا



ہے اسے جو کھانے کی چیز مل جائے اس سے پیٹ بھر لیتا ہے پینے کی ہو تو اسے پی لیتا ہے اور جنسی تسکین مٹانے کی ہو تو اس سے اپنی اس خواہش کی تکمیل کر لیتا ہے۔ اس کی بلا سے کہ وہ جائز ہے یا ناجائز۔ اس کا یہ فعل عطاء کی نظر میں ممدوح ہے یا مذموم؟ اور اس کی یہ حرکت حسن ہے یا قبیح؟ کیوں؟ اس لیے کہ وہ جو ہر عقل و خرد سے محروم ہے لیکن اگر انسان عقل کے باوجود اس سے کام نہ لے اور حیوان کی طرح مطلق العنان ہو کر بندۂ نفس اور غلام ہو او ہوس بن جائے۔ اور خیر و شر کے پیمانے توڑ کر حلال و حرام کی حدود پھاند کر اور حسن و قبیح کی قیود سے آزاد ہو کر وحشیانہ حرکات کرنے لگے۔ تو پھر خالق کائنات کی نگاہ اشرف میں حیوانات سے بھی بدتر قرار پاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے: ﴿لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كُنَّا لَنَعْلَمَ نَبْلُهُمْ أَضَلُّ﴾ (سورۃ اعراف، آیت ۱۷۹) ”جو لوگ عقل تو رکھتے ہیں مگر اس سے سوچتے ہیں نہیں۔ کان رکھتے تو ہیں مگر (حق کو) سنتے نہیں۔ آنکھیں تو رکھتے ہیں مگر (حق و حقیقت کو) دیکھتے نہیں وہ حیوانات کی مانند ہیں بلکہ اس سے بھی بدتر اور گمراہ تر۔“ اب ذرا یزید کے نظریات اور اس کے اعمال کو پیش نظر رکھ کر (جو گیارہویں باب میں ذکر ہو چکے ہیں) تھوڑا سا غور کیجئے۔ تو آپ پر یہ حقیقت واضح و عیاں ہو جائے گی کہ یزید نہ صرف یہ کہ اسلام کا دشمن تھا اور اسے صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتا تھا۔ بلکہ وہ پورے عالم انسانیت کا جانی دشمن تھا۔ وہ اس کی ہلاکت و تباہی کے منصوبے بنا رہا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ پینے کے سلسلہ میں پانی و شراب کا امتیاز ختم ہو جائے اور جنسی خواہش کی تکمیل کے سلسلہ میں ماں اور بہن کی قید ختم ہو جائے۔ (ملاحظہ ہو: تاریخ اخطاء، ص ۱۳۶ وغیرہ) اور حصول مقصد میں صدق و کذب کے حدود ٹوٹ جائیں۔

ظاہر ہے کہ اگر یزید اپنے ان ناپاک اور مہلک انسانیت عزائم میں کامیاب ہو جاتا تو آج کم از کم کرۃ ارضی پر انسان تو ہوتے مگر ان کے اندر روح انسانیت نہ ہوتی۔ لہذا آج جو انسانوں میں انسانیت موجود ہے یہ شہادت حسینی کا فیض ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہو جاتا ہے کہ حسین صرف ”شہید تشیع“ نہیں اور نہ فقط شہید اسلام ہیں بلکہ وہ ”شہید انسانیت“ ہیں۔

انسانیت کے نام پہ کیا کر گئے حسین ہر دور کے بلند خیالوں سے پوچھ لو چونکہ شہادت حسین کے مقصد میں آفاقیت پائی جاتی ہے اس لیے اس کے آثار بھی عمومی اور ہمہ گیر ہیں جو لوگ خدا کو خدا نہیں جانتے اور رسول کو رسول نہیں مانتے۔ غرضیکہ جو اسلام کو دین خدا نہیں سمجھتے۔ وہ لوگ بھی بارگاہ حسینی میں اخلاص و عقیدت کے پھول نثار کرتے ہوئے اور ان کی محبت میں اشکِ غم بہاتے ہوئے نظر آتے ہیں و لنعم ما



تو اپنے خون پاک کے چھینٹوں سے اے حسین انسان کی شرافت خفتہ جگا گیا  
اسلام کی کشش کا نہ جن پر اثر ہوا تو درد بن کے ان کے دلوں میں سما گیا  
اگر اب تک بھی کوئی قوم حسین کی بارگاہِ معلیٰ میں سر نیازِ غم نہیں کرتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہنوز اس نے  
مقصد شہادت حسین پر مکمل غور و فکر نہیں کیا۔ جب بھی وہ اس پر غور و تأمل کرے گی تو پھر آغوشِ حسینیٰ میں ہی اپنی  
نجات تصور کرے گی انشاء اللہ ۔

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین  
مقصد شہادت حسین خود امام حسین کے کلام حقیقت ترجمان کی روشنی میں

حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے مقصد شہادت پر سب سے زیادہ روشنی آپ کے اس وصیت نامہ سے پڑتی ہے  
جو آپ نے مدینہ سے روانگی کے وقت اپنے بھائی جناب محمد بن الحنفیہ کے نام لکھا تھا۔ اس میں آپ فرماتے ہیں:  
﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ هَذَا مَا أَوْصَى بِهِ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ الْإِخِيه مُحَمَّدَ  
الْمَعْرُوفَ بِابْنِ الْحَنْفِيَةِ أَنَّ الْحُسَيْنَ يَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ جَاءَ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِ الْحَقِّ وَأَنَّ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا  
رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ وَأَنِّي لَمْ أَخْرَجْ أَشْرًا وَلَا بَطْرًا وَلَا مَفْسَدًا وَلَا ظَالِمًا وَأَمَّا  
خَرَجْتُ لَطَلَبِ الْإِصْلَاحِ فِي أُمَّةٍ جَدَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ أَرِيدُ أَنْ أَمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَى  
عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَسِيرَ بِسِيرَةِ جَدِّي وَابِي عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَمَنْ قَبِلْنِي بِقَبُولِ الْحَقِّ فَاللَّهُ  
أَوْلَى بِالْحَقِّ وَمَنْ رَدَّ عَلَيَّ هَذَا أَصْبِرَ حَتَّى يَقْضِيَ اللَّهُ بَيْنِي وَبَيْنَ الْقَوْمِ بِالْحَقِّ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ وَ  
هَذِهِ وَصِيَّتِي يَا إِخِيهِ إِلَيْكَ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾۔ ”یہ وہ وصیت نامہ ہے  
جو حسین بن علی نے اپنے بھائی محمد بن الحنفیہ کے نام لکھا ہے۔ حسین گواہی دیتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور  
وہ واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ اس کے عبد خاص اور اس کے فرستادہ برحق  
رسول ہیں۔ اور یہ کہ جنت و جہنم برحق ہیں۔ اور قیامت بلا شک ضرور آئے گی اور خدا مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔  
(اس کے بعد واضح ہو کہ) میں کسی قسم کا فساد پھیلانے یا غرور و تکبر کا اظہار کرنے یا سلطنت حاصل کرنے یا ظلم و ستم  
کرنے کے لیے نہیں نکل رہا بلکہ اپنے جدِ نادر کی امت کی اصلاح کی خاطر نکل رہا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ  
معروف (نیکی) کا حکم دوں اور منکر (برائی) سے روکوں (جس میں پورے عالم انسانیت کی فلاح و بہبود ہے) اور اپنے



جد نادر اور پدر عالی وقار کی سیرت پر چلوں پس جو شخص مجھے برحق سمجھ کر قبول کرے گا (جو کہ سراسر حق ہے) تو حق تعالیٰ اس کے حق کو قبول کرنے میں اولیٰ ہے اور جو شخص میرا انکار کرے گا تو میں صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ خداوند عالم جو بہترین حکم کرنے والا ہے میرے اور قوم (جفاکار) کے درمیان مناسب فیصلہ کرے۔ اے بھائی! یہ میرا وصیت نامہ ہے۔ خدا ہی کے قبضہ قدرت میں توفیق ہے۔ میں اسی پر بھروسہ کرتے ہوئے اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔“

ان مقاصد جلیلہ کے حصول کی خاطر حسین علیہ السلام نے اقدام جہاد فرمایا اور شہادت عظمیٰ کے درجہ رفیعہ پر فائز

ہوئے۔ خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را۔

### کیا حسینؑ کا مدد عادی و سلطنت و بادشاہی حاصل کرنا تھا؟

عام طور پر کوتاہ اندیش اور کور باطن لوگ یہ کہہ کر شہادت حسین علیہ السلام کی عظمت کو کم کرنے کی لا حاصل سعی کیا کرتے ہیں کہ حسینؑ و یزید عنید کی جنگ (معاذ اللہ) دنیاوی افتدار اور سلطنت حاصل کرنے کی باہمی کشاکش کا نتیجہ تھی۔ ایسی بے جوڑ اور بے تکی بات وہی لوگ کر سکتے ہیں جو جو ہر عقل سے تہی دامن ہیں یا پھر انہوں نے اس جوہر سے کام لینے کی کبھی زحمت گوارا نہیں کی۔ اس لیے حالات و اسباب اور ان کے نتائج سے آنکھیں بند کر کے روایت و درایت کے خلاف اس قسم کی بے سرو پا باتیں کیا کرتے ہیں۔ ورنہ معمولی عقل و خرد، دیدہ بینا اور خدا داد عدل و انصاف رکھنے والے حضرات بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ مذکورہ بالا دعویٰ میں صداقت کا ایک شائبہ بھی نہیں ہے اگرچہ گزشتہ اوراق میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس زعم باطل کی نفی کے لیے کافی و وافی ہے۔ تاہم بفحویٰ ۷

خوش تر آن باشد کہ سر دلبران      گفتہ آید در حدیث دیگران

یہاں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے کلام کی روشنی میں اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جاتا ہے۔ موصوف اقدام و خروج حسینؑ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ﴿بلکہ بنابر تخلص رعایا از دست ظالم بود و اعانة المظلوم علی الظالم من الواجبات و آنچه در مشکوة ثابت است کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از بغی و خروج ہر بادشاہ وقت اگرچہ ظالم باشد منع فرمودہ اند پس در آن وقت است کہ آن بادشاہ ظالم بلا منازع و مزاحم تسلط تام پیدا کردہ باشد، و هنوز اہل مدینہ و اہل مکہ و اہل کوفہ بہ تسلط یزید پلید راضی نشدہ بودند۔ و مثل حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ و عبد اللہ بن عباس و عبد اللہ بن عمر و عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بیعت نکردہ بالجملہ خروج حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ برائے دفع تسلط او بود نہ برائے رفع تسلط و آنچه در حدیث ممنوع است آن خروج است کہ برائے رفع تسلط



سلطان جائز باشد و الفرق بین الرفع و الدفع ظاهر مشہور فی المسائل الفقیہۃ رحمہ اللہ۔ یعنی ”امام حسینؑ کا خروج اس لیے تھا کہ کمزور رعایا کو حاکم ظالم (یزید عنید) کے پنجہ استبداد سے رہائی دلائیں۔ ظاہر ہے کہ ظالم سے گلو خلاصی کرانے میں مظلوم کی امداد کرنا واجب و لازم ہے۔ مشکوٰۃ والی حدیث میں آنحضرتؐ نے بادشاہ وقت پر اگرچہ ظالم و جائز بھی ہو۔ خروج کرنے کی جو ممانعت فرمائی ہے۔ تو یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ حاکم بلا روک ٹوک اور بلا مزاحم مکمل تسلط حاصل کر چکا ہو مگر یزید کو ہنوز ایسا تسلط حاصل نہ ہوا تھا کیونکہ ابھی تک حضرت امام حسینؑ، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم نے اس کی بیعت نہیں کی تھی۔ نیز اہل مکہ و مدینہ اور اہل کوفہ بھی اس کے اس تسلط پر راضی نہ تھے۔ خلاصہ یہ کہ امام حسینؑ کا خروج اس لیے تھا کہ اس ظالم کا (مسلمانوں پر) کامل تسلط ہونے ہی نہ دیں۔ نہ یہ کہ اس کے حاصل شدہ تسلط کو اٹھائیں۔ حدیث میں جو منع وارد ہے وہ دوسری قسم (رفع تسلط) کی ہے۔ نہ پہلی قسم (دفع تسلط) کی۔ دفع اور رفع میں جو فرق ہے وہ فقہی مسائل میں مشہور و معروف ہے۔“

ظاہر ہے کہ امام حسینؑ کے پاس یزید کے مقابلہ میں ظاہری ساز و سامان جنگ نہ ہونے کے برابر تھا۔ لہذا اسے کسی طرح بھی دو بادشاہوں کی جنگ نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ ایک ظالم و مظلوم کی جنگ تھی۔ حق و باطل کی جنگ تھی۔ کفر و اسلام کی جنگ تھی۔ الحاد و ایمان کی جنگ تھی۔ حسینؑ حکیم ربانی تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر طاقت کا مقابلہ طاقت سے ہوا اور وہ غالب بھی آگئے تو یہی کہا جائے گا کہ دو بادشاہ لڑے تھے۔ ایک غالب آ گیا۔ اس طرح یزید تو مغلوب ہو جائے گا مگر یزیدیت کو شکست نہیں ہوگی۔ مگر حسینؑ تو یزیدیت کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے حق کی طاقت سے مسلح ہو کر بے سروسامانی کی حالت میں یزید ایسے فرعون وقت سے ٹکر لے لی اور اس طرح حق و حقیقت کی طاقت سے قصر یزیدیت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اہل عالم پر ظاہر کر دیا کہ یہ دو بادشاہوں کا محاربہ نہ تھا بلکہ حق و باطل کا معرکہ تھا۔ جس کے نتیجہ میں ہمیشہ کے لیے حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہو گیا۔

بدعائش سلطنت بودے اگر خود نہ کر دے با چنیں ساماں سفر



## شہادتِ امام حسین علیہ السلام پنجتن پاک علیہم السلام کے ارشادات کی روشنی میں

جیسا کہ نویں باب میں پوری تفصیل کے ساتھ اس امر پر تبصرہ کیا جا چکا ہے کہ سرکار السید الشہداء علیہم السلام کی شہادت عظمیٰ کوئی اتفاقی و ناگہانی حادثہ نہ تھی بلکہ مسلسل و متواتر علل و اسباب کثیرہ کا نتیجہ تھی۔ اسی طرح یہ امر بھی بکثرت اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ جناب خاں آل عبا علیہ افضل التحیہ و الثناء بھی اپنی شہادت سے غافل نہ تھے بلکہ پوری طرح اس کے لیے تیار تھے۔ جناب رسول خدا ﷺ، حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور جناب امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے آپ کو اس حادثہ کبریٰ اور قیامت صغریٰ کی باعلام اللہ خبر دے رکھی تھی۔ اور آنجناب نے بھی مدینہ سے روانگی کے وقت اپنے وصیت نامہ میں اس کی وضاحت کر دی تھی۔ کتب سیر و تواریخ کی مزید ورق گردانی کرنے سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ ہائیکہ کی اطلاع رب العزت نے اپنے سابقہ انبیاء کو بھی دے دی تھی۔ اور انہوں نے اپنی اپنی امتوں کو ان جاگنداز واقعات کی خبر دے دی تھی۔ تفصیل میں جانے سے اختصار مانع ہے۔ البتہ خمسہ نجباء علیہم السلام کی پیش گوئیوں کا ایک شمع یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے عاشر بحار، دمعہ ساکبہ اور ناسخ التواریخ وغیرہ کتب مبسوطہ کی مجلہات موجود ہیں۔

### جناب رسول خدا کا شہادتِ حسین کی خبر دینا

کامل الزیارة میں بسند خود حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ جناب رسول خدا ﷺ حضرت امام حسین علیہ السلام کو (ان کے بچپن کے وقت) گود میں لے کر کھلا ہنسا رہے تھے کہ عائشہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ اس بچے سے اس قدر مانوس کیوں ہیں؟ آپ نے فرمایا: بھلا میں کیونکر اس سے محبت نہ کروں۔ اور مانوس نہ ہوں۔ جبکہ وہ میرے دل کا پھل اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ ﴿اما ان امتی مستقتله فمن زاره بعد وفاته كتب الله له حجة من حججی... الخ﴾ عنقریب میری امت ان کو شہید کرے گی پس جو شخص ان کی شہادت کے بعد ان کی زیارت کرے گا اس کو میری تجویز میں سے ایک حج کا ثواب ملے گا! عائشہ نے بطور تعجب پوچھا: آپ کی تجویز میں سے ایک حج کا ثواب؟ آپ نے فرمایا: ہاں دو تجویز کا ثواب۔ اسی طرح عائشہ تعجب کرتی



میں اور آنحضرت ﷺ ہر بار ایک حج کا اضافہ کرتے گئے۔ ﴿حتی بلغ تسعين حجة من حجج رسول الله باعمارها﴾ یہاں تک کہ آپؐ نے عمروں سمیت نوے حجوں کا تذکرہ فرمایا۔<sup>۱</sup> امالی شیخ صدوق علیہ الرحمہ میں جناب امیر المومنینؑ سے مروی ہے، فرمایا: میں فاطمہ زہراؑ اور حسنؑ و حسینؑ جناب رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ یکایک آنحضرتؐ ہماری طرف دیکھ کر رونے لگے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے رونے کا کیا سبب ہے؟ فرمایا: ﴿ابکی مما یصنع بکم بعدی﴾ میں ان مصائب کی وجہ سے رو رہا ہوں جو میرے بعد تم پر ڈھائے جائیں گے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا کیا ہوگا؟ فرمایا: ﴿ابکی لضربک علی الفرق و لطم فاطمة خدھا و طعتی الحسن فی الفخذ و السم الذی یسقی و قتل الحسین﴾۔ میں تیرے سر مبارک پر ضربت کے لگنے۔ (جناب) فاطمہ کو طمانچہ لگنے۔ حسن کی ران پر نیزہ لگنے۔ نیز ان کے زہر پلائے جانے اور حسین کے شہید ہونے پر گریہ و بکا کر رہا ہوں۔<sup>۲</sup>

قبل ازیں ولادت حسین کے بیان میں بھی آپؐ کی شہادت کے متعلق آنحضرتؐ کے بعض اخبار شریفہ نقل کئے جا چکے ہیں۔ فراجع۔

### حضرت امیر علیہ السلام کا شہادت حسینؑ کی خبر دینا

ایک دفعہ حضرت امیر المومنینؑ نے حسب معمول فرمایا: ﴿سلونی قبل ان تفقدونی﴾ بخدا مجھ سے جس ہدایت یا گمراہ کرنے والے گروہ کے متعلق دریافت کرو گے میں تمہیں بتا دوں گا۔ سعد بن ابی وقاص نے اٹھ کر کہا: فرمائیے میرے سر اور ریش میں کس قدر بال ہیں؟ آنجنابؑ نے فرمایا: میرے خلیل جناب رسول خدا ﷺ نے مجھے یہ بتایا تھا کہ تو مجھ سے یہ سوال کرے گا۔ اور یہ بھی بتایا تھا کہ تیرے ہر ہر بال کی جڑ کے پاس ایک شیطان چھپا ہوا ہے۔ ﴿وان فی بیتک لستخلاً یقتل ولدی الحسین ابن بنت رسول اللہ افت و ولدک برئیان من الایمان﴾ اور تیرے گھر میں ایک بچہ موجود ہے جو میرے فرزند حسین بن بنت رسول کو شہید کرے گا۔ تیرا اور تیرے اس بیٹے کا ایمان و اسلام سے کوئی تعلق<sup>۳</sup> اور واسطہ نہیں ہے۔

ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ صفین کی طرف جاتے ہوئے جب ہم ارض نینوا میں پہنچے تو حضرت علیؑ

۱۔ الدرر الساکبہ، ج ۲۸۴۔ مخفی نہ رہے کہ یہ ثواب ہائے بے پایاں اس صورت میں ملیں گے کہ جب زائر کے ذمہ کوئی واجب حج نہ ہو۔

(منہ عفی عنہ)

۲۔ الدرر الساکبہ، ج ۲۸۴۔

۳۔ الدرر الساکبہ، ج ۲۸۵۔



نے باواز بلند فرمایا: ﴿یابن عباس اتعرف هذا الموضع؟﴾ اے ابن عباس کیا تم اس مقام کو پہچانتے ہو؟ میں نے نفی میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا: ﴿لو عرفته معرفتی لم تکن تجوزہ حتی تبکی کبکائی﴾۔ اگر تم بھی میری طرح اس جگہ کو پہچانتے ہوتے تو میری مانند گریہ کئے بغیر یہاں سے نہ گزرتے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ اس کے بعد ﴿فبکی طویلاً حتی اخضلت لحيته و سالت الدموع علی صدره فبکینا معه و هو یقول اوہ اوہ مالی و لال ابی سفیان مالی و لال حزب الشیطان و اولیاء الکفر صبراً ابا عبد اللہ فقد لقی ابوک مثل ما تلقی منهم... الخ﴾ جناب امیر المومنینؑ بہت دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کی ریش مبارک تر ہو گئی اور آنسو سینۃ القدس پر بہنے لگے۔ ہم بھی رونے لگے۔ آپ ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے جاتے تھے ہائے ہائے آل ابی سفیان کو مجھ سے کیا پیر ہے؟ شیطانی گروہ اور صاحبان کفر کو مجھ سے کیا سروکار ہے؟ اے ابا عبد اللہ! صبر سے کام لینا کیونکہ تیرے باپ نے بھی ان لوگوں سے ایسے ہی اذیتیں اٹھائی ہیں جیسی تمہیں پہنچیں گی۔<sup>۱</sup> (اس کے بعد جناب امیرؑ نے واقعہ شہادت کی تفصیل ابن عباس سے بیان فرمائی۔

کامل الزیارة میں ابو عبد اللہ سے منقول ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ﴿و الحسینؑ الی جنبہ فضر بیدہ علی کتف الحسینؑ ثم قال ان هذا یقتل ولا ینصرہ احد﴾ اس وقت حسینؑ آپ کے پہلو میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے اپنا ہاتھ حسینؑ کے کاندھے پر رکھتے ہوئے فرمایا: یہ شہید کیا جائے گا۔ اور کوئی اس کی نصرت نہیں کرے گا۔<sup>۲</sup> حضرت امیر المومنینؑ ابن ملجم ملعون کی ضربت سے زخمی ہوئے۔ تو جناب امام حسنؑ زار و قطار رونے لگے۔ اس وقت امیر المومنینؑ نے فرمایا: ﴿یابنسی الیوم تجزع علی ابیک! و غداً تقتل بعدی مسموماً مظلوماً و یقتل اخوک بالسیف ہکذا و تلحقان بجد کما و ابیکما و امکما﴾ بیٹا حسن! آج تو اپنے والد پر گریہ و بکا کر رہے ہو۔ حالانکہ کل تمہیں زہر جفا سے شہید کیا جائے گا اور اسی طرح تمہارے بھائی حسینؑ کو بھی تلوار ظلم سے شہید کیا جائے گا۔ اور تم دونوں اسی حالت میں اپنے نانا و بابا اور ماں کی خدمت میں پہنچو گے۔<sup>۳</sup>

### امام حسن مجتبیٰؑ کا شہادت حسینؑ کی خبر دینا

شیخ صدوق علیہ الرحمہ اپنی کتاب امالی میں اپنے سلسلۂ سند سے جناب امام جعفر صادقؑ سے روایت

۱۔ الدمعہ الساکبہ، ص ۲۸۵۔

۲۔ الدمعہ الساکبہ، ص ۲۸۶۔

۳۔ ناخ التواریخ، ج ۶، ص ۳۶۔



کرتے ہیں کہ ﴿ان الحسين بن علي بن ابي طالب دخل يوماً على الحسن فلما نظر اليه بكى فقال ما يبكيك يا ابا عبد الله. قال ابكى لما يصنع بك فقال الحسين ان الذي يوتى الي سم يدس الي فاقتل به ولكن لا يوم كيومك يا ابا عبد الله يزلف اليك ثلاثون الف رجل يدعون انهم من امة جدنا محمد صلى الله عليه و اله و ينتحلون دين الاسلام فيجتمعون على قتلك و سفك دمك و انتهك حرمتك و سبي ذراريك و نساءك و انتهاب ثقلك فعندها تحل بني امية اللعنة و تمطر السماء رماداً و دماً و يكي عليك كل شئ حتى الوحوش في الفلوات و الحيتان في البحار﴾

ایک مرتبہ جناب امام حسین علیہ السلام اپنے بھائی حضرت امام حسن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رونے لگے۔ امام حسن نے پوچھا: کیوں روتے ہو؟ عرض کیا: آپ کے ساتھ جو سلوک کیا جانے والا ہے اس پر رو رہا ہوں۔ امام حسن نے فرمایا: میری طرف تو مخفی طور پر زہر بھیجا جائے گا جس کی وجہ سے میں شہید ہو جاؤں گا لیکن اے ابا عبد اللہ! تیری مصیبت کی طرح کسی کی مصیبت نہیں۔ پورے تیس ہزار آدمی تیرے قتل کے لیے چڑھ آئیں گے۔ اور بایں ہمہ دعویٰ اسلام بھی کرتے ہوں گے۔ نیز ان کا یہ دعویٰ بھی ہوگا کہ وہ ہمارے جدنا مدار کی امتی سے ہیں۔ یہ سب لوگ آپ کے قتل کرنے، خون بہانے، آپ کی ہتک حرمت کرنے، آپ کی مستورات کو قید کرنے اور آپ کا ساز و سامان لوٹنے کے لیے جمع ہو جائیں گے۔ اس وقت بنی امیہ پر لعنت نازل ہوگی۔ اور آسمان سے راکھ اور خون برسے گا۔ اور آپ کی مصیبت پر کائنات کی ہر چیز حتیٰ کہ جنگلوں کے وحشی جانور اور پانی کی مچھلیاں بھی روئیں گی۔

**جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا شہادت حسینؑ پر مطلع ہونا**

آیت مبارکہ ﴿وَصَيَّنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا. حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَ وَضَعَتْهُ كُرْهًا. وَ حَمَلُهُ وَ فِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا...﴾ الایہ کی تفسیر میں اصول کافی اور تفسیر برہان وغیرہ میں متعدد ایسی روایات موجود ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب سیدہ عالم سلام اللہ علیہا کو حسینؑ کے مصائب سے اس وقت باعلام اللہ آگاہ فرمایا تھا۔ جبکہ ہنوز جناب حالت حمل میں بھی نہ آئے تھے۔ اس لیے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا ان مصائب و آلام پر گریہ و بکا فرماتی رہتی تھیں۔

**خود امام حسین علیہ السلام کا اپنی شہادت کی خبر دینا**

مذکورہ بالا حقائق کو پیش نظر رکھنے کے بعد اس امر میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ



حضرت امام حسینؑ کو اپنی شہادتِ عظمیٰ کا علم تھا۔ مزید برآں اس سلسلہ میں خود آپؑ کے بھی کئی فرامین ملتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْنِي بَنُو اَمِيَّةٍ حَتّٰى يَقْتُلُوْنِىْ وَهَمْ قَاتِلِىْ... الخ﴾ بخدا بنی امیہ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں گے جب تک مجھے قتل نہ کر لیں گے۔ امام محمد باقرؑ بیان فرماتے ہیں کہ جس وقت امام حسینؑ احرام حج توڑ کر عراق تشریف لے جانے لگے تو عبداللہ بن زبیر نے عرض کیا: فرزند رسول! آپ حج چھوڑ کر عراق جا رہے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: ﴿یٰہٰنِ زَبِیْرُ لَا اَدْفِنُ بِشَاطِئِ الْفِرَاتِ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَدْفِنُ بِفَنَاءِ الْكَعْبَةِ﴾ اے ابن زبیر اگر میں (شہید ہو کر) فرات کے کنارے دفن کیا جاؤں۔ تو یہ امر مجھے کعبہ کی ڈیوڑھی میں دفن ہونے سے زیادہ محبوب ہے۔

اسی طرح ثقۃ الاسلام کلینیؒ کی روایت کے مطابق آپؑ نے مدینہ سے تشریف لے جاتے وقت بنی ہاشم کے نام جو رقمہ کریمہ تحریر فرمایا تھا۔ اس میں بھی اس امر کی صراحت کر دی تھی۔ تحریر فرماتے ہیں: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِی طَالِبٍ اِلَیْ بَنِیْ هَاشِمٍ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّهُ مِنْ لِحَقِّ بَنِیْ مِنْكُمْ اَسْتَشْهَدُ وَ مِنْ تَخْلُفٍ لِّمَنْ یَّبْلُغُ مَبْلَغَ الْفَتْحِ وَ السَّلَامِ﴾ کہ ”تم میں سے جو شخص میرے ساتھ جائے گا۔ وہ شہید ہو جائے گا۔ اور جو پیچھے رہ جائے گا۔ وہ بھی (ظاہری) فتح و نصرت حاصل نہیں کر سکے گا۔“

ان حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ سانحہ کربلا حضرت امام حسینؑ کے لیے کوئی غیر متوقع واقعہ نہیں تھا بلکہ آپ کے ابتدائے عمر سے برابر اس واقعہ ہائیکہ کی اطلاع دی جا رہی تھی۔ اور آپ پوری طرح اس کے لیے آمادہ و تیار تھے۔ چنانچہ وقت آنے پر آپؑ نے اس ثابت قدمی، راسخ الاعتقاد، صبر و ضبط اور ناقابلِ تسخیر عزم و ارادہ کا اظہار فرمایا کہ جس کی نظیر صفحہ تاریخ پر نہیں مل سکتی۔ ﴿وَلَقَدْ نَعَجِبْتَ مِنْ صَبْرِكَ مَلَائِكَةُ السَّمَاوَاتِ﴾ ”اے سرکارِ شہادت آپ کے صبر پر آسمان کے فرشتے تعجب کرتے ہیں۔“ حجِ تویہ ہے کہ

اَزْهِيْجْ بِیَغْمَرٍ نَّآیِدِ اَیْنِ کَارِ  
وَاللّٰهُ کَلَّهْ لَیْ حَسِیْنٌ کَارِ کَرْدِی

۱۔ المدد الساکب، ص ۲۸۶۔

۲۔ المدد الساکب، ص ۲۸۶۔ اس میں اپنی شہادت بمقام کربلا اور ابن زبیر کے قتل بمقام کعبہ کی طرف صریح اشارہ موجود ہے۔ (منہ غشی عنہ)

۳۔ نفس المہموم، ص ۳۸۔ (عاشق بخار، ص ۷۵ اور غیرہ)۔



## یزید کی تخت نشینی اور

حضرت امام حسین علیہ السلام سے بیعت لینے پر اصرار اور

امام علیہ السلام کا انکار

جیسا کہ قبل ازیں آٹھویں باب کے آخر میں بیان کیا جا چکا ہے کہ معاویہ نے بنابر مشہور نیمہ رجب اور بقول ۶۰، ۲۲ھ میں عدم آباد کو چھوڑ کر اپنے اصلی مقام کی طرف کوچ کیا اور اسی تاریخ کو یزید عنید مسند حکومت پر متمکن ہوا۔ یزید عنید تخت خلافت پر متمکن ہونے سے قبل بھی نشہ خمر سے تو مخمور رہتا ہی تھا مگر اب ظاہری اقتدار کے نشہ نے اسے بالکل ہی پُور پُور کر دیا تھا اور عیش و عشرت کے تمام اسباب و آلات کے موجود ہونے کے باوجود جو چیز اس کی رنگین زندگی کو منغض کر رہی تھی وہ تھی چند نامور شخصیتوں کا اس کی بیعت سے انکار۔ جن میں سرکار سید الشہداء سرفہرست تھے۔ اگرچہ معاویہ نے اپنی زندگی میں اپنی پوری کوشش کی کہ کسی طرح یہ کاٹھاراستہ سے ہٹ جائے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا اور اس خلش کو سینہ میں لے کر مر گیا۔ معاویہ ایک کہنہ مشق سیاست دان تھا۔ اس نے اس سلسلہ میں تشدد کرنا مصلحت وقت کے خلاف سمجھ کر سکوت اختیار کر لیا۔ البتہ آخری وقت یزید کو اس عظیم خطرہ کی طرف متوجہ ضرور کر گیا۔ جیسا کہ آٹھویں باب کے آخر میں اس امر کا تذکرہ کیا جا چکا ہے لیکن یزید میں یہ تدبیر اور سیاست دانی کہاں؟ جوانی مستانی کے نشہ کو نشہ شراب نے دو آتشہ اور نشہ اقتدار نے سہ آتشہ کر دیا تھا۔ اس لیے اس نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی سب سے پہلے اس روڑے کو راستے سے ہٹانے کا عملی اقدام کیا۔ اور جہاں دوسرے بڑے شہروں کے گورنروں کو مرگ معاویہ کی اطلاع دی۔ وہاں گورنر مدینہ ولید بن عقبہ بن ابی سفیان کو اس اطلاع نامہ کے علاوہ ایک چھوٹا سا پرزہ ﴿کأنہا اذن فارقة﴾ اس مضمون کا لکھا۔ ﴿اما بعد فخذ حسیناً و عبد الله بن

۱۔ غفلت نہ رہے کہ اس وقت معاویہ کی طرف سے مدینہ کا حاکم ولید بن عقبہ بن ابی سفیان۔ مکہ کا عمرو بن سعید بن العاص الاشدق، کوفہ کا نعمان بن بشر الانصاری اور بصرہ کا عبید اللہ بن زیاد تھا۔ (تقاض، ص ۲۱۷)۔



عمر و عبد اللہ بن الزبیر بالبیعة اخذاً شدیداً لیست فیہ رخصة حتی یبایعوا والسلام ﴿۱﴾۔ حسینؑ، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر کو میری بیعت پر مجبور کرو اور جب تک بیعت نہ کر لیں انہیں ہرگز کوئی ذلیل نہ دو۔<sup>۱</sup> اور بعض اخبار و آثار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یزید عنید نے ولید کو مزید لکھا: ﴿انفذ کتابی الیہم فمن لم یبایعک فانفذ الی برأسہ مع جواب کتابی هذا والسلام﴾ یعنی ان کے سامنے میرا یہ خط پیش کرو۔ اور ان میں سے جو بھی بیعت کرنے سے انکار کرے اس کا سر قلم کر کے میرے اس خط کے جواب کے ہمراہ ارسال کر دو۔<sup>۲</sup> ولید بن عقبہ اگرچہ خاندان بنی امیہ کا چشم و چراغ تھا مگر وہ ایسا سفاک نہ تھا کہ بے تصور لوگوں کا خون بہانے میں اسے لذت محسوس ہو۔ علاوہ بریں وہ حضرت امام حسینؑ کی با عظمت شخصیت سے متاثر بھی تھا۔ جب اس کے پاس یزید کا یہ تہدید و تاکید مکتوب پہنچا۔ تو وہ ڈر گیا اور ﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ﴾ پڑھا۔ قتل حسینؑ کو سنگین جرم قرار دیتے ہوئے بولا: ﴿لا یرانی اللہ اقتل ابن بنت نبیہ ولو جعل یزید لی الدنیا بما فیہا﴾ خدا مجھے ہرگز اس حال میں نہیں دیکھے گا کہ میں اس کے نبیؐ کی بیٹی کے بیٹے (حسینؑ) کو قتل کروں۔ اگرچہ یزید مجھے پورے روئے زمین کی سلطنت ہی کیوں نہ دے دے۔<sup>۳</sup> بہر کیف ولید بہت ہی سراسیمہ اور پریشان ہوا۔ اور اس مشکل مرحلہ پر مروان ابن حکم کو (جس سے اس کے تعلقات کشیدہ تھے۔ اور آمد و رفت کا سلسلہ منقطع تھا) مشورہ کے لیے طلب کیا۔ اور تمام صورت حال اس کے سامنے پیش کی۔ مروان بن حکم استرجاع (انا للہ) پڑھنے کے بعد معاویہ کے لیے دعائے مغفرت کی۔ اس کے بعد کہا: عبد اللہ بن عمر کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ جو کچھ خطرہ ہے وہ حسینؑ بن علیؑ اور عبد اللہ بن زبیر کی طرف سے ہے۔ لہذا مصلحت یہ ہے کہ معاویہ کی خبر مرگ مشہور ہونے سے پہلے پہلے اسی وقت ان دونوں کو بلا کر ان پر بیعت یزید پیش کرو۔ اگر کر لیں تو فیہا ورنہ ان کو قتل کر دو۔ دیکھو! اگر اسی وقت ایسا نہ کیا گیا اور مرگ معاویہ کی خبر مشہور ہو گئی تو پھر ان لوگوں کو مخالفت کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اور ان پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ ولید نے اسی وقت عبد اللہ بن عمرو بن عثمان کو (جو ایک نوجوان لڑکا تھا) بھیجا۔ کہ امام حسینؑ اور عبد اللہ بن زبیر کو بلا لائے۔ چنانچہ وہ ان کے گھر گیا۔ وہاں وہ موجود نہ تھے۔ معلوم ہوا کہ مسجد نبویؐ میں ہیں۔ وہاں پہنچا۔ دونوں حضرات وہاں موجود تھے۔ بیک وقت دونوں کو حاکم مدینہ کا پیغام پہنچایا کہ وہ اس وقت آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے جواب میں کہا: تم جاؤ ہم تمہارے پیچھے آتے ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ یہ شب شنبہ ۲۷ رجب ۶۰ھ کا واقعہ ہے۔ اس سے قبل اس طرح رات

۱۔ طبری، ج ۶، ص ۱۸۸۔ عاشر بحار، ص ۱۷۳۔ ناخ، ج ۶، ص ۱۵۳۔ تقام، ص ۲۱۷ وغیرہ۔

۲۔ مہوف، ص ۱۸۔ عاشر بحار، ص ۱۷۳۔ ناخ، ج ۶، ص ۱۵۳۔ مثل الحسین خوارزمی، ج ۱، ص ۱۷۸، ۱۸۰، طبع نجف۔

۳۔ عاشر بحار، ص ۱۷۴۔



کے وقت ولید کا دربار میں بیٹھنے اور لوگوں سے ملاقات کرنے کا معمول نہ تھا۔<sup>۱</sup> اس خلاف معمول وقت میں ولید کے بلاوے نے عبد اللہ بن زبیر کو چونکا دیا۔ حضرت امام حسینؑ کو خطاب کر کے کہنے لگے: ولید کے اس وقت ہمیں بلانے کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟ حضرت سید الشہداءؑ نے فرمایا: میرا خیال یہ ہے کہ معاویہ مر گیا ہے اور اس کی جگہ یزید بیٹھ گیا ہے۔ ولید چاہتا ہے کہ اس کی خبر مرگ نشر ہونے سے پہلے ہم سے یزید کے لیے بیعت کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ میں نے گزشتہ رات خواب میں دیکھا ہے کہ معاویہ کا منبر سرنگوں ہے۔ اور اس کے گھر میں آگ لگی ہوئی ہے۔<sup>۲</sup> (جس کی یہی تعبیر ہو سکتی ہے) عبد اللہ بن زبیر نے کہا: اس وقت وہاں جانا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ امام علیؑ نے فرمایا: میں دفاع کا انتظام کر کے جاؤں گا۔ پھر عبد اللہ نے پوچھا: اگر ولید بیعت یزید کا مطالبہ کرے تو آپؑ کا کیا ارادہ ہے؟ آپؑ نے فرمایا: میں ہرگز یزید کی بیعت نہیں کروں گا کیونکہ ایک تو معاویہ نے میرے بھائی امام حسنؑ سے معاہدہ صلح میں یہ طے کیا تھا کہ وہ اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین نہیں بنائے گا بلکہ آل رسول کا حق واپس حق داروں کو دے دے گا۔ ثانیاً یزید شرا، بخوار، لہو و لعب میں مشغول رہنے والا فاسق و فاجر ہے۔ رسول کا نواسہ (وارث مسند رسولؐ) ہرگز اس کی بیعت نہیں کر سکتا۔<sup>۳</sup>

یہ دونوں حضرات یہی گفتگو کر رہے تھے کہ ولید کا وہی آدمی دوبارہ بلانے کے لیے حاضر ہوا۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: خواہ اور کوئی نہ آئے۔ میں ابھی آتا ہوں۔ پیغامبر نے واپس جا کر امام علیؑ کا پیغام دیا۔ مروان نے ولید سے کہا: حسینؑ نے تمہیں فریب دیا ہے وہ ہرگز نہیں آئیں گے۔ ولید نے کہا: ایسا نہ کہو۔ حسینؑ مکرو خدعہ کرنے والے نہیں ہیں اور نہ ہی وعدہ خلافی کرنے والے ہیں۔<sup>۴</sup>

اس کے بعد امام علیؑ اپنے دولت سرا میں تشریف لے گئے اور اپنے حشم و خدم اور اہل خانوادہ کے نوجوانوں سے فرمایا کہ ولید نے اس وقت مجھے اپنے گھر بلایا ہے جو خطرے سے خالی نہیں ہے لہذا تم ہتھیار لگا لو اور میرے ہمراہ چلو۔ میں اندر جاؤں گا اور تم دروازہ پر بیٹھ جانا۔ جب میری آواز بلند ہو۔ یا میں بلاؤں تو اندر چلے آنا۔ چنانچہ آپؑ ایک جماعت کو جن کی تعداد بروایت<sup>۵</sup> اٹھیس (۱۹) اور بروایت<sup>۶</sup> تیس (۳۰) اور بروایت<sup>۷</sup> پچاس (۵۰) تھی، (مشہور تیس (۳۰) نفر ہی ہے) ہمراہ لے کر ولید کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس وقت آپؑ کے ہاتھ میں

۱۔ طبری، ج ۶، ص ۱۸۹۔  
 ۲۔ نظام، ص ۲۱۸۔ مقتل حسینؑ للمقدم، ص ۱۲۴ بحوالہ مشیر الاحزان ابن نما، ص ۱۰۔  
 ۳۔ نظام، ص ۲۱۸۔ ناخ، ج ۶، ص ۱۵۴۔  
 ۴۔ ناخ، ج ۶، ص ۱۸۴۔  
 ۵۔ مناقب شہر بن آشوب، ج ۴، ص ۸۷۔  
 ۶۔ لبوف سید ابن طاووس، ص ۱۸۔  
 ۷۔ ناخ التواریخ، ج ۶، ص ۱۵۴۔



رسول خدا ﷺ والی چھڑی لے تھی۔ اور پروگرام کے مطابق ہمراہیوں کو دروازہ پر کھڑا کر کے آپؐ تنہا اندر تشریف لے گئے۔ جب آپؐ اطمینان سے بیٹھ چکے تو ولید نے آپؐ کو موت معاویہ کی اطلاع دی۔ اور بیعت یزید کا مطالبہ کیا۔ امام عالی مقام نے کلمہ استرجاع ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ زبان پر جاری فرمایا۔ اور بیعت کے متعلق یہ جمل جواب دیا: ﴿إِيّهَا الْأَمِيرُ إِنَّ الْبَيْعَةَ لَا تَكُونُ سِرّاً وَلَكِنْ إِذَا دَعَوْتَ النَّاسَ غَدَاً فَادْعُنَا مَعَهُمْ﴾ بیعت پوشیدہ طریقہ پر نہیں ہوتی (اور نہ ہی تو اس پر راضی ہوگا) ہاں جب تو کل اور لوگوں کو بلائے تو ہمیں بھی بلانا۔<sup>۱</sup> چونکہ ولید صلح جو قسم کا آدمی تھا۔ وہ امام ﷺ کا یہ نرم جواب سن کر خوش ہو گیا۔ اور کہا: بہت اچھا۔ ﴿إِنْ صُورَ فَإِذَا شِئْتَ عَلَى اسْمِ اللَّهِ حَتَّى تَأْتِنَا مَعَ جَمَاعَةِ النَّاسِ﴾ بنام خدا واپس تشریف لے جائیں اور پھر تمام لوگوں کے ساتھ آئیں۔<sup>۲</sup>

ابھی امام ﷺ اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ مروان نے ولید سے کہا: اگر اس وقت حسینؑ بچ کر نکل گئے تو پھر جب تک طرفین کا بہت سا خون خرابہ نہ ہوا۔ اس وقت تک قابو میں نہ آئیں گے۔ اس لیے مصلحت یہ ہے کہ ﴿أَحْبَسِ الرَّجُلَ فَلَا يَخْرُجَ مِنْ عِنْدِكَ حَتَّى يَبَايِعَ أَوْ تَضْرِبَ عُنُقَهُ﴾ ان کو یہیں روک رکھو۔ اور ہرگز یہاں سے نکلنے نہ پائیں۔ مگر یہ کہ بیعت کر لیں۔ یا پھر ان کی گردن اڑا دو۔<sup>۳</sup>

مروان کا یہ کلام نافرجام سن کر امام ﷺ غضب ناک ہو کر اٹھے اور فرمایا: ﴿يَا بَنَ الزَّرْقَاءِ! أَنْتَ تَقْتُلُنِي أَمْ هُوَ كَذِبٌ وَاللَّهِ وَ أَثَمْتُ﴾ اوزرقاءؑ کے بیٹے! کیا تم مجھے قتل کرو گے یا ولید؟ بخدا تو نے جھوٹ بولا اور گنہگار ہوا۔<sup>۴</sup>

اس کے بعد آپؐ نے ولید کو خطاب کر کے فرمایا: ﴿إِيّهَا الْأَمِيرُ إِنَّا أَهْلُ بَيْتِ النَّبَوَةِ وَمَعْدِنِ الرِّسَالَةِ وَمُخْتَلَفِ الْمَلَائِكَةِ وَبَنَّا فَتَحَ اللَّهُ وَبَنَّا خَتَمَ اللَّهُ وَيزِيدُ رَجُلٌ فَاسِقٌ شَارِبُ الْخَمْرِ قَاتِلُ النَّفْسِ الْمَحْرُومَةِ مَعْلَنٌ بِالْفُسْقِ وَ مَثَلِي لَا يَبَايِعُ مِثْلَهُ وَلَكِنْ نَصَبُحَ وَ تَصَبَّحُونَ وَ نَنْظُرُ وَ تَنْظُرُونَ إِنَّا أَحَقُّ

۱۔ مقتل الحسين للمقرم، ص ۱۲۶۔

۲۔ لبوف، ص ۱۸۔

۳۔ نفس المہجوم، ص ۳۴۔ ناخ، ج ۶، ص ۱۵۵۔

۴۔ نفس المہجوم، ص ۳۴۔ ناخ، ج ۶، ص ۱۵۵۔ قنظام، ص ۲۱۹۔ لبوف، ص ۱۸ وغیرہ۔

۵۔ زرقاء مروان کی داوی تھی۔ اور عرب کی مشہور زانیہ اور فاحشہ عورت تھی۔ ملاحظہ ہو: کامل ابن اثیر، ج ۴، ص ۷۵۔ ادب السلطان للثعربی، ص ۸۸۔ تذکرہ سبط بن الجوزی، ص ۲۲۹، طبع ایران۔

۶۔ طبری، ج ۶، ص ۱۸۹۔ ارشاد شیخ مفید، ص ۱۸۰۔ قنظام، ص ۲۱۹۔ ناخ، ج ۶، ص ۱۵۵۔



بالخلافة و البيعة ﴿۱﴾ اے امیر! ہم اہل بیت نبوت اور رسالت کی کان ہیں۔ ہمارا گھر ملائکہ کی آمد و رفت کی آماجگاہ ہے۔ خدا نے ہم سے خلقت کی ابتداء کی اور ہم پر ہی اختتام کرے گا۔ یزید فاسق و فاجر، شارب خمر اور ظالم و قاتل اور متجاہر بالفسق ہے۔ مجھ ایسا (پاکباز انسان) ایسے (نگ انسانیت) شخص کی ہرگز بیعت نہیں کر سکتا۔ البتہ جب صبح ہوگی۔ تو ہم تم دیکھیں گے۔ کہ کون زیادہ حقدار خلافت و بیعت ہے؟“ لے حسینؑ جس وقت کہہ رہے تھے کہ میں بیعت نہیں کروں گا۔ اس وقت وہ بیعت نہ کرنے کے معاوضہ میں ظلم و تشدد کے تمام امکانات پر غور کر کے اور اپنے نفس کی قوت برداشت کا پورا جائزہ لے کر کامل اعتماد کے ساتھ بیعت کی نفی کر رہے تھے اور اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ تشدد اپنی آخری حد پر پہنچ گیا۔ مگر حسینؑ کے صبر و برداشت کی قوت ختم نہ ہو سکی۔ وہ اپنی بات پر آخر تک قائم رہے۔ اسی عزم و استقلال کے ساتھ جس کو انہوں نے پہلے دن بٹے کیا تھا۔<sup>۲</sup>

بہر حال جب مروان کے ساتھ مذکورہ بالا گفتگو کرتے وقت امام علیؑ کی آواز بلند ہوئی تو آپ کے دروازہ پر مقرر کردہ آدمی خنجر و شمشیر بکف ہو کر اندر گھس آئے۔ اس وقت جناب سید الشہداء اٹھ اٹھے اور اپنے آدمیوں کے ہمراہ واپس اپنے دولت کدہ پر تشریف لے گئے۔<sup>۳</sup>

آپ کے چلے جانے کے بعد مروان نے ولید سے کہا: اے امیر! تو نے میرے مشورہ کی مخالفت کی ہے۔ اب تم ہرگز حسینؑ پر قابو نہ پاسکو گے۔ ولید نے جواباً اس کی زبردستی کر تے ہوئے کہا: ﴿وَبِحُكِّ يَاسْرَوَانَكَ اخْتَرْتَ لِي الَّتِي فِيهَا هَلَكَ دِينِي وَ دُنْيَايَ وَ اللَّهُ مَا أَحَبَّ أَنْ لِي مَا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ وَ غَرَبَتْ مِنْهُ مِنْ مَالِ الدُّنْيَا وَ مَلَكَهَا وَ انِّي قَتَلْتُ حُسَيْنًا. سُبْحَانَ اللَّهِ اقْتُلْ حُسَيْنًا أَنْ قَالَ لَا أَبَايَعُ وَ اللَّهُ انِّي لَا ظَنَّ أَنْ أَمْرًا يَحَاسِبُ بَدَمَ الْحُسَيْنِ خَفِيفَ الْمِيزَانِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَلَا يَزْكِيهِ وَلَهُ عَذَابُ الْيَمِّ﴾۔ اے مروان افسوس ہے تم پر۔ تم نے مجھے ایسے امر میں مبتلا کرنا چاہا جس میں میرے دین و دنیا کی ہلاکت پوشیدہ ہے۔ بخدا اگر مجھے (قتل حسینؑ کے عوض) تمام روئے زمین کی دولت بھی عطا کر دی جائے تب بھی میں قتل حسینؑ کو پسند نہ کروں گا۔ سبحان اللہ کیا میں محض اس بات پر حسینؑ کو قتل کر دوں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ میں (یزیدؑ) کی بیعت نہیں کرتا۔ میرا خیال ہے کہ جس شخص کا خون حسینؑ کے متعلق حساب لیا گیا اس کا میزان اعمال بروز قیامت خدا کے نزدیک بہت ہی خفیف ہوگا۔ نہ خدا اس کی طرف نظر رحمت کرے گا۔ اور نہ ہی اس کا تزکیہ

۱۔ لبوف، ص ۱۹۔ نظام، ص ۲۱۹۔ ناخ، ج ۶، ص ۱۵۵۔ الدمعة الساکبہ، ص ۳۰۵۔

۲۔ شہید انسانیت، ص ۲۰۹۔

۳۔ مناقب من شہر آشوب، ج ۳، ص ۸۷۔ ناخ، ج ۲، ص ۱۵۵۔



(اعمال) کرے گا۔ اور اس کے لیے دردناک عذاب<sup>۱</sup> ہوگا۔ مروان نے بھی مصلحتِ وقت کے تحت یہ کہہ دیا کہ ہاں تم نے اچھا کیا ہے۔ آپ کی رائے درست ہے۔“

یہاں اجمالاً یہ بیان کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہیں کہ امام حسین (علیہ السلام) تو حسب وعدہ ولید کے پاس چلے گئے مگر عبد اللہ بن زبیر مسجد نبویؐ سے نکلا اور سیدھا گھر پہنچا اور چھپ کر بیٹھ گیا۔ ولید نے اس کے بلانے کے لیے کئی بار اپنے آدمی بھیجے مگر اس نے حاضر ہونے میں پس و پیش کیا۔ حتیٰ کہ طرفین سے گالم گلوچ تک نوبت پہنچی۔ بالآخر عبد اللہ نے اپنے بھائی جعفر بن زبیر کو ولید کے پاس بھیج کر صبح تک مہلت لی۔ مہلت تو مل گئی مگر عبد اللہ بن زبیر اپنے بھائی جعفر کے ہمراہ اسی رات (شب شنبہ، ۲۷ رجب ۶۰ھ) کو غیر معروف راستہ سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب صبح ہوئی اور ولید کو حقیقت حال کی اطلاع دی گئی تو اس نے غلامان بنی امیہ میں سے ایک غلام کی نگرانی میں اسی (۸۰) سوار ابن زبیر کی تلاش میں بھیجے جو شام تک ڈھونڈنے کے بعد ناکام واپس لوٹ آئے۔<sup>۲</sup>

### امام حسین علیہ السلام قبر رسولؐ پر

دربار ولید سے واپسی کے بعد حضرت سید الشہداء (علیہ السلام) نصف شب کے قریب اپنے جدِ نامدار کے مقدس مزار پر حاضر ہوئے۔ جیسا کہ جناب سید محمد بن ابی طالب الحسینی الحارثی نے اپنی کتاب تسلیۃ المجالس وزینۃ المجالس میں لکھا ہے۔ اور اس سے علامہ مجلسیؒ اور صاحب ناخ و تقام وغیرہم نے نقل کیا ہے۔ قبر مبارک سے ایک نور ساطع ہوا۔ امام حسینؑ نے عرض کیا: ﴿السلام علیک یا رسول اللہ انا الحسین بن فاطمة فرخک و ابن فرختک و سبطک الذی خلفتنی فی امتک فاشہد علیہم یا نبی اللہ۔ انہم قد خذلونی و ضیعونی و لم یحفظونی فہذہ شکوائی الیک حتی القاک﴾ اے رسول خدا! آپؐ پر سلام ہو۔ میں حسین بن فاطمہ ہوں۔ میں تیرا بیٹا اور تیری بیٹی کا بیٹا ہوں۔ میں تیرا دینی نواسہ ہوں۔ جسے تو اپنی امت میں (بطور امانت و یادگار) چھوڑ گئے تھے۔ اے پیغمبر خدا! ان لوگوں پر گواہ رہنا کہ انہوں نے میری نصرت نہیں کی۔ اور میری منزلت ضائع کی۔ اور حقوق کی حفاظت نہیں کی۔ آپؐ کی بارگاہ میں میری یہ شکایت ہے حتیٰ کہ آپؐ سے ملاقات کروں“ (یعنی اس وقت باقی تفصیلات عرض کروں گا) اسی طرح اس رات صبح تک وہیں نماز و مناجات میں مشغول رہے۔<sup>۳</sup>

بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شب ولید نے کسی آدمی کو امام حسین (علیہ السلام) کے حالات کی تحقیق و جستجو

۱۔ ناخ التواریخ، ج ۶، ص ۱۵۵۔ مقتل الحسین للمقرئ، ص ۱۲۸۔ تقام، ص ۲۱۹ وغیرہ۔

۲۔ ارشاد شیخ مفید، ص ۱۸۰۔ تفتیح صغیر۔ نفس المہموم، ص ۳۵۔ ناخ، ج ۶، ص ۱۵۷۔ عاشر بخار، ص ۱۷۴۔

۳۔ عاشر بخار، ص ۷۴۔ الدعوا الساکبہ، ص ۳۰۵۔ ناخ، ج ۶، ص ۱۵۸۔ تقام، ص ۲۲۱۔ نفس المہموم، ص ۳۶۔ مقتل القوانیم، ص ۵۴۔







اب یہ خطرہ یقینی حد تک پہنچ چکا تھا کہ اگر ولید نے یزید کے تہدید کی حکم کی تعمیل میں کچھ دیر پس و پیش بھی کیا۔ تو اسے معزول کر کے مروان بن حکم جیسے کسی دشمن خاندان رسول کو گورنر بنا دیا جائے گا۔ اور انکار بیعت کی صورت میں خون امام سے زمین مدینہ رنگین کر دی جائے گی۔ مگر حسینؑ مدینہ رسولؐ کی یہ توہین ہرگز برداشت نہ کر سکتے تھے۔

اس صورت میں اہل مدینہ سے یہ توقع بھی نہ کی جاسکتی تھی کہ وہ نواسہ رسولؐ کی حفاظت و حراست کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دیں گے کیونکہ امام حسینؑ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے کہ وفات پیغمبرؐ کے بعد اسی مدینہ میں ان کی مادر گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ پر مصائب و شدائد کے پہاڑ ڈھائے گئے تھے۔ اسی مدینہ میں ان کے عظیم والد حضرت علی بن ابی طالبؑ کو قریباً پچیس سال تک خانہ نشین کیا گیا تھا۔ اور حد یہ تھی کہ اسی مدینہ میں ان کے برادر معظم حضرت امام حسنؑ کے جنازہ پر تیر برسائے گئے تھے اور کسی مسلمان کی رگ حیت نہ پھڑکی تھی۔ ان حالات میں مدینہ والوں پر آپؐ کس طرح اعتماد کر سکتے تھے؟ نیز اگر جناب امام حسینؑ کی شہادت مدینہ میں واقع ہوتی۔ تو اسے وہ اہمیت ہرگز حاصل نہ ہو سکتی۔ جو اسے کربلا کے میدان میں حاصل ہوئی۔ بہر حال اب عقل و تدبیر کا یہی تقاضا تھا کہ مدینہ میں مزید قیام نہ کیا جائے۔ اور سفر کربلا کی پہلی منزل (مکہ مکرمہ) کی طرف رخت سفر باندھ کر کوچ کر دیا جائے۔ چنانچہ اس حکیم ربانی نے ایسا ہی کیا۔ اب ۲۸ رجب ۶۰ھ کی شام ہو چکی تھی۔ آپؐ نے اس رات کا اکثر حصہ سفر کی تیاری اور اپنے جد نامدار و برادر والاخبار اور مادر عالی وقار کے مزارات عالیہ سے رخصت ہونے میں بسر کی۔ چنانچہ اس شب اپنے جد نامدار کے مزار اقدس کے پاس گئے۔ چند رکعت نماز پڑھی۔ پھر بارگاہ ایزدی میں یوں مناجات کی: **اللّٰهُمَّ اِنْ هٰذَا قَبْرُ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ وَاَنَا ابْنُ بِنْتِ نَبِيِّكَ وَقَدْ حَضَرَنِي مِنَ الْاَمْرِ مَا قَدْ عَلِمْتَ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَحَبُّ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَاَنْكَرُ الْمُنْكَرِ وَاَسْتُلْكَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ بِحَقِّ الْقَبْرِ وَمَنْ فِيْهِ اِلَّا اخْتَرْتُ لِيْ مَا هُوَ لَكَ رَضِيٌّ وَّلِرَسُولِكَ رَضِيٌّ** ”خداوند! یہ تیرے نبی محمدؐ کی قبر ہے۔ اور میں تیرے نبی کی دختر کا فرزند ہوں۔ میں جن حالات سے دوچار ہوں تو ان سے واقف ہے۔ بارالہا! میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کو دوست رکھتا ہوں۔ اور اے ذوالجلال والاكرام! میں تجھ سے اس قبر اور اس کے صاحب کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میرے لیے وہ طریقہ کار اختیار فرما جس میں تیری اور تیرے رسولؐ کی رضا مندی ہو۔“ اس کے بعد آپؐ بہت روئے۔

جب رات کا کافی حصہ گزر گیا۔ تو آپؐ نے قبر رسولؐ پر سر رکھا اور تھوڑی دیر کے لیے سو گئے۔ اس وقت عالم رویاء میں دیکھا کہ جناب رسول خدا ﷺ ملائکہ کی ایک جماعت کے ساتھ جو آپؐ کے دائیں بائیں ہیں۔ تشریف لائے ہیں۔ اور آ کر ان کو سینہ سے لگایا ہے اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دے کر فرماتے ہیں: ﴿حَبِيبِيْ يَا



حسینؑ کاٹی اراک عن قریب مرملاً بدمانک مذبحاً بارض کربلا بین عصابة من امتی و انت مع ذلک عطشان و ظمان لا تروی و هم بعد ذلک یرجون شفاعتی لا انا لهم اللہ شفاعتی يوم القيامة حبیبی! یا حسین! ان اباک و امک و اخاک قدموا علی و هم مشتاقون الیک ﴿ میرے حبیب حسین! گویا میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب تم خاک و خون میں غلطان ہو گے اور میری امت کے چند افراد کے ہمراہ زمین کربلا میں (ظلم و جور سے) ذبح کئے جاؤ گے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تم پیاسے بھی ہو گے۔ مگر تمہیں پانی نہیں پلایا جائے گا۔ اور (نابکار قاتل) اس کے باوجود میری شفاعت کے امیدوار بھی ہوں گے۔ خدا ہرگز بروز قیامت انہیں میری شفاعت نصیب نہیں کرے گا۔

میرے حبیب حسین! تمہارے والد، والدہ اور بھائیؑ میرے پاس پہنچ چکے ہیں اور وہ سب تمہارے مشتاق ہیں۔“

اس وقت اسی حالت خواب میں امام حسینؑ روئے اور اپنے جد امجدؑ سے عرض کیا: ﴿یا جداه لا حاجة لی فی الرجوع الی الدنیا یریدنی الیک و ادخلنی فی قبرک﴾ اے جد نامدار مجھے دنیا میں جانے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ مجھے یہیں اپنے ہمراہ قبر میں جگہ دے دیجئے مگر آنحضرتؐ نے فرمایا: ﴿لا بد لک من الرجوع الی الدنیا حتی ترزق الشهادة لیكون لک ما کتب اللہ لک فیہا من الثواب العظیم فانک و اباک و اخاک و عمک و عم ابیک تحشرون يوم القيامة فی زمرة واحدة حتی تدخلوا الجنة﴾ نہیں بیٹا! تمہارے لیے دنیا میں رجوع کرنا ضروری ہے تاکہ شہادت پا کر وہ ثواب عظیم حاصل کرو جو خدائے کریم نے تمہارے لیے مقرر کیا ہے۔ کیونکہ تم اور تمہارے والد، بھائی اور تمہارے والد کے چچا (جناب حمزہؑ) سب بروز حشر ایک ہی زمرہ میں محشور ہو کر داخل جنت ہو گے۔ اس کے بعد امام حسینؑ گھبرا کر خواب سے بیدار ہو گئے۔

بعد ازاں اپنی مادر گرامی کی قبر اقدس پر گئے۔ ان سے الوداع کیا۔ پھر اپنے بھائی امام حسنؑ کی قبر مبارک پر گئے۔ ان سے الوداع کیا۔ پھر گھر تشریف لائے۔ اہل خانہ کو اپنا خواب والا ماجرا سنایا۔ سب اہل خانہ دل کھول کر روئے اور اس رات اہل بیت رسولؐ سے زیادہ اور کوئی شخص محزون و مکروب نہ تھا۔

منہم من قضی نحبہ و منہم من ینتظرو ما بدلوا تبدیلاً

۱۔ مقتل عوالم، ص ۵۴۔ عاشر بحار، ص ۱۷۴۔ تاریخ، ج ۶، ص ۱۵۹۔ الدمع الساکبہ، ص ۳۰۵۔ نفس المہوم، ص ۳۷۔

۲۔ مذکورہ بالا حوالہ جات۔



## حضرت امام حسین علیہ السلام کی مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف ہجرت

جناب امام حسین علیہ السلام کی مدینہ سے روانگی کی تاریخ میں قدرے اختلاف ہے۔ حضرت سید ابن طاووسؑ اور صاحب منتخب وغیرہ بعض حضرات نے سیوم شعبان ۶۰ھ بیان کی ہے لیکن جمہور مؤرخین و محققین کے نزدیک آپؑ نے شب یکشنبہ اٹھائیسویں رجب ۶۰ھ کو ہجرت فرمائی۔ جناب امام حسینؑ اپنے جد امجدؑ، مادرِ عالی قدر اور برادرِ معظم جناب امام حسنؑ کے مزاراتِ عالیہ سے الوداعی سلام کرنے کے بعد جب واپس گھر تشریف لائے تو ابھی رات کا کچھ حصہ باقی تھا۔ کہ آپؑ نے رخت سفر باندھ کر تاریکی شب کے پردہ میں مخدرات عصمت و طہارت کو ہمراہ لے کر مکہ مکرمہ کی راہ اختیار فرمائی۔ حضرت ابوطالبؑ کی قریباً تمام اولاد و کور و اناٹ کو اپنے ہمراہ لیا جس میں سوائے جناب محمد بن حنفیہ اور بعض دوسرے افراد کے جناب کی دونوں بہنیں حضرت زینبؑ و حضرت ام کلثومؑ۔۔۔ اپنے بیٹے، بھتیجے اور بھانجے شامل تھے۔ علامہ سید ہبۃ الدین شہرستانی نے اپنے رسالہ شریف النہضۃ الحسیدیہ میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تاریخ حسینؑ بیان کرنے والے عموماً یہی کہا کرتے ہیں کہ سید الشہداءؑ کی زندگی کی تمام راتوں میں سے شب عاشورا زیادہ سخت دشوار رات تھی جس میں آپؑ مع اپنے اہل خانوادہ کے ایک لقمہ و دق اور بے آب و گیہا صحراء میں زحمتِ اعداء میں گھر گئے تھے اور ان پر اس طرح عرصہٴ حیات تنگ کر دیا گیا تھا کہ پینے کا پانی بھی بند ہو چکا تھا۔ مگر بعید نہیں کہ ولید بن عتبہ کے دربار سے واپسی (اور پھر مدینہ سے روانگی) والی شب سب سے زیادہ سخت رات ہو جبکہ امام حسینؑ نہایت ہی سراسیمہ و پریشان تھے۔ کہ وہ ظالموں کے ساتھ کیا روش و رفتار اختیار کریں۔ کیا یزید کی بیعت کر لیں؟ یہ محال ہے! کیا اپنے جدِ نامدارؑ کے حرم (مدینہ) میں قیام پذیر رہیں؟ اس طرح دشمنِ بآسانی ان کا استیصال کر دے گا! کیا جائے امن مکہ کی طرف ہجرت کر جائیں؟ لیکن یہ سفر تنہا اختیار کریں۔ یا کثیر العدد و قبیلہ کے ساتھ؟ اہل و عیال کے ساتھ سفر اور وہ بھی مکہ کا دشوار گزار راستہ۔ کوئی آسان کام نہ تھا۔ یہ تھا حسینؑ کا مسلسل فکری جہاد اور عقلی الم جو برابر جاری تھا۔ بالآخر امامؑ نے آخری صورت کو عملی جامہ پہنانا ہی مناسب سمجھا۔ آج امام حسینؑ مدینہ سے مکہ



کی طرف جو ہجرت اختیار فرما رہے تھے۔ وہ آج سے ٹھیک ساٹھ برس پہلے ان کے جد امجد حضرت رسول خدا ﷺ کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے ساتھ انتہائی مشابہت رکھتی تھی۔ اس وقت آنحضرتؐ نے ابوسفیان کی شرارتوں سے تنگ آ کر ہجرت کی تھی۔ اور آج حسینؑ ابوسفیان کے پوتے یزید کی فرعون کی کارروائیوں کی وجہ سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو رہے تھے۔ ہجرت رسولؐ کے کچھ عرصہ بعد یعنی فتح مکہ کے بعد ابوسفیان کی شیطنیت کا خاتمہ ہو گیا۔ اسی طرح شہادت حسینؑ کے کچھ عرصہ بعد سلطنت بنی امیہ کو بھی بالکل زوال آ گیا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ عام انسانی فطرت کے مطابق (کہ انسان وطن چھوڑتے وقت وطن کی ہر پسندیدہ چیز حتیٰ کہ اس کے آب و گیاہ اور خاک و باد سے بھی وداع کرتا ہے اور ان پر حسرت و یأس کی نگاہیں ڈالتا ہے)۔ آنحضرتؐ مکہ سے روانہ ہوتے وقت مڑ مڑ کر مکہ کے درو دیوار پر نگاہ ڈالتے جاتے تھے۔<sup>۱</sup> حتیٰ کہ خداوند عالم کو تسلی دینا پڑی۔ ﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادِّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ﴾ (پ ۲۰، سورۃ القصص، ع ۱۲) اے رسولؐ! خدا جس نے تم پر قرآن نازل کیا ضرور تمہیں ٹھکانے تک پہنچا دے گا۔

اسی طرح جب حسینؑ مدینہ رسولؐ سے نہایت مظلومیت کے عالم میں روانہ ہونے لگے تو ہر چیز پر مایوسانہ نگاہ ڈالتے اور بار بار اپنے جد نامدار اور دوسرے بزرگوں سے وداع کرتے۔ چنانچہ قبل ازیں دو بار جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپؐ کے وداع کرنے کا تذکرہ ہو چکا ہے مگر بعض آثار و اخبار سے یہ بھی آشکار ہوتا ہے کہ جب جناب امام حسینؑ کا یہ مختصر سا قافلہ روانہ ہو رہا تھا تو اس وقت بھی آپؐ روضہ رسولؐ پر آخری سلام کے لیے حاضر ہوئے۔ اور نہایت حسرت و یأس کے لہجہ میں عرض کیا: ﴿يَا رَسُولَ اللَّهِ بَابِي أُنْتُ وَ أُمِّي لَقَدْ خَرَجْتُ مِنْ جَوَارِكٍ كَرِهًا وَ فَرَقٍ بَيْنِي وَ بَيْنَكَ وَ اخَذْتُ بِالْأَنْفِ قَهْرًا إِنَّ أَبَايَ يَزِيدُ بْنُ مَعَاوِيَةَ شَارِبَ الْخَمْرِ وَ رَاكِبَ الْفُجُورِ فَإِنْ فَعَلْتَ كُفْرًا وَ إِنْ أَبَيْتَ قَتَلْتَ فَهَذَا أَنَا خَارِجٌ مِنْ جَوَارِكٍ عَلَى الْكَرْهِ فَعَلَيْكَ مِنْ السَّلَامِ يَا رَسُولَ اللَّهِ﴾ ”یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ میں مجبور ہو کر آپؐ کے جوار سے نکل رہا ہوں۔ میرے اور آپؐ کے درمیان (یہ ظاہری) جدائی ڈال دی گئی ہے۔ مجھے مجبور کیا جا رہا ہے کہ میں یزید بن معاویہ شارب خمر، فاسق و فاجر کی بیعت کروں۔ ظاہر ہے کہ اگر میں اس کی بیعت کرتا ہوں تو کافر ہوتا ہوں۔ اور اگر انکار کرتا ہوں تو قتل ہوتا ہوں۔ بہر کیف میں بامر مجبوری آپؐ کے جوار (پُرانوار) سے نکل رہا ہوں۔ یا رسول اللہ میری طرف سے آپؐ پر سلام ہو۔“<sup>۲</sup>

۱۔ حاشیہ ترجمہ فرمان، ص ۳۳۱

۲۔ تاریخ التواریخ، ج ۶، ص ۱۶۲۔



ہاں ہجرت رسولؐ اور ہجرت امامؑ میں جو نمایاں فرق نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک تو جناب رسولؐ خدا کو کچھ عرصہ کے بعد منظر و منصور ہو کر فاتحانہ شان سے اپنے وطن واپس لوٹنے کا یقین تھا مگر حسینؑ کو اپنی اور اپنے اعزاء و احباب کی شہادت کا یقین تھا۔ دوسرے یہ کہ جناب رسولؐ خدا ﷺ ہجرت کے وقت تنہا تھے مگر حسینؑ کے ساتھ مخدرات عصمت و طہارت بھی تھیں۔

لا اضحک اللہ سن الدھر ان ضحکت  
وال احمد مظلومون قد قہروا  
مشرکون نفوا عن عقر دارہم  
کانہم جنوا مالیس یغتفر

### جناب محمد بن حنفیہ اور امام عالی مقام کے درمیان مکالمہ

ارباب سیر و تواریخ کی نگارشات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مظلوم کی روانگی سے قبل بعض حضرات و خواتین نے اپنی اپنی عقل و فکر کے مطابق امام عالی مقام کو مختلف مشورے دیئے مگر یہ عجیب بات ہے کہ آپؑ کو یہ مشورہ دیا گیا کہ مدینہ کو نہ چھوڑیں۔ یا کہا گیا کہ مکہ (جو جائے امن ہے) میں قیام کریں۔ یہ مشورہ بھی دیا گیا کہ طائف یا یمن کی طرف ہجرت کر جائیں وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہ مشورہ کسی یگانے عزیز یا بیگانے دوست نے نہیں دیا کہ آپؑ یزید کی بیعت کر لیں۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان سب کے نزدیک یہ ایک ناممکن بات تھی کیونکہ اس میں صرف اسلام ہی کی نہیں بلکہ پورے عالم انسانیت کی ہلاکت و بربادی تھی لہذا اس کا اختیار کرنا حسینؑ کے لیے کسی طرح ممکن نہ تھا۔ بہر حال ان مشورہ دینے والوں میں جن حضرات و خواتین کے نام نمایاں نظر آتے ہیں، وہ یہ ہیں:

جناب محمد بن حنفیہ، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، حضرت ام سلمہؓ، جناب محمد بن حنفیہ نے آپؑ کو یہ مشورہ دیا کہ فی الحال مکہ کو اپنا مستقر بنائیں اور رسل و رسائل کے ذریعہ لوگوں کو اپنی بیعت پر آمادہ کریں۔ اگر وہ اس پر متفق ہو جائیں تو فیہا در نہ ریگستانی صحراؤں اور کوہساروں کے دامنوں اور شہر بہ شہر منتقل ہوتے رہیں۔ اور لوگوں کے انجام کار کا انتظار فرمائیں۔ اور پھر کوئی آخری رائے قائم کریں۔ امام عالی مقام نے ان کے لیے جزائے خیر کی دعا کی۔ اور اپنے اہل و اصحاب کے ساتھ مکہ کی طرف اپنی روانگی کے مصمم ارادہ کا اظہار فرمایا۔ اور بعض روایات کی بنا پر جناب محمد بن حنفیہ کو فرمایا:

﴿اما انت فلا علیک ان تعیم بالمدينة فتکون عیناً علیہم لا تخفی عنی شیئاً من امورہم﴾ تمہارے لیے کوئی حرج نہیں کہ یہیں مدینہ میں ٹھہرے رہو اور ان (مخالفین) کی



نگرانی کرو اور مجھے تازہ حالات کی اطلاع دیتے رہو۔

اس کے بعد ان کے نام وہ وصیت نامہ تحریر فرمایا۔ (اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۷ پر مذکور ہے)۔

### جناب ام سلمہؓ اور امام عالی مقام کے درمیان گفتگو

محبت خاندان نبوتؐ ہونے کے علاوہ جناب ام المؤمنین ام سلمہؓ کو حضرت امام حسینؑ کے ساتھ خاص انس اس لیے بھی تھا کہ انہوں نے بچپن میں ان کی پرورش کی تھی اس لیے جب ان کو آپ کے سفر عراق کے ارادہ کی اطلاع ملی تو سخت آزرده ہوئیں اور خدمت امامؑ میں عرض کیا: ﴿یا بنی لا تحزنی بخروجک الی العراق فانی سمعت جدک رسول اللہ یقول یقتل و لدی الحسین بارض العراق فی ارض یقال لها کربلا... و عندی تربتک فی قارورة دفعها الی النبی صلی اللہ علیہ و آلہ... الخ﴾ اے بیٹا! عراق کا سفر کر کے مجھے غمناک نہ کرو کیونکہ میں نے تمہارے جد امجد کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرا بیٹا حسین عراق میں سرزمین کربلا کے اندر شہید کیا جائے گا۔ اور آپ کی قتل گاہ کی مٹی ایک شیشی میں میرے پاس محفوظ ہے۔ جو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دی تھی۔ امام علیؑ نے جواب میں فرمایا: ﴿یا اماء و انا و اللہ اعلم انی مقتول مذبح ظلماً و عدواناً... الخ﴾ اے مادر محترم! میں خود بھی جانتا ہوں کہ میں ظلم و جور سے شہید کیا جاؤں گا۔ مجھے اپنے قاتل اور جائے قتل اور جگہ کا بھی علم ہے۔ (اس کے بعد امام اور ام سلمہؓ کے درمیان جو مزید گفتگو ہوئی اور جس طرح امام علیؑ نے باعجاز امامت جناب ام سلمہؓ کو اپنی قتل گاہ دکھائی۔ اور ان کو خاک کربلا عنایت فرمائی۔ اس کا تذکرہ اسی کتاب کے چوتھے باب اور معجزہ نمبر ۴ کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ فراجع)۔ بعض آثار سے آشکار ہوتا ہے کہ جناب ام سلمہؓ نے کہا کہ اگر آپ تشریف لے جاتے ہیں تو ان مخدرات عصمت و طہارت کو تو ہمراہ نہ لے جائیں۔ آپ نے جواباً فرمایا: ﴿قد شاء اللہ ان یرانی مقتولاً مذبحاً ظلماً و عدواناً و قد شاء ان یری حرمی و رھطی و نسائی مشرّ دین و اطفالی مذبحین ماسورین مقیدین و ہم یستغیثون فلا یجدون ناصرأ و لا معیناً﴾ خدا کی مشیت یہی ہے کہ وہ مجھے مقتول جو رجفاد کیے اور میرے اہل و عیال کو وطن سے

۱۔ مقتل الحسین مقرر، ص ۱۳۴، بحوالہ مقتل محمد بن ابی طالب۔ اس سے جناب محمد بن حنفیہ کے مدینہ میں رہنے کی اصلی علت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ امام نے ان کے نام جو وصیت نامہ لکھا ہے اس سے بھی اس کی تائید مزید ہوتی ہے لیکن عام ارباب مقاتل نے امام کا یہ فرمان نقل نہیں کیا۔ جناب علامہ حلی علیہ الرحمہ نے مسائل ابن مہنا کے جواب میں اور ابن نما حلی نے اخذ الساعدہ میں لکھا ہے کہ جناب محمد بن حنفیہ بوجہ بیماری جناب سید الشہداءؑ کے ہمراہ نہ جاسکے۔ بہر حال جناب ابن حنفیہ کی جلالت کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے شریک سفر نہ ہونے کی کوئی معقول وجہ ہی ہوگی و کذا الکلام فی تاخر عبد اللہ بن جعفر الطیار۔ و اللہ العالم۔ (منہ غشی عنہ)

نفس المہموم، ص ۳۹۔ عاشر بحار، ص ۵۷۵ وغیرہ۔



دور اور اس طرح گرفتار بلا دیکھے کہ بعض ذبح ہوں۔ اور بعض اس طرح قید و بلا میں مبتلا ہوں کہ جب آواز استغاثہ بلند کریں تو کوئی ناصر و مددگار جواب نہ دے۔ جناب ام سلمہؓ یہ سن کر بہت روئیں اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیا۔<sup>۱</sup> اصول کافی کی روایت صادقؑ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ﴿لما سار الی العراق استودع﴾ جب امام حسینؑ سفر عراق اختیار کرنے لگے تو کتاب اور وصیت (امامت) جناب ام سلمہؓ کے حوالہ کر گئے۔ جب امام زین العابدینؑ واپس تشریف لائے تو جناب ام سلمہؓ نے وہ امانت ان کے حوالہ کر دی۔<sup>۲</sup> جس سے جناب ام سلمہؓ کی جلالت قدر نمایاں ہوتی ہے۔

### عبداللہ بن عمر کا مشورہ

عبداللہ بن عمرؓ نے آنجناب کو ان بگڑے ہوئے حالات میں مدینہ ہی میں قیام کا مشورہ دیا اور امام عالی مقام نے ان کو مناسب جواب دے کر خاموش کر دیا۔ نیز یہ بھی فرمایا: ﴿یا عبد اللہ ان من هو ان الدنیا علی اللہ ان راس یحییٰ بن زکریا بھدی الی بغی من بغایتی اسرائیل و ان راسی بھدی الی بغی من بغایا بنی امیہ... الخ﴾ اے عبداللہ! نگاہ قدرت میں دنیا کی پستی ذلت کی ایک یہ بھی دلیل ہے کہ حضرت یحییٰؑ کا سر اقدس بنی اسرائیل کے حرام زادوں میں سے ایک حرام زادے کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اسی طرح میرا سر بھی بنی امیہ کے حرام زادوں میں سے ایک حرام زادے کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ جب عبداللہ کو یقین ہو گیا کہ امام ارادہ سفر سے باز نہیں آتے۔ تو عبداللہ نے خواہش کی کہ جس مقام پر جناب رسول خدا ﷺ بہت بوسہ دیا کرتے تھے۔ اس پر مجھے بوسہ دینے دو۔ امام نے ناف سے کپڑا اٹھایا۔ اور عبداللہ نے تین بار اس متبرک مقام پر بوسہ دیا۔<sup>۳</sup>

بہر کیف ان سب امور سے فارغ ہو کر سرکار سید الشہداءؑ نے ۲۸ رجب ۶۰ھ کو ابھی اتوار کی رات ختم نہ ہوئی تھی کہ آپؑ مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ مدینہ کی صبح آج بے رونق تھی۔ اس لیے کہ حقیقی آفتاب اس کا آنکھوں سے اوجھل ہو چکا تھا اور رسولؐ کی قبر بے چراغ تھی۔ اس لیے کہ رسولؐ کا نور دیدہ آج صحرائے غربت میں گامزن تھا۔<sup>۴</sup> راویان اخبار کا بیان ہے کہ جس وقت آپؑ مدینہ سے نکلے تو اس وقت آپؑ اس آیت مبارکہ کی تلاوت کر

۱۔ الدعوت الساکبہ، ص ۳۰۶۔ عاشر بحار، ص ۱۷۵۔ تقام، ص ۲۲۶ وغیرہ۔

۲۔ اصول کافی، ص ۱۵۵، طبع ایران۔

۳۔ المناہف سید ابن طاووس، ص ۲۶ و منقل مقرر، ص ۱۳۷ بحوالہ منقل ابن نما حلی وغیرہ۔

۴۔ امالی شیخ صدوق، ص ۹۳۔

۵۔ شہداء انسانیت، ص ۲۳۹۔



رہے تھے۔ ﴿فخرج منها خائفاً يترقب قال رب نجني من القوم الظالمين﴾ (س قصص، پ ۲۰، ع ۵۶) پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شہر سے ڈرتے ہوئے اور آس لگائے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔ عرض کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار! مجھے ظالم کے ہاتھ سے نجات دے۔ اس آیت مبارکہ میں جناب موسیٰؑ کا فرعون کے ظلم و ستم کی وجہ سے سکونتِ مصر ترک کرنے پر مجبور ہو کر نکلنے اور ظالموں کے شر سے نجات حاصل کرنے کی دعا کا تذکرہ ہے۔ اسی طرح جب امام عالی مقام مکہ مکرمہ میں پہنچے تو اس وقت یہ آیت مبارکہ آپؑ کی زبان پر تھی: ﴿فلما توجه تلقاء مدين قال عسى ربى ان يهدينى سواء السبيل﴾ (پ ۲۰، سورہ قصص، ع ۶) ”اور جب مدین کی طرف ہو لئے تو کہنے لگے کہ قریب ہے کہ میرا پروردگار مجھے ٹھیک ٹھیک راستہ بتلا دے۔“ اس آیت مبارکہ میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدائن میں پناہ لینے اور اس وقت کی مخصوص دعا کا تذکرہ موجود ہے ان آیات کی تلاوت سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی اعتبار سے حضرت سید الشہداءؑ کا یہ سفر حضرت موسیٰ بن عمران علیہما السلام کے سفر سے مشابہت رکھتا ہے۔

### دو مشہور غلط فہمیوں کا ازالہ

قبل اس کے کہ سفر مکہ کے درمیانی حالات قلمبند کئے جائیں یہاں دو مشہور غلط واقعات کی تنقیح ضروری معلوم ہوتی ہے۔ ایک جناب فاطمہ صغریٰؑ کے مدینہ میں چھوڑ جانے کا واقعہ۔ اور دوسرا بوقتِ روانگی خاص شاہانہ شان و شکوہ کے مظاہرہ کا قصہ ہے۔

### جناب فاطمہ صغریٰؑ کے مدینہ میں ام سلمہؑ کے پاس چھوڑے جانے کی تحقیق

مشہور ہے کہ جناب سید الشہداء علیہم السلام نے مدینہ سے روانگی کے وقت اپنی ایک صاحبزادی کو بوجہ علالت ام المؤمنین جناب ام سلمہؑ کے پاس مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔ اس واقعہ کو نظماً و نثر اُبڑے شد و مد اور رقت خیز پیرایہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ اور اُردو کے قریباً تمام کتبِ مقاتل اور عربی و فارسی کے بعض مجموعوں میں بڑے طمطراق کے ساتھ اس واقعہ کا تذکرہ ملتا ہے لیکن اگر اس واقعہ کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بالکل غلط اور یہ روایت بالکل بے بنیاد ہے۔ عربی و فارسی کے مستند کتبِ سیر و تواریخ اور معتبر کتبِ مقاتل میں اس واقعہ کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ اور جن غیر معتبر کتب (جیسے مقتل خوارزمی، روضۃ الشہداء اور اسرار الشہادۃ وغیرہ) میں یہ واقعہ درج ہے۔ وہاں بھی نہ کوئی مسلسل سند مذکور ہے اور نہ ہی کسی معتبر کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مستند کتب قدیمہ اس سے بالکل خالی نظر آتے ہیں اگرچہ یہی بات اس واقعہ کے بے اصل ہونے کے لیے کافی ہے کیونکہ واقعاتِ کربلا کی صحت یا عدم صحت کا معیار یہی ہے کہ جو واقعہ علماءِ اعلام کی کتبِ معتبرہ میں موجود ہے وہ معتبر تصور ہوگا۔ اور جو غیر مستند علماء کی



غیر معتبر کتب میں درج ہو۔ اسے ناقابل اعتبار سمجھا جائے گا۔ علاوہ بریں مندرجہ ذیل وجوہ بھی اس واقعہ کے بے اصل ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

وجہ اول: علم سیر و انساب کی معتبر کتب سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ سرکار سید الشہداء کی صرف دو ہی صاحبزادیاں تھیں۔ فاطمہ اور سکینہ۔ چنانچہ ہم اسی کتاب کے صفحہ ۷۸ پر آنجناب کی اولاد کے ذیل میں متعدد کتب معتبرہ کے حوالہ جات سے اس بات کی مکمل تحقیق درج کر چکے ہیں۔

مزید برآں یہاں صاحب ناسخ التواریخ کی تحقیق ائین بھی پیش کی جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ﴿مکشف بباد کہ آن چہ این بندہ بے بضاعت باستقراء و استیعاب رنج برد و اختیار نمود آنست کہ حسین علیہ السلام را چہار پسر بود۔ علی اکبر الشہید و علی اوسط هو الامام و علی اصغر و عبد اللہ۔ سہ تن از ایشان در یوم طف شہید شدند۔ و آنحضرت را دو دختر افزوں بنود نخست فاطمہ و آن دیگر سکینہ﴾ یعنی ”میں نے بڑی محنت و مشقت کے بعد جو کچھ کتب سیر و تواریخ سے حاصل کر کے اختیار کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جناب امام حسینؑ کے چار بیٹے تھے۔ علی اکبر شہید، علی اوسط (امام) علی اصغر اور عبد اللہ۔ ان میں سے تین شہزادے میدان کربلا میں شہید ہو گئے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ پہلی جناب فاطمہ اور دوسری جناب سکینہ۔“

بنابریں، انہی جناب فاطمہ کو کبریٰ و صغریٰ کہا جاتا ہے اس اعتبار سے کہ وہ جناب سکینہ سے بڑی ہیں۔ ان کو فاطمہ کبریٰ کہہ دیا جاتا ہے اور اس اعتبار سے کہ وہ اپنی جدہ مطہرہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا سے چھوٹی ہیں۔ لہذا انہیں ”فاطمہ صغریٰ“ کہا جاتا ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے آنجناب کی ایک اور صاحبزادی کا تذکرہ کیا ہے تو انہوں نے ان کا نام ”منہب“ بیان کیا ہے نہ فاطمہ فتدکرو۔

وجہ دوم: واقعات کربلا کی بہت سی روایات جناب فاطمہ بنت الحسینؑ سے مروی ہیں۔ نیز دربار و بازار کو ذشام میں دیگر مخدرات کی طرح ان محترمہ کے گرانقدر خطبات بھی کتب معتبرہ میں موجود ہیں جیسا کہ ہم اپنے اپنے مقام پر ان امور کا تذکرہ کریں گے انشاء اللہ۔ لہذا اگر ان کی مدینہ میں موجودگی تسلیم کی جائے۔ تو ان تمام حقائق کا انکار کرنا پڑے گا۔

وجہ سوم: جلیل القدر علماء اعلام نے تصریحات فرمائی ہیں کہ فراق فاطمہ صغریٰ کا واقعہ بالکل بے اصل ہے۔ چنانچہ علامہ محمد بن سلیمان نکابنی (صاحب نقص العلماء) کتاب اکلیل المصابیح میں تحریر فرماتے ہیں: ﴿و این



کہ میگویند فاطمہ صغریٰ در مدینہ ماند و بیمار بود اصلے ندارد ﴿﴾ ”یہ جو کہا جاتا ہے کہ جناب فاطمہ صغریٰ بیمار تھیں اور مدینہ میں رہ گئی تھیں۔ اس کی کوئی اصلیت اور حقیقت نہیں ہے۔

اسی طرح ناصر الملت علامہ سید ناصر حسین صاحب قبلہ لکھنوی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”روایات متکاثرہ معتبرہ سے ثابت ہے کہ جناب فاطمہ حضرت سید الشہداء (علیہ السلام) کے ہمراہ معرکہ کربلا میں موجود تھیں۔ اور ان کا مدینہ میں بوجہ مرض کے رہ جانا کسی ضعیف روایت میں بھی نہیں دیکھا۔ ہاں بحار الانوار میں ایک روایت مشتمل برذکر غراب ایسی پائی جاتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاطمہ صغریٰ مدینہ میں تھیں لیکن یہ روایت غراب غریب ہے کہ مجلسی علیہ الرحمہ نے خود اس کی تصریح جلاء العیون میں فرمادی۔ چنانچہ بعد اس روایت کے فرماتے ہیں: ﴿و ایس حدیث خالی از غرابتے نیست بجهت مخالفت با اخبار دیگر﴾ چونکہ یہ روایت مقتل اخطب خوارزم سے ماخوذ ہے اور ضعیف السند ہے اور روایات کثیرہ و معتبرہ سے مخالف ہے لہذا مقبول نہیں ہو سکتی۔ اور جناب سید الشہداء (علیہ السلام) کی صاحبزادیاں بنا بر قول مشہور دو تھیں۔ ایک فاطمہ صغریٰ، دوسری حضرت سیکندہؑ۔ اگرچہ اس خبر خبیر کی اس بصیرت افروز تحریر کے بعد اب مزید کسی شاہد کی ضرورت تو باقی نہیں رہ جاتی۔ ﴿ولا یسبک مثل خبیر﴾ مگر تاہم مزید تسکین قلب کی خاطر حضرت علامہ سید علی نقی صاحب کی تصریح بھی پیش کی جاتی ہے۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں: ”آپؑ نے اپنے دادا ابوطالب کی تمام اولاد کو اپنے ساتھ لیا۔ جن میں آپ کی دو بہنیں حضرت زینبؑ اور ام کلثومؑ بھی تھیں اس کے علاوہ سب بھائی، بھتیجے اور متعلقین آپؑ کے ساتھ سوائے محمد بن الحنفیہ کے جو کسی مجبوری یا مصلحت سے مدینہ میں چھوڑ دیئے گئے۔ اور ام ہانی بنت ابوطالب پیرانہ سالی کی وجہ سے نہ جاسکی تھیں۔ بس ان کے علاوہ اولاد ابوطالبؑ میں سے کوئی بھی حسینؑ کے ساتھ سے جدا نہیں ہوا۔ اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حسینؑ کے ساتھ بنی ہاشم میں سے سوائے اولاد ابوطالب کے اور سلسلہ کا ایک شخص بھی میدان کربلا میں نظر نہیں آتا ہے۔“ اگر جناب فاطمہ صغریٰ مدینہ میں موجود تسلیم کی جائیں تو پھر جناب مولانا کا یہ ارشاد کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ ”اور سوائے محمد بن حنفیہ اور ام ہانی کے اور کوئی اولاد ابوطالبؑ میں سے حسینؑ کے ساتھ سے جدا نہیں ہوا۔“ اگرچہ ”مقتل الحسین“ کے فاضل مؤلف کے نزدیک جناب ام ہانی کا مدینہ میں رہنا بھی محل کلام ہے کیونکہ ان کی تحقیق کے مطابق وہ اس وقت زندہ ہی نہ تھیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ﴿لأنها ماتت اما فی ایام النبیؐ کما فی مناقب ابن شہر آشوب (ج ۱، ص ۱۱۰) او ایام معاویہ کما فی تقریب التہذیب لابن حجر، (ص ۶۲۰ طبع لکھنؤ)﴾



یعنی جناب ام ہانی کی وفات یا تو جناب رسول خدا ﷺ کے حین حیات میں ہوئی ہے جیسا کہ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱ ص ۱۱۰ میں ہے۔ یا ایام معاویہ میں جیسا کہ تقریب التہذیب، ص ۶۲۰ میں مرقوم ہے۔  
ایک مشہور شبہ کا ازالہ

عام طور پر اس روایت کو پڑھنے والے اس کی تائید واقعہ غراب سے لیتے ہیں۔ جس کی طرف اور اس کے جواب کی طرف سرکار ناصر الملت کے کلام میں اشارہ وارد ہے۔ یہ واقعہ عاشر بھار، ص ۲۳۶ پر مذکور ہے کہ ﴿لما قتل الحسين بن علي جاء غراب فوق في دمه ثم تمرغ ثم طار فوق بالمدينة علي جدار فاطمة بنت الحسين بن علي وهي الصغرى فرفعت رأسها فنظرت اليه فبكت بكاء شديدا﴾ جب امام حسین کی شہادت ہو چکی تو ایک کوا آیا اور اس نے اپنے پرو بال کو آنجناب کے خون میں رنگین کیا اور اڑتا ہوا مدینہ میں فاطمہ صغریٰ دختر امام حسین کی دیوار پر جا بیٹھا۔ جناب فاطمہ نے جب اس کی طرف دیکھا تو بہت روئیں اور چند اشعار پڑھے۔ اے۔۔۔ مگر اباب دانش پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ یہ روایت بدو وجہ ناقابل اعتبار ہے:

اولاً: اس لیے کہ یہ روایت فی نفسه ضعیف ہے۔ علامہ مجلسی نے اسے کسی نامعلوم الموقوف کتاب ”مناقب قدیم“ سے نقل کیا ہے۔

ثانیاً: یہ ان اخبار معتبرۃ السند کثیرۃ العدد کے مخالف و معارض ہے جو جناب فاطمہ کے واقعہ کر بلا میں موجود ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ترجیح انہی روایات کو دی جائے گی۔ انہی حقائق کی بناء پر خود سرکار علامہ مجلسی نے جلاء العیون<sup>۱</sup> میں اس روایت کو بوجہ غرابت ساقط عن الاعتبار قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں: ﴿و این حدیث خالی از غرابت نیست بجهت مخالفت با اخبار دیگر﴾۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ جناب فاطمہ بنت الحسین کا مدینہ میں رہنے کی روایت بالکل بے اصل ہے اور بے بنیاد ہے و اللہ العالم العاصم۔

بوقت روانگی از مدینہ سید الشہداء کے شاہانہ شان و شکوہ کے مظاہرہ والی روایت کی تحقیق

مجملہ روایات مختصرہ و موضوعہ کے ایک وہ روایت بھی ہے جسے آقائے در بندی نے اسرار الشہادۃ میں اپنے کسی شاگرد کے حوالہ سے اور اس نے کسی مجموعہ کے حوالہ سے عبد اللہ بن سنان کو فی سے نقل کی ہے۔ وہ اپنے اب وجد کے حوالہ سے نقل کرتا ہے کہ (اس کا جد) کو فیوں کا قاصد بن کر حضرت امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے

۱۔ مقتل الحسين للمقرم، ج ۳۸، بر حاشیہ۔



جو ابد ہی کے لیے تین دن کی مہلت طلب کی۔ حتیٰ کہ تیسرے روز عازم سفر ہو گئے۔ قاصد نے دل میں کہا۔ ذرا جا کر شہزادہ حجاز کی جلالت شان کا ملاحظہ تو کروں۔ چنانچہ جب وہ پہنچا تو اس نے دیکھا کہ آنجناب کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ بنی ہاشم آپ کے ارد گرد ہیں۔ اور لوگ کھڑے ہیں۔ گھوڑوں پر زینیں کسی ہوئی ہیں۔ مندرات عصمت و طہارت کی سواری کے لیے چار محمل تیار ہیں۔ جن پر حریر و دیا کے پردے آویزاں ہیں۔ اس کے بعد کینروں کا ہجوم اور سواری کا تزک و احتشام دکھایا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس شخص نے روانگی کا منظر کچھ اس انداز سے بیان کیا ہے کہ ہر سطر میں چند جھوٹ موجود ہیں۔ (پھر یہ دکھایا گیا ہے کہ) یہ شخص گیارہ محرم تک برابر ہمراہ تھا حتیٰ کہ اس نے اسیران آل رسول کو بے کجاوہ اونٹوں پر سوار ہوتے دیکھا۔ پھر اسے یکا یک مدینہ سے روانگی کا منظر یاد آ جاتا ہے۔ اور بے اختیار رو پڑتا ہے۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ آقائے در بندی جیسے فاضل آدمی نے اور متعدد بے سرو پا روایات کی طرح اسے بھی اپنی کتاب اسرار شہادت میں بلا تامل درج کر دیا حالانکہ متعدد وجوہ کی بنا پر یہ روایت بالکل بے بنیاد ہے۔

وجہ اول :- اوپر روانگی سید الشہداء کے واقعات میں لکھا جا چکا ہے۔ کہ آنجناب نہایت خوف و ہراس کے عالم میں آیت مبارکہ ﴿فَخْرُجْ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ﴾ کی تلاوت کرتے ہوئے راتوں رات مدینہ سے روانہ ہوئے۔ وہاں اس کو فرور شان و شکوہ کے اظہار کا کہاں موقع تھا؟ اور اس پریشانی کے حال میں یہ امیرانہ اہتمام کیونکر ممکن تھا۔

وجہ دوم :- اس واقعہ کا راوی صرف ایک ہے اور وہ بھی غیر ثقہ۔ لہذا اس کے بیان پر کیوں کرا اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

وجہ سوم :- اس روایت کا سوائے اسرار شہادت در بندی کے فریقین کے علماء سیر و تواریخ کی کسی کتاب میں نام و نشان تک نہیں ہے۔ (آقائے در بندی سے بعد والے مؤلفین نے اسے اسی کتاب سے نقل کیا ہے۔ فلا تغفل)

وجہ چہارم :- راوی نبی زادیوں کا سوار ہونا اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتا ہے جو کسی طرح بھی ممکن نہ تھا کہ مردان اہل بیت اور خود سرکار سید الشہداء کے موجود ہوتے کوئی نامحرم شخص وہاں ٹھہر کر تماشا دیکھتا۔ اور کوئی دوسرا شخص اسے برابر یہ بتاتا جاتا کہ یہ جناب زینب ہیں۔ یہ جناب ام کلثوم ہیں۔ و علیٰ هذا القیاس۔

وجہ پنجم :- یہ راوی بوقت روانگی جناب بی بی شہربانو کی سواری کا تزک و احتشام سب سے زیادہ بیان کرتا ہے۔ حالانکہ بنا بر حیح روایت وہ معظمہ اس وقت زندہ ہی نہ تھیں۔

وجہ ششم :- یہ کہ فرور اور تکلفات بارہ جو اس روایت میں بیان کئے گئے ہیں۔ وہ سلطنت و امارت کے شایان شان اور دنیاوی تفاخر و نمود کے نشان ہیں۔ سیرت خاندان نبوت و امامت کو ان شاہانہ چاہ و جلال اور امیرانہ تکلفات سے کیا واسطہ؟ کیا اس کو عقل سلیم قبول کر سکتی ہے کہ الفقہ فخری فرمانے والے کا نواسہ۔ سلطان الاولیاء جیسے تارک الدنیا کا بیٹا



دیبا و حریر کے پردے استعمال کرے۔ اس اسراف و تہذیر کو آنجنابؐ کی طرف منسوب کرنا آپؐ کی سخت توہین ہے۔  
 (انتہی ملاحظہ از مجاہد اعظم، راج، ولولہ و مرجان) ان حقائق کے پیش نظر یہ مطلب بالکل واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ یہ روایت بالکل بے اصل و بے بنیاد ہے۔ اس کی کوئی اصلیت و واقعیت نہیں ہے۔ وہو المطلوب۔  
 بہر حال یہ تنقید و تحقیق تو بطور جملہ معترضہ درمیان میں آگئی تھی۔ سلسلہ کلام سرکار سید الشہداءؒ کی مدینہ سے سوئے مکہ روانگی کے متعلق جاری تھا۔ کہ آنجنابؐ شب ۲۸ رجب کو مذکورہ بالا آیت ﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ...﴾ کی تلاوت کرتے ہوئے مدینہ رسولؐ سے بطریق اعظم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بعض اہل خانوادہ نے کہا: ﴿لَوْ تَنَكَّبْتَ عَنِ الطَّرِيقِ الْأَعْظَمِ كَمَا فَعَلَ ابْنُ الزَّبِيرِ كَيْلًا يُلْحَقَكَ الطَّلَبُ﴾ مولا کس قدر اچھا ہوتا۔ اگر آپؐ شاہراہ کو چھوڑا کوئی اور (غیر معروف) راستہ اختیار فرماتے۔ جیسا کہ ابن زبیر نے کیا ہے۔ (کیونکہ وہ غیر معروف راستہ سے گئے تھے) تاکہ تلاش کنندگان آپؐ کو نہ پائیں۔ آپؐ نے فرمایا: ﴿لَا وَاللَّهِ لَا الْفَارِقَ حَتَّى يَقْضِيَ اللَّهُ مَا هُوَ قَاضٍ﴾۔ ”نہیں بخدا۔ میں ہرگز اس راستہ کو ترک نہیں کروں گا حتیٰ کہ خدا وہ فیصلہ کرے جو اس نے کرنا ہے۔“

مدینہ سے نکلنے کے بعد عبد اللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی۔ اس نے آنجنابؐ سے دریافت کیا کہ کہاں تشریف لے جانے کا ارادہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: فی الحال تو مکہ جانے کا ارادہ ہے۔ اس کے بعد خدا سے طلب خیر کروں گا۔ عبد اللہ نے عرض کیا: جب مکہ تشریف لے جائیں تو وہیں قیام فرمائیں اور کوفہ جانے کا ہرگز ارادہ نہ کریں۔ کیونکہ وہ منحوس شہر ہے۔ وہیں آپؐ کے والد ماجد شہید کئے گئے۔ اور وہیں آپؐ کے برادر معظم کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا۔

جناب سید محمد بن ابی طالبؐ نے اپنے مقتل میں بحوالہ حضرت شیخ مفید لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے سلسلہ سند کے ساتھ حضرت امام جعفر صادقؑ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ مدینہ سے روانہ ہوئے تو راستہ میں فرشتوں کے چند گروہ اس حال میں حاضر خدمت ہوئے کہ وہ ناقہائے جنت پر سوار تھے۔ اور ہاتھوں میں خنجر تھے۔ سلام کے بعد عرض کیا ﴿يَا حُجَّةَ اللَّهِ عَلَى خَلْقِهِ بَعْدَ جَدِّهِ وَابْنِهِ وَاخِيهِ إِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ أَمَدًا جَدَّكَ بَنَى فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَ إِنَّ اللَّهَ أَمَدُكَ بَنَى﴾ اے اپنے جد امجد، والد ماجد اور برادر مکرم کے بعد مخلوق خدا پر حجت خدا۔ خداوند عالم نے ہمارے ذریعہ آپؐ کے جد نادر کی بہت سے مقامات پر نصرت فرمائی۔ اب خدا یہ چاہتا ہے کہ

۱۔ ارشاد شیخ مفید، ص ۱۸۱۔ عاشر بحار، ص ۱۸۵۔ لؤلؤ الاشبان، ص ۲۷ وغیرہ۔

۲۔ نفس المہوم، ص ۳۰۔ لؤلؤ الاشبان، ص ۲۷۔ تقام، ص ۲۲۹ وغیرہ۔



ہمارے ذریعہ آپ کی نصرت کرے۔ (آپ کا کیا منشاء ہے؟) امام عالی مقام نے فرمایا: ﴿الموعِد حَفَرَتِي وَ بَقْعَتِي الَّتِي اسْتَشْهَد فِيهَا وَهِيَ كَرْبَلَا فَاذَا وَرَدْتُهَا فَاتُونِي﴾ تمہاری اور میری وعدہ گاہ کربلا ہے۔ جہاں میں شہید کیا جاؤں گا۔ جب میں وہاں پہنچ جاؤں تو تم وہاں آنا۔ ملائکہ نے عرض کیا: ﴿يَا حُجَّةَ اللّٰهِ مَرْنَا نَسْمَعُ وَ نَطِيعُ فَهَلْ تَخْشَى مِنْ عَدُوِّ يَلْقَاكَ فَتَكُونُ مَعَكَ﴾ اے حجت خدا ہمیں حکم دیجئے تاکہ ہم اطاعت کریں۔ اگر کسی دشمن کا اندیشہ ہے تو ہم آپ کے ساتھ ساتھ رہیں؟ آپ نے فرمایا: ﴿لَا سَبِيلَ لَهُمْ عَلَيَّ وَلَا يَلْقَوْنِي بِكَرْبَلَةَ اَوْ اَصْلِ الِى بَقْعَتِي﴾ جب تک میں اپنی سرزمین (کربلا) تک نہ پہنچ جاؤں۔ یہ لوگ مجھے ہرگز کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے۔

اس کے بعد مسلمان جنوں کے چند گروہ خدمت امام میں حاضر ہوئے۔ اور سلام کے بعد عرض کیا: ﴿يَا سَيِّدَنَا نَحْنُ شِيعَتُكَ وَ انصَارَكَ فَمَرْنَا بِامْرِكَ وَبِمَا تَشَاءُ فَلَوْ امْرَتْنَا بِقَتْلِ كُلِّ عَدُوِّكَ وَ انْتِ بِمَكَانِكَ لَكَفَيْنَكَ ذَلِكَ﴾ اے ہمارے آقا! ہم آپ کے شیعہ اور انصار ہیں جو چاہیں ہمیں حکم فرمائیں۔ اگر آپ حکم دیں تو آپ یہیں ہوں گے اور ہم آپ کے تمام دشمنوں کا کام تمام کر دیں گے۔ امام علیہ السلام نے ان کو جزائے خیر کی دعا دی۔ اور فرمایا: کیا تم نے اللہ کی کتاب میں جو میرے جدناہار پر نازل ہوئی ہے۔ یہ ارشاد نہیں پڑھا: ﴿اَيُّنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكُكُمْ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ﴾ تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمہیں پالے گی۔ اگرچہ مضبوط قلعوں میں بھی بند کیوں نہ ہو۔ نیز خدا کا ارشاد ہے: ﴿لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلَى مَضَاجِعِهِمْ﴾ جن کے لیے قتل ہونا مقدر ہے۔ وہ اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل پڑیں گے۔“

پھر فرمایا: ﴿وَ اِذَا اَقَمْتَ بِمَكَانِي فَبِمَا يَتْلُو هَذَا الْخَلْقُ الْمُتَعَرِّسُ وَ بِمَا يَخْتَبِرُونَ وَ مَنْ ذَا يَكُونُ سَاكِنَ حَضْرَتِي بِكَرْبَلَا وَ قَدْ اخْتَارَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى يَوْمَ دَحَى الْاَرْضِ وَ جَعَلَهَا مَعْقَلًا لِّشِيعَتِنَا وَ يَكُونُ لَهُمْ اَمَانًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَلَكِنْ تَحْضُرُونَ يَوْمَ السَّبْتِ وَ هُوَ يَوْمَ عَاشُورَاءِ الَّذِي فِي آخِرِهِ اَقْتُلَ وَلَا يَبْقَى بَعْدِي مَطْلُوبٌ مِنْ اَهْلِيْ وَ نَسَبِيْ وَ اخَوْتِيْ وَ اَهْلِ بَيْتِيْ وَ يَسَارُ بَرَأْسِيْ اِلَى يَزِيدَ لَعْنَهُ اللّٰهُ﴾ اگر میں یہیں رہ جاؤں تو پھر اس بد بخت مخلوق کا امتحان کس کے ذریعہ سے لیا جائے گا؟ اور کربلا میں میری قبر میں کون آرام کرے گا؟ جسے خدا نے اس روز سے میرے لیے منتخب کر رکھا ہے۔ جس روز سے فرش زمین بچھایا ہے۔ اور اسے ہمارے شیعوں کے لیے جائے پناہ اور دنیا و آخرت میں جائے امن و امان قرار دیا ہے۔ البتہ تم بروز شنبہ (اس روایت میں روز شہادت روز شنبہ مذکور ہے مگر تحقیقی قول روز جمعہ ہے جیسا کہ اپنے مقام پر اس امر کی کما حقہ تحقیق کی جائے گی انشاء اللہ)۔ عاشورا کے دن حاضر ہونا جس کے آخر میں میں شہید کر دیا جاؤں گا اور میرے بعد میرے



خانوادہ سے کوئی ایسا شخص باقی نہ رہ جائے گا جسے (قتل کرنے کے لیے) طلب کیا جائے اور میرا سر یزید ملعون کے پاس بھیجا جائے گا۔ ﴿نَحْنُ وَاللّٰهُ يَا حَبِيبَ اللّٰهِ وَابْنِ حَبِيبِهِ لَوْلَا اَنْ اَمْرُكَ طَاعَةٌ وَّ اِنَّهٗ لَا يَجُوْزُ لَنَا مَخَالَفَتُكَ قَتَلْنَا جَمِيعَ اَعْدَائِكَ قَبْلَ اَنْ يَّصْلُوْا اِلَيْكَ﴾ اے خدا کے محبوب اور اس کے محبوب کے فرزند۔ اگر آپ کی اطاعت لازم اور مخالفت ناجائز نہ ہوتی تو ہم آپ کے تمام دشمنوں کو قتل و غارت کر دیتے۔ قبل اس کے کہ وہ آپ کو کوئی گزند پہنچاتے۔ آپ نے فرمایا: ﴿نَحْنُ وَاللّٰهُ اَقْدَرُ عَلَيْهِمْ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ ہم بخدا تم سے زیادہ ان (دشمنوں) پر قدرت رکھتے ہیں لیکن (ڈھیل دینے میں مصلحت یہ ہے کہ) جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو۔ اور جو زندہ رہے وہ بھی دلیل و برہان سے زندہ رہے۔<sup>۱</sup>  
وَاللّٰهُ الْعَالِمُ۔

اسی طرح منازل سفر طے کرتے ہوئے آنجنابؐ چھٹے روز جمعہ کے دن سیوم ماہ شعبان ۶۰ھ کو مکہ معظمہ پہنچے۔ اس وقت یہ آیت مبارکہ آپ کی زبان پر تھی: ﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَى رَبِّىْ اَنْ يُّهْدِيَنِىْ سُبُوْا۟ السَّبِيْلِ﴾ جب (حضرت موسیٰؑ) شہر مدین کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو کہا: عنقریب خدا مجھے سیدھے راستے کی راہبری فرمائے گا۔<sup>۲</sup>

SIBTAIN.COM

۱۔ مائثر بحار، ص ۱۷۵۔ نفس المکبوم، ص ۳۸، ۳۹۔ الدرر الساکبہ، ص ۳۰۶۔ تفتام، ص ۲۴۸، ۲۴۹۔

۲۔ مائثر بحار، ص ۱۷۵۔ نفس المکبوم، ص ۳۱۔ لوائح الاشجان، ص ۲۸۔ کافل، ج ۳، ص ۲۶۵ وغیرہ۔



## شہنشاہِ مدینہ کی حرمِ خدا میں پناہ!

امام علیہ السلام نے مکہ میں پہنچ کر اس دارالامن میں رُحلِ اقامت ڈال دیا۔ اور تین شعبان سے لے کر آٹھویں ذی الحجہ ۶۰ھ تک برابر قریباً چار ماہ اور چھ دن قیام فرمایا۔ اس اثناء میں تمام اہل مکہ اور بیرونجات کے وہ لوگ جو بغرض ادائیگی عمرہ مکہ میں آئے ہوئے تھے۔ وہ برابر خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے فیوض و برکاتِ علمیہ و عملیہ سے استفادہ کرتے۔ ابنِ زبیر بالعموم خانہ کعبہ میں نماز و طواف میں مشغول رہتے اور لوگوں کے ساتھ کبھی کبھی ہر روز اور کبھی دو دن میں ایک بار ضرور خدمتِ امام میں مشرف ہوتے مگر امام علیہ السلام کا مکہ میں قیام ان پر بہت ہی شاق و گراں تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب تک امام حسینؑ یہاں قیام پذیر ہیں ان کا مدعا حاصل نہیں ہو سکتا یعنی اہل حجاز ان کی بیعت نہیں کریں گے۔<sup>۱</sup>

حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا مکہ مکرمہ میں قیام بحیثیت ایک پناہ گزین کے تھا۔ اور نظر بہ حالات ظاہرِ حرمِ خدا میں مستقل قیام کرنے کا ارادہ تھا مگر بہت جلد کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ امامؑ کا وہاں زیادہ دیر تک قیام کرنا ناممکن ہو گیا۔ آپؑ پر امن زندگی گزارنے کے خواہشمند نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؑ اپنی موافقت میں نہ کوئی فوجی طاقت بڑھاتے ہیں۔ نہ تقریر و تحریر کے ذریعہ لوگوں کو مشتعل کرتے ہیں۔

ہاں بعض کتب میں جنابؑ کی بعض سردارانِ بصرہ سے خط و کتابت کا پتہ چلتا ہے کہ آپؑ نے مالک بن مسعم بکری، احنف بن قیس، منذر بن جارود، مسعود بن عمرو، قیس بن یثیم اور عمرو بن عبیدہ کے نام اس مضمون کا خط لکھ کر اپنے ایک غلام کے ذریعہ سے بھیجا جس کا نام سلیمان اور کنیت ابو زین تھی۔ ﴿اما بعد فان الله اصطفى محمداً علي خلقه و اكرمه بنبوته و اختاره لرسالته ثم قبضه اليه و قد نصح لعباده و بلغ ما ارسل به صلي الله عليه و اله و كنا اهل و اوليائه و اوصيائه و ورثته و احق الناس بمقامه في الناس فاستأثر علينا قومنا بذلك فرضينا و كرهنا الفرقة و احببنا العافيه و نحن نعلم انا احق بذلك الحق المستحق علينا ممن تولاه و قد بعثت رسولي اليكم بهذا الكتاب و انا ادعوكم الي كتاب الله و سنته نبيه

۱۔ عاشر بحار، ص ۱۷۵۔ ارشاد مفید، ص ۱۸۱۔ ناخ، ج ۲، ص ۱۷۳۔ کمال، ج ۳، ص ۲۶۶۔ نفس الموعوم، ص ۳۱۔ لوائح الاشجان، ص ۲۸۔



فان السنة قد امتت و البدعة قد احييت فان تسمعوا قولی اهدکم الی سبیل الرشاد ﴿۱﴾۔ ”السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ بعد از حمد و سلام۔ خداوند عالم نے اپنی تمام مخلوق میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منتخب فرما کر منصب نبوت و رسالت پر فائز فرمایا۔ اور جب آنحضرت تبلیغ رسالت اور نصیحت و ہدایت کے فریضہ کو انجام دے چکے تو خدا نے ان کو اپنی بارگاہ کی طرف بلا لیا۔ ان کے بعد ہم (خاندان نبوت ہی) ان کے اہل، اولیاء، اوصیاء، وارث اور تمام لوگوں سے زیادہ ان کی مسند کے حق دار تھے لیکن ہماری قوم (قریش) نے ہم پر زیادتی کی۔ (ہمارے مقام پر اور لوگوں کو مسلط کر دیا) لیکن ہم نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم اس مسند پر قابض لوگوں سے زیادہ حق دار ہیں۔ محض افتراق و اختلاف کو ناپسند کرتے ہوئے کج عافیت و تنہائی اختیار کیا پس میں یہ خط دے کر اپنا قاصد تمہاری طرف بھیج رہا ہوں میں تمہیں کتاب خدا اور سنت رسول کی طرف دعوت دیتا ہوں کیونکہ آج سنت کو مارا اور بدعت کو زندہ کیا جا رہا ہے۔ اگر تم میری بات کو سنو گے تو میں تمہیں رشد و ہدایت کے راستہ کی طرف راہنمائی کروں گا والسلام۔“ ۱۔

اس مکتوب گرامی سے ان لوگوں نے کیا اثر لیا؟ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ منذر بن جارد نے تو آنجناب کے قاصد کو ابن زیاد کے حوالہ کر دیا۔ اور اس ملعون نے اسے سولی پر لٹکا دیا۔ ۲۔ اور احنف بن قیس نے جواب میں صرف یہ آیت لکھ بھیجی: ﴿اَمَّا بَعْدُ فَاَصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفُّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْقِنُوْنَ﴾۔ صبر کرو خدا کا وعدہ برحق ہے۔ اور تمہیں وہ لوگ جلد بازی پر آمادہ نہ کریں جو یقین نہیں رکھتے۔ ۳۔

البتہ مسعودؓ بن عمرو نے بنی تمیم، بنی حنظلہ اور بنی سعد کو جمع کر کے ان سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد سید الشہداءؑ کو بذریعہ خط اپنی اطاعت گزاری و وفاداری کا یقین دلایا۔ ۴۔ اور جب اس کا خط آنجناب کو ملا۔ تو پڑھ کر آپؐ نے اسے یہ دعائے خیر دی۔ ﴿مَا لَكَ اَمْنِكَ مِنَ الْخَوْفِ وَ الْعِزِّ وَ اَرْوَاحِ یَوْمِ الْعَطَشِ الْاَكْبَرِ﴾ باقی تین حضرات نے جواب دیا یا نہ یا اگر دیا تو کیا دیا؟ اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ مگر افسوس کہ مسعود بن عمرو بھی سید الشہداءؑ کی حسب وعدہ نصرت نہ کر سکا کیونکہ جب اس نے نصرت حسینؑ کے لیے سفر کی تیاری کی تو اسے

۱۔ طبری، ج ۶، ص ۲۰۸۔ نفس المہموم، ص ۴۷۔

۲۔ طبری، ج ۶، ص ۲۰۰۔ ایوب، ص ۲۷۔ مخفی نہ رہے کہ عام مؤرخین کا خیال یہ ہے کہ منذر سے یہ حرکت محض اس خیال قاصد کے تحت سرزد ہوئی کہ یہ شخص کوئی جعلی خط نہ لایا ہو۔ اور مبادا یزید یا ابن زیاد نے ہمارا امتحان لینے کے لیے ایسا کیا ہو؟

۳۔ مشیر الاعتراف، ص ۱۳۔

۴۔ سید بن طاووس نے اس کا نام یزید بن مسعود لکھا ہے۔ (ایوب، ص ۲۲)۔

۵۔ مقتل الحسین للقرطبی، ص ۱۲۵۔ لورج الاعتراف، ص ۳۶۔



معلوم ہوا کہ سید الشہداءؑ درجہ رفیعہ شہادت پر فائز ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اس نے اس سعادت سے محرومی پر بہت رنج و افسوس کیا اور پھر بساط صبر پر بیٹھ گیا۔<sup>۱</sup>

بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی عبد القیس کا ایک شخص یزید بن شیبہ (جس کے دس بیٹے تھے)۔ اپنے دو بیٹوں عبد اللہ اور عبید اللہ کے ہمراہ (اور بروایت اس کا غلام عامر اور سیف بن مالک اور ادہم بن امیہ بھی اس کے ہمراہ ہو گئے) مکہ میں بارگاہ امام میں حاضر ہوئے اور پھر برابر ہمرکاب رہے، حتیٰ کہ کربلا میں نصرت کا حق ادا کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔<sup>۲</sup> لیکن اس خط و کتابت سے بھی یہ واضح نہیں ہوتا کہ امام عالی مقام علیہ السلام اپنی عسکری طاقت بڑھا کر حکومت وقت کے ساتھ ٹکر لینا چاہتے ہیں۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اپنے دفاع اور حفاظت خود اختیاری کے اسباب جمع کئے جا رہے ہیں۔ و بینہما بون بعید!

### اہل کوفہ کے خطوط امام عالی مقام کے نام

ظاہری حالات و اسباب کا سرسری نظر سے جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت ناقابل انکار معلوم ہوتی ہے کہ اہل کوفہ کے بیعت یزید سے انکار اور بیعت امام پر اصرار پر مشتمل بے شمار خطوط آنے سے پہلے امام علیہ السلام اپنی حفاظت چاہتے تھے اور گوشہ عافیت میں ایام زیست گزارنا چاہتے تھے مگر اہل کوفہ کے خطوط نے اس دفاع کے حدود کو قدرے وسیع کر دیا۔ اس امید کے ماتحت کہ شاید اس طرح اپنے دفاع کے ساتھ ساتھ حق کا احیاء اور باطل کا استیصال بھی کر سکیں اور مسلمانوں کو ظالموں کے ظلم و جور سے نجات دلا سکیں۔<sup>۳</sup>

اب ذیل میں ان خطوط کی تفصیل اور ان کا پس منظر اور پیش منظر پیش کیا جاتا ہے۔ ارباب سیر و توارخ نے لکھا ہے کہ معاویہ کی وفات کے بعد جب اس کی جگہ اس کا نامزد ولی عہد یزید بیٹھا اور شیعیان علی کو امام حسین کے بیعت یزید سے انکار کر کے مکہ میں ہجرت کرنے کا حال معلوم ہوا۔ نیز ان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ ہنوز اور بھی بعض نام آور افراد نے یزید عنید کی بیعت نہیں کی تو انہوں نے اس انقلاب اور تغیر کے لحاظ سے فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے جناب سلیمان بن صرد خزاعی (صحابی رسولؑ) کے مکان پر اجتماع کیا۔ اور باہم جان و مال کے ساتھ نصرت حسین علیہ السلام کا عہد و پیمان کیا۔ اور پھر سلیمان بن صرد، مسیب بن نجہ، رفاعہ بن شداد اور حبیب بن مظاہر کی طرف سے اس مضمون کا ایک

۱۔ مشیر الاحزان، ص ۱۳۔ ابوہریرہ، ص ۳۷۔ مقتل مقرر، ص ۱۳۶۔

۲۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۲۳۔

۳۔ نفس المہموم، ص ۳۸۔

۴۔ النہضۃ الحسینیہ، ص ۵۱۔



خط حضرت امام حسینؑ کے نام لکھ کر عبد اللہ بن مسیح ہمدانی اور عبد اللہ بن وال تیمی کے ہاتھ خدمتِ امامؑ میں روانہ کیا۔  
 ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لِلْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ مِنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ وَ الْمُسَيَّبِ بْنِ نَجْبٍ وَ رِفَاعَةَ  
 بْنِ شَدَادٍ الْبَجَلِيِّ وَ حَبِيبِ بْنِ مَظَاهِرٍ وَ شَيْعَةَ الْمُؤْمِنِينَ وَ الْمُسْلِمِينَ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ سَلَامٌ عَلَيْكَ  
 فَإِنَّا نَحْمَدُ إِلَيْكَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ أَمَّا بَعْدُ فَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي قَصَمَ عِدْوَكَ الْجَبَّارَ الْعَنِيدَ  
 الَّذِي انْتَزَى عَلَى هَذِهِ الْأُمَّةِ فَاتَّبَزَّهَا أَمْرُهَا وَ غَضِبَهَا فِينَهَا وَ تَأَمَّرَ عَلَيْهَا بِغَيْرِ رِضَى مِنْهَا ثُمَّ قَتَلَ  
 خِيَارَهَا وَ اسْتَبْقَى شَرَّارَهَا وَ جَعَلَ مَالَ اللَّهِ دَوْلَةً بَيْنَ جَبَابِرٍ تَهَادَرُوا اغْنِيَاءُهَا فَبَعْدًا لَهُ كَمَا بَعْدَتْ ثَمُودُ  
 إِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْنَا أَمَّا فَاقْبَلْ لَعَلِّي اللَّهُ أَنْ يَجْمَعَنَا بِكَ عَلَى الْحَقِّ وَ النِّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ فِي قَصْرِ الْأَمَارَةِ  
 لَسْنَا نَجْتَمِعُ مَعَهُ فِي جُمُعَةٍ وَلَا نَخْرُجُ مَعَهُ إِلَى عِيدٍ وَلَوْ قَدْ بَلَغْنَا أَنْكَ قَدْ أَقْبَلْتَ إِلَيْنَا أَخْرَجْنَاهُ حَتَّى  
 فَلَحِقَهُ بِالشَّامِ أَنْشَاءَ اللَّهُ﴾۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔ منجانب سلیمان بن صرد، مسیب بن نجب، رفاعہ بن شداد بجلی، حبیب بن مظاہر، مظاہر اور  
 کوفہ کے دیگر مؤمنین و مسلمین کی طرف سے حسین بن علیؑ کے نام۔ سلام علیک۔ ہم اس خدا کی حمد و ثنا کرتے ہیں جس  
 کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ بعد از حمد و ثنا خدا کا شکر ہے جس نے آپؑ کے زبردست سرکش دشمن (معاویہ) کو ہلاک  
 و برباد کیا ہے۔ جس نے زبردستی اس امت مسلمہ کی حکومت اور اس کے مال پر امت مرحومہ کی رضامندی کے بغیر  
 قبضہ و تسلط جما رکھا تھا۔ اور اس امت کے نیک لوگوں کو قتل کرتا اور بروں کو زندہ چھوڑتا تھا۔ اور خدا کے مال کو امت کے  
 جابر اور غنی لوگوں میں برابر تقسیم کیا کرتا تھا۔ اس کے لئے ہلاکت ہو جس طرح کہ قوم ثمود ہلاک ہوئی۔ اس وقت ہمارا  
 کوئی امام نہیں ہے۔ آپ یہاں تشریف لائیں تاکہ شاید اس طرح خدا ہمیں حق پر مجتمع کر دے۔ نعمان بن بشیر قصر  
 الامارہ میں موجود ہے۔ مگر ہم نہ تو اس کے ساتھ جمع پڑھتے ہیں۔ اور نہ عید۔ اور اگر پھر یہ اطلاع مل گئی کہ آپ ہماری  
 استدعا پر تشریف لارہے ہیں تو ہم اس کو قصر الامارہ سے نکال کر شام پہنچا دیں گے۔ انشاء اللہ۔<sup>۱</sup>

قاصد یہ خط لے کر دسویں ماہ رمضان المبارک ۶۰ھ کو خدمتِ امامؑ میں پہنچے۔ اس کے بعد تو خطوط کا ایک  
 تاننا بندھ گیا۔ مذکورہ بالا خط ارسال کرنے کے بعد دو دن کے توقف سے پھر قیس بن مسہر صیداوی، عبد اللہ بن شداد  
 دارجی اور عمارۃ بن عبد اللہ سلولی کو خطوط دے کر روانہ کیا گیا۔ پھر دو دن کے وقفہ کے بعد ہانی بن ہانی سبعی اور سعید  
 بن عبد اللہ حنفی کو نہایت تاکید کی خطوط دے کر بھیجا گیا۔<sup>۲</sup> ان خطوط کی تعداد ابن اشیر<sup>۳</sup> اور سبط ابن جوزی نے ڈیڑھ

۱۔ ارشاد شیخ مفید، ص ۸۲۔ عاشر بحار، ص ۱۷۵۔ نفس المہمو، ص ۴۱۔ کامل، ج ۳، ص ۲۶۶ وغیرہ۔

۲۔ کامل تعداد، ص ۲۶۶۔ تذکرہ خواص الامۃ، ص ۲۴۴۔

۳۔ ارشاد، ص ۱۸۲۔



سواور دینوری نے دو خرجیاں۔<sup>۱</sup> مشہور یہ ہے کہ ان خطوط کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔<sup>۲</sup> واللہ العالم۔

کوفہ کی رائے عامہ کی اس بیداری کا نتیجہ تھا کہ کچھ ایسے لوگوں نے بھی امام علیہ السلام کی خدمت میں خطوط لکھے جو فی الحقیقت امام کے خیر خواہ نہ تھے بلکہ بنی امیہ کے ہوا خواہ تھے جیسے شبث بن ربیع، حجار بن ابجر، یزید بن حارث، عمرو بن الحجاج زبیدی وغیرہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے محض اس خیال کے ماتحت خط لکھا تھا کہ وہ بھی آئندہ اپنے مستقبل کو سنوار لیں۔ چنانچہ ان کے خط کالب و لہجہ بھی دوسرے خطوط سے جدا نظر آتا ہے۔ ان خطوط میں امام علیہ السلام کی خدمت اخلاص و عقیدت کے پھول نثار کئے گئے ہیں۔ ان سے رشد و ہدایت حاصل کرنے کی دلی خواہش ظاہر کی گئی ہے مگر ان لوگوں کے خط میں مادی طاقت کی پیش کش کے ساتھ دنیوی حظوظ و لذات کی نمود کی گئی ہے۔ ان کے خط کا مضمون یہ تھا: ﴿اما بعد فان الناس ينتظرونك لا رائي لهم دونك فالعجل فالعجل يا بن رسول الله فقد اخضرت الجنات و افيعت الثمار و اعشبت الارض و اورقت الاشجار. فاقدم علينا اذا شئت فانما نقدم على جند مجنده لك والسلام عليك و رحمة الله﴾ یعنی کھیتیاں لہلہا رہی ہیں۔ میوے پک چکے ہیں۔ زمینیں آباد ہیں۔ درخت سرسبز و شاداب ہیں۔ آپ جب چاہیں تشریف لا سکتے ہیں۔ جب آپ آئیں گے تو ایک لشکر آپ کی نصرت کے لیے بالکل آمادہ و تیار موجود ہوگا۔ اس خط سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ امام کے مزاج شناس اور ان کی افتاد طبع سے واقف نہیں ہیں۔ اور محض ہوا کے رخ پر چلنے والے اور چڑھتے سورج کی پرستش کرنے والے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ یہ آخری خط لکھنے والے قریباً سب ہی معرکہ کربلا میں فوج مخالف میں موجود تھے (لعنہ اللہ علیہم اجمعین) یہ آخری خط ہانی بن ہانی سمیعی اور سعید بن عبد اللہ حنفی لے کر خدمت امام میں پہنچے۔

جب اہل کوفہ کا اصرار حد سے بڑھ گیا اور اتمام حجت کی خاطر امام علیہ السلام کے لیے ان کی دعوت پر لبیک کہنا ضروری ہو گیا تو آنجناب نے ان آخری قاصدوں کے ذریعہ اہل کوفہ کو اس مضمون کا جواب لکھا (اس سے قبل کسی خط کا جواب نہیں دیا تھا اور سب قاصد وہیں موجود تھے): ﴿بسم الله الرحمن الرحيم من الحسين بن علي الى الصلاء من المؤمنين و المسلمين اما بعد فان هانياً و سعيداً قدما على بكتبكم و كانا اخر من قدم

۱۔ الاخبار الطوالی، ص ۲۳۱۔

۲۔ مہوف، ص ۲۹۔ عاشر بحار، ص ۱۷۵، سطر آخر۔ مقتل مقرر، ص ۱۳۷۔ لؤلؤ الاشجان، سطر آخر۔

۳۔ ارشاد شیخ مفید، ص ۱۸۳۔ مہوف سید بن طاووس، ص ۳۰۔

۴۔ عاشر بحار، ص ۱۷۶۔ نفس المہوم، ص ۴۲ وغیرہ۔



عَلَىٰ مِنْ رِسَالِكُمْ وَ قَدْ فَهِمْتُ كُلَّ الَّذِي قَصَصْتُمْ وَ ذَكَرْتُمْ وَ مَقَالَتُ جُلُكُم أَنَّهُ لَيْسَ عَلَيْنَا إِمَامٌ مُقَابِلٌ  
 لِعَلِّ اللَّهِ أَن يَجْمَعَنَا بِكَ عَلَى الْحَقِّ وَ الْهَدَىٰ وَ أَنَا بَاعَثَ إِلَيْكُمْ أَخِي وَ ابْنَ عَمِي وَ ثَقَفِي مِنْ أَهْلِ  
 بَيْتِي مُسْلِمٌ بِنَ عَقِيلٍ فَإِنَّ كُتُبَ إِلَيَّ أَنَّهُ قَدْ اجْتَمَعَ رَأْيُ مَلَائِكُمْ وَ ذَوِي الْحُجَىٰ وَ الْفَضْلُ مِنْكُمْ عَلَى  
 مِثْلِ مَا قَدِمْتُ بِهِ رِسَالِكُمْ وَ قَرَأْتُ فِي كُتُبِكُمْ فَإِنِّي أَقْدِمُ إِلَيْكُمْ وَ شَيْكَا أَنْشَاءَ اللَّهُ فَلَعَمْرِي مَا الْإِمَامُ  
 إِلَّا الْحَاكِمُ بِالْكِتَابِ الْقَانِمُ بِالْقِسْطِ الدَّائِنُ بِدِينِ الْحَقِّ الْحَابِسُ نَفْسَهُ عَلَىٰ ذَلِكَ اللَّهُ وَ السَّلَامُ ﴿١﴾  
 یہ خط حسین بن علی کی طرف سے مسلمانوں اور مؤمنوں کے گروہ کے نام ہے ہانی اور سعید تمہارے فرستگان میں سے  
 سب سے اخیر ہیں۔ تمہارے خطوط لے کر میرے پاس پہنچے اور جو کچھ تم نے ان خطوط میں ذکر کیا ہے اسے میں نے  
 سمجھا کہ ہمارا اس وقت کوئی امام نہیں۔ آپ آئیے۔ شاید خدا ہمیں آپ کی وجہ سے حق و ہدایت پر جمع کر دے اس لیے  
 اب میں اپنے چچا زاد بھائی اور اپنے خاندان کے مخصوص معتمد مسلم بن عقیل کو تمہاری طرف روانہ کر رہا ہوں۔ میں نے  
 انہیں مامور کر دیا ہے کہ وہ تمہارے صحیح حالات مجھے لکھیں۔ لہذا اگر انہوں نے یہ لکھا کہ تمہارے ارباب بست و کشاد اور  
 صاحبان عقل و خرد اس بات سے متفق ہیں جو تم نے بذریعہ فرستادگان اپنے خط میں ظاہر کی ہے۔ تو میں بہت جلد  
 تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم امام برحق نہیں ہے مگر وہی جو کتاب خدا کے مطابق حکم کرے۔ اور  
 عدل و انصاف پر کار بند ہو۔ دین حق کا پیرو ہو۔ اور اپنے نفس کو رضاء خداوندی کے لیے ان امور پر وقف کر چکا ہو۔  
 والسلام۔

اس کے بعد جناب مسلم بن عقیل کو کوفہ جانے کا حکم دیا۔ اور یہ پندرہ رمضان المبارک کا واقعہ ہے۔ قبل اس  
 کے کہ جناب مسلم کی روانگی اور ان کی شہادت کے واقعات بیان کئے جائیں اور سلسلہ واقعات کو آگے بڑھایا جائے۔  
 یہاں دو باتوں کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔



## قاتلانِ حسینؑ کا مذہب کیا تھا؟

اہل کوفہ کے انہی دعوتی خطوط اور تاکیدیں بلاوے کو دیکھ کر ہمیشہ مخالفین یہ کہا کرتے ہیں کہ قاتلانِ حسینؑ شیعہ تھے۔ اس لیے یہاں قاتلانِ حسینؑ کے مذہب پر فی الجملہ تبصرہ کیا جاتا ہے تاکہ اس اعتراض کا بے بنیاد ہونا واضح ہو جائے۔ اگرچہ اس موضوع پر بہت لکھا جا چکا ہے۔ مستقل رسائل تصنیف کئے جا چکے ہیں۔ بالخصوص رسالہ شریفہ ”قاتلانِ حسینؑ کا مذہب“ مطبوعہ امامیہ مشن لکھنؤ میں جس احسن انداز سے تاریخی حقائق کی روشنی میں اس ایراد کا بے بنیاد ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ وہ قابلِ داد ہے۔ ہم ذیل میں اسی رسالہ شریفہ کے بعض اقتباسات پیش کرتے ہیں:

”کہنے کو قاتلانِ حسینؑ مسلمان تھے۔ اور اسی بنا پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن تاریخی واقعات اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیتے ہیں کہ درحقیقت وہ نام نہاد مسلمان اسلام سے دور کا بھی علاقہ نہ رکھتے تھے۔ مذہب ان کی نظر میں ایک خود ساختہ گھروندا اور بے دینی ان کا دین و آئین تھی۔ وہ دنیاوی چاہ و ثروت کے آگے کسی دوسرے عالم اور اس عالم کی جزا و سزا کا خیال بھی ذہن میں نہ لاتے تھے۔

### ذمہ دارانِ شہادتِ حسینؑ کا کفر و الحاد

قتلِ حسینؑ کا اصل بانی یزید بن معاویہ تھا۔ جس نے کفر و الحاد اور لامذہبی میراث میں پائی تھی۔ (ہم اس کتاب کے گیارہویں باب میں یزید کا کفر اس کے مسلم الثبوت احوال و افعال کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں اس لیے یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے)۔

یزید کے بعد دوسرا شخص جسے قاتلِ حسینؑ کہا جاسکتا ہے۔ وہ پسرِ مرجانہ عبید اللہ ابن زیاد ہے جو یزید کے ساتھ یک جان و دو قالب کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس شخص کا کفر و الحاد اور احکامِ رسولؐ سے روگردانی طشت از بام تھی۔ اور کوفہ کے عام افراد بھی اس سے خوب واقف تھے۔ چنانچہ جناب ہانی بن عروہ نے ایک خاص موقع پر جناب مسلم بن عقیل سے کہا تھا: ﴿إِذَا وَاللَّهِ لَقَتَلْتُ فَاسِقًا فَاجِرًا كَافِرًا غَادِرًا وَلَكِنْ كَرِهْتُ أَنْ يَقْتُلَ فِي دَارِي﴾ ”خدا کی قسم آپ یقیناً جانے کہ اگر آپ اس کو قتل کر ڈالتے تو یہ کسی مسلمان کا قتل نہ ہوتا بلکہ ایک فاسق و فاجر، اور کافر و غدار کا قتل ہوتا۔ بے شک مجھ کو یہ امر پسند نہ تھا۔ کہ وہ میرے گھر میں قتل ہو۔“<sup>۱</sup>



تیسرا شخص جو قتل حسین کا براہ راست ذمہ دار کہا جاسکتا ہے وہ عمر بن سعد ہے۔ اس کے اسلام کی حقیقت ان اشعار سے ظاہر ہے جو اس نے اس موقع پر نظم کئے تھے کہ جب ابن زیاد نے اس کو قتل حسین پر مامور کیا ہے۔

فواللہ لا ادری وانی لحائر  
خدا کی قسم میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا اور میں  
افکر فی امری علی خطوین  
میں اپنی نسبت دو عظیم باتوں میں فکر کر رہا ہوں

ا اترک ملک الری و الری منیتی  
کیا میں ملک رے کو ہاتھ سے جانے دوں حالانکہ ملک رے کی مجھ کو مدت سے آرزو ہے۔ یا حسین  
ام اصبح ما ثوماً بقتل حسین  
کو قتل کر کے گنہگار ہوں

الا انما الدنیا بخیر معجل  
یاد رہے کہ دنیا نقد و حاضر راحت کا نام ہے  
وما عاقل باع الوجود بدین  
اور کون عاقل ہے جو نقد کو قرض کے عوض  
بیچ ڈالے

يقولون ان الله خالق الجنة  
لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے کوئی جنت خلق کی  
و نار و تعذیب دغل یدین  
اور آگ اور عذاب اور ہاتھوں کی  
تھکڑیاں

فان صدقوا فيما يقولون انی  
اچھا تو اگر یہ لوگ سچے ہیں ان باتوں کو  
اتوب الی الرحمن من سنین  
تو کوئی حرج نہیں میں دوسری برس کے اندر  
اس گناہ سے توبہ کر لوں گا

وان کذبوا فزنا بدنیا عظیمہ  
اور اگر یہ لوگ غلط کہتے ہیں اور جنت و دوزخ کی کوئی حقیقت نہیں تو پھر کیا ہے؟ پھر تو ہم ایک عظیم  
دنیا اور ایسے ملک کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے جس کی نعمتیں باقی رہنے والی ہیں۔

ان اشعار میں صریحی طور پر عقیدہ معاد اور جنت و دوزخ کے وجود کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ جب حکام اور  
روسا کا یہ عالم تھا۔ تو دوسروں کا کیا پوچھنا؟ وہ تو انہی لوگوں کے اشارہ پر چلنے والے اور ان کے آلے کار تھے۔ ان کو  
مسلمان کہنا اسلام کے دامن پر ایک بدنما دھبہ لگانا ہے اور درحقیقت ان سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے بعد



اس سوال کا موقع ہی نہیں باقی رہتا کہ یہ لوگ سنی تھے یا شیعہ؟ اس لیے کہ سنی شیعہ کا افتراق اسلامی مشترکہ اصول و عقائد کو تسلیم کر لینے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اور جب خود اسلام دامن کش نظر آتا ہو تو سنی شیعہ کی تفریق بے موقع ہے۔ جو کچھ اوپر حوالہ قلم ہوا وہ اس ننگ انسانیت جماعت کے باطل عقائد کی بنا پر تھا۔ جس کی پردہ دری تاریخ کے ہاتھوں نے کی۔ ہاں ظاہری حیثیت سے یہ افراد مذہب اسلام کے حلقہ بگوش تھے۔ اور ان کی لامذہبی جس درجہ پر بھی ہو اس پر انکی ورکی مذہب کا ہلکا سا پردہ پڑا ہوا ضرور تھا! جس کی بنا پر یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کا تعلق اسلام کے کس فرقہ سے تھا؟ بلا خوف رد کہا جاسکتا ہے کہ قاتلانِ حسین سنی المذہب تھے۔

### دوسری تنقیحِ حسین

قبل اس کے کہ اس مطلب پر دیگر شواہد پیش کئے جائیں۔ بنیادی طور پر دو تنقیحیں قائم ہونا ضروری ہیں:

(۱) امام حسینؑ کے قتل کی بنیاد کیا تھی؟ (۲) جس بنیاد پر اس عظیم قتل کا ارتکاب کیا گیا۔ اس کی جگہ کس فرقہ کے اصول و تعلیمات میں نکالی جاسکتی ہے۔

### تنقیحِ اول

تنقیحِ اول کے متعلق یہاں صرف اس قدر کہنا ہے کہ ”تاریخی حیثیت سے یہ امر ناقابل انکار ہے کہ قتلِ امام حسینؑ کی بنیاد امیر معاویہ کے بعد یزید کی خلافت اور اس کے تسلیم کرنے کے لیے حسینؑ بن علیؑ سے بیعت لینے پر اصرار اور حسینؑ کا اس خلافت کے تسلیم کرنے سے انکار اور اپنی بات پر آخر وقت تک ہزار ہزار مصیبتیں سامنے آنے پر بھی قائم رہنا ہے۔ یہی وہ چیز تھی جس نے دنیا کی اس طویل و عریض وسعت کو فرزندِ رسولؐ پر ننگ کر دیا تھا اور جس کی بنا پر دشمنوں کی خون آشام تلواریں اس بے گناہ کے خون کی پیاسی ہو گئیں تھیں۔“ ہم اس کتاب کے چودھویں باب میں تاریخی شواہد و نصوص کی روشنی میں اس امر کو ثابت کر چکے ہیں۔ یہاں مزید خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں ہے۔

### تنقیحِ دوم

اب رہی دوسری تنقیح کہ یزید کی خلافت کس فرقہ کے مذہبی تعلیمات کی رو سے صحیح اور اس کی حمایت حق بجانب ہو سکتی ہے؟

یہ امر کچھ زیادہ توضیح کا محتاج نہیں ہے کہ شیعوں کے مذہبی اصول میں یزید بلکہ اس سے بڑھے چڑھے افراد کی خلافت کو کوئی جگہ حاصل نہیں ہے۔ انہوں نے تو سرے سے اس سلسلہ ہی سے اظہارِ برأت کیا ہے جس کی پانچویں یا چھٹی کڑی میں یزید کی امامت و خلافت کو تسلیم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ امام اہل سنت حافظ جلال الدین سیوطی نے اپنی تاریخ الخلفاء میں اس مطلب کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ پہلے وہ کتاب کے دیباچہ میں سبب تالیف لکھتے ہوئے



نظر آ رہی ہیں: ﴿ہذا تاریخ لطیف ترجمت فیہ الخلفاء امراء المومنین القائمين بامر الامة من عہد ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ الی عہدنا هذا علی ترتیب زمانہم﴾۔ اس پر لطف تاریخ میں نے حالات لکھے ہیں۔ خلفاء کے جو امیر المؤمنین تھے اور امت اسلامیہ کی ریاست کے مالک تھے۔ ابو بکر صدیق کے عہد سے لے کر اپنے عہد تک۔ ان کے زمانہ خلافت کی ترتیب کے مطابق ”انہی الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ جن اشخاص کے حالات لکھنا چاہتے ہیں ان میں سے ہر ایک کو امیر المؤمنین کہنے کے لیے تیار ہیں۔ اور ان کی خلافت ان کے نزدیک صحیح و مسلم تھی۔ اس کے بعد جب ہم اسی تاریخ الخلفاء کی سیر کرتے ہوئے صفحہ ۲۰۵ پر پہنچتے ہیں۔ تو جلی حروف میں یہ مرقی نظر آتی ہے: ”یزید بن معاویہ ابو خالد الاموی“ جس کے ذیل میں مستقل طور پر یزید کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یزید کی بیعت صحیح و درست اور امامت و خلافت اس کی جائز اور قابل تسلیم تھی۔ علاوہ بریں اس کتاب کے صفحہ ۹ پر معاویہ کے بعد بالتفصیل یزید کو چھٹا خلیفہ شمار کرتے ہوئے لکھا ہے: ﴿ثم اجتمعوا علی ولده یزید ولم ينتظم للحسين امر بل قتل قبل ذلک﴾ اور اس (معاویہ) کے بعد اس کے بیٹے یزید کی خلافت پر اجماع ہوا۔ حسین کے لیے امامت حاصل نہ ہو سکی۔ بلکہ وہ اس سے قبل ہی قتل ہو گئے۔ (لہذا انہیں خلفاء میں شمار نہیں کیا جاسکتا)۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی شرح بخاری میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (یزید شرح عقائد، ص ۱۱۱، طبع لکھنؤ۔ شرح فقہ اکبر، ص ۸۷، طبع لاہور وغیرہ میں بھی یزید کو چھٹا خلیفہ لکھا گیا ہے) اہل سنت کے ان ذمہ دار حضرات کی تحریروں کے بعد اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ یزید کی خلافت ان کے نزدیک صحیح اور جائز تھی۔ اور اسی خلافت کو تسلیم کرانے کے لیے حسین بن علی شہید کئے گئے تھے جس کے بعد قدرۃً یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس مذہب کے نام لیوا تھے۔ جس میں یزید کی خلافت صحیح و جائز تھی اور ان کو شیعہ فرقہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

### قاتلان حسین کے مذہب پر تاریخی شواہد و قرائن

اگرچہ مذکورہ بالا حقائق اس مطلب کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ قاتلان حسین شیعہ نہ تھے بلکہ سنی تھے۔ تاہم مزید تسلی و تشفی کے لیے ذیل میں بعض تاریخی قرائن و شواہد درج کئے جاتے ہیں۔

پہلا شواہد:۔ جناب مسلم بن عقیل کوفہ میں آ کر فرزند رسول کی بیعت لے رہے ہیں۔ حاکم کوفہ نعمان بن بشیر اپنی فطری صلح پسندی کے باعث طرح دے رہا ہے۔ عین اسی موقع پر یزید کے پاس کوفہ سے ایک خط جاتا ہے جس کی عبارت یہ ہے: ﴿اما بعد فان مسلم بن عقیل قد قدم الکوفة فبايعته الشيعة للحسين بن علي فان كان لك في الکوفة حاجة فابعث اليها رجلاً قوياً ينفذ امرک و يعمل مثل عملک في عدوک﴾



فان النعمان بن بشیر رجل ضعيف او هو يتضعف ﴿مسلم بن عقیل کوفہ آئے ہیں اور شیعوں نے ان کے ہاتھ پر حسین بن علی کی بیعت کی ہے۔ اگر آپ کو کوفہ میں اپنی سلطنت قائم رکھنا ہے تو ایک طاقتور شخص کو یہاں مقرر کیجئے جو آپ کا حکم نافذ کرے۔ اور دشمن کے ساتھ وہ سلوک کرے جو آپ خود اگر ہوتے تو کرتے اس لیے نعمان بن بشیر فطرتاً کمزور ہے۔ یا کسی وجہ سے کمزوری ظاہر کر رہا ہے۔ اس خط کے لکھنے والے تین آدمی ہیں: (۱) عبد اللہ بن مسلم بن سعید حضرمی حلیف بنی امیہ۔ (۲) عمارہ بن عقبہ۔ (۳) عمر بن سعد ابن ابی وقاص۔

یزید نے یہ خط دیکھ کر جو فرمان ابن زیاد کے نام لکھا اس کی عبارت قابل دید ہے: ﴿اما بعد فانه كتب الى شيعتي من اهل الكوفة يخبرونني ان ابن عقيل بالكوفة يجمع الجموع لشق عصا المسلمين فسر حين تقواء كتابي هذا حتى تاتي الكوفة فتطلب ابن عقيل طلب الخزرة حتى تثقفه فتوثقه او تقتله او تنفيه و السلام﴾ میرے پاس میرے شیعوں نے جو کہ کوفہ کے رہنے والے ہیں یہ لکھا ہے کہ ابن عقیل کوفہ میں جتھے جمع کر کے مسلمانوں کی موجودہ بنی بنائی بات کو بگاڑنا چاہتے ہیں۔ لہذا فوراً وہاں جاؤ اور مسلم پر قابو حاصل کر کے بایں طور سزا دو کہ اسے قید خانہ میں ڈال دو۔ یا قتل کر دو۔ یا شہر بدر کر دو۔ (چنانچہ نعمان بن بشیر کو معزول کر دیا جاتا ہے اور ابن زیاد کو بصرہ کے علاوہ کوفہ کا گورنر بھی بنا دیا جاتا ہے)۔

محترم ناظرین نے پہچان تو لیا ہوگا کہ یہ عمر بن سعد کون ہے جو اس خط کے لکھنے والوں میں ہے؟ بے شک یہ وہی سپہ سالار ہے جو حسین بن علی کے قتل کے لیے بھیجا گیا تھا۔ جس نے سب سے پہلے تیر لشکر حسین کی طرف رہا کیا تھا۔ اس کی یہ لفظیں کہ ﴿بايعته الشيعة للحسين بن علي﴾ شیعہ جماعت نے مسلم کے ہاتھ پر حسین کی بیعت کر لی ہے صاف بتاتی ہیں کہ اس شخص کو جماعت شیعہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور پھر یزید کی یہ تحریر کہ ﴿كتب الى شيعتي من اهل الكوفة﴾ مجھ کو میرے شیعوں نے کوفہ سے لکھا ہے بتلا رہی ہے کہ یہ شخص یزید کا شیعہ تھا۔ اور اس کی خلافت کو تسلیم کرنے والی جماعت سے تھا۔ (ظاہر ہے کہ وہ جماعت اہل سنت کی ہی ہے نہ شیعہ کی)۔

دوسرا شاہد: فرزند رسولؐ کو بلا پہنچے اور دشمنوں نے محاصرہ کر لیا۔ ساتویں تاریخ قاصداً آتا ہے اور ابن زیاد کی طرف سے عمر سعد کو یہ خط دیتا ہے: ﴿اما بعد فحل بين الحسين واصحابه و بين الماء ولا يذوقوا منه قطرة كما صنع بالتقي الزكي المظلوم امير المؤمنين عثمان بن عفان... الخ﴾ حسین اور اصحاب حسین کے سامنے پانی کی طرف سید راہ ہو جاؤ اور ان کو ایک قطرہ چکھنے کو بھی نہ ملنے پائے جیسا کہ زکی تقی مظلوم امیر



المؤمنین عثمان بن عفان کے ساتھ سلوک کیا گیا تھا۔<sup>۱</sup>

کہاں ہیں قاتلانِ حسینؑ کو شیعہ کہنے والے۔ آئیں اور آنکھیں کھول کر اپنے امام اور حافظِ محمد بن جریر طبری کی تحریر پر نظر ڈالیں۔ اور پھر بتلائیں کہ قاتلانِ حسینؑ کا مذہب کیا تھا؟ حضرت عثمان کی مظلومیت کا مرثیہ خوان کون ہو سکتا ہے؟ حضرت عثمان کو امیر المؤمنین کون کہتا ہے؟

تیسرا شاہد:- نویں ماہ محرم کو عزہ بن قیس احمس (جو فوج مخالف میں تھا) اور جناب زہیر بن قیس کے درمیان جو گفتگو ہوئی۔ اس کا ایک شہ یہ ہے۔ عزہ بن قیس کہتا ہے:

﴿یا زہیر ما كنت عندنا من شيعة اهل هذا البيت انما كنت عثمانياً﴾ اے زہیر! تم تو ہماری دانت میں اس خاندان کے شیعوں میں سے نہ تھے بلکہ عثمانی مذہب رکھتے تھے۔ زہیر نے کہا: ﴿افلا تستدل بموقفى هذا انى منهم... الخ﴾ اچھا اب تو میرے یہاں ہونے سے تم سمجھے کہ میں شیعہ یا اہل بیت میں سے ہوں الخ۔۔۔۔۔ عزہ کا یہ کہنا ”تم تو شیعہ جماعت سے نہ تھے بلکہ عثمان کے ماننے والوں میں سے تھے۔“ صریحی دلیل ہے کہ یہ طے شدہ امر تھا کہ اس وقت جو حسینؑ کا ساتھ دے وہ شیعہ جماعت سے ہے اور وہ لوگ جو ان کے بمقابلہ میں تلواریں کھینچے ہوئے ہیں عثمانی المسلک اور مخالفِ تشیع ہیں۔ اور زہیر کا یہ مقولہ کہ ”اب تو میرے یہاں ہونے سے سمجھے کہ میں شیعہ اہل بیت ہوں“ وہ بھی اس کا زبردست مؤید ہے۔

چوتھا شاہد:- اصحابِ حسینؑ سے نافع بن ہلال جملی جنگ کے لیے نکلے اور وہ یوں رجز پڑھ رہے تھے: ﴿انا الجسملى انا على دين علي﴾ میں قبیلہ بنی جمل میں سے اور علیؑ کے مذہب پر ہوں۔ ایک شخص مقابلہ پر نکلا جس کا نام مزاحم بن حریت تھا۔ اس نے کہا: ﴿انا على دين عثمان﴾ میں تو عثمان کے مذہب پر ہوں۔ نافع نے کہا: ﴿انت على دين شيطان﴾ یہ کہہ کر حملہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا۔<sup>۲</sup> اب تو تاریخ نے کوئی ترمیم باقی نہیں رکھا۔ طرفین کے مذہب کو اتنا روشن کر کے پیش کر دیا ہے کہ شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

پانچواں شاہد:- عین موقعہ جنگ پر لشکرِ عمر بن عمرو بن الحجاج نے کھڑے ہو کر آواز دی ﴿یا اهل الكوفة الزموا طاعتكم و جماعتكم ولا توتابوا فى قتل من مرق من الدين و خالف الامام... الخ﴾ ”اے اہل کوفہ، امیر کی اطاعت اور اپنی متفقہ رائے پر سختی سے قائم رہو اور کوئی شک نہ کرو۔ ان لوگوں کے قتل میں جو مذہب سے نکل گئے ہیں اور امام کی مخالفت کر رہے ہیں۔“ امام حسینؑ نے یہ آواز سنی اور فرمایا: ”اے عمرو بن الحجاج! تو



میری جنگ کے لیے لوگوں کو آمادہ کر رہا ہے؟ کیا ہم مذہب سے نکل گئے۔ اور تم مذہب پر قائم ہو؟ خدا کی قسم۔ جب یہ چند روزہ زندگی ختم ہو جائے گی اور موت کا مزہ چکھو گے اس وقت معلوم ہوگا کہ کون مذہب سے نکلا تھا اور کون آتش جہنم میں سزا پانے کا مستحق ہے۔“

اب کوئی بتلائے کہ وہ کون سا مذہب ہے جس سے علیحدہ ہونے کا الزام حسینؑ و اصحاب حسینؑ کو دیا جا رہا ہے اور یزید کس فرقہ کا امام ہے جس کی مخالفت کا الزام امام حسینؑ پر لگایا جا رہا ہے۔

چھٹا شاید:۔ فرزند رسولؐ شہید ہو چکے ہیں۔ حرم رسالت کی مخدرات اسیر ہو کر دربار ابن زیاد میں لائی گئیں۔ ابن زیاد نے اس موقع پر مجمع عام میں برسر منبر جو تقریر کی۔ اس کا افتتاحی حصہ یہ ہے: ﴿الحمد لله الذي اظهر الحق و اهله و نصر امير المؤمنين يزيد بن معاوية و حزبہ و قتل..... الحسين بن علي و شيعته...﴾ الخ خدا کا شکر ہے جس نے حق اور اہل حق کو فتح عنایت کی اور خلیفہ وقت یزید بن معاویہ اور ان کے گروہ کی مدد فرمائی۔ اور حسین بن علیؑ کو ان کے شیعوں سمیت قتل کیا۔“ اس سے صریحاً ظاہر ہے کہ امام حسینؑ کے ساتھ قتل ہونے والی جماعت شیعہ تھی۔ اور ان کے قتل کرنے والے اس جماعت سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ بلکہ وہ اسی مذہب کے نام لیوا تھے جسے ابن زیاد حق کہتے ہوئے اس کی (ظاہری) فتح پر شکر ادا کر رہا ہے۔ وہ یزید کو امیر المؤمنین اور خلیفہ حق سمجھنے والی جماعت میں داخل تھے۔

ساتواں شاید:۔ قتل امام حسینؑ کا الزام اس جماعت اہل کوفہ پر عائد کرنا جو امام حسینؑ کی حقیقت بیان کرنے والی تھی۔ اور یہ کہنا کہ وہ شیعہ ہی تھے۔ واقعیت سے کوسوں دور ہے۔ یہ درست ہے کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ کوفہ شیعیان اہل بیت سے چھلک رہا تھا لیکن ادھر معاویہ کا ممالک اسلامیہ پر تسلط ہوا۔ اور کوفہ پر اپنے نامعلوم باپ کا بیٹا زیاد حاکم مقرر ہوا۔ ادھر شیعیان کوفہ پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور عراق کی چوڑی چکلی زمین ان پر تنگ ہو گئی۔ ان کا ہر نفس آئندہ آنے والے خطرات کی پیش گوئی کرتا۔ اور ہر دقیقہ و ثانیہ اپنے آخری ہونے کا پیغام سناتا۔ ابوالحسن مدائنی نے کتاب الاحداث میں اس زمانہ کی مرقع کشی کرتے ہوئے لکھا ہے:

﴿كان اشد الناس بلاء حينئذ اهل الكوفة لكثرة من بها من شيعة علي فاستعمل عليهم زياد بن سمية و ضم اليه البصرة فكان يتبع الشيعة و هو بهم عارف لانه كان منهم ايام على فقتلهم تحت كل حجر و مدر و خافهم و قطع الايدي و الارجل و سمل العيون و صلبهم على جذوع



النخل و طردہم و شروہم عن العراق فلم یبق بها معروف منهم ﴿۱﴾ معاویہ کے دور حکومت میں سب سے زیادہ مصیبت میں اہل کوفہ تھے اس لیے کہ وہاں شیعہ علیؑ کثیر تعداد میں موجود تھے۔ وہاں کا حاکم بھی زیاد بن سمیہ مقرر کیا گیا اور اس نے شیعوں کو پوری جستجو کے ساتھ گرفتار کیا۔ اور وہ ان کو پہچانتا بھی خوب تھا۔ کیونکہ علیؑ کے زمانہ میں وہ انہیں لوگوں کے ساتھ تھا۔ اس نے ان کو جہاں پایا قتل کیا۔ اور ہاتھ پاؤں قطع کئے۔ اور آنکھوں میں سلائیاں پھیر ڈالیں۔ اور درختوں پر سولیاں دلوائیں۔ اور عراق سے جلا وطن کیا۔ یہاں تک کہ کوئی مشہور و معروف شخص ان میں سے باقی نہ رہا۔“

اس صورت کے بعد ناممکن تھا کہ کوفہ کے اندر شیعہ جماعت کے لیے کوئی نمایاں حیثیت باقی رہتی بلکہ مارے جانے، سولی پانے اور جلا وطن ہونے کے بعد جو بچے کچھ اشخاص موجود بھی تھے وہ گوشوں کے اندر اور پردوں کے نیچے زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے اور شیعیت کا نام بھی زبان پر لانا اپنے استحقاق قتل کی دستاویز خیال کرتے تھے۔

مثل مشہور ہے ظالم کی رسی دراز ہوا کرتی ہے۔ ”یہ صورت حال دو ایک ماہ، دو ایک سال نہیں بلکہ پورے تیس سال تک قائم رہی۔“ بچے جوان، جوان بوڑھے اور بوڑھے فنا ہو گئے۔ شیعیت ایک مخصوص با معرفت اور صاحب ایمان جماعت میں مخفی حیثیت سے پرورش پا رہی تھی۔ اور وہ جماعت کوفہ کے اتنے بڑے شہر میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ رؤسائے عشائر اور شیوخ قبائل، ذمہ دارو با اعتبار اشخاص سب حکومت و وقت کے ساختہ و پرداختہ اور اس کی خیر خواہی و وفاداری کی قسم کھائے ہوئے شاہی مذہب کے حلقہٴ بگوش و عقیدت کیش تھے۔ ان حالات میں یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ تیس ہزار کاشکر جزار (فوج مخالف کی یہ کم از کم تعداد ہے جو ابابہ سیر و توارخ نے لکھی ہے) شیعہ کوفہ سے تیار کیا جائے؟ حاشا و کلا۔

### حضرت مسلمؑ کے ہاتھ پر اٹھارہ ہزار کوفیوں کے بیعت کرنے کے اسباب

یہ جو مشہور ہے کہ ایک ہفتہ کے اندر اندر اہل کوفہ کے اٹھارہ اور بروایت تیس ہزار افراد نے جناب مسلمؑ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ تو یہ سب لوگ ہرگز شیعہ نہ تھے۔ عام خلقت بقول شخصے بھیڑ دھیان ہوتی ہے۔ جدھر ایک چلا ادھر سب۔

ع ”ہر کسے سکھ زند خطبہ بنامش خوانند“ کے مطابق ہوا کے رخ پراڑنے والی اور زمانہ کے غیر معمولی حوادث سے سرعت کے ساتھ رنگ بدلنے والی ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک ایسا اچانک امر جس میں جوش انگیزی کی طاقت ہو۔ وہ انقلاب پیدا کر سکتا ہے جو برسوں کی دعوت و تبلیغ پیدا نہیں کر سکتی۔ یزید کی خلافت سے



بسبب اس کی سیکاریوں کے بیزاری ایک طرف۔ حسین بن علیؑ کی ہر وعزیزی۔ دوسری جانب وہ لوگ جو مسلم بن عقیل کی تحریک کے مبلغ و داعی تھے۔ ان کی ذاتی وجاہت و تعلقات تیسری طرف اور ﴿كُلُّ جَدِيدٍ لَدِيدٌ﴾ کے طبعی قانون کے مطابق ہر تازہ تحریک میں جولدت یا جذب ہوتا ہے۔ وہ چوتھی طرف ان تمام باتوں کا مل کر یہ نتیجہ تھا کہ حضرت مسلم کے ہاتھ پر ایک ہفتہ کے اندر اٹھارہ ہزار کوفیوں نے بیعت کی لیکن کیا یہ سب شیعہ تھے؟ کیا کوفہ میں زیادہ آل زیاد کی بیس سال حکومت کے بعد جس میں کھنچی ہوئی تلواریں۔ اور جلادوں کے ہاتھ برابر اپنی سفاکی میں مشغول رہے۔ اور دست و پا اور سر و زبان کا قطع و برید کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ کوفہ میں اٹھارہ بیس ہزار کی تعداد میں شیعہ ہو سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ اور جب نہیں! تو کیا مذکورہ بالا سطحی عارضی اسباب سے جو رائے عام ہموار ہوئی ہو اس میں کوئی وزن یا ثبات و استقرار ہو سکتا ہے؟ اسی امر کا نتیجہ تھا جو بعد میں ظاہر ہوا۔

آٹھواں شاہد: تاریخی حقائق کا گہری نگاہ سے مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں جو لوگ شیعہ بن علیؑ کہلاتے تھے ان کی اکثریت حقیقی معنوں میں شیعہ نہ تھی بلکہ وہ حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ تسلیم کرتی تھی۔ ہاں صرف معاویہ کے مقابلہ میں محض حضرت علیؑ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے شیعہ علیؑ کہلاتی تھی۔ چنانچہ بعض آثار و اخبار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ ایک بار حضرت امیر المومنینؑ نے جب ان لوگوں کو نماز تراویح پڑھنے سے روکا تو انہوں نے ”-----! ہائے عمر! آج تیری قائم کردہ سنت تبدیل کی جا رہی ہے“ کا شور و شغب بلند کیا جس کی بنا پر آپ کو اپنا حکم واپس لینا پڑا۔<sup>۱</sup> اور ایسے لوگ بھی زیادہ کی حکومت کی وجہ سے اب زیادہ تعداد میں موجود نہیں تھے۔ مذکورہ بالا مسلم الثبوت تاریخی نصوص و شواہد سے اس دعویٰ کا بطلان اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ ”قاتلان حسینؑ شیعہ تھے۔ اور یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ وہ نابکار دراصل مسلمان ہی تھے۔“ ہاں البتہ ظاہری اعتبار سے سنی المذہب، عثمانی المملک، عمری المملک اور یزیدی المشرک مسلمان تھے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان خطوط کے لکھنے والوں میں سے جو جماعت شیعہ کے نام سے لکھے گئے ہیں۔

ایک شخص کی بھی موجودگی واقعہ کر بلا میں امام حسینؑ کے مقابلہ میں پائی نہیں جاتی بلکہ ان میں سے جناب حبیب بن مظاہرؓ نے کر بلا میں امام حسینؑ کے قدموں پر جانثاری کے ساتھ دم توڑ کر ہمیشہ کے لیے سرخروئی حاصل کی۔ اور ان اشخاص میں سے جو خطوط لے جانے والے تھے۔ سعید بن عبد اللہ حنفی نے اس طرح جانثار کی جس کی نظیر کسی شہید کے یہاں نظر نہیں آتی۔ اور عبد الرحمن بن عبد اللہ بن کدن ارجبی روز عاشوراء امام سے اجازت لے کر میدان



قتال میں آئے اور یہ رجز پڑھا: ﴿صبراً علی الاسیاف و الاسنة صبراً علیہا لدخول الجنة﴾ پھر جنگ کی، یہاں تک کہ شہید ہوئے اور قیس بن مسہر صیداوی نے اپنی زندگی کے آخری نفس تک جس ثبات و استقلال کے ساتھ اپنے فرض کو ادا کیا۔ اس کا تذکرہ صفحات تاریخ پر زریں حروف میں ثبت رہے گا۔<sup>۱</sup> بہر حال ان خطوط کے لکھنے والے شیعہ تھے اور ان کی برأت قتل حضرت سید الشہداء سے یقینی طور پر ثابت ہے۔ علاوہ بریں شہداء کربلا کی اکثریت کا تعلق اہل کوفہ سے ہے جس کی تفصیل بعد میں بیان ہوگی انشاء اللہ۔ برخلاف اس کے آخری خط جس پر سات آدمیوں کے دستخط تھے (جس پر سولہویں باب میں تبصرہ کیا جا چکا ہے) ان میں سے پانچ شخص ثبت بن ربیع، حجار بن ابجر، عزہ بن قیس، عمرو بن الحجاج اور یزید بن الحارث مسلماً واقعہ کربلا میں موجود اور قتل امام میں شریک تھے۔ یہ وہی اشخاص ہیں جن کے متعلق سابقہ باب میں وضاحت سے لکھا جا چکا ہے کہ نہ انہوں نے اپنے تئیں شیعہ لکھا اور نہ واقعات کی بنا پر ان کا شیعہ جماعت سے کوئی تعلق معلوم ہوتا ہے۔

### شیعیان کوفہ کی نصرت و امداد امام میں تقصیر و کوتاہی کے علل و اسباب

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اچھا مان لیا کہ شیعیان کوفہ نے قتل امام میں شمولیت نہیں کی مگر انہوں نے اس طرح نصرت امام کا فریضہ بھی تو انجام نہیں دیا جس کا انہوں نے اپنے خطوط میں وعدہ کیا تھا۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ اوراق تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے اس بات کے متعدد علل و اسباب نظر آتے ہیں۔

**پہلا سبب:** کوفہ کی جماعت شیعہ جو امام حسین کی ہمدرد ہو سکتی تھی۔ اس کی ایک کثیر تعداد پابہ زنجیر کر لی گئی تھی۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ یزید نے ابن زیاد کو لکھا: ﴿انہ بلغنی ان الحسین بن علی قد توجه نحو العراق فضع المناظر و المسالحو و احترس علی الظن و اخذ علی التهمة﴾ مجھ کو یہ خبر معلوم ہوئی ہے کہ حسین بن علی عراق کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں۔ تم ہوشیاری کے ساتھ جاسوس مقرر کرو۔ اور لنگر بناؤ اور جس سے خطرہ کا وہم و گمان بھی ہو تو اس سے تحفظ کرو اور بدگمانی جس پر ہوا سے فوراً گرفتار کر لو۔<sup>۲</sup> بس اب کیا تھا قید خانے قیدیوں سے چھلکنے لگے۔ اس کا اندازہ ابن زیاد کے اس فقرہ سے ہوتا ہے جو اس نے ایک موقع پر کہا تھا: ﴿وما ترکک لکم ذا ظنہ اخافہ علیکم الا و هو فی سجنکم﴾ کوئی ایسا شخص نہیں جس پر مجھے گمان بھی ہو سکتا تھا کہ وہ حکومت کی مخالفت کرے گا مگر یہ کہ وہ قید خانہ کے اندر ہے۔<sup>۳</sup> انہی قیدیوں میں سے ایک مختار بن عبید اللہ ثقفی بھی تھا۔

۱ طبری، ج ۶، ص ۲۲۴۔

۲ البصار لعین، ص ۷۸۔

۳ طبری، ج ۷، ص ۱۸۔

طبری، ج ۶، ص ۲۱۵۔



دوسرا سبب :- حدود کی ناکہ بندی کر دی گئی۔ اور راستوں کے انسداد نے کوفہ کے رہے سبے اشخاص کے لیے جن میں جذبہ نصرت حسین ہو سکتا تھا۔ حضرت تک پہنچنے کو دشوار سے دشوار تر بنا دیا تھا۔<sup>۱</sup> اور اگر وہ آنے کا قصد کرتے بھی تو یقیناً ٹخیلہ میں کہ جو بالکل کوفہ کے ٹکڑ پر کر بلا کے راستے میں تھا، گرفتار کر لیے جاتے۔ یا آگے بڑھ کر قادسیہ وغیرہ کی منزل پر دست گیر ہو جاتے۔ چنانچہ قیس بن مسہر صیداوی اور عبد اللہ بن یقطر جو امام حسین کے فرستادہ اہل کوفہ کے نام خط لے جا رہے تھے وہ اسی قادسیہ میں پہنچ کر حصین بن تمیم کے ہاتھوں گرفتار ہوئے جو کئی ہزار سواروں کے ساتھ وہاں مقرر تھا۔<sup>۲</sup>

تیسرا سبب :- ابن زیاد کی طرف سے یہ اہتمام تھا کہ کوئی جنگ آزما شخص کوفہ میں ایسا نہ رہ جائے جو حسین کی جنگ کے لیے نہ نکلے۔ اس طرح ان افراد کے لیے جو حسین کے مقابلہ سے نفرت کرتے تھے اس جرم سے حفاظت بھی تلف جان و مال کی ضامن بن گئی تھی۔ چنانچہ کوئی شخص واپس لوٹنا چاہتا تو اسے گرفتار کر لیا جاتا۔ اس کام پر سوید بن عبد الرحمن منقری کچھ سواروں کے ساتھ مقرر تھا۔ چنانچہ سوید نے ایک شخص کو اہل شام میں سے جو کوفہ کسی اپنے ذاتی معاملہ کے لیے آیا تھا گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیجا اور اس نے ہیبت قائم کرنے کے لیے اس کو قتل کرا<sup>۳</sup> دیا۔

چوتھا سبب :- مخفی نہ رہے کہ یہی وہ اسباب تھے جن کی بنا پر شیعیاں کوفہ حضرت مسلم کی بھی مدد و نصرت نہ کر سکے۔ ان کے علاوہ یہاں ایک اور چوتھا سبب یہ بھی تھا کہ حضرت مسلم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ قیام کا جو پروگرام مرتب کیا تھا وہ جناب ہانی بن عروہ کے ناگہانی گرفتار بلا ہو جانے کی وجہ سے درہم برہم ہو گیا۔ چنانچہ مؤرخ طبری نے تصریح کی ہے کہ ﴿لَمْ يَكُنْ خُرُوجُهُ يَوْمَ خُرُجِ عَلِيِّ مِيعَادٍ مِنْ أَصْحَابِهِ انْما خَرَجَ حِينَ قِيلَ لَهُ انْ هَانِي بَنِ عَرُوهَ الْمَرَادِي قَدْ ضَرَبَ وَ حَبَسَ﴾ مسلم کا جنگ کے لیے نکلنا اپنے ساتھیوں کی اطلاع کے بغیر تھا۔ اور کوئی قرارداد اس دن کے متعلق نہ ہوئی تھی۔ وہ تو ایک مرتبہ اس وقت کھڑے ہو گئے جب ان کو معلوم ہوا کہ ہانی بن عروہ مرادی کو زور و کوب کرنے کے بعد قید کر دیا گیا ہے۔<sup>۴</sup> واقعہ کی ناگہانی حیثیت کو دیکھتے ہوئے یہ کیوں کر توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ بیعت کرنے والے ایک دم جمع ہو جاتے؟

بہر حال باوجود ان دشواریوں کے، ان ہمت شکن مشکلات کے اور ان طاقت ربا مصائب کے وہ افراد شیعہ جو حسینی دعوت کے بانی و مبلغ تھے۔ اور اس تحریک کے داعی و مروج تھے (الا من شدّ) وہ کسی نہ کسی طرح حسین بن علی تک پہنچ گئے اور اپنی جانیں ان کے قدموں پر نثار کر دیں۔ عابس بن شیب شاکری، حبیب بن مظاہر اسدی، سعید بن

۲ طبری، ج ۶، ص ۲۲۳۔

۳ طبری، ج ۷، ص ۵۸۔

۱ طبری، ج ۶، ص ۲۲۳۔

۲ الاخبار الطوال، ص ۲۵۲۔



عبداللہ حنفی، ابو ثمامہ صیداوی، بریر بن خضیر ہمدانی، اور نافع بن ہلال جملی وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کے حالات بعد ازیں انصار حسینیؑ کے ضمن میں بیان ہوں گے انشاء اللہ۔ انہوں نے نہایت ثبات قدم کے ساتھ آخری نفس تک امام کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اور آخر ان کی لاشیں حسینؑ کے قدموں پر خاک و خون میں تڑپتی ہوئی نظر آئیں۔“

ع بنا کردند خوش رے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

باوجود ان اعذار و موانع اور مشکلات کے ہم اس امر کے ماننے کے لیے تیار ہیں کہ اکثر لوگوں نے نصرت جناب مسلمؑ اور نصرت امامؑ سے پہلو تہی ضرور کی۔ اور اپنی جانیں نثار کرنے میں کوتاہی کی۔ اور اس جرم کے وہ خود بھی معترف تھے۔ (جو بعد میں جماعت تو ابین کی شکل میں ظاہر ہوئے) لیکن ان کا یہ جرم اس جرم سے سنگین تر نہیں کہ رسولؐ کو میدان جنگ میں دشمنوں کے زرعہ میں تنہا چھوڑ کر اپنی جان کی حفاظت کے لیے فرار کریں۔ اور حضرت عثمانؓ کو دار الخلافہ اور مرکزی حکومت مدینہ منورہ کے اندر مصر سے آئی ہوئی فوجوں کے حلقہ میں قصر کے اندر محصور چھوڑ کر تماشہ دیکھتے رہیں۔ اور ان کے قتل ہو جانے کے بعد تین دن بعد تک ان کی لاش دفن کرنے کی بھی جرأت نہ کریں۔ یاد رہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ میں سے جنگ احد میں دس آدمی ہی نہ رہے تھے۔ اور جنگ حنین میں بارہ سے زیادہ لڑائی میں نہ ٹھہرے تھے۔ اور یوم الدار حضرت عثمانؓ کی مدد کے لیے ان کی ماننے والی جماعت میں سے بیس آدمی بھی جان نثار دکھائی نہ دیتے تھے۔ لیکن فرزند رسول حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ جماعت شیعہ میں سے عزیز واقارب کو چھوڑ کر کم از کم چون (۵۴) جانیں قربان کرنے والے آدمی نکل آئے تھے۔ کیا اس کے بعد بھی غیرت کا تقاضا ہے کہ جماعت شیعہ کو حسینؑ کی نصرت میں کوتاہی کا طعنہ دیا جائے یا اس سے بڑھ کر قتل حسینؑ کا بے بنیاد الزام لگایا جائے۔“

### جب امام عالی مقام کو اہل کوفہ کی وفاداری پر یقین نہ تھا تو پھر ان کی دعوت قبول کیوں فرمائی؟

طول کلام کی وجہ سے ہمیں قارئین کرام کے ملال و تکلف طبع کا پورا پورا احساس ہے مگر اس مطلب کی اہمیت کے پیش نظر عنان بیان کو قدرے ڈھیلا چھوڑنا پڑا۔ جس کے لیے ہم معزز قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ اب ذیل میں ایک دوسرے وضاحت طلب امر پر بھی مختصر سا تبصرہ کیا جاتا ہے۔ کہنے والے کہتے رہتے ہیں کہ جب اہل کوفہ کے متعلق امام حسینؑ کو علم تھا کہ انہوں نے ان کے والد ماجد اور برادر معظم کے ساتھ وفانہ کی تو پھر انہوں نے ان پر اعتماد کیوں کیا؟ خصوصاً جبکہ آپؑ کے بعض خیر خواہوں نے بھی آپؑ کو کوفہ جانے سے روکا تھا؟ اگرچہ مذکورہ بالا حقائق پر غائرانہ نگاہ ڈالنے سے اس سوال کا جواب معلوم ہو جاتا ہے۔ تاہم ذیل میں اس کی کسی قدر وضاحت کی جاتی ہے۔



صورت حال یہ ہے کہ آپ یزید سے بیعت جیسا کہ اب تک نہیں کی۔ آئندہ بھی کرنا نہیں چاہتے۔ مدینہ میں قیام یزید کے اس تہدید کی حکم کی بنا پر آپ سے بیعت لی جائے یا قتل کر دیے جائیں۔ ناممکن ہے۔ مکہ معظمہ میں قیام وقتی حیثیت سے امن کا ذریعہ سہی لیکن تاکہ! جبکہ یزید کے اخلاق و عادات اور احکام مذہبی کے مقابلہ میں خود سری سے یہ توقع بعید تھی کہ وہ مکہ معظمہ کے مذہبی احترام کا لحاظ کرے گا بلکہ یہ خطرہ بہت قریب تھا کہ مکہ میں آپ کا قیام اس کا باعث ہوگا کہ وہیں مکہ میں آپ کے خلاف فوج کشی ہو اور مکہ میں نہ کوئی فوجی طاقت ایسی ہے جو آپ کی حفاظت کر سکے۔ اور نہ آپ مکہ میں قیام کر کے حرم خدا کے اندر خونریزی ہونے کے خود باعث بننا چاہتے ہیں۔

اس کے علاوہ باوجودیکہ رسول کے نواسے کی مہاجرت مدینہ سے مشہور ہو چکی ہے مگر طائف ہو یا یمن، بصرہ ہو یا یمامہ کہیں سے کوئی آواز ایسی بلند نہیں ہوتی کہ ہم آپ کی مدد کے لیے حاضر ہیں۔ اور آپ کی حفاظت کے لیے آمادہ ایسے سخت اور نازک موقع پر عرب کے آباد ترین مقام خطہ ملک (عراق) اور اس کے بھی اہم مرکز (کوفہ) سے یہ تحریک ہوتی ہے کہ آپ یہاں تشریف لائیں۔ ہم آپ کی حفاظت و حمایت کے لیے ہر طرح تیار ہیں۔ اور صرف معمولی سی تحریک نہیں بلکہ پچپن عرضداشتیں اور دو خورجین بھر کے خطوط اور سات قاصد یکے بعد دیگرے روانہ کئے جاتے ہیں اور لکھنے والوں میں بہت سے ایسے اشخاص بھی ہیں جن کی محبت پر آپ کو پورا بھروسہ ہے۔ جیسے حبیب بن مظاہر، سلیمان بن صرد، رفاعہ بن شداد وغیرہ۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ امام حسین کو کیا کرنا چاہئے تھا؟ کیا آپ کے لیے مناسب تھا کہ اس دعوت کو مسترد کر دیتے؟

حقیقت یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں قیام کی صورت میں بھی حضرت کا شہید ہونا یقینی تھا یعنی جیسے عبد اللہ بن زبیر پر اسی مکہ میں فوج کشی ہوئی اور وہیں قتل کئے گئے۔ اسی طرح آپ پر بھی فوج کشی ہوتی۔ اور یہیں محصور ہو کر آپ کو شہید ہونا پڑتا۔ اس صورت میں جبکہ اہل کوفہ کی جانب سے اتنے اصرار و تاکید کے ساتھ آپ کو دعوت دی جا رہی تھی۔ اور آپ کی نصرت کا وعدہ کیا جا رہا تھا۔ آپ اس دعوت کو ٹھکرا کر مکہ میں قیام کرتے اور شہید کئے جاتے تو یہی لوگ جو آپ پر اب اعتراض کرتے ہیں کہ آپ کوفہ کیوں گئے؟ یہی یہ کہنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے کہ کون سی عقل مندی تھی کہ ایک اتنے بڑے خطہ کی دعوت و وعدہ نصرت کو رد کر دیا جہاں کے لوگ آپ کے والد بزرگوار کی بھی نصرت کر چکے تھے۔ اور خود آپ کی بھی محبت کا دم بھرتے تھے۔ اس وقت بجان و دل آپ کی حمایت کا وعدہ کر رہے تھے اور سینکڑوں عرضداشتیں بھیج کر آپ سے قیادت و ہدایت کے طالب تھے۔ ایسے نادر موقع کو ہاتھ سے دے کر مکہ میں قیام رکھا جہاں کی زمین بے آب و گیاہ، جہاں کے رہنے والے پست حوصلہ و بے امنگ اور جہاں کی فضا بے مہر و وفاء، یہاں تک کہ قتل بھی ہوئے اور مکہ معظمہ کی حرمت کو بھی برباد کرایا۔ ان صورتوں میں ظاہر ہے کہ عقل و تدبیر کا اقتضا یہی



تھا کہ ان بلانے والوں کی آواز پر لبیک کہی جائے۔ ان کی نصرت کے وعدوں کو آزمایا جائے اور اگر وہ سچے نہ بھی ثابت ہوں تب بھی ان پر اتمام حجت کیا جائے۔

بے شک تھے ایسے لوگ جو آپ کو عراق جانے سے منع کرتے تھے۔ اور ان کا خیال تھا کہ عراق والوں کے عمل کا کوئی اعتبار نہیں مگر وہ اس پہلو کو نظر انداز کئے ہوئے تھے کہ مکہ معظمہ میں آپ کا قیام آپ کو قتل سے بچا نہ سکتا تھا۔ بلکہ حقیقتہً اگر موازنہ کیا جاتا تو موجودہ حالات کے لحاظ سے مکہ میں قیام کی صورت میں آپ کا قتل کیا جانا یقینی اور کوفہ کی طرف روانگی کی صورت میں مشکوک تھا۔ اس لیے کہ ظاہری اسباب و علل کے ماتحت اہل کوفہ کے مواعید غلط ہونے کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ بلکہ یہ خیال صرف ان کے ذاتی افتاد طبع کے متعلق ایک غیر متیقن حکم بلکہ بدگمانی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس صورت میں اگر آپ مکہ میں شہید ہو جاتے تو دنیا کے اندر آپ کی شہادت سے ہمدردی کا جذبہ پیدا نہ ہوتا لیکن اب جبکہ اہل کوفہ کی ان تمام خواہشوں پر لبیک کہتے ہوئے نوع انسانی کے اتنے افراد کی درخواستوں کو منظور کرتے ہوئے روانہ ہو رہے ہیں۔ تو اب اگر آپ شہید بھی ہو گئے تو ایک بڑے انسانی فرض کو ادا کرتے ہوئے اور اخلاق و مروت کی ایک اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے اور کوفہ کے لوگوں پر حجت بھی تمام کرتے ہوئے اور حفاظت خود اختیاری کے اصول پر تاحۃ امکان عمل کرتے ہوئے اور پھر اپنے کو مکہ سے علیحدہ کر کے مکہ کے احترام کو بھی پورے طور سے محفوظ کرتے ہوئے۔

SIBTAIN.COM

اسی طرح امام نے ان لوگوں کے جواب میں جو آپ کو عراق جانے سے منع کرتے تھے جیسے عبداللہ بن عباس وغیرہ کبھی یہ نہیں فرمایا کہ مجھے عراق کے لوگوں پر اطمینان ہے اور اگر میں وہاں جاؤں گا تو ضرور وہ میری نصرت کریں گے۔ ہرگز نہیں بلکہ آپ نے زیادہ تر عراق کے متعلق ان کی بے اطمینانی اور عدم اعتماد کے بارے میں اپنی رائے کو محفوظ رکھتے ہوئے اپنے ارادہ پر مبہم و مجمل طور سے قائم رہنے کا اظہار فرمایا۔ جیسا کہ ابن عباس سے گفتگو کے موقع پر<sup>۱</sup> اور کبھی صاف کہہ دیا کہ میں یہاں رہوں گا۔ تو بھی قتل ہوں گا۔ اور خانہ کعبہ کا احترام میرے سبب سے زائل ہوگا جیسا کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن زبیر سے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ یہاں ایک شخص مینڈھے کی طرح ذبح ہوگا۔ جس سے یہاں کی حرمت زائل ہوگی۔ میں وہ مینڈھا ہرگز نہیں بننا چاہتا۔<sup>۲</sup> دوسرے موقع پر جب ابن زبیر نے آپ سے چپکے چپکے کان میں کچھ کہا۔ تو ابن زبیر کے جانے کے بعد آپ نے اپنے کچھ مخصوصین سے فرمایا: جانتے ہو ابن زبیر نے کیا کہا؟ ابن زبیر نے کہا کہ آپ مکہ میں قیام فرمائیے۔ اور باہر نہ جائیے! اس کے بعد آپ نے فرمایا: ”خدا



کی قسم میں ایک بالشت بھر مکہ کے حدود سے باہر قتل کیا جاؤں۔ مجھے زیادہ پسند ہے۔ اس سے کہ ایک بالشت بھر مکہ کے حدود کے اندر مارا جاؤں۔ اور قسم خدا کی اگر میں کسی جانور کے سوراخ میں جا کر رہوں۔ تب بھی یہ لوگ مجھ کو وہاں سے باہر لے آئیں گے۔ یہاں تک کہ جیسا چاہتے ہیں میرے ساتھ سلوک کریں۔ خدا کی قسم مجھ پر یہ لوگ تعدی کریں گے جیسے یہود نے روزِ شنبہ کے بارے میں ظلم و تعدی سے کام لیا۔<sup>۱</sup>

ان حالات میں ظاہری اسباب کی بنا پر آپؐ کے لیے کوفہ کی طرف تشریف لے جانا ناگزیر تھا۔ اور آپؐ کے لیے اہل کوفہ کی درخواست کو مسترد کرنا مناسب نہ تھا۔ پھر بھی آپؐ نے بحسب ظاہر اسباب احتیاطی تدبیر یہ اختیار فرمائی کہ اپنے چچا زاد بھائی جناب مسلم بن عقیلؓ کو جو مدینہ سے آپؐ کے ساتھ آئے تھے۔ اپنا نمائندہ بنا کر حالات کا مشاہدہ کرنے کے لیے کوفہ جانے پر مامور فرمایا۔<sup>۲</sup>

فكشفتنا عنك غطائك فبصرک اليوم حدید

SIBTAIN.COM

۱۔ طبری، ج ۶، ص ۲۱۷۔

۲۔ طبری، ج ۶، ص ۱۹۳۔ الاخبار الطوال، ص ۲۳۲۔

۳۔ شہید انسانیت، از صفحہ ۲۵۳ تا صفحہ ۲۵۷۔



## حضرت مسلم بن عقیل کی بجانب کوفہ روانگی اور شہادت

حضرت امام حسینؑ نے اہل کوفہ کے آخری دو قاصدوں ہائی اور سعید کے ہاتھ ان کے خطوط کا وہ جواب باصواب دے کر جو اسی کتاب کے سولہویں باب میں درج کیا جا چکا ہے۔ روانہ کر دیا۔ اس جواب کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ آپؑ نے جناب مسلم کو حرب و ضرب اور تسخیر کوفہ کے لیے روانہ نہیں فرمایا بلکہ صرف وہاں کے لوگوں کے صحیح صحیح حالات و خیالات کا جائزہ لینے اور پھر صورت حال کی آنجناب کو اطلاع دینے کے لیے بھیجا ہے۔ بہر حال ان کو روانہ کرنے کے بعد نیمہ ماہ رمضان المبارک ۶۰ھ کو قیس بن مسہر صیداوی اور عمارہ بن عبد اللہ سلولی اور عبد الرحمن ازدی کے ہمراہ (جو کہ اہل کوفہ کے نامہ بر تھے) جناب مسلم بن عقیلؑ کو بھی روانہ کر دیا۔ اسی مذکورہ بالا خط میں آنجناب نے جناب مسلم کے متعلق جو الفاظ تحریر فرمائے ہیں کہ ﴿انسی باعث الیکم اخی و ابن عمی و ثقتی من اہل بیتی﴾ ان سے جناب مسلم کی شخصی عظمت و جلالت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ جناب سید الشہداءؑ نے جناب مسلم کو تقویٰ اختیار کئے رکھنے اور اپنے مشن کو مخفی رکھنے اور حالات سازگار ہوں تو اس کی جلدی اطلاع دینے کا حکم دے کر روانہ فرمایا۔ جناب مسلمؑ آپؑ سے رخصت ہو کر ان حضرات کی ہمراہی میں مدینہ رسولؐ پہنچے۔ مسجد نبویؐ میں نماز کی چند رکعتیں پڑھیں۔ پھر اپنے بعض اعزا و اقارب سے الوداع کیا۔ قبیلہ قیس کے دو راستہ شناس آدمی (اجرت پر) ساتھ لئے۔ اور کوفہ کی طرف چھ آدمیوں کا یہ مختصر سا قافلہ روانہ ہو گیا۔ تھوڑا راستہ ہی طے کیا تھا کہ سوئے اتفاق سے خود راہبر راہ گم کر بیٹھے اور ریگستان عرب کا چکر لگانے لگے۔ اور بالآخر ایک ایسی جگہ پہنچ کر جہاں سے صحیح راستہ کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے حضرت مسلم کو ہاتھوں سے اشارہ کر کے راستہ کی نشاندہی کی اور اس کے بعد شدت پیاس سے نڈھال ہو کر گر پڑے۔ اور جان بحق ہو گئے (قرآن حالیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب مسلمؑ اور ان کے ساتھی بھی صعوبت سفر اور شدت پیاس سے کچھ اس طرح نڈھال ہو چکے تھے کہ وہ ان مرنے والوں کی کوئی دیکھ بھال اور امداد نہ کر سکے) جناب مسلمؑ (اور ان کے دیگر ہمراہیوں نے) بمشکل تمام اپنے آپ کو وادی خبیت کے ایک آباد چشمہ معروف بہ مضیق تک پہنچایا۔ وہاں پہنچ کر قیام فرمایا۔ اور قیس بن مسہر صیداوی کے ہاتھ حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کیا جس میں اپنی تکلیف سفر، شدت پیاس سے بلک بلک کر ہمراہیوں کے مرجانے اور اپنے آپ کو بمشکل تمام مضیق کے مقام تک پہنچانے کے واقعات لکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے ناخوشگوار تاثرات قلمبند



سر کے آگے بڑھنے کے متعلق تردد کا اظہار بھی کیا۔ لیکن جب ادھر سے امام عالی مقام کا کوفہ جانے کے متعلق تاکید کی حکم نامہ پہنچ گیا۔ تو اس نے جناب مسلم کو آگے روانہ ہونے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ جناب روانہ ہو گئے، چلتے چلتے بنی طئے کے ایک چشمہ کے پاس پہنچے۔ وہاں کچھ دیر قیام فرمایا۔ پھر آگے بڑھے، دیکھا کہ ایک شخص شکار کھیلنے میں مشغول ہے۔ جناب نے دیکھا کہ اس شخص نے ہرن کو تیر مارا ہے۔ جس نے اسے نڈھال کر دیا۔ یہاں تک کہ صیاد نے اسے پکڑ لیا۔ جناب مسلم نے (فال نیک لیتے ہوئے فرمایا) ہم بھی اسی طرح اپنے دشمنوں پر ظفر یاب ہوں گے انشاء اللہ۔ اسی طرح منازل سفر طے کرتے ہوئے پانچ شوال<sup>۱</sup> کو کوفہ میں وارد ہوئے۔ اور مختار بن عبید اللہ ثقفی کے گھر میں رحل اقامت ڈالا۔<sup>۲</sup> قرآن و شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً سلیمان بن صرد خزاعی کوفہ میں موجود نہیں تھے ورنہ ضرور جناب مسلم انہی کے گھر میں قیام فرماتے کیونکہ وہ علاوہ ایک مقتدر اور صاحب حیثیت ہونے کے اس تحریک کے قالب کی جان اور روح رواں بھی تھے۔ مختار کے گھر جناب مسلم کے قیام کرنے سے مختار کے حسن حال پر کافی حد تک روشنی پڑتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر مختار محبت اہل بیت اور قابل اعتماد نہ ہوتے تو جناب مسلم ہرگز ان کے گھر قیام نہ فرماتے اور نہ ہی مؤمنین کوفہ اس پر رضا مند ہوتے۔ کما لا یخفی۔ ہاں مروج<sup>۳</sup> الذہب کے بیان سے مستفاد ہوتا ہے کہ جناب نے عوسجہ (غالباً مسلم بن عوسجہ مراد ہے) کے گھر میں قیام کیا۔ مگر مشہور یہی ہے جو ہم نے اوپر لکھ دیا ہے۔

جناب مسلم کے کوفہ پہنچنے کی خبر تمام شہر میں جنگل کی آگ کی طرح آنا فانا پھیل گئی۔ اور لوگ جوق در جوق جناب کی ملاقات و زیارت کے لیے حاضر خدمت ہونے لگے۔ جب کافی لوگ جمع ہو گئے تو جناب مسلم نے حضرت سید الشہداء کا مکتوب گرامی جو اہل کوفہ کے نام تھا۔ پڑھ کر سنایا۔ لوگوں نے بڑا اچھا اثر لیا۔ اور بعض لوگ تو شدت تاثرات سے رونے لگے۔ اور اسی جوش و خروش کے عالم میں بعض حضرات نے اپنے قلبی تاثرات کا اظہار بھی کیا۔ چنانچہ عابس بن شعیب شاکری نے حمد و ثنائے خدا کے بعد کہا: **اے اے بعد فانی لا اخبرک عن الناس ولا اعلم ما فی انفسہم وما اغرک منهم و اللہ احدک عما انا موطن نفسی علیہ و اللہ لا جینبکم اذا دعوتکم ولا قاتلن معکم عدوکم ولا ضربنی بسیفی دونکم حتی القی اللہ تعالیٰ لا ارید بذلک الا ما عند اللہ**۔ ”میں دوسرے لوگوں کے متعلق آپ سے کچھ نہیں کہتا۔ اور نہ ہی مجھے یہ معلوم ہے کہ ان کے دلوں

۱۔ مروج الذہب، ج ۳، ص ۴۔

۲۔ ارشاد، ص ۲۱۷۔ نفس المہموم، ص ۴۳۔ کامل، ج ۳، ص ۲۶۷۔ عاشر بحار، ص ۶۷۱ وغیرہ۔

۳۔ مروج الذہب، ج ۳، ص ۴، مصر۔



میں کیا ہے اور ان کے بارے میں (کوئی غلط بات کہہ کر) آپ کو دھوکہ نہیں دینا چاہتا۔ میں تو آپ کو صرف وہ بات بتاتا ہوں جس کا میں نے پکا ارادہ کر رکھا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خدا کی قسم آپ جب بھی مجھے بلائیں گے تو میں لبیک کہتا ہوا حاضر ہو جاؤں گا اور آپ کے دشمنوں سے لڑوں گا یہاں تک آپ کے ہمراہ شمشیر زنی کرتا ہوا بارگاہ خدا میں پہنچ جاؤں۔ اور اس سے میرا مقصد صرف خوشنودی خدا حاصل کرنا ہے۔“ اس کے بعد جناب حبیب ابن مظاہر نے کھڑے ہو کر عابس کو داد دیتے ہوئے کہا: ﴿رحمک اللہ قد قضیت ما فی نفسک بواجز من قولک ثم قال انا واللہ الذی لا الہ الا هو علی مثل ما هذا علیہ﴾ خدا تم پر رحم کرے تم نے بہت مختصر اور عمدہ الفاظ میں اپنے مافی الضمیر کو ادا کیا ہے۔ پھر فرمایا: اس خدا کی قسم جس کے بغیر کوئی معبود برحق نہیں کہ میرا بھی یہی نظریہ ہے جو اس (عابس) کا ہے۔ اس کے بعد عبد اللہ بن سعید حنفی نے بھی (ایسے ہی پاکیزہ خیالات کا اظہار کیا۔<sup>۱</sup> اس کے بعد بیعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ چند دنوں میں بنابر مشہور اٹھارہ ہزار اور بروایت مناقب شہر ابن آشوب پچیس ہزار کو فیوں نے جناب مسلم کے ہاتھ پر حضرت امام حسینؑ کے لیے بیعت کی۔<sup>۲</sup> چنانچہ جناب مسلمؑ نے اٹھارہ ہزار آدمیوں کے بیعت کرنے اور حالات اور فضا کے سازگار ہونے کی کیفیت لکھ کر حضرت سید الشہداءؑ سے جلدی تشریف لانے کی استدعا پر مشتمل ایک خط ان کو مکہ روانہ کیا۔ جس کا مضمون تھا: ﴿اما بعد فان الرائد لا یکذب اہلہ و ان جمیع اہل الکوفۃ معک و قد بایعنی منهم ثمانیۃ عشر الفا فعجل الاقبال حین تقرأ کتابی و السلام علیک و رحمۃ اللہ و برکاتہ﴾ ”حمد و ثنائے خدا کے بعد کبھی پیشرو اپنے اہل و عیال سے جھوٹ نہیں بولتا۔ تمام اہل کوفہ آپ کے ساتھ ہیں۔ اٹھارہ ہزار نفوس نے میری بیعت کر لی ہے۔ میرا مکتوب پڑھتے ہی آپ جلد تشریف لے آئیں والسلام علیک و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔“ اور یہ خط جناب مسلمؑ نے عابس بن ابی شیبہ شاکری اور قیس بن مسہر صیداوی کے ہاتھ روانہ کیا۔<sup>۳</sup> یہ حضرت مسلمؑ کی شہادت سے ستائیس روز قبل (قریباً ۱۲ ذی القعدہ ۶۰ھ) کا واقعہ ہے۔<sup>۴</sup> ادھر ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ نہ تو جناب مسلمؑ نے حکومت وقت سے کوئی تعرض کیا۔ اور نہ دار الامارہ پر قبضہ کرنے کا کوئی ارادہ کیا۔ جس سے ظاہر ہے کہ حضرت سید الشہداءؑ نے ان کو صرف طالبان رشد و ہدایت کی مذہبی اور اخلاقی اصلاح کرنے کی خاطر ان کے حالات و خیالات کا جائزہ لینے کے لیے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔ انہیں ان لوگوں کی سلطنت سے کوئی سروکار نہیں۔ ورنہ اگر کوئی شورش پسند آدمی ہوتا تو سب سے پہلے دار الامارہ پر قبضہ کرنے کی فکر کرتا۔

۱۔ طبری، ج ۶، ص ۱۹۹۔ نفس المہوم، ص ۹۳ وغیرہ۔  
 ۲۔ ارشاد، ص ۲۱۸۔ مہیوف، ص ۲۱۸۔ عاشر بخاری، ص ۷۶ وغیرہ۔  
 ۳۔ نفس المہوم، ص ۵۹۔  
 ۴۔ نفس المہوم، ص ۲۲۔



## نعمان بن بشیر حاکم کوفہ

دوسری طرف مقامی حکومت کا رویہ بھی نرم معلوم ہوتا ہے۔ کوفہ کا گورنر نعمان بن بشیر ہے جو معاویہ کے وقت میں کوفہ کا گورنر تھا۔ بعد میں یزید نے بھی اسے اس عہدہ پر بحال رکھا۔ یہ شخص قدرے صلح جو اور سلامتی پسند تھا۔

البتہ جب حاکم کو یہ معلوم ہوا کہ لوگ بڑی کثرت کے ساتھ جناب مسلم کی خدمت میں آتے اور جاتے ہیں اور وہ امام حسینؑ کے لیے بیعت لے رہے ہیں۔ تو اس نے منبر پر جا کر ایک جاندار تقریر کی۔ مگر اس سے بھی اس کی صلح جوئی کا جو ہر نمایاں نظر آتا ہے۔ حمد وثنائے الہی کے بعد کہا: ﴿إِنَّمَا بَعْدُ فَاتَّقُوا اللَّهَ عِبَادَ اللَّهِ وَلَا تَسَارِعُوا إِلَى الْفِتْنَةِ وَالْفِرْقَةِ فَإِنَّ فِيهَا يَهْلِكُ الرِّجَالُ وَيَفْسَدُ الدِّمَاءُ وَتَغْصِبُ الْأَمْوَالُ إِنِّي لَا أَقَاتِلُ مَنْ لَا يَقَاتِلُنِي وَلَا آتِي عَلَى مَنْ لَمْ يَأْتِ عَلَيَّ وَلَا أَنِيبُ نَائِمَكُمْ وَلَا أَتَحَرِّشُ بِكُمْ وَلَا أَخْذَكُم بِالْقُرْفِ وَلَا الظَّنِّ وَلَا التَّهْمَةِ وَلَكِنَّمْ أَنْ أَبْدِيتُمْ صَفْحَتَكُمْ لِي وَنَكْتُمُ بَيْعَتَكُمْ وَخَالَفْتُمْ إِمَامَكُمْ فَوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ لَا ضَرْبَتَكُمْ لِسَيْفِي هَذَا... الخ﴾ اے خدا کے بندو! فتنہ و فساد اور باہمی انتشار و خلفشار سے اجتناب کرو کیونکہ ایسا کرنے میں لوگ ہلاک ہوتے ہیں۔ خون بہتے ہیں۔ اور مال تباہ ہوتے ہیں۔ میرا رویہ تو یہ ہے کہ جو شخص مجھ سے جنگ نہیں کرے گا میں بھی اس سے جنگ نہیں کروں گا۔ نہ میں تمہارے خوابیدہ کو بیدار کروں گا۔ اور نہ ہی محض بدگمانیوں اور غلط تہمتوں پر تمہارا مواخذہ کروں گا لیکن اگر تم نے میری کھلم کھلا مخالفت شروع کر دی اور اپنے امام (یزید) کی بیعت توڑ دی تو پھر میں تمہیں اپنی تلوار سے ماروں گا۔۔۔ الخ

بنی امیہ کے ان ہوا خواہوں کو جن کو اہل بیت رسولؐ کے برسرِ اقتدار آنے کی صورت میں اپنے چھوٹے وقار و اقتدار کی موت نظر آتی تھی۔ ان کو حاکم کوفہ نعمان بن بشیر کی یہ صلح جویانہ اور روادارانہ روش و رفتار ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ چنانچہ نعمان کی مذکورہ بالا تقریر کے بعد بنی امیہ کے حلیف عبداللہ بن مسلم بن سعید حضرمی نے وہیں کھڑے ہو کر صاف صاف کہہ دیا: ﴿إِنَّهُ لَا يَصْلَحُ مَا تَرَى إِلَّا الْغَشَمُ وَهَذَا الَّذِي أَنْتَ عَلَيْهِ فِيمَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ عَدُوِّكَ رَأْيَ الْمُسْتَضْعَفِينَ﴾ آپ کا یہ رویہ درست نہیں۔ سوائے ظلم و زیادتی کے اصلاح احوال نہ ہوگی۔ آپ نے اپنے دشمن کے متعلق جو رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ یہ کمزور لوگوں کا شیوہ ہے۔ نعمان بن بشیر نے جواباً کہا: ﴿لَا أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ فِي طَاعَةِ اللَّهِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْأَعْزِيزِينَ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ﴾ اگر میں اطاعت خدا میں کمزور لوگوں میں سے ہوں تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔ اس سے کہ معصیت خدا میں زور آوروں میں سے ہوں۔ یہ کہہ کر نعمان منبر سے نیچے اتر آیا۔



## ہوا خواہان بنی امیہ کا یزید کے پاس نعمان کے متعلق شکایتی خطوط لکھنا

اس وقت تو عبداللہ بن مسلم خاموش ہو گیا۔ مگر اس نے واپس گھر آ کر اس مضمون کا ایک خط یزید کو لکھا کہ نعمان بن بشیر کمزور شخص ہے یا جان بوجھ کر کمزوری دکھا رہا ہے اگر کوفہ کو اپنے پاس رکھنا ہے تو یہاں کوئی طاقتور اور دلیر آدمی مقرر کرو۔ اسکے بعد عمر بن سعد اور عمارہ بن عقبہ وغیرہ نے بھی یزید کو اسی مضمون کے خطوط لکھے۔<sup>۱</sup> (کما تھم)

جب یزید کو یہ خطوط پہنچے تو اس نے سرجون (بن منصور رومی جو کہ عیسائی المذہب اور معاویہ کے وقت میں حکمہ خراج میں کاتب<sup>۲</sup> تھا) سے اس معاملہ میں مشورہ لیا۔ سرجون نے عبید اللہ بن زیاد کا نام پیش کیا۔ کہ اسے کوفہ کا حاکم بنا دو۔ (چونکہ یزید بعض وجوہ کی بنا پر اب تک ابن زیاد سے ناراض تھا۔ جب سرجون نے دیکھا کہ یزید اس پر آمادہ نہیں ہو رہا۔ تو اس نے فوراً کہا) اگر اس وقت معاویہ زندہ ہو کر آ جائیں اور وہ آپ کو یہی مشورہ دیں تو کیا آپ ان کے مشورہ پر عمل کریں گے؟ یزید نے کہا: ضرور! یہ کہہ کر سرجون نے معاویہ کی ایک تحریر نکالی۔ جس میں معاویہ نے عبید اللہ بن زیاد کو بصرہ کے ساتھ ساتھ کوفہ کا حاکم بھی بنایا تھا۔ سرجون نے کہا: یہ لو۔ معاویہ کا مشورہ یہ ہے۔ جس پر وہ بوجہ موت عمل درآمد نہ کر سکے۔ یزید نے یہ دیکھ کر کہا: بہت اچھا میں اب ایسا ہی کروں گا۔<sup>۳</sup>

چنانچہ یزید نے مسلم بن عمرو باہلی کے ہاتھ عبید اللہ بن زیاد کو (جو اس وقت حاکم بصرہ تھا) یہ خط لکھا جو اسی کتاب کے سواہیں باب میں درج کیا جا چکا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حکومت کوفہ کا پروانہ بھی لکھ کر بھیج دیا۔<sup>۴</sup>

## نعمان بن بشیر کی معزولی

نعمان بن بشیر کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا گیا۔ اسی طرح ولید بن عتبہ کی روادارانہ روش کی وجہ سے معزول کر کے اس کی جگہ عمرو بن سعید الاشدر کو حاکم مدینہ مقرر کر دیا گیا۔ حکومت کی اس روش سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خاندان نبوت کو ختم کرنے کے لیے سخت سے سخت ظالم و سفاک لوگوں کی تلاش میں سرگردان تھی۔ اور صلح جو اور روادار قسم کے لوگوں کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہ تھی۔ بہر حال جب ابن زیاد کو یہ حکم نامہ پہنچا تو اس نے اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو بصرہ میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے فوری کوفہ جانے کی تیاری شروع کر دی۔ جس رات کی صبح ابن زیاد بصرہ

۱۔ ارشاد، ص ۲۱۸۔ طبری، ج ۶، ص ۱۹۹۔ بحار، ج ۶، ص ۲۶۷، ۲۶۸۔

۲۔ الوزراء والکتاب، ص ۱۵، بحوالہ شہیدانسانیت۔

۳۔ ارشاد، ص ۲۱۹۔ طبری، ج ۶، ص ۱۹۳۔ کامل، ج ۳، ص ۲۶۸۔

۴۔ ارشاد، ص ۱۸۵۔ طبری، ج ۶، ص ۲۰۰۔



سے روانہ ہونے والا تھا۔ اسی رات امام علیؑ کا قاصد سلیمان پکڑ کر اس کے پاس لایا گیا جسے اس نے قتل کر آ دیا۔  
اور پھر جامع مسجد میں ایک تہدید کی خطبہ دیا جس میں حکومت وقت کی مخالفت کرنے والوں کو خوب ڈرایا دھمکایا۔  
**عبید اللہ بن زیاد کی بجانب کوفہ روانگی**

بعد ازاں مسلم بن عمرو باہلی، شریک بن امور حارثی اور دیگر اپنے اہل خانوادہ اور حشم و خدم کے ساتھ (جن کی تعداد مؤرخ طبری نے پانچ سو لکھی ہے) بڑی سرعت کے ساتھ منازل سفر طے کرتا ہوا اور اپنے حالات سفر کو مخفی رکھتا ہوا رواں دواں کوفہ پہنچا۔ صاحب فصول مہمہ نے (صفحہ ۱۶۶، طبع عراق پر) لکھا ہے کہ کوفہ کے قریب پہنچ کر ابن زیاد نے اپنی ظاہری ہیئت بدل کر اہل حجاز کی وضع قطع اختیار کر لی۔ اور رات کے وقت داخل شہر ہوا۔ شیخ مفیدؒ (ارشاد، صفحہ ۱۸۵ میں) فرماتے ہیں کہ جب ابن زیاد کوفہ میں داخل ہوا تو اس نے سر پر سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔ اور (شجاعان عرب کے دستور کے مطابق) منہ پر ڈھانٹا باندھا ہوا تھا۔ (اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اسے امام حسینؑ سمجھیں اور وہ اس طرح ان کے تاثرات اور قلبی خیالات کو بآسانی معلوم کر سکے)۔

### ابن زیاد کا کوفہ میں ورود

ادھر چونکہ اہل کوفہ کو حضرت امام حسینؑ کی روانگی کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ ان دنوں ہمہ تن انتظار بنے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ایک سردار عربی گھوڑے پر سوار، اشراف حجاز کے لباس میں ملبوس، شاندار قافلہ کے ہمراہ آ رہا ہے تو انہوں نے بہ ظاہر یہی خیال کیا کہ یہ امام حسینؑ ہی ہیں۔ جونہی لوگوں کو اس حال میں اس قافلہ کی آمد کی اطلاع ملی تو لوگ جوق در جوق امام حسینؑ کے اشتیاق میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ چنانچہ جس گروہ کے پاس سے ابن زیاد کا گزر ہوتا۔ وہ اس کی تعظیم و تکریم کے ساتھ سلام کرتا۔ اور خوش آمدید کہتے ہوئے ﴿مروحبا﴾ بک یا بن رسول اللہ قدمت خیر مقدم ﴿کہتا۔ اس طرح وہ چہروں کو تاکتا۔ آوازوں کو پہچانتا اور اندر ہی اندر فرط غصہ سے کباب ہوتا ہوا چپ چاپ گزر گیا۔ حتیٰ کہ جب اشتیاق زیارت حسینؑ میں لوگوں کا اس قدر ہجوم ہو گیا کہ ابن زیاد اور اس کے ہمراہیوں کو راستہ چلنا دشوار ہو گیا۔ تو مسلم بن عمرو باہلی نے بآواز بلند کہا: ﴿تأخروا ہذا الامیر عبید اللہ ابن زیاد﴾ پیچھے ہٹ جاؤ! یہ امیر عبید اللہ بن زیاد ہیں۔ اس آواز کا بلند ہونا تھا کہ بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ اور لوگوں نے واپس ہونا شروع کیا۔ حتیٰ کہ ابن زیاد کے دارالامارہ پہنچتے پہنچتے چند آدمی اور بقول مؤرخ طبری کے کچھ اوپر دس آدمی رہ گئے۔ اس حال میں وہ جب رات کے وقت دارالامارہ پہنچا تو حاکم کوفہ



نعمان بن بشیر نے بھی اسے حضرت امام حسینؑ سمجھ کر دارالامارہ کا دروازہ بند کر لیا۔ اور جب ابن زیاد کے بعض آدمیوں نے دروازہ کھولنے کے لیے آواز دی تو نعمان بن بشیر نے بالا خانہ سے جھانکتے ہوئے اور ابن زیاد کو امام حسینؑ سمجھتے ہوئے کہا: ﴿اَشْذَكَ اللّٰهُ اَلَا تَنْحَيْتُ فَوَاللّٰهِ مَا اَنَا بِمُسْلِمٍ اِلَيْكَ اِهَانَتِيْ وَ مَالِيْ فِيْ قِتَالِكَ مِنْ اَرْبٍ﴾ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔ بخدا میں اپنی امانت ہرگز آپ کے سپرد نہیں کروں گا اور مجھے آپ سے جنگ کرنے کی خواہش بھی نہیں ہے۔<sup>۱</sup> بہر کیف اسے جب معلوم ہوا کہ آنے والا ابن زیاد ہے تو اس نے دروازہ کھول دیا اور ابن زیاد اپنے آدمیوں سمیت اندر داخل ہوا اور پھر دروازہ بند کر دیا گیا۔ اب سب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ آنے والا عبید اللہ بن زیاد ہے۔ نہ امام حسینؑ۔ اور وہ لوگ جو پورے بیس سال عبید اللہ اور اس کے والد زیاد کے ظلم و جور کی چٹکی میں پس چکے تھے۔ ان کے اندر خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی۔ اور عامۃ الناس میں پریشانی اور سراسیمگی کے آثار نمودار ہو گئے۔ صبح ہوتے ہی لوگوں کو جامع کوفہ میں جمع ہونے کا حکم دیا گیا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو ابن زیاد نے ایک تہدید آمیز تقریر کی۔ اور حکومت وقت کی اطاعت کرنے والوں کو انعام و اکرام کا لالچ دلانے کے ساتھ ساتھ مخالفت کرنے والوں کو سخت تہدید و وعید کی۔ پھر منبر سے نیچے اتر آیا۔ نعمان بن بشیر نے دارالامارہ کو خالی کر کے اپنے وطن دمشق روانگی کی تیاری کر دی۔ اور ابن زیاد نے دارالامارہ میں قیام کیا۔<sup>۲</sup> اور تمام شہر کے ”عرفاء“ کو بلا کر تاکید حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے محلے کے تمام ایسے مشکوک لوگوں کی جن سے حکومت وقت کو خطرہ ہے فہرست تیار کر کے پیش کریں اور پھر ایسے لوگوں کو بھی حاضر کریں۔ ان کے ساتھ جو سلوک مناسب ہوگا کیا جائے گا۔ اور جو شخص کسی وجہ سے جلدی ایسی فہرست تیار نہ کر سکے۔ وہ ضمانت دے کہ اس کے محلے میں ایسا کوئی شخص موجود نہیں ہے جس سے مخالفت اور بغاوت کرنے کا اندیشہ ہو۔ یاد رکھو جو شخص ایسا نہیں کرے گا اور پھر اس کے محلے میں حکومت وقت کا کوئی مخالف پایا گیا تو اس سے عہدہ ”عرفاء“ چھین لیا جائے گا۔ اور اسے حکومت کی عطا و بخشش سے محروم کر دیا جائے گا۔ مزید برآں اسے اس کے گھر کے دروازہ پر سولی پر لٹکا دیا جائے گا۔<sup>۳</sup> ابن زیاد کی یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ جاسوسوں کا جال بچھ گیا۔ مشتبہ لوگوں کی فہرستیں تیار ہونے لگیں۔ بلکہ ان کی گرفتاری کا سلسلہ بھی جاری ہو گیا۔ بلکہ فضول مہمہ ابن صباغ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جماعت نے ان احکام کی مخالفت کی۔ جسے فوراً قتل کر دیا

۱۔ ارشاد، ص ۲۱۹۔ کابل، ج ۳، ص ۲۶۸۔

۲۔ ارشاد، ص ۱۸۶۔

۳۔ الاخبار الطوال، ص ۲۳۳۔

۴۔ ارشاد، ص ۱۸۶۔ طبری، ج ۶، ص ۲۰۱۔ کابل، ج ۳، ص ۲۶۹۔



گیا۔ اس طرح لوگ بے حد خائف و ہراساں ہو گئے اور ان کے لیے کسی جگہ اکٹھا بیٹھ کر تبادلہ خیال کرنا بھی مشکل ہو گیا۔

### جناب مسلم کا مختار کے گھر سے جناب ہانی کے گھر منتقل ہونا

اب تک جناب مسلم بن عقیل کا قیام مختار کے گھر میں تھا۔ جب ان کو ابن زیاد کی آمد اور اس کی تشددانہ کارروائیوں کا علم ہوا تو چونکہ ان کے وہاں قیام کا قریباً ہر خاص و عام کو علم ہو چکا تھا اس لیے انہوں نے اب وہاں مزید قیام کرنا مصلحت کے خلاف سمجھا۔ اس لیے آپ راتوں رات نماز عشاء کے بعد<sup>۱</sup> جناب ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہو گئے۔<sup>۲</sup>

اب حضرات شیعہ مخفی طریقہ پر جناب مسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور ایک دوسرے کو وصیت کرتے کہ تمام حالات کو صیغہ راز میں رکھا جائے۔<sup>۳</sup> اب چونکہ حالات کا نقشہ یکسر بدل چکا تھا اس لیے حفاظت خود اختیاری کے لیے جناب مسلم کو حکومت وقت کے ہر قسم کے جارحانہ اقدام کی روک تھام کے لیے کچھ مخصوص ساز و سامان کی ضرورت تھی۔ چنانچہ انہوں نے ابو ثمامہ صیداوی کو اس بات پر متعین فرمایا کہ وہ لوگوں سے چندہ اکٹھا کر کے اس سے اسلحہ جنگ خریدیں۔ اور جناب مسلم بن عوجہ کو لوگوں سے بیعت لینے پر مامور کیا گیا۔<sup>۴</sup>

### ابن زیاد کا مکر و حیلہ سے جناب مسلم کے حالات معلوم کرنا

یہ سب انتظام کرنے کے بعد (جس کا تذکرہ ابھی اوپر ہو چکا ہے) ابن زیاد کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ یہ معلوم کرے کہ جناب مسلم کا قیام کہاں ہے اور ان کے عزائم کیا ہیں۔ چنانچہ اس نے اس بات کا کھوج لگانے کے لیے ایک عجیب تدبیر کی۔ اپنے غلام خاص معقل کو تین ہزار درہم دے کر کہا کہ مسلم بن عقیل اور ان کے اصحاب کو تلاش کر اور پھر یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ میں آپ لوگوں کا ہم خیال ہوں۔ یہ رقم ان کو دے دے۔ اس طرح ان کے راز ہائے درون پردہ کو معلوم کر۔ چنانچہ معقل نے ایسا ہی کیا۔ جامع مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ مسلم بن عوجہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور کچھ لوگوں کو ان کی طرف اشارہ کر کے یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ شخص امام حسین کے لیے بیعت لے رہا ہے۔ جب مسلم نماز سے فارغ ہوئے تو معقل نے ان کے قریب جا کر کہا: میں شام کا رہنے والا ذوالکلاع کا غلام ہوں۔ مجھے محبت اہل بیت بنا کر خدا نے مجھ پر احسان کیا ہے اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ اسی خانوادہ کا کوئی بزرگ یہاں آیا ہوا ہے۔ جو دختر رسول کے فرزند کے لیے بیعت لے رہا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اسے پہچانتے ہیں۔ اس لیے

۱۔ ارشاد، ص ۲۲۰۔ نفس المہوم، ص ۴۹ وغیرہ۔

۲۔ الاخبار الطوال، ص ۲۳۵۔

۳۔ ارشاد، ص ۲۲۱۔

۴۔ ارشاد، ص ۲۲۰۔



میری خواہش ہے کہ آپ یہ تین ہزار درہم بھی لے لیں۔ اور مجھے اس کی خدمت میں لے جائیں تاکہ میں جا کر بیعت کروں۔ آپ چاہیں تو ابھی مجھ سے بیعت لے لیں۔ (جناب مسلم بن عویضہ اس کی چکنی چڑی باتوں میں آ گئے) فرمایا: مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ آپ اپنے مطلب کو حاصل کریں گے۔ اور خدا تمہارے ذریعہ سے اہل بیت رسولؐ کی نصرت کرے گا۔ پھر مسلم نے اس کی بیعت لی اور اس سے پختہ عہد و پیمان لے لیا۔ کہ وہ اس امر کو صیغہ راز میں رکھے گا۔ اور خلوص سے کام لے گا۔ بالآخر چند روز کی آمد و رفت کے بعد مسلم بن عویضہ نے اذن حاصل کرنے کے بعد اسے جناب مسلم بن عقیلؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ چنانچہ جناب مسلمؓ نے اس سے بیعت لی۔ اور ابو ثمامہ صیداوی کو رقم وصول کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کے بعد معقل کا یہ وتیرہ تھا کہ سب سے پہلے جناب مسلمؓ کے پاس پہنچ جاتا۔ اور سب کے بعد واپس جاتا۔ ہر داخل و خارج کو دیکھتا۔ تمام حالات کا پچشم خود جائزہ لیتا۔ اور برابر ابن زیاد کو سب حالات کی اطلاع دیتا۔ حتیٰ کہ ابن زیاد کو تمام ضروری حالات کی مکمل اطلاع ہو گئی۔

### جناب ہانی کی وجاہت اور جلالتِ قدر

ہانی بن عروہ مرادی مزنی جو کہ محبت اہل بیتؑ اور بڑا صاحب اقتدار بزرگوار تھا۔ قبیلہ مراد و مدح کا سردار تھا۔ جب (کسی مہم کے لیے) نکلتا تھا تو چار ہزار زرہ پوش سوار اور آٹھ ہزار پیادہ آدی ہمراہ ہوتے اور جب بنی کنندہ کے حلیف بھی ساتھ شامل ہو جاتے تو تیس ہزار (۳۰,۰۰۰) کے ساتھ نکلتا تھا۔ حضرت امیر المومنینؑ کے خواص اصحابؑ میں سے تھا۔ اور آپ کی تینوں جنگوں (جمل، صفین اور نہروان) میں آپ کے ہمراہ تھا۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ کے شرفِ صحبت سے بھی مشرف ہو چکا تھا۔ اور شہادت کے وقت اس کی عمر اٹھانوے سال تھی۔ باوجودیکہ جناب ہانی کی ابن زیاد سے کچھ راہ درسم بھی تھی مگر اب وہ دیگر اشرافِ کوفہ کے ساتھ دربار میں حاضر ہونے سے محض اس خیال کے ماتحت پہلو تہی کرتے تھے کہ کہیں ابن زیاد کو جناب مسلمؓ کے ان کے ہاں قیام کی اطلاع نہ مل گئی ہو۔ اس لیے مرض کا عذر کر کے گھر پر ہی پڑے رہتے۔ دوسری طرف ابن زیاد پر بذریعہ معقل تمام حقیقت حال کا انکشاف ہو چکا تھا۔ کہ جناب مسلمؓ بن عقیلؓ ہانی ہی کے گھر میں مقیم ہیں۔ اس لیے وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح جناب ہانی سے ملے۔ چنانچہ اس نے اسما بن خارجہ، محمد بن اشعث اور عمرو بن حجاج کو بلایا اور ان

۲ مروج الذهب، ج ۳، ص ۹۔

۳ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۷۸۔

۴ فرسان الحیجا، ج ۲، ص ۱۳۹۔

۱ ارشاد ص ۲۲۱۔ الاخبار الطوال، ص ۲۳۷۔

۲ فرسان الحیجا، ج ۲، ص ۱۳۹۔

۵ نفس المہجوم، ص ۶۲۔

۶ نفس المہجوم، ص ۶۱۳ وغیرہ۔



سے جناب ہانی کے دربار میں نہ آنے کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے (جو حقیقت حال سے بے خبر تھے) یہ جواب دیا کہ بیماری کی وجہ سے حاضر نہیں ہوتے۔ ابن زیاد نے کہا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ ہر شب اپنے دروازہ پر بیٹھتا ہے اور لوگوں سے ملتا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ جناب ہانی کے پاس گئے اور ان پر زور دیا کہ وہ ضرور ابن زیاد کو ملیں۔ جناب ہانی ان کے ہمراہ چلنے پر آمادہ ہو گئے اور چونکہ وہ حالات کی نزاکت سے بے خبر تھے۔ اس لیے اپنے آدمیوں کو اطلاع دیئے بغیر تنہا ان کے ساتھ چلے گئے۔ دربار میں داخل ہوتے ہی دیکھا کہ ابن زیاد کے تیور بدلے ہوئے ہیں۔ ابن زیاد نے ان کو دیکھتے ہی یہ مثل کہی: ﴿اتک بحائن رجلاہ﴾ خلاصہ یہ کہ ہانی اپنے پاؤں سے چل کر موت کی طرف آئے ہیں۔ پھر شریح قاضی کی طرف رخ کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔

ارید حیاتہ و یرید قتلی      عدیرک من خلیلک من مراد

جناب ہانی نے یہ صورت حال دیکھ کر ابن زیاد سے کہا: ﴿وما ذاک؟﴾ کیوں کیا بات ہے؟ ابن زیاد نے بگڑ کر کہا: ہاں اے ہانی! تم اپنے گھر بیٹھ کر امیر المؤمنین و المسلمین کے خلاف سازشیں کرتے ہو۔ تم نے مسلم کو بلا کر اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ اور ان کے لیے اسلحہ جنگ جمع کر کے لشکر جمع کر رہے ہو۔ اور تمہارا خیال ہے کہ یہ امور بڑھی۔ تو ابن زیاد نے اپنے غلام ”معقل“ کو بلایا۔ جب وہ جناب ہانی کے سامنے کھڑا ہوا تو ابن زیاد نے جناب ہانی سے کہا: کیا اس شخص کو پہچانتے ہو۔ جناب ہانی نے کہا: ہاں۔ اس وقت ہانی کو معلوم ہوا کہ یہ شخص جاسوس تھا۔ اس طرح جب ان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ تمام حالات کا حاکم کے نزدیک انکشاف ہو چکا ہے تو کچھ وقت کے لیے متحیر و مبہوت ہو گئے۔ پھر حواس پر قابو پاتے ہوئے (اور اقرار کرتے ہوئے) کہا: جو کچھ میں کہتا ہوں اسے سنو! بخدا میں ہرگز غلط بیانی نہیں کروں گا۔ خدا کی قسم میں نے نہ تو مسلم کو یہاں بلایا۔ اور نہ ہی مجھے ان کے حالات کی کوئی خبر تھی۔ میں نے ایک رات ان کو اپنے دروازہ پر کھڑے دیکھا۔ اور انہوں نے میرے گھر ٹھہرنے کی خواہش کی۔ مجھے ان کی خواہش کو مسترد کرتے ہوئے شرم دامن گیر ہوئی اس لیے ان کو اپنے گھر ٹھہرا لیا۔ اور ان کو اپنا مہمان بنا لیا۔ اب مجھے اتنی مہلت دیں اور جو چاہیں عہد و پیمان لے لیں۔ اور جو چاہیں گرو رکھ لیں کہ میں گھر جا کر ان سے یہ کہہ دوں کہ جہاں جی چاہے چلے جائیں۔ (تاکہ ان کو پناہ دینے اور مہمان رکھنے کی ذمہ داری سے فارغ ہو جاؤں) اور پھر میں واپس آپ کے پاس پلٹ آؤں گا۔

ابن زیاد نے کہا: جب تک مسلم کو یہاں حاضر نہ کرو تم کہیں نہیں جاسکتے۔ جناب ہانی نے کہا: ﴿لا واللہ لا اچینک بہ ابدًا اچینک بضیفی تقتلہ﴾ نہیں بخدا میں ان کو ہرگز پیش نہیں کروں گا میں اپنے مہمان کو



تمہارے سامنے اس لیے پیش کروں تاکہ تم اسے قتل کر دو؟ ابن زیاد نے کہا: تمہیں ضرور انہیں پیش کرنا ہوگا۔ ہانی نے کہا: میں ہرگز پیش نہیں کروں گا۔ جب ان کا باہمی تکرار بڑھا تو مسلم بن عمرو باہلی نے مداخلت کرتے ہوئے ابن زیاد سے کہا: ذرا مجھے ہانی سے علیحدگی میں بات کرنے دیجئے! چنانچہ مسلم بن عمرو جناب ہانی کو ذرا علیحدہ لے گیا جہاں ابن زیاد دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا: میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ نہ اپنے آپ کو ہلاک کرو اور نہ قوم و قبیلہ کو مصیبت میں ڈالو۔ ابن زیاد مسلم کو کچھ نہیں کہے گا۔ تم ضرور اسے حاضر کر دو۔ اس میں تمہاری کوئی ذلت و رسوائی نہیں ہے۔ کیونکہ تم ان کو حاکم کے سپرد کر رہے ہو! جناب ہانی نے کہا: نہیں اس میں سراسر میری ذلت و رسوائی ہے کہ اپنے مہمان کو ایسے حال میں ان کے سپرد کر دوں۔ کہ طاقتور اور صاحب اعوان و انصار ہوں۔ اگر میں بالکل یکہ و تنہا ہوتا۔ اور میرا کوئی مددگار نہ بھی ہوتا۔ تب بھی میں جب تک ان کے سامنے کٹ نہ مرتا ان کو ہرگز پیش نہ کرتا۔

جب ابن زیاد نے دیکھا کہ ہانی نہیں مانتا تو اس نے حکم دیا: اسے میرے قریب لاؤ۔ چنانچہ ہانی کو اس کے قریب لایا گیا۔ ابن زیاد نے کہا: ﴿وَاللّٰهُ لَتَاتِبِنِيْ بِهٖ اَوْ لَاحْضِرِنِيْ عِنْفَكْ﴾ بخدا تم مسلم کو ضرور حاضر کر دو ورنہ میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔ جناب ہانی نے کہا: ﴿اِذَا وَاللّٰهُ تَكْثُرَ الْبَارِقَةِ حَوْلَ دَارِكْ﴾ اگر تم نے ایسا کیا تو بخدا تیرے دارالامارہ کے ارد گرد بہت تلواریں چمکیں گی۔ جناب ہانی کا خیال تھا کہ ان کی قوم ان کی نصرت و امداد کرے گی۔ یہ سن کر ابن زیاد غصہ سے آگ بگولا ہو گیا۔ کہا: ﴿اَتُخَوِّفُنِيْ بِالْبَارِقَةِ؟﴾ کیا تم مجھے تلواروں سے ڈراتے ہو؟ پھر حکم دیا: اسے اور میرے قریب لاؤ۔ بدنہاد ابن زیاد نے چھڑی جناب ہانی کے منہ پر برسانا شروع کی۔ ظالم نے اس قدر پیٹا کہ جناب ہانی کی ناک ٹوٹ گئی۔ رخسار و جبین سے گوشت کے ٹکڑے گرنے لگے۔ کپڑوں پر خون بہنے لگا۔ اور سر و چہرہ خون سے رنگین ہو گیا۔ مگر ظالم حاکم برابر پیٹتا رہا۔ یہاں تک کہ چھڑی ٹوٹ گئی۔ اس اثناء میں جناب ہانی نے پاس کھڑے ہوئے ایک سپاہی کی تلوار پر ہاتھ مارا مگر اس نے تلوار کھینچ لی۔ یہ دیکھ کر ابن زیاد نے کہا: اب یہ خارجی ہو گئے اور ان کا خون ہمارے لیے مباح ہے۔ پھر حکم دیا کہ انہیں اندر لے جا کر قید کر دو۔ چنانچہ ظالم سپاہی انہیں گھسیٹ کر قید خانہ میں (جو کہ دارالامارہ کے پاس ہی تھا) لے گئے۔ اور دروازہ بند کر کے دروازے پر پہرہ دار بٹھا دیے گئے۔<sup>۱</sup>

جب عمرو بن حجاج (ہانی کے برادر نسبتی) زبیدی کو یہ اطلاع ملی کہ جناب ہانی کو قتل کر دیا گیا ہے۔ تو وہ بنی

۱۔ ارشاد ص ۲۲۲۔ طبری، ج ۶، ص ۲۰۵۔

۲۔ ارشاد ص ۲۲۲۔ نفس المکرم، ص ۵۲۔ کامل، ج ۳، ص ۲۷۱۔

۳۔ ارشاد ص ۲۲۲۔ کامل، ج ۳، ص ۲۷۱۔



مذحج کی بہت بڑی جماعت لے کر چڑھ آیا۔ اور دارالامارہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت قاضی شریح آڑے آیا۔ ابن زیاد نے اس سے کہا کہ پہلے ہانی کو دیکھ لو کہ وہ زندہ ہے پھر جا کر ان لوگوں کو تسلی دو۔ اور ان کو واپس کرو۔ چنانچہ قاضی شریح جناب ہانی کے پاس گیا۔ (اور ابن زیاد نے ایک جاسوس بھی ہمراہ کر دیا تھا) اس وقت ان کا خون بہہ رہا تھا۔ اور نیم جان پڑے تھے۔ اور دھیمی دھیمی آواز سے یہ کہہ رہے تھے کہ اے مسلمانو! میری قوم ہلاک ہو گئی ہے؟ دیندار لوگ کہاں گئے؟ مددگار کہاں گئے کہ مجھے ظالم دشمن کے پنجے استبداد سے نجات دلاتے؟ جب جناب ہانی نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز اور لوگوں کا شور و شغب سنا تو فرمایا: میں خیال کرتا ہوں۔ یہ بنی مذحج کی آوازیں ہیں! کاش صرف دس آدمی بھی داخل ہوتے تو مجھے چھڑا لے جاتے۔ انہوں نے قاضی شریح کو بڑے واسطے دے کر کہا کہ قوم کو صحیح صورت حال سے آگاہ کریں تاکہ وہ مجھے چھڑا کر لے جائیں۔ مگر قاضی نے کہا کہ اگر جاسوس ہمراہ نہ ہوتا تو میں تعمیل کرتا۔ چنانچہ اس نے جا کر ان کی قوم کو تسلی دی کہ ہانی زندہ و سلامت ہے۔ فقط حکومت نے مصلحت وقت کے تحت ان کو نظر بند کر دیا ہے۔ جب عمرو نے یہ بات سنی تو یہ کہہ کر کہ ﴿إِنَّمَا إِذَا لَمْ يَقْتُلْ فَالْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ (اگر وہ قتل نہیں ہوئے تو مقام شکر ہے) اپنی جمعیت سمیت واپس چلا گیا۔ اس طرح ان کے بچنے کی جو آخری کرن نمودار ہوئی تھی وہ بھی غائب ہو گئی اور قاضی شریح نے ان کو سمجھا بچھا کر واپس کر دیا۔

عبداللہ بن حازم کہتا ہے کہ مجھے جناب مسلم بن عقیل نے دارالامارہ میں بھیجا تھا کہ جا کر دیکھوں کہ ہانی کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔ جب ان کو مار پیٹ کر قید خانہ میں ڈال دیا گیا تو میں سب سے پہلے واپس گھر پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ بنی مراد کی مستورات جمع ہو کر یا عبرتاً یا ثکلاً کہہ کر نالہ و شیون کی آواز بلند کر رہی ہیں۔ میں نے اندر جا کر جناب مسلم کو سب صورت حال کی اطلاع دی۔ (بنی ہاشم کے اس غیور بزرگوار سے یہ صورت حال کب برداشت ہو سکتی تھی اور وہ کس طرح اندر بیٹھ کر عورتوں کے گریہ و بکاء کی آواز سن سکتا تھا جب کہ ان کا معزز میزبان انہی کی خاطر مختلف شدائد و مصائب میں گھرا ہوا تھا)۔ جناب مسلم نے مجھے حکم دیا کہ ان کا علامتی نعرہ ”یا منصور امت“ لگا کر ان کے ان اصحاب کو اکٹھا کروں۔ جو ارد گرد والے گھروں میں جمع تھے جن کی تعداد چار ہزار کے قریب تھی چنانچہ یہ نعرہ سن کر دوسرے لوگوں نے بھی یہی نعرہ بلند کیا۔ اور تھوڑی سی دیر میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ جناب مسلم نے جماعت کندہ کا علمبردار عبداللہ بن عزیز کندی کو مقرر کیا۔ اور اسے حکم دیا کہ تم میرے آگے آگے چلو۔ اور جماعت مذحج واسد کا علمبردار مسلم بن عوجہ کو اور جماعت تمیم بن ہمدان کا علمبردار ابو شامہ صاندی کو اور جماعت مدینہ کا علمبردار عباس بن معین جدالی کو مقرر کیا اور دارالامارہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ ابن زیاد دار



الامارہ میں بیٹھا تھا کہ یکا یک جناب مسلم کے چڑھ آنے کی خبر گرم ہوئی۔ وہ یہ سمجھ کر شاید جناب مسلم کے ہمراہ کوئی لشکر جزار ہوگا۔ احتیاطاً قلعہ بند ہو گیا۔ اس وقت اس کے پاس حشم و خدم اور اہل خاندان کے علاوہ صرف تیس سپاہی اور تیس اشراف و رؤساء کوفہ تھے۔ جناب مسلم نے جا کر قصر کو گھیر لیا۔ اب لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ اور شام تک کچھ نہ کچھ زد و خورد کا سلسلہ جاری رہا۔ اور جب لوگوں نے متفرق ہونا شروع کیا تو حالت یہ ہو گئی کہ جب جناب مسلم نے نماز مغرب پڑھی تو اس وقت کل تیس آدمی ہمراہ تھے۔ اور جب مسجد سے نکلے تو بنی کندہ کے دروازہ کا قصد کیا ابھی دروازہ تک نہیں پہنچے تھے کہ کل دس آدمی رہ گئے۔ اور جب دروازہ سے برآمد ہوئے۔ تو کوئی ایک آدمی بھی ہمراہ نہ تھا۔ جورات کے وقت راستہ بتاتا۔<sup>۱</sup>

### حضرت مسلم کی ظاہری ناکامی کے اسباب

جناب مسلم کی اس ظاہری ناکامی کے وجوہ کیا تھے؟ اور وہ کیا اسباب تھے جن کا یہ حوصلہ شکن نتیجہ برآمد ہوا۔ کتب سیر و تاریخ پر اجمالی نگاہ ڈالنے سے اس کے مندرجہ ذیل علل و اسباب نظر آتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلا سبب تو یہ تھا کہ جناب مسلم کا یہ اقدام ناگہانی حیثیت سے تھا۔ ان کو اپنے اصحاب و احباب کے ساتھ مشورہ کرنے کا موقع نہ مل سکا بلکہ ابن زیاد کے جناب ہانی کو زد و کوب کر کے قید خانہ میں ڈالنے کی خبر سن کر اچانک اٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ مورخ طبری نے تصریح کی ہے کہ ﴿لَم یکن خروجہ یوم خرج علی مبعاد من اصحابہ انما خرج حین قیل لہ ان ہانی بن عروۃ المرادی قد ضرب و حبس﴾ یعنی جناب مسلم کا جنگ کے لیے نکلنا۔ اپنے ساتھیوں کی اطلاع اور کسی قرارداد کے بغیر تھا۔ جب ان کو یہ اطلاع ملی کہ جناب ہانی بن عروہ کو مارنے پینے کے بعد قید کر دیا گیا ہے تو وہ اس وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔<sup>۲</sup> ایسے حالات میں کیسے ممکن تھا کہ وہ اٹھارہ ہزار آدمی جمع ہو جاتے جنہوں نے بیعت کی تھی۔

(۲) جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا ہے۔ اشراف و اکابر کوفہ میں سے بیس آدمی قصر کے اندر ابن زیاد کے پاس موجود تھے اور باقی اکابر کی آمد و رفت کا سلسلہ قصر کے اس عقبی دروازہ کی طرف سے جاری تھا۔ جو دار الزوین کے ساتھ متصل تھا۔ ابن زیاد نے کثیر بن شہاب کو حکم دیا کہ بنی مذحج کی اطاعت گزار جماعت کے ساتھ اور محمد بن اشعث

۱۔ ارشاد، ص ۲۲۵، مختصر۔ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۷۱ وغیرہ۔

۲۔ طبری، ج ۶، ص ۲۰۷۔

۳۔ ارشاد، ص ۲۲۷۔

۴۔ طبری، ج ۷، ص ۵۸۔



کو حکم دیا کہ وہ بنی کندہ اور حضرموت کے وفاداروں کو ہمراہ لے کر باہر جائیں اور لوگوں کو حکومت کی سخت گرفت اور داد و دہش سے ڈرا دھمکا کر حضرت مسلم کی امداد و نصرت سے روکیں۔ اسی طرح قعقاع فرہابی، شبث بن ربعی، حجار بن ابجر اور شمر ذی الجوشن کو بھی اس کام پر مامور کیا۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کو حکومت وقت کی مخالفت اور اس کے سنگین نتائج سے ڈرایا اور اس کا رد و انکسار کا ان کے خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ بہت سے لوگ ان کے ساتھ ہو گئے۔<sup>۱</sup>

(۳) ابن زیاد نے ان رؤساء قبائل کو مامور کیا۔ جو اس کے ہمراہ قصر کے اندر موجود تھے کہ وہ اپنی اپنی قوم و قبیلہ کو حکومت وقت کی مخالفت سے ڈرائیں۔ اور جناب مسلم بن عقیل کی حمایت و نصرت سے ان کو باز رکھیں چنانچہ انہوں نے قصر سے جھانک کر اپنے اپنے حلقہ اثر کے لوگوں کو حکومت کی مخالفت سے باز آنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمانبرداروں کو انعام و اکرام کا لالچ اور مخالفین کو حکومت کے عقاب و عتاب سے ڈرایا جس کا خاصا اثر ہوا۔<sup>۲</sup>

(۴) ابن زیاد نے انہی رؤساء شیوخ سے یہ غلط اعلان کرایا کہ مرکزی دارالحکومت شام سے مخالفت کرنے والوں کی سرکوبی کے لیے بڑے بڑے لشکر آ رہے ہیں۔ جو ان کو بالکل نیست و نابود کر کے رکھ دیں گے۔ چنانچہ کثیر بن شہاب نے جو تقریر کی اس کا ماحصل یہ تھا کہ ﴿ایہا الناس الحقوا باہالیکم ولا تعاجلوا الشر ولا تعرضوا انفسکم للقتل فان هذه جنود امیر المومنین یزید قد اقبلت وقد اعطی اللہ الامیر عہداً لان اتممت علی حربہ و لم تنصرفوا من عشیتکم لیحر من ذریتکم العطاء و یفرق مقاتلتکم مغازی الشام و ان یاخذ البری منکم بالسقیم و الشاہد بالغائب حتی لا یبقی لہ بقیۃ من اہل المعصیۃ الا اذاقھا و بال ما حنة ایدیہما﴾ ”اے لوگو تم اپنے گھروں میں چلے جاؤ۔ اور شر و فساد میں جلدی نہ کرو اور نہ ہی اپنے نفسوں کو قتل کے لیے پیش کرو کیونکہ امیر یزید کے لشکر آ رہے ہیں۔ خدا نے امیر وقت کو یہ عہد دیا ہے۔ اگر تم جنگ پر مصر رہے اور آج شام تک واپس گھروں میں نہ چلے گئے تو تمہاری اولاد کو عطا و بخشش سے محروم کر دیں گے اور تمہارے مجرموں کی وجہ سے غیر مجرموں کو دھریں گے۔ اور غائب کو حاضر کی بدولت جب تک گنہگار کی نسل باقی رہے گی وہ اس کے کرتوتوں کا خمیازہ بھگتنی پڑے گی۔“ اسی طرح دیگر شیوخ و اکابر نے بھی انہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔<sup>۳</sup>

اس شیطانی مکر و تزویر کا عامۃ الناس پر بہت اثر ہوا۔ اور لوگوں کے اعصاب پر مرکزی حکومت کے لشکر کا

۱۔ ارشاد، ص ۲۲۷۔ طبری، ج ۶، ص ۲۰۸۔ کابل، ج ۳، ص ۲۷۲ وغیرہ۔

۲۔ ارشاد، ص ۲۲۷۔ کابل، ج ۳، ص ۲۷۲ وغیرہ۔

۳۔ ارشاد، ص ۲۲۷۔ طبری، ج ۶، ص ۲۰۸۔ کابل، ج ۳، ص ۲۷۲ وغیرہ۔



خوف و ہراس کچھ اس طرح مسلط ہوا کہ انہوں نے دھڑا دھڑ متفرق ہونا شروع کر دیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ﴿كانت المرأة تاتى ابنها و اخاها فتقول انصرف الناس يكفونك و ينجي الرجل الى ابنه و اخيه فيقول غداً ياتيكم اهل الشام فما تصنع بالحرب و الشر انصرف﴾<sup>۱</sup> ”عورتیں اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے پاس آتیں اور کہتیں واپس چلو۔ دوسرے لوگ کافی ہیں۔ اور مرد اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے پاس آتے اور کہتے کل شام والے آ جائیں گے تم یہاں لڑ کر کیا کرو گے۔ واپس چلو۔“<sup>۲</sup>

(۵) جو لوگ جناب مسلم کے ہمراہ تھے۔ ان کو تو مذکورہ بالا شیطانی مکاریوں اور عیاریوں سے علیحدہ کیا جا رہا تھا۔ اور جو باقی ماندہ اہل ایمان مختلف محلوں میں موجود تھے اور جناب مسلم کی امداد کرنا چاہتے تھے۔ ان کے روکنے کا یہ بندوبست کیا گیا تھا کہ شہر کی ناکہ بندی کر دی گئی تھی تاکہ کوئی شخص نصرت مسلم کے لیے نہ آ سکے چنانچہ اس طرح بعض لوگ گرفتار بھی ہوئے۔<sup>۳</sup> یہ سب کچھ آٹھویں ذی الحجہ ۶۰ھ کو ہوا۔

بہر کیف انہی صبر آزما حالات کا نتیجہ تھا کہ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ نویں ذی الحجہ کی رات کو نماز مغرب کے بعد جناب مسلم اس طرح یکے و تنہا رہ گئے کہ رات کی تاریکی اور کوفہ کی گنجان آبادی میں سرگرداں پھر رہے تھے مگر کوئی راستہ بتانے والا اور کوئی ہمدردی کرنے والا نہیں ملتا تھا ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ اس بے کسی و بے بسی کے عالم میں جائیں تو کدھر اور رات گزاریں تو کہاں؟<sup>۴</sup>

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

جناب طوعہ کا مختصر تعارف

اسی عالم پریشانی و سرگردانی میں جناب مسلم بنی کندہ کے قبیلہ جبلہ کے محلہ میں جا نکلے۔ اور چلتے چلتے ایک مؤمنہ طوعہ نامی عورت کے دروازہ پر جا پہنچے۔ جو پہلے اشعث بن قیس کی ام ولد کنیز تھیں۔ جب اس نے اسے آزاد کر دیا تو اس نے اسید حضرمی سے شادی کر لی جس سے اس کے ہاں بلال نامی ایک لڑکا متولد ہوا۔<sup>۵</sup> (جس نے جناب مسلم کی ابن زیاد کے دربار میں منجری کی تھی) آج کے ہنگامہ دار و گیر میں یہ بلال بھی باہر گیا ہوا تھا۔ جناب طوعہ دروازہ پر اسی کا انتظار کر رہی تھیں۔ حضرت مسلم نے (اسلامی طریق کے مطابق) سلام کیا۔ اس مؤمنہ نے سلام کا

۱۔ ارشاد ص ۲۲۷ طبری، ج ۶، ص ۲۰۸۔ کامل، ج ۳، ص ۲۷۲ وغیرہ۔

۲۔ تفصیل تاریخ طبری، ج ۶، ص ۲۰۸ میں مذکور ہے۔

۳۔ ارشاد ص ۲۲۷۔ مہوف، ص ۳۶۔

۴۔ ارشاد ص ۲۲۷۔



جواب دیا۔ جناب نے فرمایا: ﴿يَا امة الله اسقيني ماء﴾ اے اللہ کی کنیز! مجھے پانی تو پلاؤ۔ طوع نے جناب کو پانی پلایا۔ جب یہ مؤمنہ برتن رکھنے اندر گئی۔ تو جناب مسلم (جو سارے دن کے تھکے ماندے تھے) وہیں دروازہ پر بیٹھ گئے۔ جب وہ واپس آئی اور جناب مسلم کو یہیں بیٹھے ہوئے دیکھا تو کہنے لگی: ﴿يا عبد الله الم تشرب؟﴾ اے اللہ کے بندے کیا آپ پانی پی نہیں چکے؟ جناب نے فرمایا: ﴿بلی﴾ ہاں!

کہا: ﴿فاذهب الی اهلك﴾ پھر اپنے گھر جائیے۔ یہ سن کر جناب مسلم خاموش رہے۔ طوع نے دوبارہ یہی کلمات دہرائے۔ حضرت مسلم پھر بھی خاموش رہے۔ تیسری بار (وہ تعجب اور غصہ کے ملے جلے جذبات کے ساتھ) کہنے لگی: ﴿سبحان الله ايا عبد الله قم عافاك الله الی اهلك فانه لا يصلح لك الجلوس علی بابی ولا احله لك﴾ سبحان اللہ! او اللہ کے بندے! تم اپنے گھر کیوں نہیں جاتے، تمہیں یہاں میرے دروازہ پر بیٹھنا موزوں نہیں ہے اور نہ ہی تمہیں یہاں بیٹھنے کی اجازت دیتی ہوں۔ یہ سن کر مسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ﴿يَا امة الله مالى فی هذا المصر منزل ولا عشيرة فهل لك الی اجر و معروف و لعلى اکافيك بعد اليوم؟﴾ اے اللہ کی کنیز (میں جاؤں تو کدھر جاؤں) میرا اس شہر میں نہ کوئی گھر ہے اور نہ کوئی قوم و قبیلہ۔ کیا تو (مجھے اپنے ہاں ٹھہرا کر) اجر و ثواب حاصل کرنا چاہتی ہے؟ شاید آج کے بعد تمہیں اس کا رخیہ کا کچھ بدلہ دے سکوں!

طوع نے (گھبرا کر) کہا: ﴿يا عبد الله وما ذالك﴾ اے خدا کے بندے! ماجرا کیا ہے؟ جناب نے فرمایا: ﴿انا مسلم بن عقيل كذبني هؤلاء القوم و غروني و اخرجوني﴾ میں مسلم بن عقیل ہوں۔ ان لوگوں نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ طوع نے تعجب کے لہجہ میں کہا: ﴿انت مسلم؟﴾ کیا آپ مسلم ہیں۔ آپ نے فرمایا: ﴿نعم﴾ ہاں میں مسلم ہی ہوں۔ یہ سنتے ہی طوع نے دروازہ کھول دیا۔ کہا: بسم اللہ اندر تشریف لائیے۔ چنانچہ وہ جناب مسلم کو اپنے مکان کے ایک کمرہ میں لے گئی۔ فرش خواب بچھایا۔ اور کھانا حاضر کیا مگر جناب مسلم نے تناول نہ فرمایا۔

اتنے میں طوع کا لڑکا بلال بھی آ پہنچا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کی والدہ بار بار اس کمرہ میں جاتی ہے اور آتی ہے۔ تو بلال نے اس کا سبب دریافت کیا۔ طوع نے ٹال دیا لیکن جب بلال نے حد سے زیادہ اصرار کیا۔ تو طوع نے اس سے پختہ عہد و پیمان لے کر کہ کسی سے حقیقت حال کا اظہار نہ کرے۔ سارا واقعہ کہہ سنایا۔ بلال سارا واقعہ سن کر خاموش ہو رہا۔ اور اپنی خواب گاہ پر جا کر لیٹ گیا۔“



قبل اس کے کہ جناب مسلم کا واقعہ مکمل کیا جائے۔ یہاں یہ بیان کر دینا بھی مناسب ہے کہ جب نویں ذی الحجہ کی شب جناب مسلم کی جماعت متفرق ہو گئی اور جناب مسلم یکہ و تنہا طوعہ کے گھر پناہ گزین ہوئے۔ ابن زیاد نے دیکھا کہ اب باہر بالکل خاموشی ہے۔ اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ دیکھو آیا ان لوگوں میں سے کوئی موجود ہے؟ انہوں نے کہا کہ کوئی بھی موجود نہیں ہے۔ مزید تحقیق کے لیے مشعلیں روشن کر کے مسجد کا کونہ کونہ چھان ڈالا گیا کہ مبادا کوئی شخص چھپا ہوا نہ ہو۔<sup>۱</sup> جب ابن زیاد کو یقین ہو گیا کہ سب لوگ چلے گئے ہیں تو قصر کے باب سدہ کے (جو مسجد کی طرف کھلتا تھا) اپنے ساتھیوں سمیت باہر نکل آیا۔ اور عمرو بن نافع کو حکم دیا کہ یہ اعلان کرے: ﴿برأت الذمة من رجل من الشرط و العرفاء و المناكب و المقاتلة صلى العتمة الا في المسجد﴾ پولیس والوں، عریفوں، نقیبوں اور جنگ جوؤں میں سے کوئی شخص آج نماز عشاء جامع مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ پڑھے گا تو حکومت اس کے جان و مال کی ذمہ دار نہ ہوگی۔<sup>۲</sup> پس اس اعلان کا ہونا تھا کہ تھوڑی دیر میں جامع مسجد نمازیوں سے چھلکنے لگی۔ ابن زیاد نے اپنے ارد گرد پہرے دار کھڑے کر کے نماز عشاء پڑھائی۔ اور اس کے بعد منبر پر چڑھ کر یہ خطبہ دیا۔ (نقل کفر کفر نباشد خاکش بدھنش) ﴿اما بعد فان ابن عقيل السفيه الجاهل قد اتى ما رايتم من الخلاف و الشقاق فبرأت ذمة الله من رجل وجدناه في داره و من جاء به فله ديتهم اتقوا الله عباد الله و الزموا اطاعتكم و بيعتكم ولا تجعلوا على انفسكم سبيلا﴾ ابن عقیل نے حکومت کے خلاف جو ہنگامہ آرائی کی وہ تم لوگوں نے دیکھ لی۔ ہم نے جس کے گھر اسے پالیا اس کے جان و مال کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔ اور جو اسے پکڑ کر لائے گا۔ اسے اس کی دیت دی جائے گی (یعنی دیت کے برابر انعام)۔ پھر حصین بن تمیم (جو کہ پولیس کا افسر تھا) کی طرف متوجہ ہو کر اسے تہدید آمیز لہجہ میں کہا کہ کوفہ کی سخت ناکہ بندی کر دو۔ تاکہ مسلم کہیں نکل کر جانہ سکیں۔ اور میں نے تمہیں تمام اہل کوفہ کے گھروں پر مسلط کر دیا ہے۔ صبح ہوتے ہی تمام گھروں کی تلاشی لو اور اس مرد (مسلم) کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ اس کے بعد عمرو بن حریت کو لوگوں کی دیکھ بھال اور نگہداشت کا منصب سونپ کر خود اندر چلا گیا۔<sup>۳</sup>

صبح سویرے ابن زیاد اپنے دربار میں بیٹھا۔ اور لوگوں کو حاضر ہونے کا اذن عام دے دیا۔ لوگ آنے شروع ہوئے۔ اسی اثناء میں اشعث بھی آیا۔ ابن زیاد نے اسے خوش آمدید کہا اور اپنے پہلو میں بٹھایا۔ ادھر طوعہ کا

۱۔ ارشاد ص ۲۲۸۔

۲۔ ارشاد ص ۲۹۳۔ کامل، ج ۳، ص ۲۷۲ وغیرہ۔

۳۔ ارشاد ص ۲۲۹۔ کامل، ج ۳، ص ۲۷۲ وغیرہ۔



بدطینت لڑکا بلال صبح سویرے اٹھ کر عبدالرحمن بن محمد بن اشعث کے پاس گیا۔ اور اسے بتایا کہ مسلم بن عقیل ہمارے گھر میں ہیں۔ اسی وقت عبدالرحمن دربار ابن زیاد میں اپنے باپ محمد بن اشعث کے پاس پہنچا۔ اور باپ کے کان میں یہ بات جا کر کہی۔ ابن زیاد حقیقت حال بھانپ گیا۔ فوراً پوچھا: کیا بات ہے؟ محمد بن اشعث نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ ابن زیاد نے محمد بن اشعث کے پہلو میں چھری لگاتے ہوئے کہا: اٹھو اور ابھی مسلم کو گرفتار کر کے لاؤ۔ اور ابن اشعث ہی کی قوم کے کچھ آدمی اس کے ہمراہ کر دیئے۔ (جن کی تعداد حبیب السیر میں تین سو (۳۰۰) لکھی ہے) اور عبید اللہ بن عباس سلمیٰ کی زیر قیادت بنی قیس کے ستر آدمی بھیج دیئے۔<sup>۱</sup> یہ فوج شمشیر بکف گھوڑے دوڑاتی ہوئی طوعہ کے گھر پہنچی اور گھر کا گھیراؤ کر لیا۔ اب ذرا اس طرف کی مختصر روئیداد بھی سن لیں۔ جناب مسلمؓ نے تمام رات عبادت الہی میں گزاری۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت شیخ عباس قتی نفس المہوم، صفحہ ۵۶ میں بعض کتب مقاتل کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جب صبح صادق طلوع ہوئی تو طوعہ نے وضو کے لیے جناب مسلمؓ کی خدمت میں پانی حاضر کیا اور ساتھ ہی عرض کیا: ﴿یا مولائی ما رأیتک رقدت فی هذه الليلة﴾ میرے آقا! آپ رات بھر سوئے نہیں۔ جناب مسلمؓ نے فرمایا: ﴿اعلمی انی رقدت رقدۃ فرأیت فی منامی عمی امیر المؤمنین علیہ السلام وهو یقول الوحی الوحی العجل العجل وما اظن الا انه اخرایامی من الدنیا﴾ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میری تھوڑی سی آنکھ لگ گئی تھی۔ میں نے خواب میں اپنے عم محترم حضرت امیر المومنینؑ کو دیکھا ہے جو فرما رہے تھے: جلدی کرو جلدی کرو۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ آج میری زندگی کا آخری دن ہے۔ بہر کیف نماز صبح پڑھی۔ اس کے بعد تعقیبات میں مشغول تھے کہ اچانک کانوں میں گھوڑوں کی ٹاپوں اور لوگوں کے شور شغب کی آواز پڑی: ﴿عجل فی دعائہ الذی کان مشغولاً بہ﴾ تو آپ نے بڑی جلدی کے ساتھ وہ دعا ختم کی۔ جس کے پڑھنے میں مشغول تھے۔<sup>۲</sup> اور زرہ پہن کر شمشیر بکف ہو کر اس اندیشہ سے کہ کہیں ظالم گھر کو آگ نہ لگا دیں۔ جلد باہر نکل آئے۔ اور بروایت کامل بہائی نکلتے ہوئے طوعہ سے فرمایا: ﴿قد ادیت ما علیک من البر والاحسان و اخذت نصیبک من شفاعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ سید الانس و الجن﴾ تو نے نیکی و احسان کا حق ادا کر کے شفاعت رسولؐ کا استحقاق حاصل کر لیا ہے۔<sup>۳</sup> پھر کہا: ﴿یا نفس اخرجی الی الموت الذی لیس منہ محیص﴾ اے نفس!

۱۔ ارشاد، ص ۲۲۹۔

۲۔ نفس المہوم، ص ۵۶ بحوالہ کامل بہائی۔

۳۔ نفس المہوم، ص ۵۶۔

۴۔ مقاتل الطالبین، ص ۷۵۔



اس موت کی طرف بڑھ جس سے کوئی مفر نہیں ہے۔ ان کو دیکھنا تھا کہ ظالم خونخوار درندوں کی طرح ان پر پل پڑے۔

شجاعتِ ہاشمی کے پیکر جنابِ مسلم بن عقیلؓ یہ شعر پڑھتے ہوئے ۱

ع هو الموت فاصنع ویک ما انت صانع فانک بکاس الموت لا شک جارع

جو کچھ کرنا ہے کر لو یہ موجود ہے اور اب یقیناً تمہیں موت کا پیالہ پینا ہے

ع فصرأ الامر الله جل جلاله فحکم قضاء الله فی الخلق واقع

خدائے ذوالجلال کے حکم پر صبر لازم ہے کیونکہ مخلوق میں خالق کی قضا و قدر کا حکم نافذ ہے۔

شیرانہ انداز میں ان پر ٹوٹ پڑے چنانچہ اسی ایک حملہ میں اکتالیس (۴۱) آدمیوں کو فی النار و ستر کیا۔<sup>۱</sup>

حضرت شیخ عباس قمیؒ نے مقتل محمد بن ابی طالب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب جنابِ مسلمؓ نے ابن اشعث

کے بہت سے آدمی ہلاک کر دیئے تو ابن اشعث نے ابن زیاد سے مزید کمک بھیجنے کی درخواست کی۔<sup>۲</sup> ابن زیاد نے

لامت کرتے ہوئے کہلا بھیجا: ﴿بعثناک الی رجل واحد لتاتینا به... فکیف اذا ارسلناک الی غیرہ﴾

ہم نے تمہیں صرف ایک آدمی کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا اور تمہاری یہ حالت ہوگئی ہے اگر ہم نے کل کلاں کسی اور

(فوج کے مقابلہ میں) بھیجا تو پھر تمہاری کیا کیفیت ہوگی! ابن اشعث نے جواب میں کہلا بھیجا: ﴿ایہا الامیر انظن

انک بعثنی الی بقال من بقالی الکوفۃ او الی جرمقانی من جرمقۃ الحیرۃ او لم تعلم ایہا الامیر

انک بعثنی الی اسد ضرغام و سیف حسام فی کف بطل ہمام من ال خیر الانام﴾

اے امیر کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ نے مجھے کوفہ کے کسی سبزی فروش یا مقام حیرہ کے کسی جرمقانی کے

گرفتار کرنے کے لیے بھیجا ہے؟ اے امیر! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ نے مجھے ایک ایسے شخص کی گرفتاری کے لیے

بھیجا ہے جو شیر پوش شجاعت ہے۔ اور ایسی برندہ تلوار ہے جو نسل خیر الانام کے بطل جلیل کے ہاتھوں میں ہے۔<sup>۳</sup> ابن

زیاد نے کہلا بھیجا: ﴿اعطہ الامان فانک لا تقدر علیہ الا به﴾ تم ان کو امان (کا دھوکا) دے دو کیونکہ اس کے

بغیر تم ان پر قابو نہیں پاسکتے۔<sup>۴</sup> اور بروایت منتخب طریخی کچھ کمک بھی بھیج دی۔<sup>۵</sup> ادھر گھسان کارن پڑ رہا تھا۔ جناب

۱ مناقب شہر ابن آشوب، ج ۳، ص ۹۰۔

۲ المنتخب للطریخی، ص ۲۹۹۔

۳ یہ ایک عجیبی قوم کا نام ہے جو اوائل اسلام میں موصل وغیرہ کے علاقہ میں آکر آباد ہوگئی تھی جو قرینہ مقام سے بزدل معلوم ہوتی ہے۔

(منہ عفی عنہ)

۴ المنتخب للطریخی، ص ۲۲۹۔

۵ النسخ المہوم، ص ۷۵۔



مسلم اور بکر بن حمران احمری آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ احمری ملعون نے ایک وار کیا جو جناب مسلم کے دہن مبارک پر لگا جسے ان کا بالائی ہونٹ کٹ گیا اور ہونٹ کچھ زخمی ہوا۔ اور اگلے دو دانت بھی اکھڑ گئے۔ اس کے بعد جناب مسلم نے اس پر پے در پے دو وار کئے۔ ایک سر پر اور دوسرا کاندھے پر جو قریباً پیٹ تک اتر گیا۔ مگر وہ نابکار قتل ہونے سے بچ گیا۔ اس کے بعد ان لوگوں میں اور زیادہ اشتعال پیدا ہو گیا۔ اور اسی اثنا میں کچھ لوگ مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے۔ اور جناب مسلم پر پتھر برسانے شروع کئے۔ اور کچھ ملائین آگ روشن کر کے ان پر پھینکنے لگے۔ یہ دیکھ کر جناب مسلم پھرے ہوئے شیر کی طرح تلوار سونت کر کوچہ و بازار میں جو ہر شجاعت دکھانے لگے۔ محمد بن اشعث نے مکروہ فریب سے امان کا اعلان کرتے ہوئے کہا: ﴿لَا أَمَانٌ لَّا تَقْتُلُ نَفْسَكَ﴾ آپ کے لیے امان ہے اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ جناب مسلم نے یہ فرما کر کہ ﴿وَإِنِّي أَمَانٌ لِّلْعَدُوِّ الْعَجُورَةِ﴾ دھوکہ باز فاسقوں اور فاجروں کی امان پر کیا اعتبار ہے؟ ان کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ اس وقت آپ یہ رجز پڑھتے جاتے تھے اور بڑھ بڑھ کر حملے بھی کرتے جاتے تھے۔

۱۔ اَقْسَمْتُ لَا أَقْتُلُ إِلَّا حَرًّا  
میں نے قسم کھالی ہے کہ آزادی کی موت مردوں کا

۲۔ كُلُّ امْرَأٍ يَوْمَ امْلَاقٍ شَرًّا  
مگر ہر شخص کو کبھی نہ کبھی شر کا سامنا کرنا پڑتا ہے

۳۔ رَدَّ شَعَاعَ النَّفْسِ فَاسْتَقْرَأَ  
نفس کی گھبراہٹ دور کر دی گئی اور وہ مطمئن ہو گیا ہے

۴۔ اِنْكَ لَا تَكْذِبُ وَلَا تَغْرُ ﴿آپ سے کوئی جھوٹ اور  
فریب نہیں کیا جائے گا۔﴾ مگر جناب مسلم نے ان کی اس یقین دہانی پر کوئی توجہ نہ کی اور برابر جہاد کرتے رہے۔

یہاں تک کہ زخموں کی کثرت، خون کے زیادہ بہہ جانے اور شدت پیاس سے نڈھال ہو جانے کی وجہ سے ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ اس حال میں بھی ظالم برابر تیر اور پتھر مارتے رہے۔ جناب مسلم نے فرمایا:

﴿مَالَكُمْ تَرْمُونِي بِالْأَحْجَارِ كَمَا تَرِي الْكُفَّارَ وَأَنَا مِنْ أَهْلِ بَيْتِ الْأَنْبِيَاءِ الْأَبْرَارِ وَلَا تَرْعَوْنَ حَقَّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ فِي ذَرْبِهِ﴾ اونا ظالمو! تمہیں کیا ہو گیا ہے مجھے اس طرح پتھر مار رہے ہو جس

۱۔ اللہوف، ص ۷۴۔ نفس المہموم، ص ۵۷۔

۲۔ نفس المہموم، ص ۵۷۔



طرح کفار کو مارے جاتے ہیں۔ حالانکہ میں انبیاء ابرار کے خانوادہ سے ہوں۔ تم جناب رسول خدا ﷺ کی اولاد کے معاملہ میں آنحضرتؐ کے حقوق کی بھی رعایت نہیں کرتے؟ اسی حالت میں ایک ظالم نے عقب سے چھپ کر ایک ایسا نیزہ مارا کہ جناب زمین پر گر پڑے اور دوسرے ملائین نے آگے بڑھ کر جناب کو گرفتار کر لیا۔<sup>۱</sup>

لیکن شیخ مفیدؒ اور مؤرخ جزری وغیرہ بعض ارباب تحقیق کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جناب مسلمہ زخموں سے چور چور ہو کر دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے۔ تو اس وقت پھر ابن اشعث نے امان کی پیشکش کی۔ اور سوائے عبید اللہ بن عباس سلمیٰ کے ابن اشعث کے دوسرے ساتھیوں نے بھی وعدہ امان کی توثیق کی۔ جناب مسلمہ نے فرمایا: ﴿آمن انّا؟﴾ کیا میں واقعی امان میں ہوں۔ سوائے ابن عباس سلمیٰ کے باقی سب نے کہا: ہاں۔ آپ امان میں ہیں تب جناب مسلمہ نے فرمایا: ﴿انسی واللہ لولا امانکم لما وضعت یدی فی ایدیکم﴾ بخدا اگر تمہارا وعدہ امان نہ ہوتا تو میں ہرگز اپنے آپ کو تمہارے سپرد نہ کرتا۔ جناب نے تلوار نیام میں ڈال کر گلے میں لٹکالی۔ اس کے بعد ان کے لیے سواری لائی گئی۔ اس پر ان کو سوار کر کے دارالامارہ کی طرف لے چلے۔ ظالموں نے آگے بڑھ کر جناب سے تلوار چھین لی۔ آپ نے فرمایا: ﴿هذا اول الغدر﴾۔ یہ تمہارا پہلا دھوکہ ہے۔ ابن اشعث نے کہا: مجھے امید ہے کہ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ جناب نے فرمایا: ﴿ما هو الا الرجاء فاین امانکم﴾ اچھا اب صرف امید ہی ہے وہ تمہارا وعدہ امان کیا ہوا۔ پھر کلمہ استرجاع ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُونَ﴾ زبان پر جاری فرمایا۔ اور پھر رو پڑے۔ عبید اللہ بن عباس سلمیٰ نے کہا: تم جیسا شخص جو ایسے عظیم کام کے لیے کھڑا ہو۔ جب اسے ایسے حالات درپیش ہوں تو اسے رونا نہیں چاہئے۔ جناب مسلمہ نے فرمایا: ﴿انسی واللہ ما ابکی لنفسی ولا لها من القتل ارئی... و لکن ابکی لاهلی المقبلین الی ابکی للحسین و لال الحسین علیہم السلام﴾ بخدا میں اپنی جان کے لیے نہیں رو رہا۔ اور نہ ہی قتل سے خائف ہوں میں تو اپنے ان اہل و عیال کے لیے جو ادھر آ رہے ہیں۔ اور حسینؑ اور آل حسینؑ علیہم السلام کے لیے رو رہا ہوں۔ پھر محمد بن اشعث سے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تم مجھے امان نہیں دلوا سکو گے۔ تم صرف اتنی بھلائی کر سکتے ہو تو کرو کہ کوئی آدمی بھیج کر امام حسینؑ کو میری طرف سے پیغام بھجوادو کہ میں گرفتار کر لیا گیا ہوں۔ اور خیال غالب ہے کہ شام تک قتل ہو جاؤں گا۔ لہذا میرے آقا کوفہ والوں پر اعتماد کر کے ادھر کا رخ نہ کرو۔ ابن اشعث نے وعدہ کیا کہ میں ضرور ایسا کروں گا۔<sup>۲</sup> بہر کیف جب جناب مسلمہ دارالامارہ

۱۔ مناقب شہر بن آشوب، ج ۳، ص ۳۹۰۔ مناقب، ج ۳، ص ۹۰۔ طبع ۹۹

۲۔ لمبوف، ص ۳۷۔ مقتل خوارزمی، ج ۱، ص ۲۰۹، ۲۱۰۔

۳۔ ارشاد، ص ۲۳۵۔ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۷۳۔ نفس المہوم، ص ۵۸۔



کے دروازہ پر پہنچے تو محمد بن اشعث ان کو وہاں ٹھہرا کر خود اجازت لے کر اندر گیا۔ اور جناب مسلم کی گرفتاری اور انہیں امان دینے کا تمام واقعہ کہہ سنایا۔ ابن زیاد نے بگڑ کر کہا: تم امان دینے والے کون ہوتے ہو؟ ہم نے تمہیں اس لیے تو نہیں بھیجا تھا کہ ان کو امان دو بلکہ اس لیے بھیجا تھا کہ ان کو پکڑ کر یہاں لاؤ۔ یہ تلخ جواب سن کر ابن اشعث بالکل خاموش ہو گیا۔<sup>۱</sup> چونکہ جناب مسلم بہت تھکے ہوئے تھے اور پیاس کا غلبہ تھا۔ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ دیکھا کہ وہاں ٹھنڈے پانی سے بھری ہوئی صراحی موجود ہے۔ جناب نے فرمایا: ﴿اسقونی من هذا الماء﴾ مجھے اس سے کچھ پانی پلا دو۔ اس وقت وہاں اندر جانے کے انتظار میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے جن میں عمارہ بن عقبہ، عمرو بن حرث، مسلم بن عمرو باہلی اور کثیر بن شہاب تھے۔ مسلم بن عمرو باہلی نے یہ گستاخانہ جواب دیا: ﴿اتراہا ما ابر دھا واللہ لا تذوق منها قطرة ابدًا حتی تذوق الحمیم فی نار جہنم﴾ (نقل کفر کفر نباشد) دیکھتے ہو کیسا ٹھنڈا پانی ہے لیکن بخدا تم اس کا ایک قطرہ بھی نہیں چکھ سکتے۔ یہاں تک کہ آتش جہنم میں کھولتا ہوا پانی پیو۔ جناب مسلم نے کہا: ﴿ویلک من انت؟﴾ افسوس ہے تمہارے اوپر تو کون ہے؟ جب اس ملعون نے اپنا تعارف کرایا۔ تو جناب مسلم نے فرمایا: ﴿لا ملک الشکل ما اجفاک و افظک و اقسى قلبک انت بابن باہلۃ اولی بالحمیم و الخلود فی نار جہنم منی﴾ تمہاری ماں تمہارے ماتم میں بیٹھے تو کتنا درشت طبع، قسی القلب اور جفا کار ہے اے فرزند باہلہ! تو آتش جہنم میں ہمیشہ رہنے اور اس کا گرم پانی پینے کا زیادہ سزاوار ہے یہ کیفیت دیکھ کر عمرو بن حرث نے (اور بروایت عمارہ<sup>۲</sup> بن عقبہ) نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ جناب مسلم کو پانی پلائے۔ چنانچہ وہ پانی کی ایک صراحی اٹھا کر لایا جس پر رومال ڈالا ہوا تھا۔ پیالہ بھی ہمراہ تھا۔ اس نے پیالہ بھر کر جناب مسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ جونہی آپ نے پینے کا ارادہ فرمایا۔ تو پیالہ آپ کے خون دہن سے رنگین ہو گیا۔ جناب نے وہ پیالہ انڈیل دیا۔ دوسرا پیالہ پیش کیا گیا۔ جب جناب نے پینا چاہا۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ سہ بارہ کوشش کی تو خون کے ساتھ جناب کے دوا گلے دانت بھی ٹوٹ کر پیالہ میں گر گئے۔ یہ کیفیت دیکھ کر جناب مسلم نے فرمایا: ﴿الحمد للہ لو کان لی من الرزق المقسوم لشربتہ﴾ ہر حال میں حمد خدا ہے اگر یہ پانی میرے مقدر میں ہوتا تو ضرور پیتا۔ یہ کہہ کر پیالہ ہاتھ سے رکھ<sup>۳</sup> دیا۔

اس کے بعد ابن زیاد کا آدمی آیا اور جناب مسلم کو اندر لانے کا حکم دیا۔ سب اہل سیر و توارخ کا اتفاق ہے

۱۔ ارشاد، ص ۲۳۱۔ نفس المہوم، ص ۵۹ وغیرہ۔

۲۔ طبری، ج ۶، ص ۲۱۲۔

۳۔ ارشاد، ص ۲۳۱۔ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۷۴۔ نفس المہوم، ص ۵۹۔



کہ جب جناب مسلم بن زیاد کے دربار میں پیش ہوئے۔ تو غیرت ہاشمی کے پیکر نے ابن زیاد کو سلام امیری (امیر کہہ کر سلام) نہ کیا۔ ساتھ والے سپاہی نے کہا بھی کہ آپ امیر پر سلام کیوں نہیں کرتے۔ جناب مسلم نے فرمایا: ﴿ان کان یزید قتلہ فاما سلامی علیہ و ان کان لا یزید قتلہ لیکثرن سلامی علیہ﴾ اگر ابن زیاد میرے قتل کا ارادہ رکھتا ہے تو پھر سلام کا فائدہ؟ اور اگر قتل کا ارادہ نہیں رکھتا تو پھر سلام و کلام ہوتا ہی رہے گا۔ ابن زیاد نے کہا: ﴿لعمری لقتلن﴾ تمہیں ضرور قتل کیا جائے گا۔<sup>۱</sup> جناب سید بن طاووس نے لکھا ہے کہ جب سپاہی نے امیر کو سلام نہ کرنے کا اعتراض کیا تو جناب مسلم نے فرمایا: ﴿اسکت و یحل واللہ ما ہو لی بامیر﴾ خاموش رہو بخدا ابن زیاد میرا امیر نہیں ہے۔<sup>۲</sup> اور طریقہ کی نے لکھا ہے کہ جناب مسلم نے یہ جواب دیا۔ ﴿واللہ مالی امیر غیر الحسین بن علی﴾ بخدا میرا سوائے حسین کے اور کوئی امیر نہیں ہے۔ جناب مسلم نے ابن زیاد سے فرمایا: اگر مجھے قتل ہی کرنا ہے تو اتنی مہلت دے کہ میں کچھ وصیت کر لوں۔ جب مہلت ملی تو جناب نے حاضرین مجلس پر اک نگاہ ڈالی جن میں عمر بن سعد بھی تھا۔ جناب مسلم نے فرمایا: میرے اور تمہارے درمیان کچھ قرابت ہے۔ علیحدگی میں میری بات سنو اور اس پر عمل بھی کرنا۔ ابن سعد نے بات سننے میں کچھ پہلو تہی کی۔ جس پر ابن زیاد نے کہا: آخر بات سننے میں کیا قباحت ہے؟ اب ابن سعد اٹھا۔ جناب مسلم اسے علیحدہ لے گئے۔ جہاں ابن زیاد بھی ان کو دیکھ رہا تھا۔

فرمایا: (۱) جب سے میں کوفہ آیا ہوں۔ میں سات سو درہم کا مقروض ہو چکا ہوں۔ یہ میری زرہ اور تلوار فروخت کر کے میرا قرضہ ادا کر دینا۔ (۲) جب میں قتل ہو جاؤں تو ابن زیاد سے میری لاش لے کر اسے دفن کر دینا۔ (۳) کوئی آدمی امام حسین کی طرف بھیجنا جو ان کو یہاں آنے سے روکے۔ کیونکہ میں ان کو لکھ چکا ہوں کہ یہاں کی فضا سازگار ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ وہ تشریف لا رہے ہوں گے۔ وصیت ہو چکی تو واپس آ گئے۔ ابن سعد نے اسی وقت اپنی کمینگی کا ثبوت دیتے ہوئے ابن زیاد سے کہا: اے امیر! کیا آپ کو معلوم ہے۔ مسلم نے مجھے کیا کہا ہے؟ انہوں نے مجھ سے یہ یہ باتیں کی ہیں۔ اس کی ناشائستہ حرکت کو ابن زیاد نے بھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھ اور اس وقت یہ ضرب النثل زبان پر جاری کی: ﴿لا یخونک الامین ولكن قد یؤتمن الخائن﴾ امین کبھی خیانت نہیں کرتا مگر کبھی غلطی سے خیانت کار کو امانت دار سمجھ لیا جاتا ہے۔ پھر جناب مسلم کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

(۱) جہاں تک تمہارے مال کا تعلق ہے ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ آپ جہاں چاہیں اسے

۱۔ ارشاد ص ۵۹۔

۲۔ لبوف ابن طاووس ص ۴۷۔

۳۔ منتخب ص ۲۱۲۔



صرف کریں۔

(۲) قتل کرنے کے بعد ہمیں آپ کی لاش سے کیا مطلب؟

(۳) اور جہاں تک حسینؑ کا تعلق ہے۔ اگر وہ ہمارا ارادہ نہیں کریں گے تو ہم بھی ان کا قصد نہیں کریں گے۔

اس کے بعد جناب مسلمؑ اور ابن زیاد کے درمیان کچھ اس طرح سلسلہ کلام جاری ہوا۔ ابن زیاد نے جناب مسلمؑ پر بغاوت اور افتراق بین المسلمین کا الزام عائد کرتے ہوئے کہا:

﴿لقد خرجت على امامك و شققت عصا المسلمين و القحت الفتنة﴾ اے مسلمؑ! تم نے اپنے امام پر خروج کیا۔ اور مسلمانوں کے اتفاق کو پارہ پارہ کیا۔ اور فتنہ کا بیج بویا۔ جناب مسلمؑ نے فرمایا: ﴿كذبت انما شق العصا معاوية و ابنه يزيد و الفتنة القحها ابوك و انا ارجو ان يرزقني الله الشهادة على يد شر بريته﴾ تم غلط کہتے ہو۔ مسلمانوں کے اتحاد کو معاویہ اور اس کے بیٹے یزید نے پارہ پارہ کیا ہے اور فتنہ و فساد کا بیج تمہارے باپ (یزید) نے بویا ہے۔ اور میں امیدوار ہوں کہ خدا مجھے بدترین خلائق آدمی کے ہاتھوں درجہ شہادت پر فائز کرے گا۔

ابن زیاد:- ﴿ايها يا بن عقيل اتيت الناس وهم جمع فشتت بينهم و فرقت كلمتهم﴾ خاموش! اے ابن عقیل! تم نے یہاں آ کر لوگوں کے اندر تفرقہ ڈال دیا حالانکہ وہ مجتمع تھے۔

جناب مسلمؑ:- ﴿كلا لست لذلك اتيت ولكن اهل المصر زعموا ان اباك قتل خيارهم و سفك دمانهم و عمل فيهم اعمال الكسرى و قيصر فاتيناهم لنامر بالعدل و ندعوا الى حكم الكتاب و السنة﴾ تمہارا الزام غلط ہے۔ میں مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی کرانے اور تفرقہ ڈالنے کے لیے نہیں آیا بلکہ اس شہر والوں نے یہ ظاہر کیا تھا کہ تمہارے باپ (یزید) نے ان کے نیک لوگوں کو قتل کر دیا ہے۔ اور ان کا خون بہایا ہے۔ اور ان میں رہ کر کسریٰ و قیصر کے اعمال کا ارتکاب کیا ہے۔ اس لیے ہم آئے تاکہ عدل و انصاف کے ساتھ حکم کریں اور ان کو کتاب خدا اور سنت رسولؐ پر عمل کرنے کی طرف دعوت دیں۔

ابن زیاد:- ﴿ما انت و ذلك يا فاسق او لم تكن تعمل فيهم بالعدل... الخ﴾ تمہیں ان امور سے کیا

۱۔ ارشاد، ص ۲۳۲۔ کمال ج ۳، ص ۲۷۴ وغیرہ۔

۲۔ مقتل ابن نما، ص ۱۷۔

۳۔ ارشاد، ص ۲۳۲، ۲۳۳۔ طبری، ج ۶، ص ۲۱۲۔



واسطہ کیا ہم ان میں عدل و انصاف نہیں کرتے تھے؟ اس کے بعد ابن زیاد بدنہاد نے جناب مسلمؓ حضرت امیر علیہ السلام، جناب عقیل اور حضرت امام حسینؓ کے حق میں ناسزا کلمات استعمال کئے۔

جناب مسلمؓ: ﴿انت و ابوک احق بالشتیمۃ﴾ تو اور تمہارا باپ ان گالیوں کا زیادہ سزاوار ہے۔<sup>۱</sup>  
 ابن زیادؓ: ﴿یہا فاسق ان نفسک تمناک ما حال اللہ دونہ ولم یرک اللہ لہ اہلاً﴾ تمہارے نفس نے اس چیز کی تمنا کی جس کا خدا تمہیں اہل نہیں جانتا تھا اس لیے وہ تمہاری آرزو کے درمیان میں حائل ہو گیا۔  
 جناب مسلمؓ: ﴿فمن اہلہ اذا لم تکن اہلہ﴾ اگر ہم اس کے اہل نہیں تو پھر کون اس کا اہل ہے۔<sup>۲</sup>  
 ابن زیادؓ: ﴿امیر المؤمنین یزید﴾ یزید اس کا اہل ہے۔

جناب مسلمؓ: ﴿الحمد للہ علی کل حال رضینا باللہ حکماً بیننا و بینکم﴾ ہم اپنے اور تمہارے درمیان خدا کے حاکم ہونے پر راضی ہیں۔<sup>۳</sup>

ابن زیادؓ: ﴿انتظن ان لک فی الامر شیئاً﴾ کیا تم خیال کرتے ہو کہ تمہارا بھی امر خلافت میں کچھ حصہ ہے؟  
 جناب مسلمؓ: ﴿واللہ ما هو الظن ولكنه یقین﴾ خدا کی قسم یہ ظن و گمان نہیں بلکہ یقین ہے (کہ امامت ہمارا حق ہے)۔<sup>۴</sup>

ابن زیادؓ: ﴿قتلنی اللہ ان لم اقتلک قتلة لم یقتلہا احد فی الاسلام من الناس﴾ خدا مجھے غارت کرے۔ اگر میں تمہیں اس طرح قتل نہ کروں کہ اس سے قبل اسلام میں کوئی شخص اس طرح قتل نہ ہوا ہو۔  
 جناب مسلمؓ: ﴿اما انک احق من احدث فی الاسلام ما لم یکن... الخ﴾ ہاں البتہ تم دین اسلام میں بدعت پھیلانے والوں میں سے اس سے زیادہ حقدار ہو۔<sup>۵</sup>

جناب مسلمؓ کے حقیقت پسندانہ اور جرأت مندانہ جوابات کے پیش نظر اب ابن زیاد کو مزید سوال و جواب کی تاب نہ رہی۔ بکیر بن حمران الاحمریؓ (جس نے جناب مسلمؓ کا ہونٹ شکافتہ کیا تھا۔ اور جناب مسلمؓ نے اسے زخمی کیا تھا) (اور بروایت ایک شامی حکم کو حکم دیا کہ قصر کے اوپر جا کر ان کو قتل کر کے سر و جسد کو نیچے پھینک دو۔ چنانچہ ظالم قاتل ان کو اوپر لے گیا۔ اس وقت جناب مسلمؓ کی زبان پر تکبیر و استغفار اور صلوات کا ورد جاری تھا اور یہ بھی کہتے

۱۔ مہوف، ص ۳۹۔

۲۔ کمال ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۷۴۔

۳۔ مہوف، ص ۳۹۔ ارشاد، ص ۲۴۲۔

۴۔ ارشاد، ص ۲۴۲۔

۵۔ ارشاد، ص ۲۴۲۔ کمال، ج ۳، ص ۲۷۴ وغیرہ۔

۶۔ ارشاد، ص ۲۴۲۔ مروج الذهب مسعودی، ج ۳، ص ۸۔ کمال ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۷۴ وغیرہ۔ مقل خوارزمی، ج ۱، ص ۲۱۴۔



جاتے تھے: ﴿اللّٰهُمَّ احْكُم بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِ غُرُونَا وَكَذِبُونَا وَوَحْدَلُونَا﴾ اس کے بعد احمری نے ان پر ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ جناب کا سر مبارک کٹ کر نیچے آ رہا۔ بعد ازیں اُس ملعون نے جناب کا جسد اقدس بھی نیچے پھینک دیا۔ یہ واقعہ ہائیکہ بروز چہار شنبہ ۹ ذی الحجہ ۶۰ھ کو رونما ہوا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

حضرت مسلم کی شہادت کے بعد ظالم ابن زیاد نے حضرت ہانی کے قتل کا حکم دیا جواب تک قید خانہ میں پڑے تھے۔ اگرچہ ابن اشعث نے ابن زیاد کو مشورہ دیا کہ ہانی کی عزت اور عظمت کے پیش نظر اسے قتل کر کے اس کی قوم و قبیلہ اور عام لوگوں کی ناراضی مول نہیں لینی چاہئے۔ مگر اس کی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ سر بازار ان کی گردن اڑادی جائے۔ چنانچہ جناب ہانی کو اس حال میں قید خانہ سے نکالا گیا کہ ان کی مشکلیں بندھی ہوئی تھیں۔ وہ بڑی بے بسی اور بے بسی کے عالم میں کہتے جا رہے تھے: ﴿وَاَمْدَحْجَاهُ وَلَا مَدْحَجَ لِي الْيَوْمَ يَا مَدْحَجَاهُ يَا مَدْحَجَاهُ﴾ کہاں ہیں میرے قبیلہ مدحج والے، ہائے آج مدحج دکھائی نہیں دیتے۔ اتنے بڑے سردار قبیلے کو اس ذلت و رسوائی کے ساتھ قتل گاہ کی طرف لے جایا جا رہا تھا مگر لوگوں پر کچھ اس طرح خوف و ہراس مسلط تھا کہ کوئی شخص ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا حتیٰ کہ اسی بے بسی کے عالم میں عین اس مقام پر جہاں گوسفندوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ ابن زیاد کے رشید نامی ترکی غلام نے تلوار سے ان کے سر کو تن سے جدا کر دیا۔ اس وقت جناب ہانی کی زبان پر یہ کلمہ جاری تھا: ﴿اَلِیْسَ اللّٰهُ الْمَعَادِ اللّٰهُمَّ اِلٰی رَحْمَتِكَ وَ رِضْوَانِكَ وَ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾

ظالم حاکم نے اسی پراکتفانہ کی۔ بلکہ منتخب کے بیان کے مطابق حکم دیا کہ دونوں بزرگواروں کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر ان کی مقدس لاشوں کو کوفہ کے بازاروں میں گھسیٹا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بعد ازاں باب الکناسہ پر ان کی مقدس لاشوں کو الٹا لٹکا دیا گیا۔ اور سر ہائے مبارک قلم کر کے دمشق بھجوا دیئے۔ جنہیں یزید عنید نے دمشق کے دروازہ پر نصب کر دیا۔<sup>۱</sup>

ع فلیک علی الاسلام من کان باکیا

ع فان كنت لا تدبرین ما لموت فانظری الی هانی فی السوق و ابن عقیل  
اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

۱۔ ارشاد ص ۲۲۳۔ طبری، ج ۲، ص ۲۱۳۔ کامل، ج ۳، ص ۲۷۴۔ نفس المہوم، ص ۶۱ وغیرہ۔ ۲۔ ارشاد ص ۲۴۳۔

۳۔ ارشاد ص ۲۲۳۔

۴۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۹۱۔ ۵۔ ابوالفداء، ج ۲، ص ۱۹۰۔ البدایہ، ج ۸، ص ۱۵۷۔



## شہنشاہِ عرب و عجم کی مکہ مکرمہ سے بجانب کربلا معلیٰ روانگی اور منازل سفر

اس امر کو نیرنگی روزگار اور فلکِ بکھر فقا کی کج رفتاری کا شاہکار سمجھنا چاہئے کہ عین اس وقت جبکہ تمام اطراف و اکنافِ عالم سے مسلمان فریضہ حج ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ کا رخ کر رہے تھے۔ رسول اسلام ﷺ کا نواسہ، علیؑ کا فرزند، سب سے زیادہ ذوقِ عبادت رکھنے والا، جس کے ذوقِ عبادت کا یہ عالم تھا کہ پچیس (۲۵) حج پیدل چل کر کئے تھے۔ آج جبکہ حج میں صرف دو دن باقی تھے۔ عمرہ تمتع کو عمرہ مفردہ کے ساتھ بدل کر مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ حضرت مسلمؑ نے اپنی شہادت سے ستائیس روز پہلے (۱۲ ذی القعدہ) کو عابس بن شعیب شاکری کے ہاتھ آپؐ کی خدمت میں کوفہ آنے کے لیے جو نامہ ارسال کیا تھا۔ وہ آپؐ کو مل چکا تھا۔ جس کے بعد آپؐ کو نظر بہ ظاہر حالات کوفہ تشریف لے جانا ناگزیر ہو گیا تھا۔ مگر حج کو ترک فرما کر اس قدر غفلت سے کام کیوں لیا گیا؟ تکمیل حج میں صرف دو دن کا وقفہ تھا۔ کیا حسینؑ ایسے ذوقِ عبادت رکھنے والے بزرگوار کا یہ غیر متوقع اقدام غیر معمولی حالات و اسباب کے پیدا ہونے کی غمازی نہیں کرتا؟ شخصیتِ امام سے واقفیت نہ رکھنے والا انسان تو یہ کہہ سکتا ہے (بلکہ کہا بھی گیا ہے کہ) اہل کوفہ نے اپنے رسل و رسائل کے ذریعہ جس خلوص و عقیدت کا اظہار کیا تھا۔ اس نے آپؐ کو تکمیل حج کا انتظار نہ کرنے دیا۔ اور فوراً عراق کی طرف روانہ ہو گئے مگر جو لوگ ائمہ اطہارؑ کے کام و مقام کی کچھ بھی معرفت رکھتے ہیں۔ وہ ہرگز ایسا گمان بھی نہیں کر سکتے۔ یہ تمام چہ میگوئیاں اس لیے بھی ہوئی ہیں کہ امام عالی مقام کے اس عاجلانہ اقدام کے صرف ظاہری علل و اسباب عام لوگوں کے پیش نظر تھے۔ لیکن بنظرِ غائر حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید عنید نے حاجیوں کے لباس میں کئی آدمی بھیجے ہوئے تھے کہ موقع پا کر امامؑ کی شمع حیات کو گل کر دیں۔ کتب سیر و تواریخ کا مطالعہ کرنے سے اس امر کا ثبوت مل جاتا ہے۔ چنانچہ ینابیع المودت میں لکھا ہے:

﴿وکان فیہ خروج الحسین رضی اللہ عنہ من مکة الی العراق بعد ان طاف و سعى و احل من



احرامہ و جعل حجه عمرہ مفردة لانه لم يتمكن من اتمام الحج مخافة ان يبطش به و يقع الفساد في الموسم لان يزيد ارسل مع الحجاج ثلاثين رجلاً من شياطين بنى امية و امرهم بقتل الحسين عليه السلام على كل حال ﴿اس تاریخ (۸ ذی الحجہ ۶۰ھ)﴾ کو حضرت امام حسینؑ مکہ سے روانہ ہوئے۔ طواف و سعی کے بعد اپنے حج کو عمرہ مفردہ کے ساتھ بدل کر محل ہو گئے تھے۔ کیونکہ آپؑ تکمیل حج نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے کہ یزید نے بنی امیہ کے تیس شیطان صفت آدمی حج کے بہانہ سے حاجیوں کے لباس میں بھیجے تھے اور ان کو حکم دیا تھا کہ ہر حال میں حسینؑ کو شہید کر دیں۔

اس بات کی تائید مزید خود آنجنابؑ کے اس بیان حقیقت ترجمان سے بھی ہوتی ہے جو آپؑ نے مکہ سے روانگی کے بعد راستہ میں دوسری منزل (صفاح پر) فرزدق شاعر کے اس سوال کے جواب میں دیا تھا کہ ”آپؑ حج ترک کر کے کیوں تشریف لے جا رہے ہیں۔“ آپؑ نے فرمایا: ﴿لو لم اعجل لاخذت﴾ اگر میں جلدی نہ کروں تو گرفتار کر لیا جاؤں گا۔ حقیقت میں حضرات جانتے ہیں کہ اس طرح حضرت امام حسینؑ کی مکہ مکرمہ میں شہادت ہو جاتی تو اس سے دو خرابیاں ضرور لازم آتیں۔

اول :- یہ کہ مکہ مکرمہ اور بالخصوص خانہ خدا کی ہنگ حرمت ہوتی جسے حسینؑ ایسا محافظ آداب اسلامیہ و عارف حرمت الہیہ امام کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ آپؑ نے عبداللہ بن زبیر کے مکہ چھوڑنے کی وجہ دریافت کرنے پر فرمایا تھا کہ ﴿واللہ لان اقتل خارجاً منها بشیر احب الی من ان اقتل داخلها﴾ بخدا اگر میں مکہ سے صرف ایک بالشت بھی باہر قتل کیا جاؤں۔ تو یہ امر مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ مکہ کے اندر قتل ہوں۔

دوسرے :- اس طرح دشمن بڑی آسانی کے ساتھ شہادت امامؑ پر پردہ ڈالنے اور اپنی برأت ظاہر کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ ممکن تھا طواف بیت اللہ، وقوف عرفات، قربانی، منیٰ یا صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت آپؑ شہید کر دیئے جاتے اور قاتل ہنگامہ دار و گیر سے بچنے کی خاطر لوگوں کے اڑدھام میں گم ہونے میں کامیاب ہو جاتے (دریں حالات کون باور کرتا کہ اصل قاتل یزید یا اس کے مقرر کردہ آدمی ہیں۔ سیاسیات ملکیہ میں ایسے گھناؤنے جرائم پر پردہ ڈالنے کے لیے ایسا کیا جاتا ہے۔ مگر امام عالی مقام حکومت وقت کے ان ہتھکنڈوں سے کما حقہ واقف۔

۱۔ نتائج المودۃ، ج ۲، ص ۸۲، طبع ایران۔

۲۔ طبری، ج ۶، ص ۲۱۸۔ ارشاد، ص ۲۳۵۔

۳۔ طبری، ج ۶، ص ۲۱۷۔ کامل، ج ۳، ص ۲۷۶۔



تھے۔ اور مدینہ کا قیام بھی محض اسی لیے ترک کیا تھا کہ آپ کے واقعہ شہادت کو کوئی اتفاقی حادثہ سمجھ کر اس پر پردہ نہ ڈال دیا جائے۔ بہر حال یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ اگر سید الشہداء کی مکہ میں مخفی طور پر شہادت واقع ہو جاتی تو آج اس کو وہ اہمیت و عظمت حاصل نہ ہوتی جو اب اسے حاصل ہے اور نہ ہی اس شہادت پر وہ آثار مترتب ہوتے جن کی خاطر حسین ایسا حکیم اسلام و نباض امت اس کو اختیار کر رہا تھا۔ امام عالی مقام نے جزیرۃ العرب کے قلب (مکہ مکرمہ) سے اور وہ بھی اس وقت جبکہ تمام اطراف و اکناف عالم کے مسلمان فریضہ حج ادا کرنے کے لیے وہاں مجتمع تھے۔ احرام حج توڑتے ہوئے عراق کی طرف روانہ ہو کر درحقیقت لوگوں کے جمود فکری کو توڑ دیا اور ان کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ آخر کن حالات سے متاثر ہو کر حسینؑ نے یہ اقدام کیا ہے؟ اہل و عیال سمیت نانا کا جوار کیوں ترک کیا ہے؟ صرف دو دن باقی تھے۔ حج کیوں نہیں کیا؟ حسینؑ کیوں اور کہاں جا رہے ہیں؟ ہر آدمی کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ وہ سوچے کہ وہ کون سے حالات تھے جنہوں نے حرم خدا میں بھی حسینؑ کو آرام و اطمینان کا سانس نہ لینے دیا اور یہ کہ ان حالات کا ذمہ دار کون ہے؟ گویا اس طرح امام عالی مقام نے یہ اقدام کر کے یزید کے ظلم و ستم کو طشت از بام کر دیا اور کوئی جارحانہ اقدام نہ کر کے اپنی صلح جوئی اور مظلومی کا لوگوں سے اعتراف کرا لیا۔

امام کے اس حکیمانہ اقدام کا نتیجہ تھا کہ آپؑ کی شہادت کے بعد لوگوں پر یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ آپؑ کا قاتل کون ہے؟ اور یہ کہ آپؑ مظلوم ہیں؟ اس طرح یزید اور یزیدی حقیقت پر پردہ نہ ڈال سکے۔ مدینہ سے روانگی کی طرح یہاں بھی بعض لوگوں نے اپنی اپنی عقل و دانش کے مطابق امام علیہ السلام کو مشورے دیئے۔ اور سفر عراق سے روکا۔ جن میں ابن عباس اور ابن زبیر کے نام نمایاں نظر آتے ہیں مگر امام عالی مقامؑ نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہر شخص کو اس کے ظرف و حال کے مطابق جواب دیا اور برابر اپنے مشن کی تکمیل میں مشغول رہے۔

### ابن عباس کا مشورہ

چنانچہ عبداللہ بن عباس اور ابن زبیر نے امامؑ کے ارادہ سفر کی اطلاع پا کر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: فرزند رسولؐ! ہمیں حرم خدا میں مقیم رہیں اور سفر عراق کا ارادہ ترک فرمائیں۔ امامؑ نے ان کے جواب میں فرمایا: ﴿ان رسول اللہ امرنی بامر وانا ماض فیہ﴾ جناب رسول خدا ﷺ نے مجھے (عالم رویا میں) ایک خاص حکم دیا ہے اور میں اس کی تعمیل کروں گا۔

بعض آثار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے اس سوال پر کہ اگر آپؑ خود تشریف لے جا رہے ہیں تو پھر ان عورتوں اور بچوں کو کیوں ہمراہ لے جا رہے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: ﴿ان اللہ قد شاء ان یراقن سبا﴾ خدا کی یہ مشیت ہے کہ ان کو دشمنوں کی قید و بند میں دیکھے۔ (ناخ التواریخ، ج ۶، ص ۲۰۳ وغیرہ)



بہر حال علاوہ ان اعزہ واقارب کے جو کہ مدینہ سے آپ کے ہمراہ آئے تھے۔ کچھ لوگ بصرہ و حجاز وغیرہ کے بھی آپ کے ہمرکاب ہو گئے۔ اس طرح یہ مختصر مگر با عظمت قافلہ کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ آٹھ ذوالحجہ بروز سہ شنبہ ۶۰ھ کا واقعہ ہے۔ جس روز کوفہ میں حضرت ام بن عقیل نے خروج فرمایا تھا جیسا کہ قبل ازیں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

بعض کتب مقاتل میں لکھا ہے کہ جس روز حضرت امام حسینؑ مکہ سے روانہ ہوئے۔ اس کی شب کو اپنے اعزہ و احباب کے سامنے یہ خطبہ ارشاد فرمایا: ﴿الحمد لله ما شاء الله لا حول ولا قوة الا بالله و صلى الله على رسوله خط الموت على ولد آدم مخط القلادة على جيد الفتاة وما او لهنى الى اسلافى اشتياق يعقوب الى يوسف و خيرلى مصرع انا الاقيه كائى باوصالى تنقطعها عسلان القلوات بين النواويس و كربلا فيملأن منى اكر اشأ جوفاً و اجرية سبغاً لا محيص عن يوم خط بالقلم رضى الله رضانا اهل البيت نصبر على بلانه و يوفينا اجر الصابرين لن تشذ عن رسول الله صلى الله عليه و اله لحمة و هى مجموعة له فى حظيرة القدس تقربهم عينه و ينجز بهم وعدة من كان باذلاً مهجته و موطناً على لقاء الله نفسه فيرحل معنا فائى راحل مصباحاً انشاء الله﴾۔ ”حمد خدا و درود بر مصطفیٰ کے بعد۔ موت فرزند ان آدم کے لیے اس طرح لازم (اور باعث زینت) ہے جس طرح نو جوان عورت کے گلو کے لیے قلادہ (ہار) مجھے اپنے بزرگوں کے دیدار کا اس قدر سخت اشتیاق ہے۔ جس طرح جناب یعقوبؑ و دیدار یوسفؑ کے مشتاق تھے۔ میرے لیے ایک مقتل اختیار کیا گیا ہے۔ جسے میں ضرور دیکھوں گا۔ گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ جنگل کے بھیڑیے (فوج یزید کے بھیڑیا صفت سپاہی) میرے جوڑوں کو جدا کر رہے ہیں۔ اور مجھ سے (اپنی آرزوؤں و امیدوں کے) شکم پر کر رہے ہیں۔ اس دن سے بچنے کے لیے کوئی چارہ نہیں جو قلم قضا سے لکھ دیا گیا ہے۔ ہم اہل بیت خدا کی رضامندی پر راضی ہیں۔ ہم اس کی بلا و مصیبت پر صبر کریں گے۔ اور وہ ہمیں اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ رسول خدا ﷺ سے ان کے پارہائے گوشت دور نہیں رہیں گے (بلکہ) بہشت غبر سرشت میں وہ سب ان کے پاس جمع ہوں گے۔ اور ان کی وجہ سے آنحضرت کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ خدا ان سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرے گا۔ جو ہمارے بارے میں اپنی جان خرچ کرنا چاہتا ہے اور ملاقات حق کے لیے اپنے نفس کو آمادہ کر چکا ہے۔ وہ ہمارے ہمراہ چلے۔ میں کل صبح روانہ ہو رہا ہوں انشاء اللہ۔“

جب عمرو بن سعید الاشدرق (گورنر مکہ) کو آنجناب کی روانگی کی اطلاع ہوئی تو اس نے اس خیال سے کہ



شاید اہل عراق آپؐ پر اتفاق کر لیں اور اس طرح حکومت یزید میں خلل یا خلفشار واقع ہو اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کو کچھ آدمی دے کر آپؐ کو ارادۂ سفر سے باز رکھنے کے لیے بھیجا۔ چنانچہ ان لوگوں نے سوال و جواب کے بعد زبردستی سید راہ ہونے کی ناکام کوشش بھی کی۔ طرفین سے کچھ زد و کوب کی نوبت بھی پہنچی لیکن جب عمرو بن سعید کو اس صورت حال کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے آدمیوں کو واپس بلا لیا۔ اس طرح وہ لوگ یہ کہتے ہوئے کہ یا حسین! الا تتقی اللہ تخرج من الجماعة و تفرق بین هذه الامة واپس چلے گئے اور حضرت امام حسینؑ لی عملی و لکم عملکم انتم برینون مما عمل و انا بری مما تعملون فرماتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔<sup>۱</sup>

### مکہ سے کر بلا تک منازل سفر

اگرچہ مکہ سے کر بلا تک درمیانی منازل کی تفصیل و تعداد میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر تواریخ و مقاتل کی کتب معتبرہ مثل عشر بحار، تقام، زخار، نفس المہوم اور مقتل الحسینؑ للمقرم وغیرہا سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان منازل کی تعداد سولہ ہے جن کی تفصیل اور ہر منزل پر رونما ہونے والے واقعات کی بقدر ضرورت تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے تاکہ کر بلا کی خونی تاریخ کا کوئی پہلو تھنہ تکمیل نہ رہ جائے۔

### پہلی منزل: معجم (بروزین ترحیم)

اکثر کتب سیر و تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ سے روانگی کے بعد پہلی منزل یہی تھی جو کہ مکہ سے قریباً دو فرسخ اور بروایت آٹھ فرسخ کی مسافت پر واقع ہے۔<sup>۲</sup> اسی منزل پر جناب سید الشہداءؑ کی ایک قافلہ سے ملاقات ہوئی ہے جسے حاکم یمن بحیر بن اسحاق نے کچھ قیمتی مال و اسباب دے کر یزید بن معاویہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ چونکہ اس مال کے حقیقی مالک بحیثیت امام زمانہ آپؑ ہی تھے اس لیے آپؑ نے وہ مال و اسباب اپنے قبضہ میں لے لیا اور ساربانوں سے فرمایا: تم میں سے جو شخص ہمارے ساتھ عراق تک آنا چاہے ہم اسے پورا کرایہ دیں گے۔ اور جو یہاں سے واپس جانا چاہے اسے بقدر قطع مسافت کرایہ دے دیا جائے گا۔ چنانچہ کچھ لوگ آپؑ کے ہمراہ جانے پر رضامند ہو گئے۔ اور کچھ وہیں سے کرایہ لے کر واپس چلے گئے۔<sup>۳</sup> اکثر کتب سیر و تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی منزل پر جناب عبد اللہ بن جعفرؑ کے صاحبزادے جناب غون و محمد اپنے والد ماجد کا مندرجہ ذیل رقیمہ کریمہ لے کر خدمت امام

۱۔ تاریخ التواریخ، ج ۶، ص ۲۰۳۔ کمال، ج ۳، ص ۲۷۶۔

۲۔ مقتل الحسینؑ للمقرم، ص ۱۸۱۔

۳۔ حاشیہ نفس المہوم، ص ۹۱۔ بحار، ج ۱۰، ص ۱۸۵۔

طبری، ج ۶، ص ۲۱۸۔ مقتل خوارزمی، ج ۱، ص ۲۲۰۔ نفس المہوم، ص ۹۱۔ تقام، ص ۲۸۳ وغیرہ۔



میں حاضر ہوئے۔ اس رقیمہ کا مضمون یہ تھا: ﴿اما بعد فانی اسئلک باللہ لما انصرفت حین تقرأ کتابی  
 هذا فانی مشفق علیک من هذا الوجه ان یکون فیہ ہلاکک و استیصال اہلبیتک ان ہلکت  
 الیوم طفی نور الارض فانک علم المہتدین و رجاء المؤمنین فلا تعجل بالمسیر فانی فی اثر  
 کتابی و السلام﴾۔ امام بعد خدا را جب میرا یہ مکتوب پڑھیں تو اس سفر سے باز آ جائیں۔ کیونکہ مجھے اس سفر میں  
 آپ کی اور آپ کے خاندان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے اور اگر آپ کی موت واقع ہوگئی۔ تو زمین کا نور بجھ جائے گا۔  
 کیونکہ آپ ہی ہدایت حاصل کرنے والوں کے نشان راہ اور اہل ایمان کی امید گاہ ہیں۔ چلنے میں جلدی نہ کریں۔  
 کیونکہ میں خود بھی اس مکتوب کے بعد آ رہا ہوں۔ جس وقت حضرت سید الشہداء مکہ سے روانہ ہوئے۔ اس وقت  
 جناب عبد اللہ ہنوز مدینہ سے مکہ نہیں پہنچے تھے۔ پہنچنے پر جب ان کو آنجناب کی روانگی کا علم ہوا۔ تو اپنے دونوں  
 صاحبزادوں کو مندرجہ بالا مکتوب دے کر آنجناب کی خدمت میں روانہ کیا۔ اور آپ سیدھے عمرو بن سعید حاکم مکہ و  
 مدینہ کے پاس پہنچے اور ان سے جا کر امام علیہ السلام کے لیے امان نامہ حاصل کرنے کے متعلق گفتگو کی۔ حاکم نے کہا:  
 جو آپ عبارت مناسب سمجھیں۔ لکھ دیں۔ میں اس پر دستخط کر دوں گا۔ اور اپنی مہر بھی لگا دوں گا۔ چنانچہ اس مضمون کا  
 امان نامہ لکھا گیا: ﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم من عمرو بن سعید الی الحسن بن علی علیہما السلام  
 اما بعد فانی اسئل اللہ ان یصرفک عما یوبقک و ان یتبدیک لما یرشدک بلغنی انک قد  
 ترجعت الی العراق و انی اعمدک باللہ من الشقاق فانی اخاف علیک فیہ الہلاک و قد بعث  
 الیک عبد اللہ بن جعفر و یحییٰ بن سعید فاقبل الیٰ معہما فان لک عندی الامان و الصلۃ و البر  
 و حسن الجوار لک اللہ علیٰ بذلک شہید و کفیل و مراعی و وکیل و السلام علیک﴾۔ ”عمرو  
 بن سعید کی طرف سے حسین بن علی علیہما السلام کے نام۔ میں بارگاہ ایزدی میں سوال کرتا ہوں کہ وہ آپ کو باعث  
 ہلاکت امور سے باز رکھے اور جس بات میں خیر و خوبی ہو اس کی راہبری فرمائے۔ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ آپ عراق  
 تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں افتراق سے آپ کو خدا کی پناہ میں دیتا ہوں کیونکہ اس میں ہلاکت پوشیدہ ہے۔ میں  
 آپ کی طرف عبد اللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید کو بھیج رہا ہوں۔ آپ ان کے ساتھ واپس میرے پاس آ جائیں۔ آپ  
 کو امان دی جاتی ہے اور آپ کے ساتھ صلہ رحمی، نیکی اور اچھے پڑوسی والا سلوک کیا جائے گا۔ خدا اس بات کا شہید،  
 وکیل اور کفیل ہے۔“



چنانچہ جناب عبداللہ اور یحییٰ بن سعید یہ امان نامہ لے کر خدمت امام عالی مقام میں حاضر ہوئے۔ امان نامہ پیش خدمت کرنے کے بعد واپسی پر اصرار کیا۔ مگر امام علیہ السلام نے یہ فرما کر ﴿انہی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ فی المنام و امرنی بما انا ماض لہ﴾ میں نے عالم خواب میں جناب رسول خدا ﷺ کو دیکھا ہے اور اسی عالم میں انہوں نے مجھے ایک حکم دیا ہے جسے میں ضرور پورا کروں گا۔<sup>۱</sup> بہر حال جب جناب عبداللہ بالکل مایوس ہو گئے تو اپنے دونوں شاہزادوں کو خدمت امام میں حاضر رہنے اور بوقت ضرورت جہاد کرنے کا حکم دے کر واپس چلے گئے۔<sup>۲</sup> ”اور خود کچھ مجبور یوں کی وجہ سے اس سفر میں ساتھ نہ جاسکے۔“<sup>۳</sup>

### دوسری منزل: صفاح

یہ منزل مکہ مکرمہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس منزل پر جناب سید الشہداء کی مشہور شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی۔ جو اپنی والدہ کے ہمراہ بغرض حج کوفہ سے آرہا تھا۔ امام علیہ السلام نے اس سے اہل کوفہ کے حالات دریافت کئے۔ فرزدق نے صحیح تجزیہ کرتے ہوئے کہا: ﴿قلوب الناس معک و سیوفہم علیک و القضا ینزل من السماء و اللہ یفعل ما یشاء﴾ آقا لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور ان کی تلواریں آپ کے برخلاف۔ قضا آسمان سے نازل ہوتی ہے اور خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

امام عالی مقام نے فرمایا: ﴿صدقت للہ الامر و کل یوم ربنا فی شان ان نزل القضا بما نحب﴾ الحمد للہ علی نعمائہ و هو المستعان علی اداء الشکر و ان حال القضا دون الرجاء فلم یتعد من کان الحق نیتہ و التقویٰ سریرتہ ﴿تم نے سچ کہا ہے۔ سب معاملات قبضہ قدرت میں ہیں۔ اور ہمارا پروردگار ہر روز نئی شان میں ہوتا ہے۔ اگر ہماری خواہش کے مطابق قضا نازل ہوئی تو اس کے احسان پر اس کی حمد و ثنا کریں گے اور اداء شکر پر اسی سے مدد طلب کریں گے اور اگر ہماری منشاء کے خلاف حالات رونما ہو گئے تو سبھی کی نیت حق اور تقویٰ شعار ہو۔ اس نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ اس کے بعد فرزدق نے آپ سے حج وغیرہ کے بعض مسائل دریافت کئے اور پھر مرخص ہو گیا۔“<sup>۴</sup>

۱۔ ارشاد، ص ۲۳۶۔ عاشر بحار، ص ۸۴ وغیرہ۔

۲۔ ارشاد، ص ۲۳۷۔ عاشر بحار، ص ۱۸۴ وغیرہ۔

۳۔ شہید انسانیت، ص ۲۹۶۔

۴۔ نفس المہوم، ص ۹۱۔ طبری، ج ۶، ص ۲۱۸۔ کامل، ج ۳، ص ۲۷۶ وغیرہ۔



## تیسری منزل: ذاتِ عرق (جو کہ نجد و تہامہ کی حد فاصل ہے)

صاحبِ مقام نے جناب عبد اللہ اور ان کے صاحبزادوں کا خدمتِ امام میں حاضر ہونے کا واقعہ اسی منزل میں لکھا ہے۔<sup>۱</sup> لیکن مشہور و منصور قول وہی ہے جو اوپر درج کیا جا چکا ہے۔ بہر حال جناب سید الشہداء نے جناب عبد اللہ اور یحییٰ بن سعید سے رخصت ہو کر بڑی تیزی کے ساتھ قطعِ مسافت کرتے ہوئے ذاتِ عرق کے مقام پر پہنچے۔ اور وہاں قیام بھی فرمایا۔<sup>۲</sup> اس مقام پر بشر بن غالب سے ملاقات ہوئی۔ جو عراق سے آرہا تھا۔ (صاحبِ نسخ نے (ج ۶، ص ۲۰۵ پر) فرزدق کا نام لکھا ہے لیکن مشہور بشر ہی ہے) امام علیہ السلام نے اس سے کوفہ والوں کی حالت دریافت کی۔ اس نے دوسرے باخبر لوگوں کی طرح یہی جواب دیا: ﴿خلفت القلوب معک و السیوف مع بنی امیہ﴾ میں نے ان کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ ان کی تلواریں تو بنی امیہ کے ساتھ ہیں لیکن دل آپ کے ہمراہ ہیں۔

امام نے اس کا یہ کلام سن کر فرمایا: ﴿صدق اخو بنی اسد ان اللہ یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید﴾۔ اس اسدی نے سچ کہا ہے مگر خدا جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ اور جس بات کا چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔<sup>۳</sup>

اسی منزل کے متعلق بعض کتبِ مقاتل میں ایک اور واقعہ بھی ملتا ہے کہ ریاشی (ابو الفضل عباس بن الفرّج الصبری النخوی المقتول ۲۷۵ھ)<sup>۴</sup> اپنے سلسلہٴ سند سے ایک عراقی سے نقل کرتے ہیں۔ اس کا بیان ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ کر بڑی تیزی سے مسافت طے کرتا ہوا حج پر جا رہا تھا کہ اچانک ایک صحرا میں کچھ نصب شدہ خیمے دیکھے۔ قریب گیا۔ اور پوچھا کہ یہ کس کے خیمے ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ حسینؑ کے ہیں۔ میں نے ازراہِ تعجب کہا: کیا وہی حسینؑ جو علیؑ و فاطمہؑ کے فرزند ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ ہاں وہی حسینؑ۔ میں نے ان کا خیمہ دریافت کیا۔ اور ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حسینؑ خیمہ کے دروازہ پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ اور کچھ خطوط پڑھ رہے ہیں۔ میں نے حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ امام نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے عرض کیا: یا بن رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ اس لق و دق صحراء میں کس چیز نے آپ کو اترنے پر مجبور کیا ہے؟ امام نے فرمایا: ﴿ان هؤلاء اخافونی و هذه کتب اهل الکوفة و هم قاتلی فاذا فعلوا ذلک و لم یدعو اللہ محرمًا الا انتھکرة بعث اللہ الیهم من یقتلهم حتی یكونوا ازل من قوم الامۃ﴾ ان لوگوں (بنی امیہ) نے مجھے خوف زدہ کر دیا

۱۔ مقام، ص ۲۸۷۔

۲۔ ارشاد، ص ۲۳۷۔ بحار، ص ۱۸۴۔

۳۔ مہوف، نفس المہوم، ص ۹۳۔

۴۔ حاشیہ نفس المہوم، ص ۹۳۔



ہے۔ (مجھے اہل کوفہ نے دعوت دی ہے) اور یہ ان کے خطوط ہیں۔ لیکن یہ میرے قتل میں شریک ہوں گے۔ وہ جب یہ (جرم) کر گزریں گے اور سب حرمت الہیہ کی ہتک کر چکیں گے تو اس وقت خداوند عالم کسی ایسے شخص کو ان پر مسلط کر لے گا جو ان کو اس طرح قتل و غارت کرے گا۔ کہ وہ لونڈی کی قوم سے بھی زیادہ ذلیل ہوں گے۔ بعض اہل تحقیق کا خیال ہے کہ کلام امامؑ میں وارد شدہ لفظ ”قوم“ ”فرام“ کی تہیف ہے۔ بنا بریں مطلب یہ ہوگا کہ وہ لونڈی کے چیتھڑے سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہوں گے۔ (دھوالا صح)

### چوتھی منزل: حجاز از بطن رُمہ

بطن رُمہ ایک وادی ہے جس کی ایک جگہ کا نام حجاز ہے۔ جہاں امامؑ نے قدرے قیام فرمایا تھا۔ اسی مقام سے امامؑ نے قیس بن مسهر صیداوی (اور بروایت عبد اللہ بن یقطرؓ) کے ہاتھ اہل کوفہ کے نام اس مضمون کا خط بھیجا: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ اِلٰی اِخْوَانِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُسْلِمِیْنَ سَلَامٌ عَلَیْكُمْ فَاِنِیْ اَحْمَدُ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِیْ کِتَابٌ مِّنْ عَقِیْلِ جَانَنِیْ یَخْبِرُ فِیْہِ بِحَسَنِ رَاِیْکُمْ وَ اجْتِمَاعِ مَلَائِکَتِکُمْ عَلٰی نَصْرِنَا وَ الطَّلَبِ بِحَقِّنَا فَسَالَتْ اللّٰہُ عِزُّوْ جَلَّ اِنْ یَّحْسِنَ لَنَا الصَّنْعَ وَ اِنْ یَّشِیْکُمْ عَلٰی ذٰلِکَ اعْظَمَ الْاَجْرُ وَ قَدْ شَخَّصْتَ اِلَیْکُمْ مِنْ مَّکَّةَ یَوْمَ الثَّلَاثَا لثَمَانِ مَخِیْنٍ مِنْ ذِی الْحِجَّةِ یَوْمَ التَّرْوِیَةِ فَاِذَا قَدِمَ عَلَیْکُمْ رَسُوْلِیْ فَاکْمَشُوْا فِیْ اَمْرِکُمْ وَ جَدُّوْا فَاِنِیْ قَادِمٌ عَلَیْکُمْ فِیْ اَیَّامِیْ هٰذِہِ وَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہُ﴾ جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ یہ حسینؑ بن علیؑ کا مکتوب ہے اپنے دینی بھائیوں کے نام حمد الہی اور سلام مسنون کے بعد۔ مسلم بن عقیل کے خط سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے حالات درست اور تمہارے درمیان ہماری نصرت اور طلب حق پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ میں نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی ہے کہ وہ انجام بخیر کرے۔ اور تمہیں اجر عظیم عطا کرے۔ میں آٹھویں ذی الحجہ سے مکہ سے تمہاری طرف روانہ ہو چکا ہوں۔ جب میرا قصد پہنچے تو تم جلدی اپنے انتظامات مکمل کر لو۔ کیونکہ میں انہی دنوں میں تمہارے ہاں پہنچنے والا ہوں۔ والسلام۔

۱۔ نفس المہوم، ص ۹۳۔ مقتل الحسین للمقرم، ص ۱۸۳۔

۲۔ نفس المہوم، ص ۹۴۔ کامل، ج ۳، ص ۲۷۶۔

۳۔ کتاب لؤلؤ و مرجان محدث نوری سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب سید الشہداء علیہ السلام نے وہ مکتوب قیس بن مسهر اور عبد اللہ بن یقطر (جو کہ آنجناب کی دایہ میمونہ کے بیٹے تھے) ہر دو کے ہاتھ روانہ کیا تھا۔ چنانچہ عبد اللہ نے بھی ابن زیاد بن ہناد کے حکم سے جام شہادت نوش کیا۔

(فرسان البیضا، ج ۱، ص ۲۶۰)۔ (متفق علیہ)



جناب قیسؒ امام علیؑ کا یہ مکتوب مبارک لے کر کوفہ روانہ ہوئے۔ ادھر چونکہ ابن زیاد کو سرکار سید الشہداء کی بجانب عراق روانگی کی اطلاع مل چکی تھی اس لیے اس نے قادیہ سے خنان اور خنان سے قطقطانہ تک عراق سے واقعہ اور واقعہ سے بصرہ کے راستہ تک ناکہ بندی کر کے وہاں اپنی پولیس متعین کر دی تھی۔ اور ہر آنے جانے والے کی مکمل نگرانی کی جاتی تھی۔ اس ناکہ بندی کی شدت کا اندازہ اس نے لگایا جاسکتا ہے کہ جناب امام حسینؑ جب بعض العیون سے آگے بڑھے اور بعض بدوؤں سے ملاقات ہوئی تو ان سے کوفہ کی تازہ صورت حال دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا: ﴿وَاللّٰہ ما ندری غیر انا لا نستطیع ان نلج ولا نخرج﴾ بخدا ہمیں کوئی علم نہیں۔ ہم تو نہ اندر جاسکتے ہیں اور نہ باہر نکل سکتے ہیں۔ (ارشاد، ص ۲۳۸)

### قیس بن مسہر صیداوی کی شہادت

اس پولیس کا سربراہ حصین بن نمیر تسمی تھا۔ چنانچہ قیس کوفہ جاتے ہوئے قادیہ پہنچ کر حصین کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ جب اس نے تلاشی لینا چاہی تو جناب قیس نے افشائے راز کے اندیشہ سے خط پھاڑ ڈالا۔ بہر حال حصین نے انہیں گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ جب ابن زیاد کے سامنے پیش ہوئے۔ تو اس نے پوچھا کہ تُو نے وہ خط کیوں پھاڑا۔ جناب قیس نے بلا جھجک کہا۔ تاکہ تم اس کے مندرجات پر مطلع نہ ہو سکو۔ ابن زیاد نے اصرار کیا۔ کہ بتاؤ اس میں کیا لکھا تھا۔ اور کن کن اشخاص کے نام لکھا گیا تھا؟ مگر جناب قیس نے بتانے سے انکار کر دیا۔ ابن زیاد نے کہا: اچھا اگر ایسا نہیں کرتے۔ تو پھر منبر پر چڑھ کر حسین بن علیؑ پر سب و شتم کرو۔ قیس نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے آمادگی ظاہر کی۔ اور فوراً منبر پر جا کر خدا کی حمد و ثنا اور خیر اسلام پر درود و سلام بھیجنے کے بعد کہا: ﴿ایہا الناس! ان هذا الحسین بن علی خیر خلق اللہ ابن فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و انا رسولہ فاحییوہ﴾۔ اے لوگو! حسین بن علی جو دختر رسول فاطمہ زہرا کے فرزند ہیں۔ بہترین خلائق ہیں۔ میں ان کا قاصد ہوں۔ تم پر لازم ہے کہ ان کی آواز پر لبیک کہو۔ اس کے بعد جناب امیر المومنینؑ پر درود و سلام بھیجا اور ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت کی۔ ابن زیاد نے غصہ سے آگ بگولہ ہو کر حکم دیا کہ ان کو قصر پر لے جا کر نیچے گرا دیا جائے۔ چنانچہ ظالموں نے ایسا ہی کیا۔ بروایت ان کے ہاتھ پس پشت باندھ کر گرایا گیا۔ اور گرتے ہی ان کے اعضاء و جوارح چور چور ہو گئے۔ ابھی کچھ رقت باقی تھی کہ عبدالملک بن عمیر نخعی نے آگے بڑھ کر ان کے رشتہ حیات کو قطع کر دیا۔

﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ﴾



## یا نجویں منزل: بعض العیون

حاجز سے روانہ ہو کر جناب سید الشہداءؑ عربوں کے ایک چشمہ پر پہنچے اور وہاں عبداللہ بن مطیع عدوی سے ملاقات ہوئی۔ اسے جب سید الشہداءؑ کے عزم عراق کا علم ہوا تو اس نے بھی دوسرے عام مشیروں کی طرح آنجناب کو سفر عراق اختیار نہ کرنے کا مشورہ دیا مگر جنابؑ نے خصوصی مصالح و حکم کی بنا پر اس کے مشورہ کو قبول نہ کیا۔ اور آگے روانہ ہو گئے۔<sup>۱</sup> اب حضرت امام حسینؑ کے ہمراہیوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ عربوں کے جس چشمہ سے گزرتے وہاں کے چند آدمی اس خیال کے تحت آپ کے ہمراہ ہو جاتے تھے کہ شاید امامؑ عراق جا کر تخت و تاج کے مالک بنیں گے۔ اور امامت کے ساتھ سلطنت بھی جمع ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ شدہ شدہ مختصر قافلہ نے اب ایک مختصر سے لشکر کی صورت اختیار کر لی تھی۔<sup>۲</sup>

## چھٹی منزل: خزیمہ

آنجناب بعض العیون سے روانہ ہو کر مقام خزیمہ پر پہنچے۔ اور وہاں پہنچ کر ایک شب و روز قیام<sup>۳</sup> فرمایا۔ بعض اخبار و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی منزل پر ایک واقعہ درپیش آیا۔ وہ یہ کہ جب صبح ہوئی تو جناب نہیب عالیہؑ نے خدمت امام میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ رات کے وقت جب میں کسی کام کے لیے باہر نکلی تو سنا کہ کوئی ہاتف غیبی یہ شعر پڑھ رہا ہے۔

الا یاعین فاحتفلی بجہد  
ومن یری علی الشہداء بعدی  
اور بھلا میرے بعد شہداء پر اور کون روئے گا  
اے آنکھ پوری کوشش سے آنسو بہا  
علی قوم توفہم المناہ  
بمقدار علی انجاز وعد  
(میرے بعد کون روئے گا) اس گروہ پر جن کو  
ایفاء عہد کے لیے ہانک کر لے جا رہی ہیں  
موتیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ جناب صدیقہ صغریٰؑ نے ان اشعار سے کوئی اچھا تاثر نہیں لیا۔ جناب سید الشہداءؑ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿یا اختاہ الامر الذی قضی فہو کائن﴾ اے بہن! جو قضا و قدر میں ہے۔ وہ ضرور ہو کر رہے گا۔<sup>۴</sup>

۱۔ ارشاد، ص ۲۳۸۔ نفس المہموم، ص ۹۵۔ مقتل الحسین، ص ۲۸۶۔ ۲۔ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج ۸، ص ۱۶۸۔

۳۔ ابن نما، ص ۲۳۔ نفس المہموم، ص ۹۵۔ تاریخ التواریخ، ج ۶، ص ۲۰۹۔

۴۔ عاشق بحار، ص ۱۸۶۔



## ساتویں منزل: زرود

سابقہ منزل سے روانہ ہو کر جناب امام حسینؑ منزل زرود پر وارد ہوئے۔ اس منزل پر جو قابل ذکر اہم واقعہ درپیش آیا۔ وہ جناب زہیر بن القین بجلی کی سید الشہداء سے ملاقات اور پھر اس کے نتیجہ میں ان کی آپ کے انصار و اعوان میں شمولیت ہے۔ جناب زہیر جو کہ عقیدۂ عثمانی تھے اور امامت اہل بیتؑ کے قائل نہ تھے اسی لیے وہ آنجنابؑ کے ہمراہ خیمہ نصب کرنا پسند نہیں کرتے تھے مگر منزل زرود کے چشمہ نے ان کو اکٹھا ہونے پر مجبور کر دیا۔ حج بیت اللہ کے فریضہ سے فارغ ہو کر واپس آرہے تھے۔ منزل زرود پر انہوں نے اپنا خیمہ آنجنابؑ کے خیام کے قریب نصب کیا۔ امام عالی مقام چشم بصیرت سے ان کے جوہر قابل کو دیکھ رہے تھے۔ اس لیے ان کو ملاقات کا پیغام بھیجا۔ جس وقت قاصد پہنچا۔ اس وقت زہیر اپنے آدمیوں کے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھانے میں مشغول تھے۔ قاصد نے جا کر یہ پیغام دیا کہ میرے آقا ابو عبد اللہ الحسینؑ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے کہ آپ ان سے ملیں۔ یہ سن کر زہیر نے قدرے پس و پیش کی مگر ان کی زوجہ ولہم بنت عمرو نے ان کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اور کہا: کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ فرزند رسولؐ آپ کو بلائیں۔ اور آپ ان کے پاس نہ جائیں۔ آخر جانے میں حرج کیا ہے؟ جائیں اور ان کی بات سنیں۔ اور پھر واپس آجائیں۔ چنانچہ جناب زہیر خدمت امامؑ میں حاضر ہوئے۔ امامؑ کی نظر کیمیا اثر نے ان کی کایا پلٹ دی۔ جب تھوڑی دیر کے بعد زہیر واپس اپنے خیمہ میں چلے۔ تو ان کا چہرہ فرط مسرت سے تہمتار ہاتھا۔ اس نے حکم دیا کہ میرے خیمہ کو جناب امام حسینؑ کے خیام کے ساتھ نصب کیا جائے اور پھر اپنی زوجہ کو کافی مال و اسباب دے کر اس کے بعض رشتہ داروں کے ہمراہ یہ کہہ کر میکے بھجوا دیا کہ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تجھے کوئی گزند پہنچے۔ اور بروایت اسے طلاق دے دی۔ وہ نیک بخت انھی۔ اور روتے ہوئے ان کو الوداع کہا اور یہ دعا کرتے ہوئے کہ ﴿كَانَ اللَّهُ عَوْنًا وَمَعِينًا وَخَارَ اللَّهُ لَكَ﴾ (خدا آپ کا حامی و ناصر ہو) یہ استدعا کی کہ ﴿إِنَّ تَذَكُّرَنِي فِي الْقِيَمَةِ عِنْدَ جَدِّ الْحُسَيْنِ﴾۔ ”بروز حشر مجھے حسینؑ کے جد نادر کی بارگاہ میں فراموش نہ کرنا۔“ مقام کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ زوجہ زہیر ان کی شہادت تک کربلا میں موجود تھیں۔ و المشہور هو الاول و اللہ العالم۔ (مقام، ص ۲۹۲)۔ پھر اپنے ساتھیوں سے فرمایا: میں نے تو حضرت امام حسینؑ کا ساتھ دینے اور بوقت ضرورت ان پر اپنی جان قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تم میں سے جو اس مہم میں میرے ساتھ شریک ہونا چاہے۔ بسم اللہ۔ ورنہ اس کی اور میری یہ آخری ملاقات ہے۔ وہ بے شک علیحدہ ہو جائے۔ جس طرح جناب زہیر نے حمایت



دین و حفاظت امام حسین میں جانبازی اور جان فداکاری کا حق ادا کیا۔ وہ تاریخ کر بلا کا سنہری باب ہے۔ تفصیل انصار حسینی کے تذکرہ شہادت میں آئے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

### آٹھویں منزل: ثعلبیہ

منزل زرود سے روانہ ہو کر امام عالی مقام نے دوسرے روز شام کو منزل ثعلبیہ کے مقام پر قیام فرمایا۔ اور نظر بظاہر حالات اسی منزل پر پہلی بار آنجناب کو حضرت مسلم و ہانی کی شہادت کے واقعہ ہانکہ کی اطلاع ملی۔ اصل واقعہ یوں ہے کہ بنی اسد کے دو شخص عبد اللہ بن سلیمان اور منذر بن مشعل بیان کرتے ہیں کہ جب ہم فریضہ حج کی ادائیگی سے فارغ ہوئے۔ تو ہمارا مقصد اقصیٰ یہ تھا کہ جتنا جلدی ممکن ہو امام حسین سے جا کر ملحق ہوں۔ اور حقیقت حالات سے آگاہی حاصل کریں۔ چنانچہ ہم بڑی تیزی سے منازل سفر طے کرتے ہوئے منزل زرود پر امام کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اسی اثناء میں ایک آدمی کوفہ سے آتا ہوا نظر آیا۔ امام (علیہ السلام) اسے دیکھتے ہی اس طرح رُک گئے۔ گویا اس سے مل کر کچھ حالات معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اس شخص نے امام (علیہ السلام) کو دیکھ کر راستہ چھوڑ کر دوسری طرف کا رخ کر لیا۔ اس کے بعد امام آگے نکل گئے۔ ہم نے باہم مشورہ کیا کہ اس شخص سے ضرور کوفہ کی تازہ صورت حال معلوم کرنا چاہئے۔ چنانچہ ہم جلدی جلدی اس شخص کے پاس پہنچے۔ اور سلام کیا۔ اس نے جواب سلام دیا۔ ہم نے اس کا نام و نسب دریافت کیا۔ اس نے کہا: میں بنی اسد کے ساتھ تعلق رکھتا ہوں۔ اور میرا نام بکر بن قلاں ہے۔ ہم نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ ہم بھی اسدی ہیں۔ پھر ہم نے اس سے کوفہ کی تازہ صورت حال پوچھی۔ اس نے کہا کہ مسلم و ہانی قتل کر دیئے گئے ہیں۔ اور میں اس وقت تک کوفہ سے باہر نہیں نکلا۔ جب تک اپنی آنکھوں سے یہ ہولناک منظر نہیں دیکھا۔ کہ جناب مسلم و ہانی کے پاؤں میں رسی بندھی ہوئی تھی۔ اور ان کی لاشوں کو کوفہ کے بازاروں میں گھسیٹا جا رہا تھا۔ یہ دردناک خبر سن کر ہم واپس آئے۔ اور امام کے قافلہ میں آ کر شامل ہو گئے۔ جب امام (علیہ السلام) نے دوسرے روز شام کے وقت منزل ثعلبیہ پر قیام کیا۔ تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کے کچھ مخصوص اصحاب بھی وہاں موجود تھے۔ ہم نے سلام عرض کیا۔ امام نے سلام کا جواب دیا۔ ہم نے عرض کیا: ہم ایک خبر گوش گزار کرنا چاہتے ہیں۔ اگر حکم دیں تو سب کے روبرو عرض کر دیں۔ ورنہ تنہائی میں عرض کریں۔ یہ سن کر امام عالی مقام نے ایک نظر سے ہم کو دیکھا۔ اور ایک نظر حاضرین پر ڈالی۔ پھر فرمایا: ﴿مَادُونَ هَؤُلَاءِ سِرًّا﴾۔ ان سے علیحدگی و رازداری کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس وقت ہم نے عرض کیا۔ کل شام آپ نے وہ آدمی دیکھا تھا۔ جو کوفہ کی طرف سے آرہا تھا؟ امام نے فرمایا: ہاں بلکہ میں تو اس سے کچھ پوچھنا بھی چاہتا تھا۔ ہم نے عرض کیا کہ (آپ کی منشاء کے مطابق) ہم نے اس سے حالات حاضرہ معلوم کئے ہیں۔ وہ شخص ہمارے قبیلہ کا ہے۔ اور بڑا سچا اور عقلمند آدمی ہے۔



اس نے ہمیں بتایا ہے کہ جناب مسلم و ہانی شہید کر دیئے گئے۔ اور اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ اس وقت تک کوفہ سے باہر نہیں نکلا جب تک اس نے اپنی آنکھوں سے یہ پردہ منظر نہیں دیکھا۔ کہ ان کے پاؤں میں رسی باندھ کر بازاروں میں گھسیٹا جا رہا تھا۔ یہ خبر وحشت سن کر امام علیؑ نے کئی بار فرمایا: ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمَا﴾۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ واقعات تو وہی ہیں جو تمام کتب سیر و مقاتل میں موجود ہیں مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو صاحب شہید انسانیت مدظلہ کے الفاظ میں ادا کیا جائے۔ ”وہ تحریر فرماتے ہیں: ”اسدی جو ایک رات تک اس وحشت ناک خبر کو اپنے دل میں رکھ کر اس سے پورا پورا اثر لے چکے تھے۔ اور نتائج کو ہر طرح سوچ کر دل ہی دل میں رائے قائم کر چکے تھے۔ ان سے اپنے دل کی بات چھپائی نہ گئی۔ اور وہ بے ساختہ بول اٹھے کہ خدا کا واسطہ اپنی اور اپنے گھر بھر کی جان کو خطرہ میں نہ ڈالئے۔ یہیں سے واپس ہو جائیے کیونکہ کوفہ میں آپ کا نہ کوئی مددگار ہے۔ نہ دوست بلکہ ہمیں خوف ہے کہ پورا کوفہ آپ کے خلاف ہی ہوگا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایک ہنگامی اضطراب اور تاثر کے جذبہ سے جو ہمدردی کا مشورہ دیا جائے۔ اس کا جواب زیادہ سنجیدہ دلائل کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ حضرت امام حسینؑ خود پہلے ہی سے انجام پر مطلع تھے۔ اور آپ کا سفر جن نتائج کو پیش نظر رکھ کر تھا۔ ان میں اس خبر کے آنے سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ لیکن دوسرے افراد کے لیے وقتی جذبات کے مقابل میں عقلی دلائل کے پیش کرنے کا محل نہیں ہوا کرتا۔ اس لیے حضرت نے اس ہنگامی جذبہ کے ماتحت مشورہ کا جواب بالکل متضاد ایک فطری جذبہ کے احساس سے دینا چاہا۔ اور اس کے لیے ایک نظر اولاد عقیل پر ڈالی۔ اور فرمایا: ”تمہاری کیا رائے ہے؟ مسلم تو شہید ہو گئے۔“ تمام عقلی جوان کھڑے ہو گئے۔ اور کہا: ”خدا کی قسم ہم تو واپس نہ ہوں گے۔ جب تک مسلم کے خون کا بدلہ نہ لے لیں۔ یا وہی موت کا ساغر ہم بھی نہ چکھ لیں۔ جو مسلم نے چکھا۔“ حضرت متوجہ ہوئے دونوں اسدیوں کی طرف اور فرمایا: ”جب یہ نہ ہوئے تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔“ جب ان کو یقین ہو گیا کہ امامؑ نے آگے بڑھنے کا ہی فیصلہ کر لیا ہے۔ تو دونوں نے کہا: ﴿خَسَارَ اللّٰهِ لَكَ﴾ خدا آپ کو خیر و خوبی عطا کرے۔ امامؑ نے بھی ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿رَحِمَكُمَا اللّٰهُ﴾ ”خدا تم دونوں پر رحم و کرم کرے۔“ (ارشاد، ص ۲۳۰)

بہر حال امام علیؑ نے رات یہیں گزاری۔ سحر کے وقت امامؑ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ کافی مقدار میں پانی لے لو۔ اس کے بعد آگے روانہ ہوئے۔ بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے روانگی سے قبل کوفہ کے ایک شخص ابوہرہ ازدی نے خدمت امامؑ میں حاضر ہو کر سلام کے بعد حرم خدا و حرم رسولؐ چھوڑنے کا سبب پوچھا۔ آپؑ نے فرمایا:

۱۔ ارشاد شیخ مفید، ص ۲۳۰۔ عاشر بحار الانوار، ص ۱۸۶۔ تقام، ص ۲۹۲۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۱۰۔ نفس المہموم، ص ۹۷ و میرہ۔

شہید انسانیت، ص ۳۰۲۔ بحوالہ الاخبار الطوال، ص ۲۳۶۔ طبری، ج ۶، ص ۲۲۵۔ ارشاد، ص ۲۳۳۔



﴿وَيَحْكُمُ يَا آدَمُ الْهَرَاقَةُ﴾ ان بنی امیہ اخذوا مالمی فصبرت و شتموا عرضی فصبرت و طلبوا دمی  
فهربت و ایم اللہ لتقتلنی الفئة الباغیة و لیلبنہم اللہ ذلاً شاملاً و سیفاً قاطعاً و لیسلمن اللہ  
علیہم من یدلہم حتی یكونوا اذل من قوم سبا اذ ملکتم امرأۃ فحکمت فی اموالہم و دمائہم  
بنی امیہ نے میرا مال لوٹا لیکن میں نے صبر کیا۔ مجھے گالیاں دے کر چٹک حرمت کی۔ پھر بھی میں نے صبر سے کام لیا۔  
اب جبکہ انہوں نے میرا خون بہانا چاہا تو میں نکل کھڑا ہوا۔ خدا کی قسم یہ باغی گروہ مجھے ضرور قتل کرے گا۔ اس وقت  
خداوند عالم ان کو مکمل ذلت و رسوائی اور تکوار برندہ کا لباس پہنائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرے گا جو  
ان کو ذلیل و خوار کریں گے۔ یہاں تک کہ یہ لوگ قوم سبا سے بھی زیادہ ذلیل و رسوا ہوں گے۔ جن کی حاکم ایک عورت  
تھی۔ جو ان کے مال اور خون کے فیصلے کیا کرتی تھی۔

اسی منزل ثعلبیہ کے متعلق اصول کافی میں ایک اور واقعہ بھی ملتا ہے کہ منزل ثعلبیہ پر ایک شخص نے خدمت  
امام میں حاضر ہو کر سلام کیا۔ امام نے جواب سلام دے کر پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے عرض کیا: کوفہ  
کا۔ امام نے فرمایا: ﴿اَما و اللہ یا اخا اهل الکوفۃ لو لقی تک بالمدينة لاریتک اثر جبرئیل من دارنا و  
نزول لہ بالوحی علی جدی﴾ یا اهل الکوفۃ فمستقی العلم من عندنا فاعلموا و جہلنا هذا مالا  
یکون ﴿اے کوفہ کے رہنے والے! بخدا اگر ہماری تمہاری ملاقات مدینہ میں ہوتی تو میں تمہیں اپنے گھر میں جبرئیل  
کے اس وقت کے نشانات دکھاتا جب وہ میرے جدِ نامدار پر وحی لے کر نازل ہوتے تھے۔ اے اہل کوفہ! علم و فضل کا  
چشمہ تو ہمارے ہاں ہو۔ مگر اس کے باوجود یہ لوگ تو عالم ہوں اور ہم جاہل؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

تبصرہ

اس مقام پر اکثر ذاکرین و واعظین بڑے رقتہ خیز انداز میں بیان کیا کرتے ہیں کہ جب حضرت سید  
الشہداءؑ کو جناب مسلم کی شہادت کی اطلاع ملی تو آپؑ نے جناب مسلم کی ایک چھوٹی سی صاحبزادی کو گود میں لے کر  
بہت پیار کیا۔ اور بار بار سر پر ہاتھ پھیرا۔ یہ کیفیت دیکھ کر صاحبزادی نے عرض کیا۔ آپ مجھ سے وہ سلوک کر رہے  
ہیں۔ جو یتیموں سے کیا جاتا ہے۔ امام عالی مقام نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: ہاں تم یتیم ہو گئی ہو۔ اب تم مجھے اپنا باپ اور  
میری اولاد کو بھائی و بہن تصور کرو۔ اگر چہ ناخ التوارخ میں بحوالہ اعثم کوئی اس روایت کا تذکرہ موجود ہے۔ مگر نقادان  
فن کے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی قدیم یا جدید مقتل کی مستند کتاب میں اس کا وجود ہے۔

چنانچہ مولانا السید عبد الرزاق الموسوی المرقم النجفی اپنی کتاب مقتل الحسین کے صفحہ ۱۸۱ کے حاشیہ نمبر ۴ پر



رُطْرَازِ ہیں: ﴿وَلَمْ أَقِفْ عَلَى مَصْدَرٍ وَثِيقٍ يَنْصُ عَلَى ابْنِ الْحُسَيْنِ اخْذَ بِنْتِ مُسْلِمِ الْمَسْمَاةِ حَمِيدَةَ وَ  
مَسَحَ عَلَى رَأْسِهَا فَاحْسَتَ بِالْشَّرِّ... الخ﴾ یعنی ”میں کسی ایسے مستند ماخذ پر مطلع نہیں ہو سکا جس میں یہ مذکور ہو  
کہ جناب امام حسینؑ نے جناب مسلمؑ کی شہزادی حمیدہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس بچی کے شہادت پد کا خطرہ محسوس  
کیا۔“

### نویں منزل: رُبالہ

آنجنابؑ نے جیسا کہ سابقاً بیان ہو چکا ہے۔ منزل ثعلبیہ میں رات گزارنے کے بعد صبح سویرے اگلی منزل  
کے لیے کافی پانی ہمراہ لیا۔ اور آگے روانہ ہوئے اور منزل رُبالہ پر جا کر قیام فرمایا (اور بروایت اس سے قبل منزل  
شقوق پر بھی مختصر سا توقف کیا) اور یہی وہ منزل ہے جہاں پہنچ کر جناب کو قیس بن مسہر صیداوی (بروایت عبد اللہ بن  
یقظر وھوالا ظہر) کی شہادت کی خبر غم اثر ملی اور جناب مسلمؑ اور ہانی کی اطلاع بھی گو منزل ثعلبیہ میں مل چکی تھی۔ مگر جن  
خواص اصحاب کے سامنے آپ کو یہ وحشت ناک خبر ملی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے آنجنابؑ کے عام  
ہمراہیوں تک اس ہولناک خبر کو نہیں پہنچایا تھا۔ بلکہ اسے صیغہ راز ہی میں رکھا تھا لیکن حکیم اسلام و نباض امت جناب  
سید الشہداءؑ نے ان لوگوں کو تاریکی میں رکھنا مناسب نہ سمجھا جو محض اس خیال سے ہر ہر منزل سے ساتھ شامل ہوتے  
جا رہے تھے۔ کہ عراق کے حالات جناب سید الشہداءؑ کے حق میں سازگار ہیں۔ اور وہ جناب وہاں پہنچ کر ظاہری مسند  
اقتدار پر متمکن ہوں گے۔ اس لیے جناب نے مناسب سمجھا۔ کہ عام لوگوں کو صحیح صورت حال سے آگاہ کر دیا جائے  
تاکہ کوئی شخص کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے اور صرف وہی لوگ آپ کے ساتھ جائیں جو آپ کے عظیم مقصد سے متفق  
ہوں۔ چنانچہ آپؑ نے ایک تحریر پڑھ کر اہل قافلہ کو سنائی جس کا مضمون یہ تھا: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ہمیں یہ ہولناک  
خبر ملی ہے کہ مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبد اللہ بن یقظر شہید کر دیئے گئے ہیں اور ہماری محبت و نصرت کا ادعا  
کرنے والوں نے ہماری نصرت سے دست برداری اختیار کر لی ہے۔ اس لیے تم میں سے جو شخص واپس جانا چاہے وہ  
جا سکتا ہے۔ اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ہی اس پر ہماری طرف سے کوئی ذمہ داری ہے۔ والسلام۔“ امام  
عالی مقام کے اس اعلان کا وہی نتیجہ ظاہر ہوا جس کی توقع تھی۔ کہ وہ لوگ جو صحیح صورت حالات سے ناواقف تھے اور  
محض خوش آئند توقعات کے ماتحت ہمراہ ہو گئے تھے۔ علیحدہ ہو کر دائیں بائیں طرف روانہ ہو گئے۔ اور راستے میں  
شامل ہونے والوں میں سے سوائے چند آدمیوں کے صرف وہی لوگ آپ کے ہمراہ باقی رہ گئے۔ جو مکہ و مدینہ سے  
آپ کے ساتھ آئے تھے۔<sup>۱</sup>



سید اجل سید بن طاووس نے لکھا ہے کہ جب حضرت سید الشہداء کو منزل زبالہ میں جناب مسلم کی اطلاع شہادت ملی تو اس وقت ﴿ارتج الموضع بالبكاء والعويل لقتل مسلم بن عقيل و سالت الدموع كل مسيل﴾ جناب مسلم کی شہادت کی وجہ سے اس قدر آواز گریہ و بکا بلند ہوئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ صدائے نالہ و شیون سے وہ جگہ بھی کانپ رہی ہے۔ اور جناب سید الشہداء نے روتے ہوئے فرمایا: ﴿وحم الله مسلماً فلقد صار الى روح الله وريحانه و جنته و رضوانه اما انه قد قضى ما عليه و بقى ما علينا﴾۔ ”خدا مسلم پر رحم فرمائے کہ وہ خدا کے روح و ریحانہ و جنتہ و رضوانہ کی جنت و رضوان کی طرف منتقل ہو گئے۔ جو کچھ ان کے ذمے تھا۔ وہ اسے پورا کر چکے۔ اب جو کچھ ہمارے ذمہ ہے وہ باقی ہے۔“ اس کے بعد یہ اشعار پڑھے ۔

فان تكن الدنيا تعدّ نفيةً	فان ثواب الله اعلى و انبل
و ان تكن الابدان للموت انشنت	فقتل امرء بالسيف في الله الفضل
و ان تكن الارزاق قسماً مقدراً	فقلة حرص المرء في السعي اجمل
و ان تكن الاموال للترك جمعها	فما بال متروك به المرء يبخل

دسویں منزل: بطن عقبہ

(بعض کتب میں اس منزل کا نام منزل عقیق لکھا ہے فلا تغفل) منزل زبالہ سے روانہ ہو کر جناب سید الشہداء کا مختصر سا قافلہ منزل بطن عقبہ میں پہنچا۔ اس مقام پر آنجناب کی ملاقات بنی عکرمہ کے ایک شخص عمرو بن لوذان سے ہوئی۔ اس نے جناب سے دریافت کیا۔ کہ کہاں تشریف لے جانے کا ارادہ ہے؟ جب آپ نے کوفہ کا نام لیا۔ تو اس نے کہا: خدا کے لیے واپس چلے جائیں۔ اور ان لوگوں پر ہرگز بھروسہ نہ کریں۔ آپ کے سامنے سوائے نیزوں اور تلواروں کے کچھ نہیں ہے۔ آنجناب نے فرمایا: ﴿يا عبد الله ليس يخفى على الراى ولكن الله لا يغلب على امره﴾ اے اللہ کے بندے! یہ صورت حال مجھ پر مخفی نہیں ہے مگر خدا کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ (جو ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا) پھر فرمایا: ﴿والله لا يدعونى حتى يستخرجوا هذه العلقه من جوفى فاذا فعلوا لسلط الله عليهم حتى يكونوا اذل من فرق الامم﴾ (او قال، من قوم الامۃ)۔ خدا کی قسم جب تک یہ لوگ مجھے جان سے نہ مار ڈالیں گے اس وقت مجھے ہرگز نہیں چھوڑیں گے اور وہ جب ایسا کر گزریں گے۔ تو خدا ان پر وہ شخص مسلط کرے گا۔ جو ان کو ذلیل و خوار کرے گا۔ یہاں تک کہ تمام لوگوں سے (یا قوم سہا سے) بھی



زیادہ ذلیل و رسوا ہوں گے۔

جناب ابن قولویہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت امام حسین نے منزل عقبہ پر اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ﴿مَا ارَانِي إِلَّا مُقْتُولًا﴾ میں ضرور شہید کیا جاؤں گا۔ اصحاب نے عرض کیا: ﴿وَمَا ذَاكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللَّهِ﴾ یا ابو عبد اللہ کیا بات ہے؟ فرمایا: ﴿رَوِيَا رَأَيْتَهَا فِي الْمَنَامِ﴾ میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ ﴿قَالُوا وَمَا هِيَ﴾ انہوں نے عرض کیا: وہ خواب کیا ہے؟ فرمایا: ﴿رَأَيْتُ كَلَابًا تَنْهَشُنِي اَشَدَّهَا عَلَيَّ كَلْبِ ابْقَعٍ﴾ ”میں نے دیکھا ہے کہ کچھ کتے مجھے کاٹ رہے ہیں۔ اور ان میں سے زیادہ کاٹنے والا ایک سفید داغوں والا کتا ہے۔“ (شمر بن ذی الجوشن ملعون مراد ہے جو کہ کوڑھی تھا)۔

### گیاڑہویں منزل: شراف

جناب سید الشہداء اور ان کے ہمراہیوں نے رات منزل بطن عقبہ میں گزاری۔ اور صبح ہوتے ہی وہاں سے آگے روانہ ہوئے۔ اور منزل شراف میں جا کر قیام فرمایا۔ رات بھر وہاں قیام رہا۔ صبح سویرے وہاں سے آگے بڑھے اور روانگی سے قبل آنجناب کے حکم سے بہت سا پانی ہمراہ لے لیا گیا۔ اور برابر یہ قافلہ رواں دواں رہا۔ حتیٰ کہ دوپہر کا وقت ہو گیا۔ قادیہ سے چند میل کے فاصلے پر اصحاب حسین میں سے ایک شخص نے اچانک نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ حضرت امام حسین نے فرمایا: ﴿اللَّهُ اكْبِرُ لَمْ يَكْبُرْ؟﴾ بے شک خدا بزرگ و برتر ہے مگر اس وقت نعرۂ تکبیر بلند کرنے کا سبب کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: میں کچھ کھجوروں کے درخت دیکھ رہا ہوں۔ اصحاب حسین میں سے بہت سے آدمیوں نے کہا: بخدا ہم نے تو اس جگہ کبھی کوئی کھجور کا درخت نہیں دیکھا۔ امام نے فرمایا: تمہیں کیا دکھائی دیتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہمیں تو گھوڑوں کی کنوتیاں نظر آتی ہیں! امام نے فرمایا: بخدا میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں۔ یہ کیفیت دیکھ کر امام عالی مقام نے فرمایا: کیا یہاں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جسے پشت پر قرار دیتے ہوئے دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔

### بارہویں منزل: زوجم اور حر سے ملاقات

اصحاب نے عرض کیا: یہ آپ کی باتیں طرفِ رُخسم کی پہاڑی موجود ہے۔ اگر ہم وہاں دشمن سے پہلے پہنچ جائیں تو یہ مقصد بآسانی حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ امام علیہ السلام باتیں طرفِ متوجہ ہوئے۔ اصحاب نے بھی اسی طرف کا رخ کیا۔ ادھر دشمن کی فوج بھی قریب آ پہنچی جب جنہوں نے امام عالی مقام کے قافلہ کا ادھر رخ دیکھا تو وہ بھی اسی طرف متوجہ ہو گئے۔ مگر امام علیہ السلام نے ان سے پہلے وہاں پہنچ کر اپنے خیمے نصب کر لئے۔ اتنے میں حر بن یزید ریاحی

۱۔ ارشاد ہس ۲۳۱۔ نفس المہموم ہس ۹۹۔ عاشر بحار ہس ۱۸۶۔

۲۔ کامل الزیارات ہس ۷۵۔



بھی قریب ایک ہزار کا دستہ فوج لے کر قریب آ پہنچا۔ مگر بغیر آب و گیاہ اس ریگستانی علاقہ میں امام کے سدا راہ ہونے کے سلسلہ میں غیر معمولی تگ و دو کی وجہ سے خر اور اس کے ہمراہیوں نیز ان کی سوار یوں کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ امام جو کہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ سروں پر عمامے باندھے اور ہاتھوں میں تلواریں لیے ایستادہ تھے۔ جب امام نے شدتِ پیاس سے ان کی تباہ حالی دیکھی تو رحمتہ للعالمین کے کریم نواسے سے ان کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ آپؐ نے اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ پوری فوج کو مع ان کے گھوڑوں کے سیراب کرو۔ حکم امامؐ ملتے ہی تعمیل شروع ہو گئی۔ لگن اور طشت پانی سے بھرتے اور گھوڑے کے سامنے رکھتے۔ جب وہ تین چار بار منہ بلند کر لیتا۔ تب دوسرے کے سامنے لے جاتے۔ اسی طرح سب سواروں اور سوار یوں کو سیراب کیا۔ علی بن طعان مہاربی (جو کہ خر کا سپاہی تھا) بیان کرتا ہے کہ میں شدتِ پیاس سے بالکل تڑھال تھا۔ اور سب کے آخر میں پہنچا۔ جب امام حسینؑ نے میری اور میری سواری کی خستہ حالی کو دیکھا۔ تو آگے بڑھ کر فرمایا: ﴿انفخ الراویہ﴾ چونکہ میں ”راویہ“ کا مطلب مشکیزہ سمجھا تھا۔ اس لیے کلام امامؑ کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ امامؑ نے فرمایا: ﴿انفخ الجمل﴾ (اونٹ کو بٹھاؤ) میں نے اونٹ کو بٹھایا۔ حضرت نے مشکیزہ پیش کرتے ہوئے فرمایا: پانی پیو۔ مگر میری پریشان حالی کی یہ حالت تھی کہ پانی پینے کی کوشش کرتا مگر پانی زمین پر بہہ جاتا۔ امامؑ نے فرمایا: دہانے کو اپنی طرف پھیرو۔ مگر میں اپنی بدحواسی کی وجہ سے پھر بھی مطلب نہ سمجھ سکا۔ اس وقت امامؑ نے خود اٹھ کر مشکیزہ کے دہانے کو درست کیا۔ تب میں نے سیر ہو کر پانی پیا اور اپنی سواری کو بھی پلایا۔ ارشاد رب العزت ہے: ﴿ادْفَعْ بِالنِّسْيِ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾ تم دشمن کا احسن طریقہ پر دفاع کرو۔ تمہارا جانی دشمن تمہارا خالص دوست بن جائے گا۔ امامؑ کے حسن سلوک کا خر جیسے شریف النفس آدمی پر جس قدر اثر ہوا ہوگا۔ وہ عیاں راچہ بیاں کا مصداق ہے۔

اس اثناء میں کسی فریق نے بھی ایک دوسرے سے یہاں آنے کا مقصد معلوم کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ اسی اثناء میں نمازِ ظہر کا وقت آ گیا۔ امامؑ نے حجاج بن مسروق رضی اللہ عنہ کو اور بقولے شاہزادہؑ علی اکبر کو حکم دیا کہ اذان کہو۔ چنانچہ انہوں نے اذان کہی۔ اس وقت امام عالی مقام خیمہ سے کاندھوں پر رداء اوڑھے ہوئے (نماز کے مخصوص لباس میں) برآمد ہوئے۔ آتے ہی ایک مختصر سا خطبہ دیا۔ خدا کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: ﴿ایہا الناس انی لم اُکم حتی اتنسی کتبکم و قدمت رسلکم ان اقدم علینا فانہ لیس علینا امام لعل اللہ ان یجمعنا بک علی الہدی و الحق فان کنتم علی ذلک فقد جنتکم فاعطونی ما اطمئن الیہ من عہودکم و



مراثیکم و ان لم تفعلوا و کنتم لقدمی کارهین انصرفت عنکم الی المکان الذی جنت منه الیکم ﴿۱﴾۔ ”اے لوگو! میں اس وقت تک تمہاری طرف نہیں آیا۔ جب تک تم نے خطوط لکھ کر اور قاصد بھیج کر یہ درخواست نہیں کی۔ کہ یہاں آئیے کہ ہمارا کوئی امام نہیں۔ شاید آپ کی وجہ سے خدا ہمیں ہدایت و حق پر مجتمع کرے۔ پس اگر تم اپنے عہد و پیمان پر قائم ہو تو میں آگیا ہوں۔ تم مجھے اپنے عہد و پیمان کے ایفاء کا یقین دلاؤ۔ اور اگر تمہیں میرا یہاں آنا ناپسند ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس چلا جاتا ہوں۔“ مجمع میں سے کسی ایک نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔ سب ساکت و صامت رہے۔ اس کے بعد امامؑ نے خر سے دریافت کیا۔ کہ تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو گے یا علیحدہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ؟ خر نے کہا: آپ ہی کی اقتداء میں پڑھیں گے۔ چنانچہ اقامت کہی گئی اور آنجناب نے نماز ظہر پڑھائی۔ اس کے بعد سب لوگ اپنی اپنی قیام گاہوں کی طرف چلے گئے۔<sup>۱</sup> یعنی امامؑ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے اور آپ کے اصحاب بھی آپ کے ہمراہ جمع ہو گئے۔ اور خر اپنے خیمہ میں چلا گیا۔ اور اس کے کچھ ساتھی بھی اس کے ہمراہ خیمہ میں بیٹھ گئے مگر اس کے دوسرے سپاہیوں کی حالت یہ تھی کہ گھوڑوں کی باگیں ہاتھوں میں پکڑے ان کے سایہ میں بیٹھے تھے۔<sup>۲</sup> جب نماز عصر (کی فضیلت کا) وقت ہوا۔ تو امام حسینؑ نے اپنے ہمراہیوں کو رختِ سفر باندھنے کا حکم دیا۔ اور خود باہر تشریف لا کر نماز عصر کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ نماز ظہر کی طرح فریقین نے آپ کی اقتداء میں نماز عصر پڑھی۔ سلام پھیر کر امام عالی مقامؑ نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد یہ خطبہ ارشاد فرمایا: ﴿اما بعد ایہا الناس فانکم ان تتقوا اللہ و تعرفوا الحق لاهلہ تکن ارضی للہ عنکم و نحن اهل بیت محمد و اولی بولایۃ هذا الامر علیکم من ہؤلاء المدعین ما لیس لہم و السائرین فیکم بالجور و العدوان و ان ابیتم الا الکراہیۃ لنا و الجہل بحقنا و کان رأیکم الان غیر ما اتتنی بہ کتبکم و قدمت بہ علی رسلکم انصرفت عنکم﴾۔ ”ایہا الناس! اگر تم تقویٰ الہی اختیار کرو۔ اور اہل حق کا حق پہچانو۔ تو یہ بات باعثِ خوشنودیِ خدا ہوگی۔ ہم اہل بیت رسولؐ اسلامی حکومت و فرمانروائی کے ان لوگوں سے زیادہ حق دار ہیں۔ جنہوں نے غلط طور پر اس کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ اور ظلم و ستم ڈھارہے ہیں لیکن اگر تم ہم کو ناپسند کرتے ہو۔ اور ہمارے حقوق کو نہیں پہچانتے۔ اور اب تمہاری رائے اس کے برخلاف ہے جو کچھ تم نے خطوط اور قاصدوں کے ذریعہ ظاہر کیا ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔“

۱۔ ارشاد، ص ۲۳۲، ۲۳۳۔ الاخبار الطوال، ص ۲۳۸۔ نفس المہموم، ص ۱۰۰۔

۲۔ ارشاد، ص ۲۳۳۔ الاخبار الطوال، ص ۲۳۷۔



آنجناب کا یہ کلام صداقت التیام سن کر خُر نے مہر سکوت توڑتے ہوئے عرض کیا: ﴿اَنَا وَاللّٰهُ مَا اَدْرِیْ مَا هٰذِهِ الْکُتُبُ وَالرَّسُلُ الَّتِیْ تَذَکَّرُ﴾ خدا کی قسم مجھے ان خطوط اور قاصدوں کا کوئی علم نہیں ہے جن کا آپ تذکرہ کر رہے ہیں؟ یہ سن کر امام نے عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ خطوط والے خرّجین لاؤ۔ چنانچہ وہ دو تھیلے لائے جو اہل کوفہ کے خطوط سے بھرے ہوئے تھے۔ امام نے وہ خطوط نکال کر خُر کے سامنے پھیلا دیئے۔ خُر نے (خطوط دیکھ کر) کہا: ﴿اَنَا لَسْنَا مِنْ هٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ کَتَبُوْا الْبَیْکَ﴾ ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنہوں نے آپ کو یہ خطوط لکھے ہیں۔ ہمیں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب آپ مل جائیں تو ہرگز آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں یہاں تک کہ ابن زیاد کے دربار میں پیش کریں۔ امام نے خُر کا یہ کلام سن کر فرمایا: ﴿الْمَوْتُ اَدْنٰی الْبَیْکِ مِنْ ذٰلِکَ﴾ موت اس سے زیادہ تمہارے قریب ہے۔

اس کے بعد آپ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ سوار ہو جاؤ۔ چنانچہ جب سب لوگ حتیٰ کہ مستورات بھی سوار ہو گئیں۔ تو آپ نے حکم دیا۔ واپس چلو۔ پس جب قافلہ واپس مڑنے لگا۔ تو خُر مع اپنی سپاہ کے سید راہ ہو گیا۔ امام نے خُر سے فرمایا: ﴿تَشَکَّلْتَ اَمَکَ مَا تَرِیدُ!﴾ تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے تو کیا چاہتا ہے؟ خُر کے دل میں آل رسول کا کس قدر احترام تھا؟ اس کا اندازہ اس کے جواب سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے جو اس نے امام عالی مقام کو دیا۔ کہا: ﴿اَمَّا لَوْ غَیْرَکَ مِنَ الْعَرَبِ یَقُوْلُهَا لِیْ هُوَ عَلٰی مِثْلِ الْحَالِ الَّتِیْ اَنْتَ عَلَیْهَا مَا تَرِکْتَ ذَکْرَ اَمِّهِ بِالْشَکْلِ کَانَ مِنْ کَانَ وَلٰکِنْ وَاللّٰهُ مَا لِیْ اِلٰی ذَکْرَ اَمَکَ مِنْ سَبِیْلِ الْاَبَاحِیْنِ مَا نَقْدِرُ عَلَیْهِ!﴾ حاصل مطلب یہ ہے کہ ”اگر آپ کے علاوہ اور کوئی بھی شخص یہ کلمہ مجھے کہتا۔ تو میں بھی ضرور اسے ویسا ہی جواب دیتا۔ مگر آپ کی والدہ ماجدہ کا بجز خیر و خوبی کے تذکرہ نہیں کیا جاسکتا۔“ امام نے فرمایا: ﴿فَمَا تَرِیدُ﴾ آخر تو چاہتا کیا ہے؟ خُر نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ آپ کو امیر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے جاؤں!

امام نے فرمایا: ﴿اِذَا وَاللّٰهُ لَا اَتَّبِعُکَ﴾ خدا کی قسم میں تیری متابعت نہیں کروں گا۔

خُر نے کہا: ﴿اِذَا وَاللّٰهُ لَا اَدْعُکَ!﴾ بخدا میں بھی آپ کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اسی طرح طرفین سے تین بار انہی خیالات کا اظہار ہوا۔ اس کے بعد خُر نے کہا: مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب آپ مل جائیں تو آپ اس سے اس وقت تک جدا نہ ہوں جب تک آپ کو کوفہ نہ پہنچا دوں۔ لیکن اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو پھر انصاف کا صرف ایک اور طریقہ ہے وہ یہ کہ آپ کوئی ایسا درمیانی راستہ اختیار کریں جو نہ کوفہ کی طرف جاتا ہو اور نہ مدینہ کی طرف۔ اس کے بعد میں امیر کو صورت حال لکھوں گا۔ شاید خدا مجھے آپ کے ساتھ جنگ کرنے سے بچالے۔ امام عالی مقام نے خُر کی اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے عذیب و قادسیہ کے راستے



سے ہٹ کر بائیں طرف مڑ کر سفر کرنا شروع کیا۔ اور خُر بھی آپ کے ساتھ ساتھ تھوڑے فاصلے پر چل رہا تھا۔<sup>۱</sup> راتے  
میں خُر نے خدمتِ امام میں حاضر ہو کر عرض کی: ﴿انسی اذ کرک اللہ فی نفسک فانی اشہد لئن قاتلت  
لنقتلن﴾ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اپنے حال پر رحم کریں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ نے جنگ کی تو  
آپ شہید کر دیئے جائیں گے۔ امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: ﴿افبالموت تخوفنی و هل یعدو یمکم  
الخطب ان تقتلونی و ساقول کما قال اخوا لاوس لابن عمہ و هو یرید نصرۃ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ و آلہ ف تخوفہ ابن عمہ و قال ابن ترید فانک مقتول فقال﴾ کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ کیا تم  
اس سے زیادہ بھی کچھ کر سکتے ہو۔ مجھے قتل کر ڈالو۔ میں تو وہی بات کہوں گا جو بنی اوس کے ایک شخص نے اپنے چچا زاد  
بھائی سے کہی تھی۔ جب کہ وہ نصرتِ رسول کے لیے جا رہا تھا اور اس کے چچا زاد بھائی نے اسے موت سے ڈراتے  
ہوئے کہا تھا کہ تو قتل ہو جائے گا۔ اس نے جواب میں کہا تھا ہ

سامضی فما بالموت عارٌ علی الفتی  
و واسی الرجال الصالحین بنفسہ  
فان عشت لم اندم و ان مت لم الم  
اذا ما نوى حقاً و جاهد مسلماً  
و فارق مشوراً و خالف مجرمماً  
کفی بک ذلاً ان تعيش و ترغمماً

### ایضاح

ملہوف سید بن طاووس اور ناسخ التواریخ<sup>۲</sup> سے تو یہ مترشح ہوتا ہے کہ خُر کے پاس ابن زیاد کے تہدید کی خط  
آنے کے بعد امام عالی مقام نے اپنے اصحاب کے عزم و ارادہ کی پختگی کا جائزہ لینے اور انہیں انجام کار سے آگاہ  
کرنے کے لیے عذیب الجانات کے مقام پر درج ذیل خطبہ دیا لیکن مؤرخ طبری<sup>۳</sup> کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے (اور  
اکثر علماء<sup>۴</sup> نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے) کہ منزل ذی حسم کے مقام پر خُر سے پہلی ملاقات کے بعد یہ خطبہ ارشاد  
فرمایا۔ اس لیے ہم بھی اسے اسی مقام پر درج کرتے ہیں۔ حمد و ثنائے خدا و درود بر مصلی کے بعد فرمایا: ﴿اما بعد  
انه قد نزل من الامر ما قد ترون و ان الدنيا قد تغیرت و تنکرت و ادبر معروفةا و استمرت خدءا

۱۔ ارشاد، ص ۲۳۳۔ طبری، ج ۶، ص ۲۲۸۔ نفس المہوم، ص ۱۰۱۔ عاشر بحار، ص ۱۸۷۔ ناسخ التواریخ، ج ۶، ص ۲۱۶۔ ملہوف، ص ۶۸۔

۲۔ ارشاد، ص ۲۳۳۔ عاشر بحار، ص ۱۸۷۔ مقتل الحسین للمقرم، ص ۱۹۷ وغیرہ۔

۳۔ ملہوف، ص ۶۹۔ ناسخ، ج ۶، ص ۲۱۷۔

۴۔ طبری، ج ۶، ص ۲۲۹۔

۵۔ نفس المہوم، ص ۱۰۲۔ تقام، ص ۲۹۹ وغیرہ۔



فلم یبق منها الا صباة کصباة الاناء و خسیس عیش کالمرعی الوبیل الا ترون ان الحق لا یعمل به و ان الباطل لا یتناهی عنه لیرغب المؤمن فی لقاء اللہ محققاً فانی لا اری الموت الا سعادة (شہادۃ) ولا الحیوة مع الظالمین الا برماً ﴿۱﴾ ”ایہا الناس! جو بلاء و مصیبت نازل ہوئی ہے۔ وہ تم دیکھ رہے ہو۔ دنیا کی حالت یکسر بدل گئی ہے۔ اور اس کی خیر و خوبی منہ پھیر گئی ہے۔ اور اگر کچھ باقی بھی ہے تو وہ اس قدر قلیل ہے جیسے پیالہ میں تلچھٹ۔ ان حالات میں زندگی گزارنا اس طرح مشکل ہے جس طرح وباء والی چراگاہ میں جینا ناگوار ہوتا ہے۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ حق پر عمل درآمد نہیں ہو رہا۔ اور باطل سے روکا نہیں جاتا۔ ان حالات میں مؤمن بارگاہِ احدیت میں حاضر ہونے میں رغبت کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان حالات میں مرجانا شہادت (یا سعادت) ہے اور ظالموں کی جماعت کے ساتھ زندہ رہنا ذلت و رسوائی ہے۔“

امام کا کلام حقیقت ترجمان ختم ہوتے ہی جناب زہیر بن القین کھڑے ہو گئے اور اصحابِ حسینؑ سے کہا: تم گفتگو کرو گے یا میں کروں۔ سب نے کہا: تم ہی کرو۔ چنانچہ زہیر نے حمد و ثناء الہی کے بعد کہا: ﴿قد سمعنا ہدایک اللہ یا بن رسول اللہ مقالک و اللہ لو کانت الدنیا لنا باقیة و کنا فیہا مخلصین الا ان فراقہا فی نصرک و مواساتک لاثرتنا الخروج معک علی الاقامة فیہا﴾ ﴿۲﴾ ”فرزند رسول! ہم نے آپ کی گفتگو سنی ہے۔ خدا کی قسم اگر بالفرض دنیا داغی ہوتی اور ہم نے اس میں ہمیشہ زندہ رہنا ہوتا۔ تب بھی آپ کی نصرت میں اس داغی زندگی پر آپ کے ساتھ مرنے کو ترجیح دیتے۔“

امام نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ اور وہ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد جناب نافع بن ہلال کھڑے ہوئے اور کہا: ﴿و اللہ ما کرہنا لقاء ربنا و انا علی نیاتنا و بصائرنا نوالی من والاک و نعادی من عاداک﴾ ﴿۳﴾ خدا کی قسم ہم ہرگز بارگاہِ قدرت میں حاضر ہونا ناپسند نہیں کرتے۔ ہم اپنی دینی بصیرت اور صاف نیت پر قائم ہیں۔ ہم اس سے دوستی کریں گے؟ جو آپ سے دوستی کرے گا اور اس سے دشمنی کریں گے جو آپ سے دشمنی کرے گا۔

اس کے بعد جناب بریر بن خضیر نے کھڑے ہو کر کہا: ﴿و اللہ یا بن رسول اللہ لقد من اللہ بک علینا ان نقاتل بین یدیک نقطح فیک اعضائنا ثم یکون جدک شفیعنا یوم القیامة﴾ ﴿۴﴾ ”اے فرزند رسول! خدا کی قسم! یہ خداوند عالم نے ہم پر احسان فرمایا ہے کہ اس نے ہمیں توفیق دی ہے کہ آپ کے ہمرکاب



ہو کر دشمنانِ دین سے) جہاد کریں۔ اور اس میں ہمارے اعضاء و جوارح کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور پھر بروز قیامت آپ کے جدِ نادر ہمارے شفیع ہوں۔“

### تیرہویں منزل: بیضہ

منزل ذی کُسم سے روانہ ہو کر جناب سید الشہداءؑ منزل بیضہ پر پہنچے جو کہ واقعہ اور غریب الحجانات کے درمیان واقع ہے۔ اس منزل کا کوئی خاص واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔ سوائے اس خطبہ مبارکہ کے جو جناب امام حسینؑ نے اس مقام پر پڑھا اور اس کی سپاہ کے سامنے دیا۔ حمد و ثنائے الہی کے بعد فرمایا: ﴿ایہا الناس ان رسول اللہ قال من رای سلطاناً جائراً مستحلاً لحرام اللہ ناکثاً لعہد اللہ مخالفاً لسنة رسول اللہ یعمل فی عباد اللہ بالاثم و العدو ان فلم یرغیر علیہ بفعل ولا قول کان حقاً علی اللہ ان یدخلہ مدخلہ الا وان ہؤلاء قد لزمو طاعة الشیطان و ترکوا طاعة الرحمن و اظہروا الفساد و عطلوا لحدود و استاثروا بالفی و احلوا حرام اللہ و حرّموا حلالہ و انا احق من غیر و قد اتنی کتبکم و قدمت علی رسلکم بیعتکم انکم لا تسلموننی ولا تخذلوننی فان اقمتم علی بیعتکم تصیبا و رشدکم فانا الحسن بن علی و ابن فاطمة بنت رسول اللہ نفسی مع انفسکم و اہلی مع اہلیکم فلکم فی اسوۃ و ان لم تفعلوا و نقضتم عہدکم و خلعتم بیعتی من اعناقکم فلعمری ما ہی لکم بنکر لقد فعلتموها بابی و اخی و ابن عمی مسلم۔ و المغرور من اغتر بکم فحظکم اخطاتم و نصیبکم ضیعتم و من نکث فانما ینکث علی نفسہ و سیغنی اللہ عنکم و السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ﴾۔ ”ایہا الناس! جناب رسول خدا ﷺ کا ارشاد ہے: جو کسی ایسے ظالم بادشاہ کو دیکھے جو خدا کے حرام کو حلال کرنے والا۔ اس کے عہد و پیمان کو توڑنے والا اور سنت رسول کی خلاف ورزی کرنے والا ہو۔ اور بندگانِ خدا کے ساتھ خلافِ شرع سلوک کرنے والا ہو۔ اور پھر اپنے قول یا فعل کے ساتھ اسے نہ ٹو کے۔ تو خدا پر لازم ہوگا کہ اسے اپنے مقام (جہنم) میں داخل کرے۔ ان لوگوں (بنی امیہ) نے خدائے رحمن کی اطاعت کا جو اپنی گردنوں سے اتار کر شیطان کی پیروی کا قلابہ گلے میں ڈال لیا ہے۔ زمین آتش فتنہ و فساد سے فروزاں کر رکھی ہے۔ اور حدودِ خداوندی کو معطل کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ ان لوگوں نے مالِ خدا کو اپنا ذاتی مال سمجھ لیا ہے۔ یہ لوگ حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ میں اس منصب و مقام کا ان تمام لوگوں سے زیادہ حقدار ہوں۔ تمہارے متعدد خطوط اور پیغام میرے پاس آئے۔ کہ تم نے میری بیعت کر لی ہے۔ اور یہ کہ تم ہرگز میرا ساتھ نہیں چھوڑو گے۔ لہذا اگر تم اب



بھی اپنی کی ہوئی بیعت پر قائم رہو گے۔ تو رشد و ہدایت پاؤ گے۔ میں علیؑ اور فاطمہؑ دختر رسولؐ کا فرزند ہوں۔ اس وقت میری جان تمہاری جانوں کے ساتھ، میرے اہل تمہارے اہل و عیال کے ساتھ ہیں۔ اور میرا کردار تمہارے لیے نمونہ اور قابلِ تائسی ہے۔ اور اگر تم نے میری بیعت توڑ دی ہے اور اطاعت کا قلابہ گلے سے اتار پھینکا ہے تو یہ بات تم سے کوئی انوکھی اور تعجب خیز نہیں ہے۔ تم اس سے پہلے میرے والد، میرے بھائی، اور میرے ابن عم مسلمؑ کے ساتھ ایسا سلوک کر چکے ہو۔ بے شک فریب خوردہ شخص وہی ہے جو تمہاری وجہ سے دھوکہ کھا جائے۔ بہر حال تم نے (یہ بیعت توڑ کر) اپنے حصہ (ثواب) کو ضائع و اکارت کیا ہے۔ جو بیعت کر کے توڑے گا۔ وہ اپنا نقصان کرے گا۔ خداوند عالم عنقریب مجھے تم سے بے نیاز کر دے گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔“

### چودھویں منزل: عذیب الہجانات

منزل بیضہ سے روانہ ہو کر جناب سید الشہداء نے عذیب الہجانات کے مقام پر قیام کیا۔ تھوڑے فاصلہ پر خر نے بھی اپنے سپاہیوں سمیت قیام کیا۔ اسی منزل پر کوفہ سے آتے ہوئے چار آدمی اپنی اپنی سواریوں پر سوار وارد ہوئے اور ان کے ہمراہ نافع بن ہلال بجلی کا ”کامل“ نامی ایک کوتل گھوڑا بھی تھا۔ یہ چار شخص عمر بن خالد صیداوی، اس کا غلام سعد، مجمع بن عبد اللہ مدجنی اور ایک اور شخص تھے۔ اور پانچویں بزرگ جو ان کے دلیل (راستہ بتانے والے تھے) وہ طرماح بن عدی تھے۔ جب یہ لوگ امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خر (جو کہ ناکہ بندی پر مامور تھا) یہ کہتے ہوئے کہ ”یہ اہل کوفہ ہیں اس لیے میں ان کو گرفتار کرتا ہوں۔ یا واپس کوفہ بھجواتا ہوں۔“ آگے بڑھا۔ مگر امام علیؑ نے یہ فرما کر کہ اب چونکہ یہ لوگ میرے پاس پہنچ گئے ہیں۔ لہذا یہ میرے انہی اعوان و انصار کی طرح ہیں جو پہلے سے میرے ساتھ آئے ہیں۔ لہذا اب یہ میری حفاظت میں ہیں۔ یہ سن کر خر رُک گیا۔ اس کے بعد جناب امام حسینؑ نے ان سے اہل کوفہ کے حالات دریافت کئے۔ مجمع بن عبد اللہ نے کہا: ﴿اما اشرف الناس فقد اعظمت رشوتهم و ملئت غرائرهم يستمال و ذہم و يستخلص بہ نصيحتهم فہم الب و احد علیک و اما سائر الناس بعدہم فان قلوبہم تہوی الیک و سیوفہم غذا مشہورۃ علیک﴾ جہاں تک بڑے آدمیوں کا تعلق ہے ان کو بڑی بڑی بھاری رشوتیں دی گئی ہیں اور مال و دولت کے ذریعہ ان کی ہمدردیاں حاصل کی گئی ہیں۔ اس لیے وہ سب کے سب آپ کے برخلاف ہیں۔ باقی رہے عام لوگ تو ان کے دل تو آپ کی طرف مائل ہیں۔ مگر کل ان کی تلواریں آپ کے خلاف ہی میان سے باہر آئیں گی۔ اس کے بعد امام عالی

۱۔ تقام ہس ۲۹۹، ۳۰۰۔ نفس المہوم ہس ۱۰۲۔ مقتل الحسین للمقرم ہس ۱۹۹، ۲۰۰ وغیرہ۔

۲۔ تقام ہس ۲۹۹، ۳۰۰۔ نفس المہوم ہس ۱۰۲۔ مقتل الحسین للمقرم ہس ۱۹۹، ۲۰۰ وغیرہ۔







## پندرہویں منزل: قصر بنی مقاتل

عذیب الحبانات سے روانہ ہو کر حضرت امام حسین علیہ السلام قصر بنی مقاتل کے مقام پر پہنچے۔ امام نے وہاں قیام فرمایا۔ دیکھا وہاں کچھ خیمے نصب ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ عبید اللہ بن حریثی کے خیمے ہیں۔ جو کہ کوفہ کے مشہور شہسواروں میں سے تھا۔ امام علیہ السلام نے حجاج بن مسروق رضی اللہ عنہ رضوان اللہ علیہ کو اسے بلانے کے لیے بھیجا۔ جب قاصد نے جا کر امام کا پیغام دیا تو اس بد قسمت نے کہا: ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ میں نے تو کوفہ اسی لیے چھوڑا تھا کہ جب امام حسین کوفہ میں داخل ہوں تو میں وہاں موجود نہ ہوں۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ وہ مجھے دیکھیں۔ یا میں ان کو دیکھوں۔ قاصد نے خدمت امام میں حاضر ہو کر تمام ماجرا بیان کیا۔ امام علیہ السلام خود بہ نفس نفیس چل کر اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اور اسے دعوت نصرت دی لیکن عبید اللہ نے اپنے سابقہ کلام کا اعادہ کر کے امام کا ساتھ دینے سے معذرت ظاہر کی۔ امام نے دوبارہ اسے اس سعادت کے حاصل کرنے کی دعوت دی۔ مگر اس کے بخت نے یاوری نہ کی اور اس بد قسمت نے اس سعادت کو حاصل کرنے سے انکار کر دیا۔ اور ٹال مٹول سے کام لیا۔

بِالْآخِرِ اِمَامٌ نَّهَضَ فَاثَقَّ اللَّهُ اَنْ تَكُونَ مِمَّنْ يَقَاتِلُنَا فَوَ اللَّهُ لَا يَسْمَعُ وَ اَعَيْنَا اَحَدٌ ثُمَّ لَا يَنْصُرُنَا اِلَّا هَلَكٌ ﴿اگر تم ہماری نصرت نہیں کرتے تو کم از کم خیال رکھنا ان لوگوں میں سے نہ ہونا جو ہم سے جنگ کریں گے کیونکہ جو شخص ہماری آواز استغاثہ کو سنے گا اور پھر ہماری نصرت نہیں کرے گا وہ ہلاک و برباد ہو جائے گا۔ اس نے کہا: البتہ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ اس کے بعد امام اٹھ کر واپس اپنی قیام گاہ پر آ گئے۔<sup>۱</sup> تاریخ شاہد ہے کہ جب تک عبید اللہ زندہ رہا۔ اس سعادت سے محرومی پر کفِ افسوس ملتا رہا اور وہ امیر مختار کے ساتھ انتقامی کارروائیوں میں شریک بھی ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا یہ

تُرود بين صَدْرِي وَ التَّرَاقِي

فِي اَلِك حَسْرَةٍ مَا دُمْتُ حَيَا

لَبِلْتُ كَرَامَةَ يَوْمِ التَّلَاقِ

وَلَوْ اَنِي اَوْ اَسِيْلُهُ بِنَفْسِي

وَ خَابَ الْآخَرُونَ ذَوِي النِّفَاقِ

لَقَدْ فَازَ الْاَوَّلِي نَصْرًا وَ اَحْسِنَا

اسی مقام پر آنجناب کی عمرو بن قیس مشرقی اور اس کے چچا زاد بھائی سے بھی ملاقات ہوئی۔ آپ نے ان

سے دریافت فرمایا: کیا تم میری نصرت کے لیے آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہم کثیر العیال آدمی ہیں اور ہمارے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں۔ نہ معلوم انجام کیا ہو؟ اور کہیں لوگوں کی امانتیں ضائع نہ ہو جائیں۔ ان سے بھی امام عالی

۱۔ ارشاد، ص ۲۳۵۔ نفس المہوم، ص ۱۰۵۔ عاشر بحار، ص ۱۸۸ وغیرہ۔

۲۔ نفس المہوم، ص ۱۰۶۔



مقام نے بالآخر وہی نصیحت فرمائی جو عبید اللہ کو فرمائی تھی کہ ”دور ہو جاؤ۔ نہ مجھے دیکھو۔ اور نہ میری آواز استغاثہ کو سنو۔ ورنہ جو اس آواز کو سنے گا اور پھر نصرت نہیں کرے گا تو خدا سے آتش جہنم میں منہ کے بل اوندھا لٹکائے گا۔“<sup>۱</sup>

جناب امام حسینؑ نے رات قصر بنی مقاتل میں گزاری۔ رات کے آخری حصہ میں جنابؑ نے وہاں سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اور روانگی سے قبل آپ کے حکم سے کافی پانی ہمراہ لے لیا گیا۔ چنانچہ قافلہ رواں ہوا۔ ابھی تھوڑا راستہ طے کیا تھا کہ جناب سید الشہداء کو ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ پڑھتے ہوئے سنا گیا۔ دو تین دفعہ آپؑ نے ایسا کہا۔ شہزادہ علی اکبرؑ نے جو گھوڑے پر سوار تھے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ بابائے بزرگوار! ان کلمات کے پڑھنے کا سبب کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: ﴿اِنِّیْ خَفَقْتُ خَفَقَةً فَعَنَّ لِّیْ فَارِسٌ عَلٰی فَرَسٍ وَهُوَ یَقُوْلُ الْقَوْمُ یَسِیْرُوْنَ وَ الْمَنَیْا تَسْرِی الْیَهِمَّ فَعَلِمْتُ اَنَّهَا اِنْفَسْنَا نَعِیْتُ الْیَہِیْ﴾ ”(ابھی ابھی گھوڑے پر) میری آنکھ لگ گئی تھی۔ میں نے عالم خواب میں ایک سوار کو دیکھا جو یہ کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ تو چل رہے ہیں۔ اور موت ان کی طرف آرہی ہے۔ پس میں نے معلوم کر لیا ہے کہ ہمیں موت کی اطلاع دی گئی ہے۔“ یہ سن کر شہزادہ نے عرض کیا: ﴿یَا اَبْتَ لَا اَرَاکَ اَللّٰهُ سَوءَ السَّعَا عَلٰی الْحَقِّ؟﴾ اے پدر بزرگوار! خدا آپ کو کبھی کوئی برائی نہ دکھائے۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ آپؑ نے فرمایا: ﴿بَلٰی وَالَّذِیْ اِلَیْہِ مَرْجِعُ الْعِبَادِ﴾ اس خدا کی قسم جس کی طرف تمام بندوں کی بازگشت ہے۔ یقیناً ہم حق پر ہیں۔ شہزادہ نے کہا: ﴿فَاَنَّا اِذَا لَا نَبَالٰی اِنْ نَمُوْتَ مُحَقِّقِیْنَ﴾ پھر ہمیں کوئی اندیشہ نہیں کہ حق پر ہمیں موت آجائے! شہزادہ کا یہ جواب با صواب سن کر امامؑ نے فرمایا: ﴿جَزَاکَ اللّٰهُ مِنْ وَلَدٍ خَیْرٌ مَا جَزٰی وَلَدًا عَنْ وَالِدٍ﴾ ”بیٹا! جو بہترین جزا کسی بیٹے کو باپ کی طرف سے مل سکتی ہے وہ جزا خدا تمہیں عطا فرمائے۔“<sup>۲</sup>

### سولہویں منزل: نینوا

سرکار سید الشہداء علیہ السلام قصر بنی مقاتل سے روانہ ہو کر برابر راستہ طے کرتے ہوئے نینوا کی سرزمین میں پہنچے۔ نینوا، غاصریہ اور شفیہ وہاں اس زمانہ میں چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں۔ خُر بھی اپنی سپاہ سمیت ساتھ ساتھ تھا۔ جب قافلہ اس مقام پر پہنچا۔ تو کوفہ کی طرف سے ایک مسلح ناکہ سوار آتا ہوا دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر سب رک گئے۔ جب قریب آیا تو اس نے خُر اور اس کے ساتھیوں پر سلام کیا۔ مگر امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کو سلام نہ کیا۔ بعد ازاں اس

۱۔ مقتل الحسین للمقرم، ص ۲۰۴۔ عقاب الانفال، ص ۳۵۔ رجال کشی، ص ۴۷۔ بحوالہ مقتل الحسین للمقرم، ص ۲۰۵۔

۲۔ ارشاد، ص ۲۳۵۔ مقتل عوالم میں اس واقعہ کا بمقام عذیب بوقت قیلول اور خوارزمی نے بمقام ثعلبیہ بوقت قیلول ذکر کیا ہے مگر معتبر روایت وہی ہے جو ارشاد شیخ مفید میں مذکور ہے۔ فلا تغفل۔



نے خر کو ابن زیاد کا ایک خط دیا جس میں لکھا تھا: ﴿اما بعد فجمع بالחסین حین تأتیک کتابی هذا و  
بقدم علیک رسولی ولا تنزله الا بالعراء فی غیر حضر (حصن) و علی غیر ماء و قد امرت  
رسولی ان یلزمک ولا یفارقک حتی یاتینی بانفاذک امری والسلام﴾۔ ”جب تمہیں میرا خط ملے تو  
وہیں حسین کو روک لو۔ اور ان کو بے آب و گیاہ جگہ پر اترنے پر مجبور کر دو۔ میں نے اپنے قاصد کو کہہ دیا ہے کہ یہ  
تمہارے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ میرے حکم کی تعمیل کی مجھے اطلاع دے۔“ معلوم ہوتا ہے کہ ابن زیاد کو خر کی نرم روی  
کی اطلاع مل گئی تھی۔ اس لیے اس نے یہ تبدیلی خط لکھا اور اس کے ساتھ ساتھ جاسوس بھی مقرر کر دیا۔

بہر حال خر نے امام عالی مقام کو خط کے مضمون سے آگاہ کیا اور کہا کہ اب میں تعمیل حکم کے لیے مجبور ہوں۔  
امام نے فرمایا: مجھے غاضبیہ، نینو یا شفیہ میں اترنے کی اجازت دے دو۔ خر نے کہا: مجھے تو حکم ہے کہ بے آب و گیاہ  
مقام پر آپ کو اتاروں۔ اور یہ نگران موجود ہے لہذا میں ایسا نہیں کر سکتا۔<sup>۱</sup> یزید بن مہاجر کندی نے ابن زیاد کے  
قاصد کو غضب ناک نظروں سے دیکھتے ہوئے فرمایا: ﴿ثکلتک امک ماذا جنت فید﴾ تیری ماں تیرے سوگ  
میں بیٹھے تو یہ کیسا خط لایا ہے؟ ابن زیاد کے قاصد نے (جس کا نام مالک بن مسیر کندی تھا) کہا: ﴿اطعت امامی و  
وفیت بیعتی﴾ میں نے امام کی اطاعت کی ہے اور اپنی بیعت کی وفا کی۔ ابن مہاجر نے جواب میں کہا: ﴿بل  
عصیت ربک و اطعت امامک فی ہلاک نفسک و کسبت العار و النار و بنس الامام امامک  
قال اللہ تعالیٰ و جعلناہم ائمة یدعون الی النار و یوم القیمة لا ینصرون فامامک منہم﴾۔ ”بلکہ تو  
نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی ہے اور اپنے امام کی اطاعت کر کے اپنے آپ کو ہلاک و برباد کیا ہے اور عار و نار کو  
حاصل کیا ہے۔ بہت ہی برا ہے۔ تیرا امام۔ خدا فرماتا ہے: کچھ ایسے امام بھی ہیں جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں  
اور بروز قیامت ان کی کوئی امداد نہیں کی جائے گی۔ تیرا امام یزید بھی انہی اماموں میں سے ہے۔“<sup>۲</sup>

بہر حال ان حالات میں اصحاب حسین کے اندر غیر معمولی جوش پیدا ہوا۔ چنانچہ جناب زہیر بن قین نے  
خدمت امام میں عرض کیا: میرے آقا حالات نے جو صورت اختیار کر لی ہے وہ ظاہر ہے ابھی ان لوگوں سے نمٹ لینا  
چاہئے کیونکہ بعد میں اس قدر کثیر فوج آجائے گی کہ جس کے مقابلہ کی ہمیں تاب و توانائی نہ ہوگی۔ مگر امام نے یہ  
جواب با صواب دے کر اپنی صلح جوئی پر مہر ثبت کر دی کہ ﴿ما کنت لا بدأ ہم بالقتال﴾ میں ہرگز جنگ کی ابتداء  
نہیں کرنا چاہتا۔<sup>۳</sup>

۱۔ ارشاد ص ۲۳۶۔ نفس المہوم ص ۱۰۸۔ مقتل الحسین ص ۲۰۶۔ الاخبار الطوال ص ۲۵۳۔ ج ۲۔ نفس المہوم ص ۱۰۹۔

۲۔ ارشاد ص ۲۳۶۔ نفس المہوم ص ۱۰۹۔

۳۔ ارشاد ص ۲۳۶۔ طبری، ج ۶، ص ۲۳۲ وغیرہ۔



## کربلا میں ورود

اس کے بعد امام نے خر سے فرمایا: ہمیں تھوڑا سا آگے چلنے دو۔ چنانچہ ابھی آپؑ نے تھوڑا ہی راستہ طے کیا تھا کہ خراچی سپاہ کے ساتھ آگے آ کر سہ راہ ہو گیا۔ امام نے دریافت کیا: ﴿مَا اسْمُ هَذِهِ الْأَرْضِ﴾ اس جگہ کا کیا نام ہے؟ عرض کیا گیا کہ اسے کربلا کہتے ہیں۔ ﴿فَدَمَعَتْ عَيْنَاهُ وَقَالَ اللَّهُمَّ أَنْتَ أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَرْبِ وَالْبَلَاءِ﴾ سید الشہداءؑ نے آبدیدہ ہو کر کہا: یا اللہ ہم کرب و بلا سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔ پھر یہ بھی فرمایا: ﴿هَذَا مَوْضِعُ كَرْبٍ وَبَلَاءٍ﴾ یہ رنج و الم کا مقام ہے۔ اس کے بعد حکم دیا: ﴿انْزِلُوا﴾ یہاں اترو کیونکہ ﴿هَاهُنَا مُحِطٌ رَحَالُنَا وَمُسْفَكٌ دِمَائُنَا وَهَذَا مَحَلُّ قُبُورِنَا﴾ بھڑا حدیسی جدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہؑ یہی ہماری سواریاں بٹھانے کی جگہ ہے۔ یہی ہمارے خون بہائے جانے کا مقام ہے۔ یہی ہماری قبروں کا محل ہے۔ میرے جد نامدار جناب رسول خدا ﷺ نے مجھے اسی جگہ کی اطلاع دی تھی۔

یہ دو محرم ۱۱ھ بروز پنجشنبہ کا واقعہ ہے۔<sup>۱</sup> وہاں اترنے کے بعد آنجنابؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ﴿النَّاسُ عِبَادُ الدُّنْيَا وَالَّذِينَ لَعَنَ عَلَى السَّيِّئِينَ يَحُوطُونَ مَا قَدَرْتَ مَعَاشِيَهُمْ فَإِذَا مُحِصُوا بِالْبَلَاءِ قُلُ الدُّنْيَانُونَ﴾ عام لوگ دنیا کے بندے ہیں اور انہوں نے دین کو چاٹنا بنایا ہوا ہے۔ وہ دین سے اس وقت تک وابستہ رہتے ہیں۔ جب تک ان کی معیشت ٹھیک رہے لیکن جب کسی آزمائش کا وقت آ جائے تو دیندار لوگ بہت ہی قلیل ثابت ہوتے ہیں۔<sup>۲</sup>

جب خیام حسینیؑ نصب ہو چکے تو روایات میں وارد ہے کہ سرکار سید الشہداء ﷺ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ: ﴿جَمَعَ وَلَدَهُ وَآخُوْتَهُ وَاهْلِيْنَتَهُ وَثُمَّ نَظَرَ إِلَيْهِمْ فَبَكَى سَاعَةً ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ إِنَّا عَتْرَةُ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ وَقَدْ أَخْرَجْنَا وَطَرَدْنَا وَازْعَجْنَا عَنْ حَرَمِ جَدِّنَا وَتَعَدَّتْ بَنُو أُمَيَّةَ عَلَيْنَا اللَّهُمَّ فَخُذْ لَنَا بِحَقِّنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾

آپؑ نے اپنے تمام اعزہ و اقارب کو اکٹھا کیا اور ایک ساعت تک ان کی طرف دیکھنے کے بعد رو دیئے۔ اور بارگاہ قدرت میں عرض کیا۔ یا اللہ ہم تیرے نبی محمدؐ کی عترت ہیں۔ ہمیں زبردستی اپنے جد نامدار کے حرم سے دور کیا

۱۔ لیف سید بن طاووس، ص ۱۷۱۔ نفس المہموم، ص ۱۱۱۔ عاشر بخار، ص ۱۸۸۔ مقتل الحسین للمرقم، ص ۲۰۸ وغیرہ۔

۲۔ ارشاد، ص ۲۳۶۔ طبری، ج ۶، ص ۲۳۳۔ کامل، ج ۴، ص ۳۱ وغیرہ۔

۳۔ نفس المہموم، ص ۱۱۱۔



گیا ہے۔ اور بنی امیہ نے ہم پر ظلم و ستم کیا ہے۔ تو ہمارے حق کو حاصل فرما۔ اور ہمیں ظالموں پر فتح و نصرت عطا کر۔  
 امام حسین علیہ السلام کے کر بلا میں تشریف لانے کے بعد یہ پہلی مجلس حسین تھی۔ جو کر بلا میں پڑھی گئی۔  
 بعض اربابِ مقاتل نے اس مقام پر امام عالی مقام کا وہ خطبہ اور اصحابِ حسین کے تائیدی ایمان افروز  
 کلمات نقل کئے ہیں۔ جو ہم منزلِ ذی حسم کے مقام پر نقل کر چکے ہیں۔ و یمکن الجمع بالتکرار واللہ العالم  
 بالاسرار۔

### ایک مشہور واقعہ پر تنقید

”حضرت کے داخلہ کر بلا کے بعد عام طور پر ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ آپؐ نے نینوا، غاضریہ کے  
 باشندوں کو جو اس زمین کے مالک تھے۔ بلوا کر فرمایا کہ میں یہاں قتل کیا جاؤں گا۔ میرے دوست دُور دُور سے  
 زیارت کو آئیں گے۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ اس زمین کو میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ وہ لوگ راضی ہوئے تو آپؐ نے  
 ساٹھ ہزار درہم مرحمت فرمائے۔ مگر یہ روایت سوائے معمولی کتابوں کے کسی معتبر کتابوں میں نہیں پائی جاتی۔ مولوی  
 غلام حسنین صاحب مرحوم اپنی کتاب مائتین، جلد اول کے صفحہ ۲۹۴ میں فرماتے ہیں کہ ”یہ روایت کسی کتاب میں  
 بمضمون مندرجہ بحر المصائب نہیں پاتی جاتی۔ اور آج تک مجھ کو اس کی سند نہیں ملی۔ بہر حال علامہ کثوری نے اس  
 روایت کو محض بحر المصائب کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ حالانکہ بحر المصائب تاریخی کتاب کا درجہ نہیں رکھتی بلکہ وہ بہت سی  
 بے سرو پا روایات کا مجموعہ ہے۔“ واللہ العالم۔

۱۔ نفس المہموم، ص ۱۱۱۔ مقتلِ حسین، ص ۲۰۸۔ دقائقِ ایامِ محرم، ص ۲۲ وغیرہ۔

۲۔ مجاہدِ عظیم، حصہ اول، ص ۱۹۸۔



## دو محترم سے شبِ عاشورا تک کے حالات و واقعات

### امام حسین علیہ السلام کے نام ابن زیاد کا خط

بعض کتب سیر و تواریخ میں لکھا ہے کہ جب حر نے امام کے کربلا میں ورود کی اطلاع ابن زیاد کو دی تو ابن زیاد نے اس مضمون کا ایک خط حضرت امام عالی مقام کی خدمت میں بھیجا۔ ﴿اما بعد فقد بلغنی یا حسین نزولک بکربلاء وقد کتب الی امیر المؤمنین یزید ان لا اتوسد الوثیر ولا اشبع من الخمیر و او الحقک باللطیف الخبیر او ترجع الی حکمی و حکم یزید و السلام﴾ ”اے حسین! مجھے آپ کے کربلا پہنچنے کی اطلاع ملی ہے اور امیر یزید نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس وقت تک نہ نرم تکیہ پر سر رکھوں اور نہ عمدہ خوراک کھاؤں جب تک آپ کو قتل نہ کر لوں مگر یہ کہ آپ میرے اور یزید کے حکم کے سامنے تسلیم خم کر دیں۔“ یہ خط امام کو پہنچا۔ تو آپ نے پڑھنے کے بعد اسے پھینک دیا اور فرمایا: ﴿لا افلح قوم اشتروا مرضات المخلوق بسخط الخالق﴾ وہ گروہ کبھی فلاح حاصل نہیں کر سکتا۔ جو خالق کی ناراضی کے عوض مخلوق کی رضا مندی خریدے۔ جب قاصد نے جواب کا تقاضا کیا تو آنجناب نے فرمایا: ﴿ساله عندي جواب فقد حقت علیه كلمة العذاب﴾ میرے پاس اس خط کا کوئی جواب نہیں ہے یہ ملعون عذابِ خداوندی کا مستحق بن چکا ہے۔

### سوم محرم الحرام کو عمر بن سعد کا چار ہزار لشکر کے ساتھ کربلا میں پہنچنا

جب عراق کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کو امام کے ورود کربلا کی اطلاع ملی تو اس نے امام عالی مقام کے قتل و قتال کے لیے کوفہ سے فوجیں بھیجنا شروع کر دیں۔ چنانچہ اکثر محقق ارباب تاریخ کے بیان کے مطابق پہلے پہل عمر بن سعد (ملعون) ۳ محرم الحرام کو چار ہزار کا لشکر جوار لے کر قتل امام کے ناپاک ارادہ سے وارد کربلا ہوا۔ اس کی روانگی کا ماجرا اس طرح ہے کہ قزوین (ایران) کے مضافات میں دہلیویوں نے خروج کر کے سرحدی علاقہ میں ”دستبنی“ پر قبضہ کر لیا تھا۔ ابن زیاد نے عمر سعد کو علاقہ رے و دستبنی کا پروانہ دے کر ان لوگوں کی سرکوبی اور مقبوضہ علاقہ کی بازیابی کی مہم پر روانہ ہونے پر مامور کیا تھا۔ اور بعض اخبار و آثار کے مطابق وہ کوفہ سے روانہ ہو کر بمقام ”حمام العین“ لاؤ لشکر سمیت خیمہ زن تھا کہ اس اثنا میں حضرت امام حسین کے کربلا میں وارد ہونے کی ابن زیاد کو اطلاع ملی۔ اس لیے اس



نے ابن سعد کو واپس بلا کر کہا کہ پہلے اس کو بلا والی مہم سے فارغ ہو لو۔ اس کے بعد دستخی والی مہم پر روانہ ہونا۔ ابن سعد نے معذرت کے لہجہ میں کہا۔ اگر آپ مجھے معاف کر دیں اور فلاں فلاں آدمیوں کو اس مہم پر روانہ کر دیں تو بہتر ہوگا۔ ابن زیاد نے جھٹلا کر کہا: ہم نے مشورہ لینے کے لیے تمہیں نہیں بلایا۔ جانا ہے تو خود کر بلا کا رخ کرو۔ ورنہ رے کا پروانہ واپس کر دو۔ ابن سعد نے ایک رات کی مہلت طلب کی۔ واپس گھر آیا۔ احباب و اقارب سے مشورہ کیا۔ سب نے اسے اس مشنوم ارادہ سے روکا۔ بعض (ابن سعد کے بھانجے حمزہ بن مغیرہ) نے تو یہاں تک اسے کہا کہ اگر تو تمام روئے زمین کا بادشاہ ہوتا اور تجھے اپنی تمام بادشاہت سے دستبردار ہونا پڑتا تو یہ بہتر تھا اس سے کہ امام حسینؑ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کر کے بارگاہ خدا میں حاضر ہو۔ ابن سعد نے وعدہ بھی کر لیا کہ میں ایسا نہیں کروں گا مگر علاقہ رے کے حاصل کرنے کا بھوت اس کے سر پر کچھ اس طرح سوار تھا کہ وہ اسے کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھا۔ مشہور ہے کہ ابن سعد نے وہ رات انتہائی تحیر و سراسمگی کے عالم میں اور برابر یہ کفریہ اشعار پڑھنے کے عالم میں گزاری ۔

الی خطۃ فیہا خرجت لحین

افکر فی امری علی خطرین

ام اصبح ماثوماً بقتل حسینؑ

لعمری ولی فی الرئی قرۃ عین

حجاب ولی فی الرئی قرۃ عین

ونار تعذیب و غل یدین

اتوب الی الرحمن من سنتین

و ان کنت فیہا اعظم الثقلین

وما عاقل باع الوجود بدین

دعانی عبید اللہ من دون قومہ

فو اللہ لا ادری و انی لحائر

و اترک ملک الرائی و الری مبتی؟

حسینؑ ابن عمی و الحوادث جمۃ

وفی قتلہ نار التی لیس دونہا

یقولون ان اللہ خالق جنۃ

فان صدقوا فیما یقولون انی

و ان اللہ العرش یغفر ذلتی

و ان کذبوا فزنا بری عظیمۃ

بالا خراس شقی ازلی نے یہی فیصلہ کر لیا کہ ہرچہ بادا باد میں ملک رے سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔ اس کا خالص مادی کافرانہ اندازِ فکر یہ تھا کہ حکومت رے نقد ہے۔ اور جنت ادھار۔ اس نقد کو چھوڑ کر ادھار کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے۔ چنانچہ اس نے ابن زیاد سے اپنی رضامندی و آمادگی کا اظہار کر دیا۔ اور ابن زیاد نے اسے وہی چار ہزار کا لشکر جراردے کر جو پہلے اسے دیلمیوں کی سرکوبی کے لیے دیا تھا۔ اب نواسہ رسولؐ کو شہید کرنے، خانوادہ نبیؐ کے بچوں کو یتیم کرنے، اور مخدرات عصمت و طہارت کو بے مقصد و چادر کرنے کے لیے کر بلا روانہ کیا اور یہ شقی ازلی ۳ محرم



الحرام ۶۱ کو وار دکر بلا ہوا۔<sup>۱</sup>

## ابن زیاد کا قتل فرزند رسولؐ کے لیے لوگوں کو برا بھیختہ کرنا

ادھر کوفہ میں بدنہاد ابن زیاد کی یہ کیفیت تھی کہ وہ لوگوں کو جامع مسجد میں جمع کر کے مال و دولت کا لالچ دے کر نیز تہدید و وعید سے یزید عنید کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے پر آمادہ کر رہا تھا۔ چنانچہ ہر ہر آدمی کے وظائف مقررہ میں نقد سو سو درہم کا اضافہ کر دیا تھا۔ مزید احتیاط کی خاطر کوفہ سے نکل کر مقام ”نخیلہ“ (جو کہ کوفہ سے کچھ فاصلہ پر کر بلا کے راستہ میں واقع ہے) میں اقامت اختیار کر رکھی تھی۔ اس کو یہ اطلاع بھی ملی تھی کہ لوگ چونکہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنا پسند نہیں کرتے۔ اس لیے کچھ لوگ کوفہ سے روانہ ہو کر راستے سے واپس چلے آتے ہیں۔ اس لیے ملعون نے سعد بن عبد الرحمن کو اس کام پر مقرر کیا کہ وہ جستجو کرے اور اسے اگر کوئی ایسا شخص ملے تو اسے پکڑ کر دربار میں پیش کرے۔ چنانچہ سعد مذکور نے ایک شامی سپاہی کو جو کسی کام کے لیے لشکر سے واپس کوفہ میں آیا تھا۔ پکڑ کر ابن زیاد کے یہاں پیش کیا اور اس نے اس کے قتل کا حکم صادر کیا۔ چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا۔ اس واقعہ ہائلہ کا یہ اثر ہوا۔ کہ پھر کسی شخص کو لشکر سے واپس آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔<sup>۲</sup> ابن زیاد برابر لشکر پر لشکر بھیجتا رہا۔ چنانچہ چوتھی محرم کو شمر بن ذی الجوشن کو چار ہزار، یزید بن رکاب کلبی کو دو ہزار اور حصین بن نمیر کو فی کو چار ہزار کا لشکر جزا دے کر روانہ کیا۔<sup>۳</sup> اسی طرح برابر یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ صحیح روایت کی بنا پر نویں ماہ محرم کو کر بلا میں سپاہ مخالف کی تعداد تیس ہزار کو پہنچ گئی تھی۔ (اس کی تفصیل بعد میں آئے گی انشاء اللہ) نیز بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن زیاد نے خز بن قیس جعفی کو پانچ سو مسلح سپاہی دے کر ”پل فرات“ (جو کر بلا کے راستہ میں واقع تھی) پر اس غرض سے تعینات کیا تھا کہ کوفہ کا کوئی آدمی حضرت امام حسینؑ کی نصرت و امداد کے لیے نہ جاسکے۔<sup>۴</sup>

بہر حال جب ابن سعد کر بلا میں پہنچا۔ اور خز بھی اپنے لشکر سمیت اس کے ساتھ شامل ہو گیا تو اس نے پہلا کام یہ کیا کہ قاصد بھیج کر حضرت امام حسینؑ سے تشریف لانے کا سبب دریافت کیا۔ پہلا اس غرض سے لیے کثیر بن مہد اللہ شعی کو بھیجا جو کہ بدترین خلاق، بہت جری و جسور اور خون ریز آدمی تھا۔ سرکار امامؑ میں پہنچنے سے پہلے جناب ابو ثمامہ صاندی نے اس کا راستہ روک کر کہا کہ تلوار یہیں رکھ کر بارگاہ امامؑ میں جاؤ۔ اس نے انکار کیا۔ ابو ثمامہ نے کہا:

۱۔ ارشاد شیخ مفید ص ۲۴۶۔ نفس المہوم ص ۱۱۳۔ تہذیب ص ۳۱۱۔ مقتل الحسین ص ۲۱۶۔

۲۔ تہذیب ص ۳۱۳، بحوالہ روضۃ الصفاء۔

۳۔ دلائل ایام محرم ص ۲۰۹ وغیرہ۔

۴۔ مقتل الحسین للمعتمد ص ۲۱۷، بحوالہ کتاب الکلیل للہمدانی، ج ۱۰ ص ۱۰۸، ۱۰۸۔



دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ میں تیری تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھتا ہوں اور اسی حالت میں خدمت امام میں لے جاؤں گا۔ اس نے ایسا کرنے سے بھی انکار کیا۔ ابو ثمامہ نے دلیری کے ساتھ جواب دیا۔ پھر تم خدمت امام میں بھی نہیں جا سکتے۔ اس پر طرفین میں سخت کلامی ہوئی اور بالآخر وہ شقی واپس چلا گیا۔ پھر ابن سعد نے قرۃ بن قیس ظلی کو اس مقصد کے لیے منتخب کیا۔ چنانچہ اس نے امام عالی مقام کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر پسر سعد کا پیغام پہنچایا۔ امام علیؑ نے جواب دیا: ﴿ان اهل مصر کم کتبوا الی ان اقدم علینا فاما اذا کرهتمونی انصرفتم عنکم﴾ تمہارے شہر (کوفہ) والوں نے مجھے لکھا کہ ہماری طرف آئیے۔ اب اگر تم میرا آنا پسند نہیں کرتے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔

قاصد نے واپس جا کر جب ابن سعد کو امام کا یہ مصلحانہ جواب دیا تو اس نے خوش ہو کر کہا کہ ﴿ارجو ان یعافنی اللہ من حربہ﴾ ”امید ہے میں حسین کے ساتھ جنگ کرنے سے بچ جاؤں گا۔“ پھر امام کے جواب کی روشنی میں تمام صورت حال ابن زیاد کو لکھ کر بھیج دی۔ حسان بن قائد عسلی بیان کرتا ہے کہ جس وقت پسر سعد کا خط ابن زیاد کو ملا تو میں اس وقت اس کے پاس موجود تھا۔ اس نے خط پڑھنے کے بعد متکبرانہ و کافرانہ انداز میں یہ شعر پڑھا:

الآن اذا علقت مخالبتنا به یرجوا النجاة ولات حین مناص

”اب جبکہ ان میں ہمارے چنگل گڑ گئے ہیں۔ گلو خلاصی کی امید کرتے ہیں۔ اب چھٹکارے کا کوئی وقت نہیں ہے۔“

اس کے بعد عمر بن سعد کو اس مضمون کا خط لکھا: ﴿اما بعد فقد بلغنی کتابک و فہمت ما ذکرتم فاعرض علی الحسنین ان یرایع لیزید ہو و جمیع اصحابہ فاذا ہو فعل ذلک راینا راینا والسلام﴾ ”مجھے تمہارا خط ملا اور حالات حاضرہ سے آگاہی ہوئی۔ (امام) حسین سے یہ کہو کہ وہ اپنے تمام اصحاب سمیت پہلے یزید کی بیعت کریں پھر ہم ان کے بارے میں اپنی رائے کا جائزہ لیں گے۔ والسلام۔ جب ابن سعد کو ابن زیاد کا یہ تشددانہ خط ملا تو اس نے کہا: ﴿قد خشیت ان لا یقبل ابن زیاد العافیۃ﴾ ”مجھے پہلے ہی یہ اندیشہ تھا کہ ابن زیاد صلح و آشتی کی گفتگو قبول نہیں کرے گا۔“

عمر بن سعد چونکہ جانتا تھا کہ امام عالی مقام اس ناروا مطالبہ کو بے گز قبول نہیں کریں گے۔ اس لیے اس نے اسے خدمت امام میں پیش کرنے کی ہسارت ہی نہیں کی۔ مصلحت سے ابن سعد ناامید ہو کر اب فرزندوں سے



لڑنے کی تیاری میں ہمد تن مشغول ہو گیا مگر اخبار و آثار سے جو کچھ واضح و آشکار ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کی مصالحانہ کوششیں اس کے بعد بھی چند دنوں تک جاری رہیں کیونکہ وہ محض طمع دنیا میں اس جرم شنیع کا ارتکاب کرنے پر آمادہ ہوا تھا۔ ورنہ دل سے نہیں چاہتا تھا کہ اس جرم کا مرتکب ہو۔ یہ سلسلہ اس وقت موقوف ہوا جب خولی بن یزید ملعون نے پسر سعد کی اس روش و رفتار کی شکایت ابن زیاد بد نہاد کو کر بھیجی۔ اور اس بد نہاد کا تہدید آمیز خط ابن سعد کے پاس آیا۔ اس کے بعد یہ بد بخت قتل حسینؑ پر بالکل تکل گیا۔ جس کا نتیجہ صبح عاشوراء تمام اہل عالم نے دیکھ لیا۔

ان امور کی تفصیل ناظرین کرام آنے والے بیانات میں ملاحظہ کریں۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہاں ایک ضروری امر کی وضاحت کر دینا مناسب معلوم ہوتی ہے۔

### امام عالی مقام کے جواب پر تبصرہ اور ایک مشہور غلط فہمی کا ازالہ

بعض کوتاہ اندیش لوگ امام عالی مقام کے اس جواب با صواب پر جو آپؑ نے عمر بن سعد کے قاصد کو دیا تھا اور اس سے قبل خر کے ساتھ پہلی ملاقات میں بھی اس بات کا اظہار کر چکے تھے۔ (کہ اگر تم اپنے عہد و بیان پر قائم نہیں تو مجھے واپس جانے کی اجازت دے دی جائے) مختلف چہ مے گوئیاں کرتے ہیں۔ ”امام حسینؑ کو اپنے انجام کا علم نہ تھا۔“ کسی خاص مشن کو لے کر نہیں اٹھے تھے۔“ ”اگر ابن زیاد کی طرف سے واپسی کی اجازت مل جاتی تو پھر امام کیا کرتے؟ ان کا طریق کار کیا ہوتا؟“ اگر دین کی بقاء آپؑ کی شہادت میں پوشیدہ تھی اور اسی مقصد کے پیش نظر ہی کر بلا کے لق و دق صحراء میں تشریف لائے تھے تو پھر واپس جانے کی تمنا کا اظہار چہ معنی دارد؟“ یہ اور اس قسم کے متعدد سوالات کئے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے بودے اور رکیک سوالات وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے ذہنوں کی کسی مطلب کی گہرائی تک رسائی نہیں ہو سکتی ﴿و کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ و لما یاتہم تاویلہ﴾ ورنہ فہم و ذکا اور ذہن رسا رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ اس قسم کے مقامات پر اس قسم کے نرم جوابات میں کیا حکمت و مصلحت مضمر ہوتی ہے؟ جناب امام حسینؑ کو باعلام ایزدی و باعلام نبوی و مرتضوی ضرور اپنے انجام کا علم تھا جس کا وہ بوقت روانگی بعض اشخاص سے اظہار بھی کر چکے تھے۔ (جیسا کہ ہم قبل ازیں مدینہ سے آپؑ کی روانگی کے حالات میں قلم بند کر چکے ہیں) وہ یقیناً ایک عظیم مقصد کے ماتحت یہاں تشریف لائے تھے اور وہ تھا دین اسلام کی بقاء کا انتظام اور انسانیت کے تحفظ کا اہتمام۔ وہ علم امامت اور حالات حاضرہ کے ماتحت یہ بھی جانتے تھے کہ ابن زیاد بد نہاد ان کی خواہش کو تسلیم نہیں کرے گا۔ امام تو امام خود پسر سعد کا بھی یہی خیال تھا کہ ابن زیاد صلح و آشتی کی گفتگو کو قبول نہیں کرے گا۔ (جیسا کہ ابھی ہم اوپر اس کا یہ عندیہ بیان کر چکے ہیں) اور ظاہر ہے کہ جب تک ابن زیاد منظوری نہ دیتا۔ خر یا ابن سعد کے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لہذا ان حقائق کے بعد اس سوال کا تو کوئی محل ہی باقی



نہیں رہ جاتا کہ اگر ابن زیاد آپ کی خواہش کو مان لیتا تو پھر آپ کا طریق کار کیا ہوتا؟“ اب صرف یہ بات جواب طلب رہ جاتی ہے کہ امام علیؑ کے یہ سب کچھ جاننے کے باوجود کہ ان کا یہ مطالبہ منظور نہیں ہوگا۔ پھر اس کا اظہار کیوں فرمایا؟ اس کا جواب بالکل واضح و عیاں ہے۔ رمزنا شناس معترضین کے منہ میں لگام دینا چاہتے تھے جو آج بڑی سادگی اور معصومیت کے انداز میں کہتے ہیں۔ ”امام نے اس کا اظہار کیوں فرمایا۔“ اگر امام ایسا نہ کرتے تو آج یہی لوگ یزید اور اس کے کارپردازان حکومت کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے یوں ان کی بے جا وکالت کرتے کہ یزید اور اس کے عمال کا کیا قصور ہے۔ وہ ہرگز امامؑ کو شہید نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن امامؑ نے زبردستی ان پر جنگ مسلط کر دی۔ اور ان کو صلح و آشتی کی گفتگو کرنے کا کوئی موقع ہی نہ دیا۔ اس لیے یزید کو مجبوراً دفاعی اقدام کرنا پڑا جس کے نتیجہ میں امامؑ کی شہادت واقع ہو گئی۔“ حکیم اسلام امام حسینؑ نے یہ گفتگو کر کے اس قسم کی قیل و قال کا ہمیشہ کیلئے دروازہ بند کر دیا۔ اور بنی امیہ کے ظلم و استبداد کا پردہ اس طرح چاک کر دیا کہ اب اسے قیامت تک رفو نہیں کیا جا سکتا۔ امامؑ نے یہ مصالحانہ گفتگو کر کے ثابت کر دیا کہ یہ ان پر جنگ کو مسلط نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ حکومت شریفوں کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کرے۔ مگر قیصر و کسریٰ کے پوتے، نشہ اقتدار میں اس طرح سرمست اور پھور پھور تھے کہ وہ جانتے ہی نہیں تھے کہ انسانیت و شرافت کیا چیز ہے؟ اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟ انہوں نے بندگان خدا کو اپنا غلام اور شریعت محمدیؐ کو گھر کی لونڈی سمجھ رکھا تھا۔ امت مسلمہ کے قویٰ شل ہو چکے تھے اور دماغ ماؤف! اس لیے ان حالات میں ضرورت تھی کہ کوئی جان فروش مردِ خُش شیر بکف اور کفن بدوش رزمگاہ میں قدم رکھے۔ جو حکومت کی غلط کاریوں کا پردہ چاک کر کے حق و حقیقت کو اس کے حقیقی خدو خال کے ساتھ اصلی لباس میں اہل اسلام کے سامنے پیش کرے۔ یہ سعادت کا تباہ قضا و قدر نے حضرت سید الشہداءؑ کے مقدر میں لکھ دی تھی۔ انہوں نے اس جمود و خمود کی مہر کو توڑا۔ اور یزید کی جائزہ بلکہ کافرانہ حکومت کو بے نقاب کر دیا اور اس کا پرچم سرنگوں کر کے عالم انسانیت کو ابدی ہلاکت سے بچا لیا۔ اور دین اسلام کو ایک زندہ جاوید حقیقت بنا دیا۔

حَقَّاکَ بَنَائِیَ لَا اِلٰهَ هَسْتَ حَسِیْنُ

سرداد و نداد دست در دست یزید

ذَلْکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مِنْ یَّشَاءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

**چوتھی محرم اور کر بلا میں فوجیں ہی فوجیں**

محرم کی چوتھی تاریخ<sup>۱</sup> کو عبید اللہ بن زیاد نے جامع کوفہ میں بنی امیہ کی تعریف اور قتال امامؑ پر تحریص پر مشتمل وہ خطبہ دیا جس کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے اور پھر مقامِ ثخلیہ میں قیام کر کے فوجیں بھیجنے اور دیگر تمام جنگی



امور کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ اور تیسری محرم کو عمر بن سعد کو چار ہزار فوج کے ساتھ بھیجنے کے بعد برابر فوج پر فوج بھیجتا رہا۔ فوجوں اور ان کے سربراہوں کی تفصیل مناقب بن شہر آشوب کے بیان کے مطابق یہ ہے: (۱) حر: ایک ہزار۔ (۲) عمر بن سعد: چار ہزار۔ (۳) کعب بن طلحہ: تین ہزار۔ (۴) شمر ذی الجوشن: چار ہزار۔ (۵) یزید بن رکاب کلبی: دو ہزار۔ (۶) حصین بن نمیر: چار ہزار۔ (۷) مضار بن رھیبہ مازنی: تین ہزار۔ (۸) نصر بن حرسہ: تین ہزار۔ (۹) شہب بن ربعی: ایک ہزار۔ (۱۰) حجار بن ابجر: ایک ہزار۔ یہ کل تعداد پچیس ہزار ہوتی ہے۔ لیکن محققین اہل سیر و تاریخ کا بیان یہ ہے اور حضرت امام زین العابدینؑ اور جناب حضرت امام جعفر صادقؑ سے بسند معتبر نقل شدہ روایت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ فوج اشقیاء کی تعداد تیس ہزار تھی۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ﴿ان ابن زیاد ما زال يرسل الي ابن سعد بالعساكر حتى تكامل عنده ثلاثون الفا ما بين فارس و راجل. ثم كتب اليه ابن زياد اني لم اجعل لك علة في كثرة الخيل و الرجال فانظر لا اصبح ولا امسي الا و خيرك عندى غدوة و عشية و كان ابن زياد يستحث ابن سعد لستة ايام مضين من المحرم﴾ ابن زیاد بدنہاد برابر لشکر پر لشکر ابن سعد کے پاس بھیجتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس پیادہ اور سوار لشکریوں کی تعداد کامل تیس ہزار تک پہنچ گئی۔ اس وقت ابن زیاد نے پسر سعد کو لکھا کہ میں نے کثرت اسپ و سپاہ کے معاملہ میں تیرے لیے کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا۔ دیکھو ہرج و مرج و شام میرے پاس تمہاری کارکردگی کی رپورٹ موجود ہونی چاہئے۔ ابن زیاد نے چھٹی ماہ محرم کے بعد ابن سعد کو قال حسین پر زیادہ برا بیغختہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

یہ اس قدر لاؤ لشکر، اس قدر خیل و سپاہ، کر بلا کے صحرائیں کیوں جمع کئے جا رہے تھے؟ محض فرزند رسولؐ، پروردہ کنار بتولؑ، جگر گوشہ امام حسینؑ، ناز پروردہ جبرئیل امینؑ، برادر امام حسن مجتبیٰؑ، حلیف انبی و سلیل الہدیٰ حضرت سید الشہداء روحی و ارواح العالمین لہ الفداء کی شمع حیات کو گل کرنے کے لیے جن کے تمام اعزہ و انصار کی تعداد بنابر مشہور کل بہتر (۷۲) نفوس تھی، جن میں سے ۳۲ سوار اور چالیس پیادے تھے۔

دشمنان چون ریگ صحرا لا تعد      دوستان او بہ یزداں ہم عدد

(اسرار و رموز)

اور بنا بر تحقیق ایک سو پچاس (۱۳۵) نفر تھی۔ آہ! کجا ۷۲ (یا ۱۳۵) نفوس زاکیہ۔ اور کہاں تیس ہزار انسان

نما خونخوار و رندوں کا لشکر جزار۔

۲۔ عاشر بحار، ص ۱۶۷، ۱۹۳۔ نفس المہوم، ص ۱۱۵۔

۱۔ کذابی مقتل حسین للمقرم، ص ۲۱۸۔

مقتل حسین، ص ۲۱۹۔ تاریخ، ج ۳، ص ۲۲۵ وغیرہ۔

۳۔ عاشر بحار، ص ۱۹۰۔



شُعْلًا يَطِيشُ دُخَانَهَا بَدْمَاغِي

لَمُصِيبَةِ اِرْدَتِ بَلْبٍ حَشَاشَتِي

اس طرح امت مسلمہ خاندان نبوت کے ساتھ یہ سلوک کر کے اجر رسالت ادا کر رہی تھی

اذلال من لم يزل بالعز مذكورا

تبت يدا ابن زياد كيف يطمع في

امام حسينؑ اور ابن سعد کی آخری مصالحانہ گفتگو اور ناکامی

قبل ازیں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ابن سعد بد بخت محض دنیائے دوس کے بے پناہ طمع و لالچ کا شکار ہو کر فرزند رسولؐ کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ ہوا تھا۔ ورنہ وہ چاہتا نہیں تھا کہ آپؐ کے خون مقدس سے اپنے ہاتھ رنگین کرے اور اس جرم سنگین کا مرتکب ہو۔ اس لیے اس کی خواہش تھی کہ کسی طرح رے کی حکومت بھی ہاتھ سے نہ جائے اور قتل و قتال حسینؑ سے بھی گلو خلاصی ہو جائے۔ چنانچہ اس نے اس سلسلہ میں پہلی کوشش تو یہ کی کہ آتے ہی قاصد بھیج کر امام سے یہاں تشریف لانے کا سبب دریافت کیا۔ اور امام عالی مقام کے اتمام حجت کے لیے مصلحانہ جواب پر اس نے ابن زیاد کو لکھا کہ اب خطرہ جنگ ٹل گیا مگر ابن زیاد نے اپنی مفسدہ پرواز، شورش پسند طبیعت اور فتنہ پرور ذہنیت کی بنا پر اس کوشش کو بار آور نہ ہونے دیا۔ اب نظر بظاہر حالات ابن سعد مصالحانہ روش و رفتار سے ناامید ہو چکا تھا مگر امام علیہ السلام نے اتمام حجت کے لیے خود دست تعاون دراز کیا۔ یعنی آنجناب نے ابن سعد کے پاس قاصد بھیجا کہ آج رات دونوں لشکروں کے درمیان مجھ سے ملو۔ ابن سعد نے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ لیکن سبط ابن جوزی (در تذکرہ خواص الامۃ) کے بیان کے مطابق خود عمر بن سعد نے یہ استدعا کی تھی جسے سرکار سید الشہداءؑ نے شرف قبولیت بخشا۔ صاحب ناخ التواریخ (ج ۶، ص ۲۲۷) نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ درحقیقت یہی بات قرین عقل معلوم ہوتی ہے کیونکہ ابن سعد جنگ سے پہلو تہی کے بہانے تلاش کر رہا تھا۔ جس پر اس کا وہ مکتوب بھی شاہد ہے جو اس نے ملاقات کے بعد ابن زیاد کو لکھا (جس کی تفصیل بعد میں آرہی ہے) اور یہ بھی ممکن ہے کہ امامؑ نے اسے اتنا مال لکھ، نصرت حق کی دعوت دینے کی خاطر بلایا ہو جیسا کہ مکالمہ سے ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔ بہر حال ابن سعد مقررہ وقت پر قریباً بیس سواروں کے ہمراہ مقررہ جگہ پر پہنچ گیا۔ ادھر امام علیہ السلام بھی اتنے ہی آدمیوں کے ساتھ تشریف لے گئے مگر قریب پہنچ کر امامؑ نے اپنے ہمراہیوں کو علیحدہ کر دیا۔ ابن سعد نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور بروایت شہزادہ علی اکبرؑ اور جناب ابو الفضل عباسؑ آپؑ کے ہمراہ رہے۔ اسی طرح عمر بن سعد کا بیٹا حفصؑ اور اس کا خاص غلام بھی اس کے ساتھ رہے (مقتل الحسینؑ، ص ۲۲۲) اس طرح تنہائی کے عالم میں امام علیہ السلام اور عمر بن سعد کے درمیان کافی دیر تک سلسلہ کلام جاری رہا۔

۱۔ صاحب ذیج عظیم، (ص ۲۸۶) نے یہ واقعہ نویں محرم کی رات کے حالات میں لکھا ہے لیکن حالات و قرائن اس کی تائید کی بجائے تردید کرتے ہیں اگرچہ علماء نے اس تاریخ کی تعیین نہیں کی مگر یہ یقیناً نویں محرم سے پہلے کا واقعہ ہے۔ واللہ العالم۔



## امام عالی مقام اور عمر بن سعد کے درمیان کیا گفتگو ہوئی؟

یہ گفتگو کس موضوع پر ہوئی؟ کیا کیا امور زیر بحث آئے؟ فریقین نے کن کن خیالات کا اظہار کیا؟ اس کے متعلق حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے! مؤرخ طبری نے (ج ۶، ص ۲۳۵) پر لکھا ہے: ﴿تحدث الناس فيما بينهما ظناً يظنونہ﴾ لوگوں نے ان کی اس باہمی گفتگو کے بارے میں محض قیاس آرائی سے کام لیا ہے کہ فلاں نے یہ کہا اور فلاں نے یہ۔۔۔۔۔ ہاں جو کچھ بعض اخبار و آثار سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ:

امام نے فرمایا: ﴿ويلك يا بن سعد اما تتقى الله الذي اليه معادك و تقاتلني و انا بن من علمت. ذر هؤلاء القوم و كن معي فانه اقرب لك الى الله﴾۔ افسوس ابن سعد! کیا تو اس خدا سے نہیں ڈرتا جس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے! تو مجھ سے جنگ کرتا ہے حالانکہ تو اچھی طرح جانتا ہے کہ میں کس کا فرزند ہوں؟ اس قوم کو چھوڑ اور میرا ساتھ دے کہ یہ بات خدا کی خوشنودی کے زیادہ نزدیک ہے۔

عمر بن سعد: ﴿اخاف ان يهدم داري﴾ مجھے اندیشہ ہے کہ میرا گھر ڈھا دیا جائے گا۔

امام علیہ السلام: ﴿انا ابنيها لك﴾ (اگر ان لوگوں نے تیرا گھر گرا دیا تو) میں تمہیں گھر بنا دوں گا۔

عمر بن سعد: ﴿اخاف ان تؤخذ ضيعتي﴾ مجھے خطرہ ہے کہ میری جائیداد ضبط کر لی جائے گی۔

امام علیہ السلام: ﴿انا اخلف عليك خيراً من مالي بالحجاز﴾ میں اپنے مال حجاز سے تیری موجودہ جائیداد سے بہتر جائیداد تجھے خرید کے دوں گا۔<sup>۱</sup>

عمر بن سعد: ﴿لي عيال و اخاف عليهم﴾ میرے اہل و عیال ہیں اور مجھے ان کی تباہی کا خوف ہے۔ یہ کہہ کر ابن سعد نے بالکل خاموشی اختیار کر لی۔ جس کے بعد امام نے یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

امام علیہ السلام: ﴿مالك ذبحك الله على فراشك عاجلاً ولا غفر لك يوم حشرک فوالله اني لارجو ان لا تاكل من بر العراق الا يسيراً﴾ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ خدا تجھے تیرے رخت خواب پر ذبح کرے۔

اور بروز حشر تجھے ہرگز معاف نہ کرے۔ بخدا میں امید کرتا ہوں کہ تو زیادہ دیر تک عراق کی گندم نہیں کھائے گا۔

عمر بن سعد: ﴿في الشعر كفاية عن البر قاله مستهزئاً﴾ تمسخر کے انداز میں کہا: اگر گندم نہ ملی تو بھوکھا کر گزر اوقات کر لوں گا۔<sup>۲</sup>

۱۔ کامل، ج ۳، ص ۲۸۳۔

۲۔ نفس المہموم حاشیہ، ص ۱۱۔ مقتل الحسین، ص ۲۲۳۔ تظلم الزہراء، ص ۱۰۳۔ مقتل الحسین خوارزمی، ج ۱، ص ۲۳۵۔ بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۱۹۰۔



## ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس گفتگو کے دوران میں امام نے یہ بھی فرمایا تھا: ﴿دعونی فلا ذهب فی هذه الارض العریضه حتی ننظر ما یصیر امر الناس﴾ مجھے واگزار کر دو تا کہ میں اس طویل و عریض زمین میں کہیں چلا جاؤں۔ یہاں تک کہ لوگوں کے حالات کا انجام واضح ہو جائے۔

چونکہ ابن سعد اس جنگ سے بچنے کے لیے بہانے تلاش کر رہا تھا۔ اس نے عام مؤرخین کے بیان کے مطابق امام علیؑ کے اتنے سے کلام کو ابن زیاد کے نام مرسلہ خط میں بہت بڑھا چڑھا کر لکھا۔ ﴿اما بعد فان الله قد اطفأ النائرة و جمع الكلمة و اصلح امر الامة و هذا حسین قد اعطانی ان یرجع الی المکان الذی منه اتی او ان نسیره الی ای ثغر من ثغور المسلمین شئنا فیکون رجلاً من المسلمین له مالهم و علیہ ما علیهم او ان یأتی یزید امیر المؤمنین فیضع یدہ فی یدہ فیری فیما بینہ و بینہ رایہ و فی هذا لکم رضا و لامة صلاح﴾۔ ”خدا نے فتنہ و فساد کی آگ بجھا دی ہے اور اتحاد اسلامی کی صورت پیدا کر دی ہے۔ اور امت مسلمہ کے معاملہ کی اصلاح کر دی ہے یہ حسینؑ موجود ہیں جو مجھے یقین دلاتے ہیں کہ جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس چلے جاتے ہیں۔ یا کسی اسلامی سرحد کی طرف نکل جاتے ہیں تا کہ وہاں ایک مسلمان کی سی زندگی بسر کر سکیں۔ یا یزید کے پاس جا کر دوبارہ صلح کی گفتگو کریں۔ بظاہر اس امر میں آپ کی رضا اور امت کی صلاح و فلاح ہے یعنی اب جنگ کی ضرورت نہیں ہے۔“

یہ بیان جو ابن سعد نے امام کی طرف منسوب کیا ہے۔ روایت و درایت کے مخالف ہے۔ درایت کے خلاف اس طرح ہے کہ جو شخص بھی حضرت امام حسینؑ کی بلند و بالا شخصیت کی تھوڑی سی معرفت رکھتا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ امام عالی مقام ایسا سٹی اور گرا ہوا کلام ہرگز نہیں کر سکتے تھے۔ یہی امام حسینؑ تھے جنہوں نے روانگی کے وقت اپنے بھائی عمرو اطرف سے کہا تھا: ﴿والله لا اعطى الدنیه من نفسی﴾ جو ہو سو ہو بخدا میں ہرگز ذلت برداشت نہیں کر سکتا۔ اور یہی بزرگوار تھا۔ جس نے اپنے دوسرے بھائی محمد بن الحنفیہ سے فرمایا تھا: ﴿لو لم یکن ملجاء لصا بایعت یزید﴾۔ اگر میرے لیے کوئی بھی جائے پناہ نہ ہوئی۔ تب بھی یزید کی بیعت نہیں کروں گا۔ اور یہی وہ غیور امام تھا جس نے روز عاشورا فرمایا تھا: ﴿الا ان الدعی ابن الدعی قد رکز بین الشئین بین السلّة و الدلّة و هیہات منا الدلّة یا بئی الله تعالی ذلک و رسولہ و المؤمنون و حجور طابت و طہرت و انوف حمیة و نفوس ابیة من ان نوثر طاعة اللیثام علی مصارع الکرام﴾ حرام زادہ پر حرام زادہ نے مجھے دو



باتوں میں سے ایک کے اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ موت یا ذلت۔ ہم ذلت قبول کریں یہ نہیں ہو سکتا۔ خدا، اس کا رسول، اہل ایمان، پاک و پاکیزہ گودین، باغیرت چہرے اور نفوس عالیہ اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ ہم شریفوں کی شریفانہ موت پر کمینوں کی اطاعت کو ترجیح دیں۔

کیا ان حالات کے پیش نظر کوئی شخص یہ وہم و گمان بھی کر سکتا ہے۔ کہ ایسے غیور امام عالی مقام نے ایسے ذلت آمیز طریقہ سے بیعت یزید کرنے کی خواہش کا اظہار فرمایا ہو؟ حاشا و کلا کوئی باخبر شخص یہ گمان فاسد بھی نہیں کر سکتا کہ شاید آنجناب نے موت کو سامنے منہ کھولے دیکھ کر یہ خود سپردگی کا انداز اختیار کیا ہو (معاذ اللہ) آنجناب کے ذاتی اوصاف اور خاندانی روایات کے پیش نظر آپ کے متعلق یہ تصور کرنا بھی ممکن نہیں۔ یہ جناب اس یکتا زمین شجاعت کے سپوت تھے۔ جو ہمیشہ یہ فرما کر ﴿وَاللّٰهُ لَا يَبْسُ ابْنِ ابْنِ طَالِبٍ لَا نَسْ بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِشَدَى اَمٍّ﴾ بخدا ابوطالب کا بیٹا اس سے زیادہ موت کے ساتھ مانوس ہے۔ جس قدر بچہ ماں کی چھاتی سے مانوس ہوتا ہے۔ (نہج البلاغہ) عروس موت سے ہمکنار ہونے کے لیے بیتاب نظر آتا تھا۔ اور جس روز آغوش موت میں جا رہا تھا۔ اس روز بسم اللہ و باللہ و علی ملۃ رسول اللہ کہنے کے بعد جو پہلا جملہ اس کی زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا: ﴿فَزَتْ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ﴾ رب کعبہ کی قسم میں آج اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ امام حسین علیہ السلام جس خانوادہ عصمت و طہارت کے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔ اس کے بزرگ تو بجائے خود خورد سال اطفال کا یہ حال تھا کہ جب ان سے پوچھا جاتا ﴿یَا بَنی کَیْفَ الْمَوْتِ عِنْدَکَ؟﴾ بیٹا تمہارے نزدیک موت کیسی ہے؟ تو بلا جھجک جواب دیتے ﴿یَا عَمَّ اَحْلٰی مِنَ الْعَسَلِ!﴾ عم بزرگوار! حق کی تائید اور آپ کی نصرت میں موت شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے!

باقی رہا اس بات کا خلاف روایت ہونا۔ وہ اس طرح ہے کہ اس مزعومہ روایت کے خلاف ایک معتبر روایت موجود ہے۔ جس میں پر زور و پر شکوہ الفاظ میں اس واقعہ کی نشی کی گئی ہے۔ اور وہ ہے واقعہ ہائلہ کربلا کے عینی شاہد عقبہ بن سمان کا بیان حقیقت ترجمان۔ عقبہ بیان کرتے ہیں: ﴿صَحِبْتُ حُسَيْنًا فَخَرَجَتْ مَعَهُ مِنَ الْمَدِينَةِ اِلَى مَكَّةَ وَ مِنْ مَكَّةَ اِلَى الْعِرَاقِ وَ لَمْ اَفَارِقْهُ حَتّٰی قُتِلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ لَیْسَ مِنْ مَخَاطِبَتِهِ النَّاسُ کَلِمَةً بِالْمَدَیْنَةِ وَ لَا بِمَكَّةَ وَ لَا فِی الطَّرِیْقِ وَ لَا بِالْعِرَاقِ وَ لَا فِی عَسْکَرِ اِلٰی یَوْمِ مَقْتَلِهِ اِلَّا وَ قَدْ سَمِعْتُهَا اِلَّا وَ اللّٰهُ مَا اَعْطَاهُمْ مَا یَتَذَكَّرُ النَّاسُ وَ مَا یَزْعَمُونَ مِنْ اَنْ یَضَعُ یَدَهُ فِی یَدِ یَزِیدَ بْنِ مَعَاوِیَہِ وَ لَا اَنْ یَسِیْرُوْهُ اِلٰی ثَغْرِ مِنْ ثَغُورِ الْمُسْلِمِیْنَ وَ لَکِنِّہُ قَالَ دَعَوْنِیْ فَاُذْہِبْ فِیْ هَذِهِ الْاَرْضِ الْعَرِیْضَةِ حَتّٰی نَنْظُرَ مَا



بصیر امر الناس<sup>۱</sup> میں مدینہ سے لے کر مکہ اور مکہ سے لے کر عراق تک برابر امام حسینؑ کے ہمراہ رہا۔ اور ان کی شہادت تک میں ان سے علیحدہ نہیں ہوا۔ امام نے مدینہ سے مکہ اور درمیانی راستہ عراق اور لشکر میں جام شہادت نوش کرنے تک کوئی ایسا کلام نہیں کیا جو میں نے نہ سنا ہو۔ یہ جو کچھ لوگ گمان کرتے ہیں کہ آنجنابؑ نے یہ کہا تھا کہ وہ یزید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ (یعنی صلح کرتے ہیں) یا مسلمانوں کی کسی سرحد کی طرف نکل جاتے ہیں۔ بخدا امام علیؑ نے ہرگز ان میں سے کوئی بات بھی نہیں کہی تھی۔ البتہ یہ ضرور فرمایا تھا کہ میں اس وسیع و عریض زمین میں چلا جاتا ہوں۔ یہاں تک کہ دیکھیں لوگوں کے معاملہ کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ان حقائق کی موجودگی میں کیونکر باور کیا جاسکتا ہے؟ کہ عمر بن سعد کا بیان حقیقت پر مبنی ہے۔ ماننا پڑتا ہے کہ وہ سراسر افتراء و بہتان ہے جو بنا بر ثبوت اس نے محض اس لیے تراشا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح علاقہ رے کی حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے اور قتل امام سے بھی بچ جائے یعنی رند کارند بھی رہے اور جنت بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ ع و هذا محال فی القیاس بدیع۔

### عمر بن سعد کی ناکامی کے اسباب

اور شاید پسر سعد اس مقصد میں کامیاب بھی ہو جاتا۔ اس کی کامیابی کے بظاہر کچھ آثار بھی نمایاں تھے کیونکہ ارباب تاریخ نے لکھا ہے کہ جب اس کا مذکورہ بالا مکتوب ابن زیاد کو ملا تو اس نے یہ کہہ کر ﴿ہذا کتاب ناصح لامیرہ مشفق علی قومہ﴾ یہ اس شخص کا خط ہے جو اپنے حاکم کا خیر خواہ اور قوم کا ہمدرد ہے۔ اس رائے سے اتفاق کرنے پر اپنا میلان ظاہر کیا مگر خولی بن یزید اصبحی اور شمر بن ذی الجوشن آڑے آئے۔ انہوں نے ابن سعد کے سب کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ خولی جو کربلا میں کئی ہزار کا لشکر لے کر پہنچ چکا تھا۔ اس نے عمر بن سعد کی شکایت میں ابن زیاد کو اس مضمون کا ایک خط لکھا:

﴿ایہا الامیر! ان عمر بن سعد ینخرج کل لیلۃ و یسط بساطاً و یدعر الحسین و یحدثان حتی یمضی من اللیل شطرہ و قد ادرکتہ علی الحسین الرحمة و الرأفة فأمرہ ان ینزل عن حکمک و یصیر الحکم لی و انا اکفیک امرہ﴾ اے امیر! عمر بن سعد ہر شب اپنے لشکر سے نکلتا ہے اور حسین کے ساتھ رافت و ہمدردی کرنا چاہتا ہے اس لیے اسے حکم دیں تاکہ وہ اس خدمت سے سبکدوش ہو جائے اور اس معاملہ کی باگ ڈور میرے ہاتھ میں دے دے۔ میں اس خدمت کو انجام دوں گا۔ ارباب دانش سمجھ سکتے ہیں کہ خولی کے اس مکتوب نے ابن زیاد بدنہاد جیسے مغلوب الغضب خود سرگورن پر کیا اثر کیا ہوگا؟ بموجب دیوانہ راہوئے بس

۱۔ نفس المہوم، ص ۱۱۸۔ تاریخ طبری، ج ۶، ص ۲۳۵۔ تاریخ کامل، ج ۳، ص ۲۸۳۔

۲۔ نفس المہوم، ص ۱۱۸۔ کامل، ج ۳، ص ۲۸۳۔



است اس کے کسی عاجلانہ و احمقانہ اور کافرانہ حکم کے صادر کرنے کے لیے تو یہی مکتوب کافی تھا مگر ملعون شمر بن ذی الجوشن (جو اس وقت دربار میں حاضر تھا) کی تقریر سراپا تغیر نے جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام کیا۔ اس نے جو کچھ کہا۔ اس کا لب لباب وہی تھا جو مروان بن حکم نے مدینہ میں ولید کو امامؑ کے بارے میں مشورہ دیا تھا یعنی شمر نے کہا: ﴿اتقبل هذا منه وقد نزل بارضك و الى جنبك و الله لئن رحل من بلادك ولم يضع يده في يدك ليكونن اولى بالقوة و لتكونن اولى بالضعف و العجز فلا تعطه هذه المنزلة و لكن لينزل على حكمك هو و اصحابه الخ...﴾۔ ”بھلا تم حسینؑ کی اس پیشکش کو قبول کرتے ہو۔ حالانکہ وہ اس وقت تمہاری زمین اور تمہاری گرفت میں ہیں۔ اگر وہ یہاں سے کسی اور جگہ چلے گئے۔ اور تمہارے ہاتھ پر ہاتھ نہ رکھا۔ تو پھر یاد رکھو۔ بخدا وہ طاقت ور اور تم کمزور ہو جاؤ گے۔ (اور پھر ان پر قابو نہیں پاسکو گے) اس لیے ان کی یہ بات ہرگز منظور نہ کرو۔ بلکہ ان کو اپنے اصحاب سمیت آپ کے حکم کے سامنے جھک جانا چاہئے۔“ ابن زیاد نے رائے فاسد و کاسد کو پسند کیا۔ اور فوراً عمر بن سعد کے نام مندرجہ ذیل خط لکھا۔ اور شمر بن ذی الجوشن کے حوالہ کرتے ہوئے اسے فہمائش کر دی کہ اگر ”پسر سعد میرے خط کے مضمون کے مطابق عمل درآ مد کر لے۔ تب تو تو اس کی اطاعت کرنا۔ اور اگر وہ حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے میں پس و پیش کرے تو پھر تو امیر لشکر ہے اور پسر سعد کا سر قلم کر کے میرے پاس بھیج دینا۔“

اس خط کا مضمون یہ تھا: ﴿الى عمر بن سعد انى لم ابعثك الى الحسين لتكف عنه ولا لتطاوله ولا لتمنيه السلامة و البقاء ولا لتعذر له عندى ولا لتكون له عندى شافعاً انظر فان نزل الحسين و اصحابه على حكمى و استسلموا فابعث بهم الى سلماً و ان ابوا فازحف اليهم حتى تقتلهم و تمثل بهم فانهم لذلك مستحقون و ان قتل الحسين فاطوى الخيل صدره و ظهره فانه عاق ظلوم و لست ارى ان هذا الا يضرب بعد الموت شيئاً و لكن على قول قد قتلته لو قد قتلته لفعلت هذا به فان انت مضيت لامرنا فيه جزيناك جزاء السامع المطيع و ان ابيت فاعتزل عملنا و جندنا و خل بين شمر بن ذى الجوشن و بين العسكر فانا قد امرنا به بامرنا﴾۔

اور بعض روایات کے مطابق خولی کے شکایت نامہ موصول ہونے کے بعد ابن زیاد نے عمر بن سعد کو اس مضمون کا خط لکھا: ﴿اما بعد يا بن سعد قد بلغنى انك تخرج فى كل ليلة و تبسط بساطاً تدعو الحسين و تتحدث معه حتى يمضى من الليل شطره فاذا قرأت كتابى هذا فامر به ان ينزل على حكمى فان اطاع و الا امنعه من الماء فاتى حلقته على اليهود و النصارى و حرّمته عليه و على



اہلبیتہ فحل بین الحسین و اصحابہ و بین الماء فلا یذوقوا منه قطرة کما صنع بالتقی النقی عثمان  
امیر المؤمنین المظلوم ﴿﴾

ہردو (۲) خطوط کا ماحصل یہ ہے کہ اے پسر سعد! میں نے تمہیں حسینؑ کے ساتھ صلح کرنے کے لیے نہیں  
بھیجا اور نہ اس لیے بھیجا ہے کہ تم ان کی سفارشیں کرو۔ اور نہ اس لیے کہ فرشوں پر بیٹھ کر ان کے ساتھ گفتگو کرو۔ جیسا کہ  
ان امور کی مجھے اطلاع ملی ہے۔ دیکھو اگر حسینؑ اور ان کے اصحاب میرے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں تو ان کو  
سلامتی کے ساتھ میرے پاس بھیج دو۔ اور اگر انکار کریں تو ان سے جنگ کرو۔ اور پانی بند کر دو۔ کیونکہ میں نے یہود و  
نصاریٰ پر تو اسے حلال کر دیا ہے مگر حسینؑ اور ان کے اہل بیت پر حرام ہے۔ خیال رکھنا کہ ان تک پانی کا ایک قطرہ بھی  
نہ پہنچنے پائے۔ اور جب قتل ہو جائیں تو حسینؑ کی لاش (مقدس) کو زیر سم اسپاں پامال کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم  
تمہیں مطیع و فرمانبردار والی جزاء دیں گے اور اگر ایسا کرنے کا خیال نہ ہو تو لشکر کی سرداری شمر کے حوالہ کر دو اور خود  
علیحدہ ہو جاؤ۔ ہم نے شمر کو اپنا خاص حکم دے دیا ہے۔“

راویان اخبار کا بیان ہے کہ شمر ذی الجوشن جب یہ مکتوب مشنوم لے کر ابن سعد کے پاس پہنچا۔ اور وہ مضمون  
خط پر مطلع ہوا تو بھانپ گیا کہ اس کے منصوبہ کو اسی شمر نے خاک میں ملایا ہے چنانچہ اس نے قہر آلودہ نگاہوں سے شمر  
کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ﴿و یلک لا قرب اللہ دارک و قبح اللہ ما قدمت بہ علی و اللہ انی  
لا ظنک انک نہیۃ ان یقبل ما کتبت بہ الیہ الخ﴾ وائے ہو تم پر خدا تمہیں دور رکھے اور جو کچھ تم لائے ہو  
اسے قبیح کرے۔ میرا خیال ہے تمہی نے ابن زیاد کو میرا مشورہ قبول کرنے سے روکا ہے۔ ﴿لا یتسلم و اللہ  
حسینؑ ان نفس ابیہ لبین جنبیہ﴾ خدا کی قسم حسینؑ ہرگز سر تسلیم خم نہیں کریں گے ان کے پہلوؤں میں ان کے غیور  
باپ کا نفس موجود ہے۔ (ابن سعد کے اس کلام سے خود اس کے مکتوب کے مندرجات کی نفی اور ہمارے بیان کی تائید  
پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ و الفضل ما شہدت بہ الاعداء)۔

شمر نے کہا: ان باتوں کو چھوڑیے۔ مجھے یہ بتائیے کہ آپ حاکم کے حکم کی تعمیل کریں گے؟ بصورت دیگر  
زام قیادت میرے ہاتھ میں دیجئے۔

ظاہر ہے کہ اس سے ابن سعد کی شیطانی ”انا“ کو ضرور ٹھیس لگتی تھی جسے برداشت کرنا ایسے متکبر مزاج سے  
بعید تھا چنانچہ یہ شقی ازلی قتل حسینؑ پر بالکل تیار ہو گیا۔ اور کہا: ﴿لا ولا کرامة لک و لکن اتولی ذلک فکن



انت علی الرجالہ تمہیں قیادت نہیں مل سکتی۔ میں خود اس کام کو انجام دوں گا۔ البتہ میں پیادہ فوج کی سرداری تمہارے سپرد کرتا ہوں۔

از آب ہم مضائقہ کردند کوفیاں  
خوش داشتند حرمت مہمان کر بلا

### ساتویں ماہ محرم اور خاندان نبوت پر بندش آب

وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ آخر ساتویں محرم کو اس بات کی تکمیل کی گھڑی بھی آ گئی۔ جس کی عملی ابتداء دو محرم کو ہو چکی تھی۔ جب کہ ابن زیاد نے خر کو لکھا تھا: ﴿فجمع جمع بالحسین حین يبلغک کتابی و يقدم علیک رسولی فلا تنزلہ الا بالعراء فی غیر حصن و علی غیر ماء..... الخ﴾ حسین کے ساتھ تشددانہ سلوک کرو۔ اور ان کو بے آب و گیاہ زمین میں اترنے پر مجبور کرو۔ چنانچہ خر نے اس حکم کی تعمیل کر کے امام عالی مقام کو ایسے ہی بے آب و گیاہ مقام پر رحل اقامت ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس لیے امام عالی مقام کو پانی حاصل کرنے میں وقت کا سامنا تو پہلے ہی کرنا پڑتا تھا مگر ساتویں محرم کو ابن زیاد کے اس دوسرے تاکید کی حکم نے جس میں یہ تصریح موجود تھی کہ ”حسین اور ان کے ہمراہیوں پر پانی بند کر دو۔ کیونکہ میں اسے یہود و نصاریٰ پر تو حلال کرتا ہوں مگر حسین اور ان کے اہل بیت پر حرام قرار دیتا ہوں۔ خیال رکھنا ان تک پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پہنچنے پائے۔“ یہ سلسلہ بھی ختم کر دیا۔ چنانچہ عمر بن سعد نے اس کا فرمانہ حکم امتناعی کی فوری تعمیل کرتے ہوئے عمرو بن حجاج زبیدی کو پانچ سو سواروں کے ساتھ نہر فرات پر بطور پہرہ دار متعین کر دیا اور ان کو تاکید کر دی کہ حسینیؑ خیام تک پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پہنچنے پائے۔ یہ شہادت حسین سے تین روز پیشتر کا واقعہ ہے۔ لق و دق صحراء میں بندش آب کے بعد حضرت امام حسین اور ان کے اعزہ و انصار اور بالخصوص اطفال خور و سال پر کیا قیامت گزری ہوگی۔ اس کا اندازہ لگانا کوئی مشکل بات نہیں۔ ہر طرف سے بوجہ شدت پیاس العطش العطش کی جگر گداز آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اور ساقی کوثر کا خاندان آج قطرہ آب کے لیے ترس رہا تھا۔ اسی پر اکتفا نہیں کی گئی۔ بلکہ دشمنان دین کی شامت آمیز طعن و تشنیع اور بھی قیامت ڈھارہی تھی۔ اور اس سے سرکار سید الشہداء کو جو روحانی اذیت ہوتی تھی وہ بندش آب سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھی۔

۱۔ نفس المہوم، طبری، ج ۶، ص ۲۲۶۔ مقتل الحسین، ص ۲۲۸۔ (نوٹ) بعض نسخوں میں یہ لفظ یوں وارد ہے ﴿ان نفساً ایمة﴾ بنابرین اس جملہ کے معنی یہ ہوں گے ان کے دو پہلوؤں میں خود دار نفس موجود ہے۔ (منہ غشی عنہ)

۲۔ طبری، ج ۶، ص ۲۳۲۔

۳۔ طبری، ج ۶، ص ۲۳۳۔ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۸۳۔ مقتل خوارزمی، ج ۱، ص ۲۳۴۔ ارشاد مفید، ص ۲۳۸ وغیرہ۔



## بعض بے ادبوں کی گستاخیاں

اس قسم کے متعدد واقعات تاریخ میں ملتے ہیں کہ متعدد گستاخوں نے اس نازک مرحلہ پر گستاخانہ کلام باطل نظام کر کے آنجناب کے زخموں پر نمک پاشی کی۔ (لعنة الله عليهم اجمعين) چنانچہ عمرو بن الحجاج زبیدی نے بآواز بلند کہا: ﴿يَا حسين هذا الماء تلغ فيه الكلاب و تشرب منه خنازير اهل السواد و الحمر و الذناب و ما تذوق منه و الله قطرة حتى تذوق الحميم في نار الجحيم﴾ اے حسین! یہ نہر فرات کا پانی ہے جسے کتے اور بیابان کے سؤر اور بھیڑیے بھی پی رہے ہیں لیکن تم اس کا ایک قطرہ بھی نہیں پی سکتے۔ یہاں تک کہ آتش جہنم میں کھولتا ہوا پانی پیو (خاک بدہن قائل)۔ راویان اخبار کا بیان ہے کہ ﴿فكان سماع هذا الكلام على الحسين اشد من منعهم اياه الماء﴾ جناب پر یہ کافرانہ کلام بندش آب کے صدمہ سے بھی زیادہ گراں تھا۔<sup>۱</sup>

اسی طرح ایک اور گستاخ کا بھی طعن آمیز کلام تاریخ میں ملتا ہے۔ وہ عبد اللہ بن حصین از دی تھا۔ اس نے پکار کر کہا: ﴿يَا حسين! الا تنظر الى الماء كانه كبد السماء والله لا تذوقون منه قطرة واحدة حتى تموتوا عطشا﴾ اے حسین! اس پانی کو دیکھ رہے ہو جو اپنی نیلگوونی کی وجہ سے جگر پارہ آسمان معلوم ہوتا ہے۔ بخدا تم اس کا ایک قطرہ بھی نہیں پی سکتے۔ یہاں تک کہ شدت پیاس سے ہلک کر دم توڑ دو۔ امام عالی مقام کو اس بیہودہ کلام کے سننے سے اس قدر اذیت ہوئی کہ بارگاہ قدرت میں دست بدعا ہو کر کہا: ﴿اللهم اقتله عطشا ولا تغفر له ابدا﴾ پروردگار! اس ملعون کو پیاس سے قتل کر اور اس کو کبھی نہ بخش۔ امام کی بدعا کا جواثر ہوا۔ وہ حمید بن مسلم کی زبانی سنئے۔ وہ بیان کرتا ہے: ﴿والله لعدته بعد ذلك في مرضه فوالله الذي لا اله غيره لقد رأيت يشرّب الماء حتى يبغر ثم يقش و يصيح العطش العطش فما زال ذالك دأبه حتى مات﴾ میں اس شخص کی بیمار پرسی کرنے گیا۔ اس خدا کی قسم جس کے بغیر کوئی معبود برحق نہیں کہ میں نے دیکھا کہ وہ پیاس کی شدت سے اس قدر پانی پیتا تھا کہ پانی حلق تک پہنچ جاتا تھا پھر قے کر دیتا۔ اور بدستور العطش العطش پکارنے لگتا۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں واصل جہنم ہو گیا۔<sup>۲</sup>

## حصول آب کی کوششیں

کتب سیر و تواریخ کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی حاصل کرنے کی کئی کوششیں کی گئیں مگر کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

۱۔ دقائع ایام محرم ص ۲۷۰ بحوالہ التبر المذاب سید شافعی، تذکرہ خواص الامۃ۔

۲۔ دقائع ایام محرم ص ۲۷۰۔ عاشر بحار الانوار ص ۱۹۱۔



پہلی کوشش:- جب پیاس نے بہت شدت اختیار کی تو امام کے اصحاب میں سے یزید بن حصین ہمدانی (یا

بریر بن خہیر ہمدانی) نے خدمت امام میں عرض کیا: فرزند رسول! اگر اجازت ہو تو میں ابن سعد سے اس معاملہ میں کچھ گفتگو کروں۔ شاید وہ اپنی شقاوت سے باز آجائے۔ امام نے اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ وہ ابن سعد کے پاس گیا مگر اسے سلام نہ کیا۔ پھر سعد نے کہا: اے ہمدانی! تو نے مجھے سلام کیوں نہیں کیا؟ ﴿الست مسلماً اعرف الله ورسوله﴾ کیا میں مسلمان نہیں ہوں؟ کیا میں خدا و رسول کو نہیں پہچانتا؟ ہمدانی نے کہا: ﴿لو كنت مسلماً كما نقول لما خرجت الى عترة رسول الله تريد قتلهم﴾ اگر تو مسلمان ہوتا اور خدا و رسول کو پہچانتا تو عترت رسول کے قتل کے ارادہ سے یہاں نہ آتا۔ اس کے بعد اپنے حاضر ہونے کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا: پھر سعد! تمہیں شرم نہیں آتی۔ ﴿فهذا ماء الفرات يشرب كلاب السواد و خنازيرها و هذا الحسين بن علي عليه السلام و اخوته و نساءه و اهليته يموتون عطشاً قد حلت بينهم و بين ماء الفرات ان يشربوه و تزعم انك تعرف الله و رسوله﴾ یہ دریاے فرات کا پانی ہے جسے صحرائی سگ و خوک پی رہے ہیں لیکن یہ حسین اور ان کے اہل و عیال اس کے کنارے شدت پیاس سے دم توڑ رہے ہیں۔ اور پھر بھی تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ تو مسلمان ہے اور خدا و رسول کو پہچانتا ہے؟ ہمدانی کا یہ کلام حقیقت ترجمان سن کر کچھ دیر کے لیے ابن سعد نے سر جھکا لیا۔ اس کے بعد بولا: ﴿والله يا اخا همدان اني اعلم حرمة اذا هم لكن دعاني عبداً لله من دون قومه الخ﴾ اے ہمدانی! خدا کی قسم میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس خاندان کو اذیت پہنچانا حرام ہے مگر کیا کروں۔ مجھے ابن زیاد نے اس مہم کے لیے بلایا (پھر اپنے وہ کافرانہ اشعار پڑھے جس کا تذکرہ قبل ازیں لے کیا جا چکا ہے) ناخ میں اس شقی کا جواب بایں الفاظ مروی ہے: ﴿يا اخا همدان ما اجد نفسي تجيبني الى ترك الرام﴾ اے ہمدانی میرا نفس مجھے علاقہ رکھنے کے ترک کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ چنانچہ جناب بریرؑ بے نیل مرام واپس آئے۔ دوسری کوشش:- خود جناب سید الشہداء نے قوم اشقیاء سے پر زور مطالبہ کیا۔ چنانچہ سید اجل سید ابن طاووس لکھتے ہیں: ﴿فضيقوا على الحسين حتى نال منه العطش و من اصحابه فقام و اتكا على قائم سيفه و نادى باعلى صوته فقال انشدكم الله هل تعرفونني؟ قالوا نعم انت ابن رسول الله و سبطه. قال هل تعلمون جدی قالوا اللهم نعم. قال انشدكم الله. هل تعلمون ان امی فاطمة الزهراء بنت محمد المصطفیٰ؟ قالوا اللهم نعم. قال انشدكم الله هل تعلمون ان جدتی خديجة بنت خويلد

۱۔ تقام ذخار، ص ۳۲۶۔ نفس المہموم، ص ۱۱۶۔ ذخ عظیم، ص ۲۸۵۔ بحوالہ مطالب السؤل وغیرہ۔

۲۔ ناخ التوارخ، ج ۶، ص ۲۲۸۔



اَوَّلُ نَسَاءِ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِسْلَامًا؟ قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ. قَالَ: انْشُدْكُمْ اللَّهُ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ حَمْزَةَ سَيِّدِ الشَّهَدَاءِ  
 عَمَّ أَبِي؟ قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ. قَالَ: انْشُدْكُمْ اللَّهُ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ جَعْفَرَ الطَّيَّارَ فِي الْجَنَّةِ عَمِّي. قَالُوا: اللَّهُمَّ  
 نَعَمْ. قَالَ: انْشُدْكُمْ اللَّهُ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ هَذَا سَيْفُ رَسُولِ اللَّهِ أَنَا مُتَقَلِّدُهُ؟ قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ. قَالَ:  
 انْشُدْكُمْ اللَّهُ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ هَذِهِ عِمَامَةُ رَسُولِ اللَّهِ أَنَا لَا بَسْهَا؟ قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ. قَالَ: انْشُدْكُمْ هَلْ  
 تَعْلَمُونَ أَنَّ عَلِيًّا كَانَ أَوَّلَ الْقَوْمِ إِسْلَامًا وَاعْلَمَهُمْ عِلْمًا وَاعْظَمَ حُكْمًا وَانَّهُ وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَ مُؤْمِنَةٍ؟  
 قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ. قَالَ: فَبِمِ تَسْتَحِلُّونَ دَمِي وَ أَبِي صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ الزَّانِبُ عَنِ الْحَوْضِ يَزُودُ عَنْهُ  
 رَجَالًا كَمَا يَزَادُ الْبَعِيرُ الصَّادِرُ عَنِ الْمَاءِ وَلَوْاءُ الْحَمْدِ فِي يَدِ أَبِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴿﴾ جَبَّ امَامٌ اور اصحاب امام  
 شدت پیاس سے ٹڈھال ہو گئے تو امام علیہ السلام تلوار کی ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور قوم اشقیاء کو یوں خطاب فرمایا: میں  
 تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ مجھے سچ بتاؤ کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ سب نے جواب میں کہا: ہاں پہچانتے  
 ہیں۔ آپؑ فرزند رسولؐ اور ان کے نواسے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا: میں تمہیں خدا یا د دلا کر دریافت کرتا ہوں کیا تم جانتے  
 ہو کہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ میرے والد ہیں۔ انہوں نے کہا: ہاں ہم جانتے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا: میں تم کو خدا کی  
 قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ حضرت فاطمہؑ الزہراءؑ میری والدہ ہیں۔ انہوں نے کہا: ہاں ہم جانتے ہیں۔  
 امامؑ نے فرمایا: میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ جناب خدیجہؑ الکبریٰ میری جدہ ماجدہ ہیں۔ جو  
 امت مسلمہ کی پہلی اسلام لانے والی خاتون ہیں؟ سب نے کہا: ہاں درست ہے! امامؑ نے فرمایا: میں تم کو خدا کی قسم دیتا  
 ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ جناب حمزہؑ سید الشہداءؑ میرے باپ کے چچا ہیں؟ جواب میں ان لوگوں نے کہا: ہاں! امامؑ  
 نے فرمایا: میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ جعفرؑ الطیار فی الجنۃ میرے چچا ہیں؟ سب نے کہا: ہاں! امامؑ  
 نے فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ یہ جناب رسولؐ خدا و الی تلوار اس وقت میں  
 حائل کئے ہوئے ہوں؟ سب نے کہا: ہاں ہم جانتے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا: میں تم کو خدا یا د دلا کر پوچھتا ہوں کیا تم  
 جانتے ہو کہ اس وقت میں جو عمامہ باندھے ہوئے ہوں یہ جناب رسولؐ خدا کا عمامہ ہے؟ سب نے کہا: ہاں۔ امامؑ نے  
 فرمایا: میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں مجھے سچ بتاؤ کیا تم جانتے ہو کہ میرے والد ماجد وہ ہیں جنہوں نے سب  
 سے پہلے اظہار اسلام کیا۔ جو تمام لوگوں سے بڑے عالم اور از روئے حلم سب سے عظیم ہیں۔ تمام مؤمنین و مؤمنات  
 کے مولا و آقا ہیں۔ سب نے کہا: ہاں ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ اس وقت امامؑ نے فرمایا: اگر تم یہ سب کچھ جانتے ہو۔  
 تو پھر کس طرح میرے خون بہانے کو حلال سمجھتے ہو؟ حالانکہ کل بروز قیامت میرے پدر عالی قدر کچھ لوگوں کو اس طرح  
 حوض کوثر سے دور لے جائیں گے جس طرح اونٹ کو مشرع سے دور کیا جاتا ہے اور فردائے قیامت کو لواء الحمد میرے



ہی والد کے ہاتھ میں ہوگا۔

امام علیؑ کے اس ناقابل رد احتجاج و استدلال کا اثر ان ملائین پر یہ ہوا کہ آخر میں جواب دیا: ﴿قَدْ عَلِمْنَا ذَلِكَ كُلَّهُ وَنَحْنُ غَيْرُ تَارِكِيكَ حَتَّى تَذُوقَ الْمَوْتَ عَطْشًا﴾ جو کچھ آپؑ نے بیان کیا ہے ہم یہ سب کچھ جانتے ہیں مگر آپؑ کو اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک آپؑ بحالت پیاس شربت موت نوش نہ کر لیں۔ راویان اخبار کا بیان ہے کہ جب جناب سید الشہداءؑ نے یہ خطبہ دیا اور ظالموں نے یہ جواب دیا اور آنجناب کی بہنوں اور بیٹیوں نے سنا تو انہوں نے نالہ و شیون اور گریہ و بکا کی آواز بلند کی۔ امام الصابرينؑ نے اپنے بھائی حضرت ابو الفضل عباسؑ اور شہزادے علی اکبرؑ کو خیام میں بھیجا کہ وہ بی بیوں کو تسلی دے کر خاموش کریں کیونکہ ابھی ان کے رونے کے لیے کافی وقت پڑا ہے۔“

### دو بار خیام حسینؑ میں پانی کا پہنچنا

یہ حقیقت ناقابل انکار حد تک تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ بندش آب کی اس پوری مدت میں دو بار کچھ پانی خیام حسینؑ تک پہنچا ہے۔ ایک مرتبہ آنجنابؑ نے باعجاز امامت اس کی فراہمی کا انتظام کیا ہے۔ اور دوسری بار سقائے بنی ہاشم اور ان کے چند مخلص رفقاء کے کار کی جدوجہد سے اطفال اہل بیتؑ کی نخل تمنا بار آور ہوئی ہے۔ ان ہر دو واقعات کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے۔

(۱) جب امام حسینؑ اور ان کے اعزہ و اصحاب پر شدت پیاس کا غلبہ ہوا۔ تو اس وقت آنجنابؑ نے ایک بیچہ لیا۔ اور اپنے خیام سے بجانب قبلہ انیس (۱۹) قدم کے فاصلہ پر بیچہ سے زمین کو تھوڑ سا کھودا۔ اچانک پانی کا سرد شیریں چشمہ برآمد ہوا۔ آنجنابؑ اور آپ کے سب ہمراہیوں نے پیا اور چند مشکیں بھی پڑھیں۔ اس کے بعد اس چشمہ کا وہاں نام و نشان تک نہ رہا۔<sup>۱</sup>

اس واقعہ کی نسبت صاحب ”مواعظ حسنہ“ صفحہ ۲۱۰ (طبع سیوم) پر رقمطراز ہیں: ”کیسا تعجب کا مقام ہے کہ سیراب کنندہ عالم، باعث نجات عالم، فرزند ساقی کوثر قطرۃ آب کو محتاج رہے۔ اور دنیا سے پیاسا ہی جائے۔ ششم محرم الحرام یا ہفتم کو جب نہر سے پانی کی قطعاً بندش ہوگئی تو حضرت نے خیمہ گاہ سے چند قدم کے فاصلے پر حکم دیا کہ یہاں زمین کھودی جائے۔ وہاں سے ایک چشمہ آب جاری ہوا۔ تقریباً پچاس مشک پڑھیں۔ لیکن معلوم نہیں کہ نویں اور

۱۔ مہیوف، ص ۷۵، ۷۷۔

۲۔ عاشق بحار الانوار، ص ۱۹۰۔ ناخ التواریخ، ج ۶، ص ۲۲۸۔ نفس المہموم، ص ۱۱۶۔ مقتل الحسین، ص ۲۲۱۔ تقام ذخار، ص ۳۱۴۔

مآ تہین علامہ کشوری، ج ۱، ص ۳۰۳۔



دسویں کو وہ چشمہ آب کہاں گیا۔ جو بچے ایک ایک بوند کو ترستے تھے اور پانی نہ ملتا تھا۔ اس دن وہ چشمہ کیوں نہ ظاہر ہوا۔<sup>۱</sup>

تعجب ہے کہ جاسوسوں نے اس قدر مختصر واقعہ کی اطلاع بھی ابن زیاد کو دے دی۔ چنانچہ اس نے یہ اطلاع ملنے پر اس مضمون کا ایک مکتوب عمر بن سعد کو لکھا: ﴿اما بعد بلغنی ان الحسین یحفر الآبار و یصیب الماء فی شرب هو و اصحابه فانظر اذا ورد علیک کتابی هذا فامنعهم من حفر الآبار ما استطعت و ضیق علیهم و لا تدعهم یدوقوا الماء و افعل بهم کما فعلو ابا لڑکی عثمان﴾ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ حسین کنوئیں کھودتے ہیں۔ خود بھی پانی پیتے ہیں اور اپنے اصحاب کو بھی پلاتے ہیں۔ دیکھو جب میرا یہ خط پہنچے۔ تو ان کو حتی الامکان کنوئیں کھودنے سے بھی روک دو۔ اور پوری کوشش کرو کہ وہ پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پی سکیں۔ جیسا کہ عثمان کے ساتھ کیا گیا تھا۔<sup>۲</sup>

(۲) جب پیاس نے بہت شدت اختیار کی اور حضرت امام حسینؑ نے اپنے اہل بیت اطہار و اصحاب اختیار کی نازک حالت دیکھی۔ تو جناب ابو الفضل عباسؑ کو تیس سوار و بیس پیادہ اور بیس مشکیں دے کر پانی لانے کے لیے روانہ کیا۔ نافع بن ہلال بجلی آگے آگے تھے۔ جب نافع نہر میں داخل ہوا تو عمرو بن حجاج زبیدی نے آواز دی۔ تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو۔ نافع نے اپنا نام و نسب بتاتے ہوئے کہا: تمہارا چچازاد بھائی نافع ہوں۔ پانی لینے آیا ہوں۔ عمرو نے کہا: بڑی خوشی سے لے سکتے ہو۔ نافع نے کہا: نہیں بخدا۔ جب تک حسینؑ اور ان کے اہل و عیال پیاسے ہیں۔ میں ایک قطرہ بھی نہیں پی سکتا۔ اس اثناء میں عمرو نے دیکھ لیا کہ کئی آدمی مشکیزے ہاتھ میں لئے پانی لینا چاہتے ہیں۔ اس نے نافع سے کہا: کہتے تو تم سچ ہو۔ مگر ہمیں اسی کام پر مامور کیا گیا ہے۔ کہ خیام حسینیؑ تک پانی کا ایک قطرہ نہ پہنچے دیں۔ نافع نے اس کی بات کی کوئی پروا نہ کی۔ اور پیادہ کو حکم دیا کہ پانی میں داخل ہو کر مشکیں پر کر لو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت عمرو بن حجاج نے اپنے فوجیوں کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ادھر حسینیؑ سپاہ نے بھی جوابی کارروائی کی۔ بالخصوص قمر بنی ہاشم جو اس مختصر جماعت کی حفاظت کے لیے ہی ہمراہ گئے تھے، نے وہ جوہر شجاعت دکھائے کہ دشمنوں کو راہ فرار اختیار کرنے میں ہی سلامتی نظر آئی۔ اس کے باوجود ان کے کئی آدمی واصل جہنم ہوئے۔ مگر حسینیؑ سپاہ کو کوئی گزند نہ پہنچا۔ اور وہ پانی کے بیس مشکیزے لے کر سلامتی کے ساتھ خیام میں پہنچ گئے۔ اسی

۱۔ مواظظ حسنہ ص ۲۱۰، مولانا سید محمد بسطنین صاحب مرحوم۔

۲۔ بحار، ج ۱۰، ص ۱۹۰۔ تاریخ، ج ۶، ص ۲۲۸۔ تقیام، ص ۱۳ وغیرہ۔



وقت سے جناب ابوالفضلؑ کا لقب سقاء مشہور ہوا۔<sup>۱</sup> لیکن ظاہر ہے کہ امام عالی مقام کے اہل و عیال اور ان کے اعوان و انصار کے لیے جو شب عاشوراء تک کافی تعداد میں تھے۔ کل بیس مشکیں کہاں تک کافی ہو سکتی تھیں؟ اور ان سے کہاں تک شدت پیاس میں کمی ہو سکتی تھی؟ یہی وجہ ہے کہ بایں ہمہ مؤرخین متفق ہیں کہ خیام حسینیؑ سے العطش العطش کی آوازیں بلند ہوتی تھیں۔ اور امامؑ کے تمام اعزہ و انصار اور آنجناب سمیت قطرہ آب کے لیے ترس ترس کر شہید ہوئے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

ع خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

### نویں محرم کے واقعات

حضرت امام جعفر صادقؑ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں آپؑ فرماتے ہیں: ﴿تاسوعا یوم حوصر فیہ الحسین علیہ السلام و اصحابہ رضی اللہ عنہم بکربلاء و اجتمع علیہ خیل اہل الشام و انا خوا علیہ و فرح ابن مرجانہ و عمر بن سعد بتوافر الخیل و کثرتها و استضعفوا فیہ الحسین علیہ السلام و اصحابہ و ايقنوا انه لا یأتی الحسین علیہ السلام ناصر و لا یمدہ اہل العراق بابی المستضعف الغریب﴾ نویں محرم کا دن وہ دن تھا جس میں امام حسینؑ اور ان کے اصحابؑ کربلا کے اندر پوری طرح ترفہ اعداء میں گھر گئے تھے۔ اور سپاہ شام جمع ہو گئی تھی۔ اور ابن مرجانہ (عبید اللہ ابن زیاد) اور عمر بن سعد اپنی کثرت سپاہ کی وجہ سے خوش و خرم تھے۔ اور امام حسینؑ اور ان کے اصحابؑ کو کمزور سمجھ رہے تھے۔ اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ اب امام حسینؑ کا کہیں سے کوئی ناصر و مددگار نہیں آئے گا۔ اور نہ ہی اہل عراق ان کی امداد کریں گے۔ میرا باپ قربان ہو جائے اس کمزور مسافر پر۔<sup>۲</sup>

چنانچہ کثرت سپاہ کے گھمنڈ اور مادی طاقت و قوت کے نشہ سے سرشار ہو کر عمر بن سعد نے نویں محرم کو عصر کے بعد یہ کہہ کر ﴿یا خیل اللہ اذکبى و بالجنة ابشری﴾ (اے خدا کے سوارو! سوار ہو جاؤ اور تم کو جنت کی بشارت ہو)۔<sup>۳</sup> خیام حسینیؑ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اس وقت امام حسینؑ دروازہ خیام کے سامنے قبضہ تلوار کا سہارا لیے گھٹنوں پر سر رکھ کر بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی حالت میں آنکھ لگ گئی۔ جب جناب شریکۃ الحسینؑ زینب

۱۔ بحار، ج ۱۰، ص ۱۹۰، ناخ، ج ۶، ص ۲۲۸۔ تقام، ص ۳۱۵۔ نفس المہموم، ص ۱۱۷۔ مقتل الحسین، ص ۲۲۳۔ ذی عظیم، ص ۲۸۳، ۲۸۴، صاحب مواعد حسنی نے بھی صفحہ ۲۶۷ طبع سیوم میں تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ نفس المہموم، ص ۱۲۰۔

۳۔ تقام، ص ۳۲۱ وغیرہ۔



عالیہ نے ہتھیاروں کی جھنکار، گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز اور فوجوں کا شور و شغب سنا تو اپنے بھائی سید الشہداء کے قریب آ کر کہا۔ ﴿اما تسمع الاصوات قد اقتربت!﴾ بھائی جان! آپ یہ آوازیں نہیں سن رہے جو قریب ہیں؟ امام عالی مقام نے سر بلند کیا۔ اور فرمایا: ﴿رأيت رسول الله صلى الله عليه و الله الساعة في المنام فقال لي انك تروح الينا﴾ میں نے جناب رسول خدا کو خواب میں دیکھا ہے کہ مجھ سے فرما رہے ہیں۔ تم عنقریب ہماری طرف آرہے ہو۔ سید بن طاووس کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ امام نے فرمایا: ﴿يا اختاه اني رأيت الساعة جدي محمداً و ابي علياً و امي فاطمة و اخي الحسن و هم يقولون يا حسين انك رائح الينا عن قريب وفي بعض الروايات غداً﴾۔ بہن میں نے ابھی ابھی اپنے جد نامدار، پدر بزرگوار، مادر گرامی وقار اور برادر عالی مقدار کو خواب میں دیکھا ہے۔ جو مجھ سے فرما رہے تھے کہ اے حسین تم شام کو ہماری طرف آرہے ہو۔ اور بعض روایات کی بنا پر یوں فرمایا: ”تم کل ہماری طرف آرہے ہو۔“ (وہو صحيح على الظاهر)۔ امام حسین کا یہ کلام حقیقت ترجمان سن کر جناب زینب عالیہ نے اپنا منہ پیٹ لیا۔ امام علیہ السلام نے ان کو تسکین و تسلی دی۔ اور صبر و سکون کی تلقین فرمائی۔ اس کے بعد جناب ابوالفضل عباس سے فرمایا: ﴿اركب انت يا اخي حتى تلقاهم و تقول لهم ما لكم وما بذاكم و تسئالهم عما جائهم؟﴾ بھائی جان! سوار ہو کر ان کے پاس جاؤ۔ اور ان سے اس وقت چڑھ آنے کا سبب معلوم کرو؟ چنانچہ جناب قمر بنی ہاشم میں سواروں کے ساتھ جن میں جناب زہیر بن قین اور حبیب بن مظاہر (مظہر) بھی تھے۔ قوم جفا کار کے پاس تشریف لے گئے اور جا کر ان سے اس وقت اس طرح آنے کا سبب پوچھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حاکم (ابن زیاد بد نہاد) کا حکم نامہ آیا ہے کہ ہم تمہیں انکے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنے کو کہیں۔ پس اگر آپ منظور کر لیں۔ تو فہما ورنہ فوراً آپ سے فیصلہ کن جنگ کریں۔ جناب عباس نے فرمایا: ٹھہرو! میں جا کر سب صورت حال امام کے گوش گزار کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا: ہاں ضرور جائیں۔ اور ان کو تازہ صورت حال سے آگاہ کریں۔ اور پھر جو کچھ فرمائیں۔ اس کی ہمیں بھی اطلاع دیں۔

چنانچہ جناب عباس نے خدمت امام میں حاضر ہو کر حقیقت حال گوش گزار کی۔ اور ان کی آمد و رفت تک جناب حبیب اور جناب زہیر اشقیاء سے مخاطبہ فرماتے رہے۔ اور ان کو قتل امام سے باز رکھنے کے لیے وعظ و پند کرتے رہے۔ ﴿ولا كن لا تغني الايات و النذر عن قوم لا يؤمنون﴾ اسی گفتگو کے ضمن میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب جناب زہیر ان کو وعظ و نصیحت کر رہے تھے تو عزہ بن قیس نے ان سے کہا: ﴿يا زهير ما كنت عندنا من شيعة اهل هذا البيت انما كنت عثمانياً؟﴾ اے زہیر ہم تو تمہیں اس خاندان کا شیعہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ تم تو عثمانی تھے!



جناب زہیر نے جواب دیا: ﴿افلست تستدل بموقفی هذا انی منهم﴾ کیا میرے یہاں کھڑے ہونے سے تم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ میں انہی کے شیعوں میں سے ہوں۔<sup>۱</sup> (اس سوال و جواب سے انصار امام اور ان کے مخالفین کے مذہب پر خاصی روشنی پڑتی ہے قدر)۔ بہر کیف امام علیؑ نے شہزادہ سے فرمایا: ﴿ارجع الیہم فان استطعت ان تؤخرہم الی غدوة و تدفعہم عنا العشیة لعلنا نصلی لربنا اللیلة و ندعوہ و نستغفرہ فہو یعلم انی کنت احب الصلوة لہ و تلاوة کتابہ و کثرة الدعا و الاستغفار﴾ واپس جاؤ اور ہو سکے تو ان کو کل تک مؤخر کرو تا کہ ہم آج رات (دل کھول کر) نماز، دعا اور استغفار کر لیں۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ مجھے نماز پڑھنے، تلاوت قرآن کرنے اور بکثرت دعا و استغفار کرنے سے کس قدر محبت ہے۔ (دعا ہے کہ خداوند عالم امام حسینؑ کے نام لیواؤں کو بھی یہ شوق و ذوق عبادت عطا فرمائے) چنانچہ جناب ابو الفضلؑ نے واپس جا کر مخالفین کو اس بات پر آمادہ کر لیا۔ واپسی پر عمر بن سعد نے یہ پیغام دے کر اپنا قاصد بھی خدمتِ امامؑ میں بھیجا کہ ہم آپؑ کو کل تک مہلت دیتے ہیں۔ اگر آپؑ نے سر تسلیم خم کر دیا تو ہم آپؑ کو اپنے امیر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے چلیں گے۔ اور اگر آپؑ اپنے انکار پر ٹکے رہے۔ تو پھر ہم آپؑ کو چھوڑ نہیں سکتے۔<sup>۲</sup> یعنی ضرور جنگ کریں گے۔ بعض روایات میں وارد ہے کہ امامؑ عالی مقام کو ایک رات کی مہلت دینے میں عمر بن سعد نے پہلے کچھ پس و پیش کی۔ جس پر عمرو بن حجاج زبیدی نے اس سے کہا: تمہیں شرم نہیں آتی۔ اگر ہماری ترک و دہلیم کے کفار سے بھی جنگ ہوتی اور وہ ایک رات کی مہلت مانگتے تو ضرور ہم ان کو مہلت دے دیتے۔ اور یہ تو فرزند رسولؐ ہیں۔ جو صرف ایک رات کی مہلت طلب کر رہے ہیں۔ اس پر عمر بن سعد شرمندہ ہوا اور مہلت دے دی۔<sup>۳</sup>

### شبِ عاشوراء کے واقعات

شبِ عاشوراء اہل بیت رسولؐ کے لیے سخت ترین راتوں میں سے ایک رات تھی جو مختلف شدائد و مصائب سے گھری ہوئی تھی۔ شدید خطروں کا الارم بج رہا تھا۔ ظاہری اسباب حیات منقطع ہو چکے تھے۔ مخدرات کو اپنے شوہروں، بھائیوں، بیٹوں اور عزیزوں کی موت کا یقین ہو چکا تھا۔ اور آنے والے محن و آلام کا نقشہ آنکھوں کے سامنے تھا۔ اس لیے ان کا قلق و اضطراب ایک فطری امر تھا۔ اسی طرح شدتِ پیاس سے نڈھال اطفال خور و سال کا گریہ و بکاء بھی ایک لازمی تقاضا تھا۔ جو بڑوں کے لیے سوہان روح تھا۔

۱۔ تاریخ طبری، ج ۶، ص ۲۳۷۔ نفس المہوم، ص ۱۲۱۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۱۹۱۔ طبری، ج ۶، ص ۲۳۸۔

۳۔ مقتل الحسین، ص ۲۳۲۔ تقام، ص ۳۲۲۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۳۶ وغیرہ۔



## ایک رات کی مہلت لینے کے مصالح

سرکار سید الشہداءؑ نے بڑی کوشش کر کے شب عاشوراء کی جو مہلت طلب فرمائی تھی اس میں کئی مصلحتیں اور حکمتیں پوشیدہ تھیں۔

**پہلی مصلحت :-** سب سے بڑی مصلحت تو وہی تھی جس کا خود آنجنابؑ نے اظہار بھی کر دیا تھا کہ دل کھول کر پروردگار عالم کی عبادت کر سکیں۔ اور بکثرت دعا و استغفار کر لیں۔ چنانچہ امام حسینؑ اور ان کے اعزہ و انصار نے شب عاشوراء جس طرح عبادت و استغفار میں گزاری۔ اس کا نقشہ مؤرخین نے ان لفظوں میں کھینچا ہے: ﴿فَقَامَ اللَّيْلَ كَلِّهَ يَصَلِّي وَيَسْتَغْفِرُ وَيَدْعُو وَيَنْفِرُ وَ قَامَ اصْحَابُهُ كَذَلِكَ يَصَلُّونَ وَيَدْعُونَ وَيَسْتَغْفِرُونَ فَبَاتُوا وَلَهُمْ دَوَى النُّحْلِ مَا بَيْنَ رَاكِعٍ وَ سَاجِدٍ وَ قَائِمٍ وَ قَاعِدٍ﴾ الخ ﴿جناب سید الشہداءؑ نے تمام رات نماز، دعا و پکار اور تضرع و استغفار میں گزاری۔ اور یہی کیفیت اصحاب حسینؑ کی تھی۔ خیام حسینیؑ سے تسبیح و تہلیل کی یوں بھنبھناہٹ سنائی دیتی تھی جیسے شہد کے چھتہ سے بھنبھناہٹ کی آواز آتی ہے۔ کوئی رکوع میں تھا۔ کوئی سجود میں۔ کوئی قیام میں تھا تو کوئی قعود میں۔﴾ الغرض ع

زمین جگمگا اٹھی، وہ دل سے کیس عبادتیں

**دوسری مصلحت :-** اس مہلت کے طلب کرنے میں دوسری مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ امام علیؑ اپنے ہمراہیوں میں سے کسی کو تاریکی میں نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ بلکہ صورت حال کو واضح کر کے ان کو اپنے عزم و ارادہ کا امتحان لینے کا موقع دینا چاہتے تھے تاکہ جو جانا چاہے وہ ابھی چلا جائے اور جو باقی رہے اور ساتھ دے۔ وہ بھی علیؑ وجہ البصیرت ایسا کرے۔ چنانچہ امام زین العابدینؑ کی روایت کے مطابق آنجنابؑ نے شب عاشوراء اپنے تمام اعزہ و احباب کو جمع کر کے یہ خطبہ ارشاد فرمایا: ﴿أَتُنْسِي عَلَى اللَّهِ أَحْسَنَ الشَّاءِ وَ أَحْمَدَهُ عَلَى السَّاءِ وَ الضَّرَاءِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَحْمَدُكَ عَلَى أَنْ أَكْرَمْتَنَا بِالنَّبُوءَةِ وَ عَلَّمْتَنَا الْقُرْآنَ وَ فَهَّمْتَنَا فِي الدِّينِ وَ جَعَلْتَ لَنَا أَسْمَاعًا وَ أَبْصَارًا وَ أَفْئِدَةً فَاجْعَلْنَا مِنَ الشَّاكِرِينَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَصْحَابًا أَوْ فِي وَلَا خَيْرًا مِنْ أَصْحَابِي وَلَا أَهْلَ بَيْتِ إِبْرَ وَلَا أَوْصَالَ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي فَجْزَاكُمْ اللَّهُ عَنِّي خَيْرًا. أَلَا وَ إِنِّي لَا أَظُنُّ يَوْمًا لَنَا مِنْ هَؤُلَاءِ. أَلَا وَ إِنِّي قَدْ أَذْنَتْ لَكُمْ فَانْطَلِقُوا جَمِيعًا فِي حُلِّ لَيْسَ عَلَيْكُمْ حَرَجٌ مِنِّي وَلَا زِمَامٌ هَذَا اللَّيْلُ قَدْ غَشِيَكُمْ فَاتَّخِذُوهُ جَمَلًا. ثُمَّ لِيَاخِذْ كُلُّ رَجُلٍ مِنْكُمْ بِيَدِ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي ثُمَّ تَفَرَّقُوا فِي سَوَادِكُمْ وَ مَدَائِنِكُمْ حَتَّى يَفْرَجَ اللَّهُ فَانِ الْقَوْمَ إِنَّمَا يَطْلُبُونَنِي فَلَوْ قَدْ أَصَابَرَهُ لِي لَلَّهُوا عَنْ طَلْبِ غَيْرِي﴾ میں



خدا کی بہترین حمد و ثنا اور رنج و راحت (ہر حال) میں اس کی بہترین حمد کرتا ہوں۔ یا اللہ! میں تیری حمد کرتا ہوں۔ کہ تو نے ہمارے خاندان کو نبوت کی عزت بخشی۔ ہمیں علم قرآن عطا فرمایا۔ دین میں بصیرت مرحمت فرمائی۔ اور گوش شنونده چشم بینندہ اور دل داندہ کرامت فرمایا۔ اما بعد میں اپنے اصحاب سے زیادہ وفادار اور بہتر اصحاب کسی کے نہیں جانتا۔ اور نہ اپنے اعزہ و اقارب سے زیادہ نیکو کار اور صلہ رحمی کرنے والے کسی کے عزیز و اقرباء کو جانتا ہوں۔ خدا تم سب کو میری طرف سے جزائے خیر دے۔ میرا خیال ہے کہ ہماری جنگ ان لوگوں سے ضرور ہوگی میں تم سب کو بطیب خاطر اجازت دیتا ہوں اور تم سے بیعت کا بوجھ اٹھائے لیتا ہوں۔ رات تاریک ہے اسے سواری بنا کر جہاں جی چاہے وہاں چلے جاؤ۔ نہ صرف خود جاؤ بلکہ تم میں سے ہر شخص میرے اعزاء و اقارب میں سے ایک ایک شخص کا ہاتھ بھی پکڑ کر ہمراہ لیتا جائے۔ کیونکہ ان لوگوں کو صرف میری طلب ہے۔ جب مجھے پالیں گے (اور شہید کر دیں گے) تو پھر کسی اور سے کوئی سروکار نہیں رکھیں گے۔<sup>۱</sup> بعض آثار غیر معتبرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیؑ کے اس اعلان کے بعد کئی کمزور ارادہ و ایمان والے لوگ امام کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ اور صرف آپ کے قربت دار اور مخلص اصحاب حیدر باقی رہ گئے۔<sup>۲</sup>

جناب امام حسینؑ کا یہ خطبہ سن کر سب سے پہلے جناب شہزادہ ابو الفضل عباسؑ اٹھے۔ اور خدمت امام میں عرض کیا: ﴿وَلَمْ نَفْعَلْ؟ لِنَبْقَىٰ بَعْدَكَ؟ لَا اَرَا اِنَّ اللّٰهَ ذَلِكْ اَبَدًا﴾ ”ہم ایسا کیوں کریں؟ محض اس لیے کہ آپ کے بعد زندہ رہیں؟ خدا ہمیں یہ دن کبھی نہ دکھائے۔“ ان کے بعد جناب کے دوسرے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور بھانجوں نے بھی متفق اللفظ ہو کر ایسا ہی ایمان افروز جواب دیا۔ اس کے بعد امام عالی مقام نے اولاد عقیل کو بالخصوص خطاب کر کے فرمایا: ﴿يَا بَنِي عَقِيلٍ حَسْبُكُمْ مِنَ الْقَتْلِ بِمُسْلِمٍ فَاذْهَبُوا اَنْتُمْ فَقَدْ اَذْنَتْ لَكُمْ﴾ اے اولاد عقیل تمہارے لیے شہادت مسلم کافی ہے۔ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔ تم چلے جاؤ۔ انہوں نے جو جواب باصواب دیا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا: ﴿لَا وَاللّٰهِ لَا نَفْعَلْ ذَلِكْ وَلَكِنْ نَفْدِيكَ اَنْفُسَنَا وَاَمْوَالَنَا وَاَهْلِيْنَا وَنَقَاتِلُ مَعَكَ حَتّٰى نَرُدَّ مَوْرِدَكَ فَقَبِّحَ اللّٰهُ الْعِيْشَ بَعْدَكَ﴾ ”نہیں بخدا۔ ہم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے بلکہ ہم اپنی جانیں، اپنے مال اور اپنے اہل و عیال سب آپ پر قربان کریں گے۔ اور آپ کے ہمراہ ہو کر جنگ کریں گے۔ تاکہ جو انجام آپ کا ہو۔ وہی ہمارا ہو۔ بُرا کرے خدا اس زندگانی دنیا کا جو آپ کے بعد ہو۔“<sup>۳</sup>

۱۔ ارشاد، ص ۲۵۱۔ عاشر بحار الانوار، ص ۱۹۱۔ نفس المہوم، ص ۱۲۱۔ مقتل الحسین، ص ۲۳۴۔ طبری، ج ۶، ص ۲۲۸۔ کامل، ج ۳، ص ۲۸۵۔

۲۔ تاریخ، ج ۶، ص ۲۳۷۔ اسرار الشہادت، ص ۲۳۷، ۲۳۸ وغیرہ۔

۳۔ ارشاد، ص ۲۵۱۔ بحار الانوار، ص ۱۹۱۔ نفس المہوم، ص ۱۲۱۔ طبری، ج ۶، ص ۲۳۸ وغیرہ۔



بنی ہاشم کے اظہار وفاداری و عزم شہادت و غمگساری کے بعد اصحابِ حسینؑ نے یکے بعد دیگرے امام کو بڑے جرأت مندانہ اور والہانہ انداز میں اپنی نصرت اور ہر قسم کی قربانی کا یقین دلایا۔ چنانچہ سب سے پہلے جناب مسلم بن عوجہؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: ﴿الْحَن نَحْلِي عَنْكَ وَبِمَا نَعْتَذِرُ إِلَى اللَّهِ فِي إِدَاءِ حَقِّكَ! أَمَا وَاللَّهِ لَا أَفَارِقُكَ حَتَّى أَطْعَنَ فِي صَدْرِهِمْ بِرُمَحِيٍّ. وَاضْرِبُهُمْ بِسَيْفِي. مَا ثَبَتَ قَائِمُهُ فِي يَدِي. وَلَوْ لَمْ يَكُنْ مَعِيَ سِلَاحٌ أَقَاتِلُهُمْ بِهِ لَقَذَفْتُهُمْ بِالْحِجَارَةِ حَتَّى أَمُوتَ. مَعَكَ﴾ کیا ہم آپؐ کا ساتھ چھوڑ دیں؟ پھر خدا کی بارگاہ میں کیا عذر پیش کریں گے؟ خدا کی قسم میں ہرگز اس وقت تک آپؐ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ جب تک اپنا نیزہ ان کے سینوں میں اس قدر نہ ماروں کہ وہ ٹوٹ جائے۔ پھر تلوار سے لڑوں گا۔ جب تک اس کا قبضہ میرے ہاتھ میں رہے گا اور جب کوئی ہتھیار لڑنے کے قابل نہ رہا۔ تو پھر ان کو پتھر ماروں گا۔ حتیٰ کہ اس طرح لڑتے لڑتے آپؐ کی معیت و رفاقت میں اپنی جان جان آفریں کے حوالہ کر دوں۔

پھر جناب سعید بن عبداللہ حنفیؓ نے کہا: ﴿وَاللَّهِ لَا نَخْلِيكَ حَتَّى يَعْلَمَ اللَّهُ أَنَا قَدْ حَفِظْنَا غِيْبَةَ رَسُولِهِ فِيكَ أَمَا وَاللَّهِ لَوْ قَدْ عَلِمْتَ أَنِّي أَقْتُلُ ثُمَّ أَحْيِي ثُمَّ أَحْرَقُ ثُمَّ أَحْيِي ثُمَّ أَحْرَقُ حَيًّا ثُمَّ أَذْرِي بِفِعْلِكَ ذَلِكَ بِي سَبْعِينَ مَرَّةً مَا فَارَقْتُكَ حَتَّى الْقِيَامَةِ حِمَامِي دُونَكَ وَكَيْفَ لَا أَفْعَلُ ذَلِكَ وَأَنَا هِيَ قَتْلَةٌ وَاحِدَةٌ ثُمَّ هِيَ الْكَرَامَةُ الَّتِي لَا انْقِبَاضَ لَهَا أَبَدًا﴾ ”خدا ہم ہرگز آپؐ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ جب تک بارگاہِ ایزدی میں اپنے کردار سے ثابت نہ کر دیں کہ ہم نے آپؐ کے بارے میں رسولِ خداؐ کے غائبانہ حق کو ادا کر دیا ہے۔ خدا کی قسم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں قتل کیا جاؤں گا۔ پھر دوبارہ زندہ ہوں گا۔ بعد ازاں زندہ جلایا جاؤں گا۔ پھر میری راکھ ہوا میں اڑادی جائے گی۔ اور ستر بار میرے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ تب بھی آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑتا۔ بھلا اب کیونکر چھوڑ سکتا ہوں۔ جبکہ یقین ہے کہ صرف ایک مرتبہ قتل ہونا ہے۔ اور اس کے بعد وہ ابدی عزت و کرامت حاصل ہوگی جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔“

ان کے بعد جناب زہیر بن القینؓ نے کہا: ﴿وَاللَّهِ لَوْ دِدْتُ أَنِّي قَتَلْتُ ثُمَّ نَشَرْتُ ثُمَّ قَتَلْتُ حَتَّى أَقْتُلَ هَكَذَا الْف مرةً وَأَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَدْفَعُ بِذَلِكَ الْقَتْلَ عَنْ نَفْسِكَ وَ عَنِ انْفُسِ هَؤُلَاءِ الْفِتْيَانِ مِنْ أَهْلِ بَيْتِكَ﴾ ”خدا کی قسم میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں کہ میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ حتیٰ کہ ہزار بار میرے ساتھ یہی سلوک کیا جائے۔ اور خداوندِ عالم میرے اس قتل و قتال کی وجہ سے آپؐ کی جان عزیز اور آپؐ کے عزیز و جوانوں کی عزیز جانیں بچالے۔“

بعد ازاں دوسرے اصحاب نے انہی کے ساتھ ملتے جلتے الفاظ میں اپنی اپنی ہمدردیوں اور جاں نثاریوں کا



اظہار کیا۔ امام عالی مقام نے اپنے تمام انصار و اعوان کو جزائے خیر کی دعا دی اور اندر خیام میں تشریف لے گئے۔

لَلّٰہِ دَرْہَمٌ مِّنْ فَتِیۃٍ صَبَرُوا مَا اِنْ رَاَیْتَ لَہُمْ فِی النَّاسِ اِمْثَالًا  
تِلْکَ الْمَکَارِمِ لَا قَبْعَانَ مِّنْ لِّبَنِ شِیْءٍ بِمَاءٍ فَصَارَ اَبْوَالًا

بعض روایات میں وارد ہے کہ جب امام عالی مقام نے اصحاب کا امتحان لیا۔ اور جانے والے جا چکے اور کامیاب ہونے والے کامیاب ہو گئے۔ اور بعد ازاں آنجناب خیام میں تشریف لے گئے۔ تو جناب زینبؓ عالیہ نے دریافت کیا۔ بھائی جان! کیا آپؑ نے اپنے باقی ماندہ اصحاب کا اچھی طرح جائزہ لے لیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ عین حالت جنگ میں ہمارا ساتھ چھوڑ جائیں؟ امام نے بہن کو تسلی دی کہ میں نے اچھی طرح ان کے حالات کا جائزہ لے لیا ہے۔ وہ تائید حق میں میرے ساتھ موت سے اس طرح مانوس ہیں جیسے بچہ ماں کے سینہ سے مانوس ہوتا ہے۔ جناب نافع بن ہلال درخیمہ پر بھائی اور بہن کی گفتگو سن رہے تھے۔ انہوں نے اصحاب کے پاس جا کر کہا: تم یہاں آرام سے بیٹھے ہو حالانکہ ہشت زہراءؑ کو تمہاری وفاداریوں پر یقین نہیں ہے۔ چلو اور بی بی عالم کو اپنی وفاداری کا جا کر یقین و اطمینان دلاؤ۔ یہ سن کر جناب حبیب بن مظاہر اور دوسرے اصحاب یا صفا درخیمہ پر حاضر ہوئے۔ اور بڑے زور دار الفاظ کے ساتھ بنات رسولؐ کو اپنی وفاداریوں کا یقین دلایا۔ بی بیوں نے روتے اور دعائے خیر دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ایہا الطیبون حاموا عن بنات رسول اللہ و حرانہ امیر المؤمنین﴾ ”اے پاکیزہ نفس صحابیو! بنات نبیؐ و علیؑ کی حمایت و حفاظت تمہارے ذمہ ہے۔“

### امام علیؑ اصحاب کو جنت میں ان کے مکانات دکھاتے ہیں

جب اعزاء و اصحاب اس ابتلا و آزمائش میں پورے اترے اور امام عالی مقام نے اچھی طرح ان کا امتحان لے لیا۔ تو ان کو شہادت کی بشارت دیتے ہوئے جنت میں ان کے مقامات عالیہ ان کو دکھا دیئے۔ چنانچہ کتاب الخراج راوندی و علل الشرائع، (ج ۱، ص ۲۱۸) صدوقؑ میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب شب عاشوراء امامؑ نے اصحاب سے بیعت اٹھالی۔ اور ان کو جانے کی اجازت دے دی۔ مگر انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ تو آنجنابؑ نے ان سے فرمایا: ﴿انکم تقتلون غذا ولا یفلت منکم﴾ ”تم سب کے سب کل شہید کر دیئے جاؤ گے۔ اور تم میں سے کوئی شخص بھی زندہ نہیں بچے گا۔“ اس وقت اصحاب نے کہا: ﴿الحمد للہ الذی شرفنا بالقتل معک﴾ خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں آپؑ کی معیت میں جان قربان کرنے کا شرف عطا فرمایا ہے

۱۔ ارشاد، ص ۲۵۲۔ طبری، ج ۴، ص ۲۳۹۔ عاشربھار، ص ۱۹۲۔ نفس المہجوم، ص ۱۲۲۔ کامل، ج ۳، ص ۲۲۵۔

۲۔ الذمۃ الساکبہ، ص ۳۲۵ وغیرہ۔



اس کے بعد امام نے ان سے فرمایا: ﴿ارفعوا رؤسکم و انظروا فجعلوا ينظرون الی مواضعهم و منازلهم من الجنة و هو يقول لهم هذا منزلک یا فلاں..... الخ﴾ ”(آسمان کی طرف) سر بلند کرو اور دیکھو (اس وقت حجاب ہٹ گئے) اور انہوں نے جنت الفردوس میں اپنے اپنے منازل دیکھ لئے۔ امام ایک ایک صحابی کو اس کی منزل دکھاتے اور فرماتے اے فلاں یہ تیرا مقام ہے۔ اے فلاں یہ تیری منزل ہے۔“ یہی وجہ تھی کہ روزِ عاشورا شمعِ حسینیؑ کے جانباز پر دانے دیوانہ وار نیزے، تیر اور تلواریں اپنے مونہوں اور سینوں پر کھاتے تھے۔ تاکہ جلد از جلد جنت کے اندر اپنی منزل میں پہنچ جائیں۔<sup>۱</sup>

بعض روایات میں وارد ہے کہ جس وقت امام عالی مقام اپنے اعزاء و اعوان کو شہادت کی بشارت دے رہے تھے تو جناب شہزادہ قاسم بن حسنؑ نے عرض کیا: ﴿و انا فیمن یقتل؟﴾ عمِ معظم! کیا میں بھی ان (خوش نصیب) لوگوں میں داخل ہوں جو جامِ شہادت نوش کریں گے؟ امام نے ازراہ مہر و محبت پوچھا: ﴿یا بنی کیف الموت عندک؟﴾ بیٹا! تمہارے نزدیک موت کیسی ہے؟ شہزادہ نے برجستہ جواب دیا: ﴿یا عم احلی من العسل﴾ عم بزرگوار! (تائید حق اور آپؑ کی نصرت میں) موت مجھے شہد سے زیادہ شیریں معلوم ہوتی ہے۔ اس وقت امام نے فرمایا: ﴿ای واللہ فداک عمک انک لاحد من یقتل من الرجال معی بعد ان تبلو ببلاء عظیم و ابنی عبد اللہ﴾ ہاں بخدا تیرا چچا تجھ پر نثار ہو جو لوگ شہید ہوں گے ان میں سے بڑے ابتلاء و آزمائش کے بعد تم بھی شربتِ شہادت پیو گے۔ بلکہ میرا بیٹا عبداللہ (معروف بعلی اصغرؑ) بھی۔ شہزادہ قاسمؑ نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا: ﴿یا عم و یصلون الی النساء حتی یقتل عبد اللہ و هو رضیع﴾ کیوں چچا جان! کیا ظالم خیام میں مستورات تک پہنچ جائیں گے۔ کہ شیر خوار عبداللہ شہید ہوگا؟ اس وقت امام نے شہادت کی پوری تفصیل بیان کی۔ کہ جب شدتِ پیاس سے میرا دم نکل رہا ہوگا۔ اور میرا بچہ بلک رہا ہوگا۔ اس وقت میں خیام میں جاؤں گا۔ اور شہزادے کو ہمراہ لے کر میدانِ کارزار میں قومِ جفاکار سے پانی کا مطالبہ کروں گا۔ اور وہ پانی کے عوض اسے تیرے جسم کا نشانہ بنا کر شہید کر دیں گے۔“<sup>۲</sup>

**تیسری مصلحت :-** یہ بھی ممکن ہے کہ امام علیؑ چاہتے ہوں کہ مخالف ایک رات اور مزید سوچ بچار کر لیں۔ اور دین یا دنیا میں سے جسے اختیار کرنا ہے۔ اسے مکمل غور و فکر کے بعد اختیار کر لیں۔ شاید کچھ سعید رو جس باطل سے کنارہ کشی کر کے ان کے دامنِ حق کے ساتھ متمسک ہونے کی سعادت حاصل کر لیں۔ چنانچہ جنابِ خُر کا فوج

۱۔ نفس المہوم، ص ۱۲۳۔ مقتلِ حسینؑ، ص ۲۳۶۔

۲۔ نفس المہوم، ص ۱۲۳۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۳۶۔



مخالف سے کٹ کر خدمتِ امامؑ میں تائب ہو کر حاضر ہونا اور نصرتِ امامؑ میں جامِ شہادت نوش کرنا تو معلوم ہی ہے۔ ان کے علاوہ سید اجل سید بن طاووس علیہ الرحمۃ کے بیان کے مطابق شبِ عاشوراء کو بتیس آدمی لشکرِ مخالف سے چھٹ کر امام عالی مقام کے قدموں میں آگئے۔ اور اصحابِ حسینؑ میں داخل ہو گئے۔ امام کے اپنے مقصد میں کامیابی کی یہ ایک بڑی دلیل ہے۔

چوتھی مصلحت: ممکن ہے اس مہلت کے طلب کرنے میں امامؑ کا یہ مقصد بھی پیش نظر ہو کہ نظرِ بظاہر اسبابِ حرب و ضرب کی کچھ تیاری بھی کر لی جائے۔ اور امکانی حد تک حفاظتِ خود اختیاری کی عملی تدابیر اختیار کر لی جائیں۔ چنانچہ شبِ عاشوراء اس سلسلہ میں سید الشہداءؑ نے دو کام کئے۔

(۱) اصحاب کو حکم دیا کہ خیموں کو اس طرح باہم ملا دیں کہ ہر خیمہ کی طناب دوسرے خیمہ کے ساتھ باندھ دیں۔<sup>۱</sup>

(۲) پشتِ خیام کی طرف خندق کھدوا کر اس میں لکڑیاں جمع کرادیں۔ اور صبحِ عاشوراء ان کو آگ لگا دی گئی۔ تاکہ مخالف پشتِ خیام کی طرف سے حملہ نہ کر سکے۔ بلکہ صرف سامنے کی طرف سے ہی مقابلہ کرے۔<sup>۲</sup>

### شبِ عاشوراء کا ایک خاص واقعہ

حضرت امام زین العابدینؑ روایت کرتے ہیں کہ میں شبِ عاشوراء بسترِ بیماری پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور میری پھوپھی جناب زینبؑ عالیہ میرے پاس تیمارداری کے لیے تشریف فرما تھیں۔ اس اثناء میں میرے والد ماجد (حضرت امام حسینؑ) علیحدہ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ (جو میرے خیمہ کے قریب تھا) اس وقت جناب ابوذر غفاریؓ کا غلام حویؑ (اور بروایتِ جونؑ) بھی آپؑ کی خدمت میں موجود تھا۔ جو آپؑ کی تلوار کی جلا اور اس کی اصلاح کر رہا تھا (اور بروایتِ خود آئینہؑ یہ کام انجام دے رہے تھے)۔

اس وقت آئینہؑ یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

- ۱۔ لبوف، ص ۸۳، نفس المہوم، ص ۱۲۶۔
- ۲۔ ارشاد، ص ۲۵۳، طبری، ج ۶، ص ۲۴۰ وغیرہ۔
- ۳۔ طبری، ج ۶، ص ۲۴۱۔ نفس المہوم، ص ۱۲۳۔ مقتل الحسین، ص ۲۴۰۔
- ۴۔ ارشاد، ص ۲۵۳۔ کامل، ج ۳، ص ۲۸۵۔
- ۵۔ مقاتل الطالبین، ص ۸۲، (وہو الصحیح)۔
- ۶۔ ارشاد، ص ۳۵۳۔ نفس المہوم، ص ۱۲۴۔
- ۷۔ لبوف، ص ۷۱۔ مقتل الحسین، ص ۲۳۹۔



یا دھراف لک من خلیل کم لک بالاشراق و الاصل  
(من باب الحجاز زمانہ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں) اے دہر کج رفتار وائے ہو تجھ پر۔ تو کس قدر بُرا  
دوست ہے تیرے ہاتھوں صبح و شام کس قدر

من طالب و صاحب قتیل والدھر لا یقنع بالبدیل  
طالب حق اور ساتھی قتل کئے جاتے ہیں۔ اور تو (اے زمانہ) بدل و عوض پر قناعت نہیں کرتا (بلکہ اصل  
مطلوب کو ہی مارتا ہے)

و کلّ حیّ سالک سیل ما اقرب الوعد من رحیل  
ہر زندہ اس راہ (موت) پر چلنے والا ہے۔ جس پر میں چل رہا ہوں۔ دنیا سے کوچ کرنے کا وعدہ کس  
قدر جلدی آ گیا۔

و انما الامر الی الجلیل

تمام معاملات کی باگ ڈور رب جلیل کے قبضہ قدرت میں ہے۔

جب پدر بزرگوار نے دو تین بار ان اشعار کا تکرار کیا تو میں سمجھ گیا کہ مصیبت نازل ہو چکی ہے۔ میں تو صبر  
کر کے چپ ہو رہا۔ مگر جب میری پھوپھی نے امام کے یہ اشعار سنے تو چونکہ عورتیں رقیق القلب ہوتی ہیں۔ اس لیے  
پھوپھی جان تاب ضبط نہ لاسکیں۔ وہ بے چین ہو کر اٹھیں۔ در آنحالیکہ آپ کی چادر کا دامن زمین پر خط دیتا جا رہا تھا۔  
اور سیدھی بھائی کے خیمہ میں پہنچ کر بڑی بے چینی کے ساتھ بھائی کی خدمت میں عرض کیا: ﴿یا اخی هذا کلام من  
الیقن بالموت!﴾ بھائی جان! ایسا کلام تو وہ شخص کرتا ہے جسے اپنی موت کا یقین ہو۔ امام نے فرمایا: ﴿نعم یا  
اختہ!﴾ ہاں بہن حقیقت یہی ہے۔ امام کا یہ جواب سن کر بی بی اور بیتاب ہو گئیں۔ کہا: ﴿وانکلاہ لیت الموت  
اعلمنی الحیوۃ الیوم ماتت امی فاطمۃ و ابی علی و اخی الحسن یا خلیفۃ الماضین و ثمال  
الباقین!﴾ ہائے۔۔۔ کاش آج موت میری شمع حیات کو گل کر دیتی۔ اے جانشین رفتگان و جائے پناہ زندگان۔ میں  
سمجھتی ہوں آج ہی میری ماں فاطمہ زہراء، بابا علی مرتضیٰ اور بھائی حسن مجتبیٰ کی موت واقع ہوئی ہے۔ بی بی کی یہ  
بے تابی دیکھتے ہوئے پدر گرامی نے تسلی کے انداز میں بہن سے فرمایا: ﴿یا اختی لا ینذہبن حلمک الشیطان﴾  
پیاری بہن! بے صبری نہ کرو! مگر بہن کی یہ حالت دیکھ کر آپ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ﴿تفرقت عیناہ  
بالدموع﴾ آبدیدہ ہو کر فرمایا: ﴿لو ترک القطا لیلاً لنام﴾ اگر قوطا (نامی پرندہ) کو رات کے وقت چھوڑ دیا جاتا تو  
وہ سو جاتا۔ (مطلب یہ تھا کہ اگر ہمیں نانا کی امت آرام سے بیٹھنے دیتی) تو ہم سکھ کا سانس لیتے۔ مگر اب ناممکن ہے)



یہ سن کر پھوپھی امان نے ہمتن سوال بن کر پوچھا: ﴿یا ویلناہ افتغصب نفسک اغتصاباً فذلک اقبح لقلبی و اشد علی نفسی﴾ ہائے افسوس (بھائی جان) کیا آپ مجھ سے چھین لئے جائیں گے؟ یہ بات تو اور بھی میرے دل کو مجروح کرنے والی۔ اور مجھ پر سخت گراں ہے۔ یہ کہا اور پھر تاب ضبط نہ رہی۔ ہاتھوں سے منہ پیٹ لیا۔ اور گریباں چاک کر دیا۔ بعد ازاں غش کھا کر گر گئیں۔ والد ماجد نے اٹھ کر بہن کو افاقہ میں لانے کی کوشش کی۔ جب طبیعت ذرا سنبھلی۔ تو فرمایا: ﴿یا اختاہ تعزّی بعزاء اللہ و اعلمی ان اهل الارض یموتون و ان هل السماء لا یقون و ان کل شی ہالک الا وجه اللہ الذی خلق الخلق بقدرتہ و یبعث الخلق و یمیدہم و هو فرد و حدہ جدی خیر منی و ابی خیر منی و اخی خیر منی﴾۔ لکھل مسلم برسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ اسوۃ الخ بہن! صبر و ضبط سے کام لو۔ یقین رکھو۔ سب اہل زمین مرجائیں گے۔ اور اہل آسمان بھی ہمیشہ زندہ نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ سوائے ذات احدیت کے جس نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ اور پھر اپنی قدرت کے ساتھ انہیں دوبار اٹھائے گا۔ وہ ذات و صفات میں واحد و یگانہ ہے۔ میرا نانا مجھ سے بہتر تھا۔ میرا باپ مجھ سے بہتر تھا۔ اور میرا بھائی مجھ سے بہتر تھا (جب وہ دار دنیا سے اٹھ گئے تو میں کیوں کر ہمیشہ یہاں رہ سکتا ہوں)۔ ہر مسلمان کے لیے آنحضرتؐ کی سیرت میں تقلید و تاسی کے نمونے ہیں۔ امامؑ نے اس قسم کے کلمات کے ساتھ بہن کو تسلی دی۔ اور پھر فرمایا: ﴿یا اختی انی اقسمت علیک فابری قسمی لا تشقی علی حیثاً ولا تخمشی علی وجہا ولا تدعی علی بالویل و الشور اذا انا ہلکت﴾ بہن میں تمہیں قسم دیتا ہوں۔ میری قسم کو پورا کرنا کہ جب میں شہید ہو جاؤں تو نہ مجھ پر گریبان چاک کرنا۔ نہ منہ نوچنا۔ اور نہ واویلا کرنا۔ بعد ازاں والد معظم پھوپھی جان کو میرے پاس لائے۔ اور ان کو وہاں بٹھا کر خود اصحاب کے پاس تشریف لے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

(ایضاح) بعض کوتاہ اندیش حضرات امامؑ کی اس وصیت کو مراسم عزاء کے خلاف بطور دلیل پیش کیا کرتے ہیں جو کہ درست نہیں ہے۔ یہ ممانعت صرف تسکین و تسلی کی خاطر فرمائی گئی ہے۔ امامؑ نے دیکھا کہ جس شخصیت نے میرے بعد قافلہ کا سالار بننا ہے جب اس کی یہ حالت ہے کہ صرف میری شہادت کی خبر سن کر غش کھا رہی ہیں تو میری شہادت کے بعد ان کی کیا حالت ہوگی؟ اور اگر ان کی یہ کیفیت ہوئی تو اطفال خورد سال کا کیا حال ہوگا؟ جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے کہ اس قسم کے مواقع پر بزرگ اپنے عزیزوں کو ایسے تسلی آمیز کلمات کہا کرتے ہیں۔

۱۔ ارشاد، ص ۲۵۲، ۲۵۳۔ عاشر بحار الانوار، ص ۱۹۲۔ تقام ذخار، ص ۳۲۵۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۱۹۔ نفس المہموم، ص ۱۲۳۔ بیوف، ص ۷۳۔  
ذخ عظیم، ص ۳۲۸، طبع قدیم۔ مقتل الحسین، ص ۲۳۹ وغیرہ۔



## روزِ عاشوراء

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور ان کے اعزہ و اعموان کی بے مثال قربانیاں

شبِ عاشوراء اپنی تمام کیفیتوں سمیت ختم ہوئی۔ اور سپیدہ سحری نمودار ہوا۔ حضرت امام حسینؑ نے اصحاب و اقرباء کے ساتھ نماز صبح بجماعت ادا کی۔ وہ نماز جس کے تعقیبات میں کر بلا کا جہاد تھا۔<sup>۱</sup>  
بہر حال صبحِ عاشوراء ہر قسم کے قلق و اضطراب کے ساتھ نمودار ہوئی۔ وہ صبح جسے ابتدائے آفرینش سے لے کر فردائے قیامت تک ہر طلوع کرنے والی صبح پر شرف و فوقیت حاصل ہے وہ صبح عاشوراء تھی یا صبح قیامت؟ اس سوال کا جواب آسان نہیں ہے۔

گر خوانمش قیامت صغریٰ بعید نیست!

۱۔ روزِ عاشوراء اہل بیت رسولؐ اور ان کے نام لیواؤں کے لیے بڑے رنج و آلام کا روز ہے۔ اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ ائمہ اطہار علیہم السلام اس روز بہت گریہ و بکا فرماتے تھے اور شعائرِ حزن و ملال قائم کرتے تھے۔ اور اسے تمام ایامِ غم و عزاء پر فوقیت دیتے تھے۔ چنانچہ عبد اللہ بن فضل ہاشمی حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے: ﴿یابن رسول اللہ کیف صار یوم عاشوراء یوم مصیبة و جزع و بکاء﴾ یوم عاشوراء کیونکر حزن و ملال کا دن قرار پایا ہے؟ آپ نے فرمایا: ﴿ان یوم الحسین علیہ السلام اعظم مصیبة من جمیع سائر الایام و ذلک ان اصحاب الکساء الذین کانوا اکرم الخلق علی اللہ عزوجل کانوا حمسة فکان ذهابہ کذہاب جمیعہم کما کان بقاءہ کبقائہم جمیعہم فلذلک صار یومہ اعظم الایام مصیبة﴾ (وقائع ایام محرم، ص ۳۷۰) امام حسینؑ کی شہادت کا دن تمام ایام سے زیادہ باعثِ غم ہے۔ کیونکہ اصحابِ کساء پانچ افراد تھے جو تمام خلقِ خدا سے خدا کے نزدیک زیادہ مکرم و معظم تھے۔ ان سے امام حسینؑ آخری فرد تھے۔ لہذا ان کا دنیا سے چلا جانا مثل تمام اصحابِ کساء کے جانے کے تھا جس طرح ان کی بقاء تمام کی بقاء کے قائم مقام تھی۔

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿ان یوم الحسین افرح جفوننا و اسیل دموعنا و اذل عزیزنا بارض کرب و بلاء و اورثنا الکرب و البلاء الی یوم الانقضاء فعلی مثل الحسین علیہ السلام فلیبک الباکون فان البکاء علیہ یحط الذنوب العظام۔ ثم قال کان ابی اذا دخل شہر المحرم لم یرضا حکاً و کانت الکامة تغلب علیہ حتی یمضی منہ عشرة ایام فاذا کان یوم العاشوراء کان ذلک الیوم یوم مصیبة و حزنہ و بکائہ و یقول هو الیوم الذی قتل فیہ الحسین﴾ (نفس المہوم، ص ۲۱)

[بقیہ صفحہ نمبر ۳۱۶ پر]



اس صبح نے یہ انوکھا و نرالا منظر بھی دیکھا کہ ایک طرف تیس ہزار کے لشکر جبار کا سیل بے کراں اسلحہ جنگ سے لیس، مادی طاقت و قوت کے نشہ سے سرشار اور چور چور، خونخوار درندوں کو مات کر رہا ہے اور دوسری طرف مٹھی بھر نجابت و متانت اور شرافت و انسانیت کے پیکر بھوکے اور پیاسے انسان واجب الاحترام امام عالی مقام کی نصرت اور دین اسلام کی حمایت، حق کے احقاق اور باطل کے ابطال یعنی حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا کرنے کے لیے جذبہ شہادت سے سرشار، قوت ایمانی سے مثل سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے سینہ تان کر اور اہل باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے سکینہ و وقار کے ساتھ اذن جہاد کے منتظر کھڑے ہیں۔ ۷

خدا رحمت کند ایس عاشقانِ پاک طینت را

آہ وہ ریگستانی میدان، وہ آفت کی گرمی، وہ بلا کی دھوپ اور پانی کی بندش۔ گویا کر بلا کا میدان عرصہ محشر کا نمونہ تھا بلکہ اس سے زیادہ ہولناک، کیونکہ قیامت کے دن لوگ جس کی بدولت سایہ رحمت کے امیدوار ہوں گے اور جس کے تصدق میں ساقی کوثر سے پانی پیئیں گے۔ وہ کر بلا کی تابستانی مصیبت اور پیاس کی شدت اٹھا رہا تھا اور اہل بیت رسالت کا ہر چھوٹا بڑا تشنگی سے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ خیمہ مبارک میں ہر سمت العطش العطش کے نعرے بلند تھے۔ عابد بیمار اور اصغر شیر خوار کی حالت کسی سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ ۸

SIBTAIN.COM

[ بقیہ حاشیہ از صفحہ نمبر ۳۱۵ ]

امام حسین کے دن (یوم عاشوراء) نے ہماری آنکھوں کو زخمی کر دیا ہے اور ہمارے آنسوؤں کو بہا دیا اور زمین کر بلا میں ہمارے عزیز کو ذلیل کر کے قیامت تک ہمیں حزن و ملال دے دیا۔ رونے والوں کو حسین جیسے مظلوم امام پر رونا چاہیے کیونکہ ان پر رونا بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ پھر فرمایا: جب ہلال محرم نمودار ہو جاتا تھا تو میرے والد کو کوئی شخص ہستے ہوئے نہیں دیکھتا تھا اور روز عاشوراء تو ان کے لیے خاص گریہ و بکا کا دن ہوتا تھا۔

عبداللہ بن سنان بیان کرتے ہیں کہ میں بروز عاشوراء حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ﴿فالفیتہ کاشف اللون ظاہر الحزن و دموعہ تنحدر عن غینہ کاللولؤ النسا قط﴾ دیکھا آپ کا رنگ متغیر ہے۔ حزن و ملال ظاہر ہے اور آنکھوں سے آنسو موتیوں کی طرح ٹپک رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: ﴿یا بن رسول اللہ ما ابکی اللہ عینیک؟﴾ آپ کیوں گریہ فرما رہے ہیں۔ ﴿قال اولی غفلة انت ما علمت ان الحسین بن علی علیہما السلام اصیب فی مثل هذا اليوم﴾ امام نے فرمایا: کیا تم اس بات سے غافل ہو کہ آج کے دن ہی امام حسین شہید ہوئے تھے۔ میں نے عرض کیا: آج کے روزہ کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ فرمایا: ﴿صمہ من غیر تبیت و افطرہ من غیر تشمیت ولا تجعلہ یوم صوم کمالاً و لیکن افطارک بعد صلوۃ العصر بساعۃ علی شویۃ من ماء فانہ فی مثل ذلک الوقت تجلت الہیجا عن ال رسول اللہ الخ﴾ بغیر تبیت صوم کے نماز عصر تک فاقہ کریں۔ (وقائع ایام محرم، ص ۳۷۳، بحوالہ عاشر بحار و مصباح طوسی) لہذا ان احادیث شریفہ کی روشنی میں مومنین کرام کو چند عمل بجالانے چاہئیں۔

[ بقیہ صفحہ نمبر ۳۱۷ پر ]

ذبح عظیم، ص ۳۲۸، بحوالہ البلاغ، ص ۶۰۔



بہر کیف عمر بن سعد نے اس طرح اپنے لشکر کو مرتب کیا کہ میمنہ پر عمرو بن حجاج زبیدی، میسرہ پر شمر بن ذی الجوشن، سواروں پر عزہ بن قیس حمسی، اور پیادوں پر شبث بن ربعی کو افسر مقرر کر کے علم اپنے غلام درید کے حوالہ کیا۔<sup>۱</sup> ادھر امام عالی مقام نے اپنی مختصر سی جماعت کو بایں طور ترتیب دے کر میمنہ پر زہیر بن قیس، میسرہ پر حبیب بن مظاہر کو افسر مقرر کر کے علمدار جناب شہزادہ ابوالفضل العباس کو مقرر فرمایا۔<sup>۲</sup>

### لشکر مخالف کی تعداد کس قدر تھی؟

قبل اس کے کہ روز عاشوراء کے اصل حالات لکھے جائیں۔ یہاں اس امر کی تحقیق مناسب معلوم ہوتی ہے کہ لشکر مخالف کی تعداد کس قدر تھی؟ اور سپاہ امام کی تعداد کس قدر؟ سو پہلے امر کے متعلق مخفی نہ رہے کہ اہل سیر و تواریخ میں شدید اختلاف ہے۔ جس کی مختصر کیفیت مندرجہ ذیل بیانات سے بآسانی معلوم ہو سکتی ہے۔

[ بقیہ حاشیہ از صفحہ نمبر ۳۱۶ ]

(۱) صحیح مجلس عزاکا انعقاد کریں اور دل کھول کر گریہ و بکاء کریں۔ یہ عمل بہترین عبادت اور بخشش گناہان کا بہترین ذریعہ ہے۔ (۲) اس روز جب مؤمن آپس میں ملیں تو یہ کلمات تعزیت کہیں جو کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہیں۔ ﴿عظم اللہ اجورنا و اجورکم بمصابنا بالحین و جعلنا و اباکم من الطالبین بنارہ مع ولیہ المہدی من آل محمد علیہم السلام﴾ (کامل الزیارات ص ۱۷۵)۔ (۳) زیارت عاشورہ پڑھیں اور دوسرے وہ اعمال بجالائیں جو کتب عبادات مثل مفتاح الجنان، زاد المعاد اور مصباح الحججہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ (۴) بغیر روزہ کی نیت کئے فائدہ رکھیں اور عصر کے بعد غروب آفتاب سے ۲ گھنٹہ ۳۸ منٹ پہلے سادہ غذا اور پانی کے ساتھ فائدہ ٹھکن کریں۔ (۵) اس روز بغیر کسی اشد ضرورت کے کوئی دنیوی کاروبار نہ کریں اور نہ مال و دولت جمع کر کے ذخیرہ اندوزی کریں۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے، فرمایا: ﴿من ترک السعی فی حوائجہ یوم عاشوراء قضی اللہ لہ حوائج الدنیا و الآخرۃ و من کان یوم عاشوراء یوم مصیبتہ و حزنہ و بکائہ جعل اللہ عزوجل یوم القيامة یوم فرحہ و سرورہ و قوت بنا فی الجنان عینہ و من سہی یوم عاشوراء یوم برکۃ و ادخر فیہ لمنزلہ شیئاً لم یبارک لہ فیما ادخر و حشر یوم القيامة مع یزید و عبید اللہ بن زیاد و عمر بن سعد لعنہم اللہ فی اسفل درک من الجحیم﴾ (نفس المہوم، ص ۲۱)۔ (۶) قاتلان حسین اور ان کے اقرباء و اصحاب کے قاتلوں پر بکثرت لعنت کریں۔ کم از کم ایک ہزار بار یہ ورد کریں: ﴿اللہم العن قتلۃ الحسین و اصحابہ﴾۔ (۷) ہر قسم کی نفی و مذاق سے بھی اجتناب کریں۔ (۸) ہر قسم کی اچھی خوراک کھانے سے اور پوشاک پہننے سے اجتناب کریں۔ (۹) قیص وغیرہ کے ٹخن کھول دیں۔ آستین الٹ دیں۔ سر و پیشانی پر قدرے خاک یا راکھ ڈالیں غرضیکہ اہل حزن و ملال والی شکل بنائیں۔ (۱۰) ان تمام مظاہر غم کی روح رواں یہ بات ہے کہ حسینیؑ کردار و رفتار اختیار کریں اور پزیدی افعال سے اجتناب کرنے کا عزم کریں اور اس کا اپنی زندگی میں عملی ثبوت پیش کریں۔ تلک عشرۃ کاملہ۔ (منہ غنی عنہ)

۱۔ تاریخ طبری، ج ۶، ص ۲۴۱۔ نفس المہوم، ص ۱۲۷ وغیرہ۔

۲۔ عاشق بحار، ص ۱۹۲۔ لہوف، ص ۸۸۔ نفس المہوم، ص ۱۲۶۔ تاریخ، ج ۶، ص ۲۴۳۔ طبری، ج ۶، ص ۲۴۱۔

۳۔ منتخب التواریخ، ص ۲۲۸۔



(۱) چھ ہزار (تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی)۔ (۲) بیس ہزار (لہوف سید بن طاووس و تاریخ اعظم کوئی)۔ (۳) بائیس ہزار (مرآة الجنان یا فنی، مطالب السؤل، روضۃ الشہداء)۔ (۴) تیس ہزار (عاشر بحار۔ ناخ التوارخ وغیرہ)۔ (۵) پینتیس ہزار (مناقب شہر ابن آشوب)۔ (۶) پچاس ہزار (شرح شافیہ ابی فراس)۔ (۷) اکیاد ہزار (ناخ التوارخ)۔ (۸) اسی ہزار (مقتل ابی مخنف از دی)۔

یہ اختلاف بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئے کہ بعض نے ایک لاکھ بعض نے دو لاکھ، بعض نے تین لاکھ، بعض نے آٹھ لاکھ اور بعض نے نو لاکھ تک لکھ دیا۔ ان سب کی تفصیل مفصل موجب طوالت ہے۔ آقائے در بندی اس مبالغہ میں سب سے آگے بڑھ گئے۔ ان کا قول ہے کہ میدان کربلا میں چھ لاکھ سوار اور دو کروڑ پیادے جدال و قتال کے واسطے موجود تھے۔<sup>۱</sup> ان تمام اقوال میں سے (جو اکثر افراط و تفریط پر مشتمل ہیں) جس قول کو اکثر علماء محققین نے اختیار کیا ہے اور جس کو ارشاد معصوم کی تائید بھی حاصل ہے وہ یہ ہے کہ لشکر مخالف کی تعداد تیس ہزار تھی۔ عام اہل علم یا اہل تاریخ کے اقوال کی اس وقت تک وقعت ہوتی ہے جب تک قول معصوم معلوم نہ ہو۔ یا جب تک وہ اقوال ارشاد معصوم سے متصادم نہ ہوں مگر جب ارشاد معصوم مل جائے تو پھر ظاہر ہے کہ وہی حجت ہوگا اور اس کے بالمقابل دوسرے اقوال و آراء کی ہرگز کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔ یہی مذہب شیعہ کا طغرائے امتیاز ہے کہ وہ قول معصوم کے بالمقابل کسی بڑے سے بڑے عالم یا مؤرخ کے بیان کو پرکھ کے برابر بھی اہمیت نہیں دیتا۔ بنا بریں اس سلسلہ میں جب حضرت امام زین العابدینؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد موجود ہے کہ لشکر مخالف کی مجموعی تعداد تیس ہزار تھی تو پھر اس کے بعد دوسرے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔<sup>۲</sup> لہذا ماننا پڑے گا کہ فوج مخالف کی تعداد تیس ہزار ہی تھی۔

### سیاہِ حسینیؑ کی تعداد کس قدر تھی؟

باقی رہی دوسرے امر کی تحقیق کہ امامؑ عالی مقام کے انصار و اعوان کی تعداد کس قدر تھی؟ اس میں بھی شدید اختلاف ہے۔ (۱) مشہور و معروف یہ ہے کہ کل تعداد بہتر تھی۔ بایں تفصیل ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادے (حیات القلوب، مقتل عوالم، ارشاد شیخ مفید، کامل ابن اثیر، اخبار الدول، فتوح البلدان بلاذری، روضۃ الواعظین وغیرہ)۔ (۲) ۳۳ سوار، ۴۰ پیادے۔ کل تعداد بہتر (اعلام الوری شیخ ابوعلی طبری)۔ (۳) کل تعداد ستتر (۷۷) یا ساٹھ (حیوة الحیوان، دمری)۔ (۴) اٹھتر (۷۸) (فصول مہتمہ ابن صباغ مالکی)۔ (۵) بیاسی (۸۲) (مرآة الجنان یا فنی الدمعة

۱۔ مجاہد اعظم، ج ۱، ص ۱۹۸۔

۲۔ عاشر بحار، ص ۱۹۳۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۲۵۔ نفس المہوم، ص ۱۱۵۔ منتخب التوارخ، ص ۲۴۴۔



الساکبہ۔ مطالب السؤل)۔ (۶) اکٹھ (۶۱) (اثبات الوصیۃ)۔ (۷) بتیس (۳۲) سوار، ۸۲ پیادے، کل ۱۱۴ (مقتل محمد بن ابی طالب)۔ (۸) ۴۰ سوار، ۱۰۰ پیادے، کل ۱۴۰ (تاریخ طبری)۔ (۹) ۴۵ سوار، ۱۰۰ پیادے، کل ۱۴۵ (لہوف سید ابن طاووس)۔ (۱۰) ۷۰ سوار، ۱۰۰ پیادے، جملہ ۱۷۰ (تذکرہ خواص الامت)۔ (۱۱) ایک ہزار (شرح شافیہ ابی فراس)۔ (۱۲) کل ۲۲۴ تھے (فرسان البجاء)۔

اقوال و آراء کا یہ مختصر سامونہ آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہے۔ جہاں تک روایات اہل بیت کا تعلق ہے۔ ان سے نویں قول (۱۴۵) کی تائید ہوتی ہے۔ یہ روایات جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہیں۔<sup>۱</sup> لہذا اسے قبول کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

صاحب ناخ التوارخ مذکورہ بالا تمام تفصیلات لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ﴿ہمانا آنچه من بندہ از ایس استقرار و استیعاب بدست کردم انستکہ سپاہ امام حسینؑ از یکصد و چهل و پنج تن زیادت نبوده۔ و لشکر ابن زیاد از بیست ہزار کم تر نبوده و اگر پذیرائی روایات مختلفہ شویم منتہائی پذیرائی پنجاہ و یکزار است چہ من بندہ نام سرہنگان و شمار لشکری کہ در تحت فرمان ہر یک بوده مرقوم داشتم۔ لکن از اجتہاد بندہ چنان بر می آید کہ ابن زیاد پنجاہ و یکزار تن لشکرے را عرض داد و سرہنگان را بگماشت و از پس یکدیگر رواں می داشت اما افزوں از سی ہزار کس حاضر کربلا نشد۔ چون حسین علیہ السلام شہید شد حاجت بدیگران نیفتاد و العلم عند اللہ﴾<sup>۲</sup>

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ میدان کربلا میں فوج مخالف بیس ہزار سے کم اور تیس ہزار سے زیادہ نہ تھی اور سپاہ حسینیؑ کی تعداد ایک سو پچاس سے زیادہ نہ تھی۔ واللہ العالم و علمہ اتم و اکمل۔ جب مخالف کا ٹڈی دل لشکر پرے جما کر کھڑا ہو گیا۔ اور ادھر امام کا بعد اذکثر و بعظمت بہتر لشکر بھی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مقابلہ اہل باطل کے لیے ڈٹ گیا تو امام عالی مقام نے بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہو کر یہ دعا پڑھی۔

۱۔ مقتل الحسین، ص ۲۵۲۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۲۴۔

۲۔ عاشر بحار، ص ۱۹۲۔ لہوف، ص ۸۸۔ نفس المہموم، ص ۱۲۶۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۲۴۔

۳۔ ناخ التوارخ، ج ۶، ص ۲۲۵ طبع جدید۔



مخفی نہ رہے کہ اس دعائے مبارک کے راوی حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ہیں۔<sup>۱</sup>

اللَّهُمَّ أَنْتَ ثَقِيتِي فِي كُلِّ كَرْبٍ وَأَنْتَ رَجَائِي فِي كُلِّ شِدَّةٍ وَأَنْتَ لِي فِي كُلِّ أَمْرٍ نَزَلَ بِي ثِقَةٌ وَغُلَّةٌ كَمْ مِنْهُمْ يَضْعَفُ فِيهِ الْفَوَازُ وَتَقِلُّ فِيهِ الْحِيلَةُ وَيَحْدُلُ فِيهِ الصَّدِيقُ وَيَشْمُتُ فِيهِ الْعَدُوُّ أَنْزَلْتَهُ بِكَ وَشَكْوَتُهُ إِلَيْكَ رَغْبَةً عَمَّنْ سِوَاكَ فَفَرَّجْتَ عَنِّي وَكَشَفْتَ وَكَفَيْتَهُ فَأَنْتَ وَلِيُّ كُلِّ نِعْمَةٍ وَصَاحِبُ كُلِّ حَسَنَةٍ وَمُنْتَهَى كُلِّ رَغْبَةٍ۔

### بعض بے دینوں کی گستاخیاں اور سزایابیاں

جیسا کہ شب عاشوراء کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔ حضرت سید الشہداءؑ نے حفاظت خود اختیاری کے طور پر اپنے خیام کے تین جانب (دائیں، بائیں اور عقب) خندق کھدوا کر اسے لکڑیوں سے بھروا دیا تھا۔ اب صبح ہوتے ہی اس میں آگ روشن کرادی۔ ابن سعد کے فوجی امام عالی مقام کے خیام کے ارد گرد گھومتے اور یہ منظر دیکھتے تھے۔ اسی اثناء میں شمر بن ذی الجوشن ملعون اسلحہ جنگ سے لیس ہو کر وہاں سے گزرا۔ اور باواز بلند امامؑ کو خطاب کر کے یہ گستاخانہ جملہ کہا: ﴿یا حسین! تعجلت بالنار قبل يوم القيامة﴾ اے حسین! قیامت کی آگ سے پہلے آگ روشن کرنے میں جلدی کی ہے۔ (خاک بدہن قائل) امامؑ نے اس کا یہ کلام نافر جام سن کر فرمایا: ﴿من هذا كانه شمر بن ذی الجوشن؟﴾ یہ کون ہے؟ شاید شمر ہے؟ اصحاب نے عرض کی ہاں وہی ہے! امامؑ نے اس سے فرمایا: ﴿یا بن راعیة المعزی انت اولی بها منی صلیاً﴾ او بکریاں چرانے والی عورت کے بیٹے! تو آگ کا مزہ چکھنے کا زیادہ سزاوار ہے۔ جناب مسلم بن عوسجہ نے چاہا کہ اس ملعون کو تیر کا نشانہ بنائے۔ مگر امامؑ نے اسے روک دیا۔ ابن عوسجہ نے عرض کی: فرزند رسول! یہ فاسق دشمن خدا اور بڑا زبردست جابر و سرکش ہے۔ اور اس وقت میرے تیر کی زد میں ہے۔ آپ مجھے نہ روکیں تو میں اسے اس کے کیفر کردار تک پہنچا دوں۔ مگر مصلحت شناس امامؑ نے یہ سمجھ کر کہ ابتداء جنگ کا الزام آپ پر عائد نہ ہو۔ یہ فرما کر اسے منع فرمایا کہ ﴿فانی اکوہ ان ابداهم بقتال﴾ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ میری طرف سے جنگ کی ابتداء ہو۔<sup>۲</sup>

اس کے بعد ایک اور خبیث نے اپنی شقاوت کا مظاہرہ کیا۔ وہ ابن ابی جویریہ مزینی تھا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے کنارے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور اس منظر کو بنظر تعجب دیکھ کر یوں کفر آمیز کلمے کہنے شروع کئے۔ ﴿یا حسین و یا اصحاب الحسین! ابشروا بالنار فقد تعجلتموها فی الدنیا﴾ اے حسین و اصحاب حسین! تمہیں آتش

۱۔ ارشاد، ص ۲۵۴۔ نفس المہوم، ص ۱۲۷۔ کمال ابن اثیر، ج ۲، ص ۲۲۔

۲۔ ارشاد، ص ۲۵۴۔ نفس المہوم، ص ۱۲۷۔ طبری، ج ۶، ص ۲۴۲ وغیرہ۔



دوزخ کی بشارت ہو۔ کہ تم نے دنیا ہی میں اس کے حاصل کرنے میں جلدی کی ہے (خاک بدہن قائل باد) امام نے دریافت کیا: یہ کون ہے؟ عرض کیا گیا کہ ابن ابی جویریہ ہے۔ امام نے فرمایا: ﴿اتعیرنی بالنار و انا قادم علی رب کریم﴾ کیا تو مجھے آتش دوزخ کا طعنہ دیتا ہے؟ حالانکہ میں تو کریم و رحیم پروردگار کی بارگاہ میں جا رہا ہوں۔ اس کے بعد بارگاہ ایزدی میں عرض کیا: ﴿اللہم اذقہ عذاب النار فی الدنیا﴾ بارالہا! اسے دنیا میں عذاب آتش کا ذائقہ چکھا۔ راویان اخبار کا بیان ہے کہ ادھر امام نے بددعا کی اور ادھر اس شقی کے گھوڑے نے بدکنا شروع کیا۔ جس کے نتیجہ میں یہ ملعون زین سے زمین پر اس طرح گرا کہ اس کی ایک ٹانگ رکاب میں اٹک گئی۔ اس حالت میں گھوڑے نے اسے خندق میں لا ڈالا۔ جہاں آگ روشن تھی اور وہ ملعون جل کر خاکستر ہو گیا۔ یہ منظر دیکھ کر اصحاب حسینؑ نے فرحت و انبساط کے عالم میں کہا: ﴿یا من دعوة ما اسرع اجابتھا﴾ سبحان اللہ یہ دعا کس قدر جلد قبول ہوئی ہے۔<sup>۱</sup>

بعض کتابوں میں ایک اور گستاخ کا واقعہ بھی ملتا ہے۔ اور وہ ہے تمیم بن الحسین الفزاری، اس بد بخت نے امام عالی مقام اور ان کے اصحاب ذی شان کو خطاب کرتے ہوئے یوں اپنی خباثت و شقاوت کا اظہار کیا۔ ﴿یا حسین و یا اصحاب الحسین اما ترون الی ماء الفرات یلوح کانه بطون الحیات و اللہ لا ذقتم منه قطرة حتی تذوقوا الموت جرعا﴾ اے حسین و اصحاب حسین! کیا آب فرات کو دیکھ رہے ہو جو شکم مار کی طرح روشن درواں ہے؟ خدا کی قسم تم اس کا ایک قطرہ بھی نہیں پی سکتے۔ حتیٰ کہ اسی تشنگی کی حالت میں آب مرگ پیو۔ امام نے اس کا یہ گستاخانہ کلام سن کر دریافت کیا: یہ کون ہے؟ اصحاب نے عرض کیا: تمیم بن حسین ہے! امام نے فرمایا: ﴿هذا و ابوہ من اهل النار اللہم اقتل هذا عطشا فی هذا الیوم﴾ یہ اور اس کا باپ دونوں جہنمی ہیں۔ اس کے بعد بارگاہ ایزدی میں عرض کیا: بارالہا! اس کو آج ہی پیاس سے ہلاک کر۔ اس بددعا کا یہ اثر ہوا کہ وہ ملعون اسی وقت شدت پیاس میں کچھ اس طرح گرفتار ہوا کہ گھوڑے پر سنبھل نہ سکا۔ گر پڑا اور بلک بلک کر زیر سم آسپاں دم توڑ دیا۔<sup>۲</sup> لعنة اللہ علیہم اجمعین۔

۱۔ ناخ التواریخ، ج ۶، ص ۲۳۸۔ مجمع الزوائد للسیوطی، ج ۹، ص ۱۹۳۔ لوائح الاشجان، ص ۱۰۰۔ کامل ابن الاثیر، ج ۴، ص ۲۷۔ کامل میں اس ملعون کا نام عبد اللہ بن حوزہ تمیمی لکھا ہے، نیز کامل میں یہ بھی لکھا ہے کہ مروقی بن وائل حضری یہ اعجاز امام دیکھ کر لشکر ابن سعد سے علیحدہ ہو گیا۔

۲۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۳۹۔ لوائح الاشجان، ص ۱۰۱۔



## اتمامِ حجت کے لیے امام کا بروزِ عاشوراء خطبہ

واقعاتِ کربلا کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بروزِ عاشوراء طرفین سے صف بندی ہو جانے کے بعد بھی کافی دیر تک جنگ شروع نہیں ہوئی۔ بظاہر اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ہر فریق ابتداءً جنگ کی ذمہ داری دوسرے فریق پر ڈالنا چاہتا تھا۔ دشمن کی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح امام حسینؑ کی طرف سے پہل ہو۔ اور امامؑ چاہتے تھے کہ جارحیت کی ابتداء ابن سعد ہی کی طرف سے ہو۔ بلکہ آپ ہر ممکن طریقہ سے مخالفین کو راہِ راست پر لانے کی برابر کوشش فرما رہے تھے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی امامؑ کا وہ تاریخی خطبہ بھی ہے جو آپؑ نے اتمامِ حجت کے لیے اس دن بین الصفین اپنی ناقہ پر سوار ہو کر اور قرآن کو سامنے رکھ کر بلند آواز سے ارشاد فرمایا۔ جبکہ حضرت رسول خدا کا عمامہ بر سر اور آپ کی رداء دربر اور پہلو میں آں حضرت کی تلوار لٹکائے ہوئے تھے۔

(نہضۃ الحسین، ص ۹۴) \*

﴿ایہا الناس اسمعوا قولي ولا تعجلو حتی اعظکم بما یحق لکم علی و حتی اعذر الیکم من مقدمی علیکم فان قبلتم عذری و صدقتم قولي و اعطیتونی النصف کنتم بذلك اسعد ولم یکن لکم علی سبیل و ان لم تقبلوا منی العذر ولم تعطوا النصف من انفسکم فاجمعوا امرکم و شرکائکم ثم لا یکن امرکم علیکم غمۃ ثم اقصوا ولا تنظروں ان ولی اللہ الذی نزل الکتاب و هو یتولی الصالحین﴾

ایہا الناس! میری بات سنو۔ اور جلدی نہ کرو تا کہ وعظ و نصیحت کا جو حق میرے ذمہ ہے وہ میں پورا کر لوں۔

\* اکثر کتب سیر و تواریخ میں مرقوم ہے کہ جب سرکارِ سید الشہداء اپنا یہ تاریخی خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے میدانِ کارزار میں نکلے تو آپ کے چند اصحاب بھی ہمراہ تھے۔ آگے آگے جناب بریر ہدانی تھے۔ جب قومِ اشقیاء کا آسا سنا ہوا تو آنجناب نے بریر کو حکم دیا: ﴿کلم القوم﴾ تم ان لوگوں سے بات کرو۔ چنانچہ جناب بریر نے فرمایا: ﴿یا قوم اتقوا اللہ فان ثقل محمد قد أصبح بین اظہرکم ہؤلاء ذریتہ و عترتہ و بناقدہ و حرمہ فہاتوا بہم﴾ اے قوم! اللہ سے ڈرو! اس وقت خانوادہ نبوت تمہارے درمیان فرد کش ہے۔ بتاؤ تم ان سے کیا سلوک کرنا چاہتے ہو؟ قومِ اشقیاء نے جواب دیا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کو امیر عبید اللہ ابن زیاد کے حوالہ کریں تاکہ وہ جو چاہے۔ ان کے ساتھ سلوک کرے! بریر نے فرمایا: ﴿اھلا تقبلون منہم ان یرجعوا الی المکان الذی جافوا منہ و یلکم یا اھل الکوفۃ انسیتم کتبکم و عہودکم التی اعطیتموھا و اشہدتم اللہ علیھا یا و یلکم ادعوتم اھل بیت نبیکم و زعمتم انکم تقتلون انفسکم دونہم حتی اذا اتوکم اسلمتموھم و حللتموھم عن ماء الفرات بنس ما خلفتم نبیکم فی ذریتہ مالکم لا سقاکم اللہ یوم القیامۃ فینس القوم انتم﴾ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ یہ واپس چلے جائیں؟ اے اہل کوفہ تم پر افسوس ہے کیا تم اپنے خطوط اور وہ عہد و پیمان بھول گئے جو تم نے ان کے ساتھ کئے تھے۔

[ بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۳ پر ]



اور اپنے یہاں حاضر ہونے کی وجوہ کی وضاحت بھی کر دوں۔ پس اگر تم نے میری بات قبول کر لی اور انصاف سے کام لیا تو سعید اور نیک ہو جاؤ گے اور تمہیں مجھ سے لڑنے بھگڑنے کی کوئی گنجائش نہ رہے گی۔ اور اگر میری بات نہیں سنو گے اور نہ ہی انصاف سے کام لو گے تو پھر تم اپنی قوت مجتمع کر لو۔ اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔ میرا سر پرست وہ خدا ہے جس نے قرآن نازل کیا ہے اور وہی نیک بندوں کی سرپرستی فرماتا ہے۔

راویان اخبار کا بیان ہے کہ جب امام عالی مقام کا یہ کلام اس مقام تک پہنچا اور خیام میں آپ کی بہنوں اور بیٹیوں نے سنا تو خیام میں گریہ و بکاء کا کہرام مچ گیا۔ آنجناب نے قمر بنی ہاشم ابو الفضل اور شہزادہ علی اکبر کو بھیجا کہ جا کر متحد رات کو خاموش کرائیں۔ ان کے رونے کا وقت بہت پڑا ہے۔ جب یہاں خاموش ہو گئیں تو آنجناب نے اس شان فصاحت و بلاغت سے خدائے واحد و یکتا کی حمد و ثنا اور جناب رسول خدا ﷺ اور ملائکہ و انبیاء پر اس انداز سے درود و سلام بھیجا کہ اہل تاریخ کا بیان ہے: ﴿لَمْ يَسْمَعْ مَتَكَلِّمَ قَطُّ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ اَبْلَغُ فِي مَنْطِقٍ مِنْهُ﴾ ان سے پہلے اور ان کے بعد ان سے زیادہ کوئی فصیح و بلیغ متکلم نہیں سنا گیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿اَمَّا بَعْدُ فَاَنْسَبُونِي وَاَنْظُرُوا مِنْ اَنَا؟ ثُمَّ ارْجِعُوا اِلَى اَنْفُسِكُمْ فَاَنْظُرُوا اَهْلَ يَصْلَحُ لَكُمْ قَتْلِي وَاَنْتِهَآكُ حَرَمَتِي اَلَسْتُ اَبْنِ نَبِيِّكُمْ وَاَبْنِ وَصِيٍّ وَاَبْنِ عَمٍّ وَاَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ الْمَصْدَقَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهِ بِمَا جَاءَ بِهِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ اَوْ لَيْسَ حَمَزُهُ سَيِّدُ الشَّهَدَاءِ عَمَّ اَبِي اَوْ لَيْسَ جَعْفَرُ الطَّيَّارِ فِي الْجَنَّةِ بِجَنَاحَيْنِ عَمِّي اَوْ لَمْ يَبْلُغْكُمْ مَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهِ لِي وَلَا خِيَّ هَذَا سَيِّدُ اَشْبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَاِنْ صَدَقْتُمُونِي بِمَا اَقُولُ وَهُوَ الْحَقُّ وَاللّٰهُ مَا تَعَمَّدَتْ كَذْبًا مِنْذُ عَلِمْتُ اَنَّ اللّٰهَ يَمَقِّتُ عَلَيْهِ اَهْلَهُ وَاِنْ كُنْتُمْ كَذَبْتُمُونِي فَاِنْ فِيكُمْ مَنْ اَنْ سَلْتُمُوهُ عَنْ ذَلِكَ اَخْبِرْكُمْ سَلُّوا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ

۱۔ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۸۷۔

[بقیہ حاشیہ از صفحہ نمبر ۳۲۲]

تم نے تو اہل بیت رسول کو یہ کہہ کر بلایا تھا کہ ان پر اپنی جانیں قربان کر دو گے۔ مگر جب وہ تشریف لائے تو تم نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور آپ فرات سے دور کر دیا تم نے آں حضرت کے بعد ان کی عزت سے بہت ہی برا سلوک کیا۔ اور تم بہت برے لوگ ہو۔ کچھ لوگوں نے جواب میں کہا۔ ہم نہیں سمجھتے تم کیا کہہ رہے ہو؟ بریر نے فرمایا: ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي زَادَنِي فِيكُمْ بَصِيرَةً اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَبْرَأُ اِلَيْكَ مِنْ فِعَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ اَللّٰهُمَّ اَلْقِ الْبَاسَ بَيْنَهُمْ حَتّٰى يَلْقَوْكَ وَاَنْتَ عَلَيْهِمْ غَضَبَانِ﴾ خدا کا شکر ہے جس نے مجھے تمہارے متعلق زیادہ بصیرت عطا فرمائی ہے۔ یا اللہ میں تیری بارگاہ میں ان لوگوں کے افعال سے اظہار بیزاری کرتا ہوں۔ یا اللہ ان کے درمیان باہمی اختلاف و قتال واقع کرنا کہ جب تیری بارگاہ میں حاضر ہوں تو تو ان پر غضبناک ہو۔ قوم اشیاء نے اس وقت ان پر تیرے سامنے شروع کر دیے۔ جناب بریر مایوس ہو کر واپس پلٹ آئے اور جناب سید الشہداء نے آگے بڑھ کر خطبہ ارشاد فرمانا شروع کیا۔

(لوحج الاشجان، ص ۱۰۱۔ نفس المہوم، ص ۱۳۰۔ تاریخ التواریخ، ج ۶، ص ۲۳۱ وغیرہ)



اللہ الانصاری و ابا سعید الخدری و سهل بن سعد الساعدی و زید بن ارقم و انس بن مالک۔  
 يخبروكم انهم سمعوا هذه المقالة من رسول الله صلى الله عليه و آله لى و لاخى اما فى هذا حاجز  
 لكم عن سفك دمي؟ ﴿﴾

اے لوگو! میرے حسب و نسب پر غور کرو اور دیکھو میں کون ہوں؟ پھر اپنے آپ کی ملامت کرو اور سوچو کہ آیا تمہارے لیے میرا قتل کرنا اور میری ہتک حرمت کرنا روا ہے؟ کیا میں تمہارے پیغمبر کا فرزند نہیں ہوں! اور کیا میں تمہارے پیغمبر کے وحی۔ ان کے ابن عم اور سب سے پہلے تصدیق نبوت و رسالت کرنے والے بزرگوار کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا جناب حمزہ سید الشہداء میرے والد کے چچا نہیں ہے؟ کیا جعفر طیار میرے چچا نہیں؟ کیا جناب رسول خدا کا یہ ارشاد تمہارے گوش گزار نہیں ہوا جو انہوں نے میرے اور میرے بھائی (امام حسن) کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ دونوں جو انان جنت کے سردار ہیں؟ اگر تم اس بات میں میری تصدیق کرتے ہو جو کہ بالکل برحق ہے کیونکہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تو فیہا ورنہ ابھی وہ آدمی زندہ موجود ہیں جن سے اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ جابر بن عبد اللہ انصاری اور ابو سعید خدری، سهل بن سعد ساعدی، زید بن ارقم اور انس بن مالک سے دریافت کرو! وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے گوش خود جناب رسول خدا کی زبانی یہ حدیث سنی ہے جو آپ نے میرے اور میرے بھائی کے حق میں ارشاد فرمائی ہے۔ کیا میرا خون بہانے کے اس میں مانع موجود نہیں ہے؟

جب آنجناب کا کلام حقیقت ترجمان اس مقام تک پہنچا تو شمر ذی الجوشن ملعون نے کلام کو قطع کرتے ہوئے کہا: ﴿هو يعبد الله على حرف ان كان يدري ما تقول﴾ کہ میں خدا کی ایک حرف پر عبادت کروں (منافق ہوں) جو میری سمجھ میں کچھ آ رہا ہو کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ امام نے اس خبیث کو کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ جناب حبیب بن مظاہر نے اس کے جواب میں کہا: ﴿والله انى لاراك تعبد الله على سبعين حرفاً و انا اشهد انك صادق ما تدري ما يقول قد طبع الله على قلبك﴾ بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ تو ستر حرفوں پر خدا کی عبادت کرتا ہے (بہت بڑا مکار و عیار ہے) اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو سچ کہہ رہا ہے۔ واقعاً تو کچھ نہیں سمجھ رہا کہ آنجناب کیا فرما رہے ہیں کیونکہ خدا نے تیرے دل پر (تیرے کفر و نفاق کی وجہ سے) مہر لگا دی ہے۔ اس کے بعد امام علیؑ نے پھر سلسلہ کلام جاری کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فان كنتم فى شك من هذا فتشكون انى ابن بنت نبيكم فوالله ما بين المشرق و المغرب ابن بنت نبي غيرى فيكم و لا فى غيركم و يحكمم انظلموني بقتل قتلته او مال استهلكه او بقصاص جراحه﴾ اگر تمہیں میرے سابقہ بیان میں شک ہے تو کیا اس بات میں بھی شک کر سکتے ہو کہ میں تمہارے پیغمبر کی دختر کا فرزند ہوں؟ خدا کی قسم اس وقت مشرق سے لے کر مغرب تک



میرے علاوہ کہیں بھی نبی کی دختر کا بیٹا موجود نہیں ہے! وائے ہو تم پر کیا میں نے تمہارا کوئی آدمی قتل کیا ہے جس کا مجھ سے بدلہ لینا چاہتے ہو؟ یا میں نے تمہارا کچھ مال ضائع کیا ہے؟ جس کا مجھ سے مطالبہ کرتے ہو؟ یا کسی کو زخمی کیا ہے جس کا تم مجھ سے قصاص لینا چاہتے ہو؟

راویان اخبار کا بیان ہے کہ جب امام علیؑ دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا یہ کلام بلاغت نظام کر رہے تھے تو مجمع پر بالکل سناٹا طاری تھا۔ فوج مخالف ہمہ تن گوش بنی ہوئی ساکت و صامت کھڑی تھی۔ اس وقت امام علیؑ نے فوج مخالف کے چند سربراہ آوردہ اشخاص کو نام بنام پکارتے ہوئے فرمایا: ﴿یا شبث بن ربعی و یا حجار بن ابجر و یا قیس بن الاشعث و یا یزید بن الحارث الم تکتبوا الی ان قد ابنت الحمار و اخضرت الجنات و انما تقدم علی جند لک مجنب فاقبل﴾ اے شبث بن ربعی! کیا تم نے اپنے دعوتی خطوط میں مجھے نہیں لکھا تھا کہ پھل پک چکے ہیں اور باغات سرسبز و شاداب ہیں۔ جب آپ آئیں گے تو لشکر آپ کی نصرت کے لیے آمادہ ہوں گے؟ مگر فسق و فجور کے ان پیکروں نے حکومت وقت کے خوف سے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ انکار کر دیا۔ اور صاف صاف کہہ دیا کہ ہم نے اس قسم کے کوئی خطوط نہیں لکھے تھے۔ امام علیؑ نے تعجب کے لہجہ میں فرمایا: ﴿سبحان اللہ بلی و اللہ فعلتم، سبحان اللہ﴾ خدا کی قسم ضرورتاً میں نے ایسا کیا تھا، پھر فرمایا: ﴿ایہا الناس اذکر ہتمونی لدعونی انصرف عنکم الی مأمنی من الارض؟؟﴾ اے لوگو! اگر تمہیں میرا یہاں آنا گوارا نہیں ہے تو پھر مجھے چھوڑ دو تا کہ میں کسی جائے امن میں چلا جاؤں!

اس وقت قیس بن الاشعث نے کہا: ہم نہیں سمجھتے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ یزید کا مطالبہ بیعت کیوں نہیں تسلیم کر لیتے؟ امام علیؑ نے فرمایا: ﴿لا واللہ لا اعطیکم بیدی اعطاء الذلیل ولا اقر اقرار العبید﴾ نہ بخدا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں کبھی ذلیل آدمی کی طرح اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہیں دوں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح اس بات کا اقرار کروں گا۔

پھر پکار کر فرمایا:

﴿یا عباد اللہ انی عدت بربی و ربکم ان ترجمون انی اعوذ بربی و ربکم من متکبر لا یؤمن بیوم الحساب﴾

اے خدا کے بندو! میں اپنے اور تمہارے پروردگار سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم مجھے کوئی گزند پہنچاؤ۔ اور اپنے اور تمہارے پروردگار سے ہر اس متکبر اور سرکش سے پناہ مانگتا ہوں جو روز قیامت پر ایمان نہیں لاتا۔



اس کے بعد امام نے اپنی ناقہ بٹھادی۔ اور عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اسے باندھ دے۔ چنانچہ اس نے اسے باندھ دیا۔<sup>۱</sup>

آنجناب کا یہ تاریخی خطبہ قدرے مختلف الفاظ و عبارات کے ساتھ تمام کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہے۔ حتیٰ کہ سرسری نگاہ سے دیکھنے والا آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ آنجناب نے روز عاشورا کئی بار قوم اشقیاء کو خطاب کیا ہے اگرچہ یہ احتمال بعید از عقل نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض اہل علم کا یہی خیال ہے۔<sup>۲</sup> لیکن پورے واقعات کا بنظر غائر جائزہ لینے کے بعد اس خیال کی تائید نہیں ہوتی بلکہ یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آنجناب نے ایک ہی خطبہ ارشاد فرمایا ہے جس کے الفاظ میں قدرے اختلاف ہے۔ جسے ہم نے مستند کتب سے پیش کر دیا ہے۔ بعض ناقلان آثار کے قول کے مطابق اسی خطبہ میں آنجناب نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ﴿الا و ان الدعی بن الدعی قدر کذبین اثنتین بین السلة و الذلة و هیہات منا الذلة یا بی اللہ ذلک لنا و رسولہ و المؤمنون و حجور طابت و طہرت و انوف حمیة و نفوس ابیة من ان نؤثر طاعة اللنام علی مصارع الکرام﴾ حرام زادے اور حرام زادے کے بیٹے نے مجھے دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ موت یا ذلت (کی زندگی) لیکن خدا، رسول، اہل ایمان، پاک و پاکیزہ گودیں، باحمیت چہرے اور ذلت قبول کرنے سے انکار کرنے والے نفوس عالیہ اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ ہم کمینوں کی اطاعت کو شریفوں کی شریفانہ موت پر ترجیح دیں۔<sup>۳</sup>

تاریخی شواہد و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ آنجناب کے اس خطبہ شریفہ کے بعد آپ کے بعض اصحاب اطیب نے بھی مزید اتمام حجت کی خاطر قوم اشقیاء سے خطاب کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جناب زہیر بن قین کا اسم گرامی نمایاں طور پر نظر آتا ہے وہ اس حال میں قوم اشقیاء کے سامنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے کہ سر سے پاؤں تک اسلحہ جنگ میں غرق تھے۔ انہوں نے یوں سلسلہ کلام کا آغاز کیا۔

﴿یا اهل الکوفة نذار لکم من عذاب اللہ نذار ان حقاً علی المسلم نصیحة اخیه المسلم و نحن حتی الان اخوة علی دین و احد و ملّة و احدة مالم یقع بیننا و بینکم السیف و انتم للنصیحة منا اهل فاذا وقع السیف انقطعت العصمة و کنا نحن امة و انتم امة ان اللہ قد ابتلانا و ایاکم بذریة

۱۔ تمام ارباب مقاتل نے آنجناب کا یہ خطبہ نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ارشاد، ص ۲۵۶۔ عاشر بحار، ص ۱۹۳۔ نفس المہموم، ص ۱۲۶، ۱۲۹۔

لوائح الاشجان، ص ۱۰۴۔ ناسخ، ج ۶، ص ۲۴۱۔ نہضۃ الحسین، ص ۹۶۔ الدمعة الساکبہ، ص ۳۲۸۔

۲۔ مقتل الحسین للمقرم، ص ۲۵۴ وغیرہ۔

۳۔ نفس المہموم، ص ۱۳۲۔ لبوف، ص ۸۶۔ لوائح الاشجان، ص ۱۰۶۔ نہضۃ الحسین، ص ۹۶ وغیرہ۔



نبیہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ لينظر ما نحن و انتم عاملون انا ندعوکم الی نصرہم و خذلان الطاغیۃ بن الطاغیۃ عبید اللہ بن زیاد فانکم لا تدركون منهما الا سوء یسملان اعینکم و یقطعان ایدیکم و ارجلکم و یمثلان بکم و یرفعانکم علی جذوع النخل و یقتلان أمانلکم و قرانکم امثال حجر بن عدی و اصحابہ و ہانی بن عروہ و اشباہہ ﴿

اے اہل کوفہ اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو نصیحت کرے۔ ابھی تک ہم تم بھائی بھائی ہیں۔ اور ایک ہی ملت پر ہیں۔ ہاں جب جنگ شروع ہو گئی تو پھر یہ رشتہ منقطع ہو جائے گا اور ہم تم علیحدہ علیحدہ ملتوں کے تابع دار ہو جائیں گے۔ خدا نے جناب رسول خدا کی ذریت کے معاملہ میں ہماری اور تمہاری آزمائش کی ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہم اور تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ ہم تم کو ذریت رسول کی نصرت اور سرکش پر سرکش ابن زیاد کے چھوڑنے کی دعوت دیتے ہیں۔ یاد رکھو یزید اور ابن زیاد تم سے سوائے برائی کے اور کوئی اچھا سلوک نہیں کریں گے وہ تمہاری آنکھوں میں سلائیاں پھراتے ہیں اور تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹتے ہیں اور تمہارا مثلہ کراتے ہیں اور تمہیں سویلوں پر لٹکواتے ہیں۔ اور جناب حجر بن عدی اور ہانی بن عروہ جیسے صالح اور معزز اشخاص کو قتل کراتے ہیں۔

جب جناب زہیر کا کلام یہاں تک پہنچا تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ مخالفین نے جناب زہیر پر سب و شتم اور ابن زیاد کی مدح و ثنا شروع کر دی اور کہا: ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں ٹلیں گے جب تک آپ کے امام اور ان کے ہمراہیوں کو شہید نہ کر دیں گے۔ یا ان کو اور ان کے ساتھیوں کو زندہ پکڑ کر ابن زیاد کے پاس نہ لے جائیں گے۔

اس پر جناب زہیر نے فرمایا: ﴿یا عباد اللہ ان ولد فاطمة علیہا السلام احق بالود و النصر من ابن سمیۃ فان لم تنصروہم فاعیذکم باللہ ان تقتلوہم خلوا بین هذا الرجل و بین ابن عمہ یزید بن معاویۃ فلعمری ان یزید لیرضی عن طاعتکم بدون قتل الحسین علیہ السلام ﴿

اے اللہ کے بندو! ابن سمیۃ کی نسبت فرزند فاطمہ نصرت و محبت کے زیادہ مستحق ہیں۔ لہذا اگر تم ان کی امداد نہیں کرتے تو کم از کم ان کو قتل تو نہ کرو۔ تم ان کو اور یزید کو ان کے حال پر چھوڑ دو بخدا یزید قتل حسین کے بغیر تمہاری اسی قدر اطاعت پر بھی تم سے راضی ہو جائے گا۔

جناب زہیر کا سلسلہ کلام جاری تھا کہ شمر ذی الجوشن ملعون نے انہیں تیر مارا اور یہ کہہ کر کہ خاموش ہو، خدا تجھے خاموش کرے۔ تو نے طول کلام سے ہمارا دماغ پریشان کر دیا ہے۔ سلسلہ کلام قطع کر دیا۔ جناب زہیر نے فرمایا: اے ایڑیوں پر پیشاب کرنے والے (جاہل) کے بیٹے! میں تجھ سے خطاب نہیں کر رہا تو ایک وحشی جانور ہے۔ بخدا



تمہیں تو کتابِ خدا کی دو آیتیں بھی درست یاد نہیں۔ میں تمہیں بروز قیامت ذلت و رسوائی اور عذابِ الہی کی خبر سناتا ہوں۔ شمر نے کہا: ابھی ابھی تمہارے اور تمہارے ساتھی کا کام تمام ہوا چاہتا ہے۔ جناب زہیر نے فرمایا: ﴿افياالموت تخوفنى فوالله للموت معه احب الى من الخلد معكم﴾ کیا تو مجھے موت سے ڈراتا ہے؟ خدا کی قسم امام برحق کے ساتھ مرنا مجھے تمہارے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے سے زیادہ پسند ہے۔ پھر بآواز بلند لوگوں نے فرمایا: ﴿عباد الله لا يغرنكم من دينكم هذا الجلف الجافى و اشباهه فوالله لا تنال شفاعه محمد صلى الله عليه و اله قوما اهرقوا دماء ذريته و اهلبيته و قتلوا من نصرهم و ذب عن حريمهم﴾ اے اللہ کے بندو! یہ احمق اور ظالم اور بچوں قسم کے لوگ تمہیں دھوکہ نہ دیں۔ جناب رسول خدا کی شفاعت ہر گز ان لوگوں کو نصیب نہ ہوگی۔ جو ان کی ذریت طاہرہ کا خون بہائیں گے اور ان کے اعوان و انصار کو قتل کریں گے۔ باوجود شدید مزاحمت و مقاومت کے شاید جناب زہیر کچھ اور بھی کہتے مگر ایک آدمی نے جناب زہیر کو پکار کر کہا کہ تمہیں حضرت امام حسینؑ واپس بلا رہے ہیں اور فرماتے ہیں: ﴿اقبل فلعمري لئن كان مؤمن آل فرعون نصح لقومه و ابلغ فى الدعاء لقد نصحت لهؤلاء و ابلغت لو نفع النصح و الابلاغ﴾ زہیر! واپس آ جاؤ۔ اگر مؤمن آل فرعون نے اپنی قوم کو دعوت الی الحق دے کر نصیحت کا حق ادا کر دیا تھا تو یقیناً تم نے بھی نصیحت کا حق ادا کر دیا ہے بشرطیکہ نصیحت و تبلیغ کچھ فائدہ دے حکم امام بن کر زہیر واپس آ گئے۔

اس کے بعد جناب امام حسینؑ نے حضرت رسول خدا ﷺ کا مرتجز نامی گھوڑا طلب فرمایا۔ اور اس پر سوار ہو کر اپنے اصحاب کو آمادہ قتال و جدال کرنے لگے۔ اور فوجِ اشقیانے پیش قدمی شروع کر دی۔

### حر کا بارگاہِ حسینیؑ میں حاضر ہونا

یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اصحابِ حسینؑ یا خود امام حسینؑ کا یہ ناصحانہ کلام حقیقت ترجمان بالکل رائیگان گیا اور کسی پر اس کا اثر نہیں ہوا۔ سعادت مند روحیں اس سے یقیناً متاثر ہوئیں (قلیل ماہم) اور شقی و بد بخت اس سعادت کے حصول سے محروم رہے۔ ﴿وما تغنى الايات و النذر عن قوم لا يؤمنون﴾ کسی داعی حق کی یہ نمایاں کامیابی ہوتی ہے کہ وہ کسی ایک شخص کو بھی راہِ راست پر لاسکے۔ چنانچہ خُربن یزید ریاحی (وہی خُرجس نے ایک ہزار فوج کے ساتھ امام حسینؑ کا راستہ روکا تھا اور ان کو گھیر کر کر بلا لایا تھا اور دریائے فرات کے کنارے امام کو خیمہ نہیں لگانے دیئے

۱۔ نفس المہموم، ص ۱۳۰۔ لؤلؤ الاشجان، ص ۱۰۸۔ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۸۸۔ طبری، ج ۶، ص ۲۴۳۔

۲۔ لؤلؤ الاشجان، ص ۱۰۷۔ نفس المہموم، ص ۱۳۳۔



تھے) جس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس طرح قتال و جدال تک نوبت پہنچ جائے گی۔ اب وہ حالات کی رفتار دیکھ کر اندر ہی اندر غلطان و پیچان ہو رہا تھا۔ صبح عاشوراء اس نے لشکر کو مرتب ہوتے بھی دیکھا (بلکہ خود اسے بھی ایک حصہ کا افسر مقرر کیا گیا) امام عالی مقام کا ناصحانہ خطبہ عالیہ بھی سنا۔ بریروز ہیر کی بے نظیر تقریر بھی سنی۔ مگر اس نے دیکھا کہ امام اور ان کے اصحاب کی ان مصالحانہ و مخلصانہ کوششوں کا جواب گالیوں اور تیروں سے دیا جا رہا ہے اور اب حسینی جماعت پر حملہ کی مکمل تیاری ہو گئی ہے اس کے صبر و ضبط کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک پڑا۔ سیدھا عمر بن سعد کے پاس پہنچا اور جا کر یہ سوال کیا: ﴿امقاتل انت هذا الرجل؟﴾ کیا تم واقعی ان (حسین) سے جنگ کرو گے؟ عمر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ ﴿ای واللہ قتلاً ایسرة ان تسقط الرؤس و تطیح الایدی﴾ ہاں بخدا۔ ان سے ایسی جنگ کی جائے گی جس کا کم از کم نتیجہ یہ ہوگا کہ سروں کی بارش ہو اور ہاتھ کٹ کر زمین پر گریں۔ خُرنے دریافت کیا: ﴿افما لکم فیما عرضہ علیکم رضی﴾ حسین نے صلح کی جو تجویزیں پیش کی ہیں آیا وہ تمہارے لیے قابل قبول نہیں ہیں؟ عمر بن سعد نے جواب میں کہا: اگر معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو ضرور منظور کر لیتا۔ مگر تمہارا امیر (ابن زیاد) ان کی کسی تجویز کو قبول نہیں کرتا۔ اس کے بعد خُرنے واپس آ گیا۔ اور دل ہی دل میں حسینی جماعت میں شمولیت کا عزم بالجزم کر لیا مگر ان کو یہ اندیشہ دامن گیر تھا کہ اگر کسی طرح ان کے اس ارادہ کا اظہار ہو گیا تو انہیں گرفتار کر لیا جائے گا۔ اس وقت اس کے قبیلہ کا قرہ بن قیس نامی ایک شخص ان کے قریب تھا۔ خُرنے کسی طرح اس کو راستے سے ہٹانا چاہتا تھا۔ قرہ سے پوچھا: کیا تو نے آج اپنے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا؟ قرہ نے کہا: نہیں۔ خُرنے کہا: کیا پلانے کا ارادہ نہیں ہے؟ قرہ نے یہ سمجھ کر کہ اس وقت میرا اس کے نزدیک رہنا اسے گوارا نہیں۔ گھوڑے کو پانی پلانے کے بہانے علیحدہ ہو گیا۔ اس کے علیحدہ ہوتے ہی خُرنے آہستہ آہستہ اپنا گھوڑا خیام حسینی کی طرف بڑھانا شروع کیا۔ خُرنے کی یہ کیفیت دیکھ کر مہاجر بن اوس نے دریافت کیا: خُرنے کیا ارادہ ہے۔ کیا حسینؑ پر حملہ کرنا چاہتے ہو؟ خُرنے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ مگر اس کا ذہن جو غالباً پہلے ہی مختلف وساوس و اوہام کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ مہاجر کے اس سوال نے اس کو بھونچکا کر دیا۔ اور اس کے جسم میں کچکی پیدا ہو گئی۔ مہاجر نے یہ حالت دیکھ کر کہا: خُرنے تیری حالت بڑی مشکوک ہے۔ میں نے آج تک تجھے ایسی حالت میں نہیں دیکھا۔ اگر مجھ سے پوچھا جاتا کہ کوفہ میں سب سے بڑا بہادر کون ہے؟ تو میں تیرا ہی نام لیتا۔ اس وقت میں تمہاری یہ کیا کیفیت دیکھ رہا ہوں؟

خُرنے واشکاف الفاظ میں جواب دیا: ﴿انّی واللہ اخیر نفسی بین الجنة والنار فواللہ لا اختار علی الجنة شیئاً ولو قطع و حرقت﴾ بخدا میں اپنے آپ کو جنت و جہنم کے درمیان پارہا ہوں۔ خدا کی قسم میں جنت پر کسی بھی چیز کو مقدم نہیں سمجھ سکتا۔ چاہے میرے گلے گلے کر دیئے جائیں۔ اور مجھے جلا بھی دیا جائے۔



بعد ازاں گھوڑے کو ایڑ لگائی اور چشمِ زدن میں بارگاہِ حسینیؑ میں پہنچ گیا۔<sup>۱</sup> خُرجا جاتے وقت سر پر ہاتھ رکھ کر کہتا جاتا تھا: ﴿اللّٰهُمَّ الْيَكْ اَنْتَ فَتَبْ عَلٰی فَقْدِ اَرْعَبْتَ قُلُوْبَ اَوْلِيَّائِكَ وَاَوْلَادِ بَنْتِ نَبِيِّكَ﴾ یا اللہ میں تیری بارگاہ میں رجوع ہوتا ہوں۔ میری توبہ منظور فرما۔ کیونکہ میں نے تیرے اولیاء اور تیرے نبی کی اولاد کے دلوں کو خوف زدہ کیا ہے۔ سپاہِ حسینیؑ کے قریب پہنچ کر سپر کو پلٹ دیا۔ جو اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ بارادۂ جنگ نہیں آرہا۔ چنانچہ کسی نے مزاحمت نہ کی۔ سید ہاسر کا رسید الشہداء کی بارگاہ میں پہنچ کر عرض کیا: ﴿جَعَلْتَ فِدَاكَ يَا بَنَ رَسُولِ اللّٰهِ اَنَا صَاحِبُكَ الَّذِي حَبَسْتُكَ عَنْ الرِّجْوَعِ وَ سَايَرَتِكَ فِي الطَّرِيقِ وَ جَعَلْتَ بَكَ فِي هَذَا الْمَكَانِ وَمَا ظَنَنْتُ اَنْ الْقَوْمَ يَرْدُّونَ عَلَيْكَ مَا عَرْضْتَهُ عَلَيْهِمْ وَلَا يَبْلُغُونَ مِنْكَ هَذِهِ الْمَنْزِلَةَ وَاللّٰهُ لَوْ عَلِمْتَ اَنْهُمْ يَنْتَهَوْنَ بِكَ اِلَى مَا اُرَى مَا رَكِبْتُ وَاَنَا تَائِبٌ اِلَى اللّٰهِ اَفْتَرَى لِي مِنْ ذَلِكَ تَسْوِیَةً؟﴾ فرزندِ رسول! میں آپ پر قربان ہوں! میں وہی ہوں جس نے آپ کو واپس تشریف لے جانے سے روکا اور (کربلا تک) راستہ میں آپ کے ساتھ چلتا رہا۔ اور بالآخر اس (لنق و دق صحراء میں) آپ کو اترنے پر مجبور کیا۔ مجھے ہرگز یہ گمان بھی نہ تھا کہ یہ لوگ آپ کی پیش کردہ تجاویز مصالحت کو رد کر دیں گے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی۔ خدا کی قسم اگر مجھے اس بات کا علم ہوتا کہ یہ لوگ ایسا کریں گے تو میں کبھی یہ طرز اختیار نہ کرتا۔ بہر حال اب میں بارگاہِ ایزدی میں توبہ کرتا ہوں۔ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ امامِ عالی مقام نے فرمایا: ﴿نَعَمْ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْكَ﴾۔ ہاں! خداوند عالم تمہاری توجہ قبول فرمائے گا۔ پھر فرمایا: ﴿اَنْزِلْ﴾ گھوڑے سے نیچے اترو۔ خُرجا نے عرض کیا: ﴿فَاَنَا فَارِسًا خَيْرَ مَنِیْ رَا جَلًا﴾ اقاتلہم علی فرسی ساعة والی النزول ما یصیر اخر امری ﴿میرا نصرت حق میں گھوڑے پر سوار رہنا اترنے سے بہتر ہے۔ ان لوگوں سے کچھ دیر جنگ کر لوں اور بالآخر (شہید ہو کر) نیچے اترنا ہی ہے؟ امام نے فرمایا: ﴿فَاَصْنَعْ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ مَا بَدَأَ لَكَ﴾ جو جی چاہے کرو خدا تم پر رحم فرمائے۔

### تبصرہ

مخفی نہ رہے کہ جناب خُرجا کے خدمتِ امام میں حاضر ہونے اور توبہ کرنے کی جو کیفیت ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ کتب معتبرہ و مستندہ میں اسی طرح مذکور ہے۔ مگر بعض کتب میں ان کے بارگاہِ امام میں حاضر ہونے کی کیفیت اس طرح مرقوم ہے کہ جب خُرجا حضرت امام حسینؑ کے بالکل نزدیک پہنچا تو گھوڑے سے اتر کر زمین کو بوسہ دیا اور پیشانی زمین پر رگڑنی شروع کر دی۔ امام نے نرمی کے ساتھ فرمایا: ﴿مَنْ تَكُونُ اَرْفَعُ رَاسُكَ؟﴾ تو کون ہے؟ سر بلند کر؟

۱۔ طبری، ج ۶، ص ۲۴۴۔ کامل، ج ۳، ص ۲۸۸۔ ارشاد مفید، ص ۲۵۶۔ لوائح الاشجان، ص ۱۰۹۔ نفس المہجوم، ص ۱۳۶۔



نے جواب میں عرض کیا: ﴿انا صاحبک الذی حبستک عن الرجوع...﴾ (تا آخر سوال و جواب جو پر زکر ہو چکا ہے)۔

شیخ نجم الدین ابن نما حلی علیہ الرحمہ نے اپنے مقتل مشیر الاحزان میں یہ روایت درج کی ہے کہ خرم نے خدمت امام میں عرض کیا: ﴿یا بن رسول اللہ لما وجهنی عبید اللہ الیک خرجت من القصر فنودیت من خلفی ابشر یا خیر بالخیر فقلت فی نفسی واللہ ما ہذہ بشارۃ و انا اسیر الی الحسین و ما احدث نفسی باتباعک!﴾ فرزند رسول! جس روز عبید اللہ بن زیاد نے مجھے آپ کی طرف روانہ کیا اور میں دار الامارہ سے باہر نکلا تو پس پشت سے مجھے آواز آئی: اے خرم! تجھے خیر و خوبی کی بشارت ہو۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کسی کو نہ پایا۔ میں نے دل میں کہا: یہ کیسی بشارت ہے؟ حالانکہ میں فرزند رسول امام حسین کے خلاف نبرد آزما کی کے لیے جا رہا ہوں۔ اس وقت تو آپ کی اتباع کا کوئی خیال تک نہ تھا۔ امام عالی مقام نے فرمایا: ﴿لقد اصبت اجراً و خیراً﴾ یقیناً تو نے اجر و ثواب اور خیر و خوبی کو حاصل کر لیا ہے۔

### خرم کی فوج یزید کو نصیحت

بہر کیف جناب خرم اپنی خطائیں معاف کرانے اور میدان کارزار میں جانے کی اجازت حاصل کرنے کے بعد سیدھا فوج اشقیاء کے سامنے گیا تاکہ بطور اتمام حجت ان کو راہ راست پر آنے کی دعوت دے۔ چنانچہ افواج یزید کو خطاب کرتے ہوئے مندرجہ ذیل تقریر کی:

﴿یا اهل الکوفة لا مکم الہبل و العبر ادعوتکم هذا العبد الصالح حتی اذا جاءکم اسلامتموہ و زعتم انکم قاتلوا انفسکم دونہ ثم عدوتم علیہ لتقتلوہ و امسکتکم بنفسہ و اخذکم بکظمہ و احطتم بہ من کل جانب لتمنعوہ التوجہ فی بلاد اللہ العریصۃ فصار کالاسیر فی ایدیکم لا یملک لنفسہ نفعاً ولا یدفع عنها ضرراً و جلاتموہ و نساہ و صبیئہ و اہلہ عن ماء الفرات الجاری یشربہ الیہود و النصراری و المجوس و تمرغ فیہ خنازیر الوادی و کلابہ فہاہم قد صرعہم العطش بنس ما حلفتم محمداً فی ذریئہ لاسقاکم اللہ یوم الظمأ﴾

اے کوفہ والو! تمہاری مائیں تمہارے ماتم میں بیٹھیں۔ تم نے اس عبد صالح کو بلایا۔ اور جب وہ آیا تو تم نے اسے دشمن کے حوالہ کر دیا۔ حالانکہ تم نے ارادہ یہ ظاہر کیا تھا کہ ان پر جانیں قربان کر دو گے۔ تم نے کیا یہ کہ ان کے

۱۔ تاریخ التواریخ، ج ۶، ص ۲۶۸۔ وقائع ایام محرم، ص ۳۹۸۔

۲۔ وقائع ایام محرم، ص ۲۹۹۔ الدمعة الساکبہ، ص ۳۳۰۔ نفس المہموم، ص ۱۳۷۔ سب میں بحوالہ مقتل ابن نما لکھا ہے۔



خلاف لشکر کشی کر دی۔ تم نے ان کے نفس کی آمد و رفت کو بند کر دیا ہے اور ان کے لیے قافیہ حیات تنگ کر دیا ہے۔ تم نے ان کو چہار طرف سے گھیر لیا ہے تاکہ خدا کے وسیع و عریض شہروں میں ان کو حسبِ منشاء جانے سے روک سکو۔ اب وہ تمہارے ہاتھوں میں قیدی کے مانند ہو گئے ہیں اور بالکل بے بس کر دیئے گئے ہیں۔ نیز تم نے ان کو ان کے اہل حرم، بچوں اور ان کے اصحاب و انصار سمیت فرات کے آب جاری سے روک دیا ہے جسے یہودی، مجوسی اور نصرانی بھی پی رہے ہیں۔ اور عراق کے سور اور کتے اس میں لوٹ پوٹ رہے ہیں مگر یہ لوگ شدتِ پیاس سے جان بلب ہو رہے ہیں۔ تم نے جناب رسول خدا کے بعد بہت ہی برا سلوک ان کی ذریت کے ساتھ کیا ہے۔ خدا تمہیں شدتِ پیاس والے دن سیراب نہ کرے۔

### پرسعد کی طرف سے آغازِ جنگ

جب خُر کا کلام حق ترجمان یہاں تک پہنچا تو اثر لینے کی بجائے کچھ لوگوں نے جواب میں تیر چلائے۔ یہ حالت دیکھ کر خُر نے تقریر بند کر دی اور واپس آ کر خدمتِ امام میں کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ ابھی باقاعدہ آغازِ جنگ نہیں ہوا تھا۔

دن کا کافی حصہ گزر چکا تھا۔ اور دھوپ چڑھ چکی تھی۔ افواجِ یزید کا سپہ سالار عمر بن سعد پہلے بھی بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر تاخیر کر رہا تھا۔ ورنہ وہ تو جلد ہی اس قصہ کو کوتاہ کرنے اور اس مہم کو سر کرنے کا خواہش مند تھا۔ اب جناب خُر کی علیحدگی اور بے جوش تقریر نے حالات کا نقشہ بدل دیا۔ اور اب ابن سعد نے تاخیر مزید کو خلافِ مصلحت سمجھتے ہوئے اس طرح جنگ کا آغاز کیا کہ اپنے غلام درید کو (جو کہ علمبردار لشکر تھا) حکم دیا: ﴿یَا درید اذن رایتک﴾ اے درید! علم لشکر قریب لاؤ۔ چنانچہ اس نے علم قریب کیا۔ پھر پرسعد نے اپنا تیر چلہ کمان پر چڑھایا اور زور سے جماعتِ حسینی کی طرف چھوڑا اور ساتھ ہی فوجِ اشقیاء سے کہا: ﴿اشہدوا انی اول من رمی﴾ تم گواہ رہنا کہ وہ شخص جس نے سب سے پہلے تیر مارا ہے وہ میں ہوں۔ ابن سعد کا تیر چلانا تھا کہ یکا یک ہزاروں تیروں کی بارش ہونے لگی۔<sup>۱</sup>

امام حسینؑ نے اپنے اصحاب باصفا کو خطاب کر کے فرمایا: ﴿قوموا رحمکم اللہ الی الموت الذی لا بد منہ فان هذه السهام رسل القوم الیکم﴾ خدا تم پر رحم کرے۔ استقبالِ موت کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ جس سے کوئی مفر نہیں ہے۔ یہ تیر درحقیقت قومِ اشقیاء کے قاصد ہیں۔ جو پیامِ مرگ کی خاطر تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔

۱۔ ارشاد شیخ مفید، ص ۲۵۷۔ طبری، ج ۶، ص ۲۳۵۔ الدعۃ الساکبہ، ص ۳۳۰ وغیرہ۔

۲۔ ارشاد شیخ مفید، ص ۲۵۷۔ تاریخ طبری، ج ۶، ص ۲۵۳۔ لہوف، (و اقبلت السهام من القوم کانها القطر)۔



تیروں کی اس بارش سے اصحابِ حسینی کی صفوں میں کوئی انتشار پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ امام عالی مقام کے اس اذنِ جہاد ملتے ہی وہ لڑنے مرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ اور بڑی دلجمعی کے ساتھ تیروں کا جواب تیروں سے دیا اور یکبارگی فوج مخالف پر حملہ کر دیا۔ قریباً ایک گھنٹہ تک یہ حالتِ جنگ مغلوبہ جاری رہی۔ جب غبارِ جنگ پھٹا تو معلوم ہوا کہ آنجناب کے کئی انصار جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں۔ جن کی تعداد پچاس بیان کی جاتی ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر سرکارِ سید الشہداء نے اپنا دستِ مبارک اپنی ریشِ مقدس پر رکھ کر فرمایا: ﴿اَشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلٰی الْیَهُودِ اِذْ جَعَلُوْا لَهٗ وَلَدًا وَّ اَشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلٰی النَّصَارٰی اِذْ جَعَلُوْهُ ثَالِثَ ثَلَاثَةٍ وَّ اَشْتَدَّ غَضَبُ عَلٰی الْمَجُوسِ اِذْ اَعْبَدُوْا الشَّمْسَ وَّ الْقَمَرَ دُوْنَهٗ وَّ اَشْتَدَّ غَضَبُهٗ عَلٰی قَوْمٍ اتَّفَقَتْ کَلِمَتُهُمْ عَلٰی قَتْلِ ابْنِ نَبِیِّہُمْ اَمَّا وَّ اللّٰہُ لَا اُجِیْبُہُمْ اِلٰی شَیْءٍ مِّمَّا یُرِیْدُوْنَ حَتّٰی یَقِیَّ اللّٰہُ وَاَنَا مُخَضَّبٌ بِدَمِیْ﴾ خداوند عالم کا قہر و غضب اس وقت یہودیوں پر سخت ہوا جب کہ انہوں نے خدا کے لیے فرزند تجویز کیا اور خدا کا قہر شدید ہوا نصاریٰ پر جب کہ انہوں نے خدا کو تین میں سے تیسرا قرار دیا۔ اور خدا کا غضب سخت ہوا مجوسیوں پر جبکہ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر شمس و قمر کی پرستش شروع کر دی۔ اور خدا کا قہر و غضب سخت ہوا اس قوم پر جس نے اپنے پیغمبر کے فرزند کے قتل پر اتفاق کر لیا۔ بخدا میں وہ بات ہرگز قبول نہیں کروں گا جو یہ لوگ چاہتے ہیں حتیٰ کہ اپنے خون کا خضاب لگائے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے سنا وہ فرماتے تھے: ﴿التَّقِیَّ الْحُسَیْنِ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَ عَمْرُ بْنُ سَعْدٍ لَعَنَ اللّٰہُ وَ قَامَتِ الْحَرْبُ اَنْزَلَ اللّٰہُ النَّصْرَ حَتّٰی رَفَرَفَ عَلٰی رَاسِ الْحُسَیْنِ عَلَیْہِ السَّلَامُ ثُمَّ خَیَرَ بَیْنَ النَّصْرِ عَلٰی اَعْدَاہِ وَ بَیْنَ لِقَاءِ اللّٰہِ فَاخْتَارَ لِقَاءَ اللّٰہِ تَعَالٰی﴾ جب امام حسین اور عمر بن سعد کی مڈ بھیر ہوئی اور جنگ شروع ہو گئی تو خداوند عالم نے نصرت کو نازل کیا یہاں تک کہ وہ امام حسین کے سر مقدس پر منڈلانے لگی۔ پھر آنجناب کو ظاہری نصرت اور لقاء پروردگار کے

صاحبِ وقائع ایامِ محرم اپنی کتاب کے صفحہ ۳۹۱ پر لکھتے ہیں: ﴿اُنْجَحَ اَزْ کَلِمَاتٍ وَ مَقَاتِلِ اکَابِرِ عُلَمَاءِ رِضْوَانِ اللّٰہِ عَلَیْہِمُ بِدَسْتِ مِیْ آئِدِ اَنْ سَتَّ کَہْ تَا ظَہَرَ عَاشُورَا سَہْ مَرْتَبَہٗ جَنْگِ مَغْلُوبَہٗ وَاقِعَ شَدَہٗ۔ یَکَہٗ قَبْلَ اَزْ مِیْبَارِزَتِ حَرِّ عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ وَ دَوْمِ قَبْلِ اَزْ شَہَادَتِ مُسْلِمِ بْنِ عَوْسَجَہٗ وَ سَیِّمِ قَبْلِ اَزْ نَمَازِ ظَہْرِ وَ بَقِیَہٗ مِیْبَارِزَہٗ بِطَرِیْقِ مِیْبَارِزَتِ وَاقِعَ شَدَہٗ﴾ یعنی جو کچھ اکابرِ علماء کے مقابل اور کلمات سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ظہرِ عاشوراء تک تین بار جنگ مغلوبہ ہوئی۔ ایک بالکل ابتداء میں حر علیہ الرحمہ کی مبارزت سے پہلے۔ دوسرے جنابِ مسلم بن عوسجہ کی شہادت سے قبل۔ تیسرے نمازِ ظہر سے کچھ پہلے۔ باقی تمام جنگ بطور مبارزت واقع ہوئی۔

عاشر بحار الانوار، ج ۹۹، ص ۱۹۵۔ الدمعة الساب، ص ۳۲۹۔ نفس المہوم، ص ۱۳۳۔ تقام، ص ۳۳۰۔ مقتل العوالم، ص ۸۴۔



درمیان اختیار دیا گیا۔ آنجنابؑ نے بارگاہِ ایزدی میں حاضری کو اختیار کر لیا۔ بعد ازاں مبارزت طلبی اور یکے بعد دیگرے جنگ کا سلسلہ شروع ہوا جس کی تفصیل بعد میں آ رہی ہے۔

### بعض تحقیقاتِ انیقہ

سلسلہ کلام کو آگے بڑھانے سے پہلے یہاں چند امور کی تحقیق ضروری معلوم ہوتی ہے۔

### جنابِ خُرکس وقتِ جماعتِ حسینیٰ میں شامل ہوئے؟

(۱) اس میں قدرے اختلاف ہے کہ جنابِ خُرملہ اولیٰ سے پہلے خدمتِ امامؑ میں تشریف لائے یا اس کے بعد؟ ارشادِ شیخ مفید (صفحہ ۲۵۶)، عاشر بحار الانوار (صفحہ ۱۹۴)، امالی شیخ صدوق (صفحہ ۹۷)، الدرر الساجدہ (صفحہ ۳۳۰)، نفس المہیوم (صفحہ ۱۳۵)، لوائح الاشجان (صفحہ ۱۰۸)، شہیدِ انسانیت (صفحہ ۳۹۲) وغیرہ کتب معتبرہ سے پہلے نظریہ کی تصدیق و تائید ہوتی ہے البتہ لہوف جناب سید بن طاووس علیہ الرحمہ صفحہ ۹۰، محرقہ صفحہ ۱۹۵ و کشف الغمہ صفحہ ۱۹۰، فصول مہمہ صفحہ ۱۷۴ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ابتدائی حملہ (جنگِ مغلوبہ) کے بعد جب قریباً پچاس اصحابِ حسینؑ جامِ شہادت نوش کر چکے اور سرکارِ سید الشہداءؑ نے اپنی ریش مبارک پر ہاتھ رکھ کر آوازِ استغاثہ بلند فرمائی: ﴿اٰمّا من مغيث يغينا لوجه الله. اما من ذاب يذب عن حرم رسول الله﴾ اور جنابِ خُر نے یہ آواز سنی تو پکار کر کہا: ﴿انا يا بن رسول الله﴾ میں آپ کی نصرت کے لیے حاضر ہوں اور اس کے بعد لشکرِ یزید سے نکل کر حسینیٰ جماعت میں شامل ہو گیا۔ چنانچہ جناب سید ابن طاووس نے جنابِ خُر کے طلبِ اذنِ جہاد کے اس جملہ ﴿فاذا كنت اول من خرج عليك فاذن لي ان اكون اول قتيل بين يديك لعلی اكون ممن يصافح جدك محمدا غدا يوم القيامة﴾ چونکہ میں نے پہلے پہل آپ کے خلاف اقدام کیا تھا اب مجھے اذنِ جہاد دیں تاکہ آپ کے سامنے سب سے پہلے جامِ شہادت بھی میں نوش کروں کی یہ تاویل کی ہے: ﴿انما اراد اول قتيل من الان لان جماعة قتلوا قبله كما ورد﴾ (لہوف، ص ۱۹۲) ان کی مراد یہ تھی کہ اس وقت کے بعد وہ پہلے شہید قرار پائیں۔ کیونکہ ان سے قبل ایک جماعت شہید ہو چکی تھی۔ ولکن المشهور وهو المنصور و عليه الجمهور. هو القول الاول كما لا يخفى على من له ادنى شعور۔

### جنابِ خُر تھا آئے یا بھائی بیٹا اور غلام بھی ہمراہ تھے؟

تمام کتب معتبرہ سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ جنابِ خُر تھا نصرتِ حسینؑ کے لیے حاضر ہوئے تھے اور یہ سعادت ان کے متعلقین میں سے کسی اور کو حاصل نہ ہو سکی تھی۔ مگر تاریخِ اعظم کوئی، مقتلِ الحسین اسفرائی، سرالشہادتین،



روضۃ الشہداء اور مقتل ابی مخنف جیسی کتب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا بیٹا حجر، بھائی مصعب اور عروہ نامی ایک غلام بھی ان کے ہمراہ آئے تھے اور نصرتِ امام کا فرض انجام دیتے ہوئے شہادت کا جام نوش کیا تھا۔ جناب ریاض بناری مرحوم نے اپنی کتاب شہید اعظم حصہ دوم میں اور صاحب ناخ التواریخ نے جلد ششم میں ان کی شہادتوں کی تفصیل بھی درج کی ہے مگر چونکہ ہماری نظر قاصر میں ان کی آمد کا واقعہ مستند نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ اگر کوئی صاحب تفصیل دیکھنے کے شائق ہوں تو مذکورہ بالا کتب کی طرف رجوع کریں۔ فلا تطیل الکلام بذکر القصص التي لا حقيقة لها عند العلماء الاعلام۔

### آیا حملہ اولیٰ میں انصار حسینیؑ کا کوئی جانی نقصان ہوا؟

آیا پہلے حملہ کی تیر بارانی (جنگ مغلوبہ) میں سپاہِ حسینیؑ کا کوئی جانی نقصان ہوا یا نہیں اور اگر ہوا تو کس قدر؟ اس میں قدرے اختلاف ہے۔ جناب سید بن طاووس نے لکھا ہے: ﴿حسینی قتل من اصحاب الحسين جماعة﴾ اس حملہ کے نتیجے میں اصحابِ حسینؑ کی ایک جماعت شہید ہوئی۔<sup>۱</sup> جناب سید محمد بن ابی طالب حسینی حارری نے اپنے مقتل میں لکھا ہے: ﴿قيل فلما رموهم هذه الرمية قتل اصحاب الحسين عليه السلام و قتل في هذه الحملة خمسون رجلاً﴾ کہا جاتا ہے کہ جب فوج یزید نے یہ تیر بارانی کی تو اصحابِ حسینؑ کی تعداد کم ہو گئی۔ یعنی اس حملہ میں پچاس آدمی شہید ہو گئے۔<sup>۲</sup> ایسا ہی اکثر اربابِ مقاتل نے لکھا ہے لیکن شہید انسانیت کے فاضل مصنف مدظلہ صفحہ ۳۹۴ پر لکھتے ہیں: ”مگر تیروں کی اس ابتدائی بارش سے جماعتِ حسینیؑ کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا۔ بے شک وہ عملی طور پر ایک جنگ کا اقدام تھا جس کی ابتداء فوج دشمن کی طرف سے ہو گئی۔ اور یہ ایک آخری جھٹ تھی۔ جس کے تمام ہونے کے امام منتظر تھے۔“ تاریخی شواہد سے اس بیان کی تائید نہیں ہوتی۔ خود جناب مولانا نے اس عبارت سے ایک صفحہ پہلے (صفحہ ۳۹۳ پر) لکھا ہے: ”عمر سعد نے تیر چلہ کمان میں جوڑ کر فوجِ حسینیؑ کی طرف رہا کیا۔ اور لشکرِ یزید کو مخاطب کرتے ہوئے پکار کر کہا: ”گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے لگایا ہے۔ سپہ سالار لشکر ان الفاظ کو اپنی زبان پر جاری کرتے ہوئے تیر رہا کرے اور لشکریوں میں جوش و خروش پیدا نہ ہو؟ یہ ناممکن ہے۔ یقیناً ہزاروں کمانیں کڑکیں۔ ہزاروں چلے کھنچے۔ اور ہزاروں تیر روانہ ہوئے۔“ قطع نظر دیگر تاریخی شواہد کے کیا عقل سلیم

۱۔ لہوف، ص ۱۸۹ اور علامہ مجلسیؒ نے اس کلام کے یہ معنی بیان کیے ہیں: ”اول قتل من المبارزين و الافان جماعة قد قتلوا في الحملة الاولى۔“ (عاشر بحار، ص ۱۹۵) یعنی ان کا مقصد یہ تھا کہ مبارزتِ طلبی میں شہید ہونے والوں سے پہلے شہید ہوں۔ ورنہ ان سے پہلے حملہ اولیٰ (جنگ مغلوبہ) میں ایک جماعت شہادت کے درجہ رفیعہ پر فائز ہو چکی تھی۔ (منہ عنی عند)

بہت سے اربابِ مقاتل نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: نفس المہموم، ص ۱۳۸۔ تقام، ص ۳۴۰، ۳۴۱، وعاشر بحار، ص ۱۹۳ وغیرہ۔



یہ باور کر سکتی ہے کہ ہزاروں کمائیں کڑکیں، ہزاروں چلے کھنچیں اور ہزاروں تیر روانہ ہوں مگر اس کے باوجود کوئی نقصان نہ ہو؟ لا واللہ۔ بنا بریں پہلا قول ہی قابل قبول معلوم ہوتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ صاحب شہید انسانیت دام ظلہ نے اس حملہ (جنگ مغلوبہ) کو جو نماز ظہر سے قریباً ایک گھنٹہ قبل وقوع میں آیا۔ حملہ اولیٰ قرار دیا ہے۔ چنانچہ شہید انسانیت صفحہ ۲۲۱ پر اس حملہ کی تفصیل لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ”یہی وہ عظیم الشان حملہ اور گھسان کی جنگ ہے جو تاریخوں میں حملہ اولیٰ کے نام سے مذکور ہے۔ اور یہ ظہر سے ایک گھنٹہ قبل کا واقعہ ہے۔“ پھر آگے صفحہ ۲۲۲ پر لکھا ہے کہ ”اس حملہ کے ذیل میں جو پچاس انصار حسین شہید ہوئے۔ ان میں نہیں کہا جاسکتا کہ کون پہلے شہید ہوا اور کون بعد کو۔“ حالانکہ تمام ارباب سیر و تواریخ کی تصریحات کے مطابق حملہ اولیٰ وہ تھا جو عمر بن سعد کے پہلے پہل تیر چلانے کے بعد ہوا۔ اور اسی میں پچاس یا کم و بیش اصحاب حسینی نے جام شہادت نوش فرمایا۔ جس حملہ کو جناب مولانا حملہ اولیٰ قرار دے رہے ہیں۔ درحقیقت یہ تیسرا حملہ تھا۔ کیونکہ اس روز تین حملے ہوئے تھے۔ ایک ابن سعد کے تیر چلانے کے بعد، دوسرا مسلم بن عویض کی شہادت سے پہلے، ”تیسرا نماز ظہر سے پہلے۔“ جیسا کہ ارباب مقاتل نے تصریحات فرمائی ہیں۔

مذکورہ بالا حقائق کے لیے وقائع ایام محرم، ص ۲۹۱۔ مقتل الحسین للمقرم، ص ۲۶۷۔ نفس المہوم، ص ۱۳۷۔  
عاشر بحار، ص ۱۹۴۔ لہوف، ص ۹۲۔ لوائج الاشجان، ص ۱۱۰ وغیرہ کتب مقاتل دیکھی جاسکتی ہیں۔

ہاں یہ درست ہے کہ بعض ارباب مقاتل نے یہی لکھا ہے کہ یہ پچاس شہید اس حملہ میں ہوئے تھے جو ہنگام ظہر سے قریباً ایک گھنٹہ پہلے ہوا تھا جسے ہم نے تیسرا حملہ قرار دیا ہے۔ بنا بریں صرف اصطلاح کا فرق رہ جائے گا کہ اس حملہ کو حملہ اولیٰ قرار دینا چاہیے یا حملہ ثالث۔ ولا مشاحۃ فی الاصطلاح کما لا یخفی علی اہل الحجی۔ واللہ العالم۔



## انصارِ حسینی کے مختصر حالات و شہادات اور ان کے زریں کارنامے

اگرچہ کتاب کی غیر معمولی ضخامت و حجم بڑھ جانے کا اندیشہ دامن بیان کو کوتاہ کرنے کا تقاضا کرتا ہے مگر یہ شہداء کربلا (فداہم امی و ابی) کے ساتھ نا انصافی ہوگی۔ اگر ان کی حیرت انگیز قربانیوں اور ولولہ انگیز کارناموں کے ساتھ ساتھ ان کے مختصر حالات زندگی کا تذکرہ نہ کر دیا جائے۔ عربی، فارسی اور اردو میں اس موضوع پر متعدد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ جیسے ”ابصار العین فی انصار الحسین“، ”ذخیرۃ الدارین فیما تعلق بالحسین واصحابہ“، ”فرسان الہیجا“ اور ”شہداء کربلا“ نیز شہید انسانیت میں بھی ان بزرگواروں کے مختصر مگر جامع حالات زندگی اور خصوصیات شخصی کا تذکرہ موجود ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ واقعاتی ترتیب کے مطابق (اگرچہ اس کا ملحوظ رکھنا قریباً ناممکن ہے) ان نفوسِ زاکیہ کا مختصر مگر مستند خاکہ پیش کر کے ان کے زریں کارناموں اور مقدس شہادتوں سے اپنی کتاب کے قارئین کرام کو روشناس کرائیں۔ تفصیلی حالات و کوائف دیکھنے کے شائقین مذکورہ بالا کتابوں کی طرف رجوع کر کے اپنے ذوق تحقیق و تفصیل کی تسکین فرما سکتے ہیں۔

اصل مقصد میں وارد ہونے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث اور عقل سلیم کی روشنی میں عام شہداء کے بالعموم اور شہداء کربلا کے بالخصوص کچھ فضائل و محامد کا اجمالی تذکرہ کر دیا جائے تاکہ ان کی عظیم قربانیوں کی

**تبصرہ:** اس کی وجہ یہ ہے کہ شہداء کی ترتیب شہادت میں فریقین کے مؤرخین، محدثین اور اربابِ مقاتل میں شدید اختلاف ہے۔ بعض نے تو صرف شہداء کے اسماء گرامی لکھ دیئے ہیں اور ترتیب کے جنجال میں پڑے ہی نہیں۔ اور جنہوں نے ترتیب وار نام درج کئے ہیں۔ ان میں سخت اختلاف ہے۔ ایک مؤرخ ایک شہید کی شہادت کا تذکرہ پہلے کرتا ہے دوسرا بعد میں۔ بلکہ یہ معلوم کرنا بھی سخت دشوار ہے کہ جنگِ معلوبہ میں کن کن بزرگواروں نے جامِ شہادت نوش کیا اور مبارزتِ طلبی میں کون کون بزرگ شہید ہوئے؟ بلکہ اس امر پر بھی اربابِ تاریخ متفق نظر نہیں آتے کہ ہنگامِ ظہر سے پہلے کون شہید ہوا۔ اور بعد میں کس نے شہادت پیا۔ ارشادِ شیخ مفیدؒ میں ترتیب کچھ ہے۔ امالی شیخ صدوق میں کچھ؟ بحار میں کچھ لکھا ہے اور عوالم میں کچھ۔ تقام میں جو مقدم ہے۔ وہ ناخ میں مؤرخ و علی ہذا القیاس۔ طبری میں جو ترتیب ہے کامل میں اس کے خلاف موجود ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ ترتیب شہادت کے مطابق (جو کہ جنگِ معلوبہ میں تو ویسے بھی ناممکن ہے) شہداء کرام کا تذکرہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس تلخ حقیقت کا صرف ہم نے ہی اعتراف نہیں کیا بلکہ اور بھی بعض صاف گوار بابِ مقاتل نے کیا ہے۔

[ بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۳۳۸ پر ]



رفعت و عظمت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ اور اس طرح ان مقدس ہستیوں کی بارگاہِ معلیٰ میں ارمغانِ عقیدت بھی پیش ہو جائے۔

شمع ہا برده ام از صدق بخاک شہداء

تا دل و دیدہ خو فنا بہ فشانم دادند!

### فضیلتِ شہادت عقل سلیم کی روشنی میں

یہ امر محتاجِ بیان نہیں کہ کسی کام کی قدر و منزلت کا تعین اس کی غرض و غایت کی بلندی یا پستی سے کیا جاتا ہے۔ کسی فعل کی غرض و غایت جس قدر بلند اور عظیم ہوگی اسی قدر وہ فعل ارفع و اعلیٰ قرار دیا جائے گا۔ اور جس قدر غرض و غایت دنی اور پست ہوگی وہ فعل اسی قدر حقیر اور دنی تصور ہوگا۔ واضح ہے کہ شہادت چونکہ خدا کی رضا جوئی کی خاطر اس کے دین کی بقاء اور شرف و مجد انسانی کے تحفظ کے لیے واقع ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ غرض و غایت دوسری تمام اغراض و غایات سے اشرف و اعلیٰ ہے۔ اس لیے بدیہی طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ رضائے الہی حاصل کرنے والے تمام افعال میں سے شہادت اجل و ارفع ہے۔ کیونکہ ع

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

### فضیلتِ شہادت قرآن حکیم کی روشنی میں

قرآن کریم میں اس قسم کی متعدد آیات شریفہ موجود ہیں۔ جن میں شہیدانِ راہِ خدا کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ. بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ (پ ۲، س بقرہ، ع ۳) ”اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے انہیں کبھی مردہ نہ کہنا (وہ لوگ) زندہ

[بقیہ حاشیہ از صفحہ نمبر ۳۲۷]

چنانچہ محدث خیر جناب شیخ عباس قمیؒ نے نفس المہوم ص ۱۵۲ پر لکھتے ہیں: ﴿یقول مؤلف هذا الكتاب عباس القمي حشره الله مع اصحاب الحسين قدس الله ارواحهم انه اختلفت كلمات المؤرخين و المحدثين و ارباب المقاتل من الفريقين في ترتيب شهادة اصحاب الحسين و رجزهم و عددهم فبعض قدم منهم المؤخر و اخر اخر من قدمه الاخر و بعض اكتفى بذكر اسميهم و رجزهم و جملة منهم اقتصر على ذكر معدود منهم و سكت عن بقيتهم الخ.....﴾ خلاصہ مطلب یہ کہ محدثین و مؤرخین اور اربابِ مقاتل میں شہداء کربلا کی ترتیب، ان کے رجز اور عدد میں شدید اختلاف ہے۔ اسی طرح مؤرخ بصیر شہزادہ فرہاد مرزا تقی، ص ۳۵۳ پر رقمطراز ہیں: ﴿بہر بصیر متتبع پوشیدہ نیست کہ ہیچیک از محدثین و مؤرخین فریقین اسامی شہداء را بترتیب ایراد نہ کردہ اند و در تقدیم و تاخیر اصحاب و نسبت رجز بہر يك بسی اختلاف است بعضی بہ ذکر اسامی و بیان ار اجیز اکتفا نمودہ اند بلکہ اکثر بذکر معدودے اختصار فرمودہ اند الخ۔﴾ مطلب وہی ہے جو اوپر درج ہے۔ والحق احق ان یتبع۔ (منہ غنی عنہ)



ہیں مگر تم (ان کی زندگی کی حقیقت کا) کچھ بھی شعور نہیں رکھتے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ (پ ۴، س ۱۱، عمران، ع ۴) اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کئے گئے انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ لوگ جیتے (جاگتے موجود) ہیں اپنے پروردگار کے ہاں سے وہ (طرح طرح کی) روزی پاتے ہیں۔ (ترجمہ فرمان)

انہی حقائق کی بناء پر کہا گیا ہے: ”دنیا میں ہر چیز مرجاتی ہے کہ فانی ہے مگر خون شہادت کے ان قطروں کے لیے جو اپنے اندر حیات الہیہ کی روح رکھتے ہیں کبھی بھی فنا نہیں ہے۔“

کشتگانِ خنجر تسلیم را  
ہر زمان از غیب جانے دیگر است

فضیلت شہادت احادیث معصومین کی روشنی میں

حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) اپنے آباء و اجداد کے سلسلہ سند سے روایت فرماتے ہیں کہ جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ﴿لِلْجَنَّةِ بَابٌ يُقَالُ لَهُ بَابُ الْمُجَاهِدِينَ يَمْضُونَ إِلَيْهِ فَإِذَا هُوَ مَفْتُوحٌ وَهُمْ مُتَقَلِّدُونَ بِسُيُوفِهِمْ وَالْجَمْعُ فِي الْمَوْقِفِ وَالْمَلَائِكَةُ تَرْحَبُ لَهُمْ﴾ جنت کا ایک دروازہ جس کا نام باب المجاہدین ہے، کھلا ہوگا اور شہیدانِ راہِ خدا اس حال میں سب سے پہلے اس سے داخل ہوں گے کہ گئے میں تلواریں لٹکائے ہوئے ہوں گے اور ملائکہ بڑھ کر ان کو خوش آمدید کہیں گے حالانکہ ابھی دوسرے لوگ موقفِ حساب میں کھڑے ہوں گے۔

امام محمد باقر (علیہ السلام) اپنے آباء کرام کے سلسلہ سند سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ﴿مَا مِنْ قَطْرَةٍ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ قَطْرَةٍ دَمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ خداوند عالم کو اس قطرہ خون سے زیادہ کوئی قطرہ محبوب نہیں جو اللہ کی راہ میں بہایا جائے۔

جناب زید شہید بن امام زین العابدین (علیہ السلام) اپنے بزرگوں کے سلسلہ سند سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا: ﴿لِلشَّهِيدِ سَبْعُ خِصَالٍ مِنَ اللَّهِ قَطْرَةٌ مِنْ دَمِهِ مَغْفُورٌ لَهُ كُلُّ ذَنْبٍ الثَّانِيَةِ يَقَعُ رَأْسُهُ فِي حَجَرٍ زَوْجِيَّتِهِ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ وَتَمْسَحَانِ الْغُبَارَ عَنْ وَجْهِهِ وَتَقُولَانِ مَرْحَبًا بِكَ وَيَقُولُ هُوَ مِثْلُ ذَلِكَ لِهَمَا وَالثَّلَاثَةِ يَكْسِي مِنْ كِسْوَةِ الْجَنَّةِ وَالْأَرْبَعَةِ تَبْتَدِرُهُ خَزَنَةُ الْجَنَّةِ بِكُلِّ رِيحٍ طَيِّبَةٍ إِيَّاهُمْ



یاخذہ معہ و الخاصۃ ان یری منزله و السادسة یقال لروحہ اسرح فی الجنة حیث شنت و السابعة ان ینظر فی وجہ اللہ و انها لراحة لكل نبی و شهید ﴿

شہید کو من جانب اللہ سات خوبیاں حاصل ہیں۔ پہلی یہ کہ اس کے پہلے قطرہ خون کے گرتے ہی اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ دوسری اس کا سر حورانِ جنت میں سے دوز و جاؤں کی گود میں ہوتا ہے۔ تیسری اس کو جنتی لباس زیب تن کرایا جاتا ہے۔ چوتھی: خازنانِ جنت ہر اچھی خوشبو لے کر اس کے پاس آتے ہیں تاکہ جسے وہ پسند کرے اپنے ہمراہ لے جائے۔ پانچویں: وہ جنت میں اپنے مکان کو دیکھ لیتا ہے۔ چھٹی: اس کی روح کو کہا جاتا ہے کہ جنت میں جہاں جی چاہے سیر و تفریح کر۔ ساتویں: وہ پروردگار کی عظمت و جلالت کچھ جمال با کمال کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جو ہر نبی و شہید کے لیے باعثِ راحت و سکون ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباء و اجداد علیہم السلام کے سلسلہ سند سے نقل فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ﴿ان فوق کل بربر حتی یقتل فی سبیل اللہ فاذا قتل فی سبیل فلیس فوقہ بر﴾ ہر نیکی کے اوپر کوئی اور نیکی ہوتی ہے لیکن جب انسان راہِ خدا میں شہید ہو جائے تو یہ وہ نیکی ہے جسکے اوپر اور کوئی نیکی نہیں ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿فان الجہاد باب من ابواب الجنة﴾ جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے: ﴿الخیبر کلہ فی السیف و تحت السیف و فی ظل السیف﴾ تمام تر خیر و خوبی تلوار میں، تلوار کے اندر اور تلوار کے سایہ میں ہے۔

### شہداءِ کربلا کی خصوصی فضیلت

فضیلتِ شہادت کے بارے میں اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے (جو کہ قطرہ از دریا اور دانہ از انبار کی حیثیت رکھتا ہے) یہ عام شہادت اور شہداء کے بارے میں ہے ظاہر ہے کہ کائنات کی دوسری اشیاء کی طرح شہادت کے افراد میں بھی باہمی درجات کا تفاوت و اختلاف موجود ہے اور شہداءِ کربلا شہادت کے جس بلند مقام پر فائز ہیں وہ محتاجِ دلیل و برہان نہیں ہے خود سرکارِ سید الشہداء نے بڑی وضاحت کے ساتھ تصریح فرمادی ہے کہ ﴿فانسی لا اعلم اصحاباً اوفی ولا خیراً من اصحابی ولا اہلبیت ابرو لا اوصل ولا افضل من اہل بیتی فجزاکم اللہ عنی خیر الجزاء﴾ میں اپنے اصحاب سے زیادہ بہتر اور با وفا اصحاب نہیں جانتا۔ اور نہ ہی اپنے اہل بیت

۲۔ وسائل الشیعہ، ج ۲، کتاب الجہاد۔

۳۔ وسائل، ج ۲، باب الجہاد۔

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۲، کتاب الجہاد۔

۳۔ وسائل، ج ۲، باب الجہاد۔

۵۔ ارشاد شیخ، ص ۲۵۱۔ عاشر بحار، ص ۱۹۱ وغیرہ۔



سے زیادہ نیکو کار، صلہ رحمی کرنے والے اور افضل کوئی اہل بیت جانتا ہوں۔ آپ کے اس ارشاد باسداد سے واضح و عیاں ہے کہ دیگر انبیاء و مرسلین کے اصحاب تو بجائے خود آنجناب کے اصحاب باصفا کا مقام و مرتبہ خود سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت امیر المؤمنین اور جناب امام حسن مجتبیٰ کے اصحاب باوفا سے بھی بلند و بالا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام حسین نے اپنی شہادت سے پہلے یہ روایت نقل فرمائی کہ آنحضرت نے مجھ سے فرمایا: ﴿إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لِي يَا بَنِيَّ أَنْكَ سَتَسَاقُ إِلَى الْعِرَاقِ وَهِيَ أَرْضُ قَدِ التَّقَى بِهَا النَّبِيُّونَ وَ أَوْصِيَاءُ النَّبِيِّينَ وَهِيَ أَرْضُ تَدْعِي عُمُرَاءَ وَ أَنْكَ تَسْتَشْهَدُ وَ يَسْتَشْهَدُ مَعَكَ جَمَاعَةٌ مِنْ أَصْحَابِكَ لَا يَجِدُونَ الْمَسَّ الْحَدِيدَ وَ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَ سَلَامًا عَلَيَّ اِبْرَاهِيمُ كَذَا يَكُونُ الْحَرْبُ بَرْدًا وَ سَلَامًا عَلَيْكَ وَ عَلَيْهِمْ فَابْشُرُوا فَوَ اللَّهُ لَأَنْ قَتَلُونَا فَانَا نَرُدُّ عَلَى بَيْنَانَا﴾<sup>۱</sup>

مجھے عنقریب زمین عراق کی طرف لے جایا جائے گا یہ وہ زمین ہے جہاں نبیوں و وصیوں کی باہمی ملاقاتیں ہوتی ہیں اسے عمور بھی کہا جاتا ہے وہاں تو شہید کیا جائے گا۔ اور تیرے ہمراہ ایک گروہ بھی شہید کیا جائے گا۔ جو ہتھیاروں کی تکلیف محسوس نہیں کرے گا۔ پھر آنحضرت نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: ”ہم نے کہا اے آگ! تو ٹھنڈی ہو جا۔ اور ابراہیم کے لیے باعث سلامتی بن جا۔“ اسی طرح آتش جنگ تمہارے اور ان کے لیے سرد اور باعث سلامتی ہوگی پھر امام نے فرمایا: تمہیں بشارت ہو کہ اگر ان لوگوں نے ہمیں شہید کر دیا تو ہم اپنے پیغمبر کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے۔

یہی وجہ تھی کہ روز عاشوراء اصحاب حسینی موت کے منہ میں جانے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے اور ایسے جانگداز اور حوصلہ شکن حالات میں ان کے چہرے تہمتا تے ہوئے دکھائی دیتے تھے اور وہ سکراتے ہوئے نظر آتے تھے ۵

لَبَسُوا الْقُلُوبَ عَلَى الدَّرْعِ كَانَهُمْ = يَتَهَاوَتُونَ إِلَى ذَهَابِ الْأَنْفُسِ

وارد ہے کہ روز عاشوراء جناب بریر ہمدانی نے عبدالرحمن کے ساتھ کچھ مزاح کیا۔ جناب عبدالرحمن نے کہا: بھلا یہ بھی کوئی مزاح کا وقت ہے؟ اس پر بریر نے کہا: میری قوم جانتی ہے کہ میں نے جوانی اور بڑھاپے میں کبھی بھی مزاح نہیں کیا۔ لیکن آج میں اپنی خوش نصیبی کی وجہ سے خوش ہوں۔ ﴿وَاللَّهِ إِنْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْحُورِ الْعَيْنِ إِلَّا أَنْ يَمِيلَ عَلَيْنَا هَؤُلَاءِ بِأَسْيَافِهِمْ وَلَوْ دِدْتُ أَنَّهُمْ قَدْ مَالُوا عَلَيْنَا بِأَسْيَافِهِمْ﴾<sup>۲</sup> ہمارے اور حور العین کے درمیان

۱۔ تقام، ص ۳۳۸۔

۲۔ تاریخ طبری، ج ۶، ص ۲۴۱۔ مقتل الحسین، ص ۲۳۸۔ نفس المہوم، ص ۱۲۷۔



صرف اس قدر فاصلہ ہے کہ ادھر یہ لوگ تلواریں سے ہم پر حملہ کریں گے۔ ادھر ہم جنت الفردوس میں پہنچ جائیں گے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ یہ ابھی ہم پر حملہ کر دیں۔

مجاہد فی سبیل اللہ ایسے کم نظر آئے قیامت ہو جنہیں اک اک گھڑی شوق شہادت میں ایسا ہی جواب جناب حبیب بن مظاہر (مظہر) نے دیا تھا جب کہ ان کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر یزید بن حصین نے ان پر اعتراض کیا تھا۔ یقین کی یہ دولت ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ ذلک فضل اللہ یؤتہ من یشاء۔

شب عاشورا کے واقعات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ سرکار سید الشہداءؑ نے اپنے خالص اصحاب کو باعجاز امامت جنت میں اپنے مقامات و منازل دکھا دیئے تھے کہ اے فلاں یہ تیری منزل ہے۔ اور اے فلاں یہ تیرا مقام ہے۔<sup>۱</sup> یہ سب شواہد ایک طرف صرف حضرت صادق آل محمدؑ کا شہدائے کربلا کی زیارت میں یہ فرمانا ہی ان کی فوق العادت عظمت و جلالت کو اجاگر کرنے کے لیے کافی ہے کہ بابا سی انتم و امی طہتم و طابت الارض التی فیہا دفنتم و فزتم فوزاً عظیماً<sup>۲</sup> اے شہداء کربلا! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں۔ تم پاک و پاکیزہ ہو گئے اور وہ زمین بھی پاک و پاکیزہ ہو گئی جس میں تم دفن ہوئے۔<sup>۳</sup> اور تم نے فوزِ عظیم حاصل کیا۔ یسیتنا کنا معہم فنفوز فوزاً عظیماً ذلک فضل اللہ یؤتہ من یشاء۔

بابی الذین تسرعوا الحمامہم دون الحسین فاحرز اعین الرضاء

### افادہ راجع بطریق ہائے جنگ

مخفی نہ رہے کہ عربوں میں جنگ کے دو طریقے رائج تھے۔ پہلا طریقہ یہ تھا کہ ایک ایک جوان میدان کارزار میں نکل کر دادِ شجاعت دیتا تھا (اور کبھی کبھی یہی طریقہ دو، دو، تین تین اور چار چار کی صورت بھی اختیار کر لیتا تھا) اسے مبارزتِ طلبی کہا جاتا ہے اور زیادہ تر اسی طریقہ پر عمل درآمد ہوتا تھا۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ ایک فریق سارے کا سارا یا اس کا کثیر حصہ دوسرے فریق پر یک بارگی دھاوا بول دیتا اور فریقین گھٹم گھٹا ہو جاتے۔ اسے جنگِ مغلوبہ کہا جاتا ہے۔ اکابر علماء کے کلمات و مقاتل سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے (جیسا کہ قبل ازیں بھی بیان ہو چکا ہے) کہ روزِ عاشورہ صرف تین بار جنگِ مغلوبہ واقع ہوئی۔ (۱) حملہ اولیٰ۔ (۲) جناب مسلم بن عوسجہ کی شہادت سے قبل۔ (۳) اور نمازِ ظہر سے قریباً ایک گھنٹہ پہلے۔ اس کے علاوہ باقی

۱۔ رجال کشی، ص ۵۳۔ مقتل الحسین، ص ۲۸۸۔ نفس المہموم، ص ۱۲۷۔ ۲۔ نفس المہموم، ص ۱۲۳ وغیرہ۔

۳۔ مناقب الجنان، ص ۳۴۰۔



تمام جنگ پہلے طریقہ (مبارزت طلبی) کے مطابق ہوئی ہے۔ ہم پہلے مبارزت طلبی میں شہید ہونے والے اصحاب کے حالات زندگی اور شہادات لکھتے ہیں۔ بعد میں جنگ مغلوبہ میں شہید ہونے والوں کے حالات قلمبند کئے جائیں گے انشاء اللہ۔

### (۱) عبداللہ بن عمیر کلبی

نام عبداللہ بن عمیر بن عباس بن عبد قیس بن علیم بن جناب الکھس العلیسی ہے اور کنیت ابو وہب ہے۔ جناب شیخ طوسی نے فہرست میں انہیں جناب امیر علیہ السلام کے اصحاب میں سے شمار کیا ہے۔ کوفہ میں محلہ بنی ہمدان کے نزدیک چاہ سعد کے پاس گھر تھا۔ جس میں اپنی زوجہ ام وہب کے ہمراہ (جو بنی مزین قاسط سے تھیں) رہائش پذیر تھے۔ اس نے ایک دن مقام نخیلہ کے پاس (جو کہ کوفہ سے باہر تھا) لوگوں کو جمع ہوتے دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لوگ حسین بن فاطمہ بنت رسول کے ساتھ جنگ کے لیے بھیجے جا رہے ہیں۔ عبداللہ نے (دل میں) کہا: بخدا میں حصول ثواب و سعادت کی خاطر مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے کا بڑا شائق تھا۔ میں سمجھتا ہوں دختر رسول کے فرزند کے ساتھ جنگ کرنے والوں کے ساتھ جہاد کرنے کا ثواب کفار و مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے سے زیادہ ہی ہوگا۔ چنانچہ عبداللہ گھر پہنچا اور اپنی نیک بخت بیوی سے اپنے ارادہ کا اظہار کیا۔ اس نے اس کے ارادہ کی تائید کرتے ہوئے اسے بھی ہمراہ لے جانے کی استدعا کی۔ چنانچہ عبداللہ اسے ہمراہ لے کر آٹھویں محرم کی شب کو امام حسین کی خدمت میں پہنچ گیا۔ روز عاشوراء تک خدمت امام میں رہا۔ روز عاشوراء جب پسر سعد کے تیر مارنے سے آغاز جنگ ہو گیا۔ اور اس حملہ اولیٰ میں کافی انصار حسین عروس موت سے ہمکنار بھی ہو گئے تو اس کے بعد مبارزت طلبی کا سلسلہ شروع ہوا۔ پہلے پہل فوج مخالف سے دو آدمی نکل کر مبارزت طلب ہوئے۔ ایک زیاد بن ابیہ کا آزاد کردہ غلام یسار۔ دوسرا عبید اللہ بن زیاد کا غلام سالم بن عمرو۔ ادھر حسینی جماعت سے جناب حبیب بن مظاہر (مظہر) اور جناب بریر بن خضیر اٹھے۔ مگر جناب امام حسین علیہ السلام نے ان کو روک دیا۔ اس اثناء میں جناب عبداللہ بن عمیر کلبی نے اذن جہاد طلب کیا۔ امام نے اس کے قد و قامت پر نگاہ ڈالی دیکھا کہ گندم گوں رنگ، لاناقد، طاقتور کلائیوں اور چوڑے کاندھوں والا جوان ہے۔ پھر فرمایا: میرا خیال ہے کہ یہ مقابلہ میں آنے والوں کو خوب قتل کرے گا۔ خلاصہ کلام امام نے اسے اذن جہاد دیا اور عبداللہ میدان میں نکلے۔ ان دونوں نے اس سے نام و نسب دریافت کیا۔ عبداللہ نے اپنا حسب و نسب بیان کیا۔ انہوں نے کہا: ہم تمہیں نہیں پہچانتے۔ ہمارے مقابلہ میں زہیر بن القین یا حبیب بن مظاہر یا بریر بن خضیر نکلے۔ یسار، سالم کے آگے تھا۔ جناب عبداللہ نے یہ کہہ کر کہ یا بن الزانیۃ و بک رغبۃ عن مبارزۃ



احد ﴿اے زن زانیہ کے بیٹے! تم میرے مقابلہ سے روگردانی کرتے ہو؟ پھر اس پر حملہ کر دیا۔ اور تلووار اس کے جسم میں گھونپ دی۔ وہ اسے قتل کرنے میں مشغول تھا کہ سالم نے اس پر حملہ کر دیا۔ اصحابِ حسینیؑ نے پکار کر کہا: خیال کرنا غلام نے تم پر حملہ کر دیا ہے۔ جناب عبداللہؑ نے اس کی کوئی پروا نہ کی۔ جب یسار کو واصل جہنم کر دیا تو سالم کی طرف متوجہ ہوا۔ سالم نے تلووار کا وار کیا۔ عبداللہؑ نے اپنے بائیں ہاتھ پر اسے روکا۔ جس سے اس کے ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں مگر اس کے باوجود عبداللہؑ نے جواب میں ایسا سخت وار کیا کہ سالم جہنم رسید ہو گیا۔ ہر دو ناریوں کو جہنم رسید کرنے کے بعد عبداللہؑ یہ رجز پڑھنے لگا:

ان تنکرونی فانا ابن الکلبی      حسبی بیعتی فی غلیم حسبی  
انی امرء ذر مرة وعصب      ولست بخوار عند النکب  
انی زعیم لک ام وهب      بالطعن فیهم مقدماً و الضرب

ضرب غلام مؤمن بالرب

یہ رجز یہ اشعار سن کر ان کی زوجہ ام وہب نے ایک گرز ہاتھ میں لیا اور یہ کہتی ہوئی کہ ﴿فداک ابی و امی قاتل دون الطیین ذریۃ محمد﴾ (میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں ذریت پیغمبر کے لیے خوب جنگ کرو) اپنے شوہر کی طرف میدان کارزار میں بڑھی۔ عبداللہؑ نے ہر چند اسے واپس کرنا چاہا۔ مگر اس نے عبداللہؑ کا کپڑا پکڑ کر کہنا شروع کیا۔ میں اس وقت تم سے جدا نہ ہوں گی جب تک تمہارے ساتھ جام شہادت نوش نہ کروں گی۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت امام حسینؑ نے باواز بلند فرمایا: ﴿جزیتکم من اهل البيت خیراً ارجعی رحمک اللہ الی النساء فاجلسی معهن فانه لیس علی النساء قتال﴾ خدائے تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ عورتوں کی طرف واپس پلٹ آؤ۔ خدا تم پر رحم کرے ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ کیونکہ عورتوں پر جہاد نہیں ہے۔ حکم امام سن کر وہ مؤمنہ واپس لوٹ آئی۔

ادھر چونکہ فوج مخالف سے پھر کوئی مبارز نہ نکلا۔ اس لیے جناب عبداللہؑ بھی خدمتِ امام میں واپس آ گئے۔ اس کے بعد جناب مسلم بن عوجہ میدان جنگ میں گئے (جس کی تفصیل بعد میں آرہی ہے) اور اس وقت شمر بن ذی الجوشن نے فوج کے میسرہ سے حسینیؑ سپاہ کے میسرہ پر حملہ کیا۔ اور اصحابِ حسینیؑ نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ اس وقت اس جنگ مغلوبہ میں جناب عبداللہؑ بن عمیر نے پھر خوب داد شجاعت دی۔ مخالف کے اور دو سپاہیوں کو واصل جہنم کیا۔ اس کے بعد ہانی بن عتیبہ حضرمی اور بکیر بن حی تمیمی کے ہاتھوں شہادت کے درجہ رفیعہ پر فائز ہوا۔ جب اس کی زوجہ ام وہب نے یہ منظر دیکھا تو تاپ ضبط نہ رہی۔ میدان کارزار میں پہنچ کر اپنے عزیز شوہر کے چہرہ سے گرد و غبار



صاف کرنا شروع کی اور ساتھ ہی یہ کہتی جاتی تھی: ﴿هَيْسًا لَكَ الْجَنَّةُ اسْتَسْلِ اللَّهُ الَّذِي رَزَقَكَ الْجَنَّةَ انْ بَصَحْنِي مَعَكَ﴾ تمہیں جنت مبارک ہو! جس خدائے بزرگ و برتر نے تمہیں شہادت کا درجہ عطا فرمایا ہے اس سے دعا کرو کہ مجھے بھی تمہارے ساتھ بلا لے۔ شمر نے اپنے غلام رستم سے کہا کہ اس کے سر پر گرز مار کر اس کا کام تمام کر دو۔ چنانچہ اس شقی نے اس مظلومہ کو شہید کر دیا۔ اس طرح اس محترم خاتون کا خون ناحق بھی تصویر کر بلا میں رنگ بھرنے کے کام آیا ۔

چہ خوش رستم بنا کردند بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را ۱

(۲) حرب بن یزید بن ناجیہ بن ثعلب بن عتاب بن ہرمی بن رباح بن ربیع التمیمی الیربوعی الریاحی

ان کا خاندان قدیم الایام سے عزت و عظمت کا مالک تھا۔ حر کا جد اعلیٰ عتاب بادشاہ حیرہ نعمان بن منذر کے مخصوصین میں سے تھا۔ خود جناب حر کا شمار کوفہ کے رؤساء و صنادید میں ہوتا تھا اور سپاہ ابن زیاد میں ایک دستہ فوج کے افسر اعلیٰ تھے۔ پہلے پہل ابن زیاد نے انہی کو ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ امام حسینؑ کا راستہ روکنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس کے بعد روز عاشوراء تک جو جو واقعات درپیش آئے وہ آپ سابقہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔ عبد اللہ بن عمیر کی دلیرانہ جنگ کے نتیجہ میں جب یسار اور سالم قتل ہو چکے تو احساس شکست کو کم کرنے نیز مغلوب الغضب ہو کر عمرو بن الحجاج زبیدی نے جو فوج یزید کے میمنہ کا افسر تھا۔ اپنی پوری طاقت کے ساتھ حسینیؑ مجاہدین کے میمنہ پر حملہ کر دیا۔ مگر سپاہ حسینیؑ نے اس موقع پر صبر و ثبات کا عجیب مظاہرہ کیا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ ﴿ثَوَّالَهُ عَلَى الرِّكْبِ وَ اشْرَعُوا الرِّمَاحَ نَحْوَهُمْ﴾ انہوں نے اپنے گھنے زمین پر ٹیک کر نیزوں کی انیاں حملہ آوروں کے سامنے کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مخالف کے گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ اور جب مایوس ہو کر واپس ہونے لگے تو اصحاب حسینؑ نے ان کو تیروں کی زد پر دیکھ کر تیر مارنے شروع کئے جس سے مخالف کے کچھ آدمی قتل ہوئے اور کچھ زخمی ۲۔

یہ حالت دیکھ کر خر خدمت امام میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ﴿اِذَا كُنْتَ اَوَّلَ مَنْ خَرَجَ عَلَيْكَ فَاذَنْ

لِي اِنْ اَكُونُ اَوَّلَ قَتِيلٍ بَيْنَ يَدَيْكَ لَعَلِّي اَكُونُ مِمَّنْ يَصَافِحُ جَدَّكَ مُحَمَّدًا غَدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ فرزند رسول! میں نے سب سے پہلے آپ پر خروج کیا۔ اب مجھے اجازت مرحمت فرمائیے تاکہ سب سے پہلے آپ پر جان قربان کروں تاکہ اس وسیلہ سے بروز قیامت آپ کے جد نامدار کے ساتھ مصافحہ کر سکوں۔ سید اجل ابن طاووس نے

۱ ذخیرۃ الدارین فیما یصلق بسیدنا حسینؑ، ص ۲۰۴۔ فرسان السجاء و حالات اصحاب سید الشہداء، ص ۲۵۳۔ کامل ج ۳، ص ۲۸۹ وغیرہ۔

۲ عشر بھار، ص ۱۹۵۔ نفس المہموم، ص ۱۴۸۔ کامل، ج ۳، ص ۲۸۹۔



جناب خُ کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ﴿انما اراد اول قتيل من الان لان جماعة قتلوا قبله﴾ (لہوف، ص ۹۲) یعنی ان کی مراد یہ تھی کہ (حملہ اولیٰ کے بعد) اب جو شہید ہوں ان سے میں پہلے درجہ شہادت پر فائز ہوں۔ کیونکہ ان سے قبل ایک جماعت جام شہادت نوش کر چکی تھی۔ بہر حال جناب خُ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان کارزار میں نکل آئے۔

انی انا الحر وماوی الضیف      اضرب فی اعناقکم بالسیف  
عن خیر من حل بارض الخیف      اضربکم ولا اری من حیف

اس کے بعد فوج مخالف پر ٹوٹ پڑے۔ بعض ارباب تاریخ کا بیان ہے کہ جب خُ لشکر ابن سعد سے علیحدہ ہو کر حسینی جماعت میں شامل ہوئے تھے تو مخالف فوج کے ایک سپاہی یزید بن سفیان تمیمی نے کہا تھا: بخدا اگر مجھے اس وقت خُ کے جانے کا علم ہوتا تو میں ایک ہی نیزے سے اس کا کام تمام کر دیتا۔ اب جب کہ جناب خُ تنہا نرغہ اعداء میں گھس کر شمشیر زنی کر رہے تھے اور یہ شعر بھی پڑھتے جاتے تھے جو بالکل موجودہ حالت کی ترجمانی کر رہا تھا کیونکہ ان کا گھوڑا تلواریں لگنے سے بری طرح زخمی ہو چکا تھا۔

مازلت ارمیہم بشجرة نحرہ      ولباقہ حتی ترمل بالدم

میں ان کو اپنے گھوڑے کی گردن اور اس کے سینہ سے برابر مارتا رہا۔ یہاں تک کہ گھوڑے نے خون کی چادر اوڑھ لی۔ حصین بن تمیم نے (جو کہ عبید اللہ بن زیاد کا پولیس افسر تھا) شخص مذکور یزید بن تمیمی سے کہا: یہی خُ ہے جس کے قتل کی تمہیں تمنا تھی۔ یہ سن کر یزید مقابلہ کے لیے نکلا اور خُ سے دریافت کیا: کیا مقابلہ کرو گے؟ جناب خُ نے اثبات میں جواب دیا۔ اس کے بعد خُ نے اس پر ایک ایسا زبردست وار کیا کہ یزید واصل جہنم ہو گیا۔ حصین بن تمیم کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یزید کی موت خُ کے ہاتھ میں تھی۔ اس کے بعد چونکہ فوج مخالف سے کوئی شخص مقابلہ کے لیے نہ نکلا۔ اس لیے خُ واپس آ گئے۔ اگرچہ کئی مختصر کتب مقاتل میں یہ تفصیل مذکور نہیں لیکن کتب مبسوطہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب خُ نماز ظہر کے ہنگامہ رستخیز کے بعد درجہ رفیعہ شہادت پر فائز ہوئے۔ چنانچہ جناب حبیب بن مظاہر (مظہر) کی شہادت کے بعد جناب خُ جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر میدان کارزار میں یہ رجز پڑھتے ہوئے دوسری بار نکلے۔

الی لا اقتل حتی اقتلا      اضربہم بالسیف ضرباً معضلاً  
لا نأقلاً عنہم ولا معذلاً      لا حاجرأ عنہم ولا مبدلاً

احمى الحسين الماجد المؤمناً



پھر صفوفِ اعداء کے بالمقابل پہنچ کر یہ رجز پڑھا۔

انی انا الحر و نجل الحر      اشجع من ذی لبد ہزبر  
و لست بالعبان عند الکمر      لکننی الوتاف عند الفر

جناب زہیر بھی آپ کے ساتھ شریک جہاد ہو گئے۔ اور دونوں نے بڑھ بڑھ کر کوفیوں کو واصل جہنم کرنا شروع کیا۔ اگر ایک نرغہ اعداء میں گھر جاتا تھا تو دوسرا اسے چھڑاتا تھا۔ ایوب ابن مشرح خیوانی نے جناب خُر کے گھوڑے کی کوئیچیں کاٹ دیں۔ گھوڑا گرنے لگا تو جناب خُر پھرے ہوئے شیر کی طرح جست لگا کر اتر پڑے اور پھر پیادہ پا جنگ شروع کی۔ اسی اثناء میں خُر نے کچھ اوپر چالیں<sup>۱</sup> ناریوں کو اور بردایتے کچھ اد پر اسی<sup>۲</sup> کو جہنم رسید کیا۔ اس وقت یہ رجز ان کی زبان پر تھا ۔

ان تعقرونی فانا بن الحر      اشجع من ذی لبد ہزبر

کچھ وقت یہی کیفیت جاری رہی۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد دشمن کی پیادہ فوج نے جناب خُر کو اس طرح گھیرے میں لے لیا کہ زہیر کی مدافعت بھی بے کار ثابت ہوئی۔ ایوب ابن مشرح خیوانی اور شہسواران کوفہ میں سے ایک شخص نے مل کر ان کو شہید کر دیا۔ اصحاب حسینؑ ان کی لاش اٹھا کر خدمت امامؑ میں لائے۔ امامؑ نے ان کو دیکھ کر فرمایا: ﴿قتلة مثل قتلة النبیین والنبیین﴾ اس کا قتل انبیاء اور اولاد انبیاء کی طرح ہے۔<sup>۳</sup> ابھی ان میں کچھ رمت حیات باقی تھے۔ آنجنابؑ نے ان کے چہرہ سے خون صاف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿انت الحر کما سمتک امک و انت الحر فی الدنیا و الاخرة﴾ واقعاً تم خُر (آزاد) ہو۔ جیسا کہ تمہاری ماں نے تمہارا نام رکھا تھا۔ تم دنیا و آخرت میں خُر (آزاد) ہو۔<sup>۴</sup> اس کے بعد جناب سید الشہداءؑ نے خُر کا یہ مرثیہ پڑھا:

لنعم الحر حربنی رباح      صبور عند مشتبک الرماح  
و نعم الحر اذ نادى حسینا      و جاد بنفسه عند الصباح<sup>۵</sup>

کتاب فرسان الہیجا (ص ۱۲۷) اور ناخ التوارخ (ج ۶، ص ۲۵۱) میں مندرجہ ذیل تین اور اشعار بھی مذکور ہیں:

و نعم الحر فی رھج المناہیا      اذا لا بطل تخفق بالصفاح

۱ مناقب شہر بن آشوب، ج ۳، ص ۹۴۔ ۲ ناخ التوارخ، ج ۶، ص ۲۵۱۔

۳ تعظیم الزہراء، ص ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴،



و نعم الحر اذ و انى حسينا  
فيا رب اصفه لى جنان  
و فاز بالهداية و الفلاح  
و زوجه مع الحور الملاح

### (۳) مسلم بن عوجہ اسدی

جناب کا نام مسلم بن عوجہ بن ثعلبہ بن رودان بن اسد بن خزیمہ الاسدی السعدی اور کنیت ابو الجبل ہے۔ یہ بزرگوار صائم النہار شب زندہ دار، قاری قرآن، بڑے بہادر و مرد میدان تھے۔ اور حضرت امیر المؤمنین کے خواص اصحاب میں سے تھے۔ ان کے ہمراہ تینوں لڑائیوں (جمل، صفین اور نہروان) میں شریک رہ کر دایہ شجاعت دے چکے تھے۔ ابن سعد نے طبقات میں انہیں صحابہ رسول میں شمار کیا ہے۔ اور شخصی نے ان سے روایت حدیث بھی کی ہے۔ آقائے امتقانی نے اپنے رجال میں ان کے بارے میں لکھا ہے۔ ان کی جلالت قدر، عدالت، قوت ایمان اور شدت ورع و تقویٰ احاطہ تقریر و تحریر سے باہر ہے یہ وہی بزرگوار ہیں کہ جب شب عاشوراء سید الشہداء نے اپنے تاریخی خطبے میں اپنے اصحاب کو چلے جانے کی اجازت دے دی تھی تو انہوں نے عرض کیا تھا: بھلا یہ ممکن ہے کہ ہم آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں۔ اگر ایسا کریں تو فردائے قیامت بارگاہ ایزدی میں آپ کے جہنم دار کو کیا جواب دیں گے؟ بخدا اگر مجھے یقین ہوتا کہ قوم جفاکار مجھے قتل کرے گی۔ پھر زندہ ہو جاؤں گا۔ وہ پھر مجھے قتل کر دے گی اور لاش کو جلا کر اس کی راکھ ہوا میں اڑا دے گی۔ اسی طرح اگر ستر بار بھی مجھ سے یہ سلوک کیا جائے گا۔ تب بھی آپ کی تائید و نصرت سے دست برداری اختیار نہ کروں گا۔ حالانکہ مجھے یقین ہے کہ صرف ایک بار ہی شہید ہونا ہے۔

اس سے پہلے جب حضرت مسلم کوفہ میں تشریف لے گئے تھے تو یہی مسلم ان کے معتمد خصوصی تھے اور لوگوں سے ان کے لیے بیعت لیتے تھے۔ بہر حال روز عاشوراء جب دوسری بار جنگ مغلوبہ واقع ہوئی (جس کی طرف قبل ازیں اشارہ کیا جا چکا ہے) اور عمرو بن الحجاج نے سپاہ حسین کے سینہ پر اور شمر بن ذی الجوشن نے میسرہ پر حملہ کر دیا اور اس حملہ کی وجہ یہ تھی کہ دست بدست لڑائی میں مخالف کا بڑا نقصان ہو رہا تھا۔ چنانچہ عمرو بن الحجاج نے اپنی فوج کو پکار کر کہا۔ اے احمق! کچھ پتہ بھی ہے کہ کس سے جنگ کر رہے ہو؟ یہ خاص شہسوار اور جان پر کھیلنے والے لوگ ہیں۔ اکیلا کوئی جنگ کے لیے نہ نکلے۔ ان کی تعداد ہی کیا ہے۔ اگر تم سب مل کر ان کو پتھر بھی مارو تو یہ سب ختم ہو سکتے ہیں۔ ابن سعد نے بھی اس کی تجویز کو پسند کیا۔ مزید برآں عمرو نے آگے بڑھ کر اپنی فوج کا حوصلہ بلند کرنے کے لیے کہا: ﴿یَا اهل الکوفة الزموا طاعتکم و جماعتکم ولا تقاتلوا فی قتل من مرق من الدین﴾ اے کوفہ والو! اپنی اطاعت و جماعت کو لازم پکڑے رہو۔ اور جو دین سے نکل گئے ہیں ان کے قتل کے جواز میں شک نہ کرو۔ (معاذ



اللہ) امام حسین نے جواب میں فرمایا: ﴿يَا عَمْرُو بْنَ الْحَجَّاجِ أَعْلَى تَحْرُضُ النَّاسَ انْجَنَ مَرْقَبًا مِنَ الدِّينِ وَ  
 أَنْتُمْ ثَبْتُمْ عَلَيْهِ أَمَّا وَاللَّهِ لَتَعْلَمَنَّ لَوْ قَدْ قَبِضَتْ أَرْوَاحُكُمْ وَ مَتَّعَ عَلَى أَعْمَالِكُمْ إِنَّا مَرْقُوقٌ مِنَ الدِّينِ وَمَنْ  
 هُوَ أَوْلَى بِصُلَى النَّارِ﴾ اے عمرو بن الحجاج! تو لوگوں کو میرے قتل پر آمادہ کرتا ہے۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم دین  
 سے خارج ہو گئے اور تم اس پر ثابت قدم ہو؟ جب تمہاری رو میں قبض ہوں گی اور موجودہ کردار پر تمہاری موت واقع  
 ہوگی تو پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ دین سے کون خارج ہوا ہے اور آتش جہنم میں جلنے کا سزاوار کون ہے؟ اس وقت جناب  
 مسلم حسینی لشکر کے میسرہ میں تھے جس کے سالار زبیر بن القین تھے۔ جناب مسلم اگرچہ سن رسیدہ و ضعیف العمر تھے مگر  
 قوت ایمانی اور جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر پھرے ہوئے شیر کی طرح گھوڑے کو ایڑ لگا کر یہ رجز پڑھتے ہوئے  
 میدان کارزار میں آ گئے ۔

ان تسئلوا عنی فانی ذوالبد من فرع قوم من ذری بنی اسد  
 اگر تم میرا نام و نسب پوچھتے ہو تو میں شیر پیشہ شجاعت ہوں اور بنی اسد کے اشراف سے تعلق رکھتا ہوں۔  
 فمن بغانی حائد عن الرشد و کافر بدین جبار الصمد  
 جوڑنے کے لیے میرا طلبگار ہے وہ طریق رشد و ہدایت سے برگشتہ ہے اور جبار و صمد کے دین کا منکر ہے۔  
 یہ کہہ کر برق خاطف اور صرصر عاصف کی مانند سپاہ خون آشام پر ٹوٹ پڑے۔ اور حرب و ضرب کا تورگرم کر  
 دیا۔ جو سامنے آیا کسی کو نیزہ سے اور کسی کو تلوار سے واصل جہنم کیا۔ چنانچہ ابن سعد کا ایک لشکری مقابلہ کے لیے نکلا۔  
 جناب مسلم نے اس کے داہنے پہلو میں نیزے کا ایک ایسا سخت وار کیا کہ بائیں پہلو سے باہر نکل آیا اور وہ وہیں ڈھیر  
 ہو کر رہ گیا پھر دوسرا نکلا۔ اس کا بھی یہی انجام ہوا۔ اسی طرح کشت و خون کرتے ہوئے پچاس سواروں کو جہنم رسید کیا۔  
 بہر حال اصحاب حسین نے اس دلیری و پامردی کے ساتھ مخالف کے حملہ کا مقابلہ کیا کہ دشمن کے دانت کھٹے  
 ہو گئے اور اسے واپس ہونا پڑا مگر اس دوران میں جناب مسلم بڑی طرح زخمی ہو کر گر گئے تھیں ان کو شہید کرنے میں مسلم  
 بن عبد اللہ الضبائی و عبد الرحمن بن ابی خشکارہ الجبلی باہم شریک تھے۔ ان دونوں کو جناب مختار نے واصل جہنم کیا تھا۔  
 جب غبار جنگ پھٹا تو دیکھا گیا کہ جناب مسلم بن عوجہ خاک و خون میں لت پت پڑے ہیں۔ جناب  
 سید الشہداء (علیہ السلام) عقاب کی طرح جھپٹ کر مسلم کے بالین سر تشریف لے گئے۔ اس وقت جناب حبیب بن مظاہر بھی  
 آپ کے ہمراہ تھے۔ امام نے دیکھا کہ ابھی کچھ رقی حیات باقی ہیں۔ فرمایا: ﴿بِرَحْمَةِ اللَّهِ يَا مُسْلِمُ﴾ اے  
 مسلم! خدا تم پر رحمت نازل کرے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿مِنْهُمْ مَنْ قُضِيَ نَجْوَاهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظَرُ وَمَا



بَدَلُوا تَبْدِيلًا ﴿﴾ کچھ جانے والے جا چکے۔ اور کچھ منتظر بیٹھے ہیں۔ کسی نے بھی عہد و پیمان میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ پھر جناب حبیب نے قریب جا کر کہا: ﴿عَزَّ عَلَيَّ مَصْرَعُكَ يَا مُسْلِمُ ابْشِرْ بِالْجَنَّةِ﴾ ﴿﴾ مسلم! تمہاری موت مجھ پر شاق ہے تمہیں جنت کی بشارت ہو۔ جناب مسلم نے کمزور آواز کے ساتھ جواب میں کہا: ﴿بَشْرُكَ اللَّهُ بِخَيْرٍ﴾ ﴿﴾ خدا تمہیں بھی خیر و خوبی کی بشارت دے۔ جناب حبیب نے کہا: ﴿لَوْ لَمْ أَعْلَمْ أَنِّي فِي الْأَثَرِ لَأَحْسَيْتُ أَنَّ تَوْصِيَّ إِلَيَّ بِمَا أَهْمُكَ﴾ ﴿﴾ اگر مجھے اس بات کا یقین نہ ہوتا کہ میں بھی عنقریب آپ کے پیچھے آ رہا ہوں تو ضرورتاً تم سے کہتا کہ جو وصیت کرنا ہو کرو۔ جناب مسلم نے کہا: ﴿أَوْصِيكَ بِهَذَا (وَإِشَارَ إِلَى الْحُسَيْنِ) إِنَّ تَمُوتَ دُونَهُ﴾ ﴿﴾ امام حسینؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: میں اس بزرگوار کے متعلق وصیت کرتا ہوں کہ ان پر اپنی جان نثار کرنا۔ جناب حبیب نے کہا: ﴿أَفْعَلْ وَدَبَّ الْكَعْبَةُ﴾ ﴿﴾ رب کعبہ کی قسم! میں ضرور ایسا ہی کروں گا۔ اسی اثناء میں جناب مسلم بن عوجہ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلَّهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

جناب مسلم کی کنیز نے یہ جانگداز منظر دیکھ کر ندبہ کرتے ہوئے کہنا شروع کیا: ﴿وَا مَسْلَمَاهُ يَا سَيِّدَاهُ يَا بَنِي عَوْسَجَتَاهُ﴾ ﴿﴾ ہائے مسلم! ہائے میرے سردار! کنیز کی آواز سن کر عمرو بن الحجاج کے سپاہیوں نے مسرت و شادمانی کے لہجہ میں کہنا شروع کیا۔ ہم نے مسلم کو قتل کر دیا۔ شبث بن ربیع نے کہا: ﴿ثَقَلْتُمْ أَهْمَاتِكُمْ أَيْقَتُلْ مِثْلَ مُسْلِمٍ وَ تَفْرَحُونَ؟﴾ ﴿﴾ تمہاری مائیں تمہارے ماتم میں بیٹھیں۔ مسلم بن عوجہ جیسے بزرگوار کے قتل پر تم خوشی کا اظہار کرتے ہو؟ میں نے اسلامی جنگوں میں ان کے بڑے بڑے عمدہ کارنامے دیکھے ہیں۔ فتحِ آذر بائیجان والے دن میں نے ان کو دیکھا کہ مسلمانوں کی صف بندی بھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ مسلم نے چھ شرک قتل کر ڈالے تھے۔<sup>۱</sup>

#### (۴) بُریر بن خضیر ہمدانی

جناب بُریر بن خضیر (ہردو برون زبیر) الہمدانی المشرقی خاندان ہمدان کے قبیلہ بنی مشرق کے اشراف و اکابر میں سے ہیں۔ حضرت امیر المؤمنین اور جناب حسین علیہم السلام کے خواص اصحاب میں سے تھے۔ علماء سیر و تراجم نے ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ﴿كَانَ بَرِيرَ شَجَاعًا تَابِعِيًّا نَاسِكًا قَارِئًا لِلْقُرْآنِ مِنْ شَبَوَاحِ الْقُرَاءِ وَمِنْ أَصْحَابِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَكَانَ مِنْ أَشْرَافِ أَهْلِ الْكُوفَةِ مِنَ الْهَمْدَانِيِّينَ﴾ ﴿﴾ یہ سن رسیدہ بزرگ تابعی بہت بڑے شجاع، عبادت گزار، قارئ قرآن (جن کو لوگ سید القراء کہتے تھے) امیر المؤمنین کے صحابی اور قبیلہ ہمدان کے اشراف میں سے تھے انہوں نے ”کتاب القضاء والا حکام“ کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی تھی جس میں حضرت



امیر المؤمنین اور جناب امام حسن مجتبیٰ علیہما السلام سے روایات نقل کی ہیں۔ یہ کتاب اصول معتبرہ سے سمجھی جاتی ہے۔<sup>۱</sup> جب ان کو حضرت امام حسینؑ کے مدینہ سے بجانب عراق سفر کرنے کی اطلاع ملی تو ذخیرۃ الدارین صفحہ ۲۶۰ اور فرسان الہیجا، ج ۱، ص ۴۰ کے بیان کے مطابق یہ بزرگوار بنفس نفیس مکہ پہنچ کر آنجناب کے ہمرکاب ہو گئے۔ اور دوسرے اکثر مؤرخین کے بیان کے مطابق راستہ میں کسی منزل پر جا ملے۔ (بظاہر یہی قول قرین صواب معلوم ہوتا ولس ہنا محل التفصیل) راستہ میں سید الشہداء کے ساتھ حُر کی ملاقات کے وقت جب امامؑ نے دل برداشتہ ہو کر خطبہ پڑھا اور اصحاب امامؑ نے اپنی جاں سپاری اور خدمت گزاری کا اظہار کیا جس کا قبل ازیں اپنے مقام پر تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ تو ان مخلصین میں جناب بریر پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اسی طرح روز عاشوراء ان کے عبدالرحمن کے ساتھ مذاق کرنے اور ان کے ٹوکنے پر ان کے جواب دینے کہ میری قوم وقبیلہ کے لوگ جانتے ہیں کہ میں مذاق کا عادی نہیں ہوں۔ لیکن آج مستقبل کی تابناکی و درخشندگی کہ ادھر یہ لوگ ہم پر تلواروں سے حملہ کریں گے۔ ادھر ہم جنت الفردوس میں حورالعین کی رفاقت میں پہنچ جائیں گے۔ مجھے اس مزاج پر آمادہ کر رہی ہے۔ اس سے ان کے درجہ ایمان و ایقان اور جذبہ شوق شہادت پر بڑی تیز روشنی پڑتی ہے۔ یہ ان کا شوق شہادت ہی تھا کہ جب پہلے پہل فوج مخالف سے سالم و یسار میدان کارزار میں آئے تو ادھر سے فوراً جناب بریر اور جناب حبیب مقابلہ کے لیے کھڑے ہو گئے مگر امامؑ نے ان کو روک دیا۔ جیسا کہ پہلے اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

بہر حال جنگ مغلوبہ کے بعد جناب بریر یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان کارزار میں نکلے۔

انا بریر و ابی خضیر لیث یروع الاسد عند الزیر

یعرف فینا الخیر اهل الخیر اضربکم ولا اری من ضیر

کذلک فعل الخیر من بریر و کل خیر فلیہ بریر

اس کے بعد تابڑ توڑ حملے شروع کئے۔ مخالفین کو قتل بھی کرتے جاتے تھے۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے

تھے: اقترَبوا منی یا قتلۃ المؤمنین۔ اقترَبوا منی یا قتلۃ اولاد البدریین اقترَبوا منی یا قتلۃ اولاد

رسول رب العالمین و ذریۃ السابقین ﴿میرے قریب آؤ۔ او مؤمنوں کو قتل کرنے والو! میرے نزدیک آؤ! اور

اہل بدر کی اولاد کو قتل کرنے والو! میرے پاس آؤ۔ او۔ رسول خدا کی اولاد و ذریۃ کو قتل کرنے والو! انہی حملوں میں

علاوہ بھروسہ کے تین ناریوں کو فی النار و ستر کیا۔<sup>۲</sup> اسی اثناء میں فوج یزید سے یزید بن معقل نکلا جو کہ بنی عمیرہ بن

۱ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۶۰۔ فرسام الہیجا، ص ۴۰، (مگر افسوس اصول کثیرہ کی طرح آج کل یہ کتاب بھی ناپید ہے)۔

۲ عاشق بھار الاوار، ص ۱۹۵۔



ربیعہ کا فرد اور بنی سلیمہ بن عبد القیس کا حلیف تھا۔ ادھر حسینی جماعت سے جناب بریر آگے بڑھے۔ یزید نے کہا: ﴿یَا  
 بریر بن خضیر کیف تری اللہ صنع بک؟﴾ اے بریر! خدا نے تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے؟ جناب بریر  
 نے جواب دیا: ﴿صنع اللہ بی و اللہ خیراً و صنع اللہ بک شراً﴾ بخدا! خدا نے میرے ساتھ بہت اچھا  
 سلوک کیا ہے۔ ہاں البتہ تیرے ساتھ برا سلوک کیا ہے! یزید نے کہا: ﴿کذبت و ما کنت قبل الیوم کذاباً﴾ تم  
 جھوٹ کہتے ہو حالانکہ تم اس سے پہلے جھوٹ نہیں بولتے تھے! پھر کہا: بریر! کیا وہ وقت بھی یاد ہے کہ جب ہم تم بنی  
 لوزان کے محلہ سے گزر رہے تھے اور تم کہتے تھے ﴿ان عثمان بن عفان کان علی نفسہ مسرفاً و ان معویہ  
 بن ابی سفیان ضال مضل و ان امام الہدی و الحق علی بن طالب؟﴾ کہ عثمان بن عفان اپنے نفس پر ظلم  
 کرنے والے (گنہگار) اور معاویہ بن ابی سفیان خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے تھے۔ اور امام برحق صرف  
 علی بن ابی طالب ہیں۔ جناب بریر نے کہا: ﴿اشہد ان هذا رانی و قولی﴾ ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اور اب  
 بھی میں گواہی دیتا ہوں کہ میرا وہی سابقہ عقیدہ ہے۔ یزید نے کہا: ﴿انی اشہد انک من الضالین﴾ میں گواہی  
 دیتا ہوں کہ تم گمراہوں میں سے ہو۔ بریر نے فرمایا: اگر خیال ہے تو آئیے میں اس سلسلہ میں تم سے مباہلہ کرتا ہوں۔  
 آؤ دونوں بارگاہ قدرت میں دعا کریں کہ ﴿ان یلعن الکاذب و ان یقتل المبطل﴾ وہ ہم میں سے جو جھوٹا ہے  
 اس پر لعنت کرے اور سچے کے ہاتھوں جھوٹے کو قتل کرے۔ چنانچہ دونوں نے ہاتھ بلند کر کے دعا کی کہ ﴿ان یلعن  
 الکاذب و ان یقتل المعق المبطل﴾ اس کے بعد مقابلہ کے لیے آگے بڑھے۔ یزید بن معقل نے بریر پر وار  
 کیا۔ تلوار اچھتی ہوئی لگی اور بریر کو کوئی خاص گزند نہ پہنچا۔ اس کے بعد جناب بریر نے ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ تلوار  
 خود کو کاٹتی ہوئی یزید کے دماغ تک پہنچ گئی۔ یزید فوراً زمین سے زمین پر دھڑام سے گرا۔ اس حالت میں بھی جناب بریر  
 کی تلوار اس کے سر میں گڑی ہوئی تھی۔ عقیف بن زہیر کا بیان ہے کہ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ بریر اس کے سر سے تلوار کو  
 حرکت دے کر کھینچ رہے ہیں۔ اس اثناء میں رضی بن منقذ عبدی نے جناب بریر پر حملہ کر دیا۔ دونوں باہم گتھم گتھا  
 ہو گئے اور کچھ دیر تک باہم کشتی لڑتے رہے۔ بالآخر بریر نے اس کو پچھاڑ دیا اور اس کے سینہ پر چڑھ گئے۔ رضی نے  
 امداد کے لیے اپنے ہمراہیوں کو پکارتے ہوئے کہا: ﴿ایس اهل المصاع و الدفاع﴾ شمشیر زن، دفاع کرنے  
 والے کہاں ہیں؟ چنانچہ کعب بن جابر بن عمرو ازدی آگے بڑھا (بروایتے اس کا نام بحیر بن اوس ضعی تھا) عقیف بن  
 زہیر کہتا ہے میں نے کعب کو حملہ سے باز رکھنے کے لیے کہا۔ کعب! یہ وہی بریر بن خضیر ہے جو مسجد (کوفہ) میں تمہیں  
 قرآن پڑھاتے تھے۔ مگر اس نے کوئی توجہ نہ دی اور نیزہ سے جناب بریر پر حملہ کر کے نیزہ ان کی پشت میں گاڑ دیا۔  
 جناب بریر نے نیزہ کی تکلیف محسوس کی تو رضی بن منقذ کو خوب نیچے رونداد۔ اور اس کی ناک کا کنارہ کاٹ دیا لیکن نیزہ



چونکہ بڑے زور سے لگا تھا۔ بریر نیچے گرے۔ پھر کعب نے تلوار کے متعدد وار کر کے ان کو شہید کر دیا۔ عقیف کہتا ہے گویا کہ میں اب آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ ابن منذر عبدی جسے بریر نے پچھاڑا تھا اس حال میں اٹھا کہ کپڑوں سے گرد و غبار جھاڑ رہا تھا۔ اور کعب ازدی سے کہہ رہا تھا: ﴿لَقَدْ اَنْعَمْتَ عَلٰی يٰ اَخَا الْاَزْدِ نِعْمَةً لَّنْ اَنْسَاهَا اَبَدًا﴾ اے ازدی! تم نے مجھ پر وہ احسان کیا ہے جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ جب کعب واپس پلٹ کر کوفہ گیا تو اس کی زوجہ یا بہن نورانے اس سے کہا: تو نے فرزند فاطمہ کے خلاف یورش کی اور سید القراء کو قتل کر کے ایک گناہ عظیم کا ارتکاب کیا ہے۔ اس لیے میں کبھی تم سے کلام نہیں کروں گی! اس پر کعب نے کہا: ہ

سلی تجری عنی و انت ذميمة	غداة حسين و الرماح شوارع
الم ات اقصی ما کرهت ولم يحل	علی غداة الروع ما انا صانع
معی یزنی لم تخنه کعوبه	و ابیض مخشوب الغرارین قاطع
فجردته فی عصبه لیس دینهم	بدینی و انی باین حرب لقانع
ولم تر عینی مثلهم فی زمانهم	ولا قبلهم فی الناس اذ انا یافع
اشد قراغا بالسیوف لدی الوغی	الاکل من یحمی الزمار مقارع
وقد صبروا للطعن و الضرب حسرا	وقد نازلوا لو ان ذلک نافع
فابلغ عید اللہ عما لقیته	بانی مطیع للخليفة سامع
قتلت بریراً ثم حملت نعمة	ابا منذر لما دعا من یماصح

### (۵) وہب بن حباب الکلمیؓ

مشہور یہ ہے کہ جناب وہب نصرانی المذہب تھے۔ وہ اپنی والدہ اور بیوی کے ساتھ سرکار سید الشہداء کے دست حق پرست پر اسلام لائے تھے۔ جیسا کہ روضۃ الواعظین نیشاپوری ص ۲۲۴، عاشر بحار الانوار، ص ۱۹۶، لامالی شیخ صدوق، ص ۹۷، لوائح الاشجان، ص ۱۱۶، اور نفس المہموم، ص ۱۵۳ وغیرہ کتب سے ظاہر ہے۔ صاحب فرسان السیاء نے صفحہ ۱۳۷ پر لکھا ہے: ”وہب مذکور کی تازہ شادی ہوئی تھی۔ روز عاشوراء زنا ف کو ابھی سترہ روز سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا جب انہوں نے نصرت فرزند رسولؐ میں جام شہادت پینے کا ارادہ کیا تو ان کی زوجہ ان کو خدمت امامؑ میں

۱۔ کامل، ج ۳، ص ۲۹۰۔

۲۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۶۰۔ فرسان البحار، ص ۳۰۔ عاشر بحار الانوار، ص ۱۹۵۔ الدعوت الساکبہ، ص ۳۳۱۔ نفس المہموم، ص ۱۲۹۔

مقتل الحسین للمقرم، ص ۲۸۵۔ طبری، ج ۶، ص ۲۳۷۔ لوائح الاشجان، ص ۱۱۴۔ تاریخ التوارخ، ج ۶، ص ۲۵۲ وغیرہ وغیرہ۔



لائیں۔ اور عرض کیا: فرزند رسولؐ دو باتیں عرض کرنا چاہتی ہوں ایک تو یہ کہ میرا شوہر تو عنقریب نیزہ و تلوار کے وار سے رہ سپار جنت ہو جائے گا اور چونکہ میرا یہاں کوئی مونس و غمگسار نہیں ہے اس لیے مجھے اپنے اہل حرم کے حوالہ کر دیجئے تاکہ وہ میرے نگران حال رہیں۔ دوسرے یہ کہ وہب سے وعدہ لیجئے کہ فردائے قیامت مجھے فراموش نہ کریں۔ امامؑ اس معظّمہ کی ان باتوں سے بہت متاثر ہوئے اور گریہ کرتے ہوئے فرمایا: تیری ہر دو باتیں منظور ہیں۔

بہر حال والدہ وہب نے حکم دیا: ﴿قُمْ يَا بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ﴾ بیٹا! شوہر اور دختر رسولؐ کے بیٹے کی نصرت کا حق ادا کرو۔ وہب نے کہا: ﴿افْعَلْ وَلَا اقْصِرْ﴾ مادر گرامی! میں ایسا ہی کروں گا اور کوئی کوتاہی نہ ہوگی چنانچہ اس کے بعد یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان و غامیں قدم رکھا۔

ان تنکرونی فاننا ابن الکلبی  
سوف ترونی و ترون ضربی  
و حملتی و صولتی فی الحرب  
ادرك ثاری بعد ثار صحبی  
و ادفع الکرب امام الکرب  
لیس جهادی فی الوغای باللعب

اس کے بعد خوب جانفشانی سے لڑے اور ایک جماعت کو واصل جہنم کرنے کے بعد اپنی ماں اور زوجہ کے پاس واپس آ گئے اور والدہ سے پوچھا: ﴿یا امہ ارضیت؟﴾ اے مادر محترم! کیا آپ میری کارکردگی سے خوش ہیں؟ ماں نے فرمایا: ﴿ما رضیت او تقبل بین یدی الحسین﴾ میں اس وقت تک ہر گز راضی نہ ہوں گی جب تک تم امام کے سامنے جام شہادت نوش نہ کرو۔ یہ سن کر اس کی زوجہ نے کہا: ﴿باللہ لا تفجعنی فی نفسک﴾ خدا کے لیے مجھے اپنا دکھ نہ پہنچائیے۔ مادر وہب نے کہا: ﴿یا بنی لا تقبل قولہا و ارجع فقاتل بین یدی ابن رسول اللہ فیكون غدا فی القيامة شفيعاً لك بین یدی اللہ﴾ بیٹا! اس کی باتوں پر توجہ نہ کرو۔ اور میدان میں جا کر فرزند رسولؐ کی نصرت میں جہاد کرو تا کہ بروز قیامت جناب رسولؐ خدا بارگاہ ایزدی میں تمہاری شفاعت کریں۔ چنانچہ وہب یہ رجز پڑھتے ہوئے پھر میدان کارزار میں داخل ہو گئے۔

انی زعيم لك ام وهب  
بالطعن فيهم تارة و الضرب  
ضرب غلام مومن بالسرب  
حتى يذيق القوم مر الحرب

پھر بڑھ بڑھ کر حملے شروع کئے۔ یہاں تک کہ انیس (۱۹) سواروں اور بارہ پیادوں اور بروایت چوبیس سواروں اور بارہ پیادوں کو واصل جہنم کیا۔ لڑتے لڑتے یکے بعد دیگرے ان کے دونوں ہاتھ قلم ہو گئے۔ یہ کیفیت دیکھ کر ان کی زوجہ ایک گرز لے کر میدان میں نکل آئی۔ وہب نے کہا: یا تو مجھے روکتی تھی یا اب یہ عالم ہے؟ کہنے لگی: مجھ سے آل رسولؐ کی مظلومیت دیکھی نہیں جاتی۔ وہب نے اسے واپس کرنا چاہا۔ مگر وہ کنیز خدا جوش شہادت میں نہ



مانی۔ اور جام شہادت نوش کرنے کی ٹھان لی۔ وہب نے امام سے استخاشہ کیا۔ امام علیہ السلام تشریف لائے اور سمجھا بھجا کر اسے واپس خیمہ میں لے گئے۔ بروایت شہادت وہب کے بعد اس کی زوجہ اس کی لاش پر پہنچی اور ان کے چہرہ سے گرد و خاک صاف کرنا شروع کی۔ اس اثنا میں شمر بن ذی الجوشن کے غلام نے اس کے حکم سے اسے گرز مار کر شہید کر دیا۔ (بخاری، ج ۱۰، ص ۱۹۶) اور بالآخر جناب وہب جنگ کرتے کرتے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ بروایت ان کو زندہ پکڑ کر پسر سعد کے پاس لے جایا گیا۔ پسر سعد نے کہا: ﴿مَا أَشْدَّ صَوْلَتَكَ؟﴾ اے جوان! تیرا حملہ کس قدر سخت ہے! پھر ان کو شہید کر دیا گیا۔ اور ظالموں نے ان کا سر قلم کر کے سپاہ حسینی کی طرف پھینک دیا۔ وہب کی والدہ نے وہ سراٹھایا۔ اسے بوسہ دیا اور پھر شاید یہ سمجھ کر کہ جو چیز راہِ خدا میں دے دی جائے وہ واپس نہیں لی جاتی۔ اسے اٹھا کر لشکر ابن سعد کی طرف زور سے پھینک دیا۔ اتفاق سے وہ ایک شریر کو لگا (بروایت وہی وہب کا قاتل تھا) اور وہ اسی وقت واصلِ جہنم ہو گیا۔ پھر گرز لے کر میدانِ جنگ میں نکل پڑی۔ اور دو سپاہیوں کو جہنم رسید کیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ارْجِعِي يَا ام وَهْبِ انت و ابنک مع رسول اللہ فان الجہاد مرفوع عن النساء﴾ اے ام وہب! واپس پلٹ آؤ! کیونکہ عورتوں پر جہاد واجب نہیں ہے۔ ام وہب! تم اور تمہارا بیٹا دونوں بارگاہِ رسالت میں ہو گے! امام عالی مقام کا ارشاد سن کر وہ مؤمنہ یہ کہتے ہوئے واپس لوٹی: ﴿اللّٰہم لا تقطع رجائی!﴾ یا رب! میری امید کو قطع نہ کرنا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لا تقطع اللہ رجاک یا ام وہب!﴾ اے ام وہب! خدا تیری امید کو ہرگز قطع نہیں کرے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

### تبصرہ

مخفی نہ رہے کہ اس مقام پر مؤرخین نے حالات کو بالکل خلط ملط کر دیا ہے۔ عبد اللہ بن عمیر کلبی کے حالات وہب بن حباب کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔ اور وہب کے واقعات عبد اللہ کی طرف۔ چنانچہ طبری اور ابن اثیر نے یہ لکھا ہے کہ شمر کے غلام رستم نے جس عورت کو قتل کیا تھا وہ عبد اللہ کی زوجہ تھی۔ اور بعض نے اس واقعہ کو وہب کی اہلیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ نیز طبری و ابن اثیر نے گرز لے کر میدان میں نکلنے کے واقعہ کو عبد اللہ کی زوجہ کی طرف نسبت دی ہے۔ مگر سید بن طاووس نے اسے زوجہ وہب کی طرف منسوب کیا ہے۔ چونکہ طبری وغیرہ کے بیان کے مطابق عبد اللہ بن عمیر کی زوجہ کا نام ام وہب ہے۔ اس سے بھی مادر وہب بن حباب کے حالات کے ساتھ گڈنڈ ہونے میں مدد ملی۔ آقائے سماوی نے ابصار العین میں وہب بن حباب کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔ حالانکہ جناب وہب کربلا کے مشہور شہداء میں سے ہیں۔ انہوں نے ان کے یہ تمام حالات و واقعات عبد اللہ بن عمیر کی طرف منسوب کئے ہیں۔ اور



بحار الانوار، منتہی الامال، ناسخ اور مہج الاحزان وغیرہ کتب میں یہ تفصیل وہب بن حباب کے حالات میں مذکور ہے اور مقتل خوارزمی میں یہ سب واقعات وہب کی شہادت میں ذکر کئے گئے ہیں۔ اور عبد اللہ کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔ علامہ سید محسن امین عالمی نے (لوائح الاشجان، ص ۱۱۶) پر یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے دونوں ایک شخصیت کے دو عنوان ہوں۔ اصل میں وہی ایک شخص عبد اللہ بن عمیر بن عباس بن عبد قیس بن علیم بن حباب الکھمی ہے۔ جس کی کنیت ابو وہب ہے۔ لہذا مؤرخین سے اشتباہ ہوا، انہوں نے ابو وہب کو وہب اور اس کے جد اعلیٰ جناب کو حباب قرار دے دیا۔ اگرچہ یہ احتمال ناممکن نہیں لیکن بعید ضرور ہے۔ کیوں کہ عبد اللہ بن عمیر کوفہ کے مشہور و معروف شیعوں میں سے تھے اور کتب رجال میں ان کا تذکرہ باقاعدہ موجود ہے لیکن وہب بن حباب پہلے نصرانی تھے۔ منزل قصر بنی مقاتل<sup>۱</sup> میں حضرت سید الشہداء سے ملاقات ہوئی اور اپنی والدہ اور زوجہ سمیت مشرف باسلام ہوئے۔ اور روز عاشوراء شہید ہو گئے۔ اسی لیے کتب سیر و تراجم میں ان کے حالات کم ملتے ہیں۔ واقعات کی باہمی مشابہت سے دونوں کا اتحاد لازم نہیں آتا۔ کما لا یخفی۔ واللہ العالم بحقیقۃ الحال۔

### (۶) نافع بن ہلال الجملی المرادی

اگرچہ جناب نافع کی شہادت روز عاشوراء نماز ظہر کے ہنگامہ قیامت خیز کے بعد واقع ہوئی مگر انہوں نے اس سے قبل کئی بار میدان کارزار میں کود کر اپنی خداداد شجاعت و شہامت کے جوہر دکھائے۔ اس لیے ان کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔ ان کا اسم گرامی نافع بن ہلال بن نافع بن جمل بن سعد العشیرۃ بن مذحج الجملی المرادی ہے۔ حضرت امیر المؤمنینؑ کے خواص اصحاب میں سے تھے۔ اور آنجنابؑ کے ساتھ تینوں جنگوں میں شریک ہو کر اور داد شجاعت دے کر اپنے ایمان و ایقان کا عملی ثبوت پیش کر چکے تھے۔ ارباب سیر و تراجم نے ان کے حالات میں لکھا ہے: ﴿کان نافع سیداً ریفاً سروباً شجاعاً و کان قارناً کاتباً من حملة الحدیث و من اصحاب امیر المؤمنین﴾ جناب نافع اپنے قبیلہ کے شریف سردار اور نخی بہادر بزرگوار تھے۔ قاری قرآن تھے، کاتب اور حاملان حدیث اور اصحاب امیر المؤمنینؑ میں سے تھے۔ جب جناب امام حسینؑ عراق تشریف لارہے تھے تو یہ راستہ میں منزل عذیب البجانات میں جا کر آپ کے قافلہ میں شامل ہوئے۔ چونکہ وہ اپنا ”کامل“ نامی مشہور گھوڑا کوفہ میں چھوڑ کر آئے تھے اور اہل خانہ کو ہدایت کی تھی کہ وہ ان کو پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ جب عمرو بن خالد صیداوی اور ان کے ساتھی مجمع بن عبد اللہ عاکذی وغیرہ آئے تو ان کا گھوڑا بھی ہمراہ لائے تھے۔ یہ وہی نافع تھے کہ جب سید الشہداءؑ نے حرکی داد و گیر سے دلگیر ہو کر اپنا تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا تھا تو اختتام خطبہ پر نافع نے اٹھ کر عرض کیا تھا: فرزند رسول! آپ کو اچھی طرح علم



ہے کہ آپ کے جد نامدار سب لوگوں کو اپنی محبت اور ادا امر و نواہی کی تعمیل پر متحد نہ کر سکے۔ ان کے دور میں بکثرت منافق موجود تھے جن کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور جلوت کچھ اور خلوت کچھ اور تھی۔ پھر ان کے بعد آپ کے والد ماجد کی بھی یہی کیفیت رہی کچھ لوگ ان کے موافق تھے جو حروب و خلافت میں ان کے ہمراہ ہو کر ان کے مخالفوں سے لڑتے رہے۔ کچھ ان کے مخالف رہے۔ یہاں تک کہ آپ بھی راہی ملک بقاء ہوئے۔ اب آپ کی کیفیت بھی انہی دونوں بزرگواروں جیسی ہے۔ جو آپ کی مخالفت کرے گا۔ وہ اپنا نقصان کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بے نیاز کرے گا۔ آپ چاہے ہمیں مغرب کی طرف لے جائیں اور چاہیں تو مشرق کی طرف۔ ہم آپ کے ہمراہ ہیں ہم نہ قضا و قدر سے ڈرتے ہیں اور نہ موت سے جی چراتے ہیں۔ ہم اپنی نیات و بصائر پر قائم ہیں جو آپ سے محبت کرے گا ہم اس سے محبت کریں گے۔ اور جو آپ سے دشمنی کرے گا ہم اس سے دشمنی کریں گے۔ نیز یہ وہی نافع بن ہلال ہیں کہ جب خیام حسینؑ میں پیاس نے شدت اختیار کر لی تھی تو سید الشہداء نے جناب شاہزادہ ابوالفضل اور نافع بن ہلال کو تیس (۳۰) سوار اور بیس پیادے سپاہی اور بیس مشکیزے دے کر پانی لینے کے لیے بھیجا تھا اور وہ پانی لائے تھے اور راستے میں جو ہر شجاعت بھی دکھائے تھے۔ جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ بہر حال روز عاشورا جناب نافع یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں آئے ۔

ان تنکرونی فانا ابن الجملی دینی علی دین حسین و علی  
اضربکم ضرب غلام بطل و یختم اللہ بخیر عملی  
ان اقل الیوم فہذا املی فذاک رائی و الاقی املی  
ان کے مقابلہ کے لیے ایک شخص نکلا جس کا نام تھا: مزاحم بن حریث۔ اس نے کہا: ﴿انا علی دین عثمان﴾ میں عثمان کے دین پر ہوں۔ نافع نے جواب میں کہا: ﴿انت علی دین شیطان﴾ بلکہ تو شیطان کے دین پر ہے۔ یہ کہہ کر اس پر تلوار سے حملہ کیا اس نے پیٹھ دکھانا چاہی مگر تلوار اپنا کام کر چکی تھی۔ قتل ہو کر گھوڑے کی زین سے زمین پر آگرا۔

ارباب مقاتل نے لکھا ہے کہ جناب نافع بن ہلال بڑے اچھے تیر انداز تھے۔ انہوں نے اپنے تیروں کو زہر میں بھجایا ہوا تھا اور ان کے سو فار پر اپنا نام بھی کندہ کیا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ عاشوراء کے قیامت خیز منظر میں برابر تیر بھی چلائے جاتے تھے اور یہ رجز بھی پڑھتے تھے ۔

ارمی بہا معلمة افواقھا مسمومة تجری بہا اخفاقھا  
لاملان الارض من اطلاقھا و النفس لا ینفعھا اشفاقھا



جب تیر ختم ہو گئے تو پھر تلوار سونت لی۔ اور یہ رجز پڑھتے ہوئے شمشیر زنی شروع کر دی۔

انا الہزبر الجملی (ن و)

انا الغلام الجملی انا علی دین علی

حتیٰ کہ زخمیوں کے علاوہ بارہ سوار و پیادہ ناریوں کو واصل جہنم کیا۔ اسی حالت میں جنگ کرتے کرتے ان کے دونوں بازو ٹوٹ گئے۔ جب جنگ کے قابل نہ رہے تو شمر ذی الجوشن اور اس کے ہمراہی ان کو پکڑ کر ابن سعد کے پاس لے گئے۔ ابن سعد نے کہا: ﴿و یحک یا نافع ما حملک علی ما صنعت بنفسک؟﴾ افسوس ہے تیری حالت پر اے نافع! تجھے اپنے ساتھ ایسا کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ جناب نافع نے جواب دیا: ﴿ان ربی یعلم ما اردت﴾ میرا پروردگار بہتر جانتا ہے کہ میرا ارادہ اور نیت کیا تھی؟ اس وقت جناب نافع کے سرو چہرہ سے ان کی ریش پر خون بہہ رہا تھا یہ حالت دیکھ کر ابن سعد کے ایک آدمی نے کہا: ﴿اما تری ما بک؟﴾ کچھ اپنی حالت کا بھی پتہ ہے؟ جناب نافع نے کہا: ﴿واللہ لقد قتلت منکم اثنا عشر رجلا سوی ما جرحت وما الوم نفسی علی الجہد ولو بقیت لی عضد و ساعد ما اسرتمونی ابدا﴾ بخدا میں نے تمہارے پورے بارہ آدمی قتل کئے ہیں علاوہ ان کے جن کو زخمی کیا ہے۔ جدوجہد کرنے میں میں اپنے نفس کی ملامت نہیں کرتا۔ اگر میرے بازو نہ ٹوٹ گئے ہوتے تو تم ہرگز مجھے گرفتار نہ کر سکتے۔ شمر نے پسر سعد سے کہا: اسے قتل کر دو۔ ابن سعد نے کہا: تم ہی اسے لائے ہو تمہیں اختیار ہے۔ شمر نے تلوار میان سے کھینچی۔ یہ منظر دیکھ کر جناب نافع نے کہا: ﴿اما واللہ لو کنت من المسلمین لعظم علیک ان تلقی اللہ بدماننا فالحمد للہ الذی جعل مٹایانا علی ایدی شرار خلقہ﴾ خدا کی قسم اگر تو مسلمان ہوتا تو یقیناً تجھے یہ بات شاق گزرتی کہ ہمارے خون سے ہاتھ رنگیں کر کے خدا کی بارگاہ میں جائے۔ اس خدا کا شکر ہے جس نے ہماری موت اپنی بدترین مخلوق کے ہاتھوں پر قرار دی ہے۔ اس کے بعد اس ملعون نے ان کو شہید کر دیا۔<sup>۲</sup>

### (۷) عمرو بن قرظہ الانصاریؓ

ان کا نام و نسب یہ ہے: عمرو بن قرظہ بن کعب بن عمرو بن عامر بن زید مناة بن ثعلبہ بن کعب بن الخزرج الانصاری الخزرجی الکوفی۔ ان کے والد ماجد جناب قرظہ حضرت رسول خدا ﷺ کے اصحاب میں سے تھے۔ جنگ احد

۱۔ صاحب الدمعۃ الساکبہ، ص ۲۳۳ نے مقتل محمد بن ابی طالب کے حوالہ سے جناب نافع کے مقتولین کی تعداد ستر درج کی ہے۔ کذا فی المناقب، ج ۴، ص ۹۵۔

۲۔ ذخیرہ، ص ۲۰۷۔ فرسان، ج ۲، ص ۱۳۱۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۵۶۔ لوانج، ص ۱۱۹۔ مقتل، ص ۲۸۲۔ طبری، ج ۶، ص ۲۵۲۔

البدایہ والنہایہ ابن کثیر، ج ۸، ص ۱۸۴۔



اور اس کے بعد والے تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے۔ آنحضرتؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد کوفہ میں رہائش اختیار کر لی تھی اور جنگ جمل وصفین اور نہروان میں حضرت امیر المومنینؑ کے ہمراہ ہوئے۔ نصر بن مزاحم کا بیان ہے کہ جنگ صفین میں انصار کا علم قرظۃ الانصاری کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت امیر المومنینؑ نے فارس کی ولایت ان کو عطا فرمائی تھی۔ ۱۵ھ میں وفات پائی۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ عمرو اور علی۔ معرکہ کربلا میں عمرو جناب سید الشہداء کے ہمراہ تھے اور علی پسر سعد کے لشکر میں شامل تھا۔

سید الشہداءؑ کے کربلا میں رحل اقامت ڈالنے کے بعد عمرو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ روز عاشوراء تک جب بھی سید الشہداء نے عمرو بن سعد سے کسی سلسلہ میں کچھ گفتگو کرنا ہوتی تھی تو انہی عمرو بن قرظہ کو ہی پیغام دے بھیجتے تھے۔ بہر حال جب بروز عاشوراء آغاز جنگ ہوا تو جناب عمرو بن قرظہ نے جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر اپنے آپ کو یہ رجز پڑھتے ہوئے دریائے لشکر میں ڈال دیا۔

قد علمت کتیبۃ الانصار      ان سوف احمی حوزۃ الذمار

ضرب غلام غیر فکس شاری      دون حسین مہجتی و داری

جناب سید ابن طاووسؑ نے ان کے قتال و جدال کی شدت کے بارے میں لکھا ہے: ﴿فقاتل قتال المشتاقین الی الجزاء و بالغ فی خدمۃ سلطان السماء حتی قتل جمعا کثیرا من حزب ابن زیاد و جمع بین سداد و جہاد﴾ انہوں نے اس طرح زور شور سے جہاد کیا جیسے مشتاقان جزاء کرتے ہیں اور شہنشاہ ارض و سماء کی خدمت میں بہت مبالغہ سے کام لیا۔ یہاں تک کہ ابن زیاد بد نہاد کے لشکر کی ایک جماعت کثیرہ کو واصل جہنم کیا۔ اس طرح انہوں نے سداد و صواب اور جدال و جہاد کو جمع کر دکھایا۔ حمایت امام و نصرت حق کا یہ اہتمام تھا کہ جب بھی امامؑ کی طرف کوئی تیر آتا تھا تو اسے اپنے ہاتھ سے روک لیتے تھے اور جب کوئی تلوار سے وار کرتا تو اپنے سینہ کو سپر بنا لیتے تھے۔ اس طرح امام حسینؑ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی تھی۔ بالآخر زخموں سے نڈھال ہو گئے۔ اس وقت امامؑ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا: ﴿یا بن رسول اللہ اوفیت؟﴾ فرزند رسولؐ! کیا میں نے حق و قیاد ادا کر دیا ہے۔ آنجنابؑ نے فرمایا: ﴿نعم﴾ ہاں۔ پھر فرمایا: ﴿انت امامی فی الجنة فاقرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم عنی السلام و اعلّمہ انی فی الاثر﴾ تم جنت میں مجھ سے پہلے جاؤ گے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا اور ان کو بتانا کہ میں بھی تمہارے پیچھے آ رہا ہوں۔ اس کے بعد دم توڑ کر لڑتے لڑتے اپنی جان جان آفرین کے حوالہ کر دی۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ عمرو کا دوسرا بھائی علی بن قرظہ عمرو بن سعد کی فوج میں شامل تھا۔ جب اسے اپنے بھائی عمرو کی موت کا علم ہوا تو اس گستاخ نے باواز بلند امامؑ کو خطاب کر کے کہا:



(نقل کفر کفر نہ باشد) ﴿یا کذاب بن الکذاب اضللت اخی و غورتہ حتی قتلته﴾ اے۔۔۔۔۔ آپ نے میرے بھائی کو گمراہ کر کے دھوکہ سے قتل کر دیا ہے۔ اناٹم نے فرمایا: ﴿ان الله لم یضل اخاک و اضلک﴾ خدا نے تیرے بھائی کو گمراہ نہیں کیا بلکہ اے راہ راست کی ہدایت فرمائی۔ البتہ تجھے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے۔ یہ جواب سن کر وہ ملعون آپ سے باہر ہو گیا اور کہا: ﴿قتلنی اللہ ان لم اقتلک او اموت دونک﴾ خدا مجھے غارت کرے اگر تمہیں قتل نہ کروں یا اس کوشش میں خود نہ مر جاؤں۔ یہ کہہ کر آنجنابؐ پر حملہ کر دیا۔ نافع بن ہلال نے آگے بڑھ کر اسے ایک ایسا نیزہ لگایا کہ وہ زین سے زمین پر آ رہا۔ اس کے ہمراہیوں نے آگے بڑھ کر اسے اٹھا لیا۔ ورنہ اسی وقت وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ جاتا۔ بعد ازاں اس کا علاج معالجہ کیا گیا اور وہ شقی و بد بخت تندرست ہو گیا۔<sup>۱</sup>

### (۸) جون بن حوی مولیٰ ابی ذرؓ

جناب جون حبشی النسل سیاہ رنگ کے غلام تھے۔ پہلے فضل بن عباس بن عبدالمطلب کے غلام تھے۔ جناب امیرؓ نے ڈیڑھ سواشرنی میں خرید کر جناب ابوذرؓ کو مرحمت فرمایا۔ پھر جونؓ برابر حضرت ابوذرؓ کی خدمت میں حاضر رہے۔ جب خلیفہ ثالث نے جناب ابوذرؓ کو ربذہ کی طرف جلاوطن کیا تو یہ جون ان کے ہمراہ تھے۔ جناب ابوذرؓ کی وفات کے بعد ۳۳ھ یا ۳۲ھ میں واپس مدینہ آ گئے۔ اور جناب امیرؓ کی خدمت میں زندگی بسر کرنا شروع کی۔ حضرت امیرؓ کی شہادت کے بعد امام حسن مجتبیٰؓ اور ان کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؓ کے ہمراہ رہے۔ اور امام زین العابدینؓ کے دولت کدہ میں فرائض خدمت انجام دیتے رہے۔ جب جناب سید الشہداءؓ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تشریف لے گئے تو جناب جون اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے۔ طبری، کامل اور مقاتل الطالبین میں لکھا ہے کہ جون اسلحہ شناسی اور اسکی اصلاح میں مہارت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شب عاشوراء جون جناب سید الشہداءؓ کے خاص خیمہ میں بیٹھ کر کچھ وقت اسلحہ جنگ کی اصلاح میں مشغول رہے۔

بہر حال جب روز عاشوراء قتل و قتال کا بازار گرم ہوا۔ اور اصحابِ حسینیؑ یکے بعد دیگرے شہادت کے درجہ رفیعہ پر فائز ہونے لگے تو جناب جون نے بھی خدمت امام میں حاضر ہو کر اذن جہاد طلب کیا۔ امامؓ نے فرمایا: ﴿یا جون انت فی اذن منی فانما تبعتنا طلبا للعافیة فلا تبتل بطریقنا﴾ اے جون! میں اپنی اطاعت کا قلاوہ تمہارے گلے سے اتار کر تجھے چلے جانے کی اجازت دیتا ہوں تو ہمارے ساتھ طلب عافیت کے لیے آیا تھا۔ اس

۱ ذخیرۃ الدارین، ص ۱۸۶۔ فرسان السیاح، ج ۲، ص ۸۔ نفس المہموم، ص ۱۳۰۔ لولع، ص ۱۳۰۔ بحار، ج ۱۰، ص ۱۹۷۔ طبری، ج ۶، ص ۲۳۸۔



لیے اپنے آپ کو ہماری وجہ سے مصیبت میں گرفتار نہ کر۔ جون نے (بروایتے امام کے قدموں پر گر کر) عرض کیا: ﴿یا بنی رسول اللہ انا فی الرخاء الحس قصابکم وفی الشدة اخذ لکم﴾ فرزند رسول! کیا یہ ممکن ہے کہ آسائش و آرام کے دنوں میں تو آپ کی کاسہ لیسے کروں اور شدت و تنگی کے وقت میں آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں۔ اس کے بعد احتجاج کرتے ہوئے عرض کیا: ﴿واللہ ان حسبی للنیم ولونی لاسود و ریحی لمنتن فتنفس علی بالجنة فتطیب ریحی و یشرق حسبی و یشرق لونی لا واللہ لا افارقکم حتی یختلط هذا الدم الاسود مع دمانکم﴾ بخدا اس لیے کہ میرا حسب و نسب پست رنگ سیاہ اور جسم بدبودار ہے۔ آپ مجھے (اجازت جنگ دینے اور) جنت میں داخل ہونے میں پس و پیش فرما رہے ہیں تاکہ میری بدبوئی خوشبوئی سے بدل جائے۔ میرا حسب و نسب شریف ہو جائے اور میرا رنگ سفید ہو جائے؟ نہیں بخدا میں اس وقت تک آپ سے علیحدہ نہیں ہوں گا۔ جب تک میرا یہ کالا خون آپ کے خون مقدس کے ساتھ مخلوط نہ ہو جائے۔ جناب سید الشہداءؑ نے ان کا یہ جذبہ شوق شہادت دیکھ کر اجازت جہاد دے دی۔ جناب جون یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان کارزار میں آئے۔

کیف تری الفجار ضرب الاسود  
احمی الخیار من بنی محمد  
بالمشرفی القاطع المہند  
اذب عنہم باللسان و الید  
ارجو بذاک الفوز عند المورد  
من الالہ الواحد الموحد

اذ لا شفیع عندہ کاحمد

اس کے بعد تازہ توڑ حملے شروع کئے۔ منتہی الامال اور مناقب بن شہر آشوب کے بیان کے مطابق پچیس سپاہیوں کو دارالبوار میں پہنچانے کے بعد خود فیض شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کی شہادت کے بعد سرکار سید الشہداءؑ ان کے بالین سر تشریف لے گئے۔ اور بارگاہ احدیت میں عرض کیا: ﴿اللہم بیض وجہہ و طیب ریحہ و احشرہ مع الابرار و عرف بینہ و بین محمد و ال محمد﴾ بارالہا! اس کے چہرہ کو روشن کر دے۔ اس کی بدبو کو خوشبو سے بدل دے۔ ابرار و اخیار کے ساتھ اس کو محشور فرما اور سرکار محمد و آل محمدؑ اور اس کے درمیان شناسائی فرما کر دوستی قرار دے۔ سرکار سید الشہداءؑ کی دعائے مبارک کا یہ اثر تھا کہ امام محمد باقرؑ اپنے پدر بزرگوار سے روایت فرماتے ہیں کہ جب بنی اسد نے شہدائے کربلا کی لاشیں دفن کیں تو اتفاقاً جناب جون کی لاش دفن ہونے سے رہ گئی۔ دس دن کے بعد جب ان کی لاش مبارک ملی تو دیکھا گیا کہ اس سے مشک و عنبر کی خوشبو آ رہی تھی۔<sup>۱</sup> زہے نصیب کہ یہی جون



عظمت و جلالت کے اس اوج کمال پر پہنچا کہ امام ششم زیارت شہداء میں فرماتے ہیں: ﴿بابی انتم و امی﴾ میرے ماں باپ تم پر شمار ہوں۔

### (۹) شیب بن عبد اللہ النہشلی

علامہ سیر و تراجم نے لکھا ہے کہ جناب شیب بن عبد اللہ تابعی تھے۔ اور جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے اصحاب اخیار میں سے تھے اور ان کی تینوں جنگوں میں ان کے ہمراہ رہے۔ آنجناب کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں رہے اور آپ کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ سے منسلک رہے۔ حتیٰ کہ جب سرکار شہادت مدینہ سے بجانب مکہ اور مکہ سے عراق روانہ ہوئے تو یہ بزرگوار ابتداء سے ورود کر بلا تک برابر ہمراہ رہے حتیٰ کہ روز عاشوراء نصرت امام و تائید حق کا فریضہ ادا کرتے ہوئے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔<sup>۱</sup>

رضوان اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ جمیع اخوانہ المؤمنین۔

### (۱۰) ابوالشعشاء الکندی

نام و نسب یزید بن زیاد بن مہاصر الکندی البہدلی کوفہ کے نامور بہادروں اور شریفوں میں سے تھے۔ نیز بہت قابل تیر انداز تھے۔ بعض ارباب سیر و تراجم نے یہ لکھا ہے کہ یہ پہلے لشکر ابن سعد میں تھے لیکن جب روز عاشوراء سید الشہداء علیہم السلام نے تجاویز امن پیش فرمائیں اور قوم اشقیاء نے ان کو مسترد کر دیا تو انہوں نے امام کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا فیصلہ کر لیا اور آ کر حسینی جماعت میں شامل ہو گئے۔<sup>۲</sup> مگر تاریخی شواہد و قرآن کی روشنی میں یہ قول درست معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ پہلے سے ہی امام علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ امام کی آمد کی اطلاع سن کر راستہ میں خُرکی ملاقات سے بھی پہلے کسی منزل میں شریک قافلہ ہو گئے۔ خُر کے ساتھ ملاقات کے بعد جب کوفہ سے ایک قاصد خُر کے نام تازہ مکتوب لایا۔ جس میں درج تھا: ﴿اما بعد فجمع بالحسین و اصحابہ الخ﴾ تو اس قاصد کے ساتھ انہی ابوالشعشاء الکندی کی تلخ کلامی ہوئی تھی۔<sup>۳</sup> اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ یہ کر بلا پہنچنے سے پہلے خدمت امام میں حاضر تھے۔ اور یہی قول قرین صواب ہے۔ بہر حال روز عاشوراء جب تنور حرب و ضرب گرم ہوا تو ابوالشعشاء اجازت لے کر یہ رجز پڑھتے ہوئے نکلے۔

اشجع من لیث بغیل خادر

انایزید و ابی مہاصر

۱۔ ذخیرہ ص ۲۱۸، فرسان، ج ۱، ص ۱۶۷ وغیرہ۔

۲۔ لوائح الاشجان، ص ۲۷۵، نفس المہجوم، ص ۱۵۱۔

۳۔ ذخیرہ الدارین، ص ۲۳۰، فرسان السیاء، ج ۱، ص ۲۹ وغیرہ۔



یا رب انی للحسین ناصر ولا بن سعد تارک وهاجر

پھر بڑھ چڑھ کر حملے شروع کئے۔ اس اثناء میں ان کا گھوڑا پئے ہو گیا تو انہوں نے واپس آ کر خدمت امام میں گھٹنے ٹیک کر دشمنوں پر تیر چلانے شروع کئے۔ ان کے ترکش میں کل ایک سو تیر تھے۔ جب وہ تیر پھینکتے تو ساتھ یہ بھی کہتے۔

انا ابن بہد لہ فرسان العرجلہ

اور امام فرماتے: ﴿اللّٰهُمَّ سَدِّدْ رَمِيَهُ وَاجْعَلْ ثَوَابَهُ الْجَنَّةَ﴾ بار الہا! اس کی تیر اندازی کو درست رکھ اور اس کا ثواب جنت قرار دے۔ جب سب تیر ختم ہو گئے تو معلوم ہوا کہ صرف پانچ تیر نشانہ سے چوکے ہیں۔ باقی سب اپنے نشانہ پر لگے۔ جب تیر ختم ہو گئے تو شمشیر بکف ہو کر میدان میں نکلے۔ زخمیوں کے علاوہ اٹھارہ اور بروایت انیس آدمیوں کو واصل جہنم کیا۔ پھر پلٹ کر خدمت امام میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ﴿اوفیت یا بن رسول اللہ؟﴾ فرزند رسول! کیا میں نے عہد وفا پورا کر دیا ہے؟ امام نے فرمایا: ﴿نعم﴾ ہاں۔ ﴿انت امامی فی الجنۃ﴾ تم مجھ سے پہلے جنت میں پہنچو گے۔ پھر پلٹ کر جہاد شروع کیا۔ بالآخر دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر کر ان کو شہید کر دیا۔<sup>۱</sup>

### آخری جنگ مغلوبہ

آغاز جنگ سے لے کر قریباً دو پہر تک مبارزت طلبی میں فوج یزید کو جو برابر نقصان پہنچ رہا تھا۔ اس نے سالاروں کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔ باوجودیکہ ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی، بھوک و پیاس کی کوئی تکلیف نہ تھی۔ اور دوسری طرف مٹھی بھر چند بھوکے پیاسے سپاہی ہیں مگر چٹان کی طرح ڈٹے ہوئے۔ ایک بھی شہید ہوتا ہے تو بیسیوں ناریوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد۔ اس بات نے مخالف کو بوکھلا دیا۔ چنانچہ شمر ذی الجوشن نے یکبارگی میسرۃ حسینی پر حملہ کر دیا جسے اصحاب حسینی نے بڑی جانفشانی اور دلیری سے پسپا کر دیا۔<sup>۲</sup>

جناب زہیر بن القین نے اپنے دس ہمراہیوں کے ساتھ شمر اور اس کے سپاہیوں پر تار بڑ توڑ حملے کر کے انہیں بھگا دیا۔ حسینی سواروں کی تعداد اگرچہ کل کم و بیش بتیس تھی۔ مگر وہ جس صف پر حملہ کرتے اس کو تتر بتر کر کے رکھ دیتے۔ یہی کیفیت دیکھ کر عزہ بن قیس جو سپاہ ابن سعد کے سواروں کا ہر دار تھا۔ اس نے پسر سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ کیا آپ صبح سے دیکھ نہیں رہے جو اس مختصر جماعت سے میرے سواروں کی حالت ہو رہی ہے۔ اس لیے لڑنے والوں اور تیر اندازوں سے میری کمک کرو۔ عمر بن سعد نے پہلے تو شبث بن ربعی کی طرف جو کہ پیادہ فوج کا افسر تھا کمک کے

۱۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۴۰۔ فرسان السیاء، ج ۱، ص ۳۰۔ مقتل الحسین للہرقم، ص ۲۷۶۔

۲۔ کمال، ج ۳، ص ۲۹۱ وغیرہ۔



لیے آدمی بھیجا مگر شہبث کے لیت و لعل کرنے کی وجہ سے حسین بن تمیم (نمیر) کو پانچ سو تیر انداز دے کر عزہ کی امداد کے لیے روانہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے سپاہ حسینی کے قریب پہنچ کر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ مگر واہ رے طاقت حق۔ اصحاب حسینی نے اس جرأت و دلیری سے ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ جس کی نظیر کم دیکھی گئی ہوگی۔ حتیٰ کہ مخالف کے دانت کھٹے ہو گئے۔ لیکن اس جنگ میں اصحاب حسینی کا نقصان یہ ہوا کہ علاوہ کئی اصحاب کی شہادت کے جتنے گھوڑے تھے وہ سب کے سب پٹے ہو گئے۔ اب سب اصحاب پیادہ تھے۔<sup>۱</sup> گھمسان کارن پڑ رہا تھا۔ مخالف چاہتا تھا کہ اس مٹھی بھر فوج کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لے۔ مگر موجودہ صورت میں ایسا کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ دوسری جانب خیام تھے جو امام نے شب عاشورہ اپنے حسن تدبیر سے باہم ملا دیئے تھے۔ اس لیے ابن سعد نے حکم دیا کہ خیموں کی طنابیں کاٹ دی جائیں۔ چنانچہ اشیاء طنابیں کاٹنے کے لیے دوڑے۔ ادھر حسینی جماعت نے بڑی حکمت عملی سے کام لیا۔ دو، دو، چار، چار ہو کر اپنے خیام کے اندر گھس گئے۔ جونہی کوئی سپاہی طنابیں کاٹنے لگتا اسے قتل کر دیتے اور اس کی نجس لاش باہر پھینک دیتے۔ یہ کیفیت دیکھ کر پسر سعد نے حکم دیا کہ حسینی خیام کو (جو دوسرے خیام سے قدرے علیحدہ تھے) آگ لگا دی جائے۔ اصحاب نے مزاحمت کرنا چاہی مگر امام نے فرمایا: انہیں ایسا کرنے دو۔ اس طرح بھی ان کا مقصد پورا نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ آگ کے شعلوں کی وجہ سے ادھر سے حملہ نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور ان کی یہ تدبیر ضائع ہو گئی۔<sup>۲</sup>

### مذکورہ بالا واقعہ پر تنقید

اگرچہ اکثر ارباب مقاتل نے طبری اور ابن اثیر کے بیان کے مطابق یہی لکھا ہے کہ خیام کو جلا دیا گیا مگر حالات پر نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید الشہداء کے حسین حیات میں ایسا نہیں ہوا۔ ہاں اس انتہائی گھناؤنے جرم شنیع کی دھمکی اور اس کے اقدام کی ناکام کوشش ضرور کی گئی۔ چنانچہ اکثر کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہے کہ شمر بن ذی الجوشن نے آگے بڑھ کر خیام حسینی پر نیزہ مارتے ہوئے کہا: ﴿اھلسی بالنار حتی احرق هذا البیت علی اھلہ﴾ آگ لاؤ۔ تاکہ میں اس گھر کو گھر والوں سمیت جلا دوں۔ یہ منحوس آواز سن کر سر پر دہ عفت و عصمت سے نالہ و شیون کی صدا بلند ہوئی۔ امام حسینؑ نے یہ منظر دیکھ کر بآواز بلند فرمایا: ﴿انست تدعوا بالنار لتحرق بیتی علی اھلسی اھرقک اللہ بالنار﴾ تو چاہتا ہے کہ میرے خیام کو ان کے اہل سمیت جلائے۔ خدا تجھے آتش (جہنم) میں

۱۔ کامل، ج ۳، ص ۲۹۱۔

۲۔ کامل، ج ۳، ص ۲۹۱ وغیرہ۔

۳۔ طبری، ج ۶، ص ۲۹۱۔



جلائے۔ حمید بن مسلم نے شمر سے کہا: ﴿ان هذا لا يصلح لك اتريد ان تجمع على نفسك خصلتين اتعذب بعذاب الله و تقتل الولدان والنساء والله ان في قتلك الرجال لما ترضى به اميرك؟﴾ بخدا مردوں کے قتل سے ہی تمہارا حاکم خوش ہو جائے گا۔

شمر نے حمید کے اس مشورہ کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اس اثناء میں شبث بن ربعی نے آگے بڑھ کر اس کی سرزنش کرتے ہوئے کہا: ﴿ما رأيت مثالا أسوأ من قولك ولا موقفاً اقبح من موقفك امرعباً للنساء صورت﴾ میں نے تیری گفتگو سے بری گفتگو اور تیرے موقف سے برا موقف آج تک نہیں دیکھا۔ کیا تم مستورات کو ڈرانے دھمکانے آئے ہو۔ اس پر شمر جھپ گیا اور واپس لوٹ گیا۔

### امام حسینؑ کی نماز ظہر کا قیامت خیز منظر

یہ قیامت خیز ہنگامہ زوال سے قریباً ایک گھنٹہ پہلے شروع ہوا جس نے زوال تک طول کھینچا۔ جب ملائین واپس لوٹے تو اس وقت امام کی جماعت جو پہلے ہی قلیل تھی اب قلیل سے قلیل تر ہو چکی تھی مگر فوج مخالف میں باوجود نقصان عظیم کے بوجہ غیر معمولی کثرت کے کوئی خاص کمی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اس وقت جناب ابو ثمامہ الصیداوی نے خدمت امام میں عرض کیا: ﴿يا ابا عبد الله نفسي لنفسك الفداء. هؤلاء اقربوا منك لا والله لا تقتل حتى اقتل دونك و احب ان القى الله ربي وقد صليت هذه الصلوة التي دنا وقتها يا ابا عبد الله!﴾ میں آپ پر قربان ہوں! یہ ملائین بالکل قریب پہنچ گئے ہیں۔ خدا کی قسم جب تک میں زندہ ہوں۔ یہ آپ تک نہیں پہنچ سکتے۔ میری خواہش ہے کہ جب خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوں تو یہ آخری نماز جس کا وقت قریب ہے آپ کے ساتھ پڑھ کر۔ ابو ثمامہ کی یہ درخواست سن کر امام حسینؑ نے آسمان کی طرف نگاہ بلند کی۔ پھر فرمایا: ﴿ذكرت الصلوة جعلك الله من المصلين نعم هذا اول وقتها﴾ تو نے (ایسے کٹھن حالات میں) نماز کو یاد کیا ہے۔ خدا تیرا حشر و نشر نماز گزاروں کے ساتھ کرے۔ ہاں یہ نماز ظہر کا اول وقت۔ ہے پھر امام عالی مقام (علیہ السلام) نے حکم دیا: ﴿سلوهم ان يكفوا عنا حتى نصلی﴾ فوج جفاکار سے کہو کہ اتنی دیر جنگ روک دیں کہ ہم نماز خدا پڑھ لیں۔ چنانچہ جب حسب الحکم قوم اشقیاء کے سامنے یہ درخواست پیش کی گئی تو حصین بن نمیر نے کہا: ﴿انها لا تقبل﴾ تمہاری یہ نماز قبول نہیں۔ اس کا یہ گستاخانہ کلام بے ہنگام سن کر جناب حبیب بن مظاہر (مظہر) نے فرمایا: ﴿لا تقبل زعمت الصلوة من ال رسول الله و انصارهم و تقبل منك يا خمار﴾ اے شراب خوار! تیرا گمان فاسد



ہے کہ آل رسول اور ان کے انصار کی نماز نامقبول اور تیری مقبول ہے؟

## (۱۱) حضرت حبیب بن مظاہرؓ

حصین بن تمیم اور جناب حبیبؓ کے اس تلخ سوال و جواب سے ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ جناب حبیب کا جواب باصواب سن کر حصین نے ان پر حملہ کر دیا۔ جناب حبیب نے آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کے منہ پر تلوار لگائی۔ جس سے گھوڑا بدکا۔ اور وہ ملعون نیچے آ رہا۔ اس کے ہمراہیوں نے دوڑ کر اسے بچا لیا۔ اس کے بعد جناب حبیب نے یہ رجز پڑھنا شروع کیا ۔

انا حبیب و ابی مظهر فارس هیجاء و حرب تسعر

انتم اعداء عدا و اکثر و نحن اوفی منکم و اصبر

و نحن اعلی حجة و اظهر حقا و اتقی منکم و اعذر

اس کے بعد اس سن رسیدہ اور ضعیف العمر مگر قوی العزم و الایمان بزرگوار نے میدان کارزار میں اپنی

مختصر حالات حبیب بن مظاہر اسدیؓ۔ نام و نسب حبیب بن مظاہر (مظہر) بن ربیع بن اشتر بن حوین بن نقس بن ظریف بن عمرو بن قیس بن الحارث بن ثعلبہ بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدیؓ ثم الفقیؓ۔ کنیت ابو القاسم۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے انہیں صحابہ رسولؐ میں شمار کیا ہے۔ شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسیؒ نے فہرست اور حضرت شہید ثالث علیہ الرحمہ نے مجالس المؤمنین میں انہیں جلیل القدر تابعی قرار دیتے ہوئے حضرت امیرؓ اور سید اشیاب اهل الجنة کے اصحاب باصفاء میں شمار کیا ہے۔

جناب حبیب تینوں جنگوں میں حضرت امیر علیہ السلام کے ہمراہ رہے۔ ارباب سیر و تراجم نے ذکر کیا ہے کہ جناب حبیب کا شمار حضرت امیرؓ کے خواص اصحاب اختیار اور آپ کے حملہ علوم و آچار میں ہوتا ہے۔ چنانچہ رجال کشی، طبع بہی، ص ۵۲ میں مذکور ہے کہ ایک دن جناب میثم تمار اور جناب حبیب گھوڑوں پر سوار مختلف سمتوں سے آ رہے تھے کہ راستہ میں مجلس بنی اسد کے نزدیک ملاقات ہوئی۔ کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔ اس وقت وہ باہم اس قدر قریب تھے کہ دونوں حضرات کے گھوڑوں کی گردنیں باہم ملی ہوئی تھیں۔ پھر جناب حبیب نے کہا: میں گویا ایک عمر رسیدہ بزرگ کو دیکھ رہا ہوں جن کے سر کے اگلے حصہ پر بال نہیں۔ پیٹ بڑا ہے اور دار الزرق کے پاس خرپوزے بیٹھا ہے۔ اسے محبت اہل بیتؑ کے جرم کی پاداش میں سولی پر لٹکا دیا گیا ہے۔ یہ سن کر جناب میثم تمار نے کہا: میں بھی ایک ایسے شخص کو پہچانتا ہوں جس کا رنگ سرخ و سفید ہے اور سر پر دو گیسو ہیں جو اپنے رسولؐ کی دختر کے فرزند کی نصرت کے لیے نکلے گا اور قتل کر دیا جائے گا۔ اور پھر اس کے سر کو کوفہ کے بازاروں میں پھرایا جائے گا۔ اس گفتگو کے بعد وہ جدا ہو گئے۔ کچھ لوگ جو ان دونوں بزرگواروں کی اس پراسرار گفتگو کو سن رہے تھے۔ کہنے لگے: ہم نے ان سے زیادہ کوئی جھوٹا نہیں دیکھا۔ ابھی اہل مجلس اسی جگہ پر موجود تھے کہ جناب رشید ہجری ان دونوں کو تلاش کرتے ہوئے وہاں آپہنچے اور اہل مجلس سے ان کے بارے میں استفسار کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ابھی ابھی وہ یہاں موجود تھے اور اس قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ جناب رشید نے ان کا باہمی مکالمہ سن کر فرمایا: خدا میثم پر رحم فرمائے۔ وہ اس قدر بات بھول گئے کہ جو دختر رسولؐ کے اس ناصر کا سر در بار میں پیش کرے گا اسے دوسروں سے ایک سو درہم زائد انعام دیا جائے گا۔ یہ بیان کر کے جناب رشید چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد لوگوں نے کہا: بخدا یہ ان دونوں سے بھی زیادہ جھوٹا ہے۔ راویان اخبار کا بیان ہے کہ [بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۷ پر]



شجاعت کے جوہر دکھانا شروع کئے جو سامنے آتا اسے سولی گاجر کی طرح کاٹ کے رکھ دیتے۔ اسی طرح بنا بر مشہور پینسٹھ کو فیوں کو واصل جہنم کیا۔ بالآخر ایک تسمی مرد نے تیر مارا جس سے جناب حبیب گر پڑے۔ اٹھنا چاہتے مگر حصین بن تمیم (نمیر) نے جناب کے سر پر تلواریں مار مار کر نڈھال کر دیا۔ جناب پھر منہ کے بل گر پڑے اور تسمی ملعون نے گھوڑے سے اتر کر ان کا سر مبارک قلم کر دیا اور بروایت بدیل بن صریم نے سر قطع کیا۔<sup>۱</sup>

جناب سید الشہداء علیہ السلام پر جناب حبیب کی شہادت بہت شاق گزری۔ فرمایا: ﴿احتسب نفسی و حماة اصحابی﴾ میں اپنے نفس اور اپنے حامی اصحاب کی جزاء کا بارگاہ ایزدی سے منتہی ہوں۔ پھر کئی بار کلمہ استرجاع زبان پر جاری کیا۔ بعض کتب میں لکھا ہے کہ آنجناب نے جناب حبیب کی لاش پر یہ بھی فرمایا: ﴿لکھ درک یا حبیب کنت فاضلاً تختم القرآن فی لیلة واحدة﴾ اے حبیب! خدا تجھے جزائے خیر دے۔ تو مرد فاضل تھا اور ایک رات میں پورا قرآن ختم کیا کرتا تھا۔<sup>۲</sup>

[ بقیہ حاشیہ از صفحہ نمبر ۳۶۶ ]

کوئی زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ ہم نے کوفہ کے اندر عمرو بن حریث کے دروازہ پر جناب میثم تمارؓ کو سولی پر لٹکا ہوا اور جناب حبیب بن مظاہر کے سر کو کوفہ کے بازاروں میں پھراتے ہوئے دیکھا۔ اس طرح ان بزرگواروں نے جو کچھ کہا تھا ہم نے وہ چشم خود دیکھ لیا۔

ارباب سیر و تاریخ کا بیان ہے کہ جناب مسلم بن عقیل کی کوفہ میں تشریف آوری کے بعد جناب حبیبؓ اور جناب مسلم بن عوجہؓ ان کے سرگرم رکن تھے جو لوگوں سے سرکار سید الشہداءؓ کے لیے بیعت لیتے تھے لیکن جب اہل کوفہ نے جناب مسلمؓ کا ساتھ چھوڑ دیا اور جناب مسلمؓ گرفتار کر لیے گئے تو ان دونوں حضرات کو ان کی قوم و قبیلہ نے روپوش کر دیا۔ تا آنکہ جب ان کو حضرت امام حسینؓ کے کربلا میں تشریف لانے کی اطلاع ملی تو یہ دونوں بزرگوار بمشکل تمام گھر سے نکل کر دن کو چھپتے اور رات کو منازل سفر طے کرتے ہوئے ساتویں یا آٹھویں شب محرم کو بارگاہ امامؓ میں پہنچ گئے۔<sup>۳</sup>

اس سلسلہ میں جو کہا جاتا ہے کہ سرکار سید الشہداءؓ نے کربلا پہنچنے کے بعد جناب حبیب کو خصوصی خط لکھا تھا۔ جس کا مضمون یہ تھا:

﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم من الحسن بن علی الی الرجل الفقیہ حبیب بن مظاہر الاسدی اما بعد فقد نزلنا بکربلا وانت تعلم قرباتی من رسول اللہ فان اردت نصرتنا فاقدم الینا عاجلاً﴾ اور پھر خط وصول کرنے کے بعد ان کا اپنی زوجہ کے ساتھ جو طویل طویل مکالمہ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ سب بظاہر بے اصل ہے اور اس سے جعل وضع کے آثار بالکل واضح و آشکار نظر آتے ہیں۔ یہ واقعہ صرف اسرار الشہادت میں موجود ہے اور وہ بھی بے ماخذ و بے مدرک۔ اور چونکہ اس کتاب میں متعدد بے سر و پار روایات موجود ہیں اور ہر قسم کا رطب و یابس مواد موجود ہے۔ اس لیے جب تک اس کے مندرجات کی تائید دوسری کتب معتدہ سے نہ ہو جائے اس کے مقدرات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اس کتاب کی تفصیلی کیفیت معلوم کرنے کے لیے گو گو و مرجان محدث نورؓ کی طرف رجوع کیا جائے۔ جناب حبیب کی جلالت قدر کی ایک یہ بھی تین دلیل ہے کہ باوجود پیرائہ سالی کے

[ بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۳۶۸ پر ]

ذخیرۃ الدارین، ص ۱۸۹۔

۱۔ بحار، ج ۱۰، ص ۱۹۷۔ ناخ، جلد ۶، ص ۲۵۸۔ نظام، ص ۳۳۸۔ مقتل الحسین، ص ۲۷۷۔

۲۔ ناخ، ج ۱، ص ۲۵۸، لوائح الاشجان، ص ۱۲۸۔

۳۔ نفس المہموم، ص ۱۲۵۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۵۹۔



## نمازِ ظہر کا قیامت خیز منظر

بہر کیف جب قوم جفاکار نے وارثِ رسول کو نماز پڑھنے کی مہلت نہ دی اور نابکار جنگ موقوف کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ تو امام نے بطور نماز خوف نمازِ ظہر ادا کرنے کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ:

(۱۱) جناب زہیر بن القینؓ اور (۱۲) سعید بن عبد اللہؓ کو حکم دیا کہ تم دونوں میرے آگے کھڑے ہو جاؤ۔ چنانچہ یہ دونوں بزرگوار اور بروایت صرف جناب سعید بن عبد اللہ کو یہ حکم دیا تھا)۔ جو کہ ایمان و ایقان کے پیکر تھے امام کے آگے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے ہو گئے جدھر سے تیر یا تلوار یا نیزہ کا کوئی وار ہوتا تھا یہ آگے بڑھ کر اپنے سینہ پر لے لیتے تھے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ادھر امام نے نماز کا سلام پھیرا اور ادھر جناب سعید جو زخموں سے چھلنی ہو چکے تھے زخموں کی تاب نہ لا کر زمین پر گر گئے۔ راویان اخبار کا بیان ہے کہ جناب سعید کے بدن پر تلواروں اور نیزوں کے زخموں کے علاوہ تیرہ تیز جسم مبارک میں پیوست تھے۔ گرتے ہوئے کہا: ﴿اللّٰهُمَّ الْعَنِهِمْ لَعْنُ عَادٍ وَثَمُودَ اللّٰهُمَّ اَبْلَغْ نَبِيكَ عَنِ السَّلَامِ وَ اَبْلَغْهُ مَا لَقِيتَ مِنَ الْمِ الْجِرَاحِ فَانِي اُرِدْتُ ثَوَابَكَ فِي نَصْرَةِ ذُرِّيَةِ نَبِيكَ﴾ بارِ الہا! ان لوگوں پر اس طرح لعنت کر جس طرح قوم عاد و ثمود پر کی تھی اور جناب رسول خدا کو میرا سلام پہنچا۔ نیز میرے رنج و الم کی ان کو اطلاع دے۔ کیونکہ میں نے تیرے ثواب کی خاطر ذریتِ رسول کی نصرت کی ہے۔ فرسان الہیاء، ج ۱، ص ۱۵۸ و ذخیرۃ الدارین، ص ۱۷۸ میں لکھا ہے کہ سعید نے آخری وقت سید الشہداءؑ کو مخاطب کر کے عرض کیا: ﴿یا بن رسول اللہ! اوفیت﴾ فرزندِ رسول! کیا میں نے عہد پورا کر دیا ہے؟ امام

[ بقیہ حاشیہ از صفحہ نمبر ۳۶۷ ]

امام نے اپنے مختصر لشکر کے میسرہ کی کمان انہی کے ہاتھ میں دی تھی۔ جیسا کہ پہلے ترتیب لشکر کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح شب عاشوراء جناب زینب عالیہؑ کا امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرنا کہ باقی ماندہ اصحاب کا امتحان لے لیا ہے؟ اور امام کا ان کو تسلی دینا۔ نافع بن ہلال کا جناب حبیب کو اس واقعہ کی اطلاع دینا اور جناب حبیب کا دیگر اصحاب حسینیؑ کو اطلاع دے کر شمشیر بکاف اور سروں سے عمامے اتار کر خیام حسینیؑ کے دروازہ پر حاضر ہو کر مندرات عصمت و طہارت کو اپنی نصرت و تائید کا یقین دلانا اور بی بیوں کا ان کو فرمانا: ﴿ایہا الطیبون حاموا عن الفاطمیات﴾ جو کہ شب عاشوراء کے واقعات میں گزر چکا ہے۔ یہ سب حقائق جناب حبیب کی عظمت کے اثباتِ نقوش ہیں۔

(نوٹ) جناب حبیب کے والد کا اسم گرامی بنابر مشہور مظاہر ہے مگر محقق علماء تراجم کی تحقیق یہ ہے کہ اس اسم کا صحیح تلفظ مظہر بروزن محمد و مظفر ہے۔ ملاحظہ ہو: ذخیرۃ الدارین، ص ۱۹۲۔ فرسان الہیاء، ج ۱، ص ۸۷۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۵۸۔

اس بات کی تائید ان کے مندرجہ متین رجز سے بھی ہوتی ہے جس میں مظہر موجود ہے۔ اگر اسے ”مظاہر“ پڑھا جائے تو وزن ٹوٹ جاتا ہے۔ واللہ العالم۔ (منہ عفی عنہ)

ذخیرۃ الدارین، ص ۱۸۷۔ فرسان الہیاء، ج ۱، ص ۸۷۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۵۹۔ عاشر بھار، ص ۱۹۷ وغیرہ۔



نے فرمایا: ﴿نعم﴾ ہاں۔ ﴿و انت امامی فی الجنة﴾ تم مجھ سے پہلے جنت میں جاؤ گے۔ اس کے بعد ان کی روح قفس عنصری سے جنت الفردوس کی طرف پرواز کر گئی۔<sup>۱</sup>

جناب سید الشہداء علیہ افضل التحیۃ والثناء نے ایسے زہرہ گداز حالات میں نماز پڑھ کر اور وہ بھی جماعت کے ساتھ اس کی اہمیت و عظمت پر وہ مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے جسے طلوع آفتاب قیامت تک کوئی نہیں توڑ سکتا۔ نیز جناب سرکار شہادت نے جس انوکھے انداز سے نماز خدا ادا فرمائی ہے اس منظر کی نظیر چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ اور نہ قیامت تک دیکھ سکے گی۔ کربلا والوں نے دنیا والوں کو دکھا دیا کہ کس طرح ع

نماز عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

دعا ہے کہ خداوند عالم امام حسین علیہ السلام کے تمام نام لیواؤں کو آپ کے اس اسوۂ حسنہ سے درس عمل حاصل کرنے کی توفیق دہن عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی و آلہ الطاہرین۔

۱۔ مؤرخ طبری (ج ۶، ص ۲۵۲) نے ان کی شہادت کا واقعہ قدرے ترسیم کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے کہ جب سرکار سید الشہداء نے نماز ظہر بطور خوف ادا فرمائی اور پھر زور کی جنگ شروع ہوئی تو جناب سعید بن عبد اللہ الحنفی امام کے آگے آ کر کھڑے ہو گئے۔ دائیں بائیں جدھر سے کوئی تیر یا تلوار کا وار کرتا۔ جناب سعید آگے بڑھ کر اپنے سینہ یا پہلو یا سر یا ہاتھ پر اسے روک لیتے تھے اور امام کے جسم مبارک تک کوئی تیر وغیرہ نہ پہنچنے دیتے۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے: ﴿اللہم العنہم لعن عاد و ثمود۔ الخ...﴾ اسی طرح دفاع کرتے کرتے زخموں سے چھلنی ہو گئے اور بالآخر زخموں کی تاب نہ لا کر زمین پر گرے اور روح مبارک قفس عنصری سے جنت الفردوس کی طرف پرواز کر گئی۔ (کذا ذکرہ الحزوری و ابن نما)

بہر حال جناب سعید بن عبد اللہ الحنفی کوفہ کے شیعان علی میں سے جانی پہچانی اور معزز شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کا مشہور عابدوں اور زاہدوں اور دلیروں میں شمار ہوتا تھا۔ اہل کوفہ نے جو خطوط امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں مکہ بھیجے ان میں سے آخری خط لے جانے والے یہی سعید بن عبد اللہ الحنفی اور ہانی بن ہانی سمیعی تھے۔ امام نے دریافت کیا: یہ خط کن لوگوں نے لکھا ہے؟ آپ نے عرض کیا کہ ایک جماعت کثیر نے لکھا ہے کہ من جملہ ان کے شبث بن ربیع، حجار بن ابجر، یزید بن الحارث، قیس بن اشعث، عروہ بن قیس، عمرو بن الحجاج اور محمد بن عمیر وغیرہ ہیں۔ امام نے اہل کوفہ کے نام مناسب جواب لکھ کر ان کے حوالہ کیا۔ اور ان کے بعد جناب مسلم کو کوفہ بھیجا۔ جناب مسلم نے ابتداء میں اہل کوفہ کی بیعت کرنے کے حالات و کوائف پر مشتمل جو مکتوب سید الشہداء کو بھیجا وہ انہی سعید بن عبد اللہ کے ہاتھ بھیجا تھا۔ جناب سعید خدمت امام میں پہنچ کر انہی کے ہمراہ رہے تا انکہ روز عاشوراء مذکورہ بالا کیفیت سے جام شہادت نوش فرمایا۔ یہی وہ سعید بن عبد اللہ الحنفی تھے کہ جب شب عاشوراء امام نے اصحاب کو چلے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ تو جناب مسلم بن عروج کی پُر اخلاص تقریر کے بعد اظہار خلوص و ہمدردی کرتے ہوئے کہا تھا۔ خدا کی قسم ہم ہرگز آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ یہ تو صرف ایک باریکی شہادت ہے بخدا اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں قتل کیا جاؤں گا پھر جلا دیا جاؤں گا اور میری راکھ ہوا میں اڑادی جائے گی۔ پھر زعمہ کیا جاؤں گا۔ حتیٰ کہ مجھ سے ستر (۷۰) بار ایسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ پھر بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑتا۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ سعید نے جو کچھ کہا تھا وہ اپنے عمل و کردار سے پورا کر دکھایا۔<sup>۱</sup> لقد سعد فی الدنیا و الآخرة...!!

ذخیرہ ص ۷۷، فرسان، ج ۱، ص ۱۵۸، ص ۱۸۷ وغیرہ۔



(۱۳) نماز ظہر کے ہنگامہ کے بعد جناب سید بن عمرو بن ابی المطاع الخثعمیؓ بھرے ہوئے شیر کی طرح میدان کارزار میں نکلے جو کہ ایک شریف النفس، عمر رسیدہ، تجربہ کار بہادر اور عبادت گزار بزرگوار تھے۔ اور بڑی دلیری و جانفشانی سے دادِ شجاعت دی۔ اس وقت وہ یہ جڑ بھی پڑھ رہے تھے ۛ

اقدم حسین اليوم نلقى احمدًا      و شیخک الخیر علیا ذا الندی  
و حسنًا لبدر و افی الاسعدا      و عمک القرم الهمام الا رشدا  
و حمزة لیث اللہ یدعی اسدا      و ذ الجناحین تبوا مقعدا

فی جنت الفردوس یعلو سعدا

لڑتے لڑتے زخموں سے نڈھال ہو کر مقتولین میں گر پڑے۔ عام لوگوں نے یہی سمجھا کہ وہ شہید ہو گئے ہیں مگر درحقیقت ان میں ہنوز کچھ رقی باقی تھی۔ چنانچہ وہ اسی حالت میں مدہوش پڑے رہے۔ حتیٰ کہ جب ان کے کان میں شہادتِ حسینؑ کی آواز پڑی تو بوجہ افاقہ اور کچھ شدتِ جوش سے بے تاب ہو کر کھڑے ہو گئے اور ایک چھرا جو ان کے پاس تھا اس سے انہوں نے یکا یک قومِ اشقیاء پر حملہ کر دیا اور کچھ دیر قتال و جدال کرنے کے بعد درجہٴ رفیعہ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کو عروہ بن بکاء التغلسی و زید بن ورقاء النجفی نے مل کر شہید کیا۔ کئی اربابِ مقاتل نے تصریح کی ہے کہ

کان اخر قتیل من اصحاب الحسینؑ ۛ

(۱۴) زہیر بن القین البجلیؓ

جناب زہیر کا شمار عرب کے مشہور اشرافِ روزگار اور نامی گرامی شاہسوارانِ میدانِ کارزار میں ہوتا تھا۔ کوفہ کے باشندہ تھے۔ جناب زہیر پہلے عثمانی المسلک تھے۔ مگر ۶۰ھ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور واپسی پر راستہ میں حضرت خاس آل عبا سے منزلِ زرو پر ان کی دعوت پر ملاقات ہوئی اور پھر امام کی نظرِ کیمیا اثر سے ان کی کایا پلٹ گئی اور علوی المذہب ہو گئے۔ امامؑ نے منزلِ ذوجم پر بحر کے سید راہ ہونے کے بعد جو خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس وقت جناب زہیر نے جس طرح والہانہ اخلاص کا اظہار کیا تھا اور شبِ عاشوراء امام کے اصحاب کو اذنِ رخصت دینے کے وقت جناب زہیر نے دوسرے فداکار اور مخلص اصحاب کی طرح جن فداکارانہ جذبات کا اظہار کیا تھا ان سب باتوں کی تفصیل قبل ازیں اپنے مقام پر گزر چکی ہے۔ ان کے اخلاص و ایمان اور جنگی امور میں پوری مہارت رکھنے کا نتیجہ تھا کہ صبحِ عاشوراء جب امامؑ نے اپنے مختصر لشکر کو مرتب فرمایا تو مہمہ لشکر کی زمامِ قیادت جناب زہیر کے سپرد فرمائی۔ صبحِ عاشوراء امام الشہداء کے تاریخی خطبہ کے بعد (وہ بروایتِ پہلے) اہل ضلال کو وعظ و پند کیا۔ اور



آغاز جنگ ہوتے ہی جناب زہیر نے کئی بار اپنی خداداد شجاعت و شہامت کا عملی ثبوت دیا۔ قبل از ظہر جب شمر نے حسینی سپاہ کے میسرہ پر حملہ کر کے خیام حسینی کے جلانے کا ارادہ کیا تو دست بدست جنگ میں بڑی جانفشانی کے ساتھ جہاد کیا۔ بعد ازاں جب سرکار سید الشہداءؑ نے نماز ظہر ادا فرمائی تو ایک قول کے مطابق جناب سعید بن عبد اللہ الحنفی کے ساتھ انہوں نے بھی حفاظت امام کا بے مثال فریضہ انجام دیا۔ نماز ظہر کے قیامت خیز منظر کے بعد جب پھر بڑی شدت سے میدان کارزار گرم ہوا تو جناب زہیر نے آخری بار جذبہ شوق شہادت سے سرشار ہو کر یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان کارزار میں قدم رکھا ۔

انا زہیر و انا ابن القین      اذردکم بالسيف عن حسین  
ان حسینا احد السبطین      من عترة البر التقی الزین  
ذاک رسول اللہ غیر المین      اضربکم ولا اری من شین  
یا لیت نفسی قسمت قسمین

پھر جناب سید الشہداءؑ کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔

فدتک نفسی ہادیامہدیاً      فالیوم القی جدک النبیاً  
وحسناً والمرتضی علیاً      و ذالجناحین الفتی الکیماً  
واسد اللہ الشہید الحیا

پھر اس زور شور سے فریضہ جہاد ادا کیا کہ اُنہیں اور ایک روایت کے مطابق ایک سو بیس ناریوں کو واصل جہنم کیا۔ بالآخر لڑتے لڑتے خود بھی زخموں سے نڈھال ہو گئے۔ اس اثناء میں کثیر بن عبد اللہ الشعمی اور مہاجر بن اوس التمیمی نے حملہ کر کے ان کو شہید کر دیا۔ اور وہ ریاض رضوان کی طرف سدھار گئے۔ جب جناب زہیر زمین پر گرے تو سرکار سید الشہداءؑ نے فرمایا: ﴿لَا یَعِدُکَ اللہُ یا زہیر و لعن قاتلک لعن الذین مسخو اقرودة و عناذیر﴾ اے زہیر! خدا تمہیں دور (ہلاک) نہ کرے! اور تیرے قاتل پر اس طرح لعنت کرے جس طرح ان لوگوں پر کی تھی جو بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ ہو گئے تھے۔

رفت با ایمان کامل زین جہاں      در ریاض قرب حق کر دے مکان



(۱۵) شوذب بن عبد اللہ الہمدانی الشاکری مولیٰ شاکر

(۱۶) عابس بن ابی شیبہ بن شاکر بن ربیعہ بن مالک بن صحب

بن معاویہ بن کثیر بن مالک بن جشم بن حاشد الہمدانی الشاکری

بنی شاکر قبیلہ ہمدان کی ہی ایک شاخ ہے۔ جو ولایت اہل بیت میں نہایت مخلص اور راسخ ہے۔ انہی کے بارے میں جناب امیر المؤمنینؑ نے جنگ صفین میں فرمایا تھا۔ جیسا کہ نصرین مزاحم منقری نے اپنی کتاب ”وقعتہ الصفین“ میں ذکر کیا ہے کہ ﴿لَوْ تَمَتَّ عَدَتُهُمُ الْفَأَلْعَدَ اللَّهُ حَقَّ عِبَادَتِهِ﴾ اگر اس قبیلہ کی تعداد ایک ہزار بھی ہوتی تو ان کی بدولت خدا کی اس طرح صحیح عبادت کی جاتی جیسا کہ اس کا حق ہے۔ نیز آنجناب کا یہ شعر بھی اسی خانوادہ کی مدح میں ہے ۔

ولو كنت بواباً على باب جنّة      لقلت لهمدان ادخلي بسلام

جناب شوذب کے بارے میں ایک تحقیق

اس قبیلہ کے لوگ بڑے نامی گرامی شاہسوار اور جری و جرار تھے۔ جناب شوذب بن عبد اللہ مولیٰ شاکر کے بارے میں عام تاثر تو یہی ہے کہ جناب عابس بن ابی شیبہ کے جد شاکر کے غلام تھے۔ ان کی وفات کے بعد جناب عابس سے وابستہ ہوئے۔ اور یہ تاثر لفظ ”مولیٰ شاکر“ سے اس مطلب کے متبادر الی الذہن ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ مگر ارباب علم و بصیرت جانتے ہیں کہ لفظ ”مولیٰ“ چند معانی میں مشترک ہے۔ من جملہ ان معانی کے ایک معنی حلیف (ہم قسم) اور دوسرے معنی نزیل بھی ہیں۔ عمدۃ اللمحۃ شین جناب شیخ عباس قمی غلام والے معنی کی نفی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کو ”مولیٰ شاکر“ صرف اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ وہ بنی شاکر کے حلیف یا نزیل تھے۔ اسی طرح آقائے شیخ ذبیح اللہ محلاتی نے بھی ان کی غلامی کا انکار کرتے ہوئے ان کو مولیٰ شاکر کہنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ درمیان قبیلہ بنی شاکر مسکن داشت۔ یعنی ان کا گھر بنی شاکر کے محلہ میں تھا۔ بہر کیف جناب شوذب کوفہ کے مشہور شیعہ ان علیؑ اور عرب کے معدودے چند شاہسواروں میں سے ایک اور حضرت امیر المؤمنینؑ کی احادیث کے حامل تھے۔ شیعہ ان کوفہ کی مجلس میں حاضر ہو کر ان سے علمی استفادہ کیا کرتے تھے۔ اسی طرح جناب عابس بن ابی شیبہ شاکری شیعہ ان کوفہ کے اعیان و شجعان میں سے تھے۔ نیز آپ ایک اچھے خطیب، شب زندہ دار اور تہجد گزار بزرگوار تھے۔ جب جناب مسلم نے اہل کوفہ کے حالات پر مشتمل مکتوب سید الشہداءؑ کے نام سعید بن عبد اللہ کے ہاتھ ارسال کیا۔ اس وقت جناب شوذب بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اس طرح یہ دونوں بزرگوار مکہ مکرمہ سے کربلا تک برابر امام



حسینؑ کے ہمرکاب رہے۔ حتیٰ کہ روزِ عاشوراء نمازِ ظہر کے ہنگامہ کے بعد عابس نے شوذب سے دریافت کیا: ﴿یا شوذب ما فی نفسک تصنع؟﴾ بتاؤ اب کیا ارادہ ہے؟ شوذب نے برجستہ جواب دیا: ﴿ما اصنع؟ اقاتل معک دون بن بنت رسول اللہ حتی اقتل!﴾ بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے کہ میں کیا کروں گا؟ میں آپ کے ساتھ مل کر دخترِ رسولؐ کے فرزند کی نصرت میں جہاد کروں گا۔ یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں۔ جناب عابس نے فرمایا: ﴿ذلک الظن بک﴾ مجھے آپ سے یہی حسن ظن تھا! آگے بڑھ کر امام سے اذن جہاد لو۔ تاکہ امام دوسرے اصحاب کی طرح تمہاری مصیبت کا صدمہ بھی برداشت کریں (اور اس طرح اجر و ثواب بے حساب کا استحقاق حاصل کریں) اور میں بھی تمہاری مصیبت کا صدمہ جھیلوں۔ بخدا اگر اس وقت تم سے زیادہ مجھے کوئی عزیز ہوتا تو میری یہی خواہش ہوتی کہ وہ میرے سامنے جامِ شہادت نوش کرے اور میں اس کا صدمہ برداشت کروں۔ آج کا دن غنیمت ہے۔ جس قدر ممکن ہو آج اجر و ثواب حاصل کر لینا چاہیے کیونکہ آج کے بعد سوائے حساب و کتاب کے اور کسی عمل کا موقع نہیں ملے گا۔

### اصحاب کے رخصت ہونے اور امامؑ کے اجازت دینے کا طریقہ

چنانچہ شوذب نے خدمتِ امامؑ میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا: ﴿السّلام علیک یا بن رسول اللہ﴾ امامؑ نے سلام کا جواب دیا: ﴿و علیک السّلام و نحن خلفک﴾ اربابِ مقاتل نے لکھا ہے کہ اصحابِ کرام اور امامِ عالی مقام کا یہی طریقہ تھا کہ وہ بوقتِ رخصت اسی طرح سلام کرتے اور امامؑ اسی طرح جواب دیتے اور پھر یہ آیت تلاوت فرماتے: ﴿فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ اجازت ملنے کے بعد میدانِ قتال میں گئے اور اس طرح لڑے جس طرح بہادر شاہسوار لڑتے ہیں۔ حتیٰ کہ قومِ جفاکار کی ایک جماعت کثیرہ کو واصلِ جہنم کرنے کے بعد خود بھی راہیِ فردوس بریں ہوئے۔

شوذب کی شہادت کے بعد جناب عابس بن ابی شیبہ شاکری خدمتِ امامؑ میں حاضر ہوئے اور سلام کے بعد عرض کیا: ﴿یا ابا عبد اللہ! اما واللہ ما امسنى على وجه الارض قريب ولا بعيد اعز علي ولا احب الي منك ولو قدرت على ان ادفع عنك الضيم او القتل بشئ اعز علي من نفسي و دمي لفعلت السّلام علیک یا ابا عبد اللہ اشهد اللہ انی علی ہدای ابیک!﴾ اے ابو عبد اللہ! خدا کی قسم اس وقت تمام روئے زمین پر مجھے نزدیک یا دور کا کوئی رشتہ دار یا تعلقدار آپ سے زیادہ عزیز اور محبوب نہیں ہے۔ اگر میرے پاس اپنی جان اور اپنے خون سے زیادہ عزیز و نفیس کوئی چیز موجود ہوتی جس کے ذریعہ آپ سے ظلم و



تعدی اور قتل کو دور کر سکتا تو یقیناً اس کے صرف کرنے میں دریغ نہ کرتا۔ بلکہ اسے شار کرتا۔ میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں۔ کہ میں آپ کے اور آپ کے والد ماجد کے (برحق) طریقہ پر قائم ہوں۔ اذن جہاد ملنے کے بعد تلوار کو میان سے نکال کر میدان و غا میں کود پڑے۔ جناب عابس بن ابی شیبہ کے منہ پر تلوار کے زخم کا ایک نشان تھا۔ جو آپ کو جنگ صفین میں لگا تھا۔ فوج مخالف کے ایک فوجی ربیع بن تمیم ہمدانی کا بیان ہے۔ جب میں نے عابس کو میدان جنگ میں آتے دیکھا تو انہیں فوراً پہچان لیا کیوں کہ قبل ازیں میں ان کو کئی جنگوں میں بالخصوص جنگ صفین میں دیکھ چکا تھا۔ اور ان کی شجاعت کے عظیم کارناموں کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ میں نے پکار کر کہا: ﴿هَذَا اسد الاسود هذا ابن ابی شیبہ لا یخرجن الیہ احد منکم﴾ لوگو! یہ زبردست شیر ہے۔ یہ ابن ابی شیبہ ہے۔ خبردار تم میں سے کوئی بھی اس کے مقابلہ میں نہ نکلے۔ چنانچہ جناب عابس نے بار بار مبارز طلب کیا۔ مگر فوج مخالف سے کوئی نہ نکلا۔ ابن سعد نے فوج کو حکم دیا کہ ان پر ہر طرف سے پتھر برسائے۔ جب جناب عابس نے یہ کیفیت دیکھی تو (غصہ میں) آ کر زرہ اور خود اتار پھینکی اور پھر شمشیر بکف ہو کر فوج مخالف پر ٹوٹ پڑے۔ شخص مذکور بیان کرتا ہے کہ بخدا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ان تائب توڑ حملوں میں عابس نے دوسو سے زیادہ لوگوں کو پچھاڑا۔ یہ حالت دیکھ کر لوگ ان پر ہر چہار طرف سے ٹوٹ پڑے اور ان کو شہید کر کے ان کا سر قلم کر لیا۔ میں نے متعدد آدمیوں کو اپنی ناموری کی خاطر جھگڑتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ہر ایک شخص یہ کہتا تھا کہ میں نے عابس کو قتل کیا۔ جب ان کو ابن سعد کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے یہ کہہ کر ان کا جھگڑا ختم کیا کہ ان کو کسی ایک شخص نے قتل نہیں کیا بلکہ تم سب نے مل کر کیا ہے۔<sup>۱</sup>

### (۱۷) حنظلہ بن اسعد الشبامی الہمدانی

جناب حنظلہ بنی شبام کے چشم و چراغ تھے جو کہ بنی ہمدان ہی کا ایک قبیلہ ہے۔ صاحب البصار العین نے لکھا ہے کہ ﴿کان حنظلة بن اسعد الشبامی وجہاً من وجوہ الشیعة ذلقاً و فصاحة شجاعاً قارناً و کان له ولد يدعى علیاً له ذکر فی کتب التواریخ﴾ یعنی جناب حنظلہ بن اسعد شبامی نامور شیعوں میں سے تھے خوش تقریر اور صاحب فصاحت و بلاغت تھے۔ نیز بہادر و دلیر اور قاری قرآن تھے۔ ان کا ایک لڑکا تھا جس کا نام علی تھا جس کا ذکر کتب تواریخ میں موجود ہے۔ جناب سید الشہداء کے کربلا میں نزول اجلال فرمانے کے بعد حنظلہ جماعت حسینی میں آ کر شامل ہوئے۔ آغاز جنگ سے پہلے امام علیؑ انہیں پسر سعد کے ساتھ پیام و کلام کے لیے بھیجتے تھے۔ روز عاشوراء جب امام علیؑ کے اعوان و انصار بالکل تھوڑے رہ گئے تو جناب حنظلہ اذن جہاد حاصل کرنے

۱۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۵۱۔ فرسان البیضاء، ج ۱، ص ۱۶۸، ۱۸۰۔ نفس المہموم، ص ۱۵۰۔ لوائح الاشجان، ص ۱۲۷۔ عاشر بھار، ص ۱۹۹۔

تقام، ص ۳۵۲۔ تاریخ، ج ۶، ص ۲۶۳ وغیرہ۔



کے لیے انام کے آگے آ کر کھڑے ہو گئے۔ جدھر سے کوئی تیر یا تلوار یا نیزہ سے وار کرتا تھا۔ جناب حظلہ آگے بڑھ کر اپنے منہ یا سینہ یا ہاتھوں پر اسے روک لیتے تھے۔ اور باواز بلند قومِ اشیاء کو مخاطب کر کے کہتے تھے۔ ﴿يَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ مِثْلَ ذَابِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعِبَادِ يَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ يَوْمَ تُوَلُّونَ مُدْبِرِينَ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ﴾ (سورہ مؤمن، آیت ۳۰ تا ۳۳)

اے میری قوم! مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں تم پر پچھلی امتوں کے سے دن نہ پڑ جائیں (یعنی) قومِ نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں کی سی حالت نہ گزرے۔ حالانکہ اللہ بندوں کے حق میں ظلم نہیں چاہتا۔ اور اے میری قوم! مجھے تمہارے بارے میں قیامت کے دن کا بھی اندیشہ ہے جس دن تم روگردان ہو کر چلو گے (تو) اس دن اللہ کی طرف سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور جس سے خدائے تعالیٰ توفیقِ ہدایت سلب کر لے پس اس کا رہبر کوئی ہوتا ہی نہیں۔ اس کے بعد پکار کر کہا: ﴿يَا قَوْمِ لَا تَقْتُلُوا حَسِينًا فَيَسْحَتَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنْ افْتَرَى﴾ اے قوم! امام حسینؑ کو شہید نہ کرو۔ ورنہ خدا تمہیں اپنے عذاب کے ذریعہ نیست و نابود کر دے گا۔ اور ہمیشہ وہ آدمی خائب و خاسر ہوتا ہے جو افسرِ پردازی کرتا ہے۔

ان کا کلام سن کر امام علیؑ نے فرمایا: ﴿يَا بَنِ اسْعِدْ رَحِمَكَ اللَّهُ انْهَمُ قَدْ اسْتَوْجَبُوا الْعَذَابَ حِينَ رَدُّوا عَلَيْكَ مَا دَعَوْتَهُمْ إِلَيْهِ مِنَ الْحَقِّ وَنَهَضُوا إِلَيْكَ لِيَسْتَبِيحُوكَ أَوْ اصْحَابُكَ فَكَيْفَ بِهِمُ الْآنَ وَقَدْ قَتَلُوا إِخْوَانَكَ الصَّالِحِينَ﴾ اے پسر اسعد! خدا تم پر رحم کرے۔ یہ لوگ عذاب و عقابِ خداوندی کے مستحق تو اسی وقت سے ہو چکے ہیں۔ جب صبحِ عاشوراء تمہاری دعوتِ الی الحق کو مسترد کرتے ہوئے تجھے اور تیرے ہمراہیوں کو قتل کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اب ان کی نجات کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ جب کہ تیرے کئی صالح بھائیوں کے خون میں اپنے ہاتھ رنگیں کر چکے ہیں۔ ابنِ اسعد نے کہا: ﴿صَدَقْتَ يَا بَنِ رَسُولِ اللَّهِ جَعَلْتَ فِدَاكَ أَنْتَ أَعْلَمُ وَأَحَقُّ بِذَلِكَ أَفَلَا نَرْوِحُكَ إِلَى رَبِّنَا وَنُلْحِقُ بِإِخْوَانِنَا الصَّالِحِينَ﴾ ہاں فرزندِ رسول! آپ سچ فرما رہے ہیں۔ میری جان آپ پر قربان! مگر یہ تو فرمائیں۔ کیا ہم اپنے پروردگار کی بارگاہ میں نہ جائیں؟ اور اپنے نیک بھائیوں کے ساتھ جا کر شامل نہ ہوں؟ امام علیؑ نے فرمایا: ﴿رَحِمَ اللَّهُ مَا هُوَ خَيْرُ لَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَالْإِلَهِ مَلِكٌ لَا يَبْلَى﴾ بیشک اس عالم کی طرف جاؤ جو دنیا و مافیہا سے بہتر و برتر ہے اور ایسی سلطنت کی طرف جو کبھی کہنہ نہ ہوگی۔ اجازتِ جہاد ملتے ہی حظلہ نے کہا: ﴿السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ! صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ وَ عَلَى أَهْلِ بَيْتِكَ وَ جَمَعَ اللَّهُ بَيْنَنَا



و بینک فی الجنة ﴿فرزند رسول! آپ پر اور آپ کے اہل بیت پر درود و سلام ہو۔ خدا کرے کہ جنت الفردوس میں ہم اور آپ اکٹھے ہوں۔ امام علیؑ نے فرمایا: آمین آمین۔ پھر شمشیر بکف ہو کر دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ تھوڑی دیر بڑا دلیری اور جانفشانی سے جہاد کیا پھر دشمن ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو شہید کر دیا۔  
رضوان اللہ تعالیٰ علیہ۔

### (۱۸) عبدالرحمن بن عبداللہ الیزنیؓ

جناب عبدالرحمن جن کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں نکلے ۔  
انا ابن عبد اللہ من ال یزن      دینی علی دین حسین و حسن  
اضربکم ضرب فسی من الیمن      ارجو بذاک الفوز عند المؤمن  
اس کے بعد اپنے آپ کو مخالف کے دریائے لشکر میں ڈال دیا اور چند ناریوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد خود دولت شہادت حاصل فرمائی۔

### (۱۹) سعد بن حنظلہ التمیمیؓ

ان کے حالات بھی نہیں مل سکے۔ محدث قمی وغیرہ نے صرف اس قدر لکھا ہے: ﴿کان من اعیان عسکر الحسین﴾ یعنی یہ بزرگوار حضرت سید الشہداءؑ کے لشکر کے نام آور لوگوں میں سے تھے۔ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان و نما میں نکلے ۔

صبراً علی الاسیاف و الاسنة      صبراً علیہا لدخول الجنة  
و حور عین ناعمات هنہ      لمن یرید الفوز لا بالظنة  
یا نفس للراحة فاجهدنہ      وفی طلاب الخیر فارغبنہ  
پھر قوم اشتیاء پر ٹوٹ پڑے۔ سخت جنگ کرنے کے بعد شربت شہادت نوش فرمایا۔ رضوان اللہ علیہ۔

### (۲۰) ابو ثمامہ الصید اویؓ

نام و نسب عمرو بن عبد اللہ الہمدانی الصائدی اور کنیت ابو ثمامہ ہے۔ جناب ابو ثمامہ مشہور تابعی، شاہسوار حضرت امیر المؤمنینؑ کے مخصوص اصحاب اور کوفہ کے مشہور شیعیان حیدر کرار میں سے تھے۔ حضرت امیر کے ہمراہ تینوں

۱۔ ذخیرۃ ص ۲۴۷۔ نفس ص ۱۴۹۔ لؤلؤ ص ۱۲۱۔ تقام ص ۳۵۱۔ فرسان ص ۱۳۲۔ ناخ ص ۲، ص ۲۵۴۔ طبری ص ۶، ص ۲۵۴ وغیرہ

۲۔ نفس ص ۱۵۴، لؤلؤ ص ۱۳۰، فرسان ص ۱، ص ۲۳۳۔

۳۔ نفس ص ۱۵۳، فرسان ص ۱۵۷، ناخ ص ۶، ص ۲۵۴، ۲۶۱ وغیرہ۔



جنگوں میں رہ کر داعی شجاعت و ایمان دے چکے تھے۔ آنجناب کی وفات کے بعد امام حسنؑ سے وابستہ رہے۔ صلح حسنیٰ کے بعد جب امامؑ واپس مدینہ تشریف لے گئے تو یہ کوفہ ہی میں مقیم رہے۔ حتیٰ کہ ہلاکت معاویہ کے بعد جب شیعیان علیؑ سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر جمع ہوئے اور امام کو کوفہ تشریف لانے کا دعوت نامہ لکھا تو یہ بھی ان لوگوں میں شریک تھے۔ جب حضرت مسلم بن عقیل کوفہ میں تشریف لائے تو یہ بزرگوار جناب مسلمؑ کے حکم سے شیعیان علیؑ سے رقم جمع کر کے اس سے اسلحہ جنگ خریدتے تھے۔ کیونکہ یہ اسلحہ شناسی میں بڑے ماہر تھے۔ شہادت مسلمؑ کے بعد روپوش ہو گئے۔ ابن زیاد نے ان کو بہت تلاش کیا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ بالآخر جب ان کو جناب سید الشہداءؑ کے بجانب عراق تشریف لانے کی اطلاع ملی تو جناب نافع بن حلال جملی کے ساتھ پوشیدہ طور پر خدمت امامؑ میں حاضری کے لیے روانہ ہوئے۔ اور راستہ میں کسی منزل پر قافلہ حسینی کے ساتھ شریک ہو گئے۔ یہی وہ بزرگوار تھے جنہوں نے روز عاشوراء زوال آفتاب کے وقت فرض شناسی کا بہترین نمونہ پیش کرتے ہوئے خدمت امامؑ میں عرض کیا تھا کہ میری خواہش ہے کہ آخری نماز حضور کی اقتداء میں پڑھ کر بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوں۔ اور امامؑ نے خوش ہو کر ان کو دعا دی تھی کہ تو نے اس وقت نماز کو یاد کیا ہے۔ خدا تمہیں نماز گزاروں میں شمار کرے۔

### ایک تحقیق

اب قابل غور یہ امر ہے کہ آیا جناب ابو ثمامہ کی یہ تمنا پوری ہوئی یا نہ؟ بعض کتب مقاتل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی یہ آرزو پوری نہیں ہو سکی بلکہ اسی ہنگام ظہر کے ہنگامہ میں اپنے ایک چچا زاد بھائی قیس بن عبد اللہ الصامدی کے ہاتھوں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ چنانچہ کتاب مستطاب شہید انسانیت کے لائق مؤلف رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ”یہ سوچ کر نہایت تکلیف ہوتی ہے کہ ابو ثمامہ کی یہ تمنا کہ وہ نماز ظہر امامؑ کی اقتداء میں پڑھ لیں۔ پوری نہیں ہوئی۔ بلکہ اسی ہنگامہ میں اپنے قبیلہ کے ایک شخص کے ہاتھ سے جو فوج یزید میں تھا وہ شہید ہوئے۔“ تاریخ طبری و کامل کے بیان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے مگر ہماری متعدد کتب سیر و تراجم سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی بلکہ یہ معلوم کر کے روحانی مسرت و شادمانی حاصل ہوتی ہے کہ ان کی یہ تمنا پوری ہو گئی تھی۔

چنانچہ ذخیرۃ الدارین میں ص ۲۴۶ پر لکھا ہے: ﴿ثم ان ابا ثمامة قال للحسين و قد صلى بهم الحسين شدة صلوة الخوف لان القوم كانوا مهاجمين عليهم يا ابا عبد الله! اني قد هممت ان الحق باصحابي و كرهت ان اتخلف و اراک و حيداً من اهلک قتيلاً﴾ جب امام حسینؑ نماز خوف کے طریقہ پر نماز ظہر پڑھا چکے تو اب ابو ثمامہ الصامدی نے آگے بڑھ کر خدمت امامؑ میں عرض کیا: ﴿يا ابا عبد الله!﴾ میں نے اب یہ عزم کر لیا ہے کہ اپنے بھائیوں سے ملحق ہوں۔ اور میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ آپ کو یکہ و تنہا



دیکھتے ہوئے جاں سپاری میں پس و پیش کروں۔ امام علیؑ نے فرمایا: ﴿تقدم فاننا لاحقون بك عن ساعة﴾  
 جاؤ۔ ہم بھی تھوڑی دیر کے بعد تمہارے ساتھ ملحق ہونے والے ہیں۔ اذن جہاد ملتے ہی جناب ابو ثمامہ نے خوب  
 جنگ کی۔ یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہو گئے۔ اس وقت ان کے چچازاد بھائی قیس بن عبد اللہ نے جسے آپ سے  
 کوئی سابقہ عداوت تھی آپ کو شہید کر دیا۔

ایسا ہی فرسان السیاء، ج ۱، ص ۶ پر لکھا ہے: ﴿ابو ثمامہ پس از ادائے نماز خوف آمادۂ جان  
 فشانى شد۔ بخدمت آن حضرت عرض کرد یا بن رسول اللہ! بدرستیکہ من مہیا شدم کہ  
 خود مرا باصحاب و یاراں خود برسانم و دوست ندارم کہ اذانہا بازمانم و مرا طاقت نباشد  
 کہ ترا چنین غریب و بے مددگار نیگرم یا ترا مقتول بہ بینم۔ آن حضرت فرمود قدم پیش  
 گزار اے ابا ثمامہ کہ عنقریب باہم بشما ملحق خواہیم شد﴾ (تا آخر) اس عبارت کا مطلب بھی وہی  
 ہے جو ذخیرہ کی عبارت کا ہے۔ ان حقائق سے معلوم ہوا کہ جناب ابو ثمامہ کی شہادت فریضہ ظہر ادا کرنے کے بعد  
 ہوئی ہے۔

نفس المہوم میں صفحہ ۱۵۶ پر ہنگامہ ظہر کے بعد جناب ابو ثمامہ کا یہ رجز پڑھنا بھی مذکور ہے ۔

عزاء لال المصطفیٰ و بناتہ	علی حبس خیر الناس سبط محمد
عزاء لبنت المصطفیٰ و زوجہا	خزانۃ علم اللہ من بعد احمد
عزاء لاهل الشرق و الغرب کلہم	و حزناً علی حبس الحسین المسدد
فمن مبلغ عنی النبی و بنتہ	بان ابنکم فی مجہدای مجہد



### (۲۱) یحییٰ بن سلیم مازنی

ان کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔ ظہر کے قیامت خیز ہنگامہ کے بعد امامؑ سے اجازت جہاد لے کر میدان کارزار میں یہ رجز پڑھتے ہوئے نکلے۔

لا ضربن القوم ضرباً معضلاً      ضرباً شديداً في العدى معجلاً  
لا عاجزاً فيها ولا مولولاً      ولا اخاف اليوم موتاً مقبلاً  
لكنني كاليت يحمي اشبالاً

پھر کچھ دیر جنگ کرنے کے بعد درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔<sup>۱</sup>

### (۲۲) یحییٰ بن کثیر انصاریؒ

جناب یحییٰ اذن جہاد حاصل کرنے کے بعد یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں نکلے۔

ضاق الخناق بابن سعد وابنه      بلقاهما الفوارس الانصار!  
و مهاجرين مخضبين رماحهم      تحت العجاجة من دم الكفار  
مخضبت على عهد النبي محمد      واليوم تخضب من دم الفجار  
خانوا حسينا والحوادث جمّة      ورضوا يزيداً والبرضا في النار

(الی آخرہ)

پھر بڑی شجاعت و دلیری کے ساتھ جہاد کیا۔ حتیٰ کہ بقول صاحب شرح شافیہ ابی فراس چالیس اور بقول ابی خنف پچاس آدمیوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد خود شربت شہادت نوش کیا۔<sup>۲</sup>

### (۲۳) یحییٰ بن ہانی بن عروۃ المرادیؒ

ابی خنف اور صاحب ذخیرۃ الدارین کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب یحییٰ، عمرو بن الحجاج الزبیدی کے بھانجے تھے کیونکہ عمرو کی بہن روعہ ہانی بن عروہ کی زوجیت میں تھیں جن کے لطن سے یحییٰ پیدا ہوئے۔ جناب مسلم و ہانی کی شہادت کے بعد یحییٰ ابن زیاد کے خوف سے روپوش ہو گئے تھے جب سید الشہداءؑ کے کربلا پہنچنے کی اطلاع ملی تو کسی نہ کسی طرح خدمت امامؑ میں پہنچ گئے۔ اور روز عاشوراء بقول بعض حملہ اولیٰ میں۔ اور بقول سید محمد بن ابی طالب مبارزت طلبی میں یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں نکلے۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۱۹۸۔ نفس المہموم، ص ۱۵۴۔ فرسان السیاء، ج ۱، ص ۱۳۶۔ تقام، ص ۳۵۶۔

۲۔ شرح شافیہ ابی فراس ہمدانی، ص ۱۳۱۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۶۰، فرسان السیاء، ج ۲، ص ۱۳۶ وغیرہ۔



اغشاکم ضرباً بحد السیف      لاجل من حل بارض الخیف  
بقدرۃ الرحمن رب کیف      اضربکم ضرباً بغير حیف

اس طرح متعدد تاریوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد جام شہادت نوش کیا۔<sup>۱</sup>

### (۲۳) جنادہ بن حارث الانصاری

نام و نسب جنادہ بن کعب بن الحارث الانصاری الخزرجی۔ یہ بزرگوار ولایت اہل بیتؑ میں اخلاص رکھنے والے اصحاب حسینؑ میں سے تھے۔ یہ مکہ مکرمہ سے اپنے اہل و عیال سمیت سفر عراق میں جناب امام حسینؑ کے ساتھ آئے تھے۔ روز عاشوراء جب معرکہ کربلا شروع ہوا تو یہ بزرگوار اذن جہاد حاصل کر کے یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں نکلے۔

ابا جناد و ابن الحارث      لست بخوار ولا بناکث  
عن بیعتی حتی یرثنی وارثی      الیوم شلوی فی الصعید ماکث  
پھر لشکر فجار پر حملہ کر کے سولہ تاریوں کو دارالبوار میں پہنچایا۔ اس کے بعد خود فیض شہادت پر فائز ہوئے۔

### (۲۵) ایک نوخیز صاحبزادے کی شہادت

ارباب مقاتل لکھتے ہیں کہ ایک نوخیز لڑکا میدان کارزار میں نکلا جس کی عمر زیادہ سے زیادہ گیارہ سال تھی۔ اور اس کا والد پہلے جام شہادت نوش کر چکا تھا۔ اس بچے کی والدہ نے جو اس سفر میں اس کے ہمراہ تھی یہ حکم دے کر کہ ﴿یا بنی قاتل بین یدی ابن رسول اللہ﴾ بیٹا جاؤ! اور فرزند رسولؐ کی حمایت میں جہاد کر کے جان نثار کرو، روانہ کیا چنانچہ جب وہ لڑکا اذن جہاد کے لیے بارگاہ امام میں حاضر ہوا تو سید الشہداءؑ نے اسے دیکھ کر اصحاب سے فرمایا: ﴿هذا شاب قتل ابوہ و لعل امہ تکوہ خرو وجہ﴾ یہ نوخیز لڑکا ہے اس کا والد پہلے شہید ہو چکا ہے شاید اس کی والدہ اس کے میدان جنگ میں جانے پر راضی نہ ہو؟ لڑکے نے عرض کیا: ﴿اقی امرتنی بذلک﴾ میرے آقا! میری والدہ نے ہی تو مجھے حکم دے کر اور جنگی لباس پہنا کر بھیجا ہے۔ اذن حاصل کرنے کے بعد یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان و غام میں نکلا۔

امیری حسین و نعم الامیر      سرور فؤاد البشیر النذیر

۱۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۵۶۔ فرسان البیضاء، ج ۲، ص ۱۴۷۔

۲۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۴۳۔ فرسان البیضاء، ج ۱، ص ۷۶۔ بحار، ج ۱۰، ص ۹۸۔

۳۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۴۳۔ مقتل الحسین للمقرم، ص ۲۹۰۔



علی و فاطمة والداه فهل تعلمون له من نظير

له طلعة مثل شمس الضحیٰ له غرة مثل بدر منیر

پھر جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ شنگر قاتل نے اس کا سر قلم کر کے سپاہ حسینی کی طرف پھینک دیا۔ اس کی دلیریاں نے سر کو اٹھا کر کہا: ﴿احسنت یا سرور قلبی و یا قرة عینی﴾ شاباش! اے میرے دل کے سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک بیٹا۔ پھر سر اٹھا کر ایک ظالم کو زور سے دے مارا جس سے وہ واصل جہنم ہو گیا۔ اور بعد ازاں عمود خیمہ لے کر یہ کہتی ہوئی حملہ آور ہوئی ۛ

انا عجوز سیدی ضعیفة خاویة بالیة نحیفة

اضربکم بضربة عنیفة دون بنی فاطمة الشریفة

اسی طرح دوناریوں کو واصل جہنم کر دیا۔ سید الشہداء نے اسے واپس خیام میں پلٹ آنے کا حکم دیا۔ اور اسے دعائے خیر دی۔<sup>۱</sup> اور بروایت لڑنے سے قبل امام نے اسے واپس لوٹا دیا۔<sup>۲</sup>

ۛ ولو كان النساء كمثل هذی لفضلت النساء علی الرجال

وضاحت

بعض ارباب مقاتل کا خیال ہے کہ یہ نوخیز لڑکا جناب جنادہ بن کعب بن الحرث الانصاری مذکور کا ہی صاحبزادہ تھا۔ اور اس کا نام عمرو بن جنادہ<sup>۳</sup> ہے۔ واللہ العالم۔

### (۲۶) سید الشہداء کے ترکی غلام کی شہادت

سید الشہداء کا ایک ترکی غلام جو کہ قاری قرآن تھا۔ ان کا نام نامی غالباً ”واضح“ تھا۔ جیسا کہ بعض کتابوں سے واضح ہوتا ہے۔ مگر صاحب مقام نے (صفحہ ۳۵۸ پر) ان کا نام ”قارب“ لکھا ہے۔ اور صاحب فرسان الہیجا نے ان کا نام اسلم بن عمرو لکھا ہے۔ (ج ۱، ص ۳۳، ۳۵) واللہ العالم۔

یہ اذن جہاد لے کر یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں نکلے ۛ

البحر من طعنی و ضربی یصطلی والجومن سہمی و نبلی یمتلی!!

اذا حسامی فی یمینی ینجلی ینشق قلب الحاسد المبعجلی

۱۔ نفس المہموم، ص ۱۵۶۔ لوائح الاشجان، ص ۱۳۲۔ بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۲۹۸۔

۲۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۳۳۔

۳۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۳۳۔ مقتل الحسین للمقرم، ص ۲۹۰۔



پھر سپاہ یزید پر تابوتوں حملے کرنے شروع کئے۔ یہاں تک کہ ایک جماعت کو اور بقول ابن شہر آشوب ستر کو فیوں کو جہنم رسید کیا۔ پھر زخموں سے نڈھال ہو کر گرے۔ ابھی کچھ رمق حیات باقی تھے کہ سید الشہداء ان کے سر ہانے پہنچے اور روئے اور اپنا رخسار اقدس غلام کے رخسار پر رکھ دیا اسی اثناء میں غلام نے آنکھیں کھولیں اور شاید اپنے اقبال کو اوج کمال پر دیکھ کر تبسم کیا۔ پھر روح قفس عنصری سے پرواز کر کے جنت الفردوس میں پہنچ گئی۔  
رضوان اللہ علیہ۔

### (۲۷) انس بن الحارث الکاهلی

نام و نسب انس بن حارث بن نبیہ بن کاهل بن عمرو بن صعب بن اسد بن خزیمہ الاسدی الکاهلی عسقلانی و ابن عساکر وغیرہ علماء تراجم نے اسے صحابہ رسولؐ میں شمار کیا ہے۔ اور لکھا ہے: ﴿کان انس بن الحرث بن نبیہ الکاهلی صحابياً کبیراً مِمَّنْ رآی النبیؐ و سمع حدیثه﴾ (تاریخ ابن عساکر، ج ۲)

جناب انس نے کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ انہی سے آنحضرتؐ کی یہ حدیث مروی ہے کہ ایک بار جناب امام حسینؑ سرکار رسالت مآبؐ کی گود میں بیٹھے تھے۔ جناب رسولؐ خدا نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ان ابنی هذا یقتل بارض یقال لها کربلا فممن ادرک منکم فینصره﴾ میرا یہ بیٹا سرزمین کربلا میں شہید کیا جائے گا تم میں سے جو شخص ان کو اس حال میں پائے ان کی نصرت کرے۔

چنانچہ اخبار و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگوار انہی چند خوش نصیب اصحاب رسولؐ میں سے تھے جنہوں نے جناب سید الشہداءؑ کا یہ دور ابتلاء و آزمائش دیکھا۔ اور ان کی نصرت کا حق ادا کرتے ہوئے درجہ رفیعہ شہادت پر فائز ہوئے۔ سید الشہداءؑ کے کربلا میں وارد ہونے کے بعد کسی نہ کسی طرح جناب انس نے راتوں رات اپنے آپ کو آنجنابؑ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ چونکہ بہت ضعیف اور عمر رسیدہ تھے۔ اور پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ جنگ بدر و حنین میں شریک ہو چکے تھے اس لیے جب روز عاشوراء اذن جہاد کے لیے خدمت امام میں حاضر ہوئے اور امام نے اذن مرحمت فرمایا تو انہوں نے عمامہ سے اپنی خمیدہ کمر کس کے باندھی اور ایک پٹی لے کر بھوؤں کو جو آنکھوں پر لٹکی ہوئی تھیں بلند کر کے پیشانی پر باندھا۔ جناب امام حسینؑ ان کی یہ حالت دیکھ کر رو پڑے اور دعائے خیر دیتے ہوئے فرمایا: ﴿شکر اللہ لک یا شیخ﴾ اے شیخ! خدا تیری اس سعی کو مشکور فرمائے! پھر جناب انس یہ رجز پڑھتے ہوئے قوم اشقیاء پر ٹوٹ پڑے۔

۱۔ عاشر بحار، ج ۱۹۹۔ نفس المہوم، ص ۱۵۶۔ لوائح الاشبان، ص ۱۳۳۔

۲۔ اصحاب، ج ۱، ص ۲۸، ۲۹، طبع مصر۔ تاریخ ابن عساکر، ج ۲۔ خصائص سیوطی، ج ۲، ص ۱۲۵۔



قد علمت کاهلها و دودان  
بان قومى آنة الاقران  
مباشر و الموت بطعن آن  
ال على شيعه الرحمن  
والخندفيون و قيس عيلان  
لدى الوغى و سادة الفرسان  
اذا لنا ترى العجز عن الطعان  
و ال حرب شيعه الشيطان

پھر شیر بیشہ شجاعت کی طرح داد شجاعت دی اور اس ضعیفی و پیرانہ سالی کے عالم میں علاوہ زخمیوں کے بقول ابن شہر آشوب (ج ۴، ص ۹۵) چودہ اور بقول دیگر بعض ارباب مقاتل اٹھارہ ناریوں کو واصل جہنم کیا۔ اس کے بعد خود بھی شربت شہادت پی کر جنت کو سدھارے۔<sup>۱</sup>

### (۲۸) حجاج بن مسروق الجعفی

نام و نسب حجاج بن مسروق بن عوف بن عمیر بن کلب بن ذہل بن جوف بن سعد العشیرہ المذحجی الجعفی۔ جناب حجاج مشہور تابعی اور جناب امیر المؤمنین کے مخلص اصحاب میں سے تھے۔ کوفہ میں رہائش تھی۔ جب انہیں امام حسینؑ کے مدینہ چھوڑ کر مکہ میں تشریف لے جانے کی اطلاع ملی تو زیارت امامؑ کی غرض سے مکہ پہنچے اور پھر مکہ سے کر بلا تک اس سفر عراق میں آپ کے ہمراہ رہے۔ اس سفر میں یہی حجاج اوقات نماز میں آنجناب کے مؤذن تھے۔ روز عاشوراء یہ مؤذن امامؑ اذن جہاد لے کر یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں نکلے۔

اقدم حسیناً هادياً مهدياً  
اليوم القى جدك النبیاً  
ثم اباك ذا الندى علیاً  
ذاک الذی نعرفه وصیاً

امام علیؑ نے فرمایا: ﴿نعم و انا القاهما علی اثرک!﴾ تیرے بعد میں بھی ان بزرگواروں کی بارگاہ میں آ رہا ہوں۔ پھر میدان جہاد میں مشتاقان شہادت کی طرح داد شجاعت دی۔ یہاں تک کہ پندرہ بقولے اٹھارہ اور بروایت پچیس کوفیوں کو جہنم رسید کرنے کے بعد خود شربت شہادت پیا۔<sup>۲</sup> رضوان اللہ علیہ۔

### (۲۹) ابو عمرو النہشلی

یہ بزرگوار کوفہ کے شیعیان حیدر کرار شجاعان روزگار میں سے نہایت متقی و پرہیزگار اور تہجد گزار تھے۔ مہران

۱۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۴۸۔ فرسان الہیجا، ج ۱، ص ۳۷۔ تقام، ص ۳۵۷۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۶۸۔ عاشر بحار، ص ۱۹۸۔ نفس المہوم، ص ۱۵۴، وغیرہ۔

۲۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۴۸۔ فرسان الہیجا، ج ۱، ص ۱۰۳۔ مقتل الحسین للمقرم، ص ۲۹۱۔ عاشر بحار، ص ۱۹۸۔ تقام، ص ۳۵۷۔ نفس المہوم، ص ۱۱۵، وغیرہ۔



مولیٰ بنی کاہل کا بیان ہے جو واقعہ کربلا میں موجود تھا کہ میں نے روز عاشوراء اصحابِ حسینؑ میں سے شیر پیشہ شریٰ کی طرح ایک ایسے بہادر کو جنگ کرتے ہوئے دیکھا کہ وہ جدھر حملہ کرتا تھا لوگ بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگتے ہوئے نظر آتے تھے۔ میں نے دریافت کیا: یہ کون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ ابو عمرو النہشلی (یا النہضلی) ہے۔ اس دارو گیر کے ہنگامہ میں ایک جماعت کو واصل جہنم کیا۔ پھر خدمتِ امامؑ میں حاضر ہو کر یہ شعر پڑھا ۛ

ابشر ہدیت الرشید تلقی احمداً      فی جنۃ الفردوس تعلوا سعداً  
پھر میدانِ کارزار میں پلٹ کر جنگ کرنا شروع کی۔ یہاں تک کہ بنی لات کے ایک شخص عامر بن نہشل نے ان پر حملہ کر کے ان کو شہید کر دیا اور سرتن سے جدا کر دیا۔ ۛ

### (۳۰) انیس بن معقل الاصحی

ان کے حالات پردہِ خفا میں ہیں۔ ابنِ شہر آشوب صاحبِ مناقب ابنِ آشوب اعظم کوئی، آقائے محسن الامین العالی اور محدثِ قمی وغیرہم نے ان کو شہداء کربلا میں شمار کیا ہے۔ ان سب حضرات نے لکھا ہے کہ امام سے اجازت جہاد لینے کے بعد یہ رجز پڑھتے ہوئے میدانِ وغان میں کود پڑے ۛ

انا انیس و انا بن معقل      وفی یمینی نصل سیف معقل  
اعلوبہ الہامات وسط القسطل      عن الحسین الماجد المفضل

ابن رسول اللہ خیر مرسل

پھر سیل بے کراں یا شیر گرسنہ کی طرح قومِ اشقیاء پر ٹوٹ پڑے اور کشت و خون کا بازار گرم کر دیا۔ یہاں تک کہ ابنِ شہر آشوب کے بیان کے مطابق کچھ اوپر میں افراد کو دارالبوار میں پہنچانے کے بعد خود جامِ شہادت نوش کیا۔ ۛ

### (۳۱) ابراہیم بن الحسین

صاحبِ مناقب داعیانِ الشیعہ وغیرہ بہت سے علماء سیر و تواریخ کے نزدیک یہ بزرگوار شہدائے کربلا میں سے شمار کئے گئے ہیں۔ ابی مخنف کے بیان کے مطابق ان کا شمار جنابِ امام حسن و امام حسین علیہما السلام کے اصحاب میں ہوتا ہے۔ دوسرے حالات تاریخی میں ہیں۔ روز عاشوراء اذنِ جہاد لے کر یہ رجز پڑھتے ہوئے جنگ کے ہنگامہ رستخیز میں نکلے ۛ

اضرب منکم مفصلاً و ساقاً      لیہرق الیوم دمی مہراقاً

۱۔ تقام، ص ۳۵۹۔ ناخ التواریخ، ج ۶، ص ۲۶۵۔ لوائح الاشجان، ص ۱۳۵۔ فرسان السیاء، ج ۱، ص ۱۵۳ وغیرہ۔

۲۔ فرسان السیاء، ج ۱، ص ۳۸۔ نفس المہوم، ص ۱۵۵۔ لوائح الاشجان، ص ۱۳۱۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۶۷ وغیرہ۔



و یرزق الموت ابو اسحاقاً اعنی بنی الفاجرة الفساق

اس کے بعد غضبناک شیر کی طرح ابن سعد کی لومڑیوں پر حملہ کر کے سیف و سنان سے پچاس اور بروایت چوراسی کوتاہ کرنے کے بعد خود عالم جاودانی کی طرف منتقل ہو گئے۔<sup>۱</sup>

### (۳۲) عمیر بن عبد اللہ المذحجی

ان کے تفصیلی حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔ بروایت عالم ربانی محمد بن علی بن شہر آشوب مازندرانی وغیرہ۔ ان کا شمار بھی شہدائے کربلا میں ہوتا ہے۔ امام عالی مقام سے اذن جہاد حاصل کرنے کے بعد یہ رجز پڑھتے ہوئے عرصہ جنگ میں قدم رکھا۔

قدم علمت سعد وحی مذحج انی لیدی الہیجاء غیر مخرج  
اعلو بسیفی ہامۃ المذحج و اترک القرن لیدی التفرج

فریسة الذئب الازل الاعرج

پھر داد شجاعت دیتے ہوئے عبد اللہ بکلی و مسلم ضیابی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔<sup>۲</sup>

### (۳۳) عمرو بن مطاع الجعفی

تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ مناقب و تاریخ وغیرہ کے بیان کے مطابق یہ بزرگوار بھی شہداء کربلا کی فہرست میں شامل ہیں۔

امام عالی وقار سے اجازت جہاد لے کر یہ رجز پڑھتے ہوئے سپاہ ابن زیاد پر حملہ آور ہوئے۔

انا بن جوف و ابی مطاع فی یمینی مرہل قطع  
و اسمرفی رأسہ لماع یری لہ من ضوئہ شعاع  
الیوم قد طاب لنا القراع دون الحسین الضرب و الصراع  
یرجی بذاک الفوز الدفاع عن حرّ نار حین لا انشعاع

صلی علیہ الملک المطاع

اور کچھ ناریوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد جام شہادت نوش کیا۔

۱۔ فرسان الہیجاء، ج ۱، ص ۱۱۔ لوائح الاشجان، ص ۱۳۵۔ نفس المہوم، ص ۱۵۷۔ مناقب للخوازمی، ج ۲، ص ۱۸۔ تقام، ص ۳۶۰۔ مناقب، ج ۴، ص ۹۶۔

۲۔ فرسان الہیجاء، ج ۱، ص ۱۶۔ نفس المہوم، ص ۱۵۴۔ مناقب للخوازمی، ج ۲، ص ۱۸۔ تقام، ص ۳۶۰۔ مناقب، ج ۴، ص ۹۴۔ لوائح الاشجان، ص ۱۳۰۔



### (۳۳) سیف بن حارث (۳۵) مالک بن عبد

بعض ارباب مقاتل نے لکھا ہے کہ اصحاب حسینؑ نے جب دیکھا کہ حملہ اولیٰ اور بعد والے حملوں اور دست بدست لڑائی میں ان کے بہت سے آدمی جام شہادت نوش کر چکے اور اب ان کی تعداد (جو پہلے بھی بے حد مختصر تھی) برابر کم ہوتی جاتی ہے تو انہوں نے دو، دو، تین، تین اور چار، چار ہو کر حریم اسلام اور ناموس رسالت کی حفاظت کی خاطر لڑنا شروع کیا۔ چنانچہ جناب سیف بن الحارث بن سربیع اور مالک بن عبد بن سربیع جابری۔ جو کہ باپ کی طرف سے چچا زاد اور ماں کی طرف سے بھائی تھے۔ روتے ہوئے میدان کارزار کی طرف نکلے۔ امامؑ نے سبب گریہ دریافت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿جعلنا فداک ما علی انفسنا نبکی و لكن نبکی علیک نراک قد احیط بک ولا نقدر ان ننفک!﴾ ہماری جانیں آپ پر قربان ہوں ہم اپنے متعلق نہیں رو رہے بلکہ ہم آپ کی مظلومیت پر آنسو بہا رہے ہیں کہ آپ ہر طرح نزعہ اعداء میں گھر گئے ہیں۔ اور ہم آپ کو کوئی فائدہ بھی نہیں پہنچا سکتے! امامؑ عالی مقام نے ان کو جزائے خیر کی دعا دی۔ پھر دونوں نے میدان و غام میں لڑنا شروع کیا۔ اور خوب داد شجاعت دی۔ کئی ناریوں کو فی النار کرنے کے بعد دونوں شہید ہو گئے۔<sup>۱</sup>

### (۳۶) عبد اللہ (۳۷) عبد الرحمن فرزند ان عروہ غفاری

بعد ازاں ان دونوں جانبازوں نے خدمت امامؑ میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ دشمن ہم سے بڑھ کر آپ تک پہنچنا چاہتا ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ آپ کا دفاع کرتے ہوئے آپ کے سامنے جام شہادت نوش کریں۔ امامؑ نے اجازت دی اور یہ دونوں بزرگوار یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں نکلے۔

قد علمت حق بنو غفار و خندق بعد بنی نزار

لنضربن معشر الفجار بکل غضب ذکر بتار

یا قوم ذو و اعن بنی الاخیار بالمشرقی والقنا الخطار

اور پھر امامؑ کے روبرو لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔<sup>۲</sup>

### (۳۸) عمرو بن الخالد صیداوی (۳۹) سعد غلام عمرو بن خالد

### (۴۰) جابر بن الحارث سلمانی (۴۱) مجمع بن عبد اللہ العاندی

یہ چاروں حضرات میدان و غام میں نکلے۔ اور یکبارگی سپاہ ابن سعد پر ٹوٹ پڑے۔ گھمسان کارن پڑا۔ مخالفین نے حملہ کر کے ان کو اپنے اصحاب سے جدا کر دیا۔ اور یہ بزرگوار نزعہ اعداء میں بری طرح گھر گئے۔ امامؑ عالی



مقام نے حضرت ابوالفضل العباس کو بھیجا۔ انہوں نے بزور شمشیر ان کو زغہ سے نکالا مگر اس وقت یہ سب کے سب سخت زخمی ہو چکے تھے واپسی پر پھر دشمنوں نے اچانک حملہ کر دیا۔ زخمی تو پہلے ہی ہو چکے تھے مگر پھر بھی بڑی جگر کا دی سے مقابلہ کیا حتیٰ کہ لڑتے لڑتے سب کے سب وہیں شہید ہو گئے۔<sup>۱</sup>

### (۴۲) یزید بن مغفل عامری

فاضل سماوی نے البصار العین فی انصار الحسین میں ان کے بارے میں لکھا ہے: ﴿کان احد الشجعان من الشيعة و الشعراء المجتدين﴾ شیعہ ان حیدر کرار کے بہادروں اور لغز گو شاعروں میں سے تھے۔ علامہ عسقلانی نے ان کا شمار اصحاب رسول میں کیا ہے۔<sup>۲</sup> مؤرخ طبری وغیرہ ارباب سیر و تواریخ کے بیان کے مطابق یہ اصحاب نہیں بلکہ تابعین اور اصحاب امیر المؤمنین میں سے ہیں۔ یہ کوفہ کے باشندے تھے کسی طرح مکہ ہی میں حسینی جماعت میں شامل ہو گئے تھے اور پھر اس سفر عراق میں امام کے ہمراہ رہے۔ بروز عاشوراء جنگ شروع ہونے کے بعد اذن جہاد لے کر یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں گئے۔<sup>۳</sup>

ان تنکرونی فانا ابن مغفل  
شاک لدی الہیجاء غیر اعزل  
وفی یمینی نصل سیف منصل  
اعلویہ الفارس وسط القسطل  
اس کے بعد بے نظیر حرب و ضرب کا مظاہرہ کیا۔ یہاں تک کہ قوم بخار کی ایک جماعت کو دارالبوار میں پہنچانے کے بعد شربت شہادت پی کر دارالقرار کی طرف سدھار گئے۔<sup>۴</sup>

### (۴۳) جندب بن حجیر (بروزن زبیر) الخولانی الکندی

شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے فہرست میں ان کا شمار اصحاب حسین اور ممتاز شیعہ ان علی میں کیا ہے۔ بعض دوسرے تاریخی شواہد سے ان کا اصحاب امیر المؤمنین سے ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ فاضل مامقانی نے (تنقیح المقال) میں لکھا ہے کہ جنگ صفین میں جناب امیر المؤمنین کے نہ صرف ہمرکاب رہے بلکہ قبیلہ کندہ و ازد کے افسر بھی تھے۔ ابن عساکر نے بھی اپنی تاریخ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ اور یہی قول صحیح ہے۔ صاحب ذخیرہ نے تو ان کے صحابی رسول ہونے کا بھی ایک قول نقل کیا ہے۔ بہر حال جب ان کو امام عالی مقام کی کوفہ کی طرف تشریف آوری کی اطلاع ملی تو یہ کوفہ سے

۱۔ مقتل الحسین، ص ۲۷۰۔ کامل، ج ۳، ص ۲۹۳۔

۲۔ اصحابہ جزء ۶، ص ۳۶۲، قسم ثالث۔

۳۔ فرسان، ج ۱، ص ۷۸۔ ذخیرہ، ص ۲۳۶۔



روانہ ہو کر راستہ میں منزل حجاز پر خدمتِ امامؑ میں پہنچے۔ مؤرخ طبری اور صاحب الحدائق الوردیہ کے بیان کے مطابق روزِ عاشوراء نصرتِ امامؑ کا حق ادا کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔<sup>۱</sup>

#### (۴۴) حجاج بن زید السعدی

اصابہ میں انہیں صحابہٴ رسولؐ میں شمار کیا گیا ہے۔ حجاج بصرہ کے باشندہ تھے اور بنی سعد بن تمیم میں سے تھے۔ سید الشہداءؑ نے قیام مکہ کے دوران جن بعض مقتدر شخصیات کو خطوطِ روانہ کئے تھے۔ ان میں ایک بصرہ کے یزید بن مسعود ہشلی بھی تھے۔ یزید نے جوابی خط انہی جناب حجاج بن زید السعدی کے ہاتھ امامؑ کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ چنانچہ وہ مکتوبِ خدمتِ امامؑ میں پہنچانے کے بعد خود امامؑ کے ہمرکاب رہے۔ یہاں تک کہ روزِ عاشوراء نصرتِ امامؑ کا فریضہ ادا کرتے ہوئے بڑی ثابت قدمی اور اولوالعزمی کے ساتھ اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی۔<sup>۲</sup>

#### (۴۵) عباد بن مہاجر الجہنی

یہ عباد بن مہاجر ان اشخاص میں سے تھے جو مدینہ کے نزدیک واقع شدہ چشمہٴ جہینہ سے آپ کے ہمرکاب ہوئے تھے اور آخر دم تک ہمرکاب رہے۔ منازلِ سفر طے کرتے ہوئے جب امامؑ منزلِ زبالہ میں پہنچے جہاں انہوں نے جناب مسلم بن عقیلؑ کی شہادت کی اطلاع اہل قافلہ کو دی اور بہت سے وہ بدوی لوگ آپ سے علیحدہ ہو گئے جو کسی دنیوی طمع و لالچ کی خاطر آپ کے ہمراہ ہو گئے تھے۔ تو یہ عباد اس مرحلہ پر ثابت قدم رہے۔ حتیٰ کہ شبِ عاشوراء کو جدا ہونے والے لوگوں کا ساتھ بھی نہ دیا یہاں تک کہ روزِ عاشوراء میدانِ کارزار میں نصرتِ امامؑ کا حق ادا کرتے ہوئے درجہٴ شہادت پر فائز ہوئے۔<sup>۳</sup>

#### (۴۶) عبدالرحمن بن عبد رب الانصاری الخزرجی

یہ بزرگوار صحابہٴ رسولؐ میں سے تھے۔ عسقلانی نے اصابہ اور جزری نے اسد الغابہ میں ان کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ حدیثِ مناشدہ میں جب جناب امیر المؤمنینؑ نے بعض صحابہٴ رسولؐ کو حکم دیا تھا کہ جس جس نے پیغمبر اکرمؐ کی زبانِ وحی ترجمان سے حدیثِ غدیریؑ ہے وہ اٹھ کر گواہی دے تو یہ عبدالرحمن بن عبد رب الانصاری ان تیرہ اصحاب میں سے ایک تھے جنہوں نے بلا جھجک کھڑے ہو کر یہ شہادت دی تھی کہ ہم نے اپنے کانوں سے آنحضرتؐ کو غدیر خم کے مقام پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ **إِنَّا لِلّٰهِ وَلِیُّوْا اَنَا وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ فَمَنْ كُنْتَ مُوَلَّاهُ فَعَلِیْ مُوَلَّاهُ اللّٰهُمَّ**

۱۔ فرسان السیاء، ج ۱، ص ۷۸۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۳۶۔

۲۔ فرسان السیاء، ج ۱، ص ۱۰۲۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۲۱۔

۳۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۵۸۔ فرسان السیاء، ج ۱، ص ۱۸۶۔ ابصار العین، ص ۱۳۸ وغیرہ۔



وال من والاہ و عاد من عاداہ و احب من احبہ و ابغض من ابغضہ و اعن من اعانہ <sup>۱</sup> یہ بزرگ جناب امیر کے دینی تربیت یافتہ تھے۔ آنجناب نے خود ان کو تعلیم قرآن دی تھی۔ بہر کیف یہ بزرگوار مکہ مکرمہ سے ہی حضرت امام الشہداء کے ہمرکاب ہو گئے تھے اور بالآخر دین اسلام کی حفاظت، امام وقت کی نصرت اور عالم انسانیت کے تحفظ کی خاطر جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ <sup>۲</sup> رضوان اللہ علیہ۔

### (۴۷) عبدالرحمن بن مسعود النخعی

یہ بزرگ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور ان کے والد جناب مسعود جو حملہ اولیٰ میں جام شہادت پی چکے تھے۔ حضرت امیر علیہ السلام کے مشہور اور نام آور بہادر شیعوں میں سے تھے۔ دونوں باپ بیٹا ساتویں محرم الحرام کو کربلا میں خدمت امام میں پہنچے اور بالآخر بروز عاشوراء نصرت امام میں داو شجاعت دیتے ہوئے دنیائے دوں سے منہ موڑتے ہوئے دارالآخرت کی طرف منتقل ہو گئے۔ <sup>۳</sup>

### (۴۸) عبداللہ بن بشر النخعی

عسقلانی (در اصابہ) اور مامقانی (در تنقیح) نے ان کے حالات درج کئے ہیں اور لکھا ہے کہ عبداللہ مذکور اور ان کے والد کا تذکرہ اسلامی جنگوں میں ملتا ہے۔ ان کے والد بشر مشہور شہسوار تھے اور جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ ارباب مقاتل نے لکھا ہے کہ عبداللہ پہلے عمر بن سعد کے لشکر میں تھے۔ روز عاشوراء سے پہلے بخت نے یابوری کی۔ اور حسینی جماعت میں شامل ہو گئے حتیٰ کہ روز عاشوراء نصرت امام میں شہادت کا جام نوش کیا۔ <sup>۴</sup>

### (۴۹) قاسم بن حبیب بن ابی بشر الازدی

ارباب مقاتل نے ان کے حالات میں لکھا ہے کہ شیعیان کوفہ میں سے مشہور شاہسوار اور نامی گرامی دلیر و بہادر تھے۔ پہلے لشکر ابن سعد میں شامل ہو کر کربلا پہنچے۔ پھر مخفی طریقہ سے جماعت حسینی میں شامل ہو گئے۔ اور جب روز عاشوراء میدان کارزار گرم ہوا تو اس کے اندر کود پڑے اور امام وقت کی نصرت کا فریضہ ادا کرتے ہوئے شہادت کے درجہ رفیعہ پر فائز ہوئے۔ <sup>۵</sup>

۱۔ اصابہ فی تمیز الصحابہ، ج ۴، ص ۱۶۹، قسم اول۔

۲۔ فرسان السیاء، ج ۱، ص ۲۳۱۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۷۰۔

۳۔ فرسان السیاء، ج ۱، ص ۲۳۶۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۳۲۔

۴۔ فرسان السیاء، ج ۱، ص ۲۳۶۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۲۶۔

۵۔ فرسان السیاء، ج ۲، ص ۱۲۲۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۲۲۔ فہرست شیخ طوسی، ص ۹۹، طبع النجف۔ البصار العین، ص ۱۳۷۔



### (۵۰) قعب بن عمرو النمری

ان کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔ روز عاشوراء جنگ شروع ہونے کے بعد یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان کارزار میں نکلے۔

الیکم من مالک الضرغام      ضرب فتی یحمی عن الکرام  
یرجو ثواب اللہ ذی الانعام      سبحانہ من ملک علام

اس کے بعد خوب داد شجاعت دی۔ حتیٰ کہ شرح شافیہ ابی فراس کے مطابق پندرہ اور ابو مخنف و صاحب ناسخ کے بیان کے مطابق ساٹھ ناریوں کو دارالبوار میں پہنچانے کے بعد خود جام شہادت نوش کیا۔<sup>۱</sup> رضوان اللہ علیہ۔

### (۵۲) مجمع بن زیاد الجہنی

اصابہ میں ان کا سلسلہ نسب یوں درج ہے۔ مجمع بن زیاد بن عمرو بن کعب بن عمرو بن عدی بن عمرو بن رفاعہ بن کلب بن مویہ الجہنی۔ اور صاحب الاستیعاب نے یہ لکھا ہے کہ یہ بزرگوار آنحضرت کے ساتھ جنگ بدر و احد میں شریک ہو چکے تھے۔ یہ چشمہ ہائے جہینہ پر مقیم تھے۔ جب جناب امام حسین مکہ سے عراق تشریف لے جاتے۔ وقت ان کے پاس سے گزرے تو کچھ اور حضرات کے ساتھ مجمع بھی آنجناب کے ہمراہ ہو گئے۔ پھر برابر ہمراہ رہے۔ حتیٰ کہ روز عاشوراء جنگ شروع ہونے کے بعد میدان کارزار میں گئے اور بہت سے ناریوں کو جہنم رسید کرنے کے بعد خود شربت شہادت نوش کیا۔<sup>۲</sup>

### (۵۳) بشر بن عمرو الحضرمی الکندی

استیعاب، اسد الغابہ، اصابہ اور اعیان الشیعہ وغیرہ کتب سیر و تراجم میں ان کے حالات مذکور ہیں۔ حضرت موت کے باشندہ اور جلیل القدر تابعی تھے۔ بعد میں کوفہ کے محلہ بنی کندہ میں رہائش اختیار کرنے کی وجہ سے کندی کہلاتے تھے۔ سید الشہداء کے کربلا پہنچنے کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ارباب مقاتل نے لکھا ہے کہ شب عاشوراء جب کہ جنگ کربلا کی ہولناکیاں سر پر منڈلا رہی تھیں ان کو اطلاع ملی کہ ان کا ایک لڑکارے کی سرحد میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اعیان الشیعہ کے بیان کے مطابق ان کو یہ اطلاع روز عاشوراء جنگ شروع ہونے کے بعد ملی۔ یہ سن کر بشر نے کہا: میں اس مصیبت کا اجر و ثواب خدا کی بارگاہ سے چاہتا ہوں۔ البتہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا تھا کہ میرا بیٹا گرفتار ہو۔ اور میں اس کے بعد زندہ رہوں! جب حضرت امام (علیہ السلام) نے اس کا یہ کلام سنا تو فرمایا:

۱۔ فرسان السیاء، ج ۲، ص ۳۸۔ ناسخ، ج ۶، ص ۲۶۷۔ شرح شافیہ، ص ۱۳۰۔

۲۔ فرسان السیاء، ج ۲، ص ۵۰۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۵۹ وغیرہ۔



﴿رحمک اللہ انت فی حل من بیعتی فاذهب و اعمل فی فکاک ابنک!﴾ خدا تم پر رحم کرے! میں تم سے اپنی بیعت اٹھائے لیتا ہوں تم جا کر اپنے بیٹے کی رہائی کے لیے جدوجہد کرو! بشر نے کہا: ﴿اکلتنی اذا السباع حیاً ان فارقتک و اسئل عنک الرکبان و اخذک لک مع قلة الاعوان لا یکون هذا ابداً یا ابا عبد اللہ!﴾ یا ابا عبد اللہ! اگر اس حالت میں کہ آپ کے اعوان و انصار کی تعداد بالکل قلیل ہے میں آپ کو نزعۂ اعداء میں چھوڑ کر چلا جاؤں تو مجھے درندے زندہ ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد جناب سید الشہداءؑ نے ان کو کچھ نفیس کپڑے (بروایت پانچ کپڑے جن کی قیمت ایک ہزار دینار تھی) دے کر فرمایا کہ یہ کپڑے اپنے بیٹے محمد کو دو کہ لے جا کر اپنے بھائی کی رہائی کے سلسلہ میں صرف کرے۔\* بہر حال جب محاربہ کر بلا شروع ہوا تو جناب بشر بن عمرو الحضرمی نصرتِ امامؑ کا فریضہ ادا کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر کے جنت الفردوس کی طرف سدھار گئے۔<sup>۱</sup> رضوان اللہ علیہ۔

### (۵۴) منج بن سہم مولیٰ الحسین

ربیع الاول بروز بختری سے نقل کیا گیا ہے کہ نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب کی ”حسینہ“ نامی ایک کینز تھی۔ جسے حضرت امام حسینؑ نے ان سے خریدا تھا اور بعد میں ”سہم“ کے ساتھ اس کی شادی کر دی تھی جس سے منج متولد ہوئے۔ یہ حسینہ حضرت امام زین العابدینؑ کے دولت کدہ میں کام کرتی تھیں۔ جب جناب سید الشہداءؑ نے سفر عراق کیا تو وہ بھی اپنے بیٹے سمیت اس سفر میں ہمراہ تھیں۔ روزِ عاشوراء منج نے اپنے آقا کی نصرت کا حق ادا کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ حسان بن بکر خطابی نے انہیں شہید کیا۔

استرآبادی، ابوعلی حارثی اور فاضل مامقانی وغیرہ علماء رجال کا اس بات پر اتفاق ہے کہ منج شہیدانِ کربلا میں داخل ہیں۔<sup>۲</sup>

\* اسی وجہ سے محمد بن بشر کی شہادت میں اختلاف ہے کہ آیا وہ کپڑے لے کر چلا گیا تھا یا نہیں۔ کیونکہ تواریخ اس کے جانے کے بارے میں خاموش ہیں۔ اس لیے ظن غالب یہی ہے کہ وہ بھی اپنے باپ کی طرح درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ صاحبِ فرسان السیما (ج ۲، ص ۵۷) نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔ جناب سید بن طاووس اور محدث قمی نے تو مذکورہ بالا تفصیل جو اباب مقاتل نے بشر بن عمرو کے حالات میں درج کی ہے۔ محمد بن بشر کے حالات میں لکھی ہے۔ واللہ العالم۔

۱۔ شرح شافعی ابی فراس، ص ۱۳۸۔

۲۔ فرسان السیما، ج ۲، ص ۱۲۲۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۱۷۴۔ البصار العین، ص ۱۲۵ وغیرہ۔

۳۔ فرسان السیما، ج ۲، ص ۱۲۲۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۱۷۴۔ البصار العین، ص ۶۲ وغیرہ۔



### (۵۵) عبدالرحمن الکدیری

صاحب فرسان الہیاء نے (ج ۱، ص ۱۳۴) پر بحوالہ شرح شافیہ ابی فراس ہمدانی، لکھا ہے کہ جناب موصوف نے حفاظتِ اسلام و امامت میں پے در پے کئی سخت حملے کیے اور بہت سے ناریوں کو واصلِ جہنم کیا۔ بالآخر خود بھی درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔

### (۵۶) معلیٰ بن العلیٰ

ان کے تفصیلی حالات نہیں مل سکے۔ البتہ شرح شافیہ ابی فراس، ص ۱۳۸ اور ناخ، ج ۶، ص ۲۶۷ میں اس قدر لکھا ہے کہ یہ معلیٰ شجاعت و شہامت میں مشہور روزگار تھے۔ روز عاشوراء جب تور حرب و ضرب گرم ہوا تو یہ رجز پڑھتے ہوئے اس میں کود پڑے۔

انا المعلیٰ حافظاً لا اجلی      دینی علی دین محمد و علی  
اذب حتی ینقضی اجلی      ضرب غلام لا یخاف الوجلی  
ارجو اثواب الخالق الارلی      لیختم اللہ بخیر عملی

اس کے بعد اس جوش و خروش اور جانفشانی سے لڑے کہ چوبیس ناریوں کو واصلِ جہنم کیا۔ پھر سپاہ ابن سعد یکبارگی ان پر ٹوٹ پڑی۔ جب معلیٰ زخموں سے نڈھال ہو گئے تو انہیں پکڑ کر ابن سعد کے پاس لے جایا گیا۔ پھر سعد نے کہا: ﴿ما اشد نصرتک لصاحبک الحسین﴾ تو نے امام حسینؑ کی کس طرح اچھی نصرت کی ہے؟ اس کے بعد اس کے حکم سے ان کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔<sup>۱</sup> رضوان اللہ علیہ۔

### (۵۷) نصر بن ابی نضر

فاضل مامقانی در تنقیح المقال، سماوی (در ابصار) اور محدث قمی (دار الکتبی واللقاب) نے لکھا ہے کہ یہ نصرانی نیزر کے فرزند اور بہت بڑے دلیر و بہادر شہسوار تھے۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ ابی نیزر کون تھے۔ اس میں اختلاف ہے۔ ابو العباس المبرد نے (الکامل میں) لکھا ہے کہ یہ بعض سلاطین عجم کی اولاد میں سے تھے۔ اور محدث نوری علیہ الرحمۃ نے خاتمہ مستدرک اور عسقلانی نے اصابہ میں ان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے فرزند تھے۔ صغریٰ میں مدینہ پہنچ کر مشرف باسلام ہوئے۔ خود آنحضرت ان کی نگرانی و سرپرستی فرماتے تھے۔ جب نجاشی کا انتقال ہوا تو اہل حبشہ نے ان سے استدعا کی کہ اپنے باپ کی مسند خلافت پر متمکن ہوں۔ تو آپ نے یہ

<sup>۱</sup> فرسان الہیاء، ج ۱، ص ۳۶۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۶۶۔ ابصار العین، ص ۱۳۷ وغیرہ۔

<sup>۲</sup> فرسان الہیاء، ج ۲، ص ۱۲۲۔ شرح شافیہ ابی فراس، ص ۱۳۸۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۶۷ وغیرہ۔



کہہ کر انکار کر دیا کہ میرے نزدیک جناب رسول خدا کی خدمت میں ایک گھنٹہ زندگی بسر کرنا تمہاری زندگی بھر کی بادشاہت سے بہتر و برتر ہے۔ آنحضرت کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت امیر علیہ السلام سے وابستہ رہے۔ حوالیٰ مدینہ میں جناب امیر علیہ السلام کی جو جائیداد تھی آنجناب نے اس کی اصلاح و نگرانی انہی کے سپرد فرمائی ہوئی تھی۔ جو مزرعہ بغیضہ اور مزرعہ ابی نیزر کے نام سے مشہور تھی۔ جسے آنجناب نے ابناء السبیل اور فقراء مدینہ پر وقف فرما دیا تھا۔ ابی نیزر کے فرزند نصر کی زندگی کا آغاز و شباب حضرت امیر المؤمنین اور ان کے شہزادگان کو نین حسن و حسین کی خدمت کرنے میں گزر رہا جب امام حسین علیہ السلام مدینہ سے روانہ ہوئے تو یہ نصر بن ابی نیزر بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ حتیٰ کہ آغاز جنگ ہونے کے بعد یہ بزرگوار فیض شہادت پر فائز ہوئے۔<sup>۱</sup>

### (۵۸) جابر بن حجاج

اہل سیر و تاریخ کا بیان ہے کہ یہ عامر بن نہشل کے آزاد کردہ غلام اور کوفہ کے رہنے والے اور بڑے جنگ آزمائے۔ کوفہ میں جناب مسلم کی بیعت کی۔ مگر جب لوگ ان کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے تو یہ بھی اپنی قوم کے ہاں روپوش ہو گئے۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے کوفہ تشریف لانے کی اطلاع ملی تو خدمت امام میں پہنچنے کی یہ تدبیر کی کہ ابن سعد کے لشکر میں شامل ہو کر کر بلا پہنچے۔ اور فرصت پا کر امام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور بالآخر روز عاشوراء نصر امام میں داد شجاعت دیتے ہوئے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔<sup>۲</sup>

### (۵۹) ہفہغاف بن المہند الراسی

یہ ہفہغاف بصرہ کے باشندے تھے۔ اور حضرت امیر علیہ السلام کے مخلص صحابی۔ ان کا شمار بصرہ کے مشہور شجاعان روزگار میں ہوتا تھا۔ جنگ صفین میں قبیلہ ازد کے افسر تھے۔ حضرت امیر علیہ السلام کی شہادت کے بعد جناب امام حسن علیہ السلام کے ہمرکاب رہے۔ ان کی شہادت کے بعد بصرہ میں مقیم ہو گئے۔ جب ان کو سید الشہداء کے سفر عراق کی اطلاع ملی تو راہ و بے راہ منازل طے کرتے رہے۔ عصر عاشوراء کو میدان کر بلا میں وارد ہوئے۔ سپاہ ابن سعد سے پوچھا: میرے آقا امام حسین کہاں ہیں؟ انہوں نے پوچھا: تو کون ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے؟ ہفہغاف نے کہا: میں بصرہ کا رہنے والا ہفہغاف بن مہند راہی ہوں۔ انہوں نے کہا: ہم نے حسین اور ان کے انصار و اقرباء کو شہید کر دیا ہے۔ مستورات کے علاوہ صرف ان کا ایک بیمار بیٹا زندہ ہے۔ ابھی ابھی ہم خیام حسینی کی غارت گری سے فارغ ہوئے

۱۔ الکلی واللقاب، ج ۳، ص ۱۱۳، ۱۱۴۔ اصحاب، ج ۲، ص ۱۹۵۔

۲۔ فرسان الشجاء، ج ۲، ص ۱۳۲۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۵۹۔

۳۔ فرسان الشجاء، ج ۱، ص ۵۳۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۶۰۔



ہیں۔ یہ سنتے ہی دنیا ہنہاف کی نظروں میں تیرہ وتار ہو گئی اور شمشیر بکف ہو کر پھرے ہوئے شیر کی طرح یہ رجز پڑھتے ہوئے قوم اشقیاء پر ٹوٹ پڑے ۔

یا ایہا الجند المجند انا الہفہاف بن المہند

احمى عیالات محمد

اور بے نام و ننگ سپاہ کو مولیوں گاجروں کی طرح کاٹنا شروع کیا۔ کئی تابڑ توڑ حملے کر کے بہت سے ناریوں کو جہنم رسید کیا۔ بالآخر سپاہ ابن سعد نے ہجوم کر کے پہلے ان کے گھوڑے کو پے کیا۔ بعد ازاں ہنہاف نے پیادہ واد شجاعت دی۔ بالآخر زخموں کی تاب نہ لا کر زمین پر گرے اور روح قفسِ غصہ سے پرواز کر کے شہداء کربلا کے مقدس زمرہ میں جا ملی۔

### (۶۰) یزید بن حصین المشرقی الہمدانی

قبیلہ ہمدان کی شاخ بنو مشرق سے تعلق رکھتے تھے۔ اصحاب امام حسین علیہ السلام سے بڑے بہادر و شہسوار تھے۔ یہی یزید بن حصین تھے کہ جب امام اور ان کے اعزہ و اعموان پر تشنگی کا غلبہ ہوا تو جناب مشرقی نے خدمت امام میں عرض کیا کہ مجھے اجازت مرحمت فرمائیے تاکہ میں اس سلسلہ میں ابن سعد سے جا کر بات چیت کروں۔ امام نے اجازت دی۔ یہ ابن سعد کے پاس گئے مگر سلام نہ کیا۔ ابن سعد نے کہا: اے ہمدانی! تو نے سلام کیوں نہیں کیا۔ کیا ہم مسلمان نہیں اور خدا و رسول کو نہیں پہچانتے؟ ہمدانی نے کہا: اگر تو مسلمان ہوتا تو عترت رسول پر خروج نہ کرتا۔ ان کے قتل کا ارادہ نہ کرتا۔ یہ آب فرات جو شکم مار کی طرح بل کھا رہا ہے۔ جسے یہود و نصاریٰ استعمال کر رہے ہیں اور جنگل کے درندے پی رہے ہیں مگر تو نے ذریت رسول پر اسے بند کر دیا ہے تاکہ وہ شدت پیاس سے بلک بلک کر دم توڑ دیں اس کے باوجود تم یہ دعویٰ بھی کرتے ہو کہ تم مسلمان ہو اور خدا و رسول کو پہچانتے ہو؟ ابن سعد نے ہمدانی کا کلام سن کر سر نیچے جھکا لیا اور کچھ دیر تامل کرنے کے بعد کہا: اے ہمدانی! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنا سیدھا آتش جہنم میں جانے کے مترادف ہے۔ پھر یہ اشعار پڑھے ۔

دعانی عبید اللہ من دون قومہ علی خطر لا ارتضیہ امین

أترك ملک الرئی و الرئی منیتی ام ارجع ماثوماً بقتل حسین

وفی قتله النار التی لیس دونها حجاب و ملک الرئی قرۃ عین

بالآخر کہا: اے ہمدانی! حقیقت یہ ہے کہ میرا نفس اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ میں ملک الرئی سے دست بردار ہو جاؤں اور کوئی دوسرا اسے حاصل کر لے۔ جناب ہمدانی اس ملعون کا یہ جواب سن کر مایوس ہوئے اور واپس خدمت امام



میں حاضر ہو کر سب ماجرا گوش گزار کیا۔ بہر حال جب روز عاشوراء جنگ کر بلا کا آغاز ہوا تو جناب مشرقی نصرت امام کا فریضہ ادا کرتے ہوئے شہادت کے درجہ رفیعہ پر فائز ہوئے۔<sup>۱</sup>

### (۶۱) سالم بن عمرو مولیٰ بن المدینہ الکھی

جناب سالم بنی مدینہ جو کہ بنی کلب کی ایک شاخ ہے، کے آزاد کردہ غلام تھے اور کوفہ کے ممتاز شیعوں میں سے تھے۔ جب جناب مسلم بن عقیل کوفہ میں تشریف لائے تو ان کی بیعت کرنے والوں کے زمرہ میں داخل ہو گئے اور جب آنجناب گرفتار کئے گئے تو کثیر بن شہاب نے شیعیان کوفہ کی ایک جماعت کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پیش کرنا چاہا اس میں سالم بھی شامل تھے مگر وہ کسی نہ کسی طرح اس کے چنگل سے نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اپنی قوم کے پاس روپوش ہو گئے۔ جب سنا کہ امام حسینؑ کا کر بلا میں درود مسعود ہو چکا ہے تو مخفی طریقہ سے کر بلا پہنچ کر امام علیؑ کی خدمت میں مشرف ہوئے۔ بالآخر جب معرکہ حرب و ضرب قائم ہوا تو راہ خدا میں جہاد کرتے ہوئے قومِ اشتیاء کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کیا۔<sup>۲</sup>

### (۶۲) عمرو بن جندب الحضری

ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ میں ان کے حالات میں لکھا ہے کہ عمرو بن جندب بن کعب بن عبد اللہ بن جزء بن عامر بن مالک بن دہماء الحضری کوفہ میں سکونت پذیر تھے۔ شیعیان علیؑ میں سے تھے اور ان کے ساتھ جنگِ جمل و صفین میں شریک ہو چکے تھے۔

طبرانی کا بیان ہے کہ عمرو بن جندب جناب حجر بن عدی کے احباب میں شامل تھے۔ جب حکومت نے حجر بن عدی کو گرفتار کیا تو عمرو نے روپوشی اختیار کر لی اور یہ سلسلہ زیاد بن ابیہ کے واصل جہنم ہونے تک قائم رہا۔ اس کے بعد وہ کوفہ واپس آ گئے۔ یہاں تک کہ امیر شام بھی مر گیا۔ اور یزید نے مسند اقتدار سنبھالی۔ اسی اثناء میں جب جناب مسلم کوفہ تشریف لائے تو ان کی بیعت کر لی۔ مگر ان کے گرفتار ہو جانے اور سید الشہداء کے عراق کی طرف متوجہ ہونے کی اطلاع پا کر راہ و بے راہ منازل طے کرتے ہوئے راستہ میں کسی مقام پر خدمتِ امام میں پہنچ گئے اور پھر برابر آپ کے ہمرکاب رہے۔ یہاں تک کہ روز عاشوراء نصرتِ امام میں فریضہ جہاد ادا کرتے ہوئے فیض شہادت پر فائز ہوئے۔<sup>۳</sup>

۱۔ فرسان السیاء، ج ۲، ص ۱۳۹۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۷۹۔

۲۔ فرسان السیاء، ج ۱، ص ۱۵۳۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۴۲۔ ابصار العین، ص ۱۳۰ وغیرہ۔

۳۔ فرسان السیاء، ج ۲، ص ۶۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۴۴۔



### (۶۳) حبشہ بن قیس لفہمی

حافظ عسقلانی نے ان کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔ حبشہ بن قیس بن سلمہ بن ظریف بن ابان بن سلمہ بن حارثہ بن فہم لفہمی، حبشہ کے دادا ”سلمہ“ روایت رسولؐ سے مشرف ہو چکے تھے۔ اور جنگ صفین میں حضرت امیر المومنینؑ کے ہمرکاب تھے۔ حبشہ مذکور کر بلا میں امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہاں تک کہ جب روز عاشوراء آتش جنگ شعلہ زن ہوئی تو حبشہ جوش جہاد میں آکر اس میں کود پڑے اور خوب داد شجاعت دی۔ یہاں تک کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر کے شہداء کر بلا کے مقدس زمرہ میں جا ملی۔<sup>۱</sup>

### (۶۴) نعمان بن عمرو الازدی الراسی

بنی ازد کی ایک شاخ کا نام راسب ہے۔ یہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حلاس کے بھائی ہیں۔ غزوات و حروب میں ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ جنگ صفین میں دونوں بھائی حضرت امیر المومنینؑ کے ہمرکاب تھے۔ دونوں بھائی عمرو بن سعد کے لشکر میں کر بلا پہنچے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ابن سعد انصاف و انسانیت کے تمام تقاضوں کو ٹھکرا کر بالکل آمادہ پیکار ہے تو ان کے بخت نے یادری کی اور آٹھ محرم کی رات کو لشکر پر سعد سے علیحدہ ہو کر جماعت حسینی میں شامل ہو گئے۔ اور روز عاشوراء جب آغاز جنگ ہوا تو حلاس حملہ اولیٰ میں اور نعمان مبارزت طلبی میں شہادت کی منزلت جلیلہ پر فائز ہوئے۔<sup>۲</sup>

### (۶۵) شیب بن جراد الکلابی الوحیدی

عسقلانی<sup>۳</sup> نے ان کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔ شیب بن جراد بن طہیہ بن ربیعہ بن الوحید بن کعب بن عامر بن کلاب الکلابی الوحیدی۔ ان کے والد جراد نے جاہلیت اور اسلام کے دونوں دور دیکھے تھے۔ صاحب حدائق دردیہ نے لکھا ہے کہ شیب کوفہ کے نام آور جنگ آزماؤں میں سے تھے۔ اور حضرت امیر المومنینؑ کے اصحاب اور شیعوں میں سے تھے۔ اسلامی جنگوں بالخصوص جنگ صفین میں ان کے کارناموں کا تذکرہ ملتا ہے۔ حضرت مسلم کے کوفہ آنے کے بعد انہوں نے نہ صرف ان کی بیعت کی تھی بلکہ لوگوں سے ان کے لیے بیعت لیتے بھی تھے۔

حضرت مسلمؑ کی شہادت کے بعد جب ابن زیاد نے قتال حسینؑ کے لیے کر بلا فوجیں بھیجیں تو شیب بھی ابن

۱۔ فرمان الہیجا، ج ۱، ص ۸۵۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۵۷۔ اصابہ، ج ۳، ص ۱۵۹، قسم ثانی۔

۲۔ فرمان الہیجا، ج ۱، ص ۱۳۱۔ ج ۲، ص ۱۳۳۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۶۸۔

۳۔ اصابہ، ج ۱، ص ۲۷۲، قسم ثالث۔



سعد کے ہمراہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید قتل و قتال تک نوبت نہیں پہنچے گی۔ مگر نویں محرم کی شب کو شیب کو یقین ہو گیا کہ قوم اشقیاء جناب سید الشہداء سے لڑنے کا عزم بالجزم کر چکی ہے تو اسی رات حسینی جماعت میں آکر شامل ہو گئے اور حضرت قمر بنی ہاشم اور ان کے سگے بھائیوں کے پاس قیام کیا۔ کیونکہ قمر بنی ہاشم کی والدہ ماجدہ انہی شیب کے قبیلہ سے تھیں۔ بہر کیف صبح عاشوراء جب جنگ شروع ہوئی تو مبارزت طلبی میں اور بروایت حملہ اولیٰ میں نصرتِ امام کا حق ادا کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔<sup>۱</sup>

### (۶۶) رافع بن عبد اللہ غلام مسلم بن کثیر ازدی

رافع مذکور جناب مسلم بن کثیر ازدی صحابی جناب امیر (شہید حملہ اولیٰ) کے غلام تھے۔ نصرتِ امام علیہ السلام کے ارادہ سے اپنے آقا مسلم کے ہمراہ کوفہ سے روانہ ہو کر کربلا میں خدمتِ امام میں حاضر ہوئے۔ روزِ عاشوراء جب آتش جنگ مشتعل ہوئی تو جناب مسلم تو حملہ اولیٰ میں شہید ہو گئے۔ مگر رافع نے نمازِ ظہر کے بعد مبارزت طلبی میں کئی ناریوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد خود جام شہادت پیا۔<sup>۲</sup>

### (۶۷) عمرو بن عبد اللہ الجندی الہمدانی

کوفہ کے باشندے تھے۔ بنی جندع قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ ہے۔ یہ بزرگ اسی خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ابن شہر آشوب نے ان کو حملہ اولیٰ کے شہداء میں شمار کیا ہے۔ لیکن بعض اہل سیر و تواریخ کا بیان یہ ہے کہ یہ ان آخری تین اصحاب میں سے ایک ہیں جو تمام اصحابِ حسینی کی شہادت کے بعد باقی رہ گئے تھے۔ جب قوم اشقیاء نے خیامِ حسینی کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ تو یہ آگے بڑھے۔ اور دم توڑ کر لڑے۔ اس اثناء میں ان کے سر پر سخت ضربت لگی۔ جس کی وجہ سے گر گئے۔ چنانچہ ان کے ہم قوم و بنی عم (جو ابن سعد کی فوج میں تھے) ان کو اٹھا کر لے گئے۔ اور علاج معالجہ کیا مگر زخمِ درست نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ پورے ایک سال صاحبِ فراش رہنے کے بعد ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر کے شہداء کربلا میں جا کر ملحق ہو گئی۔<sup>۳</sup>

### (۶۸) حباب بن عامر التمیمی

نام و نسب حباب بن عامر بن کعب بن الارت بن ثعلبہ التمیمی۔ جب حضرت مسلم کوفہ میں تشریف لائے تو ان کی بیعت کی۔ پھر جب لوگوں نے ان کو دھوکہ دیا اور جناب مسلم گرفتار کر لئے گئے تو حباب بن عامر ابن زیاد کے

۱۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۶۸۔ فرسان السیاء، ج ۱، ص ۱۶۶۔ اصابہ، ج ۳، ص ۱۵۹۔

۲۔ فرسان السیاء، ج ۱، ص ۱۳۶۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۷۱۔ ابصار العین، ص ۱۳۱۔

۳۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۵۴۔ فرسان السیاء، ج ۲، ص ۸۔



خوف سے روپوش ہو گئے۔ جب امام حسین علیہ السلام کے بجانب کوفہ متوجہ ہونے کی اطلاع ملی تو راتوں رات کوفہ سے پوشیدہ طور پر نکل کر راستہ میں کسی جگہ حسینی قافلہ سے جا کر ملحق ہو گئے اور برابر آنجناب کے ہمرکاب رہے۔ یہاں تک کہ روز عاشوراء جب آغاز جنگ ہوا تو نصرت امام میں سخت قتال کے بعد اپنی جان نثار کی۔<sup>۱</sup>

### (۶۹) شیب بن عبد اللہ ہشلی غلام حارث (حرث) بن سریع الہمدانی الجابری

پورا نام و نسب اس طرح ہے: شیب بن عبد اللہ بن مشکل بن جی بن جدیہ۔ یہ حارث بن سریع ہمدانی کے غلام تھے۔ نسبہ کلبی وغیرہ کا بیان ہے کہ یہ واقعہ کربلا میں بہت سن رسیدہ تھے کیونکہ جناب رسول خدا کے شرف صحبت سے مشرف ہو چکے تھے۔ اور حضرت امیر المومنین کے ساتھ ان کی تمام دفاعی جنگوں میں شریک بھی رہ چکے تھے کوفہ کے باشندہ بہت بڑے بہادر اور جنگ آزما تھے۔ سیف بن الحارث بن سریع اور مالک بن سریع کے ہمراہ خدمت امام میں حاضر ہوئے اور روز عاشوراء آغاز جنگ کے بعد بقاء اسلام کی خاطر جہاد کرتے ہوئے اپنی جان جان آفرین کے حوالہ کر دی۔<sup>۲</sup>

### (۷۰) عقبہ بن الصلت بن مالک الجہنی

جو لوگ میاہ جہینہ سے جناب امام حسین کے ہمراہ ہو گئے تھے۔ ان میں ایک عقبہ بن الصلت بھی تھے۔ باوجودیکہ منزل رُبالہ پر جناب مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کی خبر شہادت سن کر کئی ہمراہی امام عالی مقام کا ساتھ چھوڑ گئے مگر عقبہ ثابت قدم رہے۔ اور تمام سفر میں امام کے ہمرکاب رہے۔ حتیٰ کہ روز عاشوراء امام کی نصرت میں داؤ شجاعت دیتے ہوئے شربت شہادت نوش کیا۔<sup>۳</sup>

### (۷۱) سلمان بن مضارب بن قیس الجبلی

یہ سلمان زہیر بن القین کے چچا زاد بھائی تھے۔ یہ بھی ۶۰ھ میں زہیر کے ہمراہ حج بیت اللہ سے واپس آرہے تھے کہ راستہ میں جناب سید الشہداء سے ملاقات ہوئی۔ جب زہیر جماعت حسینی میں شامل ہوئے تو سلمان نے بھی ان سے اتحاد عمل کیا۔ اور روز عاشوراء نماز ظہر کے بعد جناب زہیر سے پہلے جام شہادت نوش کیا۔<sup>۴</sup>

۱۔ فرسان السیاء، ج ۱، ص ۸۵۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۶۷۔ البصار، ص ۱۳۶ وغیرہ۔

۲۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۵۲۔ فرسان السیاء، ج ۱، ص ۱۶۷۔

۳۔ فرسان السیاء، ج ۱، ص ۲۶۵۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۶۵۔

۴۔ فرسان السیاء، ج ۲، ص ۱۶۰۔ البصار، ص ۱۲۱۔



## (۷۲) مرقع بن ثمامہ الاسدی الصیدی اوی

مرقع تابعین میں سے تھے۔ اور پہلے لشکر ابن سعد میں شامل تھے مگر انہوں نے دیکھا کہ ابن سعد نے سرکار سید الشہداء کی تمام تجاویز امن و آشتی کو نامنظور کر دیا ہے۔ اور اب فرزند رسولؐ سے جنگ ناگزیر ہو گئی ہے تو راتوں رات پوشیدہ طور پر بعض اور لوگوں کے ساتھ جن کا تذکرہ اپنے مقام پر کیا جا چکا ہے بارگاہ امام میں حاضر ہو گئے اور روزِ عاشوراء تیرکمان سے جنگ کر کے خوب دادِ شجاعت دی۔ حتیٰ کہ جب تیر ختم ہو گئے تو گھٹنے ٹیک کر دفاع کرتے رہے۔ جب زخموں سے نڈھال ہو کر گرے تو ہنوز کچھ رفق حیات باقی تھے کہ ان کی قوم بنی اسد کے کچھ لوگ انہیں اٹھا کر لے گئے۔ اختتام جنگ کے بعد پسر سعد نے ابن زیاد کو حقیقت حال سے آگاہ کیا تو ابن زیاد نے چاہا انہیں شہید کرائے۔ مگر بنی اسد کے بعض بااثر آدمیوں کی سفارش کرنے سے ان کی جان بخشی کر دی۔ مگر پابزنجیر کر کے مقام زرارہ کی طرف جلا وطن کر دیا۔ علاجِ معالجہ سے وہ زخم جو جنگ میں لگے تھے درست نہ ہو سکے۔ حتیٰ کہ انہی کی وجہ سے ایک سال کے بعد ان کی روح شہداء کر بلا کے ساتھ ملحق ہو گئی۔<sup>۱</sup>

## (۷۳) ابوالخثوف بن الحارث (الحارث) الانصاری العجلانی

### (۷۴) سعد بن الحارث (الحارث) الانصاری العجلانی

کتاب الکفی والالقب، اعیان الشیعہ، رجال مامقانی وغیرہ میں بحوالہ حدائق دردیہ ان دونوں بھائیوں کو شہداء کر بلا میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ دونوں پہلے خارجی العقیدہ تھے۔ اور عمر بن سعد کے لشکر میں امامؑ کے ساتھ جنگ کی غرض سے وارد کر بلا ہوئے تھے۔ جب اس تاریخی محاربہ میں آنجنابؑ کے تمام اصحاب شربت شہادت نوش کر چکے اور آنجنابؑ نے آواز استغاثہ بلند فرمائی اور خیام سے نالہ و شیون کی صدائیں بلند ہوئیں اور ان دونوں بھائیوں کے گوش گزار ہوئیں تو رحمت ایزدی ان کے شامل حال ہو گئی۔ کہا: ﴿لَا طَاعَةَ لِمَنْ عَصَى اللَّهَ﴾ جو شخص خدا کا نافرمان ہے اس کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ یہ حسین ہمارے رسولؐ کے فرزند ہیں۔ جن کی شفاعت کے بروز قیامت ہم امیدوار ہیں جو اس وقت بے یار و مددگار ہیں اگر ہم ان کے ساتھ جنگ کریں گے تو پھر آنحضرتؐ کس طرح ہماری شفاعت فرمائیں گے؟ یہ کہہ کر تلواریں میانوں سے کھینچ لیں اور آنجنابؑ کی خدمت میں پہنچ کر دشمنانِ خدا و رسولؐ کے ساتھ جہاد شروع کیا۔ ایک گروہ کو زخمی اور ایک جماعت کو دارالبوار میں پہنچانے کے بعد خود بھی سعادت ابدی پر فائز ہو گئے۔<sup>۲</sup>

۱۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۵۸۔ فرسان الہیاء، ج ۲، ص ۱۲۵، وغیرہ۔

۲۔ فرسان الہیاء، ج ۱، ص ۲۵۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۵۶، وغیرہ۔



### (۷۵) ضرغامہ بن مالک تغلشی کی شہادت

فاضل سماوی نے البصار العین میں لکھا ہے کہ یہ شیعان کوفہ میں سے اسم باسکی تھے۔ چونکہ ضرغام کے معنی شیر کے ہیں یہ بزرگوار بھی بڑے شجاع شیر آگن اور شاہسوار صف شکن تھے۔ جب جناب مسلم وارد کوفہ ہوئے تو ان کے حلقہ بیعت میں داخل ہو گئے اور ان کی شہادت کے بعد ابن سعد کے لشکر میں شامل ہو کر بلا پہنچے۔ پھر خدمت امام میں حاضر ہو گئے۔ اور فاضل مازندرانی کے بیان کے مطابق حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ مگر ابی مخنف کے بیان کے مطابق نمازِ ظہر کے بعد مبارزت میں یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں گئے۔

الیکم من ابن مالک ضرغام ضرب فتی یحیی عن الکرام

یرجو ثواب اللہ باتمام سبحانہ من ملک علام

پھر دشمنانِ خدا و رسولؐ کے ٹڈی دل لشکر پر ٹوٹ پڑے اور زخمیوں کے علاوہ ساٹھ دوزخیوں کو واصلِ جہنم کرنے کے بعد درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔<sup>۱</sup>

### (۷۶) زیاد بن عریب الصائدی الہمدانی

یہ بزرگوار بنی صاعد کے چشم و چراغ تھے۔ جو کہ بنی ہمدان کی ایک شاخ ہے۔ استیعاب، اسد الغابہ اور اصاہ میں ان کے والد عریب کو اصحابِ رسولؐ میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ جناب زیاد شجاعانِ نامدار، روزہ دار، شب زندہ دار اور عبادت گزاروں میں سے شمار ہوتے ہیں۔ روز عاشوراء میں مبارزت طلبی میں سخت لڑائی کے بعد شہادت کے درجہ رفیعہ پر فائز ہوئے۔<sup>۲</sup>

### (۷۷) عائذ ابن مجمع العائذی

یہ بزرگوار جناب مجمع ابن عبد اللہ عائذی کے فرزند ہیں۔ اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ کر بلا پہنچے اور نصرتِ امام کا فریضہ انجام دیتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔<sup>۳</sup>

### حملہ اولیٰ کے شہداء کے اجمالی حالات و کوائف

جیسا کہ قبل ازیں تفصیل کے ساتھ لکھا جا چکا ہے کہ روز عاشوراء جب عمر بن سعد کے پہلا تیر چلانے کے بعد جنگ کا آغاز ہوا۔ اور فریقِ مخالف کی ہزاروں کمائیں کڑکیں اور تیروں کی بارش ہوئی۔ ادھر اصحابِ حسینؑ نے بھی

۱۔ فرسان، ج ۱، ص ۱۶۹۔ ذخیرہ، ص ۲۲۳۔

۲۔ فرسان، ج ۱، ص ۱۵۳۔ ذخیرہ، ج ۹، ص ۲۶۹ وغیرہ۔

۳۔ فرسان، ج ۲، ص ۵۱، ذخیرہ، ج ۱، ص ۲۳۳۔



جوانی کا ردوائی کی۔ قریباً ایک گھنٹہ کی جنگ کے بعد بنا بر مشہور اس حملہ اولیٰ میں امام کے پچاس اصحاب باصفا شہادت کی ابدی سعادت پر فائز ہوئے۔<sup>۱</sup>

مناقب شہر بن آشوب<sup>۲</sup> میں ان شہداء میں سے صرف بیالیس اصحاب باوفا کے اسمائے مبارکہ موجود ہیں۔ ہم یہاں پورے پچاس شہداء کے اسماء مبارکہ درج کر کے ان کا اجمالی تعارف پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

### (۱/۷۸) نعیم بن عجلان انصاری خزرجی

یہ بزرگوار جناب امیر المومنینؑ کے اصحاب میں سے ہیں اور نعمان بن عجلان کے بھائی ہیں جو جناب امیر المومنینؑ کی طرف سے بحرین و عمان کے حاکم تھے۔ ان دونوں بھائیوں کا شمار تیسرے بھائی نصر سمیت شجاعان روزگار و شعرائے کامگار میں ہوتا ہے۔ یہ جنگ صفین میں آنجناب کے ہمرکاب تھے۔ نعیم کے دونوں بھائیوں کا واقعہ کربلا سے پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ نعیم جو کوفہ میں رہتے تھے۔ نصرتِ امام کے لیے کربلا میں حاضر ہوئے۔ اور حملہ اولیٰ میں جام شہادت نوش کیا۔<sup>۳</sup>

### (۲/۷۹) عمران بن کعب بن حارث الاشجعی

ان کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔ منتہی الآمال<sup>۴</sup> میں صرف اس قدر درج ہے کہ حضرت شیخ طوسی نے اپنے رجال میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

### (۳/۸۰) حنظلہ بن عمرو الشیبانی

ان کے حالات بھی معلوم نہیں ہو سکے۔ مناقب میں ان کا شمار بھی حملہ اولیٰ کے شہداء میں کیا گیا ہے۔

### (۴/۸۱) قاسط بن زہیر تغلی (۵/۸۲) کردوس بن زہیر تغلی (۶/۸۳) مقسط ابن زہیر تغلی

رجال مامقانی وغیرہ کتب میں ہر سہ بھائیوں کا شمار حضرت امیر علیہ السلام کے اصحاب میں کیا گیا ہے۔ ان تینوں بھائیوں نے حضرت امیر علیہ السلام کے ہمراہ جنگ صفین میں شرکت کی۔ اور کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ پھر یہ تینوں سعادت مند بھائی میدان کربلا میں نصرتِ امام کا حق ادا کرتے ہوئے حملہ اولیٰ میں فیض شہادت پر فائز

۱۔ تقام، ص ۳۴۰۔ منتہی الآمال، ج ۱، ص ۳۴۹۔ شرح شافعیابی فراس، ص ۱۲۸۔ مقتل الحسین للمرقم، ص ۲۶۸ وغیرہ۔

۲۔ ج ۴، ص ۹۹، طبع بمبئی۔

۳۔ منتہی الآمال، ج ۱، ص ۳۵۰۔ فرسان، ج ۲، ص ۱۳۴۔ ذخیرہ، ص ۱۸۱۔

۴۔ ج ۱، ص ۳۵۰۔



جادوا بانفسہم فی حب سیدہم والجدود بالنفس اقصى غاية الجود

### (۷/۸۴) کنانہ بن عتیق تغلی

جناب کنانہ کا کوفہ کے مشہور روزگار ابطال و قراء اور عبادت گزاران کا مگار میں شمار ہوتا تھا۔ روز عاشوراء حملہ اولیٰ میں شہادت کی دائمی سعادت پر نائل ہوئے۔

### (۸/۸۵) عمرو بن ضبیحہ تمیمی

بہت بڑے بہادر و شہسوار تھے۔ اسلامی جنگوں میں ان کا نام ملتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلے عمر بن سعد کی فوج میں شامل تھے۔ جب جناب سید الشہداء کی امن دوستی اور مظلومیت اور ابن سعد کے ظلم و تعدی کو دیکھا تو حسینی لشکر گاہ میں داخل ہو گئے اور روز عاشوراء حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

### (۹/۸۶) بکر بن جی

عسقلانی نے ان کا سلسلہ نسب اس طرح ذکر کیا ہے: بکر بن جی بن علی بن تیم اللہ بن ثعلبہ۔ اور لکھا ہے کہ انہوں نے زمانہ رسول کو درک کیا تھا۔ ان کا شمار بھی شہداء کربلا کے مقدس زمرہ میں کیا جاتا ہے۔ پہلے پسر سعد کی سپاہ میں شامل تھے۔ روز عاشوراء جب جنگ شروع ہوئی تو رحمت الہی شامل حال ہو گئی۔ اور آنجناب کی خدمت میں حاضر ہو کر بنا بر مشہور حملہ اولیٰ میں فیض شہادت حاصل کیا۔

### (۱۰/۸۷) ادہم بن امیہ عبیدی (۱۱/۸۸) عبداللہ (۱۲/۸۹) عبید اللہ فرزندان یزید بن شیط

### (۱۳/۹۰) عامر بن مسلم عبیدی (۱۴/۹۱) ان کے غلام سالم (۱۵/۹۲) سیف بن مالک عبیدی

جناب ادہم کا نام و نسب اس طرح ہے: ادہم بن امیہ بن ابی عبیدہ بن ہمام بن الحارث بن بکر بن زید بن مالک بن زید العبیدی۔ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ عسقلانی وغیرہ علماء سیر و تراجم کے بیان کے مطابق ان کے والد امیہ صحابی رسول تھے۔ بصرہ میں ماریہ بنت منقذ (یا سعید) عبیدہ نامی ایک خاتون شیعہ ان علیؑ میں سے اس قدر جلالت قدر کی مالک تھیں کہ تمام (اہم امور پر صلاح و مشورہ کے لیے ان کے مکان پر شیعوں کے اجتماع ہوتے تھے)۔ جب

۱۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۶۔ البصار العین، ص ۱۳۷۔

۲۔ منتہی الآمال، ج ۱، ص ۳۵۰۔

۳۔ منتہی الآمال، ج ۱، ص ۳۵۰۔ فرسان، ج ۲، ص ۷۷۔ ذخیرہ، ص ۲۲۲۔

۴۔ فرسان السجاء، ج ۱، ص ۵۱۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۶۰۔ منتہی الآمال، ج ۱، ص ۳۵۳ وغیرہ۔



یزید نے ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کر کے کوفہ بھیج دیا اور دوسری طرف جناب امام حسینؑ کے عراق کی طرف روانہ ہونے کی خبریں زبان زد خاص و عام تھیں۔ بصرہ کے قائم مقام گورنر نے اس اعلان کے ساتھ ساتھ کہ یہاں سے کوئی شخص نصرت حسینؑ کے لیے نہ جائے۔ ناکہ بندی کا بھی انتظام کر دیا۔ اس اثنا میں یزید بن شیبہ قیسی نے ماریہ مذکورہ کے مکان پر شیعوں کے ایک خصوصی اجتماع میں نصرت امامؑ کے لیے جانے کا عزم ظاہر کیا۔ اور اپنے دس بیٹوں کے سامنے بھی یہ مسئلہ پیش کیا۔ جن میں سے صرف عبداللہ اور عبید اللہ نے باپ سے اتفاق رائے کیا۔ وہیں ادہم بن امیہ عامر بن مسلم العبیدی اور اس کے غلام سالم و سیف بن مالک العبیدی نے بھی ان سے اتحاد عمل کیا۔ دوسرے لوگ ناکہ بندی کی شدت نیز دوسرے بعض خطرات کے ماتحت اس سعادت کو حاصل نہ کر سکے۔ البتہ بعد میں کچھ لوگ کف افسوس ملتے رہے اور بعض قافلے نصرت امامؑ کی غرض سے روانہ بھی ہوئے۔ مگر راستہ میں شہادت حسینؑ کی خبر دہشت اثر سن کر واپس لوٹ گئے۔ بہر حال چھ آدمیوں کا یہ مختصر قافلہ اپنی جانوں کو شدید خطرے میں ڈال کر اور مشکلات میں گھر کر سید الشہداء کے مکہ سے روانہ ہونے کے بعد راستہ میں حسینی قافلہ کے ساتھ جا کر شامل ہو گیا۔ پھر اس تمام سفر میں ہمرکاب رہا۔ حتیٰ کہ روز عاشوراء جب میدان کارزار گرم ہوا تو ان سب شمع حسینی کے پروانوں نے نصرت امام کا فریضہ انجام دیتے ہوئے حملہ اولیٰ میں شہادت کی سعادت حاصل کی۔<sup>۱</sup> رضوان اللہ علیہم۔

### (۱۶/۹۳) حارث بن نبہان

ارباب مقاتل نے لکھا ہے کہ حارث کے والد نبہان حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے غلام اور بڑے جنگ آزما اور شہسوار تھے۔ جناب حمزہ کی شہادت کے دو سال بعد وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند حارث حضرت امیر المومنینؑ سے وابستہ رہے۔ ان کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کی خدمت میں رہنا اختیار کیا اور آپؑ کی شہادت کے بعد امام حسینؑ کی خدمت فیض درجت میں رہے۔ حتیٰ کہ جب انقلاب روزگار کی وجہ سے جناب خامس آل عباؑ اپنا وطن مالوف چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ تو حارث آپ کے ہمرکاب ہوئے۔ اور برابر روز عاشوراء تک ہمراہ رہے۔ جب کربلا کے قیامت خیز محاربہ کی ابتدا ہوئی تو انہوں نے نصرت امامؑ میں شہادت کا جام نوش کیا۔<sup>۲</sup>

### (۱۷/۹۴) منیع بن زیاد

حضرت شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے اپنے رجال میں ان کا شمار حضرت امام حسینؑ کے اصحاب میں کیا ہے

۱۔ فرسان الشہداء، ج ۲، ص ۱۵۱ وغیرہ۔

۲۔ ذخیرہ، ص ۲۶۶، ۲۲۲۔ فرسان، ج ۱، ص ۲۷ و ج ۲، ص ۱۳۸۔

۳۔ ذخیرہ، ص ۲۶۷۔ فرسان، ج ۱، ص ۸۴۔ ۲۲۲۔



مگر انہوں نے منیع بن رقاد لکھا ہے۔ اس بزرگوار کا شمار بھی روزِ عاشوراء حملہٴ اولیٰ کے شہداء میں ہوتا ہے۔ مگر کتب رجال سے ان کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔<sup>۱</sup>

### (۱۸/۹۵) عبدالرحمن بن عبداللہ الارجمی

یہ وہی بزرگوار ہیں جن کو اہل کوفہ نے بہت سے دعوتی خطوط دے کر قیس بن مسہر صیداوی کے ہمراہ حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں مکہ روانہ کیا تھا اور یہ بارہ ماہ رمضان ۶۰ھ کو بارگاہِ امامت میں باریاب ہوئے تھے۔<sup>۲</sup> اسی بات سے ان کی دیانت و امانت پر بہت تیز روشنی پڑتی ہے۔ بہر حال روزِ عاشوراء حملہٴ اولیٰ میں اور بقولے مبارزت طلبی میں درجہٴ شہادت پر فائز ہوئے۔<sup>۳</sup>

### (۱۹/۹۶) حلاس بن عمرو الازدی الراسی

کوفہ کے باشندہ اور حضرت امیر المومنینؑ کے اصحاب میں سے تھے۔ اور آنجنابؑ کے ظاہری دورِ خلافت میں پولیس افسر تھے۔ اپنے بھائی نعمان بن عمرو (جن کی شہادت کا قبل ازیں تذکرہ کیا جا چکا ہے) کے ساتھ ابن سعد کی فوج میں کر بلا پہنچے اور شبِ ہشتم محرم کو مخفی طریقہ پر سپاہِ امامؑ میں شامل ہو گئے۔ روزِ عاشوراء حلاس حملہٴ اولیٰ میں اور نعمان حملہٴ اولیٰ اور ظہر کے درمیان مبارزت طلبی میں شہادت کی سعادت پر فائز ہوئے۔<sup>۴</sup>

### (۲۰/۹۷) زاہر بن عمرو اسلمی مولیٰ عمرو بن الحکم الخزاعی

یہ بزرگ جناب عمرو بن الحکم الخزاعی کے مصاحب تھے۔ ارباب سیر نے آپ کا شمار اصحابِ رسولؐ میں کیا ہے۔ اور یہ کہ آپ بیعت شجرہ، صلح حدیبیہ اور جنگ خیبر میں شریک تھے۔ محبت خاندانِ نبوتؐ ان کا طغرا امتیاز تھا۔ ۶۰ھ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے تھے۔ واپسی پر امام حسینؑ کے ہمراہ کر بلا پہنچے۔ اور بالآخر روزِ عاشوراء حملہٴ اولیٰ میں شرفِ شہادت حاصل کر کے زندگانی جاوید پر فائز ہوئے۔<sup>۵</sup>

### (۲۱/۹۸) جبلة بن علی الشیبانی

کوفہ کے شیعانِ علیؑ میں سے نام آور بہادر تھے۔ جنگ صفین میں آنجنابؑ کے ہمراہ تھے۔ جناب مسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کی شہادت کے بعد روپوش ہو گئے۔ جب امامؑ کے کر بلا میں ورودِ مسعود کی اطلاع ملی تو ان

۲۔ فرسان، ج ۱، ص ۲۴۳۔

۱۔ فرسان، ج ۲، ص ۱۴۳۔

۳۔ فرسان، ج ۱، ص ۲۴۳۔

۴۔ منتہی الآمال، ج ۱، ص ۳۵۰۔

۵۔ فرسان النبیاء، ج ۱، ص ۱۳۸، بحوالہ اصحاب وغیرہ۔

فرسان، ج ۱، ص ۱۳۱۔ ذخیرہ، ص ۲۶۸۔



کی خدمت میں حاضر ہوئے اور روز عاشوراء حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔<sup>۱</sup> صاحب حدائق درویش نے ان کی شہادت بطور مبارزت ذکر کی ہے۔<sup>۲</sup>

### (۲۲/۹۹) مسعود بن الحجاج التیمی (۲۳/۱۰۰) عبدالرحمن بن مسعود التیمی

یہ دونوں باپ بیٹا شجاعان روزگار میں سے تھے۔ سپاہ ابن سعد میں شامل تھے۔ جن دنوں ہنوز جنگ کا آغاز نہ ہوا تھا بلکہ طرفین سے رسل و رسائل کا سلسلہ جاری تھا۔ بغرض سلام خدمت امامؑ میں حاضر ہوئے۔ پھر اس طرح رحمت ایزدی شامل حال ہوئی کہ یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اور روز عاشوراء حملہ اولیٰ میں جام شہادت نوش کر کے ابدی سعادت پر فائز ہوئے۔<sup>۳</sup>

### (۲۳/۱۰۱) سوار بن ابی عمیر التیمی

اگرچہ مناقب شہر ابن آشوب میں ان کا شمار حملہ اولیٰ کے شہداء میں کیا گیا ہے۔ مگر اکثر اباب سیر و تواریخ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حملہ اولیٰ میں زخموں سے نڈھال ہو کر گر گئے۔ بعد ازاں ان کو گرفتار کر کے پسر سعد کے پاس لے جایا گیا۔ اس نے قتل کرانا چاہا مگر ان کے ہم قوم سپاہی آڑے آئے۔ سفارش کر کے ان کو زندہ گھر لے گئے۔ علاج معالجہ کیا۔ لیکن زخم اتنے کاری لگے تھے کہ نہ بچ سکے۔ اور چھ ماہ تک صاحب فراش رہ کر ابھی ملک بچا ہوئے۔ اور روح شہدائے کربلا میں شامل ہو گئی۔<sup>۴</sup>

### (۲۵/۱۰۲) زہیر بن بشر التیمی

حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ ان کے بھائی عبداللہ بن بشر کی شہادت کا تذکرہ قبل ازیں (نمبر ۵۴ پر) کیا جا چکا ہے۔ بنا بر روایت مناقب زہیر نے حملہ اولیٰ میں شہادت پائی۔<sup>۵</sup>

### (۲۶/۱۰۳) عمار بن حسان بن شریح الطائی

جناب عمار (جن کا اسم گرامی بعض کتب رجال میں عامر لکھا ہے) مخلص شیعان حیدر کرار میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے والد جناب حسان حضرت امیر المومنینؑ کے اصحاب میں سے تھے اور جنگ صفین میں آنجنابؑ کے ہمراہ تھے۔ عمار مکہ سے حضرت امامؑ کے ہمراہ کربلا پہنچے۔ اور روز عاشوراء حملہ اولیٰ میں شرف شہادت سے مشرف ہوئے۔<sup>۶</sup>

۱۔ فرسان، ج ۱، ص ۵۵۔

۲۔ منتہی الآمال، ج ۱، ص ۳۵۱۔

۳۔ منتہی الآمال، ج ۱، ص ۳۵۱۔

۴۔ منتہی الآمال، ج ۱، ص ۳۵۱۔ ذخیرہ، ص ۲۳۶۔

۵۔ منتہی الآمال، ج ۱، ص ۳۵۱۔ فرسان، ج ۱، ص ۲۳۷۔

۶۔ فرسان السیاح، ج ۱، ص ۱۳۲۔



### (۲۷/۱۰۴) عبداللہ بن عمیر

فاضل مازندرانی نے ان کا شمار حملہ اولیٰ کے شہداء میں کیا ہے مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ عبداللہ بن عمیر سے کون بزرگوار مراد ہیں۔ اگر ابن عمیر کلبی ہیں تو ان کے حالات ابتداء میں (نمبر ۱) پر لکھے جا چکے ہیں۔ مگر وہ حملہ اولیٰ میں شہید نہیں ہوئے اور اگر کوئی اور بزرگ ہیں تو ان کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔ واللہ العالم۔

### (۲۸/۱۰۵) مسلم بن کثیر الازدی الاعرج

فاضل مامقانی نے ان کا شمار حضرت امیر المومنینؑ کے اصحاب میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ جنگ جمل میں آنجنابؑ کے ہمرکاب تھے۔ اسی جنگ میں پاؤں پر ایک تیر لگا۔ جس کی وجہ سے لنگڑے ہو گئے۔ اور عسقلانی کے بیان سے ان کا صحابی رسولؐ ہونا واضح ہوتا ہے۔ کوفہ میں رہائش تھی۔ بہر حال کربلا میں خدمت امام میں شرف یاب ہوئے۔ اور روز عاشوراء حملہ اولیٰ میں شہد شہادت پیا۔<sup>۱</sup>

### (۲۹/۱۰۶) زہیر بن سلیم ازدی

یہ بزرگوار پہلے عمر بن سعد کی فوج میں تھے۔ شب عاشوراء رحمت پروردگار شامل حال ہوئی اور آکر امامؑ کی جماعت میں شامل ہو گئے اور روز عاشوراء حملہ اولیٰ میں جام شہادت نوش کیا۔<sup>۲</sup>

### (۳۰/۱۰۷) امیہ بن سعد الطائی

امیہ کوفہ کے باشندہ۔ حضرت امیر المومنینؑ کے صحابی اور قبیلہ طئے کے بہادر اور شہسوار تھے۔ کتب سیر و تواریخ کے اندر اسلامی جنگوں میں بالعموم اور جنگ صفین میں بالخصوص آپ کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ ملتا ہے۔ جب ان کو امامؑ کے کربلا پہنچنے کی اطلاع ملی تو کسی نہ کسی طرح اپنے تئیں شب ہشتم محرم کو خدمت امام میں پہنچایا۔ اور پھر برابر آپ کے ہمراہ رہے۔ حتیٰ کہ روز عاشوراء آغاز جنگ کے بعد تائید حق میں داد شجاعت دیتے ہوئے حملہ اولیٰ میں واصل بحق ہوئے۔<sup>۳</sup> رضوان اللہ علیہ۔

### (۳۱/۱۰۸) حارث بن امر القیس بن عابس الکندی

یہ بزرگوار شجاعان نامدار و شہسواران و عبادت گزاران روزگار میں شمار ہوتے تھے۔ پہلے لشکر ابن زیاد میں شامل تھے مگر جب انہوں نے کربلا میں فریقین کا رویہ و کردار دیکھا اور دیکھا کہ کس طرح بے دردی کے ساتھ ابن سعد

۱۔ غنی الامال، ج ۱، ص ۳۵۲۔ فرسان، ج ۲، ص ۳۶۔

۲۔ غنی الامال، ج ۱، ص ۳۵۲۔ فرسان، ج ۱، ص ۱۳۱۔

۳۔ فرسان السیاح، ج ۱، ص ۳۶۔ ذخیرہ، ص ۲۶۶۔ البصار، ص ۱۴۷۔



نے سرکار سید الشہداء کے شرائط امن و صلح کو نا منظور کر دیا ہے تو اس سے متاثر ہو کر امام حسینؑ کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ جب روزِ عاشوراء تاریخی محاربہ کر بلا شروع ہوا تو جہاد کرتے ہوئے شربت شہادت نوش کیا۔<sup>۱</sup>

### (۳۲/۱۰۹) عمارہ (عمار) ابن ابی سلامہ الہمدانی الدالانی

دالان قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ ہے۔ جناب عمارہ کا تعلق اسی شاخ سے تھا۔ ان کا شمار حضرت امیر المؤمنینؑ کے اصحاب مجاہدین میں ہوتا تھا۔ چنانچہ آنجنابؑ کی تینوں جنگوں (جمل، صفین اور نہروان) میں آپ کے ہمراہ رہ کر کارہائے نمایاں انجام دے چکے تھے۔ بعض اہل سیر نے ان کا شمار اصحاب رسولؐ میں کیا ہے۔ روزِ عاشوراء نصرتِ امامؑ و اسلام کا فریضہ انجام دیتے ہوئے حملہ اولیٰ میں شہادت کا مقدس جام نوش کر کے ابدی سعادت پر فائز ہوئے۔<sup>۲</sup>

### (۳۳/۱۱۰) جنادہ بن کعب بن حارث الانصاری

یہ بزرگوار شیعیان علیؑ میں سے ہیں۔ مکہ مکرمہ سے اپنے اہل و عیال سمیت امام علیؑ کی ہمراہی میں کر بلا پہنچے اور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ (فرسان، ج ۱، ص ۷۵)

### (۳۳/۱۱۱) جوین بن مالک التمیمی

کوفہ کے باشندہ ہیں۔ اور حضرت امام حسینؑ کے صحابی شمار ہوتے ہیں۔ جب کوفہ کے تمام قبائل کر بلا میں امام علیؑ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجے گئے تو موصوف بھی پسر سعد کے لشکر میں شامل ہو کر کر بلا پہنچے اور موقع پا کر سپاہِ امامؑ میں داخل ہو گئے۔ اور حملہ اولیٰ میں شہادت کے مرتبہ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ (فرسان، ج ۱، ص ۸۲)

### (۳۵/۱۱۲) حباب بن حارث

فاضل مازندران نے ان کا شمار حملہ اولیٰ کے شہداء میں کیا ہے۔ مگر کتب مقاتل و تراجم میں ان کے حالات زندگی معلوم نہیں ہو سکے۔ (کذافی نفس المہموم، ص ۱۵۷)

### (۳۶/۱۱۳) ربیعہ بن خوط

کوفہ کے شیعیان علیؑ میں سے تھے۔ صاحب فرسان الہیجاء نے جلد ۱، صفحہ ۱۳۶ میں ان کا شمار شہداء کر بلا میں کیا ہے۔

### (۳۷/۱۱۴) رُمیث بن عمرو

صاحب فرسان الہیجاء نے بحوالہ رجال شیخ طوسیؒ ان کا شمار شہداء کر بلا میں کیا ہے۔ (ج ۱، ص ۱۳۷)

۱۔ فرسان الہیجاء، ج ۱، ص ۸۳۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۲۶۷۔ ابصار العین، ص ۱۲۴۔

۲۔ منتہی، ج ۱، ص ۳۵۱۔



### (۳۸/۱۱۵) ضبیحہ بن عمرو

زیارت رجبیہ میں (جو کتاب اقبال سید بن طاووسؒ میں مذکور ہے) ان کا نام شہداء کربلا کی فہرست میں دیا گیا ہے۔ (فرسان، ج ۱، ص ۱۷۱) ان کے حالات نہیں مل سکے۔

### (۳۹/۱۱۶) عامر بن مالک

صرف زیارت رجبیہ میں ان کو شہداء کربلا میں شمار کیا گیا ہے۔ (فرسان، ج ۱، ص ۱۸۵) واللہ العالم۔

### (۴۰/۱۱۷) عمیر بن کناد

زیارت رجبیہ میں شہداء کربلا کے ضمن میں ان پر سلام وارد ہے۔ (فرسان المہجاء، ج ۲، ص ۱۷) اس کے علاوہ کتب رجال میں کچھ نہیں مل سکا۔

### (۴۱/۱۱۸) منذر بن سلیمان

شیخ طوسیؒ نے ان کو امام حسینؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے اور زیارت رجبیہ میں ان کا شمار شہداء کربلا میں کیا گیا ہے۔ (فرسان، ج ۲، ص ۱۲۳)

### (۴۲/۱۱۹) سلیم

امام حسنؑ کا باوفا غلام کربلا میں نصرت امام حسینؑ میں شہید ہوا۔ (شہیدانیت، ص ۳۹۰، طبع اول)

### (۴۳/۱۲۰) سید الشہداءؑ کے آٹھ عدد غلاموں کی شہادت

مخفی نہ رہے کہ فاضل شہر بن آشوب مازندرانی نے اپنی کتاب مناقب میں سرکار سید الشہداءؑ کے دس غلاموں کی شہادت کا تذکرہ حملہ اولیٰ کے شہداء کے ضمن میں کیا ہے جن میں سے بعض جیسے غلام ترکی اور منج کے حالات کا تو پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے جو مبارزت طلبی میں شہید ہوئے۔ ہاں البتہ باقی آٹھ حضرات نے حملہ اولیٰ میں شہرت شہادت نوش کیا۔ (ان کے اسمائے مبارکہ پردہ خفاء میں ہیں)۔

### نتیجہ کلام

سابقہ بیانات سے واضح و عیاں ہو گیا کہ سرکار سید الشہداءؑ کے انصار کی کل تعداد ایک سو ستائیس (۱۲۷) ہے جن میں سے ستر (۷۰) حضرات مبارزت طلبی میں اور پچاس (۵۰) بزرگوار جنگ مغلوبہ میں شہید ہوئے۔ اور جب ان میں اٹھارہ عدد شہداء بنی ہاشم بھی شامل کر دیئے جائیں تو سب شہداء کربلا کی تعداد ایک سو پینتالیس (۱۴۵) بن جاتی ہے۔ (وہو الحق، و الحق احق ان یتبع، واللہ الہادی الی سواء السبیل)۔



## شہداءِ کربلا پر عمومی تبصرہ

اب جب کہ اصحاب و انصار حسینؑ کے تذکرہ شہادت کے ساتھ ان کے مختصر حالات زندگی بھی بیان کئے جا چکے ہیں تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب مستطاب ”شہیدانسانیت“ سے اس مقدس جماعت کی نوعیت و حیثیت پر ایک عمومی تبصرہ کر دیا جائے۔ چنانچہ کتاب مذکور میں لکھا ہے:

”ان اصحاب کے ان حالات سے جو سلسلہ وار پیش ہوئے ہیں۔ یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کچھ گمنام اور غیر معروف شخصیتوں کے مالک نہیں تھے۔ بلکہ اعداد و شمار کے ذریعہ یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ ان میں مندرجہ ذیل اشخاص کو اصحابِ رسولؐ ہونے کا شرف حاصل تھا:

### اصحابِ حسینؑ میں اصحابِ رسولؐ

- |     |                              |     |                                  |
|-----|------------------------------|-----|----------------------------------|
| (۱) | مسلم بن عوسجہ                | (۲) | زاہر بن عمرو اسلمی کندی          |
| (۳) | شبیہ بن عبد اللہ مولیٰ ہمدان | (۴) | عبدالرحمن بن عبد رب انصاری خزرجی |
| (۵) | عمار بن ابی سلامہ دالانی     | (۶) | مسلم بن کثیر                     |
| (۷) | حبیب بن مظاہر                | (۸) | انس بن حارث اسدی                 |

وفاتِ رسولؐ سے واقعہ کربلا تک پچاس برس کا زمانہ گزر چکا تھا۔ اس لیے ان میں سے کسی کی عمر بچپن یا ساٹھ برس سے کم نہیں قرار پا سکتی۔ اور ان میں سے بعض کی عمر اس سے یقیناً زیادہ تھی۔ جسے انس بن حارث، عبد الرحمن، بن عبد رب، حبیب بن مظاہر، مسلم بن عوسجہ، ان کے علاوہ سوید بن عمرو شعمی عام انسانی طبیعت کے تقاضوں کے لحاظ سے بوڑھے مجاہدین میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کسی وقتی جوش یا ولولہ جنگ کی وجہ سے میدان داری پر تیار ہو گئے تھے۔

### اصحابِ حسینؑ میں تابعین

حسب ذیل اصحابِ حضرت علیؑ تھے۔ جو اصطلاحاً تابعین میں داخل ہیں اور تابعین کا مرتبہ صحابہ کے بعد سب سے بہتر سمجھا جاتا ہے:

- |     |                      |     |                       |
|-----|----------------------|-----|-----------------------|
| (۱) | عبداللہ بن عمیر کلبی | (۲) | مجمع بن عبد اللہ مدنی |
| (۳) | جنادہ بن حارث سلمانی | (۴) | جندب بن جحیر کندی     |
| (۵) | امیہ بن سعد طائی     | (۶) | جبلہ بن علی شیبانی    |
| (۷) | حارث بن نبھان        | (۸) | حلاس بن عمرو ازدی     |



- |                            |                           |
|----------------------------|---------------------------|
| (۹) شعیب بن عبد اللہ نبشلی | (۱۰) قاسط بن زحیر تغلی    |
| (۱۱) کردوس بن زحیر تغلی    | (۱۲) مقسط بن زحیر تغلی    |
| (۱۳) نعمان بن عمرو ازدی    | (۱۴) نعیم بن عجلان انصاری |
| (۱۵) ابو ثمامہ صاکدی       | (۱۶) شوذب بن عبد اللہ     |
| (۱۷) جون غلام ابوذر غفاری  | (۱۸) حجاج بن مسروق جھنی   |
| (۱۹) سعد بن حارث           | (۲۰) یزید بن مغفل جھنی    |
| (۲۱) عمر بن جندب حضری      |                           |

ان میں سے اکثر جمل، صفین اور نہروان کی لڑائیوں میں جنگ کر چکے تھے اور بعض ایسے بھی تھے جو حضرت علیؑ کے زمانہ خلافت میں مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہ چکے تھے۔ اور بعض شاگرد کی حیثیت سے علمی استفادہ کر چکے تھے۔

### حسینیؑ جماعت میں حفاظ قرآن

حسب ذیل حفاظ قرآن تھے: (۱) بریر بن خضیر ہمدانی جو سید القراء کے لقب سے ملقب تھے۔ اور کوفہ میں بچوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ (۲) عبد الرحمن بن عبد رب انصاری۔ (۳) کنانہ بن عقیق تغلی۔ (۴) نافع بن ہلال جملی۔ (۵) حنظلہ بن اسعد شبامی۔ (۶) غلام ترکی۔

### اصحابِ حسینؑ میں علماء ابرار و راویان اخبار

حسب ذیل علماء اور راویان حدیث تھے:

- |                                  |                            |
|----------------------------------|----------------------------|
| (۱) مسلم بن عوجہ۔                | (۲) حبشہ بن قیس نہمی۔      |
| (۳) زاہر بن عمر اسلمی۔           | (۴) سوار بن ابی عمیر نہمی۔ |
| (۵) عبد الرحمن بن عبد رب انصاری۔ | (۶) حبیب بن مظاہر اسدی۔    |
| (۷) نافع بن ہلال جملی۔           | (۸) شوذب بن عبد اللہ۔      |
| (۹) انس بن حارث اسدی۔            |                            |

### حسینیؑ جماعت میں شجاعان روزگار

حسب ذیل شجاعان روزگار تھے۔ جن کی لڑائیوں کے کارنامے لوگوں کی زبان پر تھے:

- |                      |                       |
|----------------------|-----------------------|
| (۱) حر بن یزید ریاحی | (۲) مسلم بن عوجہ اسدی |
|----------------------|-----------------------|



- (۳) حارث بن امرء القیس کندی (۴) عبدالرحمن بن عبداللہ بن کدنا ارجی  
 (۵) سعید بن عبداللہ خنفی (۶) مسعود بن حجاج تمیمی  
 (۷) زہیر بن قین بکلی (۸) عابس بن ابی شعیب شاکری  
 (۹) زیاد بن عریب ہمدانی (۱۰) سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی

### اصحابِ حسینؑ میں عبادت گزارانِ نامدار

اس کے علاوہ عبادت اور زہد و تقویٰ میں تو ان میں سے اکثر افراد جن کے نام مندرجہ بالا مختلف عناوین کے تحت میں درج کئے جا چکے ہیں، شہرہ آفاق تھے بلکہ بعض اپنی مخصوص شجاعت کے ساتھ عبادت و ریاضت کے لیے بھی مشہور تھے جیسے: عابس بن ابی شعیب اور زیاد بن عریب۔ جن کے متعلق تاریخ میں صراحت ہے کہ وہ شب زندہ دار تھے۔ اور سعید بن عبداللہ خنفی جن کے اوصاف میں عبادت کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے۔

یہ سب کے سب وہ مایہ ناز افراد تھے جن کی زندگیوں میں مکمل طور پر معیاری حیثیت رکھتی تھیں اور اسلامی اخلاق و اوصاف کی زندہ تصویر تھیں۔

امام حسینؑ کو میدانِ کربلا میں ایسے ہی افراد کی ضرورت تھی۔ آپؑ جانتے تھے کہ ایک قائد کو اپنے ساتھ والوں کی وجہ سے کتنی کشمکش میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ اسی لیے آپؑ عوام کے مجمع کو اپنے ساتھ رکھنا مناسب نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپؑ نے سفرِ عراق اور کربلا کے قیام کے دوران میں حتیٰ کہ روزِ عاشورا تک برابر ہر موقع پر یہ کوشش جاری رکھی کہ جن اشخاص میں کچھ بھی خامی ہو۔ وہ آپؑ کا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں۔

درحقیقت آپؑ ایک ایسے اہم مقصد کی تکمیل کے لیے جو آپؑ کے پیش نظر تھا عوام پر بھروسہ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ “حسینؑ کو جس طرح کا مقابلہ منظور تھا اس کی نوعیت سطحی نظریں سمجھ ہی نہ سکتی تھیں۔۔۔“

امام حسینؑ کو طاقت کا مقابلہ طاقت سے کرنا نہیں تھا۔ بلکہ طاقت کا مقابلہ کردار سے باطل کا مقابلہ حق سے۔ تشدد کا مقابلہ ثابت قدمی سے کرنا تھا۔ آپؑ کو اپنے خون کے چھینٹوں سے ایک ایسی دنیا کو خوابِ غفلت سے جگانا مقصود تھا۔ جس پر بے حسی اور بے ہوشی چھائی ہوئی تھی۔ آپؑ کردار کے ایسے نمونے پیش کرنا چاہتے تھے جو موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لیے مشعلِ راہ بن سکیں۔ یہ مرحلہ بڑا نازک تھا۔ یہاں ساتھ والوں کے انتخاب کا مسئلہ بڑا اہم تھا۔

امام حسینؑ کو اگر طاقت کا مقابلہ طاقت سے کرنا ہوتا تو آپؑ نے ایسے انتظام کئے ہوتے مگر چونکہ آپؑ کا مقصد یہ نہ تھا بلکہ آپؑ چاہتے تھے کہ بے ہوش اسلامی دنیا میں احساسِ دبے داری پیدا کریں۔ اس کے لیے آپؑ کے ساتھ ملکِ عرب کے چیدہ اور منتخب عابد، زاہد، متقی اور پارہ سافر افراد ہی ہو سکتے تھے۔



آپؐ نے اپنے ساتھ ایسے ضعیف افراد لیے جن کی عمروں کا بیشتر حصہ محراب عبادت میں گزر چکا تھا۔ کیونکہ ایسے ہی افراد کے کمریں کس کر، تلواریں سونت کر میدان میں آنے سے مسلمانوں کی آنکھیں کھل سکتی تھیں اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو سکتے تھے کہ اسلام پر کیا ایسا وقت آ پڑا ہے۔ کہ ایسے ایسے عابد و زاہد بھی تلواریں کھینچ کر میدان جنگ میں آ گئے ہیں۔ ان اصحاب کی شرکت واقعہً کربلا کی نوعیت برقرار رکھنے کے لیے نہایت ضروری ہے اگر امام حسینؑ صرف اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ کربلا کی سرزمین پر آ گئے ہوتے تو یہ کہا اور سمجھا جاتا کہ یہ ایک خاندانی جنگ تھی جیسا کہ عام طور پر بتلایا جاتا ہے کہ امیہ اور بنی ہاشم ایک ہی خاندان کی دو شاخیں تھیں۔ اور ان میں برابر خانہ جنگی رہا کرتی تھی۔ مگر امام حسینؑ کے ساتھ تقریباً ملک عرب کے ہر قبیلہ اور مختلف مقامات کے ممتاز اور سربرآوردہ افراد موجود تھے جن میں نقطہ مشترک صرف اصول کا احساس اور ایک وجہ خاص یعنی فریضہ دینی کا اتحاد ہی ہو سکتا تھا اور بس۔

SIBTAIN.COM



## واقعہ کر بلا میں بنی ہاشم کی عظیم الشان قربانیاں

تاریخ عالم کا یہ نہایت تعجب خیز واقعہ ہے اور اصحابِ حسینیؑ کے خلوص و ایثار کا زندہ ثبوت کہ ان میں سے جب تک ایک تنفس بھی زندہ رہا۔ باوجودیکہ تیروں اور تلواروں کی بارش ہوتی رہی۔ کئی بار جنگ مغلوبہ بھی ہوئی۔ مگر کوئی تاریخ نہیں بتاتی کہ امام عالی مقامؑ کے اعزاء و اقارب کو کوئی معمولی سے معمولی گزند پہنچا ہو۔ یا کسی عزیز کو میدانِ جنگ کی طرف جانے دیا گیا ہو۔ ہاں البتہ جب تمام اصحابِ حسینیؑ جامِ شہادت نوش کر کے جنت الفردوس کو سدھار چکے تو اب امام کے اعزاء و اقرباء نے اپنی بے مثال قربانیاں دینا شروع کیں۔

### شہداء بنی ہاشم کی تعداد کتنی ہے؟

اس امر میں شدید اختلاف ہے کہ جناب سید الشہداءؑ کے علاوہ دیگر شہداء بنی ہاشم کی تعداد کس قدر ہے؟ (۱) حضرت شیخ مفیدؒ (در ارشاد) اور ابن عبد البر اندلسی (در عقد فرید) نے سترہ (۱۷) شہداء کا تذکرہ کیا ہے۔ (۲) سبط ابن جوزی (در تذکرہ) نے انیس (۱۹) شہیدوں کا ذکر کیا ہے۔ (۳) مدائنی نے اکیس (۲۱) نفوس بتائے ہیں (بحوالہ تقام ص ۴۰۹)۔ (۴) ابوالفرج اصفہانی (در مقتل الطالبین) نے بائیس (۲۲) حضرات کا ذکر خیر کیا ہے۔ (۵) حسن بصری سے سولہ (۱۶) ذوات مقدسہ منقول ہیں۔ (بحوالہ تقام ص ۴۱۱) (۶) جناب شیخ محمد بن علی مازندرانی (در مناقب) نے ستائیس (۲۷) سے زائد ظاہر کئے ہیں۔ (۷) صاحب ذخیرۃ الدارین نے پورے تیس (۳۰) عدد شہداء بنی ہاشم کا ذکر خیر کیا ہے۔ (۸) بعض محققین نے اٹھارہ نفوس مقدسہ کی شہادتیں بیان کی ہیں۔ اور یہی قول سب اقوال میں سے اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم قبل ازیں بھی کئی بار اس حقیقت کا اظہار کر چکے ہیں کہ مؤرخین وغیرہ کے اقوال و آراء کی اس وقت تک قدر و قیمت ہوتی ہے۔ جب تک ان کے اقوال قولِ معصوم سے متصادم نہ ہوں۔ یا جب تک ارشادِ معصوم معلوم نہ ہو۔ ان اقوال میں سے اگرچہ پہلے قول کی تائید میں بھی ایک روایت ملتی ہے۔ (تقام ص ۴۰۹) مگر ان اقوال میں سے جس قول کو حضرت امام رضا علیہ السلام کی صحیح السند حدیث شریف کی تائید مزید حاصل ہے وہ آٹھواں قول ہے۔ اس حدیث شریف میں وارد ہے: ﴿یسا بن شیب ان كنت باکياً فابک للحسین بن علی بن ابی طالب علیهما السلام فانه ذبح کما یذبح الکبش و قتل معه من اہلبیتہ ثمانیۃ عشر رجلاً مالہم شبیہون فی الارض۔ الخ﴾ اے ریان بن شیب! اگر رونا ہے تو حسین بن



علیؑ پر روؤ جو دہنے کی طرح ذبح کئے گئے۔ اور ان کے ہمراہ ان کے اہل بیتؑ میں سے ایسے اٹھارہ نفوس عالیہ شہید کئے گئے جن کا تمام روئے زمین پر کوئی شبیہ و ہمسر نہ تھا۔ (نفس المہموم، ص ۱۷۱۔ عاشر بحار، ص ۱۶۵ وغیرہ) بنا بریں اسی قول کو معتبر سمجھنا چاہئے۔

### پہلے شہید کی تحقیق

اس بارے میں ارباب تاریخ میں قدرے اختلاف ہے۔ کہ خاندان نبوتؑ میں سے پہلا شہید کون ہے؟ بعض ارباب مقاتل کا خیال ہے۔ کہ جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیل پہلے شہید ہیں۔ لیکن اکثر ارباب تحقیق کا اس امر پر اتفاق پایا جاتا ہے۔ کہ اس مقدس خانوادہ کی عدیم النظیر قربانیوں سے پہلے شہید ہم شکل پیغمبرؐ جناب شہزادہ علیؑ اکبر ہیں۔ ذیل میں ہم ان ذوات مقدسہ کی عدیم النظیر قربانیوں اور شہادتوں کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ ان کے مختصر مگر جامع حالات زندگی سے بھی ناظرین کرام کو روشناس کراتے ہیں۔

### (۱) شہزادہ علیؑ اکبر

#### شہزادہ کا نام و نسب

جناب شہزادہ کا اسم گرامی علیؑ۔ لقب اکبر اور کنیت ابوالحسن ہے۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ والد ماجد حضرت امام حسین علیہ السلام اور والدہ جناب ام لیلیٰ بنت ابی مرہ ابن عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہا ہیں۔ جد پدری حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ، جد اعلیٰ حضرت رسول خدا اور جد مادروری عروہ بن مسعود اور یہ وہی بزرگوار ہیں۔ جن کے متعلق ابن جزری نے اسد الغابہ میں بروایت ابن عباس جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ﴿اربعة سادة في الاسلام بشر بن هلال العبدي . و عدي بن حاتم و سراقه بن مالك المدلجحي و عروة بن مسعود الثقفي﴾

اسلام میں چار شخص سردار ہیں: بشر بن ہلال۔۔۔۔۔ بنا بر تصریح مفسرین یہی عروہ ان دو عظیم شخصوں میں سے ایک ہیں۔ جن کے بارے میں کفار قریش کہا کرتے تھے۔ ﴿لو لا نزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم﴾۔ یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی عظیم الشان (مالدار) شخص پر کیوں نازل نہیں ہوا۔

(تفسیر کبیر، ج ۷، ص ۴۲۲، طبع مصر وغیرہ)

۱۔ ارشاد شیخ مفید، ص ۲۶۰۔ مطبوف، ص ۹۹۔ نفس المہموم، ص ۱۶۳۔ طبری، ج ۶، ص ۲۵۶۔ تقام، ص ۳۶۰، ۳۶۲۔ مقاتل الطالبین، ص ۵۶۔  
الاخبار الطوال للذہبی، ص ۲۴۹۔ وقائع ایام محرم، ص ۴۴۲ وغیرہ۔



## معاویہ کی زبانی شہزادہ علی اکبر کی تعریف

جناب شہزادہ کی یہی نسبى خصوصیات تھیں (علاوہ جسبى شمائل و خصائل کے) جن کی بنا پر معاویہ بن ابی سفیان بھی ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔ مغیرہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک بار معاویہ نے حاضرین دربار سے استفسار کیا: ﴿من احق بهذا الامر؟﴾ امر خلافت کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ سب نے کہا ”انت“ آپ! معاویہ نے کہا: ﴿لا﴾ یہ درست نہیں ہے۔ پھر خود ہی کہا: ﴿اولی الناس بهذا الامر علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب جدہ رسول اللہ و فیہ شجاعت بنی ہاشم و سخاء بنی امیہ و زہو بنی ثقیف﴾ امر خلافت کے سب سے زیادہ حقدار علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہیں۔ جن کے جد رسول خدا ہیں۔ جن میں بنی ہاشم کی شجاعت، بنی امیہ کی سخاوت اور بنی ثقیف کا حسن و جمال اور فخر و مباہات موجود ہے۔

## شہزادہ کی شکل و شمائل

ارباب مقاتل و سیر کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جناب شہزادہ علی اکبر شکل و صورت، اخلاق و خصائل اور شکل و شمائل میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آئینہ جمال و کمال تھے۔ اس لئے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ بنا بریں وہ جملہ حالات و خصائل از قسم طلاقت لسان، ذلاقت بیان، صباحت رخسار، ملاحت دیدار، نیکوئی خلق، موزوئی خلق، غرض کہ تمام شکل و شمائل اور عادات و خصائل میں ہو بہو تصویر پیغمبر ہوں گے۔ اسی بنا پر تو جناب سید الشہداء نے ان کو میدان کارزار میں بھیجتے وقت بارگاہ ایزدی میں عرض کیا تھا: ﴿اللہم اشہد علی ہؤلاء القوم لقد برز الیہم غلام اشبہ الناس خلقاً و خلقاً و منطقاً برسولک و کنا اذا اشتقنا الی زیارة نبیک نظرنا الیہ الخ﴾ بھلا اس شہزادہ عالی وقار کے عادات و خصائل جمیلہ کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے جس نے اپنی فطری استعداد و خصوصیات کے علاوہ نام و کنیت اور شجاعت و شہامت اپنے دادا علی مرتضیٰ سے، ہیبت و سیادت اپنے دادا رسول خدا سے، جو دو سخا اپنے چچا حسن مجتبیٰ سے۔ اور خود داری و دلیری اپنے بابا حسین شہید کربلا سے وراثت میں پائی ہو۔ اور کم و بیش زندگی کی پچیس بہاریں حضرت امیر المومنین اور جناب امام حسن اور حسین کی زیر سرپرستی گزاری ہوں۔ آیا ایسے شخص کے کردار کی بلندی۔ سیرت کی پاکیزگی، اخلاق کی وسعت، عادات کی رفعت، شمائل کی عظمت، خصائل کی جلالت، اور فضائل کے تکامل غرض کہ اس کے انسان کامل ہونے میں کچھ تامل و کلام ہو سکتا ہے؟ گویا کہ شیخ سعدی نے اسی شجرہ شجرہ نبوت و امامت و عصاریہ دوحہ ولایت کے بارے میں یہ شعر کہا ہے

کس در نیا مدہ است بدین خوبی از درے ہرگز نیا رد رد ہمچو تو فرزند ما درے

اسی شہزادہ والا تبار کے حق میں کہا گیا ہے کہ لم تر عین نظرت مثله من مختلف یمشی دلا ناعل



اخبار و آثار کے مطالعہ سے واضح و آشکار ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابھی اوپر اجمالاً بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ جناب شہزادہ صرف شکل و صورت میں ہی جمال محمدیؐ کا نمونہ نہ تھے۔ بلکہ تمام حرکات و سکنات اور خصائل و عادات میں بھی سرتاپا آئینہ نمائے رسولؐ خدا تھے۔ اور اس حد تک انسانی صفات کمالیہ کے جامع تھے۔ کہ اگر امامت منجانب اللہ منصوص و معین نہ ہوتی تو یقیناً درجہ امامت پر فائز ہوتے۔ ان کی انہی ظاہری و باطنی خصوصیات کا نتیجہ تھا۔ کہ سرکار سید الشہداءؑ کو آپؑ سے بے پناہ محبت و الفت تھی۔ اور ان کی دلجوئی و حاجت برآری کو حاصل حیات سمجھتے تھے۔ بعض کتب مناقب میں وارد ہے۔ کہ کثیر بن شاذان بیان کرتا ہے کہ ایک بار میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ کہ شہزادہ علی اکبرؑ نے آپؑ سے انگوروں کی خواہش کی۔ حالانکہ اس وقت انگوروں کا موسم نہ تھا۔ امام نے ستون مسجد کی طرف ہاتھ بلند کر کے انگوروں کا گچھا شہزادہ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا۔ جو کچھ خدائے عز و جل کے پاس اپنے اولیاء کے لئے ہے۔ وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔<sup>۱</sup>

### شہزادہ علی اکبرؑ کے کمال ایمان و ایقان کا ایک واقعہ

مندرجہ ذیل واقعہ سے جناب شہزادہ کی قوت ایمان و ایقان پر بڑی تیز روشنی پڑتی ہے۔ عقبہ بن سمران بیان کرتے ہیں۔ کہ جب امام حسینؑ منزل قصر بنی مقاتل سے روانہ ہوئے۔ اشارہ میں امامؑ نے اپنا سر مبارک زین کے قریب پر رکھا۔ اور تھوڑی سی آنکھ لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی۔ تو ادھر ادھر دیکھنے کے بعد سر بلند کر کے دو تین بار کہا: ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ شہزادہ علی اکبرؑ نے امامؑ کی یہ کیفیت دیکھ کر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اور فوراً والد ماجد کی خدمت میں پہنچے۔ اور کلمہ استرجاع پڑھنے کا سبب دریافت کیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ ابھی میری آنکھ لگ گئی تھی۔ کہ میں نے اسی عالم میں ایک سوار کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ﴿الْقَوْمُ يَسِيرُونَ وَ الْمُنَايَا تَسِيرُ إِلَيْهِمْ﴾ کہ یہ لوگ جارہے ہیں۔ اور موت ان کی طرف آرہی ہے۔ یہ سن کر شہزادہ نے عرض کیا: ﴿يَا أَبَاؤُا لَسْنَا عَلَى الْحَقِّ﴾ بابا جان! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امامؑ نے فرمایا: ﴿بَلَىٰ وَ الَّذِي إِلَيْهِ مَرْجِعُ الْعِبَادِ﴾ ہاں بیٹا! اس ذات کی قسم جس کی طرف لوگوں کی بازگشت ہے۔ یقیناً ہم حق پر ہیں۔ شہزادہ نے کہا: ﴿إِذْنَ لَا نَبَالِي بِالْمَوْتِ﴾ پھر ہمیں موت کی کیا پروا ہے؟ شہزادہ کا یہ مخلصانہ و مؤمنانہ جواب سن کر سید الشہداءؑ نے ان کو دعائے خیر دی: ﴿جَزَاكَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ خَيْرٍ مَا جَزَىٰ وَلَدًا عَنْ وَالِدِهِ﴾<sup>۲</sup>

۱۔ مدینۃ المعاجز، ص ۲۳۹۔ ضیاء العالمین (علی ما نقل عنہ)۔ فرسان السیاح، ج ۱، ص ۲۹۹۔

۲۔ عاشر بخارہ، ص ۱۸۸۔ نفس المہموم، ص ۱۰۸۔ لؤلؤ الاشجان، ص ۸۰۔ الدرۃ الساکبہ، ص ۳۲۰۔ فرسان السیاح، ج ۱، ص ۳۰۰۔



## چند امور مہمہ کی تنقیح

جب جناب شہزادہ کی زندگی کے مختصر حالات بیان ہو چکے تو یہاں چند امور کی تحقیق و تنقیح ضروری معلوم

ہوتی ہے۔

### پہلا امر اینکه بنی ہاشم میں سے پہلا شہید کون ہے؟

آیانی ہاشم میں سے پہلے شہید آپ ہیں۔ یا عبد اللہ بن مسلم بن عقیل؟ بعض مؤرخین نے عبد اللہ بن مسلم بن عقیل کو آل ہاشم میں سے پہلا قاتل قرار دیا ہے۔ اور ۲ بعض نے جناب شہزادہ علی اکبر کو۔ اور بعض ۳ نے آل ہاشم میں سے پہلا شہید عبد اللہ کو اور آل ہاشم کی شاخ آل ابی طالب سے پہلا شہید علی اکبر کو قرار دیا ہے۔ اور بعض ۴ نے تمام خاندان نبوت کے آخر میں شہزادہ کی شہادت متعین کی ہے۔ ہم اس باب کی ابتداء میں لکھ آئے ہیں۔ کہ اہل سیر و تواریخ میں سے اکثر ارباب تحقیق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خاندان بنی ہاشم سے پہلے شہید جناب شہزادہ علی اکبر ہی ہیں۔ و هو المشہور و المنصور و ان كان القول الثالث من هذه الاقوال لا يخلو عن قوة فتامل۔

### دوسرا امر شہزادہ علی اکبر بڑے تھے یا امام زین العابدینؑ؟

شہزادہ علی اکبر کی شہادت کے وقت عمر کیا تھی؟ اور آیا آپ سید الشہداء کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ یا جناب امام زین العابدینؑ بڑے ہیں؟ اس سلسلہ میں ارباب تاریخ و مقاتل میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ جناب شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے یہ لکھا ہے۔ کہ ان کی عمر انیس برس تھی۔ ۱ جناب ابن شہر آشوب نے اٹھارہ سال۔ ۲ جناب شیخ ابن نما حلی نے پچیس (۲۵) سال۔ ۳ فاضل مرقم نجفی نے ستائیس سال۔ ۴ اور شیخ ذبیح اللہ محلاتی نے اٹھائیس سال لکھی ہے۔ حالانکہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی عمر مبارک واقعہ کے وقت کل تیس (۲۳) سال تھی۔ ۵ اور ان کے شہزادہ امام محمد علیہ السلام کی عمر تین سال اور کچھ ماہ تھی۔ ۶ بنا بریں اگر شہزادہ علی اکبر کی عمر اٹھارہ یا انیس سال تسلیم کی جائے۔ تو پھر آپ امام زین العابدین علیہ السلام سے چھوٹے قرار پاتے ہیں۔ لیکن اگر ان کی عمر پچیس، ستائیس یا اٹھائیس سال مانی جائے۔ تو پھر معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔ ہم نے جہاں تک کتب تاریخ و تراجم اور مقاتل و انساب کی ورق گردانی کی ہے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ شہزادہ علی اکبر ہی درحقیقت اکبر تھے۔ اس کے بعض

۲ مناقب، ج ۳، ص ۹۷، طبع بمبئی۔

۳ مقتل الحسین مرقم، ص ۲۹۴۔

۴ عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب، ص ۱۷۲، طبع بمبئی۔

۱ ارشاد، ص ۲۶۰۔

۲ مقتل ابن نما۔

۵ فرسان السیاء، ج ۱، ص ۲۸۷۔

۶ وقائع ایام محرم، ص ۳۶۶۔



وجہ و شواہد درج ذیل ہیں۔

### شہزادہ علی اکبر کے اکبر ہونے کے شواہد

شاہد اول :- ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ عقلی تو نہیں کہ محض عقل پر اعتماد کر کے کوئی فیصلہ صادر کیا جائے۔ بلکہ یہ خالص عقلی مسئلہ ہے۔ لہذا اس بارے میں اہل سیر و نسب ہی کے اقوال و آراء پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ اور ان کے اقوال سے جناب شہزادہ کی کم از کم پچیس سال ثابت ہوتی ہے ورنہ بظاہر ستائیس اور اٹھائیس سال والے قول کی تائید مزید ہوتی ہے۔ (۱) صاحب حدائق و رویہ نے عقیقی، کلبی، مصعب بن زبیر، اور اکثر طالعیین کے اقوال سے ثابت کیا ہے۔ کہ خلافت عثمان کے دور میں، شہزادہ علی اکبر کی ولادت باسعادت ہوئی۔ لے کتاب مقتل الحسین للمرقم (ص ۲۹۴) میں بحوالہ کتاب انیس الشیعہ (مخطوط) لکھا ہے۔ کہ جناب شہزادہ کی ولادت گیارہ شعبان ۳۳ھ میں واقع ہوئی۔ اس طرح جناب شہزادہ کی عمر ستائیس سال قرار پاتی ہے۔ ابوالفرج اصفہانی نے بھی ان کی ولادت خلافت عثمان کے دور میں لکھی ہے۔ لے اب اگر اسے اس خلافت کے آخری ایام میں بھی تسلیم کیا جائے۔ تب بھی پچیس سال تو بنتے ہی ہیں۔ چنانچہ جناب محدث نوری نور اللہ مرقدہ نے بھی اسی پچیس سال والے قول کو اختیار کیا ہے۔

شاہد دوم :- اکثر ارباب سیر و تراجم نے جناب شہزادہ کو علی اکبر اور جناب امام زین العابدین کو علی اصغر لکھا ہے۔ چنانچہ:

(۱) مؤرخ طبری نے (ج ۶، ص ۲۶۰) حمید بن مسلم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے علی بن الحسین الاصغر کو دیکھا۔ جب کہ وہ بیمار تھے۔

(۲) ابن قتیبہ نے (معارف ص ۹۳ پر) لکھا ہے: ﴿وُلِدَ لِلْحُسَيْنِ عَلِيُّ الْاَكْبَرِ اُمَهُ بِنْتُ اَبِي مَرْثَةَ وَ عَلِيُّ الْاَصْغَرِ اُمَهُ امٌ وَلَدَ﴾۔ (پھر ص ۹۴ پر) لکھا ہے: ﴿اُمَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ الْاَصْغَرِ بَلِيسٌ لِلْحُسَيْنِ عَقِبَ الْاَمْنَةِ﴾۔

(۳) اسی طرح دینوری نے (اخبار طوال ص ۲۵۴ پر) شہزادہ شہید کو علی اکبر قرار دینے کے بعد (ص ۲۵۶ پر) لکھا ہے: ﴿وَلَمْ يَنْجُ مِنْ اصْحَابِ الْحُسَيْنِ اِلَّا ابْنُهُ عَلِيُّ الْاَصْغَرِ﴾۔

(۴) تاریخ یعقوبی (ج ۲ ص ۲۴) میں لکھا ہے: ﴿اُمَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ الْاَصْغَرِ بَلِيسٌ لِلْحُسَيْنِ عَقِبَ

۱۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۱۳۷۔ صاحب البصائر العین نے تو اس کے ساتھ ساتھ ان کا جناب امیر علیہ السلام سے روایت کرنا بھی ثابت کیا ہے۔ (ص ۲۴)۔ البصائر، طبع النجف۔

۲۔ مقاتل الطالبی، ص ۵۶۔



الامنه ﴿﴾

- (۵) سبط ابن الجوزی نے (تذکرۃ الخواص ص ۱۵۶ پر) لکھا ہے کہ علی اکبر اپنے والد ماجد کے ساتھ شہید ہو گئے۔  
(۶) لوائح الانوار (ج ۱ ص ۲۳) میں لکھا ہے: ﴿کان للحسین من الاولاد علی اکبر والعقب لعلی﴾

الاصغر ﴿﴾

- (۷) تاریخ خمیس (جلد ۲ ص ۳۱۹) میں لکھا ہے۔ امام زین العابدین اپنے والد کے ہمراہ کربلا میں تھے۔ جو کہ علی اصغر کے نام سے مشہور تھے۔ اور علی اکبر اپنے والد کے ساتھ شہید ہو گئے۔  
(۸) شہینچی (نور الابصار ص ۱۳۷) میں لکھتے ہیں کہ علی اکبر شہید ہو گئے اور علی اصغر امام زین العابدین ہیں۔  
(۹) ابن خلکان اپنی تاریخ میں امام زین العابدین کے حالات میں لکھتا ہے: ﴿یقوال لزین العابدین علیؑ الاصغر ولیس للحسین عقب الامنه﴾

(۱۰) اسی طرح کامل ابن اثیر (ج ۲ ص ۳۰)

(۱۱) مروج الذهب مسعودی (ج ۲ ص ۱۹)

(۱۲) کتاب التنبیہ والاشراف (ص ۲۶۳)

(۱۳) شذرات الذهب (ج ۲ ص ۶۶)

- (۱۴) فصول مہمہ ابن صباغ مالکی (ص ۱۸۱) میں جناب شہزادہ کو علی اکبر اور امام زین العابدین کو علی اصغر لکھا گیا ہے۔ مذکورہ بالا تمام عبارات والفاظ کالب لباب یہی ہے کہ جناب علی اکبر اپنے والد کے ساتھ کربلا میں شہید ہو گئے اور امام حسینؑ کی نسل ان کے شہزادے علی اصغر سے بڑھی۔ جن کو امام زین العابدینؑ کہا جاتا ہے۔ ان حقائق کے بعد اس تاویل کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ کہ ان کو علی اکبر صرف اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ علی اصغرؑ (شہید کربلا) سے عمر میں بڑے تھے۔ جبکہ مؤرخین امام زین العابدینؑ کو اصغر اور شہزادہ کو ان کے بالمقابل اکبر لکھ رہے ہیں۔ بنا بریں اٹھارہ سال والا قول بلا دلیل ہو کر رہ جاتا ہے۔

شاہد سیوم:- جس طرح اکثر علماء سیر و تراجم کا اس بات پر اتفاق ہے۔ جیسا کہ ابھی اوپر ثابت کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح ہمارے اکثر علمائے اعلام کا بھی اسی قول کی طرف رجحان ہے۔ چنانچہ: (۱) فاضل ابن اوریس حلیؒ نے سرائے میں بڑی شد و مد کے ساتھ اسی نظریہ کی تائید کی ہے۔ (۲) جناب شیخ کفعمیؒ اور (۳) حضرت شہید اولؒ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (۴) نیز محدث نوریؒ نے بھی اسی قول کی تقویت کی ہے۔ (۵) محدث قمیؒ نے بھی اسی قول کو  
ہذا هو الاصح الاشهر قرار دیا ہے۔ (نفس المہوم ص ۱۶۶)۔ (۶) صاحب ذخیرۃ الدارینؒ نے (ص ۳۷ پر)



اسی قول کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے: ﴿و یلقب بالاکبر لانه الاکبر علی اصح الروایات﴾ اور (۷) صاحب فرسان الہیچاء نے بھی (ج ۱، ص ۲۸۷ پر) یہ کہہ کر اسی نظریہ کی صحت پر مہر تصدیق کی ہے کہ ﴿الاقسوی و الاصح ایس است کہ عمر علی اکبرؑ بہنگام شہادت یا بیست و پنج یا بیست و ہشت بودہ است﴾۔ (۸) صاحب وقائع ایام محرم نے بھی (ص ۴۶۶ پر) اسی قول کی تائید مزید کی ہے۔ (۹) صاحب مقتل الحسینؑ نے بھی (ص ۲۹۴ پر) اسی قول کو اختیار کیا ہے: ﴿تقدم ابو الحسن علی اکبر و عمرہ سبع و عشرون سنة﴾۔ (۱۰) صاحب مجاہد اعظم نے بھی (ص ۲۶۲، حصہ اول) پر بڑے شد و مد کے ساتھ اسی نظریہ کو ثابت کیا ہے۔ (۱۱) فاضل زرقی (حضرت ملا احمد) نے اپنی کتاب الخزان، ص ۹۰، طبع ایران میں سرکار سید الشہداء علیہ السلام کی اولاد امجاد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ ”علی اکبر، و علی اوسط زین العابدین، و علی اصغر عبد اللہ۔“ (۱۲) فاضل سماوی نے اپنی کتاب البصار العین فی انصار الحسین، ص ۲۵ پر لکھا ہے: ﴿ولقب بالاکبر لانه الاکبر علی اصح الروایات﴾ شہزادہ کا لقب اکبر ہے۔ کیونکہ صحیح روایات کی بنا پر آپ ہی بڑے ہیں۔

ان حالات میں اس نظریے کی صداقت بالکل بے غبار ہو جاتی ہے۔ کمالاً یحفظی

وجہ چہارم:۔ کتاب الخراج والخراج جناب راوندی اور کفایۃ الاثر للخر از الرازی میں عبید اللہ بن عبد اللہ بن عقبہ سے روایت کی گئی ہے وہ بیان کرتا ہے کہ میں امام حسینؑ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ کہ علی بن الحسینؑ الاصفہر داخل ہوئے۔ امام علیہ السلام نے ان کو دیکھ کر ان کو دعائے خیر دی۔ اور فرمایا: ان کی دو آنکھوں کے درمیان علامت امامت ظاہر ہویدا ہے۔ الخ

وجہ پنجم:۔ بعض آثار سے خود امام زین العابدینؑ کا اقرار واضح و آشکار ہوتا ہے۔ کہ شہزادہ شہیدان سے بڑے تھے۔ چنانچہ بعض کتب میں لکھا ہے۔ کہ جب یہ لٹا ہوا قافلہ دربار یزد میں پہنچا۔ تو یزد نے امام زین العابدینؑ سے دریافت کیا: ﴿ما اسمک؟﴾ آپ کا نام کیا ہے؟ امامؑ نے فرمایا: ﴿علی﴾۔ ملعون نے کہا: ﴿اولم یقتل اللہ علیاً﴾ کیا خدا نے علیؑ کو قتل نہیں کر دیا؟ امامؑ نے فرمایا: ﴿قد کان لی اخ اکبر منی یسمی علیاً فقتلتموہ﴾ وہ میرا بڑا بھائی تھا جس کا نام علیؑ تھا۔ جسے تم نے شہید کر دیا ہے۔ لہٰذا بموجب مثل مشہور لیس و راء عبیدان قربة جب خود امام زین العابدینؑ کا فرمان بھی مل گیا۔ کہ شہزادہ شہیدان سے عمر میں بڑے تھے۔ تو آیا اب بھی مزید کسی ثبوت کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔ کہ شہزادہ شہید ہی فی الحقیقت اکبر اولاد حسینؑ تھے۔ وهو الحق و الحق احق ان یتبع فماذا البعد الحق الا الضلال۔



## تیسرا امر: آیا شہزادہ علی اکبر متاہل تھے یا نہ؟

آیا جناب شہزادہ علی اکبر متاہل تھے یا مجرد؟ غالباً جناب محدث قتی قدس سرہ سے پہلے نشیا یا اثباتاً علماء کرام اس سلسلہ میں معرض نہیں ہوئے۔ غالباً سب سے پہلے محدث قتی نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ اور ثابت کیا کہ جناب شہزادہ متاہل تھے۔ ان کے گھر ایک ام ولد تھی۔ پھر ان کے بعد والے علماء بلکہ خود ان کے استاد محترم جناب محدث نوری نور اللہ مرقدہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا۔<sup>۱</sup> اس نظریہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

### جناب شہزادہ کے متاہل ہونے کی پہلی دلیل

اس بات کی سب سے بڑی مضبوط دلیل فروع کافی کی صحیح السند روایت ہے۔ احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے سوال کیا: ﴿الرجل یتزوج المڑتہ و یتزوج ام ولد ابیہا فقال لا بأس!﴾ آیا یہ جائز ہے کہ ایک شخص بیک وقت ایک عورت سے اور اس عورت کے والد کی ام ولد کنیر سے شادی کرے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا۔ ہاں کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر میں نے عرض کیا: ﴿بلغنا عن ابیک ان علی بن الحسین علیہما السلام تزوج ابنة الحسن وام ولد الحسن علیہ السلام و ذلک ان رجلاً من اصحابنا سئلنی ان اسئلک عنہا﴾ ہمیں آپ کے والد ماجد سے یہ روایت پہنچی ہے کہ جناب علی بن الحسین (زین العابدین) نے امام حسن مجتبیٰ کی دختر اور ان کی ام ولد کنیر سے شادی کی تھی؟ اور یہ سوال میں نے اس لئے کیا ہے۔ کہ ہمارے بعض اصحاب نے مجھے یہ کہا تھا۔ کہ آپ سے یہ مسئلہ دریافت کروں! امام علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لیس ہکذا انما تزوج علی بن الحسین علیہ السلام ابنة الحسن علیہ السلام وام ولد لعلی بن الحسین المقتول عند کم... الخ﴾ حقیقت حال اس طرح نہیں۔ بلکہ اصل حقیقت اس طرح ہے۔ کہ امام زین العابدین نے امام حسن علیہ السلام کی دختر (جناب فاطمہ) اور علی بن حسین شہید کی ام ولد سے ازدواج کیا تھا۔<sup>۲</sup> دوسری دلیل:- جناب شہزادہ علی اکبر کی وہ زیارت جو بروایت یوسف کناسی حضرت امام جعفر صادق سے مروی ہے۔ اس میں یہ فقرہ بھی وارد ہے: ﴿صلی اللہ علیک و علی اہلبیتک﴾<sup>۳</sup> اس مطلب پر اس زیارت کی دلالت محتاج بیان نہیں ہے۔

۱۔ بشرطیکہ یہ ثابت ہو کہ محدث نوری نے کتاب تحیۃ الزائر، محدث قتی کی نفس المہموم کے بعد تالیف کی ہے ورنہ یہ شرف تہذم جناب محدث نوری کو حاصل ہوگا۔ (منہ عنہ)

۲۔ فروع کافی، ج ۲، ص ۱۳۸، طبع کھنؤ۔ بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۳۳۔ مستدرک الوسائل، ج ۲، ص ۳۳۳ وغیرہ۔

۳۔ کامل الزیارات لابن قولویہ، ص ۲۰۴، باب ۹، طبع ایران۔ بحار، ج ۲۲، ص ۱۲۷۔



تیسری دلیل :- جیسا کہ او پر ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ واقعہ کر بلا کے وقت شہزادہ کی کم از کم پچیس سال عمر تھی۔ بنا بریں یہ امر اہل بیت کی خاندانی روایات کے خلاف ہے۔ کہ اس قدر عمر تک ان کی کوئی فرد تہجد کی زندگی بسر کرے جیسا کہ تتبع واستقراء سے ثابت ہے۔ بالخصوص جب یہ امر بھی ملحوظ رکھا جائے۔ کہ اسی خانوادہ عصمت نے متاہلہ زندگی پر بہت زور دیا ہے۔ اور مجردانہ زندگی بسر کرنے کی شدید مذمت فرمائی ہے۔ پھر خود کیونکر اس کی خلاف ورزی کر سکتے تھے؟

انہی وجوہ کی بنا پر علماء سیر و تراجم نے تصریحات فرمائی ہیں۔ کہ جناب شہزادہ مجرد نہ تھے بلکہ متاہل تھے۔

چنانچہ:

(۱) جناب شیخ عباس قمی فرماتے ہیں: ﴿اعلم انه يظهر من بعض الروایات و الزیارات ان له عليه السلام ولدا و اهلا﴾ جاننا چاہئے کہ بعض روایات و زیارات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جناب شہزادہ کے اہل و عیال تھے۔ (بعد ازاں مذکورہ بالا روایت و زیارت نقل کی ہے)۔

(۲) صاحب وقائع الایام نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔<sup>۱</sup>

(۳) فاضل محلاتی نے بڑی شد و مد کے ساتھ ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے: ﴿باید دانست این شهرت کہ علی اکبرؑ اولاد نہ داشت تہمت و افترا است۔ و مخالف با آداب و رسوم و شئون ملی اسلامی است و البتہ سیرت اہل بیتؑ ہرگز چنین نبودہ کہ پسر بیست و ہشت سالہ را داماد نکنند﴾<sup>۲</sup> ”یعنی یہ کہنا کہ شہزادہ علی اکبر صاحب اولاد نہ تھے۔ سراسر تہمت ہے۔ یہ بات اسلامی آداب اور سیرت اہل بیت کے خلاف ہے کہ ۲۸ سالہ جوان کی شادی نہ کی جائے۔“

(۴) ثقہ المحدثین جناب محدث نوری قدس سرہ جناب شہزادہ کے پچیس یا اٹھائیس سالہ ہونے والے قول کی تقویت کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ﴿بنا بریں پس آنچه بعض ذاکرین در مصیبت حضرت علی اکبرؑ میخوانند در ضمن نثر و نظم کہ مشعر است بر انیکہ ان حضرت داماد نگشتہ۔ از دنیا رفت۔ کلامی است بے اصل و بے وقع چہ دور است از سیرۃ خانوادہ اہل بیت نبوتؑ کہ تا این مقدار از سن راد رک کنند و بدوں تزویج بمانند۔ با آنہمہ تحریصاتیکہ بشیعیان خود می

۱۔ نفس المہموم، ص ۱۶۷۔

۲۔ وقائع الایام محرم، ص ۳۳۳۔

۳۔ فرائد الحجاء، ج ۱، ص ۲۹۲۔



کردند ﴿۱﴾ یعنی جناب شہزادہ علی اکبرؑ کی مصیبت میں بعض ذاکرین نظم و نثر میں یہ بیان کرتے ہیں کہ ہنوز جناب شہزادہ کا ازدواج نہ ہوا تھا۔ کہ راہی ملک بقا ہو گئے یہ بالکل بے اصل و بے حقیقت بات ہے۔ یہ بات خاندان نبوت کی سیرت کے خلاف ہے۔ کہ ایک شخص اس (کم از کم پچیس) سن و سال کا ہو جائے۔ اور ازدواج کے بغیر رہے۔ حالانکہ وہ اپنے شیعوں کو متاہلانہ زندگی بسر کرنے کی بہت تحریص و ترغیب دلاتے تھے۔ انہی چار شہادتوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

### چوتھا امر: آیا جناب شہزادہ علی اکبرؑ کی والدہ ماجدہ واقعہ کربلا میں موجود تھیں؟

آیا جناب شہزادہ علی اکبرؑ کی والدہ ماجدہ جناب ام لیلیٰ واقعہ کربلا میں موجود تھیں یا نہ؟ اس سلسلہ میں متعدد کتب مقاتل و تراجم میں کوئی تصریح نظر قاصر سے نہیں گذری۔ اسی طرح کئی علماء کبار نے اس بات کا اعتراف و اقرار کیا ہے۔ (۱) چنانچہ محدث قمی رقمطراز ہیں: ﴿و اما امہ علیہ السلام هل كانت فی کربلا ام لا لم اظفر بشئی من ذلک واللہ العالم﴾ ﴿۱﴾۔ آیا جناب شہزادہ کی والدہ کربلا میں موجود تھیں۔ یا نہ؟ اس سلسلہ میں مجھے کوئی چیز دستیاب نہیں ہوئی۔ (۲) صاحب وقائع ایام محرم نے بھی بلا تبصرہ محدث قمی کا یہ قول نقل کر دیا ہے۔ جس سے ان کی تائید سکوتی مترشح ہوتی ہے۔ (۳) جناب محدث محلاتی نے بڑی فیصلہ کن بات تحریر فرمائی ہے: ﴿و اما بودن ام لیلیٰ در کربلا بلکہ زندہ بودن او ولو در مدینہ تا کنون بنظر نرسیدہ۔ و آنچه را کہ می خوانند۔ امر کردن حسینؑ لیلیٰ را کہ در حق علی دعا کن۔ حاجی نوری می فرماید اصلہ ندارد۔ و این نسبت دروغ است و بسیاری از ارباب تواریخ وفات لیلیٰ را قبل از واقعہ کربلا نوشتہ اند۔ معلوم نیست در دنیا چقدر زندگانی کردہ است و اللہ العالم﴾ ﴿۲﴾ یعنی جناب ام لیلیٰ کا کربلا میں بلکہ مدینہ میں بھی اس وقت زندہ ہونا کہیں نظر سے نہیں گذرا۔ یہ جو (بعض اہل منبر) پڑھتے ہیں۔ کہ جب شہزادہ جنگ کر رہے تھے۔ تو امام حسینؑ نے جناب ام لیلیٰ کو حکم دیا۔ کہ بیٹے کے حق میں دعا کرو۔ جب حاجی نوری فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ اور یہ امامؑ پر افتراء ہے۔ بہت سے ارباب تاریخ نے واقعہ کربلا سے پہلے ان کی وفات کا تذکرہ کیا ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ کس قدر دنیا میں زندہ رہیں۔“

(۴) جناب محدث نوری قدس سرہ نے لؤلؤ و مرجان میں بڑے زور سے مذکورہ بالا واقعہ کی رد فرمائی ہے۔ ان حقائق سے بعض اہل منبر کی ان تمام دروغ بانیوں کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ جو جناب شہزادہ علی اکبرؑ اور ان کی



والدہ ماجدہ کے بارے میں کیا کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ط

### جناب شہزادہ علی اکبر کی شہادت کی تفصیل

بہر حال جب امام عالی وقارؑ کے تمام اعموان و انصار شربت شہادت نوش کر کے دارالقرار کا سفر اختیار کر چکے۔ اور اب سوائے جوانان بنی ہاشم کے اور کوئی مددگار نہ رہا۔ تو سب سے پہلے شبیہ پیغمبرؐ جناب شہزادہ علی اکبرؑ نے خدمت امام میں حاضر ہو کر اذن جہاد طلب کیا۔ کتب مقاتل و تواریخ سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جناب سید الشہداء علیؑ نے اپنے لاڈلے بیٹے کو میدان موت کی طرف بھیجنے میں دیر و درنگ تو نہیں فرمائی۔ مگر آپؑ کے باطنی جذبات میں جو تلاطم اور قلب حزیں میں جو اضطراب رونما ہوا ہے۔ وہ آپ کے ان کلمات سے ٹپک رہا ہے جو آپؑ نے شہزادہ کی روانگی کے وقت زبان پر جاری فرمائے۔ یا ان کیفیات سے اس کا اندازہ ہوتا ہے جو آئینہ پر رونما ہوئے۔

### میدان کارزار کی طرف روانگی

جناب ابن طاووسؒ نے لکھا ہے کہ جب شہزادہ نے اذان جہاد طلب کیا تو ﴿نَظَرَ اِلَيْهِ نَظْرَ اَيَسٍ مِنْهُ وَ ارْخَى عَلَيْهِ السَّلَامَ عَيْنِيهِ وَ بَكَى﴾ امامؑ نے اپنے فرزند پر ایک مایوسانہ نظر ڈالی۔ اور پھر رو پڑے۔ پھر جیسا کہ ناخ التواریخ میں لکھا ہے امامؑ نے اپنے ہاتھ مبارک سے شہزادہ کو اسلحہ جنگ پہنایا۔ حضرت امیر علیہ السلامؑ سے جو فواد دی خود ورشہ میں ملا تھا۔ وہ سر پر رکھا۔ زرہ جسم پر اوڑھائی۔ کمر بند سے کمر مضبوط باندھی۔ تلوار پہلو میں لٹکائی۔ اور عقاب نامی گھوڑے پر سوار کر کے میدان جنگ کی طرف روانہ کیا۔<sup>۱</sup>

لیکن فاضل شہرستانی نے النہفۃ الحسینیہ (ص ۱۰۴ پر) لکھا ہے: ﴿اَمَّا الْغُلَامُ فَقَدْ تَجَلَّى عَلَى الْقَوْمِ بِوَجْهِ رَسُولِ اللّٰهِ وَ عِمَامَةِ رَسُولِ اللّٰهِ وَ اسْلِحَةِ رَسُولِ اللّٰهِ وَ عَلَى فَرَسِ رَسُولِ اللّٰهِ﴾ یعنی شہزادہ اس شان کے ساتھ قوم اشقیاء کے سامنے آیا۔ کہ چہرہ تھا تو رسول خدا کا، عمامہ تھا تو رسول خدا کا۔ اسلحہ جنگ تھا تو رسول خدا کا۔ سواری کا گھوڑا تھا تو رسول خدا کا۔ اور گفتار تھی تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ بہر کیف جب اس حالت میں شہزادہ میدان کارزار کی طرف روانہ ہونے لگا۔ تو سرکار سید الشہداءؑ نے اشک آور آنکھوں کے ساتھ آسمان کی طرف منہ کر کے بارگاہ ایزدی میں یوں عرض کیا: ﴿اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلٰی هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَيْهِمْ غُلَامٌ اَشْبَهَ النَّاسَ خُلُقًا وَ خُلُقًا وَ مَنْطِقًا بِرَسُولِكَ وَ كُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰی نَبِيِّكَ نَظَرْنَا اِلَيْهِ (اِلٰی وَجْهِهِ)﴾ بار الہا! اس قوم جفا کار کے ظلم و جور پر گواہ رہنا کہ اب ان کی طرف وہ جوان جا رہا ہے جو شکل و صورت اور



سیرت و کردار میں سب لوگوں سے زیادہ تیرے نبیؐ کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا اور جب ہم تیرے رسولؐ کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے۔ تو اس کے چہرہ پر نگاہ کر لیتے تھے، انہی فقرہوں سے امام علیہ السلام کے قلبی تاثرات و جذبات کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد باواز بلند عمر بن سعد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿مَالِكُ قُطْعِ اللَّهِ رَحِمَكَ وَلَا بَارِكِ اللَّهُ فِي أَمْرِكَ وَسَلِّطْ عَلَيْكَ مِنْ يَذْبَحُكَ بَعْدِي عَلِيٌّ فَرَأَيْتَ كَمَا قُطِعَتْ رَحْمَتِي وَلَمْ تَحْفَظْ قِرَابَتِي مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ﴾ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ خدا تیرے رحم کو قطع کرے اور تجھے اپنے معاملات میں برکت نہ دے۔ اور میرے بعد تجھ پر ایسے شخص کو مسلط کرے جو تجھ کو تیرے بستر پر ذبح کرے۔ جس طرح تو نے مجھ سے قطع رحمی کی ہے۔ اور میری قرابت داری رسولؐ کا کوئی لحاظ نہیں کیا ہے۔“ جب شہزادہ میدان جنگ کی طرف بڑھا۔ تو امام علیہ السلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ذُرِّيَّةً م

بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (سورۃ آل عمران، آیت ۳۳ و ۳۴)

شہزادہ نادر خورشید خاور کی طرح خیام حسینؑ کے افق سے میدان کارزار پر طالع ہوا۔ اور یہ رجز پڑھتے ہوئے مبارز طلبی کی۔

تحن و بیت اللہ اولیٰ بالنبیؐ (ن و)

من عصبة جد ابیہم النبیؐ

اطعنکم بالرمح حتی ینثنی

ضرب غلام ہاشمی علوی

انا علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ

واللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

اضربکم بالسیف احمی عن ابی

### شہزادہ کا جہاد

شہزادہ نے ہر چند مبارز طلبی کی۔ مگر قوم جفا کار سے کوئی شخص اس شیر پیشہ شجاعت کے مقابلہ میں نہ نکلا۔ یہ حالت دیکھ کر شجاعت علویہ کے وارث نے تلوار میان سے کھینچ کر قوم اشقیاء پر بھرے ہوئے شیر کی طرح حملہ کر دیا۔ اور ناریوں کو مولیوں گاجروں کی طرح کاٹنا شروع کیا۔ جدھر کا رخ کرتے کشتوں کے پستے لگا دیتے۔ جناب شیخ مفید نے لکھا ہے۔ کہ ﴿اہل الکوفة یتقون قتله و قتاله﴾ اہل کوفہ آپؐ کے قتل و قتال سے کئی کتراتے تھے۔ (الارشاد، ص ۲۶۰)۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ﴿من کثر من قتل منهم﴾ دشمن اپنے مقتولین کی کثرت سے ہلبلا اٹھے۔ حتیٰ کہ بار بار کے ان تابڑ توڑ حملوں میں بعض روایات کے مطابق ایک سو بیس ناریوں کو واصل جہنم کر دیا۔ اس اثنا میں جناب کے جسم نازنین پر کافی زخم لگ چکے تھے۔ پیاس کا شدید غلبہ تھا۔ گھوڑے کی باگیں موڑیں اور خونی لباس پہنے



زخموں سے جو امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ﴿يَا أَبَا الْعَظْشُ قَدْ قَتَلَنِي وَثِقُلُ الْحَدِيدِ أَجْهَدَنِي فَهَلْ إِلَى شُرْبَةِ مِنَ الْمَاءِ سَبِيلٌ أَتَعُوذُ بِهَا عَلَى الْأَعْدَاءِ﴾ بابا جان! مجھے پیاس نے مار دیا ہے۔ اور ہتھیروں کے بوجھ نے تھکا دیا ہے۔ کیا تھوڑا سا پانی دستیاب ہو سکتا ہے؟ تاکہ میں اس سے (تازہ دم ہو کر) دشمنوں سے لڑنے کے لئے تقویت حاصل کروں۔

امام علیہ السلام نے جب اپنے جواں سال بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو نہایت بے کسی کے عالم میں رو کر فرمایا: ﴿وَاعْوِزْنَا يَا بَنِيَّ مِنْ أَيْنَ آتَى، لَكَ بِالْمَاءِ قَاتِلٌ قَلِيلًا فَمَا أَسْرَعَ أَنْ تَلْقَى جَدَّكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ فَيَسْفِكَ بِكَاسِهِ الْآوْفَى شُرْبَةً لَا تَظْمَأُ بَعْدَهُ أَبَدًا﴾ ہائے افسوس بیٹا! میں کہاں سے تمہارے لئے پانی لاؤں؟ بیٹا تھوڑی دیر اور جہاد کرو۔ بہت جلد اپنے جد نامدار سے ملاقات کرو گے۔ اور وہ تمہیں (شراب طہور کا) وہ جام پلائیں گے۔ کہ اس کے بعد پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔

بروایتے فرمایا: ﴿يَا بَنِيَّ يَعِزُّ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَ عَلَى عَلِيِّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ أَنْ تَدْعُوهُمْ فَلَا يُجِيبُوكَ يَا بَنِيَّ هَاتِ لِسَانَكَ﴾۔ بیٹا حضرت محمد مصطفیٰؐ و علی مرتضیٰؑ پر یہ بات بہت ہی شاق ہے کہ تم ان کو پکارو اور وہ تمہیں جواب نہ دیں۔ بیٹا اپنی زبان میرے منہ میں دیدو۔ نیز اپنی ایک انگشتی ان کو عنایت کی۔ اور فرمایا اسے چوسو۔ اس سے کچھ تسکین ہو جائے گی۔ چنانچہ شہزادہ نے واپس میدان کارزار میں لوٹ کر یہ رجز پڑھتے ہوئے پھر شجاعت ہاشمیہ کا عملی ثبوت دینا شروع کیا۔

و ظهرت من بعد ها مصادق

الحرب قد بانت لنا الحقائق

جموعكم او تغمد البوارق

والله رب العرش لا نفارق

اور دائیں بائیں بڑھ بڑھ کے حملے شروع کئے۔ یہاں تک کہ مزید اسی (۸۰) دشمنان خدا اور رسول کو واصل جہنم کیا۔

### شہادت

اس طرح جب پورے دو سو ناریوں کو واصل جہنم کر چکے۔ تو مرة بن معاذ عبدی نے شہزادہ کو دیکھ کر قسم کھائی ﴿عَلَى آثَامِ الْعَرَبِ. ان مربی يفعل مثل ما كان يفعل ان لم اثكله اباه﴾ مجھ پر تمام عرب کے گناہوں کا بوجھ ہو۔ اگر یہ شہزادہ اسی طرح حملہ کرتے ہوئے میرے پاس سے گزرے۔ اور میں اس کے والد کو اس کے سوگ میں نہ بٹھا دوں۔

۱۔ شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے آپ کے مقتولین کی تعداد چوالیس (۴۴)۔ صاحب مناقب نے ستر (۷۰) اور سید محمد بن ابی طالب نے پورے دو سو (۲۰۰) لکھی ہے۔ و هو المشهور. و الله العالم۔ (منہ غشی عنہ)



چنانچہ شہزادہ جنگ کرتے کرتے جب اس شقی کے پاس سے گذرا تو بروایت مقاتل الطالبین اس ملعون نے جناب شہزادہ کے گلوئے اقدس میں تیر مارا۔ اور بروایت مناقب چھپ کر پشت مبارک پر نیزہ مارا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اس شقی نے جناب کے سر اقدس پر اس زور سے تلوار ماری۔ کہ شہزادہ کا سر اقدس شگافتہ ہو گیا اور ان کیلئے اب زمین پر سنبھلنا مشکل ہو گیا چنانچہ شہزادہ نے اپنی باہیں گھوڑے کے گلے میں ڈال دیں سوئے اتفاق سے گھوڑا ان کو لشکر اعدا کی طرف لے گیا۔ ظالموں نے شہزادہ کو بے دست و پا دیکھ کر تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (قسطوہ باسیافہم ارباً ارباً) ابھی کچھ رمت حیات باقی تھے۔ کہ زمین فرس سے فرش زمین پر گرتے ہوئے بابا کو آواز دی: ﴿يَا اَبَتَاهُ عَلِيكَ السَّلَامُ. هَذَا جَدِي رَسُولُ اللَّهِ قَدْ سَقَانِي بِكَاسِهِ الْاَوْفَى شَرِبْتُ لَا اَظْمَأُ بَعْدَهُ اَبَدًا وَ هُوَ يَقْرَأُكَ السَّلَامَ وَ يَقُولُ لَكَ عَجَلُ الْقُدُومِ الْيَنَابُ﴾ بابا جان! میرا (آخری) سلام قبول ہو۔ یہ میرے جد امجد جناب رسول خدا ہیں۔ انہوں نے مجھے ایسا جام پلایا ہے۔ کہ اب مجھے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ اور وہ فرما رہے ہیں۔ کہ آپ بھی جلدی آئیں۔ اس کے بعد شہزادہ نے دم توڑ دیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

**جواں مرگ بیٹے کی لاش پر بے کس باپ کی آمد**

جب بے کس باپ نے اپنے بے بس شہزادہ کا آخری سلام سنا۔ تو فوراً افتاب و خیزاں شہزادہ کی لاش مقدس پر پہنچے اور ﴿وَضَعُ خَدَهُ عَلَى خَدِهِ ثُمَّ انْهَمَلَتْ عَيْنَاهُ بِالْدمُوعِ ثُمَّ قَالَ عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَكَ الْعَفَا﴾ اپنا رخسارہ شہزادے کے رخسارے پر رکھ دیا۔ اور زار و قطار روتے ہوئے فرمایا۔ بیٹا! تیرے بعد اب زندگانی دنیا پر خاک ہے۔ پھر فرمایا: ﴿يَا بُنَيَّ لَقَدْ اسْتَرَحْتُ مِنْ هَمِّ الدُّنْيَا وَ غَمِّهَا وَ بَقِيَ أَبُوكَ فَرِيدًا﴾ بیٹا تم دنیا کے ہم و غم سے نجات پا گئے۔ لیکن تمہارا باپ یکہ و تنہا رو گیا ہے، بعض ارباب مقاتل کے بیان کے مطابق امام شہزادہ کا سر مبارک گود میں لے کر ان کے چہرہ انور سے خون صاف کرتے جاتے تھے۔ اور رو کر رخ مبارک پر بوسہ دیتے ہوئے یہ بھی فرماتے جاتے تھے: ﴿يَا بُنَيَّ لَعَنَ اللَّهُ / قَتَلَ اللَّهُ قَوْمًا قَتَلُواكَ. مَا أَجْرُهُمْ عَلَى النَّارِ وَ عَلَى انْتِهَاكِ حُرْمَةِ الرَّسُولِ﴾۔ بیٹا! خدا اس قوم جفا کار کو غارت کرے۔ جس نے تجھے شہید کیا۔ انہیں کس چیز نے آتش جہنم میں داخل ہونے پر اور حرمت رسول کی ہتک کرنے پر جرأت دلائی؟ صاحب روضۃ الصفاء کا بیان ہے کہ ﴿رَفَعَ الْحُسَيْنُ صَوْتَهُ بِالْبُكَاءِ وَلَمْ يَسْمَعْ أَحَدٌ إِلَى ذَلِكَ الزَّمَانِ صَوْتَهُ بِالْبُكَاءِ﴾ ہم شکل پیغمبر شہزادہ کی شہادت کا امام علیہ السلام پر اس قدر اثر ہوا۔ کہ بلند آواز سے گریہ و بکا فرمایا۔ حالانکہ اب تک ان کے گریہ کی آواز کسی نے نہیں سنی تھی۔ بعد ازاں جو انان بنی ہاشم کو حکم دیا۔ کہ شہزادہ کی لاش خیام کی طرف اٹھالائیں۔



صاحب دمعہ ساکبہ نے بعض کتب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب جناب سید الشہداء باچشم و دل گریاں و بریاں خیمہ میں داخل ہوئے۔ تو امامؑ کی یہ حالت زار دیکھ کر جناب سیکنے نے دوسری پر دگیان عصمت و طہارت سے آگے بڑھ کر عرض کیا: ﴿مَالِي أَرَاكَ تَنْعِي نَفْسَكَ وَتُدِيرُ حَرْفَكَ أَيْنَ أَخِي عَلِيٍّ؟﴾ بابا جان! آپ کی حالت کیوں دگرگوں ہے؟ اور پریشان ہو کر ادھر ادھر کیوں دیکھتے ہیں؟ میرا بھائی علیؑ کہا ہے؟

امامؑ نے فرمایا: ﴿قَتَلُوهُ اللَّثَامُ﴾ بیٹی! قومِ اشقیاء نے انہیں شہید کر دیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ بی بی نے واخاہ و امیجہ قلباہ کے جگر خراش بین کرتے ہوئے خیمہ سے باہر قدم رکھنا چاہا۔ مگر امامؑ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿اتَّقِي اللَّهَ وَاسْتَعْمَلِي الصَّبْرَ﴾ بیٹی سیکنے! خدا سے ڈرو۔ اور صبر کرو۔ بی بی نے عرض کیا: ﴿يَا ابْتَاه كَيْفَ تَصْبِرُ مِنْ قَتْلِ اخْوَاهَا وَشُرْدِ ابْنِهَا﴾ بابا جان! بھلا جس بی بی کا بھائی شہید ہو جائے۔ اور باپ بے یار و مددگار اور وطن سے دور ہو جائے۔ وہ کیونکہ صبر کر سکتی ہے؟ امامؑ نے بی بی کا کلام حزن التیام سن کر فرمایا: ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ﴾۔

اسی محذوہ کے جگر خراش حالات سے دوسری محذرات عصمت و طہارت کی گریہ و زاری اور پریشان حالی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

### اولاد عقیل بن ابی طالب کی قربانیاں

#### (۲) جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ بن ابی طالبؑ کی شہادت

یہ وہی عبداللہ بن مسلم ہیں جو بہت سے اربابِ مقاتل کے نزدیک میدانِ کربلا میں خانوادہ ہاشمیہ میں سے پہلے شہید ہیں۔ جیسا کہ قبل ازیں اس اختلاف پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ جناب عبداللہ کے والد ماجد حضرت مسلم بن عقیلؑ شہید کوفہ اور والدہ ماجدہ جناب رقیہ بنت امیر المومنین علیؑ علیہ السلام ہیں۔ اس طرح یہ جناب سید الشہداء کے چچا زاد بھائی کے فرزند ہونے کے علاوہ آنجناب سید الشہداء سے سہمی قرابت بھی رکھتے ہیں (فراجع) انہی وجوہ کی بنا پر امامؑ کو آپ سے خاص قلبی لگاؤ تھا۔

صاحب بحر المائتؑ نے لکھا ہے: ﴿عَلِيٌّ مَا نَقَلَ عَنْهُ﴾ کہ جب جناب عبداللہ بن مسلم نے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اذن جہاد طلب کیا۔ تو آنجناب نے فرمایا تمہارے لئے اپنے والد مسلم کی شہادت کافی ہے جسے

۱۔ ارشاد ص ۲۶۰۔ مناقب، ج ۴، ص ۹۷۔ عاشر بخار، ص ۲۰۲۔ الدمعۃ الساکبہ، ص ۳۳۹۔ نفس المہموم، ص ۱۹۵۔ وقائع ایام محرم، ص ۳۶۱۔

ناخ، ج ۶، ص ۲۶۲۔ تعظیم الزہراء، ص ۱۹۵۔ لوائح الاشجان، ص ۱۳۷۔ تقیام، ص ۳۶۳۔ مہوف، ص ۱۰۰۔ طبری، ج ۶، ص ۲۵۶۔

شافیہ شرح ابی فراس، ص ۱۳۱ وغیرہ۔

فرسان السیاح، ج ۱، ص ۲۵۵۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۶۹۔



بہت عرصہ نہیں گزرا۔ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔ کہ تم اپنی ضعیف والدہ کو لے کر یہاں سے چلے جاؤ۔ جناب عبداللہ نے عرض کیا۔ بھلا یہ ممکن ہے کہ دارجاودانی کے عوض دارفانی کو اختیار کروں؟ بالآخر عبداللہ کے اصرار سے متاثر ہو کر امام نے اذن جہاد مرحمت فرمایا۔ اور جناب عبداللہ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان کارزار میں تشریف لے گئے۔

اليوم القي مسلما و هوا بی و فتية با دوا علی دین النبی  
لیسوا بقوم عرفوا بالکذب لکن خیار و کرام النسب

من هاشم السادات اهل الحسب

پھر بڑھ بڑھ کر تین حملے کئے۔ اور بقول صاحب لوائح الاشجان تین افراد کو ہلاکت ابدی کے گھاٹ اتارا۔ (ص ۱۳۸) اور صاحب مناقب<sup>۱</sup> کے بیان کے مطابق اٹھانوں (۹۸) ناریوں کو واصل جہنم کیا۔ اسی اثنا میں عمرو بن صبیح صدائی نے تیرے آپ کی پیشانی کو تار کا۔ شہزادہ نے بتھمائے طبیعت ہاتھ پیشانی پر رکھا۔ تیرا اس زور سے لگا۔ کہ ہاتھ کو پیشانی کے ساتھ چھید دیا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب عبداللہ کا ہاتھ پیشانی کے ساتھ پیوست ہو گیا۔ تو عبداللہ نے بارگاہ ایزدی میں یوں عرض کیا اللھم استقلو نا و استذلونا اللھم فاقتلھم کما قتلونا و اذلھم کما استذلونا "خداوندان لوگوں نے ہمیں کمزور سمجھ کر ذلیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ بارالہ! انہیں اسی طرح قتل کر جس طرح انہوں نے ہمیں قتل کیا ہے اور ان کو ذلیل و خوار کر" ایک دوسرے ظالم (یزید بن رقاد الحنفی)<sup>۲</sup> نے آپ کے سینہ پر نیزہ مارا۔ جو دل میں لگا۔ جس سے شہزادہ جانبر نہ ہو سکا۔ اور شہادت پائی۔ ظالم تیر انداز نے آپ کی شہادت کے بعد تیر کو کھینچنا چاہا۔ مگر پھل پیشانی میں ٹوٹ گیا۔<sup>۳</sup> اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

### آل ابی طالب کا یکبارگی حملہ

بعض ارباب سیر و مقاتل نے لکھا ہے کہ جناب عبداللہ بن مسلم کی شہادت کے بعد اولاد ابی طالب نے ایک ساتھ قوم اشقیاء پر حملہ کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر جناب امام عالی مقام نے فرمایا: ﴿صبراً علی الموت! بنی عمو متی واللہ لا رایتہم ہوا نا بعد هذا الیوم ابداً﴾ (ماہوف، ص ۱۰۱) و (مقتل خوارزمی، ج ۲، ص ۲۸) ۱۔

۱۔ مناقب شہر ابن آشوب، ج ۴، ص ۹۸۔

۲۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۱۵۹۔ اس بیان سے اس اختلاف کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جو جناب عبداللہ بن مسلم کے قاتل کے بارے میں ہے کہ آیا عمرو بن صبیح ہے یا یزید بن رقاد؟ صحیح یہ ہے کہ دونوں آپ کے قتل میں شریک ہیں۔ عمرو نے تیر مارا۔ اور یزید نے نیزہ۔

۳۔ ارشاد، ص ۲۶۱۔ نفس المہموم، ص ۱۶۸۔ لوائح الاشجان، ص ۱۳۸۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۱۶۰۔ فرسان الہیجا، ج ۱، ص ۲۵۵۔ مقتل الحسین، ص ۳۰۳۔ طبری، ج ۶، ص ۲۵۶۔

مقتل الحسین للمقدم، ص ۲۰۳۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۱۶۲۔ شہید انسانیت، ص ۳۹۸۔ طبری وغیرہ۔



میرے چچا کے بیٹو! موت پر صبر کرو۔ آج کے بعد کبھی ذلت نہ دیکھو گے۔ اور متعدد دشمنان خدا و رسول کو دارالبوار میں پہنچانے کے بعد درج ذیل حضرات نے بھی شربت شہادت نوش کیا:

(۱) عون بن عبد اللہ بن جعفر طیار۔ (۲) ان کے بھائی محمد بن عبد اللہ۔ (۳) عبد الرحمن بن عقیل۔ (۴) ان کے بھائی جعفر بن عقیل۔ (۵) محمد بن مسلم بن عقیل۔ امام حسن مجتبیٰ کے صاحبزادے حسن شنی کو اٹھارہ زخم لگے۔ اور دایاں ہاتھ بھی قلم ہو گیا۔ مگر شہید ہونے سے بچ گئے۔ مگر ہم قول مشہور و منصور کی اتباع کرتے ہوئے ذیل میں واقعاتی ترتیب کے مطابق بطور مبارزت طلبی ان بزرگواریوں کی شہادت کا تذکرہ کرتے ہیں۔

### (۳) محمد بن مسلم بن عقیل بن ابی طالب کی شہادت

آپ کی والدہ ماجدہ ام ولد تھیں۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر کل بارہ یا تیرہ برس تھی۔ جب اپنے بھائی عبد اللہ بن مسلم کو خاک و خون میں غلطان دیکھا تو بے تاب ہو گئے۔ اذن جہاد لے کر میدان میں تشریف لائے۔ اور سخت نبرد آزمائی کے بعد ابو مرہم (جرہم) از دی اور لقیط بن ایاس جہنی کے ہاتھ سے جام شہادت نوش فرمایا۔<sup>۱</sup>

### (۴) جعفر بن عقیل بن ابی طالب کی شہادت

جناب جعفر حضرت عقیل کے چشم و چراغ ہیں۔ والدہ ماجدہ کا نام خواصا، کنیت ام النضر بنت عمرو بن عامر کلابی ہیں۔<sup>۲</sup> جناب محمد بن مسلم کی شہادت کے بعد جناب جعفر یہ رجز پڑھتے ہوئے۔ شعلہ نار کی طرح لشکر اشراق پر ٹوٹ پڑے۔

انا الغلام الابطحی الطالبی  
من معشر فی ہاشم و غالب  
ونحن حقاً سادة الذوائب  
هذا حسين اطيب الاطائب

من عترة البر التقی الثاقب

پھر شجاعت کا ثبوت دیتے ہوئے بنا بر مشہور پندرہ ناریوں کو دارالبوار میں پہنچانے کے بعد خود بشر بن حوط ہمدانی ملعون اور بروایت عروہ بن عبد اللہ شعمی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔<sup>۳</sup>

۱۔ مقتل الحسین، ص ۳۰۴۔

۲۔ عاشر بحار الانوار، ص ۱۹۹۔ لوائح الاشجان، ص ۱۳۸۔ فرسان الہیجا، ج ۲، ص ۶۰۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۱۶۰۔ مقاتل الطالبین، ص ۶۶ وغیرہ۔

۳۔ فرسان الہیجا، ج ۱، ص ۵۶۔

۴۔ فرسان الہیجا، ج ۱، ص ۵۶۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۱۵۶۔ عاشر بحار الانوار، ص ۱۹۹۔ تقیام ذخائر، ص ۳۶۶۔ ناخ التوارخ، ج ۶، ص ۲۶۹۔

لوائح الاشجان، ص ۱۳۸۔ طبری، ج ۶، ص ۲۵۶۔ مقاتل، ص ۶۶ وغیرہ۔



## (۵) عبدالرحمن بن عقیل بن ابی طالب کی شہادت

جناب عبدالرحمن کے والد ماجد جناب عقیلؑ اور والدہ ام ولد ہیں۔ جعفر بن عقیل کی شہادت کے بعد آپ اذن جہاد لے کر یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں تشریف لے گئے۔

ابی عقیل فاعرفوا مکانی  
من ہاشم و ہاشم اخوانی  
کھول صدق سادۃ الاقران  
ہذا حسین شامخ البیان  
و سید الشیب مع الشبان  
و سید الشباب فی الجنان

پھر سخت جنگ کی۔ یہاں تک کہ لشکر اشراہ کے سترہ (۱۷) نانہجاروں کو دارالبوار میں پہنچانے کے بعد عثمان بن خالد جہنمی اور بشر بن حوط ہمدانی کے ہاتھوں شہادت کے درجہ عالیہ پر فائز ہوئے۔<sup>۱</sup>

## (۶) محمد بن ابی سعید بن عقیل بن ابی طالب کی شہادت

بعض ارباب مقاتل کا خیال ہے کہ جناب محمد بن ابی سعید بن عقیل واقعہ کربلا میں سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے۔ میدان کارزار میں گئے۔ اور جہاد کرتے ہوئے لقیط بن ایاس جہنمی ملعون کے تیرے رہسپار ملک بقاء ہوئے۔<sup>۲</sup>

## اولاد جعفر طیار کی قربانیاں

### (۷) محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار کی شہادت

آپ امام علیہ السلام کے چچازاد بھائی جناب عبداللہ بن جعفر کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام فاضل عالمی نے لوانج الاشجان (ص ۱۳۹) میں عقیلہ بنی ہاشم جناب زینب بنت امیر المومنینؑ ذکر کیا ہے۔ اس طرح آپ جناب عون بن عبداللہ کے سگے بھائی قرار پاتے ہیں اور امام کے بھانجے لیکن دیگر ارباب سیر و مقاتل کے بیان کے مطابق آپ جناب عون کے مختلف البطن بھائی ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام خواصاء بنت حفص بن ثقیف ہے۔ جو بکر بن واکل کے قبیلہ سے تھیں۔<sup>۳</sup> ان کو خود جناب عبداللہ نے اپنی نیابت میں ان کے دوسرے بھائی عون کے ساتھ مکہ سے امام کی روانگی کے بعد بھیجا تھا۔ جو پہلی منزل پر آ کر شریک قافلہ حسیٹی ہو گئے تھے۔

۱۔ فرسان السجاء، ج ۱، ص ۲۳۵۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۱۵۷۔ بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۱۹۹۔ مناقب شہراہن آشوب، ج ۳، ص ۹۶۔ نفس المہموم، ص ۱۶۹۔ لوانج الاشجان، ص ۱۲۹۔

۲۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۱۶۰۔ عاشر بحار الانوار، ص ۲۰۰۔ تقام ذخار، ص ۳۶۶۔

۳۔ تقام، ص ۳۹۷۔ نفس المہموم، ص ۱۶۹۔ فرسان، ج ۲، ص ۵۹۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۱۵۵۔ مقاتل، ص ۶۵۔ لوانج الاشجان، ص ۱۳۸۔



بہر حال اولاد عقیل کی قربانیوں کے بعد اولاد عبداللہ بن جعفر طیار نے میدان کارزار کا رخ کیا۔ اور سب سے پہلے جناب محمد بن عبداللہ اذن جہاد لے کر یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں تشریف لے گئے۔

اشکو الی اللہ من العدوان

فعال قوم فی الردی عمیان

قد بدلوا معالم القرآن

و محکم التنزیل والتبیان

واظهر والكفر مع الطغیان

پھر مسلسل کئی حملے کر کے دس (۱۰) ناریوں کو جہنم رسید کرنے کے بعد عامر بن نہشل تمیمی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔

### (۸) عون بن عبداللہ بن جعفر الطیار کی شہادت

بنابر مشہور آپ کی والدہ ماجدہ عقیلہ قریشیہ جناب نسیب بنت علی علیہ السلام ہیں۔ اس طرح آپ امام حسین علیہ السلام کے حقیقی بھانجے ہوتے ہیں۔ اور بنا بریں کہ شہزادہ محمد کی والدہ جناب عقیلہ نہ ہوں۔ آپ محمد بن عبداللہ کے مختلف البطن بھائی ہیں۔ اپنے بھائی محمد کی شہادت کے بعد اذن جہاد حاصل کر کے یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان و غا میں نکلے۔

ان تنکرونی فان ابن جعفر

شہید صدق فی الجنان ازھر

یطیر فیہا بجناح اخضر

کفی بهذا شرفاً فی المحشر

پھر داد شجاعت و شہامت دیتے ہوئے تین سواروں اور اٹھارہ پیادوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچانے کے بعد خود شہادت کے درجہ رفیعہ پر فائز ہوئے۔ عبداللہ بن قطبہ طائی نے آپ کو شہید کیا۔

### اولاد امام حسن کی قربانیاں

### (۹) شہزادہ قاسم بن حسن بن علی علیہ السلام کی شہادت

جناب عبداللہ بن جعفر طیار کی اولاد کے بعد جناب امام حسن مجتبیٰ علیہ افضل التستیہ و الثنا کی اولاد امجاد نے قربان گاہ کر بلا میں اپنی عدیم النظیر قربانیاں پیش کیں۔ سب سے پہلے جناب شہزادہ قاسم میدان میں آئے شہزادہ قاسم حضرت امام حسن علیہ السلام کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کی والدہ ام ولد ہیں۔ جن کا اسم گرامی برمہ تھا۔ اور صاحب

۱۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۱۵۶۔ فرسان الحجیج، ج ۲، ص ۵۹۔ عاشر بحار الانوار، ص ۲۰۰۔ طبری، ج ۶، ص ۲۵۶۔ مناقب، ج ۴، ص ۳۶۔ مقاتل، ص ۶۵ وغیرہ۔

۲۔ لوائح الاشجان، ص ۱۳۹۔ نفس المہموم، ص ۱۶۸۔ تقام، ص ۳۶۷۔ طبری، ج ۶، ص ۲۵۶۔ مقاتل الطالیین، ص ۶۴ وغیرہ۔



فرسان الہیاء (ج ۲ ص ۲۶) کے بیان کے مطابق واقعہ کربلا میں موجود تھیں۔ شب عاشورا کے واقعات میں وہ واقعہ لکھا جا چکا ہے۔ جس میں جناب شہزادہ کا نصرت امام و تائید حق میں اشتیاق موت کا تذکرہ موجود ہے۔ ان کی شہادت کا تذکرہ کرنے سے پہلے یہاں چند امور مہمہ کی تحقیق و تنقیح نہایت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

### چند امور کی تنقیح

امر اول :- یہ ہے کہ شہادت کے وقت شہزادہ کی عمر کیا تھی؟ سن و سال کی حتمی تعیین کے متعلق تو کچھ کہنا مشکل ہے۔ کیونکہ کتب سیر و تواریخ میں ایسی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ البتہ اکثر علماء محققین اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ جناب ہنوز سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے۔ چنانچہ علامہ مجلسی فرماتے ہیں: ﴿وہو غلام صغیر لم يبلغ الحلم﴾ شہزادہ چھوٹا لڑکا تھا۔ جو سن بلوغ کو نہیں پہنچا تھا۔ ایسی ہی تصریحات فاضل قزوینی نے تظلم الزہراء (ص ۱۹۵) میں اور فاضل عالمی نے لوائح الاشجان (ص ۱۳۰) میں اور محدث محلاتی نے فرسان الہیاء (ج ۲ ص ۲۶) میں اور جناب فاضل نجفی نے مقتل الحسین (ص ۳۰۶) میں فرمائی ہیں۔ ناخ میں لکھا ہے: ﴿قاسم باتفاق علمائے سیر حدود تکلیف را مالک و مشرف نبود﴾ (ناخ، ج ۶، ص ۲۷۳) ان تصریحات سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ جناب قاسم ہنوز بالغ نہ تھے۔ اور زیادہ سے زیادہ عمر بارہ تیرہ برس تھی۔

SIBTAIN.COM

### شہزادہ قاسم کے عقد کی تحقیق

امر دوم :- آیا شہزادہ قاسم کی بوقت شہادت شادی ہو چکی تھی یا نہ؟ یہ مسئلہ مدت سے معرکتہ الارابنا ہوا ہے جس پر بعض مقامات پر ہنگامہ خیز بحثیں ہو چکی ہیں۔ اور اس کی نفی اور اثبات پر متعدد مستقل رسائل لکھے جا چکے ہیں۔ مدت ہوئی بد قسمتی سے متحدہ ہندوستان میں اس مسئلہ نے بعض علمی خانوادوں میں ذاتی و قاری حشیت اختیار کر لی۔ جس کی وجہ سے یہ مسئلہ مزید الجھ کر رہ گیا۔ حالانکہ اگر ہر قسم کے گروہی تعصبات سے بالاتر ہو کر اس مسئلہ پر معمولی سا بھی غور و فکر کیا جائے۔ تو یہ امر روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتا ہے۔ کہ ازدواج قاسم کا قصہ ایک افسانہ سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اور اس کے وجہ درج ذیل ہیں:

اولاً: جب بیان بالا میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ شہزادہ ہنوز سن بلوغ کو پہنچے ہی نہ تھے تو ان حالات میں ان

کی شادی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کما لا یخفی

ثانیاً: تمام کتب سیر و تواریخ اس واقعہ کے ذکر سے خالی نظر آتی ہیں۔ پھر کیونکر آنکھیں بند کر کے اسے صحیح

تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ سب سے پہلے اس افسانہ کا تذکرہ ملا حسین واعظ کاشفی نے روضۃ الشہداء کے اندر بلا سند و حوالہ



کیا۔ جونویں (۹) صدی میں گذرے ہیں۔ ان سے صاحب منتخب (طریقی) نے لیا اور ان سے صاحب اسرار الشہادۃ نے یہ بھی عجیب بات ہے کہ کاشفی نے صرف عقد نکاح کا تذکرہ کیا تھا۔ صاحب منتخب نے شادی کا اضافہ کیا۔ اور صاحب اسرار الشہادۃ تک پہنچتے پہنچتے اس شادی کے نتیجہ میں ایک بچہ کی ولادت کا اضافہ بھی ہو گیا۔

۷۔ ناطقہ سر بگریاں ہے اسے کیا کہئے؟

**ثالثاً:** اگرچہ اکابر علماء کی کتب کا اس واقعہ سے خالی ہونا ہی اس کے بے اصل ہونے کے لئے کافی تھا۔ چہ جائیکہ انہوں نے بڑے شد و مد کے ساتھ اس واقعہ کے بے اصل ہونے کی تصریحات بھی فرمادی ہیں۔ (جن کا ایک شہدہ بعد ازیں پیش کیا جا رہا ہے)۔

**رابعاً:** روز عاشوراء عقد یا ازدواج کرنے کے لئے جو امور شرعیاً عرفاً مطلوب ہو سکتے ہیں۔ ان سب کا فقدان نظر آتا ہے۔ کمالاً یخفی۔ پھر ان حالات میں یہ کام انجام دینا عبث ہو کر رہ جاتا ہے۔ حالانکہ امام عالی مقام کی شان اس سے اجل و ارفع ہے۔ کہ کوئی عبث و بے فائدہ کام انجام دیں۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ امام نے صرف امام حسن علیہ السلام کی وصیت کو پورا کرنے کے لئے ایسا کیا تھا۔ یہ تاویل بالکل علیل ہے۔ کیونکہ امام حسن کی ایسی کوئی وصیت ہرگز ثابت نہیں ہے۔ بلکہ یہ افتراء علی المعصوم ہے۔ والدلیل علی من ادعی۔

اس اجمالی بیان کے بعد ذیل میں اس مسئلہ کی نزاکت و اہمیت کے پیش نظر ذرا تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس موضوع پر کتاب لؤلؤ و مرجان، مجاہد اعظم حصہ اول رسالہ نزہۃ المشتاق اور رسالہ البیان المبرہن میں اس قدر لکھا جا چکا ہے۔ کہ اس پر مزید اضافہ کی اب کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلئے ہم ان ہی نامبروہ کتب و رسائل سے اس واقعہ کی رد کے مختصر مگر جامع دلائل کا انتخاب پیش کرتے ہیں۔ تاکہ اس سلسلہ میں ہر قسم کی قیل و قال کا دروازہ بند ہو جائے۔ اور ثابت ہو جائے کہ یہ قصہ بالکل بے بنیاد و بے اصل ہے اور سر اسرافتراء علی الامام پر مبنی ہے۔ اعاذنا اللہ و جمیع المؤمنین منہ۔

**پہلی دلیل:** علمائے متقدمین کی کتابوں میں اس قصہ کا کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا۔ اور متاخرین جو روایات و واقعات کی صحیح جانچ پڑتال کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی اس واقعہ کو نقل نہیں کیا۔ البتہ اخیر زمانہ میں کتاب روضۃ الشہداء سے جو نہ صرف ضعاف بلکہ بہت سی موضوع روایات کا مجموعہ ہے۔ یہ بلائگی اور اس سے صاحب منتخب نے نقل کی۔ اور ان سے اور بعض جدت پسند لوگوں نے نقل کی۔ اور اس طرح یہ کورانہ تقلید آئندہ نسلوں کے لئے حجت بن گئی۔ چنانچہ جناب محدث نوری فرماتے ہیں: ﴿قصہ عروسی قاسم قبل از روضہ در ہیچ کتاب دیدہ نشدہ﴾ مولانا سید حسین لکھنوی نے بھی مجالس منجد (ص ۲۱۵) میں تصریح کی ہے کہ صاحب منتخب نے اس



واقعہ کو کاشفی سے لیا ہے: ﴿روایۃ تزویج القاسم لم تذکر فی اکثر الکتب المعترۃ و لذا ترکھا مولانا المجلسیٰ لکن ذکرھا فخر الدین فی جامعہ و کان ماخذہ تاریخ الحسین للکاشفی﴾ ظاہر ہے کہ اگر اتنے بڑے عظیم واقعہ کی کوئی واقعیت و حقیقت ہوتی تو دوسرے علماء متقدمین کیوں اسے نظر انداز کرتے؟ اس بنا پر جناب محدث نوری قدس سرہ کا یہ تعجب بر محل ہے کہ ﴿چگو نہ می شود قصیۃ بایں عظمت و قصہ چنیں آشکار را محقق و مضبوط باشد بنظر تمام این جماعت نرسیدہ باشد حتیٰ مثل شہر بن آشوب کہ تصریح کردہ اند کہ ہزار جلد کتاب مناقب نزد او بود﴾۔ بنا بریں کس طرح اس قصہ کو صحیح باور کیا جاسکتا ہے۔

دوسری دلیل :- اکابر علماء و ارباب سیر و تواریخ نے نہ صرف یہ کہ یہ قصہ اپنی کتب میں درج نہیں کیا۔ بلکہ اس کے من گھڑت اور بے اصل ہونے کی تصریحات بھی فرمادی ہیں۔ ذیل میں چند شہادتیں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) علامہ مجلسی علیہ الرحمہ جلاء العیون، ص ۲۰۴ میں تحریر فرماتے ہیں: ﴿روایت دامادی قاسم در کتب معتبرہ بہ نظر فقیر نرسیدہ﴾ یعنی دامادی قاسم والی روایت نظر حقیر سے نہیں گذری۔

(۲) فاضل رضی قزوینی تعظیم الزہراء (ص ۱۹۵) میں فرماتے ہیں: ﴿اقول ثم انه نقل فی الکتب بروز قاسم بن الحسن و مبارزتہ و لیس فیہا ذکر مصاہرتہ الا فی المنتخب فانہ ذکر قصہ مصاہرتہ.... صفحنا نحن ایضاً عن نقلہ لان الناقل ایضاً لم ینسب الی احدٍ الخ﴾ یعنی تمام کتب مقاتل میں جناب قاسم کی مبارزت طلبی کا واقعہ تو درج ہے مگر سوائے منتخب طریقی کے اور کسی کتاب میں ان کی دامادی کا ذکر نہیں۔ اور صاحب منتخب نے بھی اسے کسی مستند کتاب کی طرف منسوب نہیں کیا۔ اس لئے ہم نے اسے نقل نہیں کیا۔

(۳) صاحب ذخیرۃ الدارین (ص ۱۵۴) لکھتے ہیں: ﴿اقول انه نقل فی الکتب المعترۃ مبارزة القاسم يوم الطف كما ذكرنا انفاً تفصیله من طریق المخالف و المؤلف ولم يذكر فی تلك الکتب تزویجه فی وقعة الطف الا فی المنتخب فانہ ذکر قصۃ تزویجه نقلاً عن الغير فقال ان هذه القصۃ لم نظفر بها فی الکتب المعترۃ و الروایات المعتمدة فكانہ رہ لم يعتمد علی ذلك النقل و نحن ایضاً قد تصفحنا بمقدار ووسعنا عما نقل ولم نجد فیہ ما يعتمد علیہ من آثار المثبتة لتلك القضية و ذلك الفاضل ایضاً لم ینسبه الی احد بل نسبه الی قیل و لا یثبت بہ شیء﴾ یعنی واقعہ کربلا میں شہزادہ قاسم کا جنگ کرنا تو کتب معتبرہ میں موجود ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کی تفصیل ذکر کر دی ہے مگر انکی شادی کا قصہ سوائے منتخب طریقی کے اور کسی کتاب میں مذکور نہیں ہے اور صاحب منتخب نے بھی اعتراف کیا ہے کہ انہیں یہ قصہ



کتب معتبرہ اور روایات معتمدہ میں نہیں مل سکا۔ بلکہ اسے ﴿قیل﴾ (کہا گیا ہے) کہہ کر نقل کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں خود اپنے نقل کردہ قصہ پر اعتماد نہیں ہے۔ ہم نے بھی اپنی بساط کے مطابق کتب کی ورق گردانی کی ہے۔ ہمیں اس واقعہ کے بارے میں کوئی ایسی تاریخی شہادت نہیں مل سکی جس پر اعتماد کیا جاسکے۔“

(۴) محدث محلاتی فرسان الہیجا (ج ۳ ص ۳۱) میں تحریر فرماتے ہیں کہ ﴿عروسی قاسم ابدأ اصل ندارد۔ چند انکہ کتب معتبرہ و روایات معتمدہ راسیر کردیم۔ اثر و اطلاعی از این عروسی قاسم بدست نیاوردیم و آنچه در السنہ سند برائے خود درست کردند۔ کہ طریحی در منتخب گفته ایشان این مطلب را کہ از غیر نقل میکند میفرماید۔ ”ان هذا القضية لم نظفر بها في الكتب المعتمدة و الروایات المعتمدة“ و شك نیست کہ این عبارت بتمام صراحت دلالت دارد۔ کہ خود طریحی ہم اعتماد باین نقل ندارد و گفتن او بلفظ ”قیل واضح است کہ این مطلب در آثار مثبتہ و کتب معتبرہ وجود ندارد﴾۔

اس عبارت کا مطلب قریباً وہی ہے۔ جو صاحب ذخیرہ کی عبارت کا ہے۔ فلا تطیل الکلام بتوضیح

المصرا۔

(۵) مولانا ناصر الملہ لکھنوی مرحوم سے سوال کیا جاتا ہے: ”عقد قاسم بن الحسن علیہ السلام کا میدان کر بلا میں ہونا صحیح ہے یا ضعیف یا افتراء محض؟“ آپ جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ”قصہ عقد حضرت قاسم بن الحسن علیہ السلام بے اصل محض ہے۔“

اسی طرح ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں۔ ”جناب قاسم کی شادی فاطمہ کبریٰ سے میدان کر بلا میں ہونا بالکل غلط ہے۔ مہندی اٹھانے کی منت درست نہیں۔ مہندی اٹھانے والوں پر کذب علی المعصوم کے سب آثار مرتب ہوں گے۔ مہندی قاسم کی بجائے تابوت اٹھائیں۔ شہادت قاسم پڑھیں۔ یا علم یا تعزیہ یا گہوارہ اصغر اٹھانے کی صحیح یادگار قائم کریں۔“

(۶) حجۃ الاسلام آقا سید محمد کاظم طباطبائی صاحب عروۃ الوثقیٰ فرماتے ہیں: ﴿وقوع این قضیہ معلوم نیست ہر چند در بعض کتب بدون سند معتبر مذکور باشد﴾ اس قضیہ کا واقع ہونا معلوم نہیں ہے۔ اگرچہ بعض کتب میں سند معتبر کے بغیر مذکور ہے۔“

۱۔ ہدایات ناصرین۔

۲۔ اخبار شیعہ، لاہور، محرم نمبر بابت ۱۳۵۳ھ، ہر دو فتویٰ بحوالہ رسالہ تحقیقات روایات محرم، ص ۲۱، ۲۶،



(۷) حجة الاسلام آقا خوند ملا کاظم خراسانی صاحب کفایۃ الاصول فرماتے ہیں: ﴿منشاء الشہار این

قضیہ را در السنہ و افواہ و عدم ذکر آن در کتب تواریخ معتمد علیہا مرحوم علیین مقام ثقہ الاسلام وحید عصرہ آقائے حاجی نوری قدس سرہ در کتاب لؤلؤ و مرجان کہ برائے سر مشق اہل منبر تصنیف فرمودہ اند مشروحاً بیان فرمودہ اند بان کتاب مراجعہ شود ﴿اس قضیہ کے صرف مشہور ہونے مگر کتب معتبرہ میں موجود نہ ہونے کی تفصیل ثقہ الاسلام وحید عصرہ آقائے حاجی نوری قدس سرہ نے اپنی کتاب لؤلؤ و مرجان میں بیان کر دی ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۸) شریعت مدار آقا شیخ عبداللہ مازندرانی فرماتے ہیں: ﴿الی الآن مستندے کہ بتوان اعتماد

نمود۔ در باب وقوع این قضیہ بدست نیاید ﴿اس قضیہ کے متعلق اب تک کوئی قابل اعتماد چیز معلوم نہیں ہو سکی۔“

(۹) جناب آقا شیخ حسین مازندرانی تحریر فرماتے ہیں: ﴿اما اصل این قضیہ پس ہنوز بدرجہ

تحقیق و ثبوت و یقین نرسیدہ بلکہ عدمش محقق است ﴿اس قضیہ کا واقع ہونا درجہ تحقیق تک نہیں پہنچا۔ بلکہ اس کا عدم وقوع مسلم ہے۔“

(۱۰) جناب آقا غلام حسین الاصفہانی لکھتے ہیں: ﴿خواندن آن مقدارے کہ در منتخب مذکور

است بانسبت ہماں کتاب ہم غیر جائز است ﴿بلا شک و شبہ صرف اس مقدار کا پڑھنا بھی ناجائز ہے۔ جو منتخب طریقی میں مذکور ہے۔“

ان تمام علماء اعلام کے تفصیلی فتاویٰ عقد قاسم کی نفی کے سلسلہ میں رسالہ ”زہدۃ المشتاق“ فی فتاویٰ علماء

العراق میں مفصل مذکور ہیں۔ نیز ان اعظم میں سے اکثر نے جناب محدث نوری کی کتاب مستطاب اللؤلؤ والمرجان کی

توثیق کرتے ہوئے مزید تحقیق و تسلی کے لئے اس کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ بھی دیا ہے۔ بنظر اختصار ان حضرات

کے فتاویٰ کے مختصر اجزاء نقل کئے گئے ہیں۔ شائقین تفصیل مذکورہ بالا رسالہ کی طرف رجوع کریں۔

(۱۱) صاحب ناخ التواریخ لکھتے ہیں: ﴿دامادی قاسم در کربلا و تزویج کردن حسین علیہ

السلام فاطمہؑ را باد از اکاذیب روات است و حسین علیہ السلام را از دو دختران افزوں

نبود۔ یکے فاطمہؑ زوجہ حسن مثنیٰ و آن دیگرے سکینہ بود ﴿(ناخ ج ۶ ص ۲۷۱) ”جناب قاسم کی

دامادی کا قصہ یعنی یہ کہ امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں جناب قاسم کی اپنی دختر فاطمہ کے ساتھ تزویج کی تھی۔ بالکل

جھوٹی روایت ہے۔ کیونکہ امام حسینؑ کی صرف دو ہی صاحبزادیاں تھیں۔ ایک فاطمہ جو حسن مثنیٰ کی زوجیت میں تھیں



(۱۲) صاحب مقام ذخار لکھتے ہیں: ﴿مورخین و محدثین فریقین در عدد اولاد امجاد حضرت امام صلوات اللہ و سلامہ علیہ اختلاف نموده اند﴾ ”اکثر اصحاب خبر و ارباب سیر چہار پسر و دو دختر و زمرہ وہ نفر گفتہ۔ فریقین کے محدثین و مورخین نے جناب امام حسینؑ کی اولاد کی تعداد کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ اکثر اصحاب خبر و ارباب سیر نے چار لڑکے اور دو لڑکیاں اور بعض نے دس اولادوں کا ذکر کیا ہے۔“ (ص ۵۳۸)

(۱۳) سرکار علامہ علی الحائری مجتہد پنجاب اس موضوع کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں ”عروسی جناب قاسم کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔ اس لیے میرے نزدیک عروسی قاسم کا پڑھنا درست نہیں ہے اور یہ قصہ بالکل بے اصل اور افتراء محض ہے۔ اس جھوٹے قصے کا پڑھنا اور سننا معصیت میں داخل ہے۔ وھو العالم“ (رسالہ الحافظ لاہور، بابت ماہ جولائی، ۱۹۲۶ء، مطابق محرم الحرام ۱۳۴۵ھ، ج ۲، نمبر ۵)

تیسری دلیل :- خود اس قصہ کے نقل کرنے والے حضرات کے بیانات سے اس کی نفی ہوتی ہے اور اس کا بے اصل و بے بنیاد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ کاشفی نے روضۃ الشہداء میں دامادی قاسم کا قصہ بیان کرتے وقت یہ وضاحت نہیں کی۔ کہ جناب سید الشہداء کی کس صاحبزادی سے ان کا عقد ہوا تھا؟ انہوں نے ایک اور مقام پر تصریح کی ہے کہ جناب سید الشہداء کی کل دو صاحبزادیاں تھیں فاطمہ اور سیکینہ پھر لکھا ہے کہ سیکینہ صغیراں تھیں اور فاطمہ کی شادی حسن ثنیٰ سے ہو چکی تھی۔ سید الشہداء کی اولاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ”اور اچہار پسر و دو (۲) دختر بودہ“ (روضۃ الشہداء ص ۴۳۰ طبع بمبئی)۔ اسی صفحہ کے آخر میں لکھا ہے: ﴿و چوں فاطمہ خواہر زین العابدین ہم از شہر بانو بودہ و بہ حسن بن حسن دادہ اند پس اولاد حسن مثنیٰ را پیا مبری و بادشاہی جمع شد﴾ ان عبارتوں پر نظر کرنے سے صاحب روضۃ الشہداء کے کلام کا باہم تناقض اور قصہ مذکور کا بے اصل و بے بنیاد ہونا مخفی نہیں رہ جاتا۔ باقی رہ گئے جناب شیخ طریقی صاحب منتخب انہوں نے بھی خود تصریح کر دی ہے۔ کہ انہوں نے بھی یہ قصہ کتب معتبرہ اور روایات معتمدہ میں کہیں نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی مستند ماخذ کا حوالہ دیا ہے بلکہ صرف ”نقل“ کہہ کر اس کے ضعیف ہونے پر نص قائم کر دی ہے۔ (منتخب ص ۱۸۳ طبع بمبئی) اور یہی کیفیت اسرار الشہادت کے بیان و کلام کی ہے کیونکہ انہوں نے اس قصہ کو منتخب کے حوالہ سے نقل کیا ہے (اسرار ص ۲۸۶) اور اسکے (ص ۲۸۷) پر اعتراف کیا ہے کہ ارباب مقاتل کے جم غفیر نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ بلکہ بعض ماہرین فن نے کہا ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی قابل اعتبار ماخذ نہیں ہے۔ پھر صفحہ ۲۸۸ پر اس بے



سر و پا قصہ کے بعض مضحکہ خیز مؤیدات ذکر کئے ہیں مثلاً (۱) یہ کہ ایسا واقعہ ہونا چاہیے تاکہ مصائب کی تکمیل ہو (۲) مرثیہ گو اور مجالس خواں اس واقعہ کو برابر پڑھتے ہیں (۳) عرب و عجم اور ہند و غیرہ کے شعراء نے برابر اس واقعہ کو نظم کیا ہے (۴) بعض خوابوں سے بھی اس کی تائید مزید ہوتی ہے۔ ان مؤیدات کا اہل علم و تحقیق کے نزدیک جو وزن و مقام ہے۔ وہ صاحبان علم و عرفان پر مخفی و مستور نہیں ہے۔

ع کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

پس جب اس قصہ کے ناقلین خود اپنے بیانات سے شعوری یا لاشعوری طور پر اس کی تضعیف کر رہے ہیں تو پھر کس طرح اس کی صحت پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ ہم قبل ازیں سید الشہداء کی اولاد کے ضمن میں تاریخی شواہد و حوالہ جات کے ساتھ آنجناب کی صاحبزادیوں کا صرف دو عدد ہونا ثابت کر چکے ہیں۔ میرزا سپہر کا شانی نے ناخ میں لکھا ہے: ﴿و آنحضرت را از دو دختران افزوں نبود۔ نخستین فاطمہؑ و اں دیگر سکینہؑ﴾ حتیٰ کہ خود صاحب منتخب نے بھی ایک مقام پر تسلیم کیا ہے کہ کان للحسین بنتان سکینہ و فاطمہ الصغریٰ۔ اور ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی جناب قاسم کی شادی متصور نہیں ہو سکتی۔

یہی تھے دو حساب سویوں پاک ہو گئے

چوتھی دلیل :- روضۃ الشہداء اور منتخب طریقہ کسی میں بھی یہ مذکور نہیں ہے کہ جناب قاسم کا یہ مفروضہ عقد آنجناب کی کس صاحبزادی کے ساتھ ہوا؟ اب بفرض تسلیم اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا جناب فاطمہ سے ہوا ہوگا جیسا کہ قزوینی نے ریاض الشہادۃ میں لکھا ہے۔ یا جناب سکینہ سے جیسا کہ بحر الانساب کے مؤلف نے ایک نسخہ کی بناء پر لکھا ہے۔ پہلی شق اس لئے غلط ہے کہ واقعہ کر بلا سے پہلے اس محذره کی شادی امام حسنؑ کے بڑے صاحبزادے حسن ثنی کے ساتھ ہو چکی تھی۔ اور وہ واقعہ کر بلا میں موجود بھی تھے۔ اور جناب سکینہ بنا بر مشہور بوجہ صغریٰ شادی کے قابل نہ تھیں اور اگر ان کو قابل ازدواج تسلیم کر لیا جائے تو پھر جن کتب میں ان کا اس قابل ہونا مذکور ہے ان میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ ان کا ازدواج عبداللہ بن حسنؑ کے ساتھ ہو چکا تھا۔ اور عبداللہ بن حسنؑ بھی واقعہ کر بلا میں موجود تھے۔

بحر الانساب کے مجہول الحال مؤلف نے اس مفروضہ کو زبیدہ بنت الحسینؑ کی طرف منسوب کیا ہے۔

۱۔ ارشاد شیخ مفید، ص ۱۰۹۔ کشف الغمہ، ارغلی، ص ۱۷۲۔ عاشر بحار الانوار، ص ۱۳۸۔ مقاتل الطالبین، ص ۱۳۹ وغیرہ۔

۲۔ مذکورہ بالا حوالہ جات۔

۳۔ مجاہد اعظم، ج ۱، ص ۲۳۰۔ اعلام الورعی طبری، ص ۱۲۷۔ اسعاف الراغبین بر حاشیہ نور الابصار، ص ۲۰۲۔



حالانکہ باتفاق مؤرخیں آنجناب کی کوئی اس نام کی دختر تھی ہی نہیں۔ بہر کیف جب اس قصہ کی تمام شقیں باطل ہیں۔ تو بعد ازاں مجبوراً اس واقعہ کو بے اصل اور بے سرو پا تسلیم کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔

### ایک خیال کا ابطال

باقی رہا یہ احتمال کہ شاید جناب سید الشہداء کی دو صاحبزادیاں بنام فاطمہ تھیں: (۱) فاطمہ کبریٰ۔ (۲) فاطمہ صغریٰ۔ اور ایک کی شادی حسن شہی اور دوسری کی شادی قاسم سے ہوئی تھی۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ ہم اسی کتاب میں اولاد امام کے ضمن میں لکھ آئے ہیں۔ کہ امام کی اس نام کی ایک ہی صاحبزادی تھیں۔ انہی کو کبریٰ و صغریٰ کہا جاتا ہے۔ کبریٰ اس وجہ سے کہ وہ جناب سیکنہ سے بڑی تھیں۔ اور صغریٰ اس لئے کہ اپنی ہم نام جدہ ماجدہ حضرت فاطمہ زہراؑ سلام اللہ علیہا سے چھوٹی تھیں۔

پانچویں دلیل: ایک ضرب المثل ہے کہ ﴿نقل را عقل باید﴾ اگر چند لمحوں کے لئے سابقہ تمام دلائل و براہین سے قطع نظر بھی کر لیا جائے۔ اور صرف روز عاشوراء کے عدیم النظیر اور جانگداز اور روح فرسہ حالات۔ امام اور ان کے اصحاب و اعزاء کی پریشاں حالی مخدرات کے قلق و اضطراب کو دیکھتے ہوئے دوسری طرف اس قصہ دامادی کے مندرجات پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے کہ جن میں وارد ہے ”آپؑ نے قاسم کا ہاتھ تھاما۔ اور خیمہ میں تشریف لائے۔ اپنے بھائیوں عون، محمد اور عباس کو طلب فرمایا۔ اور والدہ قاسم سے ارشاد کیا۔ قاسم کے لئے کپڑے نہیں ہیں؟ انہوں نے عرض کی نہیں۔ تب آپؑ نے اپنی بہن زینبؑ سے فرمایا کہ میرے پاس کپڑوں کا صندوق اٹھالو۔ وہ لے آئیں اور ان کے سامنے رکھ دیا۔ آپؑ نے صندوق کھول کر امام حسنؑ کی قبائلی۔ اور قاسم کو پہنائی پھر ان کے سر پر امام حسن کا عمامہ باندھا۔ اور اپنی بیٹی کو جو قاسم سے منسوب تھیں۔ ہاتھ تھام کر قاسم سے عقد کر دیا۔ ایک خیمہ ان کے لئے خالی کر دیا۔ اور بیٹی کا ہاتھ تھام کر قاسم کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور خیمہ سے باہر تشریف لے گئے۔

۔۔۔۔۔ یکا یک انہوں نے سنا کہ دشمن ”هل من مبارز“ کی آواز دے رہے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے اپنی زوجہ کو چھوڑ دیا۔ خیمہ سے باہر آنے کا ارادہ کیا۔ فرمانے لگے۔۔۔۔۔ (یہاں محبت اور فرقت کے جذبات سے لبریز چند اشعار درج ہیں۔ جو بجائے خود شہزادہ کی شان کے منافی ہیں) اور اس وقت ان کی دلہن نے ان کا دامن تھام لیا۔ باہر جانے سے روکا۔ اور کہا کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ اور کس کام کا ارادہ کر رہے ہو؟ قاسم نے کہا کہ دشمنوں کا مقابلہ کا ارادہ کر رہا ہوں۔ اور وہ لڑائی کے لئے بلا رہے ہیں۔۔۔۔۔ ان کی عروس نے پھر روکا۔ قاسم نے فرمایا میرا دامن چھوڑ دو۔ ہماری عروسی ختم ہوئی اس پر وہ دلی رنج سے روئیں۔ نوحہ کیا ان کے رخساروں پر آنسو جاری تھے۔ پھر کہا میں قیامت



کے دن تم کو کس طرح پہچانوں گی؟ اور تم کس جگہ ملو گے؟ یہ سن کر قاسم نے اپنی آستین چاک کر کے الگ کی اور کہا کہ اے چچا کی بیٹی! تم مجھ کو اس آستین سے پہچان لینا۔ قاسم کی ان باتوں سے اہل بیت میں بہت رقت و زاری ہوئی۔ (ترجمہ قصہ دامادی قاسم مندرجہ روضۃ الشہداء و منتخب طرحی وغیرہ)

پھر ار باب عقل و انصاف خدا کو حاضر جان کر اور بالکل خالی الذہن اور غیر جانبدار ہو کر بتائیں۔ کہ آیا ان حالات میں ایسے واقعہ کا رونما ہونا ممکن ہے؟ اور کیا یہ مندرجہ بالا واقعات و کوائف اہل بیت رسول کی شان اقدس کے مطابق ہیں؟ یا ان سے سراسر ان کی توہین و تذلیل کا پہلو نکلتا ہے؟ ایک غیر مسلمان یا آل رسول کی امامت کا منکر اس قصہ کو پڑھ کر اس خانوادہ عصمت و طہارت کے متعلق کیا تاثر لے گا؟ بہر کیف عقل و خرد ایک لمحہ کے لئے اس قصہ کو صحیح تسلیم نہیں کر سکتی۔

پس ان حقائق کی روشنی میں روز روشن سے بھی زیادہ واضح و آشکار ہو جاتا ہے۔ کہ دامادی قاسم کا قصہ غلط محض اور بالکل بے بنیاد اور سراسر افتراء علی المعصوم ہے۔ جو بالاتفاق حرام ہے۔ لہذا اس واقعہ کا مجالس عزائم میں پڑھنا یا سننا قطعاً حرام ہے۔ اہل منبر کو ایسے مہمل اور بے سرو پا قصص و حکایات بیان کرنے سے اجتناب کرنا واجب و لازم ہے۔ واللہ الموفق والمعین و یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

### امر سیوم: شہزادہ قاسم کی پائمالی لاش کی تحقیق

اس باب میں ار باب مقاتل میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ کہ جناب شہزادہ کی لاش مقدس پائمال سم اسپاں ہوئی تھی یا نہ؟ سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے جلاء العیون میں لکھا ہے: ﴿آں طفل معصوم در زیر سم اسپاں کوفتہ شد﴾۔ اور بحار الانوار (ج ۱۰ ص ۲۰۰) میں لکھا ہے: ﴿و وطنتہ حتی مات الغلام﴾ گھوڑوں نے اپنی ٹاپوں کے نیچے شہزادہ کو روند دیا۔ یہاں تک اس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ جناب موصوف کے کلام سے متاثر ہو کر مہیج الاحزان، ناسخ التواریخ، ریاض الشہادۃ اور مخزن البکاء کے مؤرخین نے بھی ایسا ہی لکھا ہے مگر تحقیقی قول یہ ہے۔ کہ شہزادہ کی لاش مقدس پامال نہیں ہوئی۔ اس تحقیقی نظریہ پر شواہد پیش کرنے سے پہلے اس اختلاف کے منشاء کی نشاندہی کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سو مخفی نہ رہے کہ اس اختلاف کا منشاء شہادت قاسم کے واقعہ میں وارد شدہ بعض ضمیروں کے مرجع کی تعین ہے کہ وہ ضمیر جناب قاسم کے قاتل کی طرف لوٹی ہیں۔ یا خود جناب شہزادہ کی طرف؟

اس اجمال کی بقدر ضرورت توضیح یہ ہے۔ کہ جب عمرو بن سعد بن نفیل از دی نے شہزادہ کے سر پر تلوار کا وار کیا۔ اور شہزادہ گھوڑے کی زین سے زمین پر تشریف لایا۔ تو اس وقت اپنے عم معظم کو آواز دی: ﴿یا عمما﴾ اس مقام پر تمام مؤرخین نے لکھا ہے کہ ﴿جلی الحسن کما یجلی الصقر﴾ کہ جناب سید الشہداءؑ بھتیجے کی آخری آواز سن



کر اس طرح تیزی سے ان کے پاس جھپٹ کر گئے۔ جیسے باز اچھے شکار پر جھپٹتا ہے۔ ﴿ثم شد شدة لیث اغضب﴾ پھر قاتل پر غضب ناک شیر کی طرح حملہ کیا اب ابن نفیل نے ہاتھ سے وار کوروکا۔ جس سے اس کا بازو کٹ گیا۔ اس نے اس قدر بلند آواز سے شور مچایا کہ تمام لشکر نے اس کی آواز سنی: ﴿و حملت خیل اهل الكوفة لیستنفذوا عمرواً فاستقبلته بصدورها اجالت فتوطاته حتی مات﴾ اہل کوفہ نے یکبارگی حملہ کر دیا۔ تاکہ عمرو کو امام کے پیچھے سے چھڑائیں۔ وہ گھوڑوں کے دوڑتے وقت ان کے سموں کے نیچے آ گیا۔ گھوڑوں نے اسے روند ڈالا۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ سب اختلاف اس میں ہے۔ کہ فتوطاتہ، استقبلتہ اور مات کی خط کشیدہ ضمیروں کا مرجع کون ہے ابن نفیل؟ یا شہزادہ قاسم جناب علامہ مجلسیؒ اور ان کے ہم خیال حضرات نے ان کا مرجع جناب قاسم کو قرار دیا ہے۔ لیکن مؤرخین کی جو عبارت ہم نے نقل کی ہے۔ اس کے سیاق و سباق اور خود نفس عبارت پر تامل صادق کرنے سے یہ بات واضح و آشکار ہو جاتی ہے۔ کہ ان تمام ضماز کا مرجع ابن نفیلؒ ہے۔ نہ کہ جناب قاسم۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اہل تحقیق ارباب مقاتل نے بالتصریح ان ضماز کا مرجع ابن نفیلؒ از دی کو قرار دیا ہے۔ قارئین کرام کے اطمینان قلب کے لئے چند اہل علم حضرات کی عبارات نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) محدث قمی نفس المہموم (ص ۱۷۱) میں لکھتے ہیں: ﴿فلما حملت الخیل استقبلته بصدورها و اجالت فتوطاته فلم یرم حتی مات لعنه الله و اخزاه﴾ یہ عبارت بطور نص دلالت کرتی ہے۔ کہ ضمیروں کا مرجع قاتل ہے۔

(۲) فاضل عالمی لوائح الاشجان (ص ۱۴۱) میں تحریر فرماتے ہیں: ﴿و حمل اهل الكوفة لیستنفذوه فوطات الخیل عمرواً بارجلها حتی مات﴾ اس عبارت میں ضمیر کے مرجع کی تصریح موجود ہے کہ عمروؓ زندہ گیا۔ (۳) صاحب ذخیرۃ الدارین نے (ص ۱۵۳ پر) لکھا ہے: ﴿و حملت خیل عمر بن سعد لیستنفذوه من الحسین﴾ فلما حملت الخیل فاستقبلته بصدورها فوطاته فلم یرم حتی مات اللعین﴾ اس عبارت میں بھی تصریح موجود ہے۔ کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے اس ملعون نے دم توڑ دیا۔“

(کذا فی البصار لعین، ص ۴۲)

(۴) صاحب مقام ذخار (ص ۳۶۸ پر) لکھتے ہیں: ﴿سواران کوفہ از ہر طرف بیامدند مگر بتوانند او را خلاصی دهند۔ جنگ مغلوبہ شد۔ و حبثۃ خبیث او در زیر سم ستوران خورد گشت۔ و روح ناپاک بما لکان جہنم بسپرد﴾ یہ عبارت بھی عیاں را چہ ہیاں کی مصداق ہے۔ کہ عمر بن سعد



بن نفیل پائمال سم آسپان ہو کر واصل جہنم ہوا۔

(۵) فاضل معاصر شہید انسانیت (ص ۵۰۰ پر) لکھتے ہیں: ”حسینؑ غضب ناک شیر کی طرح جھپٹ کر قریب پہنچے۔ عمر بن سعد بن نفیل جس نے قاسم کو قتل کیا تھا۔ ابھی پاس ہی موجود تھا۔ آپؑ نے اس پر تلوار کا وار کیا۔ جس سے اس کا ہاتھ کہنی سے کٹ کر گر گیا۔ لشکر مخالف اس کو بچانے کے لئے حسینؑ پر ٹوٹ پڑا۔ مگر اس طرح چاروں طرف سے بے تحاشا گھوڑے دوڑا کر وہ لوگ اس کی کمک کو آئے کہ وہ خود اپنے ہوا خواہوں کے گھوڑوں سے پامال ہو کر ہلاک ہو گیا۔“ اس مطلب پر ایک قرینہ یہ بھی ہے۔ کہ سم اسپاں کے نیچے آنے والا مر گیا تھا۔ مگر شہزادہ کے متعلق قریباً قریباً سب مورخین نے لکھا ہے۔ کہ جب یہ ہنگامہ ختم ہوا۔ اور غبار جنگ پھٹا۔ تو حسینؑ شہزادے کے پاس کھڑے تھے۔ اور شہزادہ ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ بعد ازاں روح مقدس جنت الفردوس کی طرف پرواز کر گئی۔

بجہ تعالیٰ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ جناب شہزادہ قاسم کی لاش مقدس پامال نہیں ہوئی۔ بلکہ ان کے قاتل کی نجس لاش پامال ہوئی۔ جس سے وہ واصل جہنم ہوا۔

چوتھا امر:- شہزادہ قاسمؑ کی ارزق شامی اور اس کے بیٹوں کے ساتھ جنگ کرنے کی تحقیق :-

کتب غیر معتبرہ میں یہ قصہ بڑے شد و مد کے ساتھ درج ہے۔ مگر چونکہ تمام علماء متقدمین اور علماء متاخرین میں سے حضرات محققین کی کتب مقاتل میں اس قصہ کا کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا۔ اس لئے اسے ہر گز صحیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

### واقعات کربلا کی صحت و سقم معلوم کرنے کا معیار

ارباب بصیرت جانتے ہیں۔ کہ واقعات و روایات کربلا کی صحت و سقم معلوم کرنے کا وہ طریقہ نہیں جو دوسری فقہی روایات کے صحت و سقم معلوم کرنے کا ہے۔ کیونکہ اگر اس معیار پر ان واقعات کو جانچا جائے۔ تو نتیجہ بہت ہی مایوس کن نکلے گا۔ بلکہ واقعات کربلا کی صحت یا عدم صحت معلوم کرنے کا میزان محقق علماء کی لکھی ہوئی کتب میں کسی واقعہ کا درج ہونا یا نہ ہونا ہے۔ اگر انہوں نے کوئی واقعہ لکھ دیا ہے۔ تو اسے صحیح تسلیم کیا جائے گا۔ اور اگر انہوں نے کسی واقعہ کو نظر انداز کر دیا ہے۔ تو اسے غلط تصور کیا جائے گا۔ بنا بریں چونکہ تمام کتب سیر و مقاتل اس طلسم ہوشربا سے خالی ہیں۔ اس لئے اسے صحیح تسلیم کرنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ اس قدر تمہیدی و تحقیقی بیانات کے بعد ہم اصل مقصد کی طرف عود کرتے ہیں۔

### شہزادہ قاسمؑ کی شہادت

جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ شہادت اولاد عبد اللہ بن جعفر طیارؑ کے بعد اولاد امام حسنؑ نے



میدان جنگ کا رخ کیا۔ اور سب سے پہلے شہزادہ قاسم بن حسن میدان میں جانے کے لئے خیام سے نکلے۔ راویان اخبار کا بیان ہے۔ کہ ان کی تیاری دیکھ کر سرکار سید الشہداء نے اپنی بائیں ان کے گلے میں ڈال دیں اور دونوں چچا بھتیجا اس قدر روئے۔ کہ ان پر غشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب افاتہ ہوا۔ تو شہزادہ نے اذن جہاد طلب کیا۔ اور امام نے بھائی کی نشانی کو اجازت دینے میں پس و پیش کیا۔ شہزادہ نے بڑی الحاح و زاری کے ساتھ اپنے عم بزرگوار کے ہاتھ اور پاؤں چوم چوم کر اجازت حاصل کی۔ اور شہزادہ اس حال میں میدان کی طرف نکلا کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ منتخب طریقے میں ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا: ﴿يَا وَلَدِي اَتَمْشِي بِرَجْلِكَ اِلَى الْمَوْتِ؟﴾ بیٹا قاسم! کیا تم اپنے قدموں سے چل کر موت کی طرف جاتے ہو؟ شہزادہ نے جواب میں عرض کیا: ﴿كَيْفَ لَا يَا عَمَّ اَوَّ اَنْتَ بَيْنَ الْاَعْدَاءِ صِرْتُ وَحِيدًا فَرِيدًا لَمْ تَجِدْ مُخَامِيًا وَلَا صَدِيقًا. رُوْحِي لِرُوْحِكَ الْفِدَاءَ وَنَفْسِي لِنَفْسِكَ الْوَفَاءَ﴾ عم بزرگوار! بھلا میں کیونکر ایسا نہ کروں۔ جبکہ آپ کو نرغہ اعداء میں بے یار و مددگار یکا و تنہا کھڑا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ میری جان آپ پر نثار ہو نیز اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ﴿ثُمَّ اَنَّ الْحَسِينَ شَقَّ اَزِيقَ الْقَاسِمِ وَقَطَعَ عِمَامَتَهُ نَصْفَيْنِ ثُمَّ اَوَّلَاهَا عَلٰی وَجْهِهِ ثُمَّ الْبَسَهُ ثِيَابَهُ بِصُورَةِ الْكَفَنِ وَشَدَّ سَيْفَهُ بَوْسُطِ الْقَاسِمِ وَارْسَلَهُ اِلَى الْمَعْرَكَةِ﴾ پھر امام حسین نے قاسم کے گریبان کو چاک کر دیا اور عمامہ کے دو حصے کر کے چہرہ پر لٹکا دیئے۔ اور کفن کی طرح لباس پہنا کر اپنی تلوار ان کی کمر کے ساتھ لٹکائی۔ پھر معرکہ جنگ کی طرف روانہ کیا۔ شہزادہ یہ رجز پڑھتے ہوئے ہنگامہ حرب و ضرب میں کود پڑا

سبط النبی المصطفیٰ المؤمن

ان تنکوونی فانا ابن الحسن

بین اناس لا سقوا صوب المزن

هذا حسین کالا سیر المرتھن

حمید بن مسلم کہتا ہے۔ میں لشکر پیر سعد میں موجود تھا کہ ﴿اَخْرَجَ الْبِنَا غِلَامَ كَانَ وَجْهَهُ شَقَهُ قَمَرٍ وَ

فِي يَدِهِ السَّيْفُ وَ عَلَيْهِ قَمِيصٌ وَ اَزَارُو نَعْلَانِ قَدْ اِنْقَطَعَ شَسْعُ احَدِهِمَا مَا اَنَسَى اَنْهَا الْيَسْرَى﴾۔ خیام حسین سے ہماری طرف ایک نوخیز لڑکا نکلا۔ جس کا چہرہ شدت حسن و جمال سے چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ ہاتھ میں تلوار تھی۔ قمیص پہنے ہوئے اوپر چادر اوڑھے ہوئے۔ پاؤں میں جوتے اور ایک جوتے کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا میں نہیں بھولتا۔ کہ وہ بایاں جوتا تھا۔ پھر شجاعت علویہ کے اس وارث نے بڑھ بڑھ کے حملے شروع کئے۔ شدت پیاس اور

۱۔ نفس المہموم ص ۱۷۰۔ عاشر بہار ص ۲۰۰۔ لؤلؤ الاشجان ص ۱۴۰۔ فرسان النجباء ج ۲ ص ۲۷ وغیرہ۔

۲۔ منتخب طریقے۔

۳۔ ایضاً۔



صغریٰ کے باوجود پینتیس اور بروایت ستر (۷۰) لاکھ ناریوں کو واصل جہنم کیا۔ حمید بن مسلم کہتا ہے کہ جب شہزادہ جنگ کر رہا تھا۔ تو عمر بن سعد بن نفیل ازدی جو میرے پاس کھڑا تھا۔ کہنے لگا۔ میں ضرور اس پر حملہ کروں گا۔ میں نے کہا تجھے حملہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آیا اس قدر فوج کثیر تھوڑی ہے؟ ابن نفیل نے کہا: نہیں میں ضرور اس پر حملہ کروں گا۔ اسی اثنا میں جب شہزادہ اس کے قریب پہنچا۔ تو اس نے آگے بڑھ کر تلوار سے شہزادہ کے فرق مبارک پر ایسا وار کیا۔ جس سے شہزادہ کا سر مبارک شگافتہ ہو گیا۔ اور شہزادہ تیوراً کر زین اسپ سے منہ کے بل فرش زمین پر گر پڑا۔ اور اپنے عم نامدار کو آواز دی۔ یا عماء۔ امام عالی مقام شہزادہ کی آواز استغاثہ سن کر اس طرح جھپٹ کر شہزادے کے پاس پہنچے۔ جس طرح باز شکار پر گرتا ہے۔ دیکھا کہ ہنوز قاتل وہیں کھڑا ہے۔ امام نے غضبناک شیر کی طرح اس پر حملہ کیا۔ اس نے ہاتھ سے وار روکنا چاہا جس سے اس کا بازو کٹ کر زمین پر جا گرا۔ ملعون نے آواز داد و فریاد بلند کی۔ ابن سعد کے کئی گھڑ سوار اسے بچانے کے لئے بے تحاشا دوڑے۔ اسی اثنا میں وہ شتی گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے آ کر کچلا گیا۔ اور واصل جہنم ہو گیا۔

جب غبار جنگ پھٹا۔ تو لوگوں نے دیکھا کہ امام علیہ السلام شہزادے کے سر ہانے کھڑے ہیں۔ شہزادہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ اور امام علیہ السلام نہایت غم و اندوہ کے لہجہ میں فرما رہے ہیں: ﴿بُعْدًا لِقَوْمٍ قَتَلُواكَ وَمَنْ خَصِمَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَكْ جَدُّكَ﴾ ہلاکت ہو اس قوم کے لیے جس نے تمہیں قتل کیا ہے اور ان کے لیے جن کے تمہارے جد نامدار قیامت کے دن دشمن ہوں گے۔ پھر فرمایا: ﴿عَزَّ وَاللَّهِ عَلَيَّ عَمَّكَ أَنْ تَذْغُوهُ فَلَا يُجِيْبُكَ أَوْ يُجِيْبُكَ فَلَا يَنْفَعُكَ صَوْتُهُ. هَذَا يَوْمٌ وَاللَّهِ كَثُرَ وَاقِرُهُ وَقَلَّ نَاصِرُهُ﴾ بخدا تمہارے چچا پر یہ چیز بہت ہی شاق ہے کہ تم انہیں پکارو۔ اور وہ جواب نہ دے سکیں۔ یا اگر جواب دیں تو ان کا جواب تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ بخدا آج انتقام لینے والے (دشمن) زیادہ اور یار و مددگار (دوست) کم ہیں۔“

پھر شہزادہ کی لاش مقدس کو خیام کی طرف اٹھالائے۔ حمید یہ واقعہ نقل کرتے ہوئے کہا کرتا تھا: ﴿كَانَ أَنْظَرَ إِلَى رَجُلِي الْغَلَامِ تَخْطَانِ عَلَى الْأَرْضِ﴾ گویا میں ابھی دیکھ رہا ہوں کہ شہزادے کے دونوں پاؤں زمین پر خط دیتے ہوئے آرہے تھے۔ پھر لا کر شہزادہ کو اس خیمہ کے سامنے لٹا دیا۔ جو مرکز سپاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ جہاں شہزادہ علی اکبرؑ کی لاش مقدس پڑی ہوئی تھی۔ پھر فرمایا: ﴿اللَّهُمَّ أَحْصِهِمْ عَذَابًا وَاقْتُلْهُمْ بَذَا وَلَا تَعَاذِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا وَلَا تَغْفِرْ لَهُمْ أَبَدًا﴾ انا للہ وانا الیہ راجعون

۱۔ تاریخ التواریخ، ج ۶، ص ۲۷۲۔

۲۔ عاشر بحار، ص ۲۰۰۔ نفس المہموم، ص ۱۷۱۔ لولع اللہجان، ص ۱۴۱۔ فرسان السیما، ج ۲، ص ۲۷۔ تقام، ص ۳۶۸۔ طبری، ج ۶، ص ۲۵۶۔



## (۱۰) ابو بکر بن حسن بن علی بن ابی طالب علیہ السلام کی شہادت

یہ قاسم ابن الحسن کے ماں اور باپ دونوں کی طرف سے گئے بھائی تھے۔ ارباب سیر و مقاتل کے کلام میں شدید اضطراب و اختلاف ہے۔ کہ آیا ابو بکر ابن الحسن اور عبد اللہ ابن الحسن الاکبر دو شخص ہیں یا ایک ہی شخصیت کے دو عنوان ہیں۔ بظاہر صاحب ناخ کی تحقیق قابل قبول معلوم ہوتی ہے کہ ایک ہی شخص کے دو عنوان ہیں۔ ان کا نام عبد اللہ اور کنیت ابو بکر تھی۔ یہ شہزادہ قاسم سے بڑے تھے۔ صاحب مقتل الحسین کی تحقیق بھی یہی ہے۔ ان کے عین الفاظ یہ ہیں:- ﴿وخرج ابو بکر بن الحسن بن امیر المومنینؑ وهو عبد اللہ الاکبر الخ﴾ (ص ۳۰۶) صاحب فرسان الہیاء نے بھی (ج ۱ ص ۲۳۸) یہی احتمال ذکر کیا ہے کہ ﴿احتمال می رود کہ ہمیں عبد اللہ بن الحسن (الاکبر) ابو بکر بن الحسن المتقدم باشد﴾ لیکن اس صورت میں اشکال یہ لازم آتا ہے۔ کہ اہل مقاتل نے ابو بکر کے قاتل کا نام عبد اللہ بن عقبہ غنوی اور عبد اللہ اکبر کے قاتل کا نام ہانی بن شیبہ حضرمی یا حرمہ لکھا ہے۔ البتہ اس طرح اس اشکال کا ازالہ ممکن ہے۔ کہ ہر دو ملعون شہزادہ کے قتل میں شریک ہوں۔ واللہ العالم بالتعدد و الاتحاد۔ بہر کیف شہزادہ قاسم کی شہادت کے بعد یہ اذن جہاد لے کر اور یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں تشریف لائے۔

ان تنکرونی فانا ابن حیدرہ

علی الاعادی مثل ریح صرصہ

پھر داد شجاعت دیتے ہوئے چودہ ناریوں کو واصل جہنم کیا بالآخر۔ عبد اللہ بن عقبہ الغنوی اور بروایت حرمہ

بن کاہل کے تیر سے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

## (۱۱) عبد اللہ (الاصغر) بن الحسن بن علی بن ابی طالب کی شہادت

آپ کی والدہ رملہ بنت شلیل بن عبد اللہ الجبلی تھیں۔ شلیل صحابی رسول تھے۔ اور بعض نے یہ لکھا ہے کہ ان کی والدہ ام ولد تھیں۔ یہ شہزادہ صغیر السن تھے۔ زیادہ سے زیادہ عمر گیارہ سال۔ اور نو سال سے کم تو متصور ہی نہیں ہو سکتی۔ ان کی شہادت اگرچہ بعد میں واقع ہوئی۔ مگر اولاد امام حسن کی قربانیوں کی مناسبت سے یہاں درج کی جاتی ہے۔ ارباب مقاتل کا بیان ہے۔ کہ جب حضرت سید الشہداء علیؑ میدان قتال میں زین فرس سے فرش زمین پر

۱۔ عاشر بحار، ص ۲۰۷۔ لؤلؤ الاحجان، ص ۱۴۱۔ ناخ، ج ۲، ص ۲۷۳ وغیرہ۔

۲۔ مقتل الحسین للمقرم، ص ۳۳۸۔

۳۔ فرسان الہیاء، ج ۱، ص ۲۳۹۔



تشریف لا چکے۔ اور ہر طرح نرغہ اعداء میں گھر گئے۔ اور ظالم آپ کا سر مبارک تن سے جدا کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرنے لگے۔ اور شہزادہ نے اپنے عم معظم کے گرداب مصائب میں گھرنے کا یہ جانگداز منظر دیکھا۔ تو مخدرات عصمت کے خیمہ سے دوڑتا ہوا باہر نکلا۔ جناب زینبؑ نے ان کو پکڑنے کی کوشش کی۔ امام علیہ السلام نے بھی یہ منظر دیکھ کر باواز بلند فرمایا: ﴿احْبِسِيهِ يَا اخْتِي﴾ بہن اسے روک لو۔ مگر شہزادہ نہ رکا۔ اور کہا: ﴿وَاللّٰهُ لَا اِفَارِقُ عَمِّي﴾ خدا کی قسم میں اپنے عم بزرگوار سے جدا نہیں ہوں گا۔ بالآخر خدمت امامؑ میں پہنچ کر آپ کے پہلو میں کھڑے ہو گئے۔ اسی اثنا میں ابجر بن کعب تلوار لے کر شہادت امام کے قصد سے آگے بڑھا۔ شہزادہ نے چلا کر کہا: ﴿وَيٰلَكَ يَا بَنِي الْحَبِيْثَةِ اَتَقْتُلُ عَمِّيَّ؟﴾ افسوس ہے تجھ پر اے زن خبیثہ کے بیٹے۔ کیا تو میرے چچا کو شہید کرتا ہے؟ یہ سن کر شتی کو طیش آگیا۔ اور عبداللہ پر تلوار سے بھرپور وار کیا۔ عبداللہ نے ہاتھ پر روکا۔ جس سے ان کا بازو کٹ گیا۔ کچھ چڑا بچا اور ہاتھ لٹکنے لگا۔ شہزادہ نے صدائے استغاثہ بلند کی: ﴿يٰٓا عَمَّاهُ﴾ سید الشہداء علیہ السلام نے شہزادہ کو گلے سے لگا لیا۔ اور دلا سادیتے ہوئے فرمایا: ﴿يٰٓا بَنِي اَخِي اَصْبِرْ عَلٰی مَا نَزَلَ بِكَ وَ اَحْتَسِبْ فِیْ ذٰلِكَ الْخَيْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ يُلْحِقُكَ بِاَبَائِكَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اے بھتیجا! اس مصیبت پر صبر کرو۔ اور خیر و ثواب کی توقع رکھو۔ خداوند عالم تمہیں اپنے آباء و اجداد صالحین کے ساتھ ملحق کرے گا۔ پھر دست دعا بلند کر کے بارگاہ ایزدی میں یوں عرض کیا: ﴿اَللّٰهُمَّ فَاِنْ مَنَعْتَهُمْ اِلٰی حِيْنَ فَفَرِّقْهُمْ فِرْقًا وَّاجْعَلْهُمْ طَرَائِقَ قِدَدًا وَّ لَا تُرْضِ الْوَلَاةَ مِنْهُمْ اَبَدًا فَاِنَّهُمْ دَعَوْنَا لِيَنْصُرُوْنَا فَقَتَلُوْنَا﴾ اسی حالت میں کہ شہزادہ امامؑ کی گود میں استراحت کر رہا تھا کہ حرمہ بن کابل اسدی ملعون نے تیر مارا جس سے شہزادہ نے تڑپ کر دم توڑ دیا۔ اور روح قفسِ عنبری سے پرواز کر کے جنت الفردوس میں شہداء کر بلا کے ساتھ ملحق ہو گئی۔

۱۔ ارشاد، ص ۲۶۳۔ فرسان السیما، ج ۱، ص ۲۳۹۔ نفس المہموم، ص ۱۹۱۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۱۵۰۔ بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۲۰۴۔  
 مقتل الحسین للمقرم، ص ۳۲۵۔ مشیر الاحزان، ص ۳۹۔ لوائح الاشجان، ص ۵۰ وغیرہ۔



## اولاد امیر المومنینؑ کی قربانیاں

### (۱۲) ابوبکر بن علیؑ بن ابی طالبؑ کی شہادت

جب امام حسن علیہ السلام کی اولاد قربان گاہ کر بلا میں اپنی بے مثال قربانیاں پیش کر چکی۔ تو اب حیدر کرار کی اولاد نادر کی نوبت آئی۔ سب سے پہلے جناب ابوبکر میدان کارزار میں نبرد آزمائی کے لئے نکلے۔ ان کا اصل نام معلوم نہیں ہو سکا۔ بعض نے ان کا نام عبید اللہ تحریر کیا ہے۔ لیکن یہ درست نہیں۔ کیونکہ عبید اللہ بن علیؑ کی شہادت کر بلا میں ثابت نہیں ہے۔ بلکہ وہ یوم المزار (مصعب بن زبیر اور مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کی فیصلہ کن جنگ میں شریک تھے اور اسی میں کام آئے۔<sup>۱</sup>

بعض نے ان کا اصل نام عبداللہ (الاصغرؑ) بتایا ہے۔ یہ بات بھی درست نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ حضرت امیر المومنینؑ کے ایک ہی صاحبزادے کا نام عبداللہ ہے جو جناب ابوالفضلؑ کے سگے بھائی ہیں۔ اور ان کنیت ابو محمد ہے۔ نہ ابوبکرؑ واللہ العالم۔ اور ان کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود بن خالد دارمیہ ہیں۔<sup>۲</sup>

بہر حال آپ رخصت جہاد لے کر یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان و غام میں تشریف لائے۔

شیخی علیؑ ذو الفخار الاطول من ہاشم الصديق الکریم المفضل

هذا حسین بن النبی المرسل عنه نحامی بالحسام المصقل

نفدیہ نفسی من اخ مبجل

پھر زبردست جنگ کی۔ یہاں تک کہ بروایت روضۃ الاحباب اکیس (۲۱) ناریوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد خود جام شہادت نوش کیا۔ قاتل کا نام زجر بن قیس بن بدر نخعی ہے۔ مگر صاحب مقاتل الطالبین کہتے ہیں کہ قاتل کا نام معلوم نہیں بقول مدائنی ان کی لاش شہدائے کر بلا کی جماعت میں پڑی ہوئی ملی تھی اس لئے قاتل کا پتہ نہ چل سکا۔ اور بعض نے ہانی بن شیبہ حضری لکھا ہے۔<sup>۳</sup> و الاصح الاول۔

### (۱۳) محمد بن علیؑ بن ابی طالبؑ الاصغرؑ کی شہادت

ان کی والدہ ام ولد تھیں۔ ان کو اصغر اس لئے کہا جاتا ہے۔ کہ جناب محمد بن الحنفیہ سے چھوٹے تھے۔ امام

۱۔ مقاتل الطالبین، ص ۶۰، طبع النجف۔ ۲۔ بحار، ج ۱۰، ص ۲۰۰۔ لؤلؤ الاشجان، ص ۱۴۲۔

۳۔ اعیان الشیعہ، ج ۲، ذیل ترجمہ ابی بکر بن علیؑ۔ ۴۔ تاریخ التواریخ، ج ۶، ص ۲۷۴۔

۵۔ فرسان الہیجا، ج ۱، ص ۹۔ ۶۔ مقاتل الطالبین، ص ۶۰۔

۷۔ بحار، ج ۱۰، ص ۲۰۰۔ فرسان الہیجا، ج ۱، ص ۶۔ لؤلؤ الاشجان، ص ۱۴۲۔ تاریخ، ج ۶، ص ۲۷۴۔ تقام، ص ۳۷۰ وغیرہ۔



سے اذن جہاد لے کر میدان کارزار میں تشریف لے گئے۔ اور جنگ کرتے ہوئے قبیلہ کبان بن دارم کے ایک شخص کے ہاتھوں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔<sup>۱</sup> کہا جاتا ہے کہ اس ملعون کا نام ذرعه بن شریک تھا۔ جو مرض استقاء میں مبتلا ہو کر اس طرح واصل جہنم ہوا تھا۔ کہ پانی پیتے پیتے اس کا پیٹ پھٹ گیا تھا۔

### (۱۴) عبداللہ بن علی بن ابی طالب کی شہادت

جناب عبداللہ حضرت امیر المؤمنین کے فرزند۔ والدہ ماجدہ ام البنین فاطمہ بنت حزام بن خالد بن ربیعہ بن وحید بن کعب بن عامر بن کلاب کلابیہ ہیں۔ جناب عبداللہ حضرت قمر بنی ہاشم سے چھوٹے اور اپنے دوسرے دونوں بھائیوں جو جعفر بن علی و عثمان بن علی (سے بڑے تھے جب اولاد ام البنین کی شہادت کی نوبت پہنچی تو قمر بنی ہاشم نے اپنے تینوں بھائیوں کو جمع کر کے فرمایا: ﴿تقدموا یا بنی امی! حتی اراکم قد نصحتم للہ و رسولہ فانہ لا ولد لکم﴾ میری ماں کے بیٹو! آگے بڑھو تاکہ تمہاری جاں نثاری کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔ کیونکہ تمہاری اولاد نہیں ہے۔<sup>۲</sup>

پھر عبداللہ کو خطاب کر کے فرمایا جو اپنے دونوں بھائیوں سے بڑے تھے: ﴿تقدم یا اخی حتی اراک قتلاً و احتسبک﴾ اے برادر اتم آگے بڑھو تاکہ تمہیں راہ خدا میں کشتہ دیکھ لوں۔ اور اسے اپنے لئے ذخیرہ آخرت قرار دوں۔

چنانچہ اس کے بعد جناب عبداللہ امام سے اذن جہاد حاصل کر کے میدان کارزار میں گئے۔ اور زبردست حرب و ضرب کے بعد بالآخر ثبیت حضری ملعون کے ہاتھوں جام شہادت سنوٹا۔ آپ کی عمر بوقت شہادت پچیس سال تھی۔

### (۱۵) عثمان بن علی بن ابی طالب کی شہادت

جناب ابو الفضل کے دوسرے سگے بھائی ہیں۔ جو عبداللہ سے چھوٹے اور جعفر سے بڑے تھے۔ ارباب تاریخ نے لکھا ہے کہ جب ان کی ولادت ہوئی۔ تو جناب امیر المؤمنین نے یہ فرما کر ان کا نام عثمان رکھا کہ ”انما

۱۔ فرسان، ج ۲، ص ۵۵۔ ذخیرہ، ص ۱۴۸۔ عاشر بہار، ص ۲۰۱۔ نفس المہوم، ص ۱۴۳۔ مقاتل، ص ۶۰ وغیرہ۔

۲۔ عاشر بہار، ص ۲۰۱۔ نفس المہوم، ص ۱۷۲۔ مقتل الحسین، ص ۳۰۹ وغیرہ۔ مخفی نہ رہے کہ طبری وغیرہ بعض مؤرخین نے اس جملہ کے غلط معنی مراد لئے ہیں۔ کہ جناب شہزادہ کا مقصد یہ تھا کہ میں تمہاری وراثت حاصل کروں۔ حالانکہ یہ معنی درایت اور روایت کے قانون کے خلاف ہیں۔ بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ ﴿فیقطع نسلکم فیشتد بالی و یعظم اجری﴾ (ذخیرۃ الدارین، ص ۲۵۱)۔ اس طرح تمہاری نسل منقطع ہو جائے گی جس کی وجہ سے مجھے زیادہ رنج و الم پہنچے گا۔ اور اس طرح میرا جرو ثواب زیادہ ہوگا۔ (منہ غشی عنہ)

۳۔ بحار، ج ۱۰، ص ۲۰۱۔ مناقب، ج ۴، ص ۲۷۶۔ تقیام، ص ۳۷۲۔

بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۲۰۱۔



سمیۃ باسم اخی عثمان بن مظعونؓ میں نے ان کا نام اپنے دینی بھائی عثمان بن مظعون کے نام پر رکھا ہے۔<sup>۱</sup> (جو کہ ایک جلیل القدر عابد و زاہد صحابی رسول مقبولؐ تھے) بوقت شہادت بنا بر مشہور ان کی عمر اکیس (۲۱) اور سید داؤد نسابہ صاحب عمدة الانساب کے بیان کے مطابق تیس (۲۳) برس تھی۔ بایں تفصیل کہ اپنے بھائی عبداللہ سے دو برس بعد متولد ہوئے۔ چار سال اپنے والد ماجد کے زیر سایہ رہے۔ اور چودہ برس بڑے بھائی امام حسن کی رفاقت اور امام حسینؑ کے ساتھ پورے تیس برس گزارے۔ اور یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ بہر کیف جناب عبداللہ کی شہادت کے بعد جناب قمر بنی ہاشمؑ نے ان کو میدان و غا کی طرف روانہ کیا۔ فرزند حیدر کراڑ امام علیہ السلام سے اذن جہاد حاصل کرنے کے بعد یہ رجز پڑھتے ہوئے شعلہ نار کی طرح لشکر اشرا پر ٹوٹ پڑا۔

انی انا عثمان ذو المفاخر  
شخی علی غرّ الفعال الظاهر

هذا حسین خیرة الاخیر  
وسید الصغائر والکبائر

شدید جنگ کے بعد اس طرح شہادت پائی۔ کہ خولی بن یزید اصمعی ملعون نے ایسا زبردست نیرامارا کہ شہزادہ زین فرس سے زمین پر گرا۔ اس اثنا میں ایان بن دارم کے قبیلہ کے ایک شخص نے بڑھ کر ان کو شہید کر کے سر مبارک قلم کر لیا۔<sup>۲</sup> رضوان اللہ علیہ۔

### (۱۶) جعفر بن علیؑ بن ابی طالب کی شہادت

یہ شہزادہ جناب قمر بنی ہاشم کے سب سے چھوٹے تیسرے پدری و مادری بھائی ہیں۔ ان کی عمر بالعموم کتب مقاتل میں ۱۹ برس درج ہے۔ جو بظاہر اشتباہ ہے۔ کیونکہ جناب امیر المومنینؑ کی شہادت ۴۰ھ میں واقع ہوئی اور واقعہ کربلا ۶۱ھ میں درپیش آیا۔ اس طرح ان کی عمر کم از کم اکیس (۲۱) برس ہونی چاہئے (اگرچہ پہلے قول کی بھی تاویل بعید ممکن ہے) اس لئے صاحب البصار العین کا قول صحیح ہے۔ کہ ان کی عمر اکیس (۲۱) برس تھی۔ اور چونکہ یہ جناب عثمان سے دو برس چھوٹے تھے۔ اس لئے ان کی عمر تیس اور وہ جناب عبداللہ سے دو برس کم تھے۔ اس لئے ان کی پچیس سال تسلیم کرنا پڑے گی۔ بعض آثار سے آشکار ہوتا ہے کہ جناب امیرؑ نے اپنے بھائی جعفر طیار کے نام پر ان کا نام جعفر رکھا۔<sup>۳</sup> عثمان بن علیؑ کی شہادت کے بعد ابوالفضلؑ نے ان کو میدان قتال کی طرف بھیجا۔ چنانچہ یہ رخصت جنگ حاصل کرنے کے بعد یہ رجز پڑھتے ہوئے لشکر اعداء پر حملہ آور ہوئے۔

۱۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۱۴۷۔ فرسان البیضاء، ج ۱، ص ۲۶۳۔

۲۔ عاشر بحار، ص ۲۰۱۔ فرسان البیضاء، ج ۱، ص ۲۶۲۔ ذخیرۃ، ص ۱۴۷۔ نفس المہموم، ص ۱۷۳۔ لوائح الاشجان، ص ۱۳۳۔ طبری، ج ۶، ص ۲۵۷ وغیرہ۔

۳۔ ذخیرۃ الدارین، ص ۱۴۶۔



ابن علی الخیر ذی النوال

الی انا جعفر ذو المعالی

احمى حسیناً ذا الندى المفضل

حسبى بعمى شرفاً و خالی

پھر داد شجاعت دیتے ہوئے ہانی بن ثبیت ملعون کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ اور بروایت خولی بن یزید اصمعی نے نیز امارا جو ان کی پیشانی یا آنکھ میں لگا۔ جس سے ان کی شہادت واقع ہوئی۔

### (۱۷) قمر بنی ہاشم عباس بن علی بن ابی طالب کی شہادت

آپ کی ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں ۴ شعبان ۲؎ المعظم ۲۶ھ کے کو واقع ہوئی۔ ۱۴ سال اپنے والد ماجد حضرت امیر المومنین کے سایہ عاطفت میں رہے۔ ان کے حین حیات میں بعض جنگوں کے موقع پر حاضر تھے۔ مگر آنجناب نے انہیں جنگ کی اجازت نہیں دی۔ ۳؎ اپنے عظیم والد کی شہادت کے بعد دس سال جناب امام حسن علیہ السلام کی زیر تربیت رہے۔ اور ان کی شہادت کے بعد قریباً دس سال امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں گزارے۔ اس طرح بوقت شہادت ان کی عمر چونتیس (۳۴) سال تھی۔

### جناب ام البنینؑ کے مختصر حالات

آپ کی والدہ ماجدہ جناب ام البنین فاطمہ بنت حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر الکلابی تھیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے اپنے بھائی عقیلؑ سے فرمایا تھا۔ (جو علم الانساب میں بڑے ماہر تھے) کہ میں چاہتا ہوں کہ دلیر اور شجاع ترین خاندان عرب میں شادی کروں۔ اس لئے کسی ایسے خاندان کا انتخاب کرو۔ تاکہ اس سے بہادر اولاد پیدا ہو۔ جناب عقیلؑ نے عرض کیا۔ کہ اس مقصد کے لئے بنی کلاب کی ام البنین سے عقد کیجئے۔ کیونکہ عربوں میں اس کے آباؤ اجداد سے زیادہ کوئی شجاع و دلیر نہیں ہے۔ چنانچہ آنجناب نے اس طرح ان محترمہ سے شادی کی۔ شیہ خاندان تمام عربوں میں صف شکنی اور شیر افگنی میں مشہور و معروف تھا۔ عرب کے مشہور شاعر لبید نے جو خود اسی خاندان سے تھا۔ اپنے خاندان کے بارے میں یہ شعر کہا اور تمام قبائل عرب نے سنا۔ مگر کسی کو یارائے انکار نہ ہو سکا۔

ونحن خیر عامر بن صعصعه

نحن بنو ام البنین الاربعة

الضاربون الهام وسط الجمجمه

۱۔ عاشر بحار، ص ۲۰۱۔ فرسان السیاح، ج ۱، ص ۷۴۔ ذخیرہ، ص ۱۲۶۔ نفس، ص ۱۷۲۔ لؤلؤ، ص ۱۳۳۔ مناقب، ج ۳، ص ۹۷ وغیرہ۔

۲۔ وقائع الایام بمر جندی۔ انوار نعمانیہ۔ العباس للمقرم۔ فرسان، ج ۱، ص ۱۸۷ وغیرہ۔

۳۔ المجالس السنیۃ للعلانی، ج ۱، ص ۱۳۹۔ بحوالہ العبد العظیم للشامی وغیرہ۔

۴۔ عمدۃ الطالب، ص ۳۲۳، طبع بمبئی۔

۵۔ فرسان السیاح، ج ۱، ص ۱۸۷۔



اسی خاندان کی ایک فرد ملاعب الاسد ابو براء بھی ہیں جو تمام قبائل عرب میں اپنی شجاعت و شہامت میں بے نظیر سمجھے جاتے تھے۔ اسی طرح طفیل فارس قرزل اور عامر بن طفیل بھی اسی خاندان کے نامی گرامی جنگ جو بہادر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس معظّمہ کے بطن سے خداوند عالم نے جناب امیر المومنینؑ کو چار فرزند ارجمند عطا فرمائے: (۱) ابوالفضل العباسؑ۔ (۲) عبداللہؑ۔ (۳) عثمانؑ۔ (۴) جعفرؑ۔ جو سب کے سب روز عاشورا نصرت امامؑ میں کام آئے۔ اور دنیا کے سوتیلے بھائیوں کے لئے وفاداری و جاں نثاری کی گرانقدر مثال قائم کر دی۔ یہ مخدرہ واقعہ کر بلا کے وقت زندہ اور مدینہ منورہ میں موجود تھیں۔ آپ کے جگر خراش مرثی کتب مقاتل و سیر میں موجود ہیں۔

### القاب والکنی

جناب قمر بنی ہاشمؑ کی مشہور کنیت ابوالفضل ہے۔ علاوہ بریں دو کنیتیں اور بھی بیان کی جاتی ہیں: (۱) ابوالقاسم۔ (۲) ابوالقرب، جو زیارت جناب جابر بن عبداللہ انصاری سے ماخوذ ہیں۔ آپ کے زیادہ مشہور القاب قمر بنی ہاشم اور سقائے اہل بیتؑ ہیں۔ علاوہ بریں باب الحوائج، الشہید، العبد الصالح، صاحب اللواء بھی آپ کے القاب جلیلہ ہیں۔

SIBTAIN.COM

### شکل و شمائل

آپ کشیدہ قامت متناسب اعضاء کے نہایت وجیہہ نوجوان تھے۔ تمام ارباب سیر و تراجم نے آپ کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ ﴿ان العباس کان وسیماً جسیماً جمیلاً یرکب الفرس المطہم و رجلاه یخطان علی الارض و یقال لہ قمر بنی ہاشم﴾ یعنی جناب عباسؑ بہت حسین و جمیل اور جسیم و وسیم تھے۔ دو رکابہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے۔ مگر پھر بھی پائے مبارک زمین پر خط دیتے تھے۔ ان کے خدا داد حسن و جمال کی وجہ سے ان کو قمر بنی ہاشمؑ کہا جاتا تھا۔ صاحب فرسان السجاء نے ان کے حسن و جمال کے بارے میں لکھا ہے۔ کہ اگر کبھی شہزادہ ابوالفضلؑ اور شہزادہ علی اکبرؑ کا اکٹھے مدینہ کے کسی گلی کو چہ سے گذر ہوتا۔ تو سب زن و مردان کے جمال باکمال کا نظارہ کرنے کے لئے جمع ہو جاتے۔ اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔ اسی طرح آنجناب شجاعت و شہامت اور بہادری میں بھی ممتاز مقام رکھتے تھے۔

۱۔ فرسان السجاء، ج ۱، ص ۱۸۹۔

۲۔ مقاتل الطالبین، ص ۵۹۔ عاشر بحار، ص ۲۰۱۔ نفس المہموم، ص ۷۷ اوغیرہ۔

۳۔ فرسان السجاء، ج ۱، ص ۱۸۸۔



## فضائل و مناقب کا ایک شمع

مذکورہ بالا ظاہری خوبیوں کے ساتھ ساتھ قمر بنی ہاشم کا دامن باطنی و روحانی خوبیوں سے بھی لبریز تھا۔ اور ایمان و عمل کی اوج کمال پر پہنچے ہوئے تھے۔ اور مکارم اخلاق و فضائل نفسانیہ کے بلند درجہ پر فائز تھے۔ ان کے بچپن کا ایک عجیب واقعہ بعض کتب میں ملتا ہے۔ ایک مرتبہ قمر بنی ہاشم، جناب عباسؓ اور عقیلہؓ بنی ہاشم جناب زینبؓ اپنے عظیم والد جناب امیر المومنینؓ کی خدمت میں حاضر تھے۔ شہزادہ دائیں جانب اور شہزادی بائیں طرف۔ امیر المومنینؓ نے شہزادہ سے فرمایا: ﴿قل واحد﴾ کہو: ایک۔ شہزادہ نے کہا: ﴿واحد﴾۔ پھر فرمایا: ﴿قل اثنان﴾ کہو: ”دو“۔ شہزادہ نے عرض کیا: ﴿استحی ان اقول باللسان الذی قلت واحد اثنان﴾ جس زبان سے ایک بار ایک کہہ دیا ہے۔ اب اس سے دو کہتے ہوئے حیا دامگیر ہوتی ہے۔ جناب امیرؓ نے شہزادہ کا یہ موعدانہ جواب سن کر ان کی آنکھوں پر بوسہ دیا۔ پھر جناب زینبؓ کی طرف متوجہ ہوئے۔ بی بی نے محصورانہ انداز میں سوال کیا: ﴿یا ابتاہ اتحبناہ؟﴾ بابا جان! کیا آپ ہم سے محبت کرتے ہیں۔ فرمایا: ﴿نعم یا بنیہ! اولادنا اکبادنا﴾ ہاں بیٹی! ہماری اولاد ہمارے جگر کا ٹکڑا ہے۔ بی بی نے عرض کیا: ﴿یا ابتاہ حبان لا یجتمعان فی قلب مؤمن۔ حب اللہ و حب الاولاد﴾ بابا جان! بھلا مؤمن کے دل میں خدا اور اولاد دونوں کی محبت کیونکر جمع ہو سکتی ہے؟ پھر جناب امیرؓ کے جواب ارشاد فرمانے سے پہلے باپ کی زینت بیٹی نے خود ہی یہ عقدہ یوں حل کر دیا۔ بابا جان! آپ کا مطلب یہ ہوگا کہ ﴿الشفقة لنا و الحب للہ خالصا﴾ شفقت ہمارے لیے اور محبت خالصاً خدا کے لیے؟ جناب امیر المومنینؓ اپنے شہزادے اور شہزادی کا یہ کلام حقائق ترجمان سن کر بہت محفوظ ہوئے۔ اور شفقت پداری میں اضافہ ہو گیا۔ سچ ہے۔

فی المہد ینطق عن سعادة جدہ اثر النجاة ساطع البرہان

## جناب شہزادہ کا ایمان و ایقان

جناب قمر بنی ہاشم کی بلندی کردار و ایثار اور ایمان و ایقان کا یہ عالم ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ چنانچہ امام زین العابدینؓ فرماتے ہیں: ﴿رحم اللہ عمی العباس فلقد آثر و ابلی و فدی اخاہ بنفسہ حتی قطعت یداہ فابدلہ اللہ عز و جل منہما جناحین یطیر بہما مع الملائکۃ فی الجنۃ کما جعلہ لجعفر بن ابی طالب و ان للعباس عند اللہ منزلۃ یغبطہ بہا جمیع الشہداء یوم القیامۃ﴾۔ ”خدا میرے چچا عباسؓ پر رحمت نازل کرے۔ جنہوں نے بڑے مصائب و



شدائد جھیلے، ایثار کاری و جاں نثاری کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جان اپنے بھائی پر قربان کر دی۔ حتیٰ کہ اس سلسلہ میں ان کے دونوں بازو بھی قلم ہو گئے۔ جن کے عوض خداوند عالم نے ان کو دو پر عطا فرمائے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے وہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے پھرتے ہیں۔ جس طرح جناب جعفر بن ابی طالب کو عطا فرمائے تھے۔ خداوند عالم کے نزدیک جناب عباس کا مقام اس قدر بلند ہے کہ بروز قیامت تمام شہداء ان کے اوپر رشک کریں گے۔<sup>۱</sup>

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿کان عمنا العباس نافذ البصيرة صلب الايمان جاهد مع اخيه الحسين و اهل بيته حسنا و همتي شهيدا﴾ ہمارے عم بزرگوار عباس علمداری کی بصیرت تیز اور ایمان (مانند چٹان) مضبوط تھا۔ اپنے بھائی امام حسین سے مل کر عظیم جہاد کیا۔ اور بڑے عمدہ صبر و ثبات کے ساتھ شدائد جنگ کو برداشت کیا۔ یہاں تک کہ نصرتِ امام میں شہادت کے درجہ رفیعہ پر فائز ہوئے۔<sup>۲</sup>

اسی طرح ائمہ اطہار علیہم السلام سے جناب شہزادہ ابو الفضل کی زیارت میں جو فقرے وارد ہیں۔ ان سے بھی ان کے مقام و منزلت کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ جیسے زیارت صادق کے یہ فقرے: ﴿اشهد انک قد بالغت فی النصیحة و اعطيت غاية المجهود .... اشهد انک لم تنهن ولم تنکل و انک مضیت علی بصيرة من امرک .... فنعم الصابر المجاهد المحامي الناصر و الاخ الدافع عن اخيه المجيب الی طاعة ربه الراغب فيما زهد فيه غيره من الثواب الجزيل و الثناء الجميل ... الخ﴾ جناب ابو الفضل کا شمار فقہاء اہل بیت میں ہوتا تھا۔ چنانچہ فاضل بیرجندی نے لکھا ہے: ﴿ان العباس من اکابر الفقہاء و افاضل اهل البيت ... الخ﴾ جناب عباس اکابر فقہاء اور فضلاء اہل بیت میں سے تھے۔<sup>۳</sup> اسی طرح صاحب فرسان الہیاء نے بعض کتب کے حوالہ سے ان کے بارے میں لکھا ہے: ﴿و کان من فقہاء اولاد الائمة﴾ جناب عباس ائمہ طاہرین کی اولاد میں سے فقیہ تھے۔<sup>۴</sup>

### جناب شہزادہ کے اہل و عیال

جناب قمر بنی ہاشم کی زوجہ محترمہ لبابہ بنت عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب تھیں۔ جن کے بطن سے جناب

۱۔ خصال شیخ صدوق، ص ۴۴۔ مع ترجمہ فارسی۔

۲۔ عمدة الطالب، ص ۳۲۳۔ نفس المہموم، ص ۱۷۶۔ فرسان، ج ۱، ص ۱۹۱۔

۳۔ کامل الزیارة، ص ۲۵۷۔ مناقب الجنان، ص ۴۳۶۔

۴۔ کبریٰ، ج ۲، ص ۴۵۔

۵۔ فرسان الہیاء، ج ۱، ص ۱۹۱۔



کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک فضل۔ دوسرے عبید اللہ۔ جناب کی نسل کا سلسلہ عبید اللہ سے آگے بڑھا۔ یہی قول مشہور ہے۔ مگر کتاب العباس للمقرم میں جناب کی پانچ بلکہ چھ عدد اولاد امجاد کا تذکرہ موجود ہے۔ دو تو یہی صاحبزادے جو جناب لہابہ کے بطن سے تھے۔ تیسرے حسن جو کہ ایک کنیز کے بطن سے تھے۔ بحوالہ معارف ابن قتیبہ، چوتھے قاسم جسے بعض کتب مقاتل نے نقل کیا ہے۔ پانچویں ایک دختر نام نہیں لکھا۔ بحوالہ حدائق الانس۔ چھٹے محمد، جنہیں ابن شہر آشوب نے شہداء کربلا کی فہرست میں درج کیا ہے۔ اس کے بعد مؤلف نے بعض تفصیلات کا ذکر کیا ہے جن کے یہاں درج کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ہی ضرورت۔ اس سلسلہ میں کتب انساب کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

### کربلا میں جناب ابوالفضلؑ کے جلیل القدر خدمات

واقعہ کربلا سے پہلے بعض کتب غیر معتبرہ میں حضرت امیر المؤمنینؑ کی بعض لڑائیوں میں شہزادہ ابوالفضل کی شجاعت کے بعض محیر العقول واقعات درج ہیں لیکن وہ چونکہ ناقابل اعتماد ہیں۔ اس لیے ان کا تذکرہ نہیں کیا جاتا۔ البتہ شہادت سے پہلے واقعہ کربلا میں جناب شہزادہ کی جلیل القدر خدمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں:

(۱) جناب شہزادہ ہر وقت سایہ کی طرح امام العظیمؑ کے ہمراہ رہتے۔ مبادا ان کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔  
(۲) عصر عاشوراء جب لشکر اعداء ہجوم کر کے خیام حسینی کے قریب پہنچ گیا۔ تو اس وقت امامؑ نے انہی کو بھیجا تھا کہ معلوم کریں کہ اس وقت ان کے اس طرح آدھمکنے کا مقصد کیا ہے؟ جو جناب شہزادہ کی معاملہ فہمی اور نظر امامؑ میں ان کے انتہائی قابل اعتماد ہونے کی دلیل ہے۔

(۳) شب عاشوراء امامؑ کے تاریخی خطبہ کے بعد جناب شہزادہ نے مؤمنانہ اور شجاعانہ انداز میں نصرت امامؑ کے عہد کی تجدید کرتے ہوئے کہا تھا: ﴿لَا اَرَا اللّٰهَ ذَلِكَ الْيَوْمَ اَبَدًا﴾ (خدا ہمیں وہ دن کبھی نہ دکھائے کہ چشم زدن کے لیے بھی آپ کو تنہا چھوڑ کر آپ سے علیحدہ ہوں)۔

(۴) اسی طرح شدت پیاس کے وقت جن مشکلات میں گھر کر جناب خیام حسینیؑ میں پانی لائے تھے۔  
(۵) اور روز عاشوراء جب عمرو بن خالد صیداوی اور ان کے ساتھی نزعہ اعداء میں گھر گئے تھے تو بحکم امامؑ جس طرح قمر بنی ہاشم ان کی نصرت کے لیے میدان میں پہنچے۔ اور دشمنوں کے نزعہ سے ان کو نکالا۔ یہ سب واقعات قبل ازیں اپنے اپنے مقام پر تفصیل کے ساتھ ذکر کئے جا چکے ہیں۔ جو آپ کے کمال شجاعت و شہامت اور صلابت ایمان و استقامت ایقان پر دلالت کرتے ہیں۔



(۶) وہ واقعہ بھی جناب ابوالفضل کے کمال ایمان و ایقان اور مصائب و آلام پر صبر و استقامت کا شاہکار ہے کہ جب شمر ذی الجوشن (جو ماں کی طرف سے آپ کا رشتہ دار تھا) ابن زیاد سے جناب شہزادہ اور ان کے تینوں بھائیوں کے لیے امان نامہ لکھوا کر لایا تھا۔ اور پھر خیام حسینی کے قریب آ کر بآواز بلند کہا: ﴿ایہ بنو اختنا؟﴾ ہماری بہن کے بیٹے کہاں ہیں؟ شہزادوں نے سنا مگر کوئی جواب نہ دیا۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اجیبوہ و ان کان فاسقاً فانہ بعض اخوالکم﴾ ”جواب دو۔ اگرچہ وہ فاسق و فاجر ہے۔ لیکن پھر بھی تمہارا دور کا ماموں ہوتا ہے۔“ اس وقت جناب ابوالفضل نے باہر نکل کر دریافت کیا: ﴿ما شانک؟﴾ کیا بات ہے؟ شمر نے کہا: ﴿یا بنی اختی! انتم امنون۔ فلا تقتلوا انفسکم مع اخیکم الحسینؑ والزموا طاعة امیر المومنین یزید﴾ اے میری بہن کے بیٹو! تمہیں امان ہے تم خواہ مخواہ اپنے بھائی حسینؑ کے ہمراہ اپنی جانیں ضائع نہ کرو۔ بلکہ امیر یزید کی اطاعت قبول کرلو۔ یہ سنتے ہی جناب عباسؑ نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ فرمایا: ﴿تبت یداک و بنس ما جئتنا بہ من امانک یا عدو اللہ اتامرنا ان نترک اخانا و سیدنا الحسینؑ بن فاطمة و ندخل فی طاعة اللعنا و اولاد اللعنا﴾ تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں او خدا کے دشمن! تو کس قدر بُرا امان نامہ لایا ہے؟ کیا تو یہ کہتا ہے کہ ہم اپنے بھائی اور سردار حسینؑ بن فاطمہؑ کو چھوڑ دیں۔ اور لعین بن لعین کی اطاعت قبول کر لیں۔ یہ جواب سن کر شمر غیظ و غضب سے بڑبڑاتا ہوا واپس لے چلا گیا۔ و نعم ما قیل۔

اسلام کے وقار کی اونچی چٹان پر عباسؑ کی وفا کے ہیں جھنڈے گڑے ہوئے  
**ابوالفضل عباسؑ کی شہادت**

ارباب سیر و مقاتل میں جناب کی شہادت اور طرح مشہور ہے۔ لیکن جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ اور جناب سید بن طاووس علیہ الرحمہ نے اور طرح، رقم فرمائی ہے۔ بطریق مشہور اس واقعہ ہانکہ کو قلمبند کرنے سے پہلے حضرت شیخ وسید کے بیان کے مطابق اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں: کہ اصحاب و اقرباء کی شہادت کے بعد جب پیاس کا اور بھی زیادہ غلبہ ہوا تو جناب سید الشہداءؑ نے اپنی ناک پر سوار ہو کر دریائے فرات کا رخ کیا۔ اور شہزادہ ابوالفضلؑ آپ کے آگے آگے حفاظت امامؑ میں مصروف جہاد ہو گئے۔ جدھر جدھر سید الشہداءؑ رخ کرتے۔ جناب شہزادہ بھی ادھر ہی مڑ جاتے اور داد شجاعت دیتے جاتے۔ ایک داری شخص نے بآواز بلند لشکر ابن سعد سے کہا: ﴿ویلکم حولو ابنیہ و بین الفرات ولا تمکنوہ من الماء﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ان کے اور نہر فرات کے درمیان حائل ہو جاؤ۔ اور انہیں پانی تک نہ پہنچنے دو۔ امامؑ نے اس کا یہ گستاخانہ کلام سن کر فرمایا: ﴿اللہم اظماہ﴾



خداوند اسے شدت پیاس میں مبتلا کر لے امام کے اس کلام سے داری نے غضب ناک ہو کر زور سے ایک تیر مارا۔ جو جناب سید الشہداء کے سینہ اقدس میں پیوست ہو گیا۔ جب جناب نے اسے کھینچا تو خون کا فوارہ چھوٹا۔ آپ نے دونوں چلو نیچے رکھے جب خون سے بھر گئے تو فرمایا: ﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَشْكُو إِلَيْكَ مَا يَفْعَلُ بَابِنِ بِنْتِ نَيْكٍ﴾ خدا وندا! میں تیری بارگاہ میں اس سلوک کی شکایت کرتا ہوں۔ جو تیرے رسول کی دختر کے فرزند کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ (چونکہ سپاہ ابن سعد راستہ میں پرہ باندھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس لیے جناب سید الشہداء نے آگے بڑھنے کی مزید کوشش کو بے سود سمجھ کر) واپس لوٹنے کا قصد فرمایا۔ اس اثنا میں قوم اشقیاء قمر بنی ہاشم پر ٹوٹ پڑی اور ان کو امام العظیم سے علیحدہ کر دیا۔ اب شہزادہ نے تن تنہا خدمت اسلام و نصرت امام کا فریضہ انجام دیتے ہوئے زبردست جنگ کی۔ حتیٰ کہ جب زخموں سے چور چور ہو کر زین فرس سے زمین پر تشریف لائے۔ اور لڑنے کے قابل نہ رہے۔ تو زید بن ورقاحنی اور حکیم بن طفیل سنہسی نے ان کو شہید کر دیا۔<sup>۱</sup> رضوان اللہ تعالیٰ علیہ

جناب ابن طاووس کا بیان ہے کہ ﴿فبکی الحسین لقتلہ بکاءً شدیداً﴾ شہادت عباس پر جناب سید الشہداء پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ اسی بنا پر شاعر کہتا ہے۔

احق الناس ان یبکی علیہ  
اخوہ و ابن والدہ علی  
فتی ابکی الحسین بکربلا  
ابو الفضل المضر ج بالدماء  
ومن واساہ لایشینہ شی  
وجادلہ علی عطش بماء<sup>۲</sup>

### کیفیت شہادت ابو الفضل العباس بطریق مشہور

عموماً کتب مقاتل میں جناب ابو الفضل عباس کی شہادت کی کیفیت اس طرح مرقوم ہے اور یہی ہمارے نزدیک اصح ہے کہ جب امام کے تمام کے تمام اصحاب و اعوان شہادت کا جام نوش کر چکے۔ اور جناب قمر بنی ہاشم نے سید الشہداء کی بے کسی اور تنہائی دیکھی۔ تو خدمت امام میں حاضر ہو کر عرض کیا: ﴿یا اخی هل من رخصة؟﴾ بھائی جان! کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں؟ یہ سن کر ﴿بکی الحسین بکاءً شدیداً﴾ جناب امام حسین علیہ السلام نے سخت گریہ و بکا کیا۔ پھر فرمایا: ﴿یا اخی انت صاحب لوائی﴾ بھائی جان تم میرے علمدار ہو۔ تمہارے چلے جانے

۱۔ روایان اخبار کا بیان ہے کہ یہ ملعون اسی وقت مرض استقاء میں مبتلا ہو گیا۔ جس قدر پانی پیتا تھا پیاس نہیں بجھتی تھی حتیٰ کہ شدت پیاس سے ہلک ہلک کر اور آب آب کرتے ہوئے داخل جہنم ہو گیا۔ ﴿وان عذاب الاخرة اشد و ابقی﴾۔ (تقاریر، ص ۳۷۵۔ نفس المہموم، ص ۷۵ وغیرہ)۔

۲۔ ارشاد شیخ مفید، ص ۲۶۲۔ مہوف سید بن طاووس، ص ۱۰۴۔

۳۔ مہوف، ص ۱۰۴۔



سے سب سلسلہ ہی ختم ہو جائے گا۔ جناب عباسؑ نے عرض کیا ﴿قد ضاق صدري وسمئت من الحياة وارىد ان اطلب ثارى من هوا لاء المنافقين﴾ (حالات حاضرہ دیکھ کر) میرا سینہ تنگ ہو گیا ہے۔ اور زندگی دنیا سے تنگ ہو گیا ہوں۔ اس لیے اب چاہتا ہوں کہ ان منافقوں سے انتقام لوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا ﴿فما طلب لھو لاء قليلاً من الماء﴾ اچھا (اگر جنگ کا خیال ہے) تو پھر ان اطفال خور و سال کے لئے کچھ تھوڑا سا پانی لاؤ۔۔۔ جناب ابو الفضل گھوڑے کو ایڑ لگا کر قوم اشقیاء کے پاس تشریف لے گئے۔ اور ان کو پند و نصحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يا عمر بن سعد! هذا الحسين بن بنت رسول الله يقول انکم قتلتم اصحابہ و اخوتہ و بنی اعمامہ و بقى فريداً مع اولادہ و عیالہ و ہم عطاش قد احرق الظماء قلوبہم﴾ اے پسر سعد! یہ حسینؑ دختر رسولؐ کے بیٹے! فرماتے ہیں کہ تم نے ان کے اصحاب اور اعزا کو شہید کر دیا ہے۔ اب وہ مخدرات عصمت اور اطفال خور و سال کے ساتھ یکا و تنہا رہ گئے ہیں۔ جن کے دلوں کو شدت پیاس نے جلا دیا ہے۔ (یعنی ان لئے کچھ پانی کا انتظام کر دو) جناب قمر بنی ہاشمؑ کے اس کلام کا یہ اثر ہوا۔ کہ فوج مخالف کے بعض لوگ رونے لگے۔ اور بعضوں نے سر نیچے جھکا لئے یہ حالت دیکھ کر شمر اور عبث بن ربیع آگے بڑھے اور کہا: ﴿يا بن ابی تراب! لو کان کل وجہ الارض ماء و هو فی ایدینا ما اسقینا کم منہ قطرة واحدة الا ان تدخلوا فی بیعة یزید﴾ اے ابو ترابؑ کے بیٹے! اگر بالفرض تمام روئے زمین پر پانی ہی پانی ہو جائے۔ اور پھر وہ سب ہمارے قبضہ میں ہوتے بھی ہم اس وقت تک تمہیں ایک قطرہ نہ دیں گے۔ جب تک یزید کی بیعت نہ کرو۔“ ان کا یہ کافرانہ جواب سن کر جناب عباسؑ مایوس ہو کر واپس خدمت امامؑ میں پلٹ آئے اور سارا ماجرا گوش گزار کیا۔ سید الشہداءؑ سر نیچا کر کے اس قدر روئے کہ گریبان تر ہو گیا۔ اسی اثنا میں خیام حسینیؑ سے بچوں کی صدائے العطش العطش بلند ہوئی۔ امام علیہ السلام شہزادہ کو پانی لانے کا حکم تو پہلے ہی دے چکے تھے۔ اب بچوں کا نالہ و شیون سن کر سقائے اہل بیتؑ کو تاب صبر و ضبط نہ رہی۔ آسمان کی طرف منہ کر کے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا: ﴿اللہی و سیدی ارید ان اعتد بعدتی واملأ لھو لاء الاطفال قربة من الماء﴾ خداوند! میں چاہتا ہوں۔ اپنی امکانی کوشش کو بروئے کار لاتے ہوئے ان بچوں کے لئے پانی کا ایک مشکیزہ بھر لاؤں۔ اس کے بعد مشکیزہ و تلوار ہاتھ میں لیکر اور گھوڑے پر سوار ہو کر نہر فرات کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت یہ رجز زبان پر جاری تھا:۔

لا ارب الموت اذا الموت رقا      حتی اوارى فی المصالیت لقا

نفسی لنفس المصطفی الطہر و قا      انی انا العباس اغدو بالسقا

ولا اخاف الشر یوم الملتقی



پھر صاعقہ آتش بار کی طرح لشکر فجار کی صفوں کو چیرتے ہوئے نہر فرات کی طرف بڑھے۔ ادھر جب سپاہ ابن سعد کو فرزند حیدر کرار کے عزم و ارادہ کا علم ہوا۔ تو چار ہزار کا لشکر جرار جو نہر فرات پر متعین تھا۔ یکبارگی حرکت میں آ گیا۔ یہ حالت دیکھ کر شجاعت علویہ کے وارث نے تلوار میان سے کھینچ لی اور برق خاطف و صرصر عاصف کی مانند دشمنان اسلام پر ٹوٹ پڑے۔ اور کشتوں کے پشتے لگانے شروع کر دیئے۔ اور ان کی صفوں کو الٹنے پلٹنے لگے۔ چنانچہ مہینہ کو مہینہ پر اور مہینہ کو مہینہ پر الٹ دیا۔ اسی زد و خورد میں اسی (۸۰) ناریوں کو واصل جہنم کیا اس وقت یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

اقاتل القوم بقلب مہند      اذب عن سبط البنی احمد  
اضر بکم بالصارم المہند      حتی تحید واعن قتال سیدی  
انی انا العباس ذوالنود      نجل علی المرتضیٰ المؤید

شجاعت ہاشمیہ کے مالک کا یہ محیر العقول کارنامہ دیکھ کر سپاہ نے پسپائی اختیار کی۔ اور راستہ چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ جناب نے اپنا گھوڑا نہر فرات میں ڈال دیا۔ چونکہ شدت پیاس سے قلب و جگر کباب ہو رہے تھے ﴿فلما اراد ان يشرب غرقة من الماء ذكر عطش الحسين و اهل بيته فرمى الماء﴾ پانی کا چلو بھرا۔ اور چاہا کہ پیئیں لیکن معاصین اور ان کے اہل بیت کی پاس یاد آ گئی۔ (تو شاید یہ سوچ کر کہ یہ طریقہ شان و فا کے خلاف ہے) چلو سے پانی انڈیل دیا۔ اس کے بعد مشکیزہ پانی سے پر کیا۔ باہر نکلے۔ اس وقت تک پھر فوج مخالف پر اباندہ کر راستہ پر کھڑی ہو چکی تھی۔ جناب ابو الفضل کی پوری کوشش تھی۔ کہ کسی طرح یہ پانی خیام حسینی تک پہنچ جائے۔ دوسری طرف مخالفین کی بھی بھرپور کوشش تھی۔ کہ پانی خیام تک نہ پہنچے۔ چنانچہ فوج نے شہزادہ کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ تیروں کی بارش ہونے لگی۔ مگر شیر خدا کا بیٹا۔ حملے پر حملہ کر کے سپاہ ابن سعد کو پسپا کر رہا تھا۔ کہ اچانک کمین گاہ سے چھپ کر ایک کمینے نوفل ارزق (اور بروایت زید بن ورقاء) نے جناب کے دائیں بازو پر ایسا وار کیا کہ بازو قلم ہو کر زمین پر گر پڑا۔ شہزادہ نے نہایت پھرتی سے مشکیزہ کو بائیں کاندھے پر ڈالا۔ اور بائیں ہاتھ میں تلوار لے کر دفاع کرنا شروع کیا۔ اس وقت یہ اشعار آپ کی زبان اقدس پر جاری تھے۔

واللہ ان قطعتم یمینی      انی احامی ابدأ عن دینی  
وعن امام صادق الیقین      نجل النبی الطاهر الامین

یہ اشعار زبان پر جاری تھے۔ اور کشت و خون کا بازار بھی گرم تھا۔ مگر بریدہ بازو سے بکثرت خون بہ جانے کی وجہ سے قدرے نقاہت کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔ کہ اسی اثنا میں اس ملعون نے پھر وار کر کے جناب کا بایں



بازو بھی قلم کر دیا۔ اس وقت شہزادہ نے یہ اشعار پڑھے ۛ

یا نفس لا تخافی من الکفار  
و ابشری برحمة الجبار  
مع النبی السید المختار  
قد قطعوا البغیہم یساری

فاصلہم یارب حر النار

اگرچہ شہزادہ کے دونوں بازو قلم ہو چکے تھے۔ اب وہ لڑنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ مگر مشکیزہ کو دانتوں سے دبا کر اب بھی کوشش یہی تھی کہ کسی نہ کسی طرح پانی کا یہ مشکیزہ خیام تک سلامتی کے ساتھ پہنچ جائے۔ ہائے افسوس سقائے آل محمد کی امیدوں اور آرزوؤں پر اس وقت پانی پھر گیا۔ جب ایک تیر آ کر مشکیزہ میں پیوست ہو گیا اور سارا پانی زمین پر بہہ گیا۔ اسی اثنا میں ایک دوسرا تیر شہزادہ کے سینہ اقدس پر لگا۔ اور بروایت حکیم بن طفیل سنہی نے آہنی گرز اس زور سے سراقدس پر مارا۔ کہ شہزادہ کا فرق اقدس شگافہ ہو گیا۔ اور اب گھوڑے کی زین پر سنبھل نہ سکے ناچار فرش زمین پر تشریف لائے۔ گرتے ہوئے امام علیہ السلام کو آواز دی: ﴿یا ابا عبد اللہ علیک من السلام﴾ ابو عبد اللہ! میرا آخری سلام قبول ہو۔ جناب سید الشہداء افتان و خیزاں جناب کی لاش پر تشریف لے گئے۔ اور جب پیکر وفا اور جوان سال بھائی کو اس حال میں کشتہ دیکھا کہ ہاتھ ساتھ نہیں۔ سر شگافہ ہے۔ بدن زخموں سے چھلنی ہے تو روتے ہوئے فرمایا: ﴿الان انکسر ظہری و قلت حیلتی﴾ عباس! اب میری کمر ٹوٹ گئی۔ اور رشتہ تدبیر و قوت کمزور ہو گیا۔

اب خواہ اس وجہ سے کہ عباس ایسے جوان بھائی کی موت نے کمر توڑ دی تھی۔ اس لئے جناب کو لاش اٹھانے کی تاب نہ تھی۔ یا اس وجہ سے کہ بوجہ کثرت جراحات لاش اٹھانے کے قابل نہ تھی۔ بہر حال جو وجہ بھی ہو۔ مشہور یہی ہے کہ جناب سید الشہداء قبر بنی ہاشم کی لاش مقدس کو وہیں کنار فرات پر چھوڑ کر اور حزن و ملال کے کوہ گراں کو اٹھا کر گریاں و باکاں واپس خیام میں تشریف لے لائے۔ خیام میں اس قدر گریہ و بکا ہوا کہ مندرات عصمت و طہارت کے نالہ و شیون سے یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ زمین کر بلا تھر تھرا رہی ہے۔<sup>۱</sup> بعض روایات کی بنا پر امامؑ نے اس مقام پر یہ اشعار پڑھے ۛ

تعدیتم یا شر قوم ببغیکم  
و خالفتم دین النبی محمد

۱۔ عاشر بخار، ص ۲۰۱۔ نفس المہوم، ص ۱۷۹۔ دقائق ایام محرم، ص ۴۹۶۔ منتخب للطبری۔ فرسان البیضاء، ج ۱، ص ۲۰۵۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۸۰۔  
تقارن، ص ۳۷۲ وغیرہ۔

۲۔ فرسان البیضاء، ج ۲، ص ۲۰۵۔



اما كان خير الرسل او صاكم بنا اما نحن من نسل النبي المسدد

اما كانت الزهراء امي دونكم اما كان من خير البريه احمد

لعنتم و اخزيتم بما قد جنيتهم فسوف تلاقو حرا نار توقد<sup>۱</sup>

### سرکار سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ

آخر وہ حشر ساماں وقت آ گیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے تمام اصحاب و اعزا ایک ایک کر کے داغ

مفارت دے گئے ۵

نه لشكرے نه سپا ہے نه كثر التا سے نه قاسمے نه على اكبرے نه عباس سے

محرم کا اصلی وقت قریب آ گیا۔ سورج ڈھل چکا ہے۔ عصر کا وقت قریب ہے۔ حسینؑ یکاہ تنہا رہ گئے ہیں۔

﴿نظر یمینا و شمالا﴾ دائیں بائیں نظر کرتے ہیں۔ سب اعموان و انصار اور اعزا و اقرباء کے لاشے خاک و خون

میں غلطان پڑے ہیں۔ اور کوئی یار و مددگار اور مونس و غمگسار نظر نہیں آتا۔ چند انصار کو نام بنام پکار کر فرماتے ہیں۔

يا ابطال الصفا و يا فرسان الهيجا مالی انا دیکم فلا تجیوں و ادعوکم فلا تسمعون<sup>۲</sup>

اے شجاعان باصفا و شیران بیشہ و غا۔ کیا بات ہے کہ میں تمہیں ندا دیتا ہوں۔ مگر تم جواب نہیں دیتے۔ اور

میں تمہیں بلاتا ہوں مگر تم نہیں سنتے۔<sup>۳</sup>

سب انصار و اقرباء داغ مفارت دے چکے ہیں۔ جن کے غم میں حسینؑ دل شکستہ ہیں۔ عباسؑ کی موت

نے کمر توڑ دی ہے۔ علی اکبرؑ کی شہادت نے گویا آنکھوں کی بصارت زائل کر دی ہے۔ کئی دن کی بھوک و پیاس۔ کربلا

کی قیامت خیز تپش سر پر پڑ رہی ہے۔ ستاون سال کا سن ہے۔ ان حالات میں جنگ کریں تو کیونکر؟ اگر حسینؑ کی جگہ

کوئی اور انسان ہوتا تو اپنا سر خود شمشیر قاتل کے سپرد کر دیتا۔ مگر شجاعت نبویہ و صولت حیدریہ کے وارث حسینؑ کے لئے

ایسا کرنا ناممکن تھا کیونکہ خود سپردگی قوانین اسلام کے خلاف ہے اور حفاظت خود اختیاری لازم ہے۔ حسینؑ نے آخر

وقت تک اپنے فرائض کو اس خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ مگر ظاہری اسباب کی بنا پر جنگ کرنے

کا لطف تو جب ہی تھا کہ جب آپؑ تلوار لے کر حملہ آور ہوتے۔ اور ایک طرف حضرت عباسؑ داد شجاعت دیتے

ہوتے۔ ایک طرف علی اکبرؑ معرکہ جنگ میں جو ہر دکھاتے ہوتے۔ ایک طرف اصحاب حفاظت کے لئے ساتھ ساتھ

ہوتے۔ اس صورت میں جنگ کا منظر دوسرا ہی ہوتا مگر حسینؑ نے سب کو دنیا سے ایک ایک کر کے رخصت ہو جانے

۱۔ وقائع الایام محرم، ص ۲۹۶۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۸۴۔ تقام، ص ۳۷۴ وغیرہ۔

۲۔ فرسان الهیجا، ج ۱، ص ۳۳۔



دیا۔ اور ان کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کی۔<sup>۱</sup> مزید برآں یہ کہنا بھی بالکل صحیح ہے۔ کہ اگر امام کا مقصد کوئی مادی جنگ لڑ کر ظاہری اقتدار پر قبضہ کرنا ہوتا۔ تو مذکورہ بالا بیان کے مطابق جہاں واقعہ کر بلا میں موجود حضرات کو ایک ایک کر کے رخصت نہ کرتے وہاں شیر بیشہ شجاعت مسلم بن عقیل کو تنہا کوفہ نہ بھیجتے۔ اور شجاعت حیدریہ کے مظہر اتم محمد بن حنفیہ کو مدینہ نہ چھوڑتے۔ اگر یہ حضرات بھی ہمراہ ہوتے اور پھر امام ان کے ساتھ مل کر جنگ کرتے۔ تو پھر معرکہ کر بلا کا ظاہری نقشہ کچھ اور ہی ہوتا مگر یہاں تو باطل کے ساتھ حق ظلم کے ساتھ مظلومیت، مادی طاقت کے ساتھ روحانیت کا مقابلہ تھا۔ اس لئے اس کے تقاضے وہی تھے۔ جن کو حکیم امت و نباض اسلام امام عالی مقام نے پورا کیا۔ ہاں جہاد آخر سے پہلے ایک بار پھر سید ابرار نے اتمام حجت کے لئے آواز استغاثہ بلند کی:

﴿هَلْ مِنْ ذَابٍ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُولِ اللَّهِ؟ هَلْ مِنْ مُوَاْجِدٍ يَخَافُ اللَّهَ فِينَا؟ هَلْ

مِنْ مُغِيثٍ يَرْجُو اللَّهَ بِإِغَاثِنَا هَلْ مِنْ مُعِينٍ يَرْجُو مَا عِنْدَ اللَّهِ بِإِعَانَتِنَا؟﴾

کوئی ہے جو حرم رسول سے دشمنوں کے شر کو دور کرے؟ کوئی خدا پرست ہے جو ہمارے معاملہ

میں خدا سے ڈرے؟ کوئی فریادرس ہے جو ثواب خداوندی کی خاطر ہماری فریادری کرے؟ کوئی

مددگار ہے جو حصول اجر کے لئے ہماری مدد کرے؟

اگرچہ سنگدل مخالفین پر امام کے اس استغاثہ کا کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ مگر بعض آثار سے واضح و آشکار ہوتا

ہے۔ کہ امام کی اس آواز استغاثہ سے تمام عوالم امکانیہ میں تلاطم برپا ہو گیا۔<sup>۲</sup> کائنات کے ذرہ ذرہ میں کھلبلی مچ گئی۔

چونکہ ندائے استغاثہ مطلق ہے اس میں کوئی استثناء نہیں۔ بظاہر تو خداوند عالم بھی اس اطلاق میں شامل ہے کہ ”کوئی ہے

جو ہماری مدد کرے۔“ اس لئے سب سے پہلے خداوند عالم نے اس کا عملی جواب دیا۔

هست از ملال گرچه بری ذات ذو الجلال او درد دل است و هیچ دلی نیست بے ملال

چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿انزل اللہ تعالیٰ النصر حتی رفرف علی رأس

الحسین ثم خیر بین النصر علی اعدائه و بین لقاء اللہ تعالیٰ فاختر لقاء اللہ﴾ خدا نے نصرت کو (ایک

پرنده کی شکل میں) نازل کیا۔ اس نے حسین کے سراقدرس پر پر مارے۔ خدا نے آپ کو اختیار دیا۔ کہ چاہو تو تمہیں

دشمنوں پر ظاہری فتح و فیروزی دے دوں اور چاہو تو میری لقا کو اختیار کرو؟ آپ نے برضا و رغبت لقاء پروردگار کو اختیار

کیا۔ (اصول کافی)

۱۔ شہید انصاری، ص ۵۱۶۔

۲۔ انصاری، ص ۱۵۳۔



بعض اخبار کے مطابق چار ہزار فرشتوں نے لبیک کہتے ہوئے کربلا میں حاضر ہو کر اپنی خدمات کی پیش کش کی۔ مگر جناب سید الشہداء نے ان کو جہاد کی اجازت نہ دی۔<sup>۱</sup>

اسی طرح بعض آثار سے آشکار ہوتا ہے۔ کہ جنات نے بھی حاضر ہو کر اپنی خدمات پیش کیں۔ مگر مصلحت شناس امام زمان نے ان کی خدمات کو بھی شرف قبولیت نہ بخشا<sup>۲</sup> اور جب امام کی آواز استغاثہ خیام میں پہنچی تو پردگیان عصمت و طہارت کی صدائے گریہ و بکا بلند ہوئی۔<sup>۳</sup>

امام زین العابدینؑ اگرچہ سخت بیمار تھے۔ اور حس و حرکت کرنے سے معذور تھے۔ مگر حجت خدا کی آواز استغاثہ کا یہ اثر ہوا۔ کہ عصاء کی ٹیک لیتے ہوئے افتاب و خیزاں شمشیر بکف ہو کر میدان کارزار کی طرف چل پڑے۔ جناب ام کلثوم نے ان کو تھامنے کی کوشش کی۔ مگر امام بیمار نے فرمایا: ﴿يَا عَمَّتَاهُ ذُرْنِي اِقَاتِلْ بَيْنَ يَدَيِ ابْنِ رَسُولِ اللّٰهِ﴾ پھوپھی جان مجھے چھوڑ دیجئے تاکہ میں فرزند رسولؐ پر جان نثار کروں۔ جب جناب سید الشہداء نے یہ عجیب منظر دیکھا تو جناب ام کلثوم کو آواز دی۔ ﴿اِحْسِيْهِ لِنَلَا تَخْلُو الْاَرْضَ مِنْ نَّسْلِ اَلْمُحَمَّدِ﴾ بہن ان کو روک لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ زمین آل رسولؐ کی نسل سے خالی ہو جائے۔ چنانچہ بی بی نے ان کو واپس کر کے اپنے بستر بیماری پر لٹا دیا۔<sup>۴</sup> اس وقت امام حسین علیہ السلام نے یہ دعا پڑھی: ﴿اَللّٰهُمَّ اَنْتَ مُتَعَالٰی الْمَكَانِ عَظِيْمَ الْجَبَرُوْتِ. شَدِيْدَ الْمِحَالِ. غَنِيٌّ عَنِ الْخَلَالِقِ. غَرِيْبُ الْكِبْرِيَا. قَادِرٌ عَلٰی مَا تَشَاءُ قَرِيْبُ الرَّحْمَةِ. صَادِقُ الْوَعْدِ. سَابِغُ النِّعْمَةِ. حَسَنُ الْبَلَاءِ. قَرِيْبٌ اِذَا دُعِيْتُ. مُحِيْطٌ بِمَا خَلَقْتَ قَابِلُ التَّوْبَةِ لِمَنْ تَابَ اِلَيْكَ قَادِرٌ عَلٰی مَا اَرَدْتَ. مُدْرِكٌ مَا طَلَبْتَ. وَ شَكُوْرٌ اِذَا شُكِرْتَ. وَ ذَكُوْرٌ اِذَا ذُكِرْتَ. اَدْعُوْكَ مُحْتَاجًا. وَ اَرْغَبُ اِلَيْكَ فَقِيْرًا وَ اَفْرَعُ اِلَيْكَ خَائِفًا وَ اَبْكِيْ اِلَيْكَ مَكْرُوْبًا وَ اَسْتَعِيْنُ بِكَ ضَعِيْفًا وَ اَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ كَافِيًا. اَحْكُمُ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا فَاِنَّهُمْ غَرُّوْنَا وَ خَذَلُوْنَا وَ غَدَرُوْنَا بِنَا وَ قَتَلُوْنَا وَ نَحْنُ عَشْرَةُ نَبِيْكَ وَ وَلَدُ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الَّذِيْ اصْطَفَيْتَهُ بِالرَّسَالَةِ وَ اَتَمَّنْتَهُ عَلٰی وَحْيِكَ فَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ اَمْرِنَا فَرْجًا وَ مَخْرَجًا بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ﴾<sup>۵</sup>

۱۔ کامل الزیارة، ص ۸۳۔ تقام ذخار، ص ۳۷۸۔

۲۔ منتخب للطریق، ص ۲۲۹۔

۳۔ ماہوف، ص ۲۲۹۔

۴۔ خصائص حسینیہ، ص ۱۵۳، طبع ایران۔

۵۔ مناقج الجنان، ص ۱۹۳۔ تقام، ص ۳۷۷۔ مصباح کفعمی، ص ۴۳۳، طبع کھنؤ۔



یہاں جناب سید الشہداء علیہ السلام کی ایک اور دعائے مبارکہ کا تذکرہ بھی خالی از فائدہ نہیں ہے۔ محدث قمی نے بحوالہ دعوات قطب راوندی امام زین العابدینؑ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ کہ آنجناب کا بیان ہے۔ کہ روز عاشورا میرے بابا بزرگوار نے مجھے سینہ سے لگا کر جب کہ جسم مبارک سے خون بہ رہا تھا۔ یہ دعا تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ یہ دعا مجھے اپنی والدہ ماجدہ نے اور ان کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم فرمائی تھی۔ ہر شدت اور سخت مصیبت کے وقت اسے پڑھنا چاہیے۔ وہ دعا یہ ہے: ﴿بِحَقِّ يَسِّ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ وَبِحَقِّ طَهٍ وَالْقُرْآنِ الْعَظِيمِ. يَا مَنْ يَقْدِرُ عَلَى خَوَائِجِ السَّائِلِينَ. يَا مَنْ يَعْلَمُ مَا فِي الضَّمِيرِ يَا مُنْقِصُ عَنِ الْمَكْرُوبِينَ يَا مُفَرِّجُ عَنِ الْمَغْمُومِينَ يَا رَاحِمَ الشَّيْخِ الْكَبِيرِ يَا رَازِقَ الطِّفْلِ الصَّغِيرِ. يَا مَنْ لَا يَحْتَاجُ إِلَى التَّفْسِيرِ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَافْعَلْ بِي كَذَا وَكَذَا﴾<sup>۱</sup> (یہاں اپنی حاجات کا تذکرہ کیا جائے)۔

### (۱۸) امام کے طفل شیر خوار کی شہادت

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ جب امام علیہ السلام نے آواز استغاثہ بلند کی تو اس وقت خیام حسینی\* سے مخدرات عصمت و طہارت کی صدائے نالہ و شیون بلند ہوئی۔ غیور امام کے کانوں میں جب بیبیوں کے رونے کی آواز پڑی تو ان کو تسلی دینے کی غرض سے فوراً خیام میں تشریف لائے۔ اور بی بیوں کو خاموش کیا۔ اسی اثنا میں خیمہ سے امام کے طفل شیر خوار کے رونے کی آواز آئی۔ امام نے زینب عالیہ سے فرمایا: ﴿نَاوِلْنِي وَلَدِي الصَّغِيرِ حَتَّى أُودِعَهُ﴾ میرے چھوٹے بچے کو لاؤ تاکہ میں اس سے وداع کر لوں۔ چنانچہ شہزادہ کو خدمت امام میں پیش کیا گیا۔ امام نے اسے گود میں لیا۔ اور بوسہ دینے کے لئے جھکے مگر اس سے پہلے حرمہ بن کابل اسدی (اور بروایت عقبہ بن بشرؑ) کا تیر لگا۔ جس سے بچہ جان بحق ہو گیا۔ جہاں تیر لگا تھا۔ وہاں سے خون کا فوارہ چھوٹا۔ امام نے نیچے چلورکھ لیا۔ جب چلو لبریز ہو گیا۔ تو اسے آسمان کی طرف پھینک دیا۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿فَلَمْ يَسْقُطْ مِنْ ذَلِكَ الدَّمِ قَطْرَةٌ إِلَى الْأَرْضِ﴾ اس مقدس خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرا۔ اس کے بعد شہزادہ کی لاش بی بی کو دیتے ہو فرمایا: ﴿هَوْنٌ عَلَيَّ مَا نَزَلَ بِي إِنَّهُ بِعَيْنِ اللَّهِ﴾ اس یقین نے میرے مصائب کو آسان کر دیا ہے۔ کہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ خدا کے سامنے ہے۔<sup>۲</sup>

دمعہ سا کہہ میں بعض کتب کے حوالہ سے شہزادہ کی شہادت قدرے تفصیل سے مذکور ہے۔ جناب عقیلہ بنی

۲۔ خصائص حسینیہ، ص ۱۵۳۔

۱۔ نفس المہموم، ص ۱۸۳۔

۳۔ نفس المہموم، ص ۱۸۵۔ بہرہ سید ابن طاووس، ص ۱۰۱۲۔

۴۔ مقاتل الطالبین۔



ہاشم بچہ کو امام حسین علیہ السلام کے پاس لائیں اور عرض کیا کہ بچہ نے کئی دن سے پانی کا قطرہ نہیں پیا۔ اس لئے اب شدت پیاس سے بلک رہا ہے۔ اس کے لئے کچھ پانی کا انتظام کرو۔ چنانچہ امام شہزادہ کو لے کر قوم جفا کار کے سامنے تشریف لے گئے۔ اور فرمایا: ﴿یا قوم قد قتلتم شیعتی و اهل بیتی قد بقی هذا الطفل و یلکم اسقوا هذا الرضیع اما ترونه یتلظى عطشاً من غیر ذنب﴾ اے قوم (اشقیاء) تم نے میرے شیعیان اور اہل خاندان کو قتل کر دیا ہے۔ یہ طفل شیر خوار باقی ہے۔ اسے پانی کا گھونٹ پلا دو۔ ذرا دیکھو تو سہی کس طرح بلا گناہ شدت پیاس سے تڑپ رہا ہے۔ امام کا سلسلہ کلام ابھی جاری تھا کہ حرمہ بن کاہل اسدی نے تیر مارا۔ جس سے شہزادہ نے امام کی گود میں ہی دم توڑ دیا۔<sup>۱</sup> تذکرۃ الخواص کی روایت کے مطابق فرمایا: ﴿ان لم تر حمونی فارحموا هذا الطفل﴾ اگر مجھ پر رحم نہیں کرتے تو اس بچے پر تو رحم کرو۔<sup>۲</sup>

بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے اس کلام کا یہ اثر ہوا کہ فوج اشقیاء میں ہمہ پیدا ہوا۔ اور ایک دوسرے کو کہنے لگے: اگر اس بچے کو قطرہ آب دے دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ (ریاض القدس، ج ۲، ص ۱۰۱) پھر سعد نے حرمہ کو حکم دیا: ﴿یا حرمہ! اقطع کلام الحسین﴾ اے حرمہ! حسین کا کلام قطع کر دے۔ چنانچہ سہ شعبہ تیر فرائے لیتا ہوا آیا اور شہزادہ کے نازک کان میں لگا: ﴿فذبحد من اذن النی اذن﴾ اور کان کو چھیدتا ہوا دوسرے کان سے پار ہو گیا۔ اور بچہ نے دم توڑ دیا۔<sup>۳</sup>

اس وقت امام نے فرمایا: ﴿اللہم احکم بیننا و بین قوم دعونا لینصرونا فقتلونا﴾ خداوند! تو ہی ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ کر۔ جس نے ہمیں بلایا تا کہ نصرت کریں۔ اور جب ہم آئے تو ہمیں قتل کرنا شروع کر دیا۔<sup>۴</sup> ہاتف غیبی کی آواز آئی: ﴿یا حسین دعه فان له مضعاً فی الجنة﴾ اے حسین! اسے چھوڑ دو کہ اس کے لیے جنت میں دایہ موجود ہے۔<sup>۵</sup>

بعض روایات میں وارد ہے کہ امام اس شہزادہ کی لاش واپس لائے۔ اور دوسرے شہداء اہل بیت کے پاس رکھ دی۔<sup>۶</sup> لیکن مشہور یہ ہے کہ امام گھوڑے سے اترے اور تلوار سے منہی سی قبر کھودی پھر نماز جنازہ پڑھی اور بچہ کو خون میں رنگین کر کے اس میں دفن کر دیا۔ اور اس وقت یہ اشعار غم شعار پڑھے۔<sup>۷</sup>

عن ثواب اللہ رب الثقلین

کفر القوم و قدماً رغبوا

۲ تذکرۃ الخواص، ص ۲۵۲، طبع النجف۔

۳ بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۲۰۳۔

۴ ارشاد، ص ۲۶۲، نفس المہوم، ص ۱۸۶۔

۱ الدمعہ الساکبہ، ص ۳۴۰۔

۲ منتخب طریقی، ص ۲۴۔

۵ تقام، ص ۲۸۵۔



قتلوا قدماً علیاً و ابنه  
حسن الخیر کریم الابین  
ننھی سی قبر کھود کے اصغر گوگاڑ کے  
شیر اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے  
وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ۔

تبصرہ

اربابِ مقاتل کے درمیان اس بات میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس طفل شیر خوار کا نام کیا تھا۔ چنانچہ بعض نے عبد اللہ اور بعض نے علی اصغر لکھا ہے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ دو علیحدہ علیحدہ شہزادے ہیں۔ علی اصغر جناب رباب کے بطن سے تھے۔ جن کی عمر واقعہ کر بلا کے وقت چھ ماہ سے زائد نہ تھی۔ اور عبد اللہ کی ولادت اسی روز عاشوراء کر بلا میں ہوئی تھی لیکن تحقیقی قول یہ ہے کہ یہ ایک ہی صاحبزادے کے دو عنوان ہیں۔ اصل میں شہید ہونے والا یہ بچہ وہی ہے جو شہزادہ علی اصغر کے نام سے مشہور ہے۔ واللہ العالم۔

سید الشہداء کا مخدرات سے الوداع ہونا

وہ گھڑی بڑی قیامت خیز تھی۔ جب سرکار سید الشہداء (علیہ السلام) مخدرات سے روانہ ہونے کے لیے مہیا ہو رہے تھے۔ یہ جانتے ہوئے کہ تھوڑی دیر کے بعد ان اطفال خور دسال اور پردگیان عصمت و طہارت کا کوئی ظاہری طہاء و ماء وا اور پرسان حال نہ ہوگا بلکہ قریباً تیس ہزار کے بے رحم لشکرِ جبار کے ہاتھوں گرفتار ہوں گی۔ اہل حرم کو بھی اس بات کا اندازہ تھا۔ نیز یہ احساس بھی تھا کہ امامؑ تھوڑی دیر کے مہمان ہیں۔ آپؑ سیدزادیوں کے جُھر مٹ میں کھڑے ہوئے ہیں۔ سب کے چہروں پر حسرت و یأس برس رہی ہے۔ اسی لیے بعض آثار سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جناب امام حسینؑ کا آخری وداع عظیم ترین مصائب تھا۔ رح

گر خوانمش قیامتِ صغریٰ بعید نیست

اسرارِ امامت و ودائعِ نبوت کی تحویل

اس وقت امام (علیہ السلام) نے دو کام انجام دیے۔ (۱) پہلا کام اسرار و ودائعِ امامت کی تحویل کی۔ بعض اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ ودائع و اسرارِ امامت دو قسم کے ہوتے ہیں۔ کچھ وہ جو بلا واسطہ امام سابق سے امام لاحق کی طرف منتقل ہوتے ہیں جیسے اسمِ اعظم وغیرہ اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو بلا واسطہ بھی منتقل ہو سکتے ہیں۔ اول قسم کے ودائع و اسرارِ امامت تو جناب امام حسینؑ نے آخری رخصت کے وقت امام زین العابدینؑ کو سپرد فرمائے۔<sup>۱</sup> اور

۱۔ مقتل الحسین خوارزمی، ج ۲، ص ۳۲۔ احتجاج طبری، ص ۱۶۳۔ ۲۔ کبریٰ احمر، ص ۱۳۱۔ ودائعِ ایام محرم، ص ۵۲۰۔

۳۔ جلاء العین مجلسی، ص ۱۹۶۔



دوسری قسم کے ودائع و تبرکات توسط جناب ام سلمہؓ امام کو پہنچائے۔ جیسا کہ بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت ان کے سپرد کئے تھے۔ جو انہوں نے رہائی کے بعد امام سجادؓ کے حوالے کئے۔<sup>۱</sup> اور بعض اپنی دختر فاطمہ کبریٰؓ کے ذریعہ سے امام تک پہنچائے۔<sup>۲</sup> کتاب کمال الدین صدوق کی ایک روایت سے جناب عقیلہ بنی ہاشم کا توسط بھی ظاہر ہوتا ہے۔

### امام کا آخری وقت لباس کہنہ طلب فرمانا

دوسرا کام یہ انجام دیا کہ جناب زینب عالیہؓ سے فرمایا: ﴿یا اختاہ ایتبسنی بثوب عتیق لا یرغب فیہ احد من القوم۔ اجعلہ تحت ثیابی لنلا اجرہ منہ بعد قتلی﴾ ”بہن زینب! مجھے ایسا پرانا پیراہن لا کر دو جس میں کوئی بھی رغبت نہ کرے کہ اسے اپنے لباس کے نیچے پہن لوں تاکہ شہادت کے بعد مجھے برہنہ نہ کیا جائے۔“ امام کا یہ کلام سن کر بی بیوں میں گریہ و بکا کا کھرام مچ گیا۔ پھر قدرے تنگ اور بہت ہی بوسیدہ لباس پیش کیا گیا۔ امام نے یہ فرما کر کہ ﴿ذاک لباس من ضربت علیہ الذلت﴾ ”یہ تو اس شخص کا لباس ہے جس پر پوری طرح بے کسی و بے نوائی مسلط ہو جائے۔“ اس کو پہننے سے انکار کر دیا پھر ایک کھلا مگر قدرے پرانا لباس پیش خدمت کیا گیا۔ امام نے اسے جا بجا سے پارہ پارہ کر دیا۔ اور زیر لباس زیب تن فرمایا۔<sup>۳</sup> مگر افسوس کہ ایسی احتیاطی تدابیر کے اختیار کرنے کے باوجود بھی امام کا مقصد پورا نہ ہو سکا۔ کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ آپ کی شہادت کے بعد جہاں آپ کا دوسرا لباس اتارا گیا۔ وہاں وہ لباس کہنہ بھی ابجر بن کعب ملعون نے اتار لیا۔ (تفصیل بعد میں آرہی ہے۔ انشاء اللہ اسی طرح پھر بردیمانی کی سلی ہوئی شلوار طلب فرمائی۔ اسے بھی جا بجا سے چاک کر کے پہن لیا۔<sup>۴</sup> اس کے بعد اسلحہ جنگ سے مسلح ہوئے۔ جب باہر تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا تو پردگیان عصمت و طہارت کو الوداعی سلام کرتے ہوئے فرمایا: ﴿یا سکینۃ و یا فاطمۃ یا زینب یا ام کلثوم علیکن منی السلام﴾ اس وقت عجیب درد انگیز اور رقت خیز منظر تھا کیونکہ

عصر کا وقت آ گیا وعدہ وفا ہونے کو ہے      زیر خنجر آج سبط مصطفیٰ ہونے کو ہے  
خشک ذروں میں نمایاں ہوں گے آثار جناب      آج دشت ماریہ اک پر فضا ہونے کو ہے

۱۔ جلال العیون، ص ۱۹۶۔

۲۔ ملبوف، ص ۱۰۹۔

۳۔ طبری، ج ۶، ص ۲۵۹۔ مقتل الحسین، ص ۳۱۶۔

۴۔ اثبات الوصیۃ مسعودی، ص ۹۰۔

۵۔ اکمال الدین و اتمام النعمۃ۔

۶۔ ملبوف، ص ۱۰۹۔ نفس المہموم، ص ۱۹۲۔

۷۔ عاشق بحار، ص ۲۰۳۔ وقائع، ص ۵۲۷۔



آج آثار قیامت ہیں نمایاں دہر میں سجدہ خالق میں کس کا سر جدا ہونے کو ہے  
جس کی خاطر زینب مغموم نے چھوڑا وطن عالم غربت میں بھائی سے جدا ہونے کو ہے  
یہ جگر خراش منظر دیکھ کر جناب سیکینہ خاتون آگے بڑھیں۔ اور عجیب معصومانہ انداز میں سوال کیا: ﴿يَا أَبَتَاهُ  
أَوْ اسْتَسْلَمْتُ لِلْمَوْتِ؟﴾ بابا جان! کیا آپ نے مرنے کے لیے بالکل تیاری کر لی ہے؟ امام نے فرمایا: ﴿كَيْفَ  
لَا يَسْتَسْلِمُ لِلْمَوْتِ مَنْ لَا نَاصِرَ لَهُ وَلَا مُعِينٌ﴾ بیٹی! جس شخص کا کوئی یار و مددگار نہ ہو۔ اگر وہ موت کے لیے  
تیار نہ ہو تو اور کیا کرے؟ سیکینہ نے عرض کیا: ﴿يَا أَبَتَاهُ رَدِّنا اِلَى حَرَمِ جَدْنَا﴾ بابا جان! پھر ہمیں جدنا مدار کے حرم کی  
طرف لوٹا دیجئے۔ امام نے جواب میں مشہور ضرب المثل زبان پر جاری فرمائی کہ ﴿هَيْهَاتَ لَوْ تَرَكَ الْقِطَا لَنَامَ﴾  
افسوس اگر قطا پرندہ کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تو آرام کی نیند سو جاتا۔ مطلب یہ تھا کہ واپس لوٹانے کی فرصت نہیں۔ باپ  
بیٹی کا یہ سوال و جواب سن کر مخدرات کی آواز گریہ و بکا بلند ہوئی۔ امام نے ان کو صبر و شکیب کی تلقین کر کے خاموش  
کیا۔ اور جناب سیکینہ کو پیار کرتے ہوئے دلاسا دیتے ہوئے فرمایا ۛ

سَيَطُولُ بَعْدِي يَا سَكِينَةَ فاعلمي  
منك البكاء اذ الحمام دهاني  
لا تحرقني قلبي بدمعك حَسْرَةً  
مادام مني الروح في جثمانِي  
فاذا قتلت فانت اولي بالذي  
ناقينهُ يا خيرة النسوان ۛ

اس کے بعد آخری جہاد کے لیے باہر تشریف لائے۔ اس وقت اہل خیام کی کیا حالت تھی؟ مرزا صاحب  
مرحوم نے اس کی تصویر کشی یوں کی ہے ۛ

شیر برآمد ہوئے یوں خیمہ کے در سے  
جیسے کہ نکلتا ہے جنازہ کسی گھر سے  
شیر جہانگیر عرصہ رزم گاہ کر بلا میں

اس وقت جناب نے سیاہی مائل خنز کا جبہ دربر اور گلابی رنگ کا عمامہ برسر، چادر رسول بردوش، زرہ رسول بر  
بدن اور شمشیر رسول بکف ۛ کر رکھی تھی اور ریش مبارک پر وسمہ کا خضاب لگایا ہوا ۛ تھا۔ اسی حالت میں قوم اشیاء  
کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ اور بعض روایات کی بنا پر وہ اشعار پڑھے جن کا پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے ۛ  
كفر القوم وقد ما رغبوا  
عن ثواب الله رب العالمين



پھر مبارز طلب کیا۔ اب امام حسینؑ نظر بہ نظر حالات جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ جنگ کرنے کے قابل نہ رہے تھے مگر شجاعت نبویہ، صولت حیدریہ اور ہیبت الہیہ کے مالک امامؑ نے وہ جو ہر شجاعت و شہامت دکھائے کہ شجاعان عالم کے جنگی کارنامے ان کے سامنے ہیچ نظر آتے ہیں۔ جو مقابلہ میں آیا اسے واصل جہنم کیا۔ اس طرح ایک جماعت کثیرہ کو اس کے کیفر کردار تک پہنچایا۔<sup>۱</sup> اب جبکہ مخالف مقابلہ میں نکلنے سے پس و پیش کرنے لگے۔<sup>۲</sup> تو امامؑ نے یہ رجز پڑھتے ہوئے مخالف کے میمنہ لشکر پر حملہ کر دیا۔

و العار اولی من دخول النار

الموت اولی من رکوب العار

اس طرح دشمنان خدا و رسولؐ کے ایک جم غفیر کو واصل جہنم کرنے کے بعد پھر میسرہ پر یہ رجز پڑھتے ہوئے ٹوٹ پڑے۔

الیت ان لا انشی  
امضی علی دینؑ النبیؐ

انا الحسین بن علیؑ  
احمى عیالات ابیؑ

اس طرح پھر ایک جماعت کثیرہ کو جہنم رسید کیا۔

### فرزند حیدرؑ گز ار کی بے مثال بہادری کے کارنامے

بعض راویان اخبار (حمید بن مسلمؑ یا عبداللہ بن عمارؑ بن یغوث) کا بیان ہے کہ ﴿واللہ ما رأیت مکشوراً قط قد قتل ولده و اهل بيته و اصحابه اربط جأشاً منه عليه السلام و ان كانت الرجالة لتشد عليه فيشد عليها بسيفه فتكشف عنه انكشاف المعزى اذ اشد فيها الذنب و لقد كان يحمل فيهم و قد تكملوا ثلثين ألفاً فينهزمون بين يديه كانهم الجراد المنتشر ثم يرجع الى مركزه و هو يقول لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم﴾ بخدا میں نے کسی نرغہ اعداء میں گھرے ہوئے شخص کو نہیں دکھا جس کا سارا گھرانہ آنکھوں کے سامنے قتل ہو گیا ہو۔ اور پھر حسینؑ ایسا شجاع، ثابت قدم، مطمئن، اور جری ہو۔ حالت یہ تھی کہ چاروں طرف سے ان پر پیادے حملہ کرتے تھے مگر جب حسینؑ تلوار سونت کر ان پر جوابی حملہ کرتے تھے۔ تو وہ اس طرح بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ جس طرح بھیڑیے کے حملہ کے وقت بکریاں بھاگ جاتی ہیں۔ حالانکہ ان کی تعداد تیس ہزار تھی۔ مگر جب امامؑ ان پر تابڑ توڑ حملہ کرتے تو ان کے سامنے سے یہ اس طرح بھاگ نکلتے۔ اور ادھر ادھر تتر بتر ہو جاتے گویا کہ پراگندہ ٹڈیاں ہیں۔ ہر حملہ کے بعد امامؑ اپنے مرکز پر واپس لوٹ آتے اور

۱۔ مقتل عوالم، ص ۹۷۔ مقتل الحسین خوارزمی، ج ۲، ص ۳۳۔ مقتل للمقرم، ص ۳۱۹۔

۲۔ جلاء العین، ص ۱۹۶، طبع النجف۔ ۳۔ عاشر بحار، ص ۱۰۳۔ نفس المہموم، ص ۱۸۷۔

۴۔ ارشاد، ص ۲۶۳۔ ۵۔ مقتل الحسین للمقرم، ص ۳۲۰۔



پڑھتے ﴿لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم﴾<sup>۱</sup> بعض روایات میں اس کے ساتھ ﴿العلی العظیم﴾ موجود نہیں ہے۔ امام نے اسی طرح مسلسل کئی جملے کئے۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے جناب سید محمد بن ابی طالب کے مقتل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان شدید حملوں میں اسد اللہ الغالب کے فرزند نے ایک ہزار نو سو پچاس لعینوں کو دارالبوار میں پہنچایا۔<sup>۲</sup> یہ فوق العادۃ شجاعت کا مظاہرہ دلیل امامت ہے فوج کی یہ سراسیمگی اور ابتری دیکھ کر عمر بن سعد نے سپاہیوں کو لٹا کر کہا: ﴿ویل لکم اتدرون لمن تقاتلون هذا ابن الانزع البطین هذا بن قتال العرب فاحملوا علیہ من کل جانب و كانت الرماة اربعة آلاف فرموہ بالسہام﴾ افسوس ہے۔ تم پر کچھ جانتے بھی ہو کہ تم کس سے جنگ کر رہے ہو؟ یہ انزع بطین اور عرب کے سب سے بڑے جنگجو بہادر (علی بن ابی طالب) کا فرزند ہے۔ ان پر چاروں طرف سے ایک ساتھ حملہ کر دو۔ فوج مخالف میں صرف چار ہزار تو تیر انداز تھے۔ حکم کا ملنا تھا کہ امام پر ہر طرف سے تیروں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔<sup>۳</sup>

### شمر ذی الجوشن کا خیام امام کو لوٹنے کا ارادہ کرنا

اسی اثناء میں شمر بن ذی الجوشن فوج کا ایک دستہ لے کر اہل حرم کی غارتگری کے منحوس ارادہ سے امام کے خیام کی طرف متوجہ ہوا اور یہ دستہ فوج امام اور ان کے خیام کے درمیان حائل ہو گیا۔ امام نے سپاہ ابن سعد کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ﴿و یحکم یا شیعة ال ابی سفیان ان لم یکن لکم دین و کنتم لا تخافون المعاد فکونوا احراراً فی دنیاکم و ارجعوا الی احسابکم اذ کنتم اعراباً﴾ اے آل ابوسفیان کے شیعو! اگر تمہیں مذہب کا خیال اور آخرت کا خوف نہیں ہے تب بھی آخر تم عرب ہونے کے دعویدار ہو۔ اپنی قومی غیرت و حمیت کا ثبوت دو۔ شمر نے کہا۔ ﴿ما تقول یا بن فاطمة؟﴾ فرزند فاطمہ کیا کہتے ہو؟۔ غیور امام نے فرمایا۔ ﴿اقول انا الذی اقاتلکم و تقاتلونى والنساء لیس علیہن جناح فامنعوا عتاتکم عن التعرض لحرمی ما دمت حیاً﴾ میں کہتا ہوں کہ میں تم سے جنگ کر رہا ہوں اور تم مجھ سے۔ عورتوں کا اس میں کیا قصور ہے؟ جب تک میں زندہ ہوں اپنے سرکش گستاخوں کو منع کر دو کہ میرے خیام سے تعرض نہ کریں۔ یہ سن کر شمر نے قدرے شرمندہ ہو کر کہا۔ ﴿لک ذالک﴾ آپ کا یہ مطالبہ منظور ہے۔ پھر اس نے اس دستہ فوج کو پکار کر کہا۔ ﴿الیکم عن حرم الرجل فاقصدوه فی نفسہ فلعمری لہو کفو کریم﴾ اس شخص (امام) کے خیام سے دور ہو جاؤ اور خود اس کی طرف متوجہ ہو۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم یہ کفو کریم ہے۔<sup>۴</sup>

۱۔ مہوف، ص ۱۰۵۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۲۰۴۔

۳۔ نفس المہموم، ص ۱۸۸۔

۴۔ بحار، ج ۱۰، ص ۲۰۴۔ طبری، ج ۶، ص ۲۵۹۔



چنانچہ اس حکم کے بعد تمام فوج امامؑ کی طرف متوجہ ہو گئی اور ہر طرف سے آپ پر تیروں، تلواروں اور نیزوں کی بارش ہونے لگی۔ شدت پیاس سے امامؑ کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ بار بار پانی کا مطالبہ کرتے تھے مگر ظالم استہزاء کرتے تھے اور گستاخانہ جواب دیتے تھے۔ امام شریعہ فرات کی طرف رخ کرتے، بے حیا فوج سامنے حائل ہو جاتی۔ فوج مخالف کے ٹھٹ کے ٹھٹ بڑھے چلے آتے تھے مگر یہ امام حسینؑ کی شمشیر خارا شکاف تھی جو انہیں انانج کے دانوں کی طرح بکھیر کر رکھ دیتی تھی۔ یہ امام حسینؑ کا ہی حوصلہ تھا کہ زخموں سے چور چور ہونے کے باوجود بھی اس طرح بے جگری سے مقابلہ کر رہے تھے۔ کوئی اور ہوتا تو کبھی کا دل چھوڑ گیا ہوتا۔

### نہر فرات پر ساقی کوثر کے فرزند کا قبضہ

اشاء جہاد میں ایک ایسا موقع آیا کہ ساقی کوثر کے فرزند نے اعمور اسلمی اور عمرو بن الحجاج زبیدی (نہر فرات کی حفاظتی چار ہزار فوج کا سردار تھا) پر حملہ کرتے ہوئے اور تمام فوج کو بھگاتے ہوئے گھوڑا دوڑاتے ہوئے نہر فرات تک پہنچ کر گھوڑا نہر میں ڈال دیا۔ چاہا کہ پانی پیئیں مگر ایک ظالم حسین بن تمیم لعین نے تیر مارا جو آپؑ کے حلق مبارک میں پیوست ہو گیا۔ آپؑ نے تیر کھینچا، خون کا فوارہ نکلا۔ امامؑ نے ہاتھ نیچے دھرا۔ دونوں چلو خون سے بھر گئے۔ آپؑ نے خون آسمان کی طرف اچھالا اور خدا کا شکر ادا کیا اور کہا: ﴿یارب الیک مشتکی من قوم اراقوا دمی و منعو فی شرب الماء﴾ بارالہا! میں اس قوم جفا کار کا شکوہ تیری بارگاہ میں کرتا ہوں، جس نے میرا خون بہایا اور مجھے پانی پینے سے روکا۔<sup>۱</sup>

بعض روایات میں وارد ہے کہ جب سید الشہداءؑ نے گھوڑا نہر میں ڈال دیا اور گھوڑے نے پانی پینے کے لئے منہ نیچے کیا تو امامؑ نے فرمایا: ﴿انت عطشان وانا عطشان واللہ لا ذقت الماء حتی تشرب﴾ گھوڑا! تو بھی پیاسا ہے اور میں بھی۔ بخدا میں اس وقت تک پانی نہیں پیوں گا جب تک تو نہ پی لے۔ گویا اسپ وفادار امامؑ کا کلام سمجھ گیا اس لئے منہ اوپر اٹھالیا۔ امامؑ نے فرمایا: ﴿اشرب فانا اشرب﴾ تو پانی پی، میں بھی پانی پیتا ہوں۔ پھر پانی کا چلو بھرا، چاہا کہ پیئیں کہ اس اشاء میں ایک مکار نے کہا: ﴿یا ابا عبد اللہ تتلذذ بشرب الماء وقد هتکت حرماً﴾ ابو عبد اللہ! آپؑ پانی پی رہے ہیں اور ادھر آپؑ کے خیام لوٹے جا رہے ہیں۔ امامؑ نے پانی پھینک دیا اور حملہ کر کے فوجوں کو ہٹاتے ہوئے جب خیام کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ خیام صحیح و سالم ہیں۔<sup>۲</sup>

۱۔ مناقب الطالین، ص ۸۶۔

۲۔ طبری، ج ۶، ص ۲۵۸۔

۳۔ بخاری، ج ۱۰، ص ۲۰۴۔ نفس المہجوم، ص ۱۸۸۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۸۹۔ مقتل الحسین للمقدم، ص ۳۲۱ بحوالہ کتاب متعددہ۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۸۹۔



## امام کا دوسری بار اہل حرم کو الوداع کہنا

امام علیہ السلام پھر ایک بار خیام میں تشریف لے گئے اور اپنے اہل بیت کو صبر و شکر کی تلقین کی اور اجر و ثواب عظیم کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا: ﴿استعدوا للبلاء و اعلموا ان الله تعالى حافظكم و حامیکم سیجنبکم من شر الاعداء و یجعل عاقبة امرکم الی خیر و یعذب اعدایکم بانواع البلاء و یعوضکم عن هذه البلیة بانواع النعم و الکرامة فلا تشکروا ولا تقولوا بالسنکم ما ینقص من قدرکم﴾ اب تم بلا و مصیبت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یقین رکھو کہ خدا تمہارا حافظ و مددگار ہے۔ وہ تمہیں شر اعداء سے محفوظ رکھے گا۔ تمہارا انجام بخیر کرے گا اور تمہارے دشمنوں کو مختلف قسم کے عذاب و عقاب میں مبتلا کرے گا اور تمہیں اس بلا و مصیبت کے عوض مختلف انعام و اکرام سے نوازے گا۔ پس تم کسی قسم کا کوئی شکوہ و شکایت نہ کرنا اور کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکالنا جو تمہاری منزلت میں کمی کی موجب ہو۔

اس کے بعد امام علیہ السلام دوبارہ میدان کارزار میں تشریف لائے اور خدا واد شجاعت و شہامت کے جوہر دکھانے شروع کئے اور کشتوں کے پستے لگانے لگے۔ شمر نے یہ دیکھ کر نئے سرے سے لشکر کو اس طرح سے مرتب کیا کہ پیادوں کے پیچھے سواروں کو کھڑا کر کے تیر اندازوں کو تیر چلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ امام علیہ السلام پر اس قدر تیر برسائے گئے کہ اہل تاریخ کے بیان کے مطابق صار کا لقتلہ کہ آپ کا جسم نازنین ساہی کے کانٹوں کی طرح ہو گیا۔ ہر طرف سے تیروں کا مینہ برس رہا تھا۔ امام جوابی حملے بھی کرتے جاتے تھے اور یہ بھی فرماتے جاتے تھے: ﴿یا امة السوء بنسما خلقتکم محمداً فی عترتہ اما انکم لن تقتلوا بعدی عبداً من عباد الله فتهابوا قتله بل یهون علیکم عند قتلکم ایای و ایم الله انی لارجوان یکرمنی ربی بالشهادة بهوانکم ثم ینتقم لی منکم من حیث لا تشعرون﴾ اے رسول کی بری امت! تم نے جناب رسول خدا کے بعد ان کی عترت طاہرہ کے ساتھ بہت ہی برا سلوک کیا ہے۔ آگاہ ہو کہ تم میرے بعد کسی ایسے بندہ خدا کو قتل نہیں کرو گے کہ جس سے کہ تمہیں خوف محسوس ہو بلکہ میرے عظیم قتل کے بعد تمہیں دوسروں کا قتل آسان معلوم ہوگا۔ خدا کی قسم! مجھے امید ہے کہ خدا مجھے شہادت کے درجہ رفیعہ پر فائز کرے گا اور پھر تم سے میرے قتل کا اس طرح انتقام لے گا کہ تمہیں شعور بھی نہ ہوگا۔

حصین بن مالک سکونی نے با آواز بلند کہا۔ اے فرزند فاطمہ! خدا کس طرح ہم سے انتقام لے گا؟ امام نے فرمایا۔ ﴿یلقی بأسکم بینکم و یسفک دمائکم ثم یصیب علیکم العذاب الالیم﴾ تمہارے درمیان

۱۔ جلاء العیون، ص ۱۹۶۔ نفس المہموم، ص ۱۸۸۔ مقتل الحسین للمقرم، ص ۳۲۲ وغیرہ۔

۲۔ ارشاد مغیہ، ص ۲۶۳۔



اختلاف اور لڑائی واقع کر کے تمہارے خون بہائے گا اور پھر تم پر دردناک عذاب نازل کرے گا۔

اس اثناء میں ایک ملعون ابوالختوف جھٹی نے آپ کی پیشانی اقدس پر زبردست تیر مارا جس کی وجہ سے چہرہ انور پر خون بہنے لگا۔ امام علیؑ نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا: ﴿اللّٰهُمَّ اِنک تری ما انا فیہ من عبادک هؤلاء العصاة اللّٰهُمَّ احصهم عدداً و لا تذر علی وجه الارض منهم احداً و لا تغفر لهم ابداً﴾ یا اللہ! تو دیکھ رہا ہے کہ تیرے یہ سرکش بندے میرے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔ تو انہیں قتل و غارت کر اور روئے زمین پر ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑ اور انہیں ہرگز معاف نہ کر۔

بعض کتب میں وارد ہے کہ بایں ہمہ امام علیہ السلام بڑی دلیری اور جگر کاوی کے ساتھ قوم اشقیاء کا مقابلہ کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ اب کے بعض حملوں میں مقام ذوالکفل تک پہنچ گئے جو اس مقام سے جہاں آپ نے علم نصب کیا ہوا تھا بارہ میل کے فاصلے پر تھا۔ اس اثناء میں ہاتف غیبی کی آواز آئی۔ ﴿یا ایہا الذین آمنوا اوفوا بالعقود﴾

ع آواز آئی غیب سے وعدے وفا کرو

اس وقت امام علیؑ نے تلوار میان میں ڈال لی اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ﴿لا حول و لا قوۃ الا باللہ رضا بقضائہ و تسلیماً لامرہ﴾۔

SIBTAIN.COM

امام مظلومؑ کے زخموں کی تعداد

ظالموں نے یہ کیفیت دیکھ کر اور بھی شدید حملے کر کے امامؑ کو بالکل گھائل کر دیا۔ آقائے مظلومؑ کا جسم مقدس زخموں سے چور چور ہو چکا تھا۔ بروایت بہتر (۷۲) بروایت تینتیس (۳۳) نیزوں کے اور ۲۴ تلوار کے، بروایت کچھ اور پرتین سو، بروایت تین سو ساٹھ اور ایک روایت کے مطابق ایک ہزار نو سو پچاس زخم تھے۔ کما قبل۔

یک ہزار و نہ صد و پنجاہ زخمے بر بدن ہیچ زخمے کمتر از داغ علی اکبرؑ نبود ہماری ناچیز رائے یہ ہے کہ یہ حد بندی صحیح نہیں ہے جبکہ ایک ایک زخم میں کئی کئی زخم موجود تھے۔ تو اس صورت میں کون صحیح اندازہ لگا سکتا ہے کہ زخموں کی اصل تعداد کس قدر تھی؟

می خواہم از خدا بدعا صد ہزار جان تا صد ہزار بار بمیرم برائے او

۱۔ مقتل الحسین للمقرم، ص ۳۲۲۔ نفس المہوم، ص ۱۸۹۔

۲۔ مواء حسنہ (نقل بالمعنی)، ص ۱۰۵، ۱۰۴، طبع سیوم۔

۳۔ نفس المہوم، ص ۱۸۹۔ وقائع ایام محرم، ص ۵۵۲۔



ارباب مقاتل کا بیان ہے کہ خون کے بکثرت بہہ جانے کی وجہ سے امام عالی مقام پر ضعف و نقاہت کا غلبہ تھا۔ بدن زخموں سے نڈھال ہو گیا تھا۔ قدرے ستارے تھے کہ اچانک ایک شقی نے پیشانی اقدس پر پتھر مارا جس کی وجہ سے خون نکلا۔ امام عالی مقام نے کریمہ کا دامن اٹھایا تاکہ خون کو پونچھیں کہ اس اثناء میں ایک سہ شعبہ نوکدار تیر فرائے لیتا ہوا آیا اور آنجناب کے سینہ بے کینہ میں پیوست ہو گیا۔ تیر کا لگنا تھا کہ امام نے پڑھا۔ ﴿بسم اللہ وباللہ و علیٰ ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ﴾۔ پھر آسمان کی طرف سر بلند کر کے کہا۔ ﴿اللہی انک تعلم انہم یقتلون رجلاً لیس علی وجہ الارض ابن نبی غیورہ﴾۔ بارالہا! تو بہتر جانتا ہے کہ یہ لوگ ایسے شخص کو قتل کر رہے ہیں کہ اس وقت تمام روئے زمین پر اس کے سوا اور کوئی فرزند رسول نہیں ہے۔ تیر سہ شعبہ تھا اور سینہ بے کینہ کے آر پار ہو گیا تھا۔ اس لئے امام نے ہر چند کوشش کی مگر سامنے کی طرف سے تیر کو نہ کھینچ سکے اس لئے جھک کر پشت کی طرف سے کھینچا۔ ﴿فابعث الدم کالمیزاب﴾ پر نالے کی طرح جوش مار کر خون نکلا۔ امام نے نیچے ہاتھ رکھ لیا۔ جب چلو لبریز ہو گیا تو آسمان کی طرف پھینک دیا۔ مگر ایک قطرہ بھی واپس نہ آیا۔ پھر دوبارہ نیچے ہاتھ رکھا جب بھر گیا تو اپنے سروریش مبارک پر مل کر فرمایا ﴿ہکذا اکون حتیٰ القی جدی رسول اللہ وانا معصوب بدمی واقول یا رسول اللہ قتلنی فلان و فلان﴾ میں اسی طرح اپنے خون کا خضاب لگا کر اپنے جد نادر کی بارگاہ میں حاضر ہوں گا اور جا کر عرض کروں گا۔ یا رسول اللہ! مجھے فلاں و فلاں نے شہید کیا ہے۔

اسی اثناء میں صالح بن وہب مزنی نے آپ کی پشت مبارک پر اس زور سے نیزہ مارا کہ آپ زین پر سنبھل نہ سکے بلکہ ﴿بسم اللہ وباللہ و علیٰ ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ﴾ پڑھتے ہوئے زین فرس سے زمین کے فرش پر داہنے رخسار کے بل تشریف لائے۔<sup>۱</sup>

بلند مرتبہ شاہے ز صدر زین افتاد اگر غلط نکنم عرش بر زمین افتاد

بعض آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ امام علیؑ زمین پر گرنے کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے۔ جہاں پہلے پہل گرے تھے وہ مقتل گاہ سے خاصے فاصلے پر تھی۔ پھر افتاں و خیزاں موجودہ مقام تک پہنچے۔ مؤرخین نے لکھا ہے ﴿تارۃ یبوء و تارۃ یکبو و یقوم مرۃ و یکب اخری﴾ چند قدم چلتے پھر منہ کے بل گر پڑتے۔ (نفس المہموم، ص ۱۹۳۔ طبری، ج ۶) بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ بار بار کا گرنا ضعف کی وجہ سے نہ تھا بلکہ وجہ یہ تھی کہ حضرت اٹھ کر

۱۔ نفس المہموم، ص ۱۹۰۔ بحار، ج ۱۰، ص ۲۰۳۔ مقتل خوارزمی، ج ۲، ص ۳۳ وغیرہ۔

۲۔ نفس المہموم، ص ۱۹۲ وغیرہ۔



چند قدم چلتے تو کوئی شقی نیزہ مارتا اور کوئی تلوار اور حضرت گر پڑتے۔<sup>۱</sup>

اس اثناء میں حصین بن نمیر تمیمی ملعون نے دہن اقدس میں تیر مارا۔ ابوایوب غنوی لعین نے حلق میں تیر مارا اور زرعه بن شریک لعین نے آپ کے بائیں بازو پر تلوار کا وار کیا۔ ایک دوسرے ملعون نے دائیں شانے پر تلوار ماری اور ستان بن انس نخعی لعین نے آپ کی ہنسی کی ہڈی میں نیزہ مارا جس سے آپ منہ کے بل گر پڑے، پھر اٹھ کر بیٹھ گئے اور حلق سے تیر کھینچا۔<sup>۲</sup> اس وقت دشمنوں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا۔ امام کو شہید کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ پھر سعد پاس کھڑا تھا۔

### زینبؓ عالیہ کی بے تابی

یہ دردناک اور ہوشربا منظر دیکھ کر عقیلہ قریش جناب زینبؓ عالیہ خیمہ کے دروازہ (تلہ زینبیہ) پر آگئیں اور صدائے نالہ و شیون بلند کی اور شدت درد و کرب سے بے چین ہو کر کہنا شروع کیا ﴿واخاہا واسیداہا واهل بیتاہا لیت السماء اطبقت علی الارض! ولیت تدکدکت علی السہل﴾<sup>۳</sup> ہائے بھائی! ہائے سردار! ہائے اہل بیت! اے کاش آج آسمان زمین پر گر پڑتا۔ اور اے کاش! پہاڑ زمین پر گر کر پارہ پارہ ہو جاتے۔ پھر بیتا بنہ انداز میں عمر بن سعد لعین کو خطاب کر کے فرمایا۔ ﴿ویلک یا عمر! ایقتل ابو عبد اللہ و انت تنظر الیہ﴾<sup>۴</sup> اے پسر سعد! تو دیکھ رہا ہے اور ابو عبد اللہ کو شہید کیا جا رہا ہے! راوی کہتا ہے کہ عمر لعین نے کوئی جواب نہ دیا لیکن میں نے دیکھا کہ اس وقت آنسوؤں کی لڑیاں اس کے رخساروں پر جاری تھیں۔<sup>۵</sup> پھر بی بی نے تمام فوج مخالف کو خطاب کر کے فرمایا۔ ﴿ویسحکم اما فیکم مسلم؟﴾<sup>۶</sup> وائے ہو تم پر، کیا تم میں کوئی بھی مسلمان نہیں ہے؟ بی بی کی اس داد و فریاد پر کسی بھی شقی نے کوئی جواب نہ دیا۔<sup>۷</sup>

ہائے افسوس! بی بیؓ کی یہ کوششیں بار آور نہ ہوئیں اور وہ اپنے بھائی کی جان نہ بچا سکیں۔ امام نہایت مجروح و خستہ حالت میں خاک پر تشریف فرما تھے کہ مالک بن نسرکندی لعین نے آگے بڑھ کر امام پر سب و شتم کیا اور پھر سر اقدس پر تلوار ماری جس سے عمامہ کے نیچے جو ٹوپی تھی وہ کٹ گئی اور سر مبارک بھی شکافتہ ہو گیا۔ ٹوپی خون سے بھر گئی۔ امام نے وہ ٹوپی اتار دی۔ سر پر پٹی باندھی۔ ظالم سے فرمایا۔ ﴿لا اکلک بیمینک ولا شربت و

۱۔ مواظظہ ص ۱۶۸، طبع سوم۔

۲۔ عاشر بحار ص ۲۰۵۔ نفس المہوم ص ۱۹۲۔ مقتل الحسین للعراق ص ۲۲۹ وغیرہ۔

۳۔ بحار، ج ۱۰ ص ۲۰۵۔ وقائع ص ۵۵۷۔

۴۔ کامل، ج ۳ ص ۲۹۵۔ نفس ص ۱۹۲ وغیرہ۔

۵۔ ارشاد ص ۲۶۲۔ نفس المہوم ص ۱۹۲۔ ناخ، ج ۶ ص ۲۹۳۔ بحار، ج ۱۰ ص ۲۰۵ وغیرہ۔



حشرک اللہ مع الظالمین ﴿تھے کبھی اس دائیں ہاتھ سے کھانا بلکہ پینا بھی نصیب نہ ہوا اور خدا تیرا حشر ظالموں کے ساتھ کرے۔ امام کی اس بددعا کا اثر یہ ہوا کہ اس ظالم کے دونوں ہاتھ سردیوں میں چوب خشک کی طرح ہو جاتے تھے اور گرمیوں میں ان سے خون اور پیپ بہتی تھی۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں فقر و فلاکت میں مبتلا رہ کر واصل جہنم ہو گیا۔ (تقمام زخار، ص ۳۸۲۔ بحار الانوار، ص ۲۰۱)

امام کو زین اسپ سے فرش پر آئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ دشمن چاہتا تو آپ کو بہت پہلے شہید کر ڈالتا مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ عظیم کوئی اپنے سر لینا نہ چاہتا تھا۔ آخر کار شمر لعین نے لاکار کر کہا۔ کیا انتظار ہے؟ ان کا کام جلد تمام کرو۔ خولی بن یزید اصبحی لعین آگے بڑھا مگر وہ لرزہ بر اندام ہو کر واپس چلا گیا۔ شمر لعین نے غصہ سے کہا۔ خدا تیرے بازو کو شل کرے کانپتا کیوں ہے؟ اس کے بعد یہ ملعون خود آگے بڑھا اور ناقابل بیان گستاخانہ انداز میں بیٹھ گیا۔ یہ ملعون مبروص تھا۔ جناب سید الشہداءؑ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: ﴿اللہ اکبر صدق اللہ ورسولہ قال رسول اللہ کانی انظر الی کلب ابقع بلغ فی دم اہلبیتی﴾ خدا اور رسولؐ نے سچ فرمایا ہے! جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں ایک سفید داغ والے کتے کو دیکھ رہا ہوں جو میرے اہل بیت کے خون میں منہ ڈال رہا ہے۔ بہر حال، اس شقی ازلی نے کند تلوار کی بارہ ضربات سے خامس آل عباؑ نواسہ رسولؐ خدا جناب سید الشہداء علیہ آلاف التحیۃ والثناء کا پس گردن سے سر اقدس تن اطہر سے جدا کر دیا۔ ﴿إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ وَ سَيَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا اَیَّ مَنْقَلَبٍ یَنْقَلِبُونَ﴾

تاریخ عالم کا یہ عدیم النظیر واقعہ، محرم الحرام ۶۱ھ بروز جمعہ واقع ہوا۔

۵۔ گر خوانمش قیامت صغریٰ بعید نیست  
آں رستخیز عام کہ نامش محرم است

۱۔ کامل، ج ۳، ص ۲۹۵ وغیرہ۔

۲۔ مقتل عوالم، ص ۱۰۰۔ مقتل خوارزمی، ج ۲، ص ۷۳۔ مقتل مقرر، ص ۳۳۳۔ بحار الانوار، تقمام زخار، ارشاد شیخ مفید، امامی شیخ صدوق،

مقتل ابن نما، تاریخ طبری، تاریخ کامل، تاریخ التواریخ، نفس المہموم وغیرہا۔



## امام کی شہادت عظمیٰ سے لے کر اسیری اہل بیت تک کے واقعات

امراول :- شہادت حسینی کے بعد قہر و غضب الہی کے آثار کا نمودار ہونا

اس باب میں چند اہم امور پر تبصرہ کرنا مقصود ہے۔

اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ حجت خدا کی اس بیدردانہ و سفاکانہ شہادت سے کائنات میں تلاطم پیدا ہو گیا اور انقلاب عالم و عذاب الہی کے آثار پیدا ہونے لگے۔ سیاہ آندھیاں چلنے لگیں۔ زمین میں زلزلہ پیدا ہوا۔ آسمان سے خون کی بارش ہوئی۔ بجلیاں کڑکنے لگیں۔ دن کے وقت تارے نظر آنے لگے اور فضا میں تاریکی چھا گئی۔ قریباً ایک گھنٹہ تک یہی کیفیت رہی۔<sup>۱</sup>

مندرجہ ذیل علامات کا تذکرہ تو برادران اسلامی کی کتب میں بھی موجود ہے۔ تین دن تک دنیا تاریک ہو گئی۔<sup>۲</sup> سخت اندھیرا چھا گیا۔<sup>۳</sup> یہاں تک کہ لوگوں نے سمجھا کہ قیامت آگئی ہے۔ کئی دن دھاڑے تارے نمودار ہو گئے۔<sup>۴</sup> سورج کو گہن لگ گیا۔<sup>۵</sup> آسمان سے خون برسا۔<sup>۶</sup> اور اس کا اثر دیواروں اور کپڑوں پر مدت تک باقی رہا۔<sup>۷</sup> دوسری صبح جب منکے اور گھڑے دیکھے گئے تو وہ خون سے پُر تھے<sup>۸</sup> اور جب کوئی پتھر یا ڈھیلا زمین سے اٹھایا جاتا تھا تو اس کے نیچے سے ابلتا ہوا خون نکلتا تھا۔<sup>۹</sup>

کئی آثار سے ظاہر ہوتا تھا کہ سید الشہداء کی شہادت سے پہلے آسمان پر سرخی نہ تھی۔ اس کا سلسلہ شہادت امام کے بعد شروع ہوا۔<sup>۱۰</sup> غنیۃ الطالبین، مترجم، ص ۵۸۶، طبع لاہور میں لکھا ہے: ﴿ہبط علی قبر الحسنین﴾

- |     |                              |                            |                |             |
|-----|------------------------------|----------------------------|----------------|-------------|
| ۱۔  | ناخ، ج ۶، ص ۲۹۳، ۲۹۴۔        | عاشربخار، ص ۲۰۵۔           | تقاریر، ص ۳۹۳۔ | نفس، ص ۱۹۴۔ |
| ۲۔  | تاریخ ابن عساکر، ج ۴، ص ۳۳۹۔ | خصائص کبریٰ، ص ۱۲۲۔        | غیر ذیل۔       |             |
| ۳۔  | الاتحاف، تحت الاشراف، ص ۲۴۔  |                            |                |             |
| ۴۔  | تواریخ العرب، ج ۴، ص ۳۵۴۔    | صواعق، ص ۱۱۶۔              |                |             |
| ۵۔  | تاریخ ابن عساکر، ج ۴، ص ۳۳۹۔ |                            |                |             |
| ۶۔  | خصائص کبریٰ، ج ۴، ص ۱۲۲۔     | تذکرۃ الخو، ص ۱۵۵۔         | صواعق، ص ۱۱۶۔  |             |
| ۷۔  | تاریخ ابن عساکر، ج ۴، ص ۳۳۹۔ |                            |                |             |
| ۸۔  | خصائص کبریٰ، ج ۴، ص ۱۲۲۔     | الکواکب الدریۃ، ج ۱، ص ۵۶۔ |                |             |
| ۹۔  | تاریخ ابن عساکر، ج ۴، ص ۳۳۹۔ | صواعق، ص ۱۱۶۔              | مقام، ص ۳۳۷۔   |             |
| ۱۰۔ | صواعق، ص ۱۱۶۔                | طبع قدیم۔                  |                |             |



علیٰ لما اصیب سبعون الف ملک یبکون علیہ الی یوم القیامۃ ﴿﴾ جب امام حسینؑ کی شہادت واقع ہوئی تو خداوند عالم نے ستر ہزار فرشتے نازل کئے جو قیامت تک وہاں آپ پر گریہ و بکا کرتے رہیں گے۔ ان حقائق سے یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ امام مظلوم پر مظاہر غم و حزن کا اظہار کرنا سنت پروردگار ہے۔ جب حکم خدا سے معصوم فرشتے آں جناب کی مصیبت پر گریہ و بکا کرتے ہیں تو اگر ہم ایسا کریں تو اسے کیونکہ بدعت قرار دیا جاسکتا ہے؟

جناب امّ سلمہ و ابن عباس کا روز عاشوراء حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم رویا میں اس حال میں دیکھنا کہ سروریش مبارک میں خاک تھی۔ اور دست مبارک میں ایک شیشی تھی جس میں سید الشہداء اور ان کے اعزاء و اصحاب کا خون مقدس تھا۔ موصوفین نے اس پریشانی کی وجہ دریافت کی تو آں حضرتؐ نے فرمایا کہ میں ابھی ابھی حسینؑ کی قتل گاہ سے آرہا ہوں (مشکوٰۃ ص ۵۶۲ تا ۵۶۴ طبع دہلی۔ ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۱۸ طبع دہلی) اس سے معلوم ہوا کہ روز عاشوراء سروریش میں خاک ڈالنا اور دوسرے مظاہر غم کا اظہار کرنا سنت رسولؐ ہے۔

ناخ (ج ۶ ص ۲۹۳) میں لکھا ہے کہ شہادت حسینیؑ کے بعد قوم اشتیاء نے تین بار نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اور ص ۲۹۴ پر لکھا ہے کہ ہاتف نبیؐ نے آواز دی۔ قتل واللہ الامام ابن الامام و اخو الامام و ابو الائمة الحسين بن علی بن ابی طالب علیہم السلام ولنعم ما قیل

و یکبرون بان قتلت و انما قتلوا بک التکبیر و التہلیل

امردوم :- امامؑ کی لاش مقدس کی عریانی

انسان نماد رندوں نے صرف شہادت امامؑ پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ جسد اطہر پر زخموں کے ساتھ تار تار شدہ جو لباس تھا وہ بھی اتار لیا۔ چنانچہ قیس اسحاق بن الحیوة حضرمی نے اتاری، شلووار ابجر بن کعب تمیمی نے، عمامہ خنس بن مرثد حضرمی نے، نعلین اسود بن خالد نے اتاریں۔ اور انگوٹھی بجدل بن سلیم کلبی نے جس کے ساتھ ملعون نے آقائے نادر کی انگشت مبارک بھی قلم کر لی۔ اور قطیفہ (چادر یمانی) قیس بن اشعث نے اور تبراء نامی زرہ عمر بن سعد نے حاصل کی۔ اس کے قتل کے بعد مختار نے وہ زرہ اس کے قاتل ابی عمرہ کودے دی تھی تلوار کس نے لی؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں (۱) قبیلہ اود کے ایک شخص نے لی (۲) واری شخص نے لی (۳) بنی تمیم کے ایک آدمی نے لی (۴) اور یہ کہ بنی نہشل کے ایک مرد فلانس نے لی۔ واللہ العالم

غنی ندر ہے کہ یہ تلوار ذوالفقار نہ تھی۔ کیونکہ وہ تو ذخائر نبوت و امامت میں مذخور تھی بلکہ کوئی اور تلوار تھی۔



نیز پوشیدہ نہ رہے کہ بعض روایات میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے انگوٹھی والے واقعہ کی نفی وارد ہوئی ہے۔ اور اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ انگوٹھی جس کا نقش لا الہ الا اللہ عذۃ للقاء اللہ تھا۔ ودائع نبوت و امامت میں سے تھی جو آں جنابؑ نے اپنی شہادت سے پہلے امام زین العابدینؑ کے حوالہ کر دی تھی۔<sup>۱</sup> لہذا اگر انگوٹھی والے واقعہ کو صحیح تسلیم کیا جائے (اور اسے صحیح تسلیم نہ کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے جب کہ اکثر کتب معتمدہ میں مذکور ہے) تو تلوار کی طرح اس کی بھی یہ تاویل ممکن ہے کہ یہ وہ انگوٹھی نہ تھی جو ذخائر نبوت میں سے تھی۔ یہی تاویل جناب محدث ثانی نے کی ہے۔<sup>۲</sup> بعض کتب میں انگوٹھی کی بجائے ایک قیمتی ازار بند کا واقعہ عجیب و غریب تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ جس میں امام کے سر اور دست مبارک کی انگشتان مبارک کے قطع کرنے کا واقعہ مسطور ہے۔<sup>۳</sup> واللہ العالم

واضح رہے کہ جو ظالم جناب سید الشہداءؑ کی کوئی چیز لوٹ کر لے گئے۔ آثار و اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ قریباً سب کے سب کسی نہ کسی آفت و آفت اور لاعلاج جسمانی بیماری کا شکار ہوئے۔ چنانچہ اسحاق نے قمیص پہنی تو برص کی بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ ابجر نے جب شلوار استعمال کی تو پاؤں شل ہو گئے اور زمین گیر ہو گیا۔ انھن نے جب عمامہ باندھا تو دیوانہ ہو گیا اور مرض جذام میں مبتلا ہو گیا۔ بجدل کو مختار نے ہاتھ قطع کر کے ہلاک کیا۔<sup>۴</sup> و لعذاب الاخرۃ اشد و ابقی۔

### امر سوئم:- جناب سید الشہداءؑ کی لاش مقدس کو پامال سم اسپاں کرنے کی تحقیق

حضرت سید الشہداءؑ کی پامالی لاش مقدس کی بابت علماء میں قدرے اختلاف ہے جو بات مشہور و معروف بلکہ حد تو اتر تک پہنچی ہوئی ہے وہ یہی ہے کہ لاش مطہر کو پامال سم اسپاں کیا گیا جیسا کہ ارشاد شیخ مفیدؒ، ص ۲۶۵۔ ملہوف سید بن طاووسؒ، ص ۱۱۹۔ عاشر بحار الانوار، ص ۲۰۶۔ مقام زخارف فضل فرہاد مرزا، ص ۳۹۹۔ ناخ التواریخ۔ مرزا سپہر کاشانی، ج ۶، ص ۲۹۷۔ نفس المہوم شیخ عباس قمی، ص ۲۰۱۔ مقتل الحسین السید عبدالرزاق المقرم النجفی، ص ۳۶۱۔ لوائح الاشجان علامہ سید محسن امین عالی، ص ۱۵۸، اور کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۹۶ وغیرہ میں مذکور ہے۔

اس واقعہ ہائیکہ کی اجمالی کیفیت جو ان کتب میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ شہادت امام عالی مقام کے بعد عمر بن

۱۔ نفس المہوم، ص ۱۹۷، ۱۹۸۔ مقام، ص ۳۹۹۔

۲۔ نفس المہوم، ص ۱۹۷۔

۳۔ انوار نعمانیہ، ص ۳۳۲، طبع ایران۔

۴۔ ملہوف، ص ۱۱۳۔ نفس المہوم، ص ۱۹۲۔ مقام، ص ۳۹۵۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۹۶۔



سعد نے اپنی سپاہ کو خطاب کر کے کہا: ﴿مَنْ يَنْتَدِبُ لِلْحُسَيْنِ وَيُوطِئُهُ فَرَسَهُ؟﴾ تم میں سے کون حسینؑ کی لاش کو پامال سم اسپاں کرتا ہے؟ اس اعلان کے بعد دس شقی گھوڑ سوار آگے بڑھے جن کے نام یہ ہیں:

(۱) اسحاق بن حیوہ۔ (۲) اخنس بن مرثد۔ (۳) حکیم بن طفیل۔ (۴) عمر بن صبیح صیداوی۔ (۵) رجا بن مقد عبدی۔ (۶) سالم بن خیشمہ جعفی۔ (۷) داخط بن ناعم۔ (۸) صالح بن وہب الجعفی۔ (۹) ہانی بن شیبہ حضری۔ (۱۰) اسید بن مالک لعنہم اللہ جمیعاً۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ﴿فدا سوا الحسين عليه السلام بحواضر خيولهم حتى رضوا صدره و ظهره﴾ ان ملائین نے جناب امام حسینؑ کی لاش مقدس کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے اس طرح پامال کیا کہ سینہ و پشت کی ہڈیوں کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ یہی ملعون تھے جنہوں نے ابن زیاد بد نہاد کے دربار میں اپنے اسی سیاہ کارنامے کو فخریہ انداز میں اس طرح بیان کیا تھا۔

نحن رضنا الصد ر بعد الظهر بكل يعيوب شديد الاسر

اور پھر ابن زیاد نے ان کو معمولی سا جائزہ دیا تھا۔ ﴿خسر الدنيا والاخرة و ذلك هو الخسران المبين﴾ ابو عمر زاہد کا بیان ہے کہ ﴿فنظرنا الى هولاء العشرة فوجدناهم جميعاً اولاد زنا﴾ ہم نے جب ان دس آدمیوں کے نسب کی حالات و کوائف کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ سب کے سب ولد الزنا تھے۔<sup>۱</sup>

محبت شہ مردان مجوز ہے پدرے کہ دست غیر گرفت است پائے مادر او ہاں بعض علماء کرام کا خیال یہ ہے (جناب علامہ مجلسیؒ کا رجحان بھی اسی قول کی طرف ہے) کہ لاش مقدس پامال نہیں ہوئی۔ ان کے اس نظریہ کی بنیاد اس روایت پر قائم ہے جو اصول کافی (ص ۲۵۴ طبع ایران) میں موجود ہے کہ جب ملائین نے پامالی لاش سید شہداء کا ارادہ کیا تو جناب فضلؑ نے عقیلہ بنی ہاشم جناب زینب عالیہ کے حکم سے جنگل کے شیر کو بلایا جو چنگھاڑتا ہوا آیا اور اگلے پاؤں لاش مبارک پر پھیلا کر بیٹھ گیا۔ ابن سعد نے یہ منظر دیکھ کر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ﴿فتنة لا تثيروها انصرفوا﴾ یہ کوئی آزمائش ہے اسے نہ چھیڑو اور واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ سوار واپس چلے گئے۔ بنا برتسليم اس روایت کا جواب اس طرح دیا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ اس وقت (عصر عاشوراء کو) شیر کی وجہ سے لاش مطہر پامال نہ کی گئی ہو۔ لیکن ابن سعد چونکہ گیارہویں محرم کو زوال کے بعد کر بلا سے اپنی

۱۔ لم یوف بم ۱۲۰۔ نفس ص ۲۰۲ وغیرہ۔

۲۔ جعفی نہ رہے کہ روایت میں لفظ ابو الحارث وارد ہے۔ ابو الحارث ہر شیر کو کہا جاتا ہے۔ یہ اس کی متعدد کنیتوں میں سے ایک کنیت ہے۔ ملاحظہ ہو: حیوة النحیة ان دیمیری، ج ۱ ص ۳۔ لہذا بعض داستان گو اس شیر کے بارے میں جو قصے بیان کرتے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔



فوج سمیت کوفہ روانہ ہوا تھا۔ اور یہ اس روایت میں مذکور نہیں ہے کہ اس کی روانگی تک شیر برابر پہرہ دیتا رہا تھا۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ کچھ دیر کے بعد جب شیر چلا گیا ہو تو ان بد بختوں نے اپنے مشنوم ارادہ کی تکمیل کر لی ہو۔ اسی طرح اس روایت کی تکذیب بھی نہیں ہوتی۔ اور قول مشہور کی صحت پر بھی آنچ نہیں آتی۔

فاضل بیرونی نے اسی انسانیت سوز واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ﴿لقد فعلوا بالحسین ما لم يفعل فی جمیع الامم باشرار الخلق من القتل بالسيف و الرمح و الحجارة و اجراء الخيول﴾ ان اشیاء نے امام حسینؑ کے ساتھ وہ سلوک کیا جو تمام اقوام و امم میں اشرار خلق کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا یعنی ان کو نیزہ و تلوار اور پتھروں سے شہید کیا۔ اور پھر ان پر گھوڑے دوڑائے۔

### امر چہارم:- اسپ امام کا عجیب کیفیت کے ساتھ خیام کی طرف آنا

اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام کے گھوڑے نے اپنے سر گردن کو خون امام سے رنگین کیا۔ اور پریشان حال دوڑتا اور ہنہناتا ہوا۔ خیام کی طرف آیا جب بنات رسولؐ نے گھوڑے کی آواز سنی تو درخیمہ پر آگئیں دیکھا کہ رہوار بلا سوار ہے۔ یقین ہو گیا کہ امام شہید ہو گئے ہیں۔ بی بیوں نے سخت گریہ و بکا کیا اور جناب ام کلثومؑ نے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ بین کیا: ﴿واحمداہ هذا الحسین بالعرء قد سلب العمامة و الرداء﴾ ہائے جدنا مدارا یہ حسینؑ ہیں جو لوق ووق صحرا میں پڑے ہیں۔ سر سے عمامہ اور کاندھوں سے رداء چھین لی گئی ہے۔

بعض کتب میں مرقوم ہے کہ امام کی شہادت کے بعد ظالموں نے امام کے گھوڑے کو پکڑنے کی کوشش کی مگر گھوڑے نے اپنی پیشانی خون امام سے رنگین کی اور دوڑتا اور ہنہناتا ہوا خیام حسینیؑ کی طرف گیا وہاں پہنچ کر زور زور سے زمین پر سر مارنا شروع کیا حتیٰ کہ اس حالت میں اس کی موت واقع ہو گئی۔

ناخ کی ایک روایت کے مطابق گھوڑے نے خیام میں اس طرح اطلاع دینے کے بعد اپنے آپ کو دریائے فرات میں ڈال دیا اور غم امامؑ میں جان دے دی۔ اس طرح راہوار نے اپنے عظیم سوار کے ساتھ وفاداری کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔

بعض کتب میں اس گھوڑے کی حمایت و نصرت امامؑ کی بابت ایک عجیب واقعہ مذکور ہے کہ جب امام زین سے زمین پر تشریف لائے تو گھوڑے نے اپنے عظیم سوار کی اس طرح حفاظت کرنا شروع کی کہ فوج اشیاء کے

۲۔ امالی شیخ صدوق، ص ۹۸، طبع ایران۔

۱۔ الآثار الباقیۃ للبیرونی، ص ۳۲۹، طبع لندن۔ (علی ما نقل عنہ)۔

۳۔ ناخ التواریخ، ج ۶، ص ۱۹۴۔

۴۔ ناشر بحار، ص ۲۰۶۔



سواروں میں سے پہلے کسی سوار پر حملہ کر کے نیچے گرا دیتا اور پھر اپنی ٹاپوں سے اسے روند ڈالتا۔ اسی طرح پورے چالیس سواروں کا صفایا کیا۔<sup>۱</sup>

شہادتِ امام کے بعد مذکورہ بالا کیفیت کے ساتھ گھوڑے کا خیام کی طرف آنا جناب سید مرتضیٰ علم الہدائی کی انشاء کردہ زیارتِ امام میں وارد ہے: ﴿فلما رأین جوادک مخزیا و سرجک علیہ ملویا برزن من الخدور ناشرات الشعور علی الخدود لا طمات الوجوه. سافرات و بالعویل و اعیات و بعد العز من مذللات﴾ جب مختارت عصمت نے تیرے رہوار کو اس طرح پریشان حال دیکھا اور دیکھا کہ زین ایک طرف سر کی ہوئی ہے۔ تو یہیاں کھلے بالوں، منہ پر طمانچے مارتی ہوئی خیام سے باہر نکل آئیں اور جگر خراش بین کرنے لگیں۔<sup>۲</sup>

ناخ<sup>۳</sup> میں جناب سکینہ بنت الحسین کے یہ بین مذکورہ ہیں:

﴿واقتیلاہ وابتاہ. و احسناہ. و احسیناہ. و اغربتاہ. و ابعد سفراہ. و

طول کربتاہ. هذا الحسین بالعراء مملوب العمامة و الرداء﴾۔

ایضاح در کشف ابہام از نام اسپ امام

اس گھوڑے کا نام کیا تھا؟ عام طور پر مشہور ذوالجناح مگر قریباً تمام قابل وثوق کتب سیر و مقاتل کی ورق گردانی کے بعد بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا البتہ اس کی رد میں بعض اہل تحقیق کے ارشادات ملے ہیں۔

(۱) چنانچہ صاحب ناخ رقمطراز ہیں: ﴿مکشوف باد کہ اسپ سید الشهداء کہ در کتب معتبرہ بنام نوشتہ اند افزون از دو مال سواری نیست۔ یکے اسپ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ کہ "مرتجز" نام داشت و دیگر شترے کہ "مسنات" مینا میدند۔ و اسپے کہ ذوالجناح نام داشتہ باشد۔ در هیچ یک از کتاب احادیث و اخبار و تواریخ معتبرہ من بندہ ندیدہ ام "الخ"۔ یعنی جو کچھ کتب معتبرہ میں موجود ہے وہ یہ ہے کہ جناب سید الشهداء کی دو سواریاں تھیں۔ ایک جناب رسول خدا والا گھوڑا جس کا نام "مرتجز" تھا۔ اور دوسرا شتر جس کا نام مسنات تھا۔ آیا آنجناب کا کوئی ذوالجناح نامی گھوڑا بھی تھا؟ میں نے کسی معتبر کتاب یا حدیث میں ایسی کوئی تصریح نہیں دیکھی۔"

۱۔ مناقب شہر ابن آشوب، ج ۴، ص ۷۲۔ عاشر بخاری، ص ۲۰۵۔

۲۔ زیارت سید مرتضیٰ مندرجہ بخاری، ج ۲۲، ص ۱۷۲۔ بطلط معروف بزیارت ناجیب۔

۳۔ ج ۶، ص ۲۹۵۔



(۲) ایسا ہی تقام میں مذکور ہے۔ فراجع

### امر پنجم :- تاراجی خيام اہل بیتؑ

ظالموں نے مذکورہ بالا مظالم پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ شہادت حسینیؑ کے بعد ان انسان نما وحشی درندوں نے وحشت و بربریت کا وہ مظاہرہ کیا کہ انسانیت لرزہ بر اندام اور شرافت و آدمیت انگشت بدندان ہو کر رہ گئی۔ ان ملائین کو اگر کوئی کدو کا دوش یا پھر کوئی نزاع تھی تو وہ صرف جناب سید الشہداء کی ذات قدسی صفات سے تھی جب وہ شہید ہو چکے تو اب ان لوگوں میں اسلام نہ سہی اگر انسانیت کا بھی کوئی رقی ہوتا تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ رسول اسلام کی بہو بیٹیوں کو عزت و احترام کے ساتھ مدینہ پہنچا دیتے۔ مگر افسوس ان اسلام کے دعویداروں اور درحقیقت اسلام و انسانیت کے دشمنوں نے وہ اسلام بلکہ انسانیت سوز ظلم و ستم ڈھائے کہ

ھیج کا فرنہ کند آنچه مسلمان کردند

بعد ازیں اس بات میں کوئی شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ ان دشمنان خدا اور رسول کو مسلمان کہنا اسلام کی توہین اور انسان کہنا انسانیت کی تحقیر و تعجین ہے؟

مخدرات عصمت و طہارت کو احترام سے مدینہ پہنچانا تو درکنار۔ وہاں تو کچھ اس قسم کی آوازیں گونجنے لگیں جن کا مطلب یہ تھا :-

لو ٹو تبرکات علیؑ و بتولؑ کو قیدی بنا کے لے چلو آل رسولؐ کو

چنانچہ یہ وحشی جانور خيام حسینیؑ میں گھس آئے اور بلا تھا شالوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ خيام میں جو کچھ ملا، اسے لوٹ لیا بلکہ پردگیاں عصمت و طہارت کے سروں سے چادریں، کانوں سے گوشوارے اور پاؤں سے خلخال تک اتار لئے۔

### جناب زینب عالیہؑ کی جگر خراش روایت

جناب زینب عالیہ سلام اللہ علیہا بیان کرتی ہیں کہ جب عمر بن سعد نے ہمارے خيام کے لوٹنے کا حکم دیا تو اس وقت میں یرخیمہ پر کھڑی تھی کہ ایک ازرق چشم ظالم خیمہ میں گھس آیا۔ جو کچھ مال و اسباب ملا لوٹا۔ پھر امام زین العابدینؑ کی طرف بڑھا جو چڑے کے ایک ٹکڑے پر رنجوری و بیماری کی حالت میں پڑے تھے۔ اس نے امام کو زمین پر گرا دیا اور وہ چمڑا بھی نیچے سے کھینچ لیا۔ اس کے بعد میری طرف بڑھا اور کانوں سے گوشوارے کھینچنے لگا وہ ظالم ظلم و ستم بھی کرتا جاتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ روتا بھی جاتا تھا۔ میں نے اس سے رونے کی وجہ دریافت کی؟ اس نے



کہا: آپ اہل بیت کی مظلومیت و بے کسی رلاتی ہے۔ جس میں آپ گرفتار ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا: ظالم اگر تجھے ہم سے اس قدر ہمدردی ہے تو پھر ہمیں لوٹا کیوں ہے؟ کہا: اس اندیشہ سے کہ اگر میں نہ لوٹوں گا تو کوئی اور لوٹ لے گا! بی بی عالم نے غصہ میں آ کر فرمایا: ﴿قطع اللہ یدیک ورجلیک و احرقک بنار الدنیا قبل نار الآخرہ﴾ خدا تیرے ہاتھوں اور پاؤں کو قطع کرے اور آخرت کی آگ سے پہلے دنیا کی آگ میں جلانے۔ ثانی زہرا کی اس بددعا کا ظہور مختار کے ہاتھوں پر ہوا کہ اس نے اس ملعون کو اس کے ہاتھ پاؤں قلم کرنے کے بعد زندہ نذر آتش کر دیا گیا تھا۔

### جناب فاطمہ بنت الحسین کی زبانی جاگداز واقعات

ایسے ہی ایک خسیس الطبع شقی کا واقعہ جناب فاطمہ بنت الحسین بیان کرتی ہیں کہ جب غارتگر ہمارے خیمہ میں گھس آئے تو ایک ظالم میرے پاؤں سے خلخال اتارنے لگا اور اس کے ساتھ ساتھ روتا بھی جاتا تھا۔ میں نے پوچھا: ﴿ما یشیک یا عدو اللہ؟﴾ اے دشمن خدا! تو روتا کیوں ہے؟ کہنے لگا: ﴿کیف لا ابکی وانا اسلب ابنہ رسول اللہ؟﴾ بھلا کیونکر نہ روں جب کہ رسول زادی کو لوٹ رہا ہوں؟ میں نے کہا: ﴿فلا تسلبنی؟﴾ اگر تجھے اس قدر احساس ہے تو پھر نہ لوٹ کہا: ﴿اخاف یجیی غیری فیما خذہ﴾ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کوئی اور آ کر نہ لوٹ لے۔ بی بی کہتی ہیں پس جو کچھ خیام میں تھا وہ سب لوٹ کر لے گیا حتیٰ کہ ہمارے سروں سے چادریں بھی اتار لیں۔<sup>۱</sup>

بحار وغیرہ کتب معتبرہ میں انہی جناب فاطمہ صغریٰ سے ان کی مظلومیت کی داستان قدرے تفصیل کے ساتھ اس طرح مرقوم ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں درخیمہ پر کھڑی اپنے بابا اور ان کے اصحاب و اعزا کی لاشوں کو دیکھ رہی تھی جو قربان گاہ کربلا میں بے گور و کفن پڑی تھیں۔ اور اپنے انجام قید یا قتل کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ ایک ظالم سوار خیمہ میں گھس آیا جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا جو نیزہ کی انی سے بی بیوں کو اذیت پہنچا کر ان کی چادریں اور زیور اتار رہا تھا۔ بی بیوں کو فریاد کر رہی تھیں۔ اسی اثناء میں یکایک وہ سفاک میری طرف بڑھا۔ میں یہ سمجھ کر دوڑی کہ شاید اس طرح میں اس کے چنگل سے بچ جاؤں گی مگر اس ظالم نے میرا تعاقب کیا اور اچانک میرے دونوں کاندھوں کے درمیان نیزہ مارا جس سے میں منہ کے بل گر گئی۔ پھر اس نے میرے سر سے چادر اور کانوں سے گوشوارے اتار لئے۔ میرے کانوں سے خون بہنے لگا اور میں شدت غم و دہشت سے بے ہوش ہو گئی۔ کچھ دیر کے بعد

۱۔ تاریخ التواتر، ج ۲، ص ۲۹۸۔ فاشر بحار، ص ۲۰۶۔ مقتل الحسین، ص ۳۵۷ وغیرہ۔

۲۔ مالی شیخ صدوق، ص ۹۹۔



جب اتفاق ہوا تو دیکھا کہ پھوپھی اماں میرے پاس بیٹھ کر رو رہی رہیں اور فرما رہی ہیں۔ اٹھو جا کر دیکھیں کہ دوسری مستورات اور تمہارے بیمار بھائی پر کیا گزری ہے؟ میں نے کہا: ﴿يَا عَمَّتَاهِ هَلْ مِنْ خَوْفَةٍ اسْتَرْبَهَا رَأْسِي عَنْ عَيْنِ النَّظَارِ﴾ پھوپھی اماں! کیا کپڑے کا کوئی ٹکڑا نہیں ہے جس سے میں اپنے سر کو ڈھانپ سکوں؟ پھوپھی نے فرمایا: ﴿يَا بِنْتَاهِ عَمَّتِكَ مَثَلِكِ﴾ بیٹی! تیری پھوپھی بھی تیری مانند ہے! میں نے جب نظر اوپر اٹھائی تو ﴿فَرَأَيْتَ رَأْسَهَا مَكْشُوفَةً مَتْنَهَا قَدْ اسْوَدَّ مِنَ الضَّرْبِ﴾ دیکھا کہ پھوپھی اماں کا سر ننگا ہے۔ اور مار کی وجہ سے پشت مبارک سیاہ ہو گئی ہے۔ واپس خیمہ میں پہنچیں تو دیکھا کہ سب مال اسباب لوٹا جا چکا ہے۔ اور امام بیمار منہ کے بل زمین پر پڑے ہیں جو کثرت بھوک و پیاس اور شدت بیماری کی وجہ سے حس و حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ ﴿فَجَعَلْنَا نَبْكَى عَلَيْهِ وَبَيْكِي عَلَيْنَا﴾ ہم ان کی حالت پر رونے لگیں۔ اور وہ ہماری حال زار پر رونے لگے۔<sup>۱</sup>

خاندان نبوت کے انہیں مصائب و شدائد سے متاثر ہو کر بکر بن وائل کے خاندان کی ایک عورت جو اپنے شوہر کے ساتھ پسر سعد کے لشکر میں تھی۔ تلوار ہاتھ میں لے کر نعرہ بلند کرتی ہوئی خیام اہل بیت کے دروازہ پر آ کر کھڑی ہو گئی اور بآواز بلند کہا: ﴿يَا آلَ بَكْرِ بْنِ وَايِلٍ اتَّسَلَبَ بَنَاتُ رَسُولِ اللَّهِ لَا حَكَمَ إِلَّا لِلَّهِ يَا ثَارَاتِ رَسُولِ اللَّهِ﴾ اے آل بکر بن وائل! تم موجود ہو اور بنات رسول کو لوٹا جا رہا ہے؟ خدا کے سوا کسی کا حکم قابل قبول نہیں۔ اے لوگو! آؤ خاندان رسول کا بدلہ لو! یہ کیفیت دیکھ کر اس کا شوہر آیا اور اسے اپنی قیام گاہ کی طرف لے گیا۔<sup>۲</sup>

بیمار کر بلا کے قتل کا ارادہ اور اس میں ناکامی کا سبب؟

یہ خونخوار درندے خیام حسینی میں لوٹ مار کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ گئے جہاں امام بیمار بستر بیماری پر پڑے ہوئے تھے۔ اب باہم اختلاف کرنے لگے۔ بعض نے کہا کہ صنف ذکور میں سے کسی چھوٹے یا بڑے کو زندہ نہ چھوڑو۔ اور بعض نے کہا جلدی نہ کرو۔ امیر عمر ابن سعد سے مشورہ کر لو۔ اسی دوران شمر بن ذی الجوشن تلوار سونت کر پہنچ گیا۔ اور چاہا کہ امام بیمار کو شہید کر دے۔ حمید بن مسلم نے کہا: ﴿يَا سَجَّانَ اللَّهِ! اتَّقِ الصَّبِيَّانِ اِنَّمَا هُوَ صَبِيٌّ مَرِيضٌ﴾ سجان اللہ! کیا لڑکے اور وہ بھی بیمار قتل کئے جاتے ہیں؟ اتنے میں عمر بن سعد بھی آ گیا اس نے شمر کو ایسا کرنے سے منع کیا۔<sup>۳</sup> بعض روایات میں وارد ہے کہ جب شمر نے قتل امام پر اصرار کیا۔ تو جناب زینب عالیہ نے فرمایا: ﴿لَا يَقْتُلُ حَتَّى يَقْتُلَ﴾ پہلے مجھے قتل کرو پھر ان کو کرنا۔ یہ دیکھ کر ظالم رک گیا۔<sup>۴</sup> یہ ان مقامات میں سے ایک

۱۔ عاشر بخارہ، ج ۲۰۶، ۲۰۷۔ ناخ، ج ۶، ص ۲۹۸، ۲۹۹ وغیرہ۔

۲۔ بخارہ، ج ۱۰، ص ۲۰۶۔ مقتل الحسین، ج ۳۵۸۔ نفس المہجوم، ص ۱۹۹ وغیرہ۔

۳۔ طبری، ج ۶، ص ۲۶۰۔ اخبار الدول قزمانی، ص ۱۰۸، حوالہ مقتل الحسین، ج ۳۵۹۔



مقام ہے۔ جہاں شریکۃ الحسین نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اپنے بیمار بھتیجے زین العابدینؑ کو بچانے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ان خالموں کے ترکش ظلم و جور میں کچھ تیر باقی تھے۔ چنانچہ سب کچھ لوٹنے کے بعد خیام کو آگ لگا دی: ﴿فخرج جن حواسرات مسلمات. حافیات. باکیات یسبین فی اسر الذلۃ﴾<sup>۱</sup> بی بیایں اس حال میں باہر نکلیں کہ سرنگے، لوٹی ہوئی، پاؤں ننگے، روتی ہوئی اور ذلت و خواری کی قید میں گرفتار تھیں۔<sup>۲</sup> اور اس طرح ان لوگوں نے اپنی اسلام بلکہ انسان دشمنی کے جذبہ کو عریاں کر دیا۔ لعنة اللہ علیہم اجمعین۔

امام حسینؑ کے پس ماندگان میں صرف ایک بیمار علی بن الحسینؑ، پردہ نشین خواتین اور کچھ چھوٹے بچے رہ گئے تھے۔ جو رات بھر خیموں کے جلنے کے بعد اسی کھلے ہوئے صحراء میں مقیم رہے۔<sup>۳</sup>

ظالم جو کچھ مال و اسباب لوٹ کر لے گئے تھے اس میں کچھ زعفران، کچھ مہندی اور چند اونٹ بھی شامل تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس نے بھی زعفران استعمال کیا اس کا بدن جل گیا، مہندی راکھ کی مانند ہو گئی اور اونٹ جس نے بھی نحر کے دیکھا ان کا گوشت حنظل سے بھی زیادہ کڑوا ہے۔<sup>۴</sup>

**امر ششم۔ دفن شہداء کر بلاء کی تحقیق**

اس بات پر قریباً مؤرخین کا اتفاق ہے کہ عمر بن سعد نے عصر عاشوراء کو جناب سید الشہداء کا سر مبارک خولی بن یزید اصبحی اور حمید بن مسلم کی تحویل میں۔ اور دوسرے شہداء کر بلا کے سر ہائے مبارک شمر بن ذی الجوشن، قیس بن اشعث اور عمرو بن الحجاج زبیدی کی سرکردگی میں ابن زیاد کی طرف کوفہ روانہ کر دیئے۔ اور خود پسر سعد گیارہ محرم کے زوال تک کر بلا میں رہا۔ اس اثنا میں اپنے مقتولین کی نجس لاشوں کو اکٹھا کیا۔ ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ اور ان کی تجھیز و تکفین کا انتظام کیا۔ اور اس کام سے فارغ ہو کر جناب سید الشہداء اور ان کے اصحاب و اعزہ کی مقدس لاشوں کو بلا سر اور بلا کفن و دفن کر بلا کے لقمہ ووق صحراء میں چھوڑ کر زوال آفتاب کے بعد اپنے لاؤ و لشکر اور اسرارے آل محمدؑ کے ساتھ کوفہ روانہ ہو گیا۔

اس کے روانہ ہو جانے کے بعد بنی اسد نے جو کر بلا کے قریب ”غاضریہ“ نامی بستی میں فروکش تھے آئے

۱۔ عاشر بحار، ص ۲۰۶، نفس المہوم، ص ۱۹۹۔ تاریخ طبری، ج ۶، ص ۲۶۰۔

۲۔ شہید انسانیت، ص ۵۲۳۔

۳۔ خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۱۹۲۔ تاریخ ابن عساکر، ج ۳، ص ۳۳۹۔ مقتل الحسین خوارزمی، ج ۲، ص ۹۰ وغیرہ۔



اور شہداء پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کو دفن کیا۔ اب رہیں اس واقعہ کی تفصیل کہ آیا اسی گیارہ محرم کو دفن کیا یا بارہ کو۔ کس ترتیب سے دفن کیا؟ اور کس چیز کا گفن دیا؟ نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟ لاشوں کی شناخت کیونکر کی؟ ان تفصیل کے بارے میں کتب معتبرہ خاموش ہیں۔

جناب محدث فقی لکھتے ہیں: ﴿لیس فی الکتب المعتبرة کیفیة دفن الحسین علیہ السلام ومن قتل معه مفضلاً﴾ کتب معتبرہ میں جناب امام حسین علیہ السلام اور دوسرے شہداء کو بلا کے دفن کی تفصیلی کیفیت مذکور نہیں ہے۔ (نفس المہوم)

تاریخ دفن کے بارے میں اکثر کتب مقاتل میں ﴿بعد قتلہم بیوم﴾ ۱ درج ہے۔ جس سے گیارہ محرم ظاہر ہوتی ہے۔ اور بعض کتب میں بارہ محرم کی تصریح ملے موجود ہے۔ اس سے یہ بات پائے ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ گیارہ سے پہلے نہیں اور بارہ کے بعد نہیں۔ البتہ مقتل الحسین للمقرم میں درج ہے۔ اور جہاں تک دفن کی ترتیب کا تعلق ہے۔ اس کے متعلق اتنی بات پر تو تمام ارباب تاریخ و مقاتل متفق ہیں کہ جناب سید الشہداء کو وہاں دفن کیا گیا جہاں اب ان کا مزار مقدس ہے۔ ان کے پائیں پاشنہ زوہ علی اکبر کو دفنایا گیا نیز ان کی پائنتی کی طرف ایک بڑا سا گڑھا کھود کر دیگر اصحاب و اعزاء کو دفن کیا گیا اور شہزادہ ابو الفضل کو وہیں دفن کیا گیا جہاں وہ کنار فرائٹ غاضریہ کے راستہ میں شہید ہوئے تھے جہاں ان کی اب قبر مبارک ملے ہے۔

جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ کا قول ہے: ﴿لسنا نحصل لهم اجداداً علی التحقیق والتفصیل الا انا لا نشک ان الحائر محیط بهم رضی اللہ عنہم﴾ (ارشاد ص ۲۷۲) ہم تعین و تشخیص نہیں کر سکتے کہ کس شہید کا جسد کہاں ہے؟ ہاں اس قدر یقین ہے کہ حائر حسینی سب کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔

مشہور یہ کہ جناب حر کو ان کے قبیلہ والے لوگ اٹھا کر دور لے گئے اور وہاں دفن کیا۔ جہاں ان کی اس وقت قبر ملے ہے۔ نیز بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا سر بھی قلم ہونے سے بچ گیا تھا۔ ۵

بنی اسد قبائل عرب پر فخر کرتے تھے کہ ہم وہ ہیں جنہوں نے امام حسین علیہ السلام پر نماز جنازہ پڑھی ہے اور آپ کو اور آپ کے اصحاب کو دفن کیا۔ ۶

۲ تاریخ التواریخ، ج ۶، ص ۳۰۴۔

۳ نفس المہوم، ص ۲۰۵۔

۱ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۹۶۔

۲ ارشاد، ص ۲۶۸۔ نفس المہوم، ص ۲۰۵۔ عاشر بحار الانوار، ص ۲۱۸۔

۵ کبریٰ تاحمر، ص ۲۱۸۔

۶ البصار للعین، ص ۱۔ ۲۔ ۳۔ نفس المہوم، ص ۲۰۵ بحوالہ کامل بہائی۔



چونکہ مذہب شیعہ کے مسلمہ عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ امام کی نماز جنازہ امام ہی پڑھاتا ہے۔ اور اس کی تجہیز و تکفین اور تدفین کا انتظام بھی وہی کرتا ہے۔ اس لئے اگرچہ حسب ظاہر یہ سب فرائض بنی اسد نے انجام دئے اور امام بظاہر گرفتار تھے مگر مذکورہ بالا مسلمہ عقیدہ کی رو سے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ امام باعجاز امامت تشریف لائے۔ اور اپنے والد ماجد کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کی تجہیز و تدفین کا بندوبست کیا۔ جیسا کہ امام رضا علیہ السلام کی حدیث احتجاج علی الواقعہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ علی بن ابی حمزہ ابن البراج اور ابن الکباری نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم تک آپ کے آباء و اجداد طاہرین کی یہ حدیث پہنچی ہے کہا: امام کی تکفین کا انتظام امام ہی کرتا ہے (مطلب یہ کہ اگر آپ امام ہوتے تو بغداد میں جا کر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی تدفین و تکفین کا اہتمام فرماتے)۔ امام نے فرمایا: مجھے یہ بتاؤ کہ امام حسین علیہ السلام امام تھے یا نہ؟ سب نے کہا کہ ہاں وہ امام تھے! فرمایا: پھر ان کے کفن و دفن کا انتظام کس نے کیا تھا؟ کہا: ان کے فرزند امام زین العابدین علیہ السلام نے! فرمایا: وہ اس وقت تھے کہاں؟ کہا: ابن زیاد کی قید میں تھے مگر جناب اس طرح کر بلا پہنچے کہ کسی کو خبر نہ ہو سکی اور جا کر امام کے دفن و کفن وغیرہ کا انتظام کر کے واپس چلے گئے امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جس خدا نے امام زین العابدین علیہ السلام کو اس بات پر قادر کیا کہ وہ کر بلا جا کر اپنے والد ماجد کے فرائض کفن و دفن کو انجام دیں وہی خدا اس امام کو بھی قدرت دے سکتا ہے کہ وہ مدینہ سے بغداد پہنچ کر اپنے والد ماجد کی تکفین و تدفین اور نماز جنازہ کا فریضہ انجام دیں حالانکہ یہ تو قید بھی نہ تھے۔

اور اس کی تائید مزید مقتل الحسین للمقرم کے بیان سے بھی ہوتی ہے کہ بنی اسد دفن کے معاملہ میں حیران و سرگرداں تھے۔ کہ امام زین العابدین باعجاز امامت تشریف لائے۔ امام نے ان کو لاشہائے شہداء کی معرفی کرائی اس وقت بہت گریہ و بکا ہوا۔ اس کے بعد امام اپنے بابائے بزرگوار کی لاش مطہر کے پاس گئے۔ گلے لگ کر بکثرت گریہ و بکا کیا۔ پھر قبر کے مقام سے تھوڑی سی مٹی ہٹائی۔ وہاں کھدی کھدائی قبر تیار تھی۔ امام نے نماز جنازہ پڑھنے کے بعد تنہا یہ پڑھتے ہوئے اپنے والد ماجد کو قبر میں اتارا ﴿بسم اللہ و فی سبیل اللہ و علی ملۃ رسول اللہ۔ صدق اللہ و رسولہ ما شاء اللہ لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم﴾ جب لحد میں لاش مقدس کو لٹا چکے تو گلوئے بریدہ کے پاس وہ بن اقدس لے جا کر کہا: ﴿طوبی لارض تضمنت جسدک الطاہر۔ فان الدنیا بعدک مظلمۃ۔ و الاخرۃ بنورک مشرقۃ۔ اما اللیل فمسہد و الحزن سرمد۔ او یختار اللہ لاهل بیتک﴾



دارک التی انت بها مقیم و علیک منی السلام یا بن رسول اللہ ورحمة اللہ وبرکاتہ ﴿﴾

پھر قبر مبارک پر (انگشت سے) لکھا ﴿﴾ هذا قبر الحسین ابن علی بن ابی طالب الذی قتلوه عطشاً غریباً ﴿﴾ یہ اس حسین بن علی کی قبر ہے جسے لوگوں نے پیاسا شہید کیا۔

اس کے بعد عم بزرگوار جناب ابو الفضلؑ کی لاش مبارک کے پاس پہنچے۔ ان کے گلوئے بریدہ پر بوسہ دیتے ہوئے فرمایا ﴿﴾ علی الدنیا بعدک العفا یا قمر بنی ہاشم وعلیک منی السلام من شہید محتسب ورحمة اللہ وبرکاتہ ﴿﴾ اس کے بعد قبر کھودی اور خود تنہا ان کو اس میں اتارا۔ ہر دو دفعہ بنی اسد سے فرمایا: میرے ساتھ معاون موجود ہیں۔ پھر بنی اسد کو حکم دیا کہ دو گڑھے کھودیں۔ ایک میں بنی ہاشم کو اور دوسرے میں اصحاب کو دفن کریں۔ چنانچہ انہوں نے اس کے مطابق عمل درآمد کیا۔<sup>۱</sup> واللہ العالم

**امر ہفتم:- سید الشہداء کے سر اقدس کے مدفن کی تحقیق**

سید الشہد اکا سر مبارک کہاں دفن ہے؟ اس میں شدید اختلاف ہے۔ مذہب امامیہ میں قول مشہور و منصور یہی ہے کہ سر اقدسؑ حیدر اقدس کے ساتھ ہی دفن ہے<sup>۲</sup> مگر اس سلسلہ میں اختلافات کو دیکھتے ہوئے شرح صدر اور پورے یقین کے ساتھ کچھ مہنا مشکل ہے۔

ذیل میں اس اختلاف کا ایک شمعہ بیان کر کے اس پر کچھ مختصر سا تبصرہ کیا جاتا ہے۔

حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے سر مبارک کے مدفن کے متعلق علمائے سیر و تاریخ میں بڑا اختلاف ہے۔ اور قطع و یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کہاں دفن ہوا؟

- ۱۔ اصول کافی و تہذیب الاحکام کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کا فرق مقدس مدینہ طیبہ میں دفن ہے
- ۲۔ سید علی بن عبد اللہ مدنی نے خلاصۃ الوفا میں لکھا ہے کہ امام حسن مجتبیٰؑ کے مزار مقدس کے پاس دفن ہے ابن شہر آشوب، ابن بکار اور ہمدانی کا یہی قول ہے۔
- ۳۔ فتاوائے قرطبی میں یہ لکھا ہے کہ یزید نے سر مبارک مدینہ کے گورنر عمرو بن سعید بن عاص کے پاس بھجوایا اور اس نے جنت البقیع میں دفن کرادیا۔

۴۔ کامل الزیارات میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک روایت درج ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ

۱۔ مقتل الحسین للمرقم، ص ۳۸۶۔ اسرار الشہادت، ص ۳۵۸۔

۲۔ روضۃ الواعظین قتال نیشاپوری، ص ۲۳۰۔ مشیر الاحزان، ص ۵۸۔ لبوف، ص ۷۵۔ ۱۔ امام الوری طبرسی، ص ۱۵۱۔ مقتل العوالم، ص ۱۵۳۔

عاشر بحار، ص ۲۲۸۔ مقتل الحسین، ص ۳۳۶۔ جلاء العین، ص ۲۱۶، طبع النجف۔ ققام، ص ۵۰۲ وغیرہ۔



کا سراقدس نجف اشرف میں حضرت امیر علیہ السلام کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ علامہ مجلسی نے تحفۃ الزائر میں اور بہت سے علماء شیعہ نے اسی قول کی طرف میلان ظاہر کیا ہے۔

۵۔ عبداللہ بن عمرو راق نے اپنے مقتل میں لکھا ہے کہ سر مبارک مسجد رقبہ میں دفن ہے۔

۶۔ قطب راوندی کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا باعجاز نبوت اسے شام سے اپنے ہمراہ مدینہ لے گئے۔

۷۔ ایک قول یہ ہے کہ یزید نے دیار و امصار میں اس کی تشہیر کا حکم دیا جب لوگ پھراتے پھراتے عسقلان لے گئے تو وہاں کے حاکم نے وہیں دفن کرا دیا۔ چنانچہ خوان خلیلی کے قریب اب تک مشہد حسینی موجود ہے۔ اس مشہد کی ابتداء امیر الجعوش بدرالحجالی وزیر مستنصر باللہ نے کی اور تکمیل ان کے بیٹے ملک افضل نے کی۔

۸۔ تہذیب التہذیب اور صواعق محرقة وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ جناب امام حسینؑ کا سر مبارک خزانہ یزید میں ہی رہا جب سلیمان بن عبدالملک بن مردان تخت حکومت پر بیٹھا۔ اور اسے معلوم ہوا کہ سر امام خزانہ میں موجود ہے تو اس نے تلاش کر کے منگایا۔ دیکھا کہ استخوان سر منور مجلدا چاندی کی مانند چمک رہے ہیں کچھ دیر پاس رکھنے کے بعد کفن دے کر اکرام و احترام کے ساتھ مقابر مسلمین میں دفن کرا دیا۔

۹۔ بعض کا قول یہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دور حکومت میں وہاں سے نکلوا کر کر بلا میں بھجوا دیا اور وہاں دفن کیا گیا۔

۱۰۔ یہ بھی تہذیب میں لکھا ہے کہ سر مبارک برابر خزانہ یزید میں رہا۔ جب بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی۔ اور انہوں نے خزانہ یزید کو لوٹا تو ایک سپاہی کو ایک تھیلی نظر پڑی۔ اس نے کوئی دنیوی گراں بہا چیز سمجھ کر اٹھا لیا۔ جب میدان میں لا کر کھولا تو سر مقدس ایک پارچہ حریر میں لپٹا ہوا دیکھا۔ اس حریر پر لکھا تھا: ﴿هَذَا رَأْسُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ﴾ اس سپاہی نے وہیں نوک تلوار سے زمین کھود کر دفن کر دیا۔

۱۱۔ ابن جوزی اور بعض دوسرے مورخین نے یہ لکھا ہے کہ جب مصور بن جہور نے خزانہ بن امیہ پر قبضہ کیا تو اسے سر مقدس ایک متخل صندوق میں ملا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ حضرت امام حسینؑ کا سر مطہر ہے تو اس نے دمشق کے تیسرے برج سے جانب شرقی باب الفردیس کے قریب دفن کرایا۔

۱۲۔ عبوس منصوری نے زبدة الفکرہ میں یہ لکھا ہے کہ بنی عباس کے زمانہ میں سر مطہر کو دمشق سے عسقلان لے جایا گیا۔ اور عرصہ دراز تک وہیں دفن رہا۔ جب صلیبی جنگوں کے زمانے میں نصاریٰ کے غلبہ کا اندیشہ ہوا۔ تو مسلمانوں نے وہاں سے نکال کر دار السلطنت میں پہنچا دیا۔ مقررین نے نخط میں لکھا ہے کہ ۸ جمادی الاولیٰ



۵۴۸ھ بروز یکشنبہ کو سر مطہر قاہرہ لایا گیا۔ اس وقت اس سے تازہ خون ٹپک رہا تھا۔ اور مشک جیسی خوشبو آ رہی تھی۔ وہاں اب تک اسی نام۔ مسجد راس الحسین سے مسجد مشہور ہے جو نہایت مکلف سامانوں سے آراستہ ہے اور لوگ بکثرت زیارت کو آتے ہیں۔

۱۳۔ بعض کتب میں سر مبارک کے دمشق سے عسقلان لے جانے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ دمشق دشمنان خاندان نبوت کا مرکز تھا۔ خطرہ تھا کہ یہ لوگ کبھی کوئی بے ادبی نہ کریں۔ اس لئے اسے عسقلان منتقل کر دیا گیا۔ اور ۵۴۸ھ ۵۴۳ھ جب مصر میں خاندان فاطمی کا آخری تاجدار عاصد لدین اللہ مسند اقتدار پر متمکن تھا۔ ان کے وزیر اعظم ملک صالح طلائع بن زریک نے ان کو اطلاع دی کہ عسقلان کی طرف برابر صلیبی فوجیں بڑھ رہی ہیں۔ لہذا اس اندیشہ کے پیش نظر کہ وہ لوگ سر امام کے ساتھ کوئی بے ادبی کریں۔ مصر منتقل کرنے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ ۸ جمادی الاولیٰ ۵۴۸ھ کو سر مبارک قاہرہ لایا گیا۔ اور بوستان کا فوری میں جہاں وزیر اعظم موصوف کے نام سے عالی شان مسجد صالح تھی۔ اس میں ایک طرف سر مبارک دفن کیا گیا۔ اور اس پر عالی شان عمارت بنوا کر اس کی خوب زیبائش و آرائش کی گئی۔ ادھر ابھی سر مبارک کو عسقلان سے لائے ہوئے ہنوز پورے بیس روز بھی نہ گزرے تھے کہ ۲۷ جمادی الثانیہ کو اس پر نصرانیوں کا قبضہ ہو گیا۔ لیکن چونکہ یہ مسجد صالح باب رملہ سے قدرے فاصلہ پر تھی اور زائروں کی آمد و رفت میں تکلیف ہوتی تھی۔ اس لئے عاصد لدین اللہ نے وہاں سے سر مطہر نکوا کر اپنے خاص رہائشی محل قصر زمرہ کے پاس دفن کرا دیا۔ اور اس پر پر شکوہ عمارت بنوا کر اسے خوب آراستہ و چیراستہ کیا۔ سیاح ابن جبیر نے اپنے سفر نامہ میں ۵۷۸ھ میں مصر کی سیاحت کے دوران قاہرہ میں مشہد حسین کی زیارت کرنے اور اس کی عجیب و غریب عمارت کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ سر مطہر ایک منقش تابوت میں مدفون ہے۔ اسی طرح مشہور سیاح ابن بطوطہ نے بھی جب ۷۲۶ھ میں مصر کی سیاحت کی ہے تو اپنے سفر نامہ میں مشہد حسینی اور اس کی عظیم عمارت کا پر شکوہ الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔ پھر برابر مختلف ادوار میں اس کی توسیع و ترمیم میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ چنانچہ امیر حسن کتخدا التونی ۱۱۴۳ھ نے اس کی بڑے اہتمام سے توسیع اور زیبائش کرائی۔ اور ۱۱۷۰ھ میں امیر عبدالرحمن کتخدا کے حکم سے اس کی تجدید ہوئی۔ بعد ازاں ۱۲۰۴ھ میں مزید توسیع سید علی الوالواز نے کرائی۔ پھر ۱۲۷۹ھ میں عباس پاشا نبیرہ محمد علی پاشا نے اس کی مزید توسیع کرانا شروع کی۔ مگر تکمیل سے پہلے وفات پا گیا۔ اس کے بعد خدیو اسماعیل پاشا نے اپنے خاص اہتمام سے اس کی تجدید و تکمیل کی ۱۲۹۰ھ کو تکمیل ہوئی۔ اب یہ مشہور خان خلیلی اور جامع ازہر کے درمیان واقع ہے۔ عمارت بہت وسیع نہایت شاندار اور خوشنما ہے۔ ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔ صدا بمصری حفظ اور قاری خوش الحانی سے تلاوت قرآن مجید اور دوسرے



لوگ نمازوں اوراد و وظائف میں مشغول رہتے ہیں۔ خصوصاً جمعہ کے روز بہت جھوم رہتا ہے۔ اس مشہد مطہر کی دیواروں پر دائروں کی شکل میں آیات قرآنی اور مختلف اشعار سنہری حروف میں لکھے ہوئے ہیں۔ ۱۳۱۶ھ میں خدیو عباس حلمی کے زمانہ میں ان حروف پر پھر سنہرا رنگ چڑھایا گیا۔

۱۳۔ اکثر کتب مقاتل میں یہ لکھا ہے کہ امام زین العابدین نے رہائی کے بعد سر مبارک ہمراہ لا کر کربلا میں جسد اطہر کے ہمراہ دفن کیا۔

﴿السی غیر ذلک من الاقوال المختلفه والاراء المتشقة﴾ ان مختلف اخبار اور متضاد آثار کے درمیان جمع و توفیق یا بعض کو بعض پر تقدیم و ترجیح دینا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ جیسا کہ صاحب فرسان الہیجا نے (ج ۲، ص ۳۰۰ پر) اعتراف کیا ہے کہ:

﴿جمع بین این روایات و اقوال مختلفه در عقدہ محال است و قضاوت کردن باینکہ کدام يك صحيح است در غایت اشکال ست و ترجیح قول باینکہ در کربلا مدفون است سزاوار است﴾۔

ہم بوجہ خوف طوالت ہر قول کے دلائل اور پھر ان پر نقض و ابرام کو ترک کرتے ہیں۔ بہر حال جہاں تک ہمارے ذاتی رجحان کا تعلق ہے۔ ہمیں اقرب الی الصواب یہی معلوم ہوتا ہے کہ سر اقدس جسم اطہر کے ساتھ کربلا میں ایک جگہ دفن ہے اور یہی قول علماء امامیہ میں مشہور ہے۔ جیسا کہ ابتداء میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اگرچہ روایات کثیرہ چوتھے قول پر دلالت کرتے ہیں کہ سر منور پہلوئے جناب امیر علیہ السلام میں مدفون ہے۔ اور عام مورخین میں مصر والے قول کو شہرت حاصل ہے۔ واللہ العالم

باقی رہے دوسرے شہداء کربلا ان کے سر ہائے مقدسہ کے بارے میں تاریخیں خاموش ہیں۔ اس لئے ہمیں بھی خاموشی اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اگرچہ حبیب السیر اور روضۃ الشہداء سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سید الساجدین (علیہ السلام) نے رہائی کے بعد بروز اربعین تمام شہداء کربلا کے سر واپس لا کر کربلا معلیٰ میں دفن کئے تھے مگر یہ بیان چونکہ بے دلیل برہان ہے اس لئے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ ہے۔ *لقد رآنا السلف العالم بحقیقة الحال*

۱۔ مجاہد اعظم، ج ۱، از صفحہ ۴۹۷ تا ۴۹۳۔ ناخ، ج ۶، از ص ۲۵۸ تا ۳۶۱۔ نظام الزم ۵۰۱ تا ۵۰۸۔

فرسان الہیجا، ج ۲، از ص ۲۹۶ تا ۳۰۳۔ الذمۃ الساکبۃ، از ص ۲۸۷ تا ۲۸۹ وغیرہ۔



فاضل سادی نے یہ تحقیق ایق فرمائی ہے کہ واقعہ کربلا میں سرکار سید الشہداء کے تمام اعزہ و انصار کے سر مبارک قلم کر کے دیار و امصار میں پھرائے گئے تھے۔ سوائے دو (۲) سروں کے۔ ایک شہزادہ علی اصغر کا سر مبارک کیونکہ آنجناب نے ننھی سی قبر کھود کر شہزادہ کو دفن کر دیا تھا۔ دوسرے جناب حرؒ۔ کیونکہ بنی تمیم نے ان کا سر قلم نہیں ہونے دیا تھا۔ بعض دیگر آثار سے بھی اس قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ واللہ العالم

### امر ہشتم:- سید الشہداء کے قاتل کی تعیین

امام الشہداء کا قاتل کون ہے؟ اگرچہ علماء امامیہ میں قول مشہور و منصور یہی ہے کہ شمر ذی الجوشن ہی جناب سید الشہداء کا قاتل ہے۔ مگر اختلاف کرنے والوں نے دیگر حقائق کی طرح اس حقیقت میں بھی اختلاف کیا ہے اور اس سلسلہ میں متعدد قول ملتے ہیں: (۱) بعض نے کہا ہے کہ قاتل حصین بن نمیر ہے۔ (۲) بعض نے مہاجر بن اوس تمیمی۔ (۳) بعض نے عبداللہ شععی کو۔ (۴) بعض نے خولی بن یزید اصحی۔ (۵) بعض نے زرعہ بن شریک۔ (۶) بعض نے شہل بن یزید (برادر خولی)۔ (۷) بعض نے سنان بن انس نخعی کو آنجناب کا قاتل قرار دیا ہے۔ پہلے چھ قول تو بالکل ناقابل التفات ہیں۔ ہاں البتہ ساتواں قول یعنی یہ کہ قاتل سنان بن انس نخعی ہے۔ اسے اکثر مؤرخین اہل سنت اور ہمارے بھی بعض اکابر جیسے شیخ صدوق (درامالی، ص ۹۸)۔ سید بن طاووس (درملہوف، ص ۱۱۱) اور شہزادہ فرہاد مرزا (در مقام، ص ۳۹۲) وغیرہم نے اختیار کیا ہے مگر مشہور و مسلم قول یہی ہے کہ اصل قاتل شمر بن ذی الجوشن ہی ہے۔ اور اس قول کی صحت کے بہت سے تاریخی قرائن و شواہد ہیں۔ جن کے یہاں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں چونکہ سنان ملعون کے نیزہ کی ضرب بہت کاری تھی۔ جس سے سرکار شہادت زمین پر گرے تھے۔ اس لئے بعض حضرات نے شہادت امام کو اسی کی طرف منسوب کر دیا۔ اسی طرح زرعہ بن شریک نے بھی تلوار سے کاری ضرب لگائی تھی۔ انہی حقائق کی بنا پر شہید انسانیت میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ ”بالآخر زرعہ بن شریک کی تلوار سنان بن انس کا نیزہ اور پھر شمر بن ذی الجوشن کا خنجر وہ تھا جس نے اس مجسمہ حق کی شمع حیات گل کر دی، سچائی کی گردن قلم ہوئی۔ اور شہید حق شہید انسانیت شہید راہ خدا کا سر نیزہ پر بلند کر دیا گیا۔“

### امر نہم:- جناب مخدرہ شہربانو کے طوس جانے کی تحقیق

فاضل مازندرانی نے لکھا ہے ﴿الا شہر بانویہ فانہا اتلفت نفسہا فی الفرات﴾ تمام اہل حرم کو قید



کر کے لائے سوائے جناب بی بی شہر بانو کے۔ کیونکہ اس معظّمہ نے نہر فرات میں اپنی جان تلف کر دی تھی۔<sup>۱</sup>

”آقائے در بندی نے اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے: ”اعلم ما عن ابن شہر آشوب فی قضیۃ شہر بانویہ مالہم اظفریہ فی کلام احد“ جناب شہر بانو کے بارے میں ابن شہر آشوب نے جو کچھ لکھا ہے۔ میں نے کسی بھی اہل علم کے کلام میں اسے نہیں پایا۔“ پھر لکھا ہے کہ اگر یہ واقعہ صحیح تسلیم کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ یہ معظّمہ بادشاہ عثم یزدجرد کی دختر اور امام زین العابدین کی والدہ کے علاوہ کوئی اور ہوں گی کیونکہ ان خاتون کا تو امام کی ولادت باسعادت کے چند لمحے بعد ہی انتقال ہو گیا تھا۔<sup>۲</sup> بعد ازاں یہ افادہ جدیدہ فرمایا ہے کہ وہ بی بی شہر بانو جو میدان کربلا میں تھیں وہ فاطمہ زوجہ قاسم کی والدہ تھیں جو وصیت امام کے مطابق اپنی بیٹی فاطمہ کو ہمراہ لے کر امام کے گھوڑے پر سوار ہو کر مقررہ مقام کی طرف چلی گئیں۔ جب گھوڑا رائے کے قریب پہنچا تو انہوں نے اپنی بیٹی کو حکم دیا تم یہیں اتر جاؤ کیونکہ یہاں تمہارے نیاں موجود ہیں تمہاری کفالت کریں گے۔ چنانچہ ان کو وہاں اتار کر خود وہاں چلی گئیں۔ جہاں ان کو حکم تھا۔ یعنی جبل طوس جو رائے کے قریب ہے۔<sup>۳</sup> یہ قصہ بالکل غلط موضوع اور بے بنیاد ہے۔ اس میں حسب ذیل امور تنقیح طلب ہیں۔

(الف) کیا جناب شہر بانو اس وقت تک زندہ اور واقعہ کربلا میں موجود تھیں؟

(ب) کیا یہ ممکن تھا کہ جناب شہر بانو تمام اہل بیت اور اولاد امام کو اس مصیبت عظمیٰ میں گرفتار تنہا چھوڑ کر اپنے تحفظ کے لئے علیحدگی اختیار کر لیں؟

(ج) کیا ان کے کوئی بھائی رائے کے قریب آباد تھے؟ جن کا نام شہر یار بیان کیا جاتا ہے؟

(د) کیا جناب امام حسین نے اس گورے کی طرف جانے کا حکم دیا تھا؟

(ه) اگر یہ شہر بانو سید الساجدین کی والدہ نہ تھیں تو کیا کوئی دوسری عجمی شہزادی تھیں؟ اگر تھیں تو آں جناب نے ان سے کب اور کس طرح عقید کیا تھا؟

(و) کیا فاطمہ بنت الحسین کے علاوہ جو جناب ام اسحاق کے لطن سے تھیں۔ امام کی کوئی اور صاحبزادی اس نام کی تھیں؟

(ز) وہ کون سا گھوڑا تھا جس پر سوار ہو کر آپ گئی تھیں؟

امراول کے متعلق عموماً محدثین و مورخین کا اتفاق ہے کہ جناب شہر بانو واقعہ کربلا کے وقت زندہ ہی نہ تھیں۔

بلکہ اس سے ایک عرصہ دراز پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ بنا براختصار صرف چند اقوال پیش کئے جاتے ہیں۔



- ۱۔ رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوقؑ نے کتاب عیون اخبار الرضا میں بسند معتبر امام رضاؑ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ امام زین العابدینؑ کی ولادت کے بعد اس مخدروہ کا انتقال ہو گیا۔
- ۲۔ علامہ مجلسی جلاء العیون میں تحریر فرماتے ہیں: ﴿از روایات معتبرہ ظاہر می شود کہ شہر بانو در آن صحرا نبود﴾۔
- ۳۔ مرزا محمد بن سلیمان تنکا بنی اکلیل المصائب میں رقم فرماتے ہیں: ﴿قول دیگر در شہر بانو کہ در کربلا ہمراہ بود و اسیر شد این نیز ضعیف است و محل اعتنا نیست واضح این کہ شہر بانو یہ و خواہرش کہ زوجہ امام حسن بود حاملہ شدند و ہر دو متولد شدند و در ایام نفاس وفات یافتند﴾۔
- ۴۔ مرزا محمد حسن خیرات حسان میں لکھتے ہیں: ﴿بارے حضرت شہر بانو چنانچہ در اخبار معتبرہ رسیدہ است بحال نفاس در گذشت﴾۔
- ۵۔ فرہاد مرزا، مقام ذخائر میں تحریر کرتے ہیں: ﴿آنچہ از کتب معتبرہ روایات محدثین شیعہ بہ نظر رسیدہ شہر بانو در نفاس وفات یافت و کفالت و حصانت امام سجاد را یکے از امہات اولاد حضرت سید الشہداء ہمی نمود﴾۔
- ۶۔ مرزا سپہر کا شانی ناسخ التواریخ میں لکھتے ہیں: ﴿چہ شہر بانو در ہنگام ولادت علی بن الحسینؑ وداع جہاں گفت و در سفر کربلا ملازمت سید الشہداء نہداشت﴾۔
- ۷۔ جناب علامہ محمد حسن قزوینی ریاض الشہادہ میں لکھتے ہیں: ﴿از احادیث ظاہر می شود کہ شہر بانو مادر امام زین العابدینؑ در صحرائے کربلا حاضر نبود بلکہ آنچہ مستفاد می شود از اخبار ایفست کہ در وقت وضع حمل از دنیا رفت و آن مصائب و وقائع را ندید﴾۔
- ۸۔ جناب سید اولاد حیدر صاحب بگرامی کا ارشاد ہے: ﴿جن روایتوں سے جناب شہر بانو کا واقعہ کربلا میں تشریف رکھنا معلوم ہوتا ہے وہ زیادہ اعتقاد کے لائق نہیں ہیں۔ اور مجہول الاسانید ہیں اور ان معظّمہ کا حضرت امام زین العابدینؑ کی ولادت کے ساتھ وفات پانا اتویٰ اور اظہر ہے۔
- ۹۔ مولانا سید ناصر حسین صاحب ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں ”کتاب اخبار عیون الرضا“ سے واضح ہوتا ہے کہ شہر بانو والدہ ماجدہ امام زین العابدینؑ نے قریب ولادت سید سجاد انتقال فرمایا۔



۱۰۔ خود فاضل در بندی نے اسرار الشہادت میں اس بات کا اقرار کیا ہے جنہوں نے جناب شہر بانو کے رائے کی طرف جانے کا طومار باندھا ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ تلک عشرۃ کا ملکہ۔

۱۱۔ امر دوم:۔ اگر بالفرض اس روایت کو تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس سے جناب شہر بانو کی نسبت کئی شبہات وارد ہوتے ہیں۔

۱۔ انہوں نے ایسی قیامت خیز مصیبت کے وقت رسول اللہ کی نو اسیویں اور خاتون جنت کی بیٹیوں اور بہنوں کا ساتھ چھوڑ کر ایک بڑی اخلاقی کمزوری کا اظہار کیا (معاذ اللہ)

ب۔ انہوں نے اپنی عزت کو دختران سید النساء کی عزت پر مقدم سمجھا

ج۔ انہوں نے اپنی اولاد (امام سجاد) کو ایسی دردناک مصیبت میں چھوڑ کر مادری محبت و شفقت کو خیر باد کہہ دیا۔ بھلا آپ کی ذات سے ایسے خلاف مروت و وفاداری امور کی امید کی جاسکتی ہے؟

۱۲۔ امر سوم:۔ ہمارے پاس کوئی ایسی تاریخی شہادت نہیں ہے کہ یزدجرد پدر جناب شہر بانو کا کوئی بیٹا بنام شہر یار موجود تھا۔ متقدمین اور متاخرین کی ترمیم معتبر و مستند کتابیں دیکھنے سے کہیں اشارۃً و کنایۃً بھی اس کا ذکر نہیں پایا جاتا کہ زوال سلطنت کے بعد یزدجرد کے کسی بیٹے یا کسی عزیز کو کسی ملک یا کسی حصے کی سلطنت حاصل ہوئی ہو! مولانا سید ناصر حسین صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: شہر یار کا قصہ قطعاً کتب معتبرہ میں نہیں اور اس کا قصہ جس طرح روضہ خواں پڑھتے ہیں وہ بالکل غلط اور سراسر خلاف واقعات مسلمہ مورخین فریقین ہے۔

۱۳۔ امر چہارم:۔ کی نسبت صاف ظاہر ہے کہ علماء و مورخین کی تمام مستند و معتبر کتابیں اس سے خالی ہیں کہ حضرت سید الشہداء نے جناب شہر بانو سے ایسا فرمایا ہو کہ تم گھوڑے پر سوار ہو کر چلی جانا۔ گھوڑا تم کو وہاں پہنچا دے گا جہاں حکم خدا ہوگا! تعجب ہے کہ آقائے در بندی نے یہ بے سرو پا مہمل واقعہ درج کرتے وقت ”فی کتب التواریخ المعتبرہ“ تو لکھ دیا۔ مگر کسی کتاب یا سند کا حوالہ تحریر کرنے کی تکلیف گوارا نہ کی۔ بظاہر انہوں نے یہ واقعہ کتاب بحر الانساب سے لیا ہے۔ اور یہ کتاب مہملات و لغویات سے جیسی بھری ہوئی ہے وہ محتاج تشریح نہیں۔

علاوہ بریں یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ جناب سید الشہداء نے ایسا حکم اپنی دوسری ازواج کو کیوں نہ دیا۔ بالخصوص جناب رباب جن سے آپ زیادہ مانوس تھے۔ نیز اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو کیوں نہ دیا جو دین و دنیا کی شہزادیاں تھیں۔

۱۴۔ امر پنجم:۔ آقائے در بندی نے جواہر الانفال میں ایک قیاسی تجویز کی ہے۔ زبیدہ زوجہ قاسم کی والدہ اور سید

سجاد علیہ السلام کی مادر گرامی دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔ حضرت سید الشہداء نے بعد وفات والدہ سید سجاد ان کی خواہر سے عقد



کر لیا تھا اور یہی معظمہ آنجناب کی شہادت کے بعد گھوڑے پر سوار ہو کر گئی تھیں۔

یہ فاضل موصوف کا ذاتی اجتہاد اور قیاسی فیصلہ ہے جو انہوں نے بحر الانساب پر اعتماد کرتے ہوئے کیا ہے حالانکہ متقدمین و متاخرین کی کتابیں اس سے خالی ہیں۔ اگرچہ بعض روایات میں یزدجرد کی دو (۲) اور بعض میں تین بیٹیوں کا وارد مدینہ ہونا بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ایک سے زیادہ کا داخل زوجیت سید الشہداء ہونا کسی روایت میں نہیں پایا جاتا۔ یہ خیال جناب موصوف نے اسرار الشہادت میں زوجہ قاسم کا نام فاطمہ اور جواہر الانفال میں زبیدہ لکھا ہے۔ یہ تناقض بجائے خود اس قصہ کے بطلان کا قوی برہان ہے۔

امر ششم :- ہم سید الشہداء علیہ السلام کی اولاد اور دامادی قاسم کے قصہ کے بیان میں ارباب سیر و تواریخ کی قطعی شہادتوں سے ثابت کر آئے ہیں کہ جناب سید الشہداء کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ ایک فاطمہ جو جناب ام اسحاق کے بطن سے تھیں اور دوسری سیکنہ جو جناب رباب کے بطن سے تھیں۔ ان کے علاوہ کسی اور فاطمہ کا کسی مستند کتاب میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

امر ہفتم :- ہم اسی باب میں امر چہارم کی تحقیق میں تاریخی شواہد کی روشنی میں ثابت کر آئے ہیں کہ جناب سید الشہداء کی سواری کا ایک ہی گھوڑا کر بلا میں تھا۔ جس نے آنجناب کی شہادت کے بعد زمین پر سر مار مار کر اور بقولے دریائے فرات میں ڈوب کر جان قربان کر دی تھی۔ ان ناقابل رد حقائق کی روشنی میں یہ بات بالکل اظہر من الشمس ہو کر رہ جاتی ہے کہ یہ قصہ بالکل من گھڑت اور بے بنیاد ہے۔ انہی حقائق سے جناب ابن شہر آشوب کے بیان کا ناقابل اعتماد ہونا بھی واضح و عیاں ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ علاوہ فریقین کی روایات کے منافی ہونے کے جیسا کہ صاحب مقام نے اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: ﴿منافی باجمیع روایات فریقین است﴾۔

یہ خود کشی ہے جو بالاتفاق حرام ہے: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ اور ﴿لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ کے منافی ہے۔ بھلا وہ گھر جو مہبط قرآن، سرچشمہ علم و عرفان اور منبع رشد و ہدایت تھا۔ ایسے گھر کی ایک ممتاز خاتون جو امام کی بہو، امام کی بھانج، امام کی بی بی اور امام کی ماں تھی۔ اس حکم سے بے خبر یا پھر اس کی ناسمجھ کر سکتی تھیں؟ تعجب ہے کہ فاضل مازندرانی نے ایسی بے سرو پا روایت کو اپنی کتاب میں کس طرح جگہ دی؟ سچ ہے: ﴿الجواد قد یکبر! واللہ العاصم﴾۔ (مخلص از: مجاہد اعظم ج ۱، مع اضافات)

امر دہم :- شام غریباں کے دلخراش واقعات پر مختصر تبصرہ

مشہور یہ ہے کہ دنیا کی سخت ترین شب عاشوراء ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شب اپنی خصوصیات کی وجہ سے منفرد ہے۔ کائنات کا سردار اپنے مٹھی بھرا عزا و انصار سمیت پوری طرح نرغہ اعداء میں گھر چکا



تھا۔ موت سامنے نظر آرہی تھی۔ کربلا والوں کو صبح اپنی موت کا یقین تھا۔ ہر ماں کو علم تھا کہ کل اس کا مادہ لقا بیٹا قربان گاہ کربلا میں فدیہ راہ خدا ہو جائے گا۔ ہر بہن کو یقین تھا کہ کل اس کا قوت بازو دائمی طور پر رخصت ہو جائے گا۔ اور ہر زوجہ کو سامنے نظر آ رہا تھا کہ کل اس کا سہاگ لٹ جائے گا۔ علاوہ بریں بھوک تھی۔ پیاس تھی دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت تھی۔ مظلومیت تھی۔ بے کسی تھی۔ غرض کہ شب عاشوراء سخت ابتلاء و آزمائش کی رات تھی مگر بایں ہمہ اس میں ایک گونہ چہل پہل تھی۔ ہنوز سب خورد و کلاں زندہ اور موجود تھے۔ رسول زاد یوں کا ظاہری سہارا موجود تھا۔ پختن پاک کی آخری فرد فرید دنیا میں موجود تھی۔ ذکر تسبیح و تہلیل سے خیام حسینی گونج رہے تھے۔ لیکن شام غریباں (شب یازدہم محرم) کو کچھ اور سماں تھا۔ شام غریباں کی کیفیت کچھ اور ہے۔ آسمان نیلگوں، غروب ہونے والے آفتاب، طلوع ہونے والے ماہتاب اور چمکتے ہوئے ستاروں نے نہ معلوم کتنے انقلاب روزگار دیکھے ہوں گے اور خدا معلوم سطح زمین پر کس قدر دردناک سانچے گزرے ہوں گے۔ اور نہ معلوم سینہ تاریخ میں کس قدر حیرت افزا واقعات محفوظ ہوں گے مگر بلا خوف رد کہا جاسکتا ہے کہ اس ربیع مسکون پر آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر شام غریباں سے زیادہ دلخراش، جگر سوز اور دردناک سانچہ کبریٰ نہیں گزرا ہوگا۔ وارثوں کا سایہ اٹھ چکا۔ ظاہری سہارے ٹوٹ چکے۔ سامان لٹ چکا۔ خیام جل چکے۔ خاتم المرسلین کی نواسیوں کے گوشوارے اتر چکے۔ علی و بتول کی پوتیوں کے خلیقال اتر چکے۔ جناب رباب کی گود خالی ہو چکی۔ پہرہ دینے والے لٹ چکے ہر دل میں کوئی نہ کوئی غم و الم کا ناسور ہے مگر شریکۃ الحسین کے قلب حزیں پر تو ایک سو پینالیس داغ ہیں۔ پختن پاک کی آخری یادگار زمین سے اٹھ چکی ہے۔ بچے بزرگوں کی یادوں میں نڈھال ہو رہے ہیں۔ شدت گرسنگی و تشنگی سے بلک رہے ہیں مگر کوئی دلاسا دینے والا نہیں۔ بی بیوں کے سامنے عزیزوں کی خون میں نہائی ہوئی اور سر بریدہ لاشیں بے گور و کفن پڑی ہیں۔ عجیب بے کسی و بے بسی کا عالم ہے۔ کہتے ہیں کہ پسر سعد نے زوجہ حر کے ہاتھ اس رات کچھ خورد و نوش کا سامان بھجوایا تھا مگر کسی قابل اعتماد کتاب میں ایسی کوئی تصریح نظر قاصر سے نہیں گذری۔ خدا معلوم ان ستم زدہ سیدانہوں اور یتیم بچوں اور بیواؤں نے کس طرح فاقہ شکنی کی؟

آہ۔ نام نہاد مسلمانوں نے اسیران اہل بیت کے ساتھ وہ سلوک کیا جو ترک و ویلم کے اسیروں کے ساتھ نہیں کیا جاتا۔

آہ از دے کہ لشکر اعداء نہ کردہ شرم      کردند رو بخیمہ سلطان کربلا  
گزرے ہیں کربلا میں وہ پر ہول سانچے      مر جائے آدمی جو تصور کبھی کرے

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ وَ سَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ۔



## ابتداءِ اسیری اہل بیتؑ سے روانگی شام تک کے حالات

جیسا کہ سابقہ باب میں بیان کیا جا چکا ہے عمر بن سعد نے حضرت سید الشہید (علیہ السلام) اور دوسرے شہدا کو بلا کے سرہائے مبارکہ عصر عاشوراء کو کوفہ روانہ کر کے خود گیارہ محرم کو زوال آفتاب کے بعد خاندان نبوت کو اسیر کر کے اور بے مقصد و چادر ترک و دہلیم کی باندیوں کی طرح لے بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کر کے کوفہ روانہ ہوا۔ بعض اٹار کی بنا پر اس وقت اسیران اہل بیتؑ میں بیس خواتین اور بارہ لڑکے<sup>۱</sup> تھے۔ جن میں امام حسن مجتبیٰؑ کے تین صاحبزادے حسن ثنی جو معرکہ کربلا میں امام برحق کی نصرت کا حق ادا کرتے ہوئے سترہ ناریوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد خود اٹھارہ زخم لگنے سے نڈھال ہو کر گر گئے تھے۔ اور دایاں باز و بھی قلم ہو گیا تھا۔ اسماء بن خارجہ فزاری (جو حسن ثنی کی والدہ کے خاندان سے تھا کی سفارش پر قتل ہونے سے بچ گئے<sup>۲</sup> تھے) (۲) زید بن الحسن۔ (۳) عمرو بن الحسن اور امام محمد باقر (علیہ السلام) بھی انہی میں شامل تھے جن کی عمر اس وقت قریباً چار سال تھی۔<sup>۳</sup>

عقبہ بن سمان جو جناب رباب کے غلام تھے (جنہیں سپاہی پکڑ کر پسر سعد کے پاس لے گئے لیکن ان کے یہ بتلانے سے کہ وہ غلام ہیں ان کی تن بخشی ہو گئی تھی<sup>۴</sup> بھی ہمراہ<sup>۵</sup> تھے۔ یہ وہی عقبہ ہیں جن کا ایک مختصر سا مقتل بھی ہے۔ جو چشم دید واقعات پر مشتمل ہے۔

بہر حال وہ ساعت کسی طرح قیامت سے کم نہ تھی۔ جب پیغمبر آخر الزمانؐ کے نام نہاد کلمہ گو مسلمان ان کی بہوؤں اور بیٹیوں کو پابند رسن کر کے اسی کوفہ کے دربار میں پیش کرنے کے لئے جارہے تھے۔ جو کبھی جناب امیرؑ کے ظاہری دور خلافت میں ان کا دار الخلافہ تھا۔ اور یہ چادر تطہیر کی وارث بی بیاں اس میں شہزادیوں کے طور پر قیام پذیر رہ چکی تھیں۔ آہ

و یغزی بنوہ ان ذا لعجیب

یصلی علی المبعوث من آل ہاشم

۱۔ لہوف، ص ۱۲۲۔ عاشر بحار، ص ۲۱۸۔ نظام، ص ۳۳۳۔ نفس المہوم، ص ۲۰۴ وغیرہ۔

۲۔ نفس المہوم، ص ۲۰۴۔ مقتل الحسین، ص ۳۶۵ وغیرہ۔ ۳۔ مقتل الحسین، ص ۳۶۵۔ لہوف، ص ۱۲۸ وغیرہ۔

۴۔ نفس المہوم، ص ۲۰۴۔ ۵۔ نفس المہوم، ص ۱۵۸۔ مقتل الحسین، ص ۳۶۶۔

۶۔ مقتل الحسین للمقرم، ص ۳۶۵۔



## بیٹیاں شہداء کے لاشوں پر

شامیان بستند بازو زینب و کلثوم را اے فلک آں ابتدا میں انتھائے اہل بیتؑ جب اشتیاء کوفہ کی طرف روانہ ہونے لگے تو پردگیاں عصمت و طہارت نے فرمایا: ﴿بِاللّٰہِ عَلَیْکُمُ الْاَمَامِرُ﴾ بنا علی القتلیؑ خدا کے واسطے ہمیں وہاں سے لے چلو جہاں شہداء کی لاشیں پڑی ہیں۔ اور بعض آثار کے مطابق خود اشتیاء اسی راستہ سے اسیروں کو لے کر گزرے (اسرار الشہادت)

جب بی بیوں نے شہداء کر بلا اور بالخصوص جناب سید الشہداء کی لاشوں کو اس حال میں دیکھا کہ بندے بند جدا ہے اور پا مال سم اسپاں بے گور و کفن خاک پر پڑی ہیں تو یہ دل خراش منظر دیکھ کر تاب ضبط نہ رہی یا وا ذ بلند گریہ و بکاء کیا۔ اور رخساروں پر طمانچے مارے۔ راوی (مزہ بن قیس تمیمیؑ) کہتا ہے: ﴿فَمَا نَسِيتُ مِنَ الْاَشْيَاءِ لَا اَنْسِیْ قَوْلَ زَيْنَبِ ابْنَةِ فَاطِمَةَ حَیْنَ مَرَرْتُ بِاَخِيهَا الْحُسَيْنِ صَرِیْعًا فَنَادَتْ بِصَوْتٍ حَزِیْنٍ وَ قَلْبٍ کَنِیْبٍ یَا مُحَمَّدَا یَا مُحَمَّدَا صَلِّ عَلَیْکَ مَلَائِکَةُ السَّمَاءِ هَذَا حُسَیْنٌ بِالْعَرَاءِ مَرْمَلٌ بِالْاَعْمَاءِ مَقْطَعُ الْاَعْضَاءِ مَسْلُوبُ الْعِمَامَةِ وَالرِّدَاءِ یَا مُحَمَّدَا وَ بَنَاتُکَ سَبَا یَا وَ ذَرِیَّتُکَ مَقْتَلَةٌ تَسْفِیْ عَلَیْهَا الصَّبَاءُ فَا بَکْتَ وَ اللّٰهُ کُلُّ عَدُوٍّ وَ صَدِیْقٍ﴾ میں اور سب کچھ بھول جاؤں تو بھول جاؤں مگر میں جناب زینب بنت فاطمہؑ کے اس کلام کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا جب وہ اپنے بھائی کی لاش مقدس کے پاس سے گذریں تو پرسوز دل اور غمناک لب و لہجہ کے ساتھ اپنے نانا رسول کو خطاب کر کے کہہ رہی تھیں۔ اے جدنا مدار آپ پر تو آسمان کے فرشتے درود و سلام پڑھتے ہیں۔ مگر یہ آپ کے حسینؑ لقا و دق صحرا میں خاک و خون میں غلطان پڑے ہیں۔ جن کے اعضاء پارہ پارہ ہیں اور سر عمامہ اور کاندھوں سے عبا اتار لی گئی ہے آپ کی بیٹیاں امیر اور ذریت قتل ہوئی پڑی ہے۔ جن پر باد صبا مٹی ڈال رہی ہے۔ اگر کوئی رستم و سہراب بھی ہوتا تو یہ جانکاہ اور جگر خراش منظر دیکھ کر حواس کھو بیٹھتا۔ مگر یہ شیر خدا کی شیر دل بیٹی کا دل و گروہ تھا کہ پورے صبر و ثبات اور اطمینان و استقلال کے ساتھ آسمان کی طرف دست دعا بلند کئے اور کہا: ﴿اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا هَذَا الْقُرْبَانَ﴾ خداوند ہماری یہ قربانی قبول فرمائے اس سے جناب بی بی عالم کے صبر و ثبات اور خلوص و للہیت اور بلندی مقام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اخبار و آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس اثنا میں جناب سیدہ کسی طرح اپنے بابا بزرگوار کے جسد اطہر کے ساتھ جا کر لیٹ گئیں۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے بابا کے گلے پریدہ سے یہ آواز سنی کہ

۱۔ نفس المہموم، ص ۲۰۴۔ مقتل ابن نما، ص ۴۱۔ مقتل الحسین، ص ۳۶۷ وغیرہ۔ ۲۔ نفس المہموم، ص ۲۰۴۔

۳۔ لؤلؤ الاشجان، ص ۱۵۷۔ نفس المہموم، ص ۲۰۴۔ ۴۔ کبریٰ حمزہ۔



عذب ماء فاذا كروني

شيعتي ماء شربتم

او شهيد فاندبروني

او سمعتم بغريب

بی بی کچھ اس طرح بابا کی لاش منظر سے لپٹی ہوئی تھی کہ کسی طرح جدا نہیں ہوتی حتیٰ کہ کسی شقی نے زبردستی کھینچ کر علیحدہ کیا اور بروایت زجر بن قیس نے تازیانہ کی ضرب سے جدا کر کے شتر پر سوار کیا۔<sup>۱</sup>

**امام سجاد کی بے قراری اور شریکۃ الحسین کی دلجوئی**

روایات میں وارد ہے کہ جب امام زین العابدین نے شہداء کربلا اور بالخصوص لخت جگر زہر آ کو ایسی حالت میں دیکھا۔ جس سے قریب تھا کہ آسمان پھٹ جائے زمین شگافتہ ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ تو یہ جانگداز منظر دیکھ کر اچانک حجت خدا کی حالت غیر ہونے لگی۔ جب ثانی زہراء نے اپنے بھتیجے کی یہ حالت دیکھی تو بیمار کربلا کو تسلی و تشفی دیتے ہو فرمایا: ﴿مالی اراک تجود بنفسک با بقیۃ جدی و ابی و اخوتی﴾ اے میرے جد و اب اور بھائیوں کی یادگار! کیا بات ہے کہ میں تجھے دم توڑتے دیکھ رہی ہوں۔؟ امام نے فرمایا: ﴿کیف لا اجزع و اهلع و قداری سیدی و اخوتی و عمومتی و ولد عمی و اہلی مصرعین بدمائہم مرقلین۔ بالعراء مسلین لا یكفنون ولا یوارون لا یخرج علیہم احد ولا یقربہم بشر کانہم اہل بیت من الدیلم و الخزرج﴾ بھلا میں کیونکر جزع و فزع نہ کروں۔ جب کہ میں اپنے سید و سردار (والد بزرگوار) بھائیوں اور چچا زاد بھائیوں کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں کہ لقمہ و دق صحراء میں خاک و خون میں غلطان لباس سے عریاں ہلاکفن و دفن پڑے ہیں۔ کوئی آدمی ان کے قریب نہیں جاتا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ دیلم و خزر کے خاندان سے ہیں! عقیلہ قریش نے فرمایا: ﴿لا یجز عنک ما تری فواللہ ان هذا لعہد من اللہ الی حدک و ابیک، ولقد اخذ اللہ میثاق اناس لا تعرفہم فراعنة هذه الارض و ہم معروفون فی اہل السموت انہم یجمعون هذه الاعضاء المقطعة و الجسوم المضرجة فیوارونها و ینصبون بهذا الطف علما بقبر ابیک سید الشهداء لایداس اثرہ ولا یمحی رسمہ علی قرور اللیالی و الايام و لیجھدن ائمة الکفر و اشیاع الضلال فی محوہ و تطمیسہ فلا یزداد اثرہ الا ظہوراً و امرہ الاعلوا﴾<sup>۲</sup> بیٹا جو منظر آپ دیکھ رہے ہیں۔ آپ کو گھبراہٹ میں نہ ڈالے۔ خدا کی قسم یہ تو خدا کا ایک عہد تھا جو اس نے آپ کے جدنا مدار

۱۔ نفس المہوم، ص ۲۰۰۔ مقتل الحسین، ص ۳۶۸۔ بحوالہ مصباح النعمی، ص ۳۷۶۔

۲۔ مقتل الحسین للمقرم، ص ۳۶۹۔ ولونج الاشجان، ص ۱۵۸۔

۳۔ مقتل الحسین، ص ۳۷۰۔

۴۔ کامل الزیارة، ص ۲۶۱ وغیرہ۔



اور بابائے بزرگوار سے لیا تھا۔ نیز کچھ لوگوں سے خدا نے یہ عہد و پیمان لیا ہے جنہیں اس زمین کے فراعنہ وقت نہیں پہچانتے مگر وہ اہل آسمان کے نزدیک مشہور و معروف ہیں کہ وہ ان قطع شدہ اعضا اور خون سے آغشتہ اجسام کو دفن کریں گے اور تیرے بابا سید الشہداء کی قبر مقدس پر غلم نصب کریں گے یا وجود لیل و نہار کی گردشوں کے تیرے بابا کی قبر کا نام و نشان ہرگز نہیں مٹے گا۔ اور اگر چہ کئی ائمہ کفر اور پروان ضلالت اس کے مٹانے کی پوری کوشش کریں گے مگر ان کی ہر ناکام کوشش سے الٹا اس کے نشان روشن و عیاں ہونگے۔ اور ان کی شان زیادہ بلند و بالا ہوگی۔“

اس مکالمہ اور امام کو دلاسا دینے سے عقیلہ بنی ہاشم کی عظمت و جلالت اور رفعت منزلت کا جس قدر اظہار ہوتا ہے وہ کسی تبصرہ اور بیان کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ اللہ بی بی عالم کا مقام صبر و تحمل کس قدر بلند ہے۔ کہ امام وقت کو صبر و ضبط اور تحمل و استقلال کی تلقین فرما رہی ہیں۔ نیز بی بی عالم کا یہ کلام بالکل وحی ترجمان معلوم ہوتا ہے جو کچھ اس مخدومہ کو نبین نے اس روز فرمایا تھا بعد میں آنے والے حالات و واقعات نے اس کی حرف بحرف تصدیق و تائید کر دی ہے۔ جیسا کہ تاریخ دان حضرات جانتے ہیں۔

و یا نبی اللہ الا ان یتمہ!

یرید الجاحدون لیطفئوه

سچ ہے۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

اسارائے اہل بیت کی کوفہ میں آمد

بہر حال عمر بن سعد اس لئے ہوئے قافلہ کو لے کر اپنے لاؤ لشکر سمیت سرہائے مبارکہ کے کوفہ پہنچنے کے ایک روز بعد (۱۴ محرم کو) کوفہ پہنچا۔<sup>۱</sup> ابن زیاد کو جب اس لئے ہوئے قافلہ کے قریب پہنچنے کی اطلاع ملی۔ تو اس نے سرہائے شہداء نوک ہائے نیزہ پر چڑھا کر بھجوا دئے تاکہ ایک ساتھ وارد دربار ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آگے آگے شہداء کے سرہائے مقدس تھے اس کے پیچھے اسیران آل محمد کا مختصر قافلہ تھا۔<sup>۲</sup> نیز ابن زیاد نے متوقع خوف ہنگامہ آرائی کے پیش نظر یہ احتیاطی تدبیر کر رکھی تھی کہ گو آج دربار و بازار میں لوگوں کو جمع ہو کر اسرا و اہل بیت کا نظارہ کرنے کا اذان عام تھا۔ مگر یہ اعلان بھی کرا دیا گیا تھا کہ کوئی زن یا مرد اسلحہ جنگ لے کر گھر سے باہر نہ نکلے اور اس پر عمل درآمد کرانے کے لئے جا بجا پولیس کے دستے بھی متعین کر دیئے گئے تھے۔<sup>۳</sup>

۱۔ ارشاد ص ۲۶۶۔

۲۔ ناخ، ج ۶، ص ۳۰۵۔ تقاضا، ص ۴۴۳۔ نفس المہجوم، ص ۲۱۴۔

۳۔ ناخ التواریخ، ج ۶، ص ۳۰۵۔



## مسلم بھاص کی روایت

مسلم بھاص بیان کرتا ہے کہ ابن زیاد نے مجھے دارالامارہ کی اصلاح کے لیے بلایا ہوا تھا اور میں اپنے کام میں مشغول تھا کہ اچانک کوفہ کے اطراف و جوانب سے شور و شغب کی آوازیں آنے لگیں۔ اس اثناء میں ایک خادم آیا۔ میں نے اس سے دریافت کیا: کیا وجہ ہے کہ آج کوفہ میں بہت شور و غل ہو رہا ہے؟ اس نے کہا: ابھی ابھی ایک خارجی (بخاک دہن قائل) کا سر لایا جا رہا ہے۔ جس نے یزید پر خروج کیا تھا۔ میں نے پوچھا: اس کا نام کیا تھا؟ کہا: حسین بن علی۔ میں یہ سنتے ہی دم بخود ہو کر رہ گیا۔ جب خادم باہر چلا گیا تو میں نے زور سے دوپٹہ اپنے منہ پر مارا۔ قریب تھا کہ میری آنکھیں ضائع ہو جائیں۔ اس کے بعد میں ہاتھ دھو کر دارالامارہ کی پچھلی طرف سے کناسہ کے مقام پر پہنچا جہاں لوگ سروں اور قیدیوں کے آنے کا انتظار کر رہے تھے تھوڑی دیر کے بعد ایک قافلہ پہنچا جو چالیس اونٹوں پر مشتمل تھا۔ جن پر اولاد حضرت فاطمہ زہراء سوار تھی۔ جن میں کچھ بچے اور کچھ مستورات تھیں۔ امام زین العابدین بے پلان اونٹ پر سوار تھے۔ رگھائے بدن سے خون جاری تھا۔ اور گریہ کناں آواز کے ساتھ یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

یامامۃ السوء لا سقیا لربکم	یامامۃ لم تراعی جدنا فینا
لو اننا و رسول اللہ یجمعنا	یوم القیامۃ ما کنتم تقولونا
تسیرونا علی الاقتاب عاریۃ	کانالہم نشید فیکم دینا
بنی امیۃ! ما ہذا الوقوف علی	تلک المصائب لا تلبن داعینا
تصفقون علینا کفکم فرحاً	وانتم فی فجاج الارض تسبوننا
الیس جدی رسول اللہ و یلکم	اہدی البریۃ من سبل المضلینا
یا وقعة الطف قد اورثنی حزنا	و اللہ تہتک استار المسینینا

اسیران آل محمد کی خستہ تنی اور زبوں حالی دیکھ کر اہل کوفہ صدقہ کی کھجوریں اور روٹیوں کے ٹکڑے بچوں کی طرف پھینکتے تھے۔ اور جناب ام کلثومؓ یہ فرما کر کہ ﴿یا اہل الکوفۃ ان الصدقۃ علینا حرام﴾ اے اہل کوفہ! صدقہ ہم پر حرام ہے۔ کھجوریں وغیرہ بچوں کے ہاتھ سے لے کر نیچے پھینک دیتی تھیں۔ لوگ خاندان نبوت کی یہ حالت دیکھ کر ڈھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ جناب ام کلثومؓ نے فرمایا: ﴿صہ یا اہل الکوفۃ تقتلنا رجالکم و تبکینا نساءکم فالحاکم بیننا و بینکم اللہ یوم فیصل القضاء﴾ اے اہل کوفہ خاموش ہو جاؤ! تمہارے مرد ہمیں قتل کرتے ہیں۔ اور تمہاری عورتیں ہم پر روتی ہیں؟ خداوند عالم روز قیامت ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا مسلم کہتا ہے بی بی یہی گفتگو کر رہی تھیں کہ اچانک صدائے شور و شغب بلند ہوئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ (دوسری طرف



(سے) شہداء کربلا کے سر نیزوں پر سوار ہیں۔ ان سب کے آگے آگے جناب امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک تھا۔ ﴿وہو رأس زہری قمری اشبه الخلق برسول اللہ و لحيته كسواد السبع قد انتصل منها الخضاب و وجهه دارة قمر طالع و الرمح تلعب بها يميناً و شمالاً﴾ اور وہ سر بدر کمال کی طرح تابندہ اور درخشندہ تھا۔ اور تمام لوگوں سے زیادہ رسول خدا کے ساتھ مشابہہ تھا۔ ریش مبارک خضاب کی وجہ سے بالکل سیاہ تھی۔ چہرہ انور ماہتاب کی مانند مدور (روشن تھا اور ہوا ریش مبارک کو دائیں بائیں حرکت دے رہی تھی۔ جب جناب زینب عالیہ کی بھائی کے سر مبارک پر اس حال میں نظر پڑی تو اس منظر سے بے تاب ہو کر فرط غم و الم سے چوب پالان پر اس زور سے سر مارا کہ خون جاری ہو گیا۔ اور اس وقت یہ رقت خیز اشعار پڑھے

یا ہلا لا لما استتم کما لا	غاله خسف فابدا غروباً
ما توهمت یا شقیق فؤادی	کان هذا مقدراً
یا اخی! فاطم الصغیرۃ کلمها	فقد کاد قلبها ان یدوبا
یا اخی! قلبک الشقیق علینا	ما لہ قد قسلی و صار صلیبا
یا اخی لو تری علیاً لدی الاسر	مع الیتیم لا یطیق وجوبا
کلما او جعوه بالضرب ناداء	کی بذل فیض دمعاً سکوبا
یا اخی ضمه الیک و قر به	و سکن فؤاده المرعوبا
ما اذال الیتیم حین ینادی	بابیه ولا یراہ مجیباً

بہر حال ارباب سیر و مقاتل کا بیان ہے کہ جب اس حال میں یہ لٹا ہوا قافلہ کوفہ کے درود یوار کے قریب پہنچ گیا۔ ہاں ہاں وہی کوفہ جس میں جناب امیر علیہ السلام کے ظاہری دور خلافت میں جناب زینب و ام کلثوم شہزادیوں کی حیثیت سے رہ چکی تھیں۔ اور آج قیدیوں کی حیثیت سے داخل ہو رہی تھیں۔ آہ۔ ع

۱۔ بحار ج ۱۰ ص ۲۲۰۔ ناخ ج ۶ ص ۳۱۲، ۳۱۱۔ نفس المہموم ص ۲۱۳ وغیرہ۔

تفنی نہ رہے کہ صاحب طراز المذہب نے بڑے شہد و مد کے ساتھ زینب عالیہ کے سر پھوڑنے والے واقعہ کی نفی کی ہے اور اس امر کو بی بی عالم کے صبر و استقلال کے منافی قرار دیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس قسم کے خیالی استبعاد کی بنا پر ان واقعات کا جو کتب معتقدہ میں موجود ہیں انکار نہیں کیا جاسکتا نیز اس فعل کو منافی صبر و استقلال قرار دینا درست نہیں ہے۔ ﴿بفھوی ہر سخن جائے و ہر نکتہ مقامے دارد﴾۔ جہاں حسب ضرورت زینب عالیہ نے اس قدر صبر و ضبط سے کام لیا ہے کہ خود امام زین العابدین کو تسلیاں اور دلا سے دیئے ہیں۔ وہاں یہ بھی ثابت ہے کہ گریبان چاک کر کے منہ پر ٹمانچے بھی مارے ہیں۔ لہذا حسین ایسے عظیم بھائی کا اچانک نوک سنان پر سر دیکھ کر فرط غم و الم کی وجہ سے چوب پالان پر سر دے مارنا کون سی تعجب خیز بات ہے؟ واللہ العالم۔ (منہ غنی عنہ)



اے فلك آن ابتدا ایس انتہائے اہل بیتؑ

کوفہ کے زن و مرد جو ہزاروں کی تعداد میں وہاں یہ نظارہ دیکھنے کے لئے جمع تھے۔ آل رسول کو اس تباہ حال میں دیکھ کر زار و قطار رونے لگے۔ امام زین العابدینؑ نے نحیف و نزار آواز کے ساتھ فرمایا: ﴿تسوحون و تبكون من اجلنا فمن ذا الذی قتلنا؟﴾ کوفہ والو! اب تم ہم پر نوحہ اور گریہ کر رہے ہو۔ یہ تو بتاؤ کہ ہمیں قتل کس نے کیا ہے؟ اس اثنا میں ایک کوفیہ عورت نے بالائے بام جھانک کر دیکھا اور دریافت کیا: ﴿من ای الاساری انتم؟﴾ تم کس قوم و قبیلہ کے قیدی ہو؟ بی بیوں نے فرمایا: ﴿نحن اساری ال محمد﴾ ہم خاندان نبوت کے اسیر ہیں یہ سن کر وہ نیک بخت عورت نیچے اتری اور کچھ برقعے اور کچھ چادریں اکٹھی کر کے ان کی خدمت میں پیش کیں جن سے پردگیان عصمت نے اپنے سروں کو ڈھانپ لیا۔<sup>۱</sup>

### نہنب عالیہ کا خطبہ

اس وقت عقیلہ بنی ہاشم نے درج ذیل خطبہ ارشاد فرمایا: لوگوں کے گریہ و بکا اور شور و شغب کی وجہ سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ لیکن راویان اخبار کا بیان ہے کہ جو نبی شیر خدا کی بیٹی نے لوگوں کو ارشاد کیا کہ ﴿انصتوا﴾ خاموش ہو جاؤ! تو کیفیت یہ تھی کہ ﴿ارتدت الانفاس و سکت الاجراس﴾ آتے ہوئے سانس رک گئے اور جس کا رواں کی آوازیں خاموش ہو گئیں۔ اس کے بعد خطیب منبر سلونی کی دختر نے جب خطبہ شروع کیا تو لوگوں کو حضرت علیؑ کا لب و لہجہ اور ان کا عہد معدلت انگیز یاد آ گیا۔ راوی (حذام<sup>۲</sup> اسدی یا بشیر بن خریم<sup>۳</sup> اسدی) کہتا ہے: ﴿لم ارو الله خفرة قط انطق منها كانها تنطق و تفرغ علی لسان امیر المؤمنین علی علیہ السلام﴾ خدا کی قسم میں نے کبھی کسی خاتون کو دختر علیؑ سے زیادہ پر زور تقریر کرتے نہیں دیکھا (بی بی کے لب و لہجہ اور خطابت سے معلوم ہوتا تھا) کہ گویا جناب امیر المؤمنین کی زبان سے بول رہی ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں

۱۔ لمہوف، ص ۱۲۹۔ نفس المہوم، ص ۲۰۸۔ ۲۔ نفس المہوم، ص ۲۰۸۔ لمہوف، ص ۱۲۸۔

۳۔ نفس المہوم، ص ۲۰۸۔ ۴۔ لمہوف، ص ۱۲۹۔

مخفی نہ رہے کہ کلمات علماء ابرار اور اخبار و آثار میں قدرے اختلاف ہے کہ کوفہ اور دربار ابن زیاد میں وارد ہونے کے وقت مخدرات عصمت بے مقصد و چادر تھیں۔ یا باپردہ؟ مشہور یہی ہے جو ہم نے اوپر درج کیا ہے کہ چادر تطہیر کی وارث بی بی امت کے سلوک کے نتیجہ میں بے مقصد و چادر تھیں۔ ہاں البتہ بعض آثار سے یہ ضرور آشکار ہوتا ہے کہ بی بی امت مکشفات الوجہ نہ تھیں چنانچہ فاضل در بندی نے اسی قول پر بہت زور دیا ہے ہم نے اوپر جو روایت درج کی ہے اس سے دونوں اقوال کے درمیان جمع و توفیق ہو جاتی ہے کہ اس کوفیہ عورت کے برقعوں اور چادروں کے انتظام سے پہلے سر نگے تھیں بعد ازاں جب سر ڈھانکنے کا انتظام ہو گیا تو بنات رسولؐ نے پردہ کر لیا۔ اگرچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ظالموں نے وہ چادریں بھی چھین لیں (سیرت صدیقہ صفحہ ۱۱) مگر یہ دعویٰ بنا دلیل ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔ (واللہ العالم بحقائق الامور)۔ (منہ غنی عنہ)



محسوس ہوتا کہ حضرت امیر علیہ السلام آپ کی زبان سے بول رہے ہیں یہ  
 دربار میں خطبے، کبھی قرآن کی تلاوت اندازِ تظم میں علیؑ کی تھی فصاحت  
 جب ہر طرف مکمل خاموشی چھا گئی تو ام المصائب نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

﴿الحمد لله و الصلوة على ابي محمد و اله الطيبين الاخيار. اما بعد يا اهل الكوفة يا  
 اهل الختل والغدر اتبكون فلا رقات الدمعة ولا هدايات الزفرة انما مثلکم کمثل التي نقضت  
 غزلها من بعد قوة انکاثا تتخذون ايمانکم دخلاً بینکم الا وھل فیکم الا الصلف و النطف و  
 الصدر الشنف (الصلف و العجب و الشنف و الکذب) و ملق الاماء و غمز الاعداء او کمرعی  
 على دمنة او کقضة على ملحودة الا ساء ما قدمت لکم انفسکم ان سخط الله علیکم و فی  
 العذب انتم خالدون. اتبکون و تتعجون ای والله فابکوا کثیراً و اضحکوا قليلاً فلقد ذهبت بعارھا  
 و شزارھا و ان ترحضوها بغسل بعدها و انی ترحضون قتل سلیل خاتم النبوة و معدن الرسالة و  
 سید شباب اهل الجنة و ملاذ حیرتکم و مفزع نازلتکم و منار حجتکم و مدرة سنتکم (مدرة  
 حجتکم و منار محجتکم و) الا ساء ما تزررون و بعدا لکم و سحقاً فلقد خاب السعی و تبیت  
 الایدی و خسرت الصفقة و يؤتم بغضب من الله و ضربت علیکم الذلة و المسکنة و یلکم یا اهل  
 الکوفة اتدرون ای کبد لرسول الله فربتم و ای کریمه له ابرزتم و ای دم له سفکتکم و ای حرمة له  
 انتهکتکم (لقد جئتم شیئاً اذا تکاد السموات يتفطرن منه و تنشق الارض و تخر الجبال هداً) و لقد  
 جئتم بها صلعاء عنقاء سوداء فقماء خرقاء شوھاء کطلاع الارض او ملاء السماء افعجتکم ان  
 مطرت السماء دما و العذاب الاخرة اخزی و انتم لا تنصرون فلا يستخفنکم المھل فانه لا یخفره  
 البدار ولا یخاف فوت النار و ان ربکم لبالمرصاد﴾<sup>۱</sup>

(بعض روایات کے مطابق پھر یہ اشعار پڑھے)

ماذا تقولون اذ قال النبی لکم	ماذا صنعتکم و انتم اخر الامم
باھلیتی و اولادی و تکرمتی	منھم اساری و منھم ضرجوا بدم
ما کان ذاک جزائی اذ نصحت لکم	ان تخلفونی بسوء فی ذوی رحم
انی لا اخشى علیکم ان یحل بکم	مثل العذاب الذی اودی علی ارم



سب تعریفیں خدا کے لئے ہیں۔ اور درود و سلام میرے باپ (نانا) محمدؐ اور ان کی خلیب و طاہر اور نیک اولاد پر۔ اما بعد۔ اے اہل کوفہ! اے اہل دھوکہ و مکر! کیا اب تم روتے ہو؟ (خدا کرے) تمہارے آنسو کبھی خشک نہ ہوں اور تمہاری آہ و فغاں کبھی بند نہ ہو! تمہاری مثال اس عورت جیسی ہے۔ جس نے بڑی محنت و جانفشانی سے محکم ڈوری بانٹی اور پھر خود ہی اسے کھول دیا۔ اور اپنی محنت پر پانی پھیر دیا تم (منافقانہ طور پر) ایسی جھوٹی قسمیں کھاتے ہو۔ جن میں کوئی صداقت نہیں تم جتنے بھی ہو سب کے سب بے ہودہ گوڈینگ مارنے والے پیکر فسق و فجور اور فساد کی کینہ پرور اور لونڈیوں کی طرح جھوٹے چا پلوس اور دشمنوں کی غمازی ہو تمہاری کیفیت یہ ہے جیسے کثافت کی جگہ سبزی یا چاندی جیسی ہے جو دفن شدہ عورت (کی قبر) پر رکھی جائے۔

آگہ باشید! تم نے بہت ہی برے اعمال کا ارتکاب کیا ہے۔ جن کی وجہ سے خداوند عالم تم پر غضب ناک ہے۔ اس لئے تم اس کے ابدی عذاب و عقاب میں گرفتار ہو گئے۔ کیا اب گریہ و بکاء کرتے ہو۔ ہاں بخدا۔ البتہ تم اس کے سزاوار ہو کہ روزیادہ اور ہنسوکم۔ تم امام علیہ السلام کے قتل کی عار و شار میں گرفتار ہو چکے ہو۔ اور تم اس دھبے کو کبھی دھو نہیں سکتے! اور بھلا تم خاتم نبوت و معدن رسالت کے سلیل (فرزند) اور جوانان جنت کے سردار جنگ میں اپنے پشت پناہ۔ مصیبت میں جائے پناہ منارہ حجت اور عالم سنت کے قتل کے الزام سے کیونکر بری ہو سکتے ہو؟ تمہارے لئے لعنت و ہلاکت ہو۔ تم نے بہت ہی برے کام کا ارتکاب کیا ہے اور آخرت کے لئے براؤ خیرہ جمع کیا ہے۔ تمہاری کوشش رائیگاں ہو گئی تم برباد ہو گئے۔ تمہاری تجارت خسارہ میں رہی اور خدا کے قہر و غضب کے شکار ہو گئے۔ اور ذلت و رسوائی میں مبتلا ہوئے۔ افسوس ہے تم پر اے اہل کوفہ! کچھ جانتے بھی ہو کہ تم نے رسولؐ کے کس جگر کو پارہ پارہ کیا؟ اور ان کا کونسا خون بہایا؟ اور ان کی کونسی ہتک حرمت کی؟ اور ان کی کن مستورات کو بے پردہ کیا؟ تم نے ایسے افعال شنیع کا ارتکاب کیا ہے کہ آسمان گر پڑیں۔ زمین شگفتہ ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ تم نے قتل امام کا جرم شنیع کیا ہے جو پہنائی و وسعت میں آسمان و زمین کے برابر ہے۔ اگر اس واہیہ و بیاء و بلیہ عمیا پر آسمان سے خون برسا ہے تو تم تعجب کیوں کرتے ہو؟ یقیناً آخرت کا عذاب اس سے زیادہ سخت اور رسوا کن ہوگا اور اس وقت تمہاری کوئی امداد نہ کی جائے گی! تمہیں جو مہلت ملی ہے اس سے خوش نہ ہو کیونکہ خداوند عالم بدل لینے میں جلدی نہیں کرتا کیونکہ اسے انتقام کے فوت ہونے کا اندیشہ نہیں یقیناً تمہارا پرودگار اپنے نافرمان بندوں کی گھات میں ہے۔

صاحب طراز المذہب ص ۲۷۳ نے اس خطبہ کی انوکھی تعبیرات و تشبیہات اور استعارات و کنایات کے

متعلق لکھا ہے: ﴿فصحاء و بلغاء روزگار را متحیر و مبہوت می دارد﴾۔

پھر بی بی عالم نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ راوی کہتا ہے میں نے دیکھا کہ لوگ حیران و سرگرداں ہیں۔



اور تعجب سے انگلیاں منہ میں ڈالے ہوئے ہیں۔ میں نے ایک عمر رسیدہ شخص کو دیکھا جو میرے پہلو میں کھڑا رہا تھا۔  
 ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی۔ ہاتھ آسمان کی طرف بلند تھا اور وہ اس حال میں کہہ رہا تھا: ﴿بابی انتم و امی  
 کھولکم خیر الکھول و شبابکم خیر الشباب و نساء کم خیر النساء و نسلکم خیر نسل و فضلکم  
 فضل عظیم﴾ میرے ماں باپ تم پر قربان! تمہارے بزرگ سب بزرگوں سے بہتر۔ تمہارے جوان سب جوانوں  
 سے افضل تمہاری عورتیں سب عورتوں سے اشرف! تمہاری نسل سب نسلوں سے اعلیٰ۔ اور تمہارا فضل عظیم ہے۔ پھر یہ  
 شعر پڑھا۔

کھولکم خیر الکھول و نسلکم اذا عد نسل لا یور ولا یخزی

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اسکتی یا عمۃ ففی الباقی من الماضی اعتبار و انت  
 بحمد اللہ عالمة غیر معلمة فہمة غیر مفہمة ان البکاء و الحنین لا یرد ان من قد اباده الدھر  
 فسکنت﴾ پھوپھی اماں! چپ کرو! جو کچھ گزرا اس میں باقی ماندہ کے لئے درس عبرت ہے۔ آپ بحمد اللہ بغیر  
 پڑھائے ہوئے عالمہ اور بغیر سمجھائے ہوئے سمجھ دار ہیں۔ گریہ و بکاء اسے واپس نہیں لاسکتا جو حوادث روزگار کا شکار ہو  
 چکا ہے۔ چنانچہ مخدومہ عالم خاموش ہو گئیں۔

SIBTAIN.COM

جناب فاطمہ صغریٰ کا خطبہ

مخدومہ کونین کے بعد جناب فاطمہ بنت الحسین نے غم و الم میں ڈوبا ہوا یہ خطبہ دیا جسے زید بن موسیٰ نے  
 اپنے آباؤ اجداد کے سلسلہ سند سے روایت کیا ہے: ﴿الحمد للہ عدد الرمل و الحصی و زنة العرش الی  
 الشری احمدہ و اؤمن بہ و اتوکل علیہ و اشہد ان لا الہ الا اللہ و حدہ لا شریک لہ و ان محمداً  
 عبده و رسولہ صلی اللہ علیہ و آلہ و ان اولادہ ذبحوا بشطّ الفرات بغیر ذحل و لا ترات اللہم انی  
 اعوذ بک ان افتری علیک الکذب و ان اقول علیک خلاف ما انزلت علیہ من اخذ العہود  
 لو صیہ علی بن ابی طالب المسلوب حقہ المقتول من غیر ذنب کما قتل ولده بالامس فی بیت من  
 بیوت اللہ و بہا معشر مسلمة بالسنتھم تعساً لرؤسھم ما رفعت عنہ ضیماً فی حیاتہ و لا عند مماتہ  
 حتی قبضتہ، الیک محمودا النقیبة طیب الضریبة معروف المناقب مشہود المذاہب لا تاخذہ  
 فیک اللہم لومة لائم و لا عذل عاذل ہدیتہ اللہم للاسلام صغیراً و حمدت مناقبہ کبیراً و لم یزل  
 ناصحاً لک و لرسولک صلی اللہ علیہ و آلہ حتی قبضتہ الیک زاهداً فی الدنیا غیر حریص



عليها راغباً في الآخرة مجاهداً لك في سبيلك فاخترته وهديته الى صراط مستقيم. اما بعد يا  
اهل الكوفة يا اهل المكرو والغدر والخيلاء فانا اهل بيت ابتلانا الله بكم وابتلاكُم بنا فجعل بلاننا  
حسنا وجعل علمه عندنا وفهمه لدينا فنحن عيبة علمه ووعاء فهمه وحكمته وحجته على  
الارض في بلاده لعباده اكرمنا الله بكرامة وفضلنا بنبيه محمد علي كثير من خلقه تفضيلاً بيناً  
فكذبتمونا وكفرتُمونا ورأيتم قتالنا حلالاً و اموالنا نهبا كأننا اولاد الترك او كابل كما قتلتم  
جدنا بالامس وسيوفكم تقطر من دمائنا اهل البيت لحقد متقدم قرت لذلك عيونكم وفرحت  
قلوبكم افتراء على الله ومكراً مكروتم والله خير الماكرين فلا تدعونكم انفسكم الى الجدل بما  
اصبتم من دمائنا ونالت ايديكم من اموالنا فان ما اصابنا من المصائب الجليلة والرزايا العظيمة في  
كتاب من قبل ان نراها ان ذلك على الله يسير لكيلا تأسوا على ما فاتكم ولا تفرحوا بما آتاكم  
والله لا يحب كل مختال فخور. تباً لكم فانتظروا اللعنة والعذاب فكان قد حلّ بكم وتواترت من  
السماء نقمات فيسحتكم بعذاب (فتسحتكم بما كسبتم) ويذيق بعضكم بأس بعض ثم تخلدون  
في العذاب الاليم يوم القيامة بما ظلمتمونا الا لعنة الله على الظالمين ويلكم أتدرون اية يد طاغتنا  
منكم و اية نفس نزعنا الى قتالنا ام باي رجل مشيتم الينا تبغون محاربنا والله قست قلوبكم و  
غلظت اكبادكم وطبع لي افئدتكم وختم على سمعكم وبصركم وسؤل لكم الشيطان واملي لكم  
وجعل على بصركم غشاوة فانتم لا تهتدون فتباً لكم يا اهل الكوفة اي ترات لرسول الله صلى  
الله عليه وآله قبلكم و دخول له لديكم ثم غدرتم باخيه علي بن ابي طالب جدي و بنيه و عترته  
الطيبين الاخيار فافتخر بذلك مفتخر وقاله

نحن قتلنا علياً و بنى علي

بسيوف هندية ورماح

و سبينا نساء هم سبي ترك

و نطحنا هم اي نطاح

بفيك ايها القائل الكنكث و لك الاثلب افتخرت بقتل قوم زكاهم الله وطهرم الله و اذهب  
عنهم الرجس فاكظم واقع كما اقعى ابوك و انما لكل امرء ما كسب وما قدمت يداه  
احسدتمونا و يلاً لكم على ما فضلنا الله

فما ذنبنا ان جاش ذهراً بجودنا و بحرک ساج لا يوارى الدعامصا

ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء و الله ذو الفضل العظيم و من لم يجعل الله له نوراً فما له



(حمد پروردگار و ثنائے پیغمبر و آئمہ اطہار پر مشتمل تمہیدی خطبہ کے بعد فرمایا:)

اے اہل کوفہ، اے اہل غدر و مکر اور تکبر۔ خداوند عالم نے ہمارا تمہارے ذریعہ اور تمہارا ہمارے ذریعہ سے امتحان و اختبار لیا ہے پھر ہماری آزمائش کو اچھا بنایا ہے۔ اور ہمیں اپنے علم و فہم اور حکمت کا گنجینہ قرار دیا ہے۔ اور ہمیں زمین میں اپنے بندوں پر اپنی حجت قرار دیا ہے۔ خداوند عالم نے ہمیں اپنی مخصوص عزت و کرامت سے نوازا ہے۔ اور ہمیں اپنے پیغمبر حضرت محمدؐ کی وجہ سے اپنی تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے مگر تم نے ہماری تکذیب کی۔ اور ہمارے (احسانات کا) انکار کیا اور ہمارے ساتھ قتل و قتال کرنے اور ہمارے مال و منال کے لوٹنے کو جائز سمجھا گویا کہ ہم (معاذ اللہ) ترک و کابل کے (غیر مسلمان) لوگ ہیں۔ تم نے کل (ماضی قریب میں) سابقہ کینوں کی بنا پر جد امجد کو شہید کیا۔ تمہاری تلواروں سے اب بھی ہمارا خون بہہ رہا ہے۔ مگر (ایسے سنگین جرائم کے باوجود) تمہارے دل شاد کام اور آنکھیں روشن ہیں۔ یہ سب کچھ تم نے خدا پر افترا پروازی اور مکر و فریب کا مظاہر کرتے ہوئے کیا ہے۔ خدا تمہیں تمہارے مکر و فریب کی ضرور سزا دے گا تم نے جو ہمارے خون بہائے ہیں اور مال و اسباب لوٹے ہیں۔ اس سے تم خوش و خرم نہ ہو کیونکہ ہم پر جو سخت مصائب و آلام نازل ہوئے ہیں۔ وہ خلقت سے پہلے کتاب میں لکھے ہوئے تھے اور یہ بات خدا پر آسان ہے تاکہ دنیوی مال کے ضیاع سے ملول نہ ہو اور اس کی فراوانی پر مسرور و شاد کام نہ ہو۔ خدا تکبر اور فخر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اے اہل کوفہ تمہارے لئے ہلاکت ہو۔ اب لعنت و عذاب کا انتظار کرو۔ گویا کہ تم پر نازل ہو گیا ہے۔ اور تم پر آسمان سے مسلسل قہمتیں نازل ہو رہی ہیں جو تمہیں نیست نابود کر کے رکھ دیں گی اور خدا ایک دوسرے کے ہاتھوں تم سے انتقام لے گا۔ تم نے ہم پر جو ظلم و ستم کیا ہے اس کی پاواش میں ہمیشہ عذاب جہنم میں مبتلا رہو گے۔ ظالموں پر خدا کی لعنت ہو! وائے ہو تم پر اے اہل کوفہ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے کس ہاتھ سے ہم پر ظلم و زیادتی کی ہے؟ اور کس نفس کے ساتھ ہم سے جدال و قتال کیا ہے؟ اور کن پاؤں سے چل کر ہم سے لڑنے کے لئے آئے ہو؟ خدا کی قسم تمہارے دل سخت اور جگر درشت ہو گئے ہیں۔ اور تمہارے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہریں لگ چکی ہیں۔ شیطان نے تمہیں فریب دیا ہے۔ اور تمہاری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اس لئے تم ہدایت حاصل نہیں کر سکتے! اے اہل کوفہ! ہلاکت ہو تمہارے لئے تم نے جناب رسول خداؐ سے کونسا بدلہ اور انتقام لینا تھا کہ ان کے بھائی اور میرے جد علی بن ابی طالبؑ اور ان کی عترت طاہرہ کے ساتھ تم نے غر و مکر کیا۔ چنانچہ تمہارے بعض فخر کرنے والوں نے کہا: ہم نے علیؑ اور اولاد علیؑ کو ہندی تلواروں اور نیزوں کے ساتھ قتل کیا ہے اور ان کی مستورات کو ترک و دیلم کی باندیوں کی طرح قید کیا ہے۔ اور ان کو خوب لتاڑا ہے۔ اے قائل تیرے منہ میں خاک و پتھر تو اس گروہ کے قتل پر فخر و



مباہت کر رہا ہے۔ جن کو خداوند عالم نے طہارت و پاکیزگی عطا فرمائی ہے۔ اور ان سے ہر قسم کے رجس و ناپاکی کو دور رکھا ہے۔ اپنے غصہ کو پی اور اپنے باپ کو مانند کتے کی طرح بیٹھ۔ ہر آدمی کو وہی کچھ ملے گا جو کچھ اس نے آگے بھیجا ہوگا تم ہمارے ساتھ اس لئے حسد کرتے ہو کہ خدا نے ہم کو فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ کہ ہمارے (کمالات کا) سمندر تمام زمانہ کو محیط ہے۔ اور تمہارا سمندر ساکن و پایاب ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے کیونکہ وہ صاحب فضل عظیم ہے۔ اور جسے خدا اپنے نور کا حصہ نہ دے اس کے لئے تاریکی سے نکلنے کے لئے کوئی نور نہیں ہے۔“

راوی کہتا ہے کہ جب دختر حسینؑ کا کلام بلاغت نظام یہاں تک پہنچا تو روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ گریہ و بکا کرتے ہوئے عرض کیا: ﴿حسبك يا ابنة الطيبين فقد احرق قلبونا وانضجت نحورنا واضرمت اجوافنا﴾ اے طیب و طاہر آباء کی بیٹی! اتنا کلام کافی ہے آپ نے تو ہمارے دلوں کو شدت غم سے جلا دیا۔ سینوں کو پکا دیا اور ہمارے اندر حزن و ملال کی آگ ساگادی چنانچہ بی بی خاموش ہو گئیں۔

### جناب ام کلثوم کا خطبہ

اس کے بعد جناب ام کلثوم نے با آواز بلند آہ و بکا کرتے ہوئے یہ خطبہ انشا فرمایا:

يا اهل الكوفة سوءة لكم ما لكم خذلتم حسيناً و قتلتموه و انتهبتم امواله و ورثتموه و سبتم نساءه و نكبتموه فتباً لكم و سحقاً و يلکم أندرون ای دواہ دھتکم وای وزر علی ظہورکم حملتم وای دماء سفکتموھا و ای کریمۃ اصبتموھا وای صبیۃ سلبتموھا وای اموال انتھبتموھا قتلتم خیر رجالات بعد النبی و نزعتم الرحمة من قلوبکم الا ان حزب اللہ هم الفائزون (المفلحون) و حزب الشیطان هم الخاسرون ثم قالت:

قتلتم اخي صبراً فویل لأمکم      ستجزون ناراً حرها یتوقد  
سفکتکم دماء حرم اللہ سفکھا      و حرمھا القرآن ثم محمد  
الا فابشروا بالنار انکم غداً      لفی سقر حقاً یقیناً تخلدوا  
و انی لأبکی فی حیاتی علی اخي      علی خیر من بعد النبی سیولد

ماہوف، ص ۱۳۷۔ عاشق بخار، ص ۲۱۹۔ نفس المہجوم، ص ۲۱۲۔ ناخ، ج ۶، ص ۳۰۸۔ تقیام، ص ۳۳۹۔ لؤلؤ الاشجان، ص ۱۶۳۔ مقتل الحسین للمقرم، ص ۳۷۹۔ مقتل الحسین للخواجہ ارزی، ج ۲، ص ۲۔؟۔ نظم الزہراء، ص ۲۳۷۔ الدمعة الساکبہ، ص ۳۶۲ وغیرہ۔

نوٹ: علاوہ دوسرے شواہد کے خود یہ تاریخی خطبہ بھی جناب فاطمہ صغریٰ کے سید الشہداء کے ہمراہ ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ (منہ عنی عند)



بدمع غزیر مستهل مکفکف علی الخد منی دائماً لیس یجمد

اے اہل کوفہ! برائی ہو تمہارے لئے تم نے کیوں حسینؑ کی نصرت نہ کی۔ اور ان کو شہید کیا اور ان کے مال و اسباب کو لوٹا اور اپنا ورثہ بنایا۔ اور ان کے اہل عیال کو قید کیا۔ تمہارے لئے ہلاکت اور رحمت ایزدی سے دوری ہو۔ وائے بہ حال شما۔ کیا کچھ معلوم بھی ہے کہ تم کن مصائب میں مبتلا ہوئے اور کیا بوجھ اپنی پشتوں پر اٹھایا؟ اور کیسے خون تم نے بہائے۔ اور کن اہل حرم کو تکلیفیں پہنچائیں۔ اور کن لڑکیوں کو لوٹا اور کن اموال پر ناجائز قبضہ کیا۔ تم نے ایسے شخص (امام حسینؑ) کو شہید کیا جو پیغمبر اکرمؐ کے بعد تمام لوگوں سے افضل تھا۔ رحم تمہارے دلوں سے اٹھالیا گیا یقیناً خدا کا گروہ ہی کا مران ہوتا ہے۔ اور شیطانی گروہ خائب و خاسر ہوتا ہے۔ پھر حزن و ملال میں ڈوبے ہوئے یہ اشعار پڑھے۔

وائے ہو تم پر تم نے بلا قصور میرے بھائی کو شہید کیا۔ اس کی سزا تمہیں جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں دی جائے گی۔ تم نے ایسے خون بہائے جن کے بہانے کو خدا، قرآن اور رسولؐ نے حرام قرار دیا تھا۔ تمہیں آتش کی بشارت ہو جس میں ابد آلا بادتک معذب رہو گے! میں اپنے بھائی پر جو بعد از رسولؐ سب لوگوں سے افضل تھا۔ زندگی بھر روتی رہوں گی اور کبھی نہ خشک ہونے والا سیل اشک بہاتی رہوں گی۔“

راوی کہتا ہے کہ جناب ام کلثومؑ کے خطبہ کا اتنا اثر ہوا کہ روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ عورتیں اپنے بال بکھیر کر ان میں مٹی ڈالنے لگیں۔ اور مونہوں پر طمانچے مارنے شروع کئے۔ اسی طرح مرد شدت غم سے نڈھال ہو کر اپنی ڈاڑھیاں نوچنے لگے۔ اس روز سے زیادہ رونے والے مرد اور عورتیں کبھی نہیں دیکھی گئیں۔

### حضرت امام زین العابدینؑ کا خطبہ

لوگ ہنوز گریہ و بکا کر رہے تھے کہ امام زین العابدینؑ نے انہیں خاموش ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ جب سب لوگ خاموش ہو گئے تو امامؑ نے خدا کی حمد و ثنا اور پیغمبر اسلامؐ پر درود و سلام بھیجنے کے بعد فرمایا: ﴿ایہا الناس من عرفنی فقد عرفنی و من لم یعرفنی فانا اعرفہ بنفسی انا علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام انا بن من انتھکت حرمة و سلبت نعمته و انتھب ما له و سبی عیالہ انا بن المذبح بشطّ الفرات من غیر ذحل و لا ترات انا بن من قتل صبراً و کفی بذلك فخراً۔ ایہا الناس ناشدکم باللہ (انشدکم اللہ) هل تعلمون انکم کتبتم الی ابی و خدعتموہ و اعطیتموہ من انفسکم العهد و الميثاق و البيعة و قاتلتموہ و خذلتموہ فتباً لکم ما قدمت لافسکم و سوءة



لرأيكم بأية عين تنظرون الى رسول الله اذ يقول لكم قتلتم عترتي وانتهكتم حرمتي فليستم من امتي ﴿﴾۔

فرمایا: ایہا الناس! جو شخص مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا میں اسے اپنی معرفی کرائے دیتا ہوں۔ میں علی بن الحسین ہوں۔ وہ حسینؑ جو بلا جرم و قصور نہر فرات کے کنارے ذبح کیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کی ہتک حرمت کی گئی جس کے مال و منال کو لوٹا گیا اور جس کے اہل و عیال کو قید کیا گیا۔ میں اس کا پسر ہوں جسے ظلم و جور سے واماندہ کر کے شہید کیا گیا۔ اور یہ بات ہمارے فخر کے لئے کافی ہے۔ اے لوگو! میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا تم نے میرے پدر عالی قدر کو (دعوتی) خطوط لکھ کر نہیں بلایا تھا؟ اور ان کی نصرت و امداد کے عہد بیان نہیں کئے تھے؟ اور جب وہ تمہاری دعوت پر لبیک کہتے ہوئے تشریف لائے تو تم نے مکرو فریب کا مظاہرہ کیا۔ اور ان کی نصرت و یاری سے دست برداری اختیار کر لی۔ بلکہ ان کے ساتھ قتال کر کے ان کو قتل کر دیا۔ ہلاکت ہو تمہارے لئے کہ تم نے بہت برا ذخیرہ اعمال جمع کیا ہے اور برائی ہو تمہاری رائے و تدبیر کے لئے! بھلا تم کن آنکھوں سے اس وقت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی طرف دیکھو گے جب وہ تم سے فرمائیں گے کہ تم نے میری عترت اہل بیت کو قتل کیا اور میری ہتک حرمت کی اس لئے تم میری امت سے نہیں ہو۔ راویان اخبار کا بیان ہے کہ جب امام کا کلام غم التیام یہاں تک پہنچا تو ہر طرف سے لوگوں کے رونے اور چیخ و پکار کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اور ایک دوسرے کو کہنا شروع کیا: ﴿ہلکتُمْ وما تعلمون﴾ تم بے علمی میں ہلاک و برباد ہو گئے ہو۔ امام نے پھر سلسلہ کلام شروع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿رحم اللہ امرأ قبل نصیحتی و حفظ و صیتی فی اللہ و فی رسولہ و اہلبیتہ فان لنا فی رسول اللہ اسوة حسنة﴾ خدا اس بندے پر رحم کرے جو میری نصیحت کو قبول کرے اور میری وصیت کو خدا اور رسولؐ اور اہل بیت رسولؐ کے بارے میں یاد رکھے کیونکہ ہمارے لئے رسول خداؐ کی ذات میں اعلیٰ نمونہ موجود ہے۔ سب حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا: یا بن رسول اللہ ہم سب آپ کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ آپ جو حکم دیں ضرور اس کی تعمیل کی جائے گی۔ ہم آپ کے دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے دشمن ہیں۔ امام نے ان کا یہ کلام فریب انضمام سن کر فرمایا: ﴿ہیہات ہیہات ایہا الغدرة المکرة حیل بینکم و بین شہوات انفسکم تریدون ان تاتوا الیٰ کما اتیتم الیٰ ابائی من قبل کلاً و رب الرافصات فان الجرح لما یندمل من قتل ابی صلوات اللہ علیہ بالامس و اہلبیتہ معہ و لم ینسی ثکل رسول اللہ و ثکل ابی و بنی ابی و جدی بین لہاتی و مرارۃ بین حنا جری و حلقی و غصصہ تجری فی فراش صدری و مسئلتی ان تکونوا لانا ولا علینا﴾۔



امامؑ نے فرمایا: بیہات اے گروہ مکاراں و عیاراں! اب تمہاری یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ اب تم چاہتے ہو کہ میرے ساتھ بھی وہی سلوک کرو جو اس سے پہلے میرے اب و جد کے ساتھ کر چکے ہو؟ حاشا وکلا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بخدا! ابھی تک تو سابقہ زخم بھی مندمل نہیں ہوئے۔ کل تو میرے پدر عالی قدر کو ان کے اہل بیتؑ سمیت قتل کیا گیا ابھی تک تو مجھے اب و جد اور بھائیوں کی شہادت کا صدمہ فراموش نہیں ہوا بلکہ ان مصائب کے غم و الم (کی تلخی) میرے حلق میں موجود ہے اور غم و غصہ کے گھونٹ میرے سینہ کی ہڈیوں میں گردش کر رہے ہیں۔

ہاں تم سے صرف اس قدر خواہش ہے کہ نہ ہمیں فائدہ پہنچاؤ اور نہ نقصان۔

پھر یہ اشعار پڑھے:

لا غرو ان قتل الحسين فشيخه      قد كان خيراً من حسين واکرما  
فلا تفرحوا يا اهل كوفة بالذي      اصيب حسين كان ذلك اعظما  
قتيل بشط النهر روحى فدائه      جزاء الذى ارداه نار جهنما<sup>۱</sup>

### ابن زیاد کی سید الشہداء کے سراقدس کے ساتھ بے ادبی

ان خطبوں کے بعد اسیران اہل بیتؑ کا یہ لٹا ہوا قافلہ دربار ابن زیاد کی طرف روانہ ہوا۔ ادھر ابن زیاد نے دربار میں تمام لوگوں کو حاضری کا اذن عام دے رکھا تھا۔ اس لئے آج دربار درباریوں اور تماشا بینوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سب سے پہلے شہداء کے سر دربار میں پہنچائے گئے۔ جناب سید الشہداء کا سراقدس ایک طشت<sup>۲</sup> طلائی میں رکھ کر ابن مرجانہ کے سامنے پیش کیا گیا وہ بدنہاد سر مقدس کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرانے لگا اور چھڑی سے دندان مبارک کے ساتھ بے ادبی کی پھر امامؑ کے لب و دندان کے حسن و جمال کے بارے میں کچھ کلام کیا۔ بروایت یہ بھی کہا: ﴿لقد اسرع الشيب اليك يا ابا عبد الله﴾ اے ابو عبد اللہ! تم بہت جلد بوڑھے ہو گئے۔ اس وقت زید بن ارقم (صحابی رسولؑ) موجود تھا۔ اس نے ابن زیاد کی گستاخی کا یہ افسوس ناک منظر دیکھ کر کہا: ﴿ارفع قضيبك عن هاتين الشفتين فوالله الذى لا اله غيره لقد رأيت شفتي رسول الله على هاتين الشفتين ما لا احصيه كثرة يقبلها﴾ اے ابن زیاد ان مقدس ہونٹوں سے اپنی چھڑی اٹھا لے۔ کیونکہ میں نے بے شمار بار رسولؐ کو ان ہونٹوں کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔“ اس کے بعد ابن ارقم نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا۔ ابن زیاد نے

۱۔ مہوف، ص ۱۳۲۔ نیز خطبہ مبارکہ تمام مذکورہ بالا کتب میں موجود ہے۔

۲۔ ناخ، ج ۶، ص ۳۱۲۔ ارشاد، ص ۲۶۶۔ مہوف، ص ۱۳۲ وغیرہ۔

۳۔ ناخ، ج ۶، ص ۳۱۲۔ امالی صدوق، ص ۹۹۔



آگ بگولا ہو کر کہا خدا تیری آنکھوں کو رلائے کیا تو فتح خداوندی پر روتا ہے؟ اگر بڑھاپے کی وجہ سے تیری عقل زائل نہ ہو گئی ہوتی تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ اس کے بعد زید وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ بعض روایات کے مطابق وہ جاتے وقت لوگوں سے یہ کہہ رہے تھے: ﴿اَيُّهَا النَّاسُ! اَنْتُمْ الْعَبِيدُ بَعْدَ الْيَوْمِ قَتَلْتُمْ ابْنَ فَاطِمَةَ وَامْرَأَتَهُ ابْنَ مَرْجَانَةَ وَاللّٰهُ يَقْتُلُنْ غِيَارَكُمْ وَيَسْتَعْبِدُنْ شُرَارَكُمْ فَبَعْدًا لِمَنْ رَضِيَ بِالذَّلِّ وَالْعَارِ﴾ اَيُّهَا النَّاسُ! تم آج کے بعد غلام ہو۔ تم نے فرزند فاطمہ کو شہید کیا۔ اور ابن مرجانہ کو امیر بنایا جو بخدا تمہارے اچھے لوگوں کو قتل کرتا ہے اور برے لوگوں کو غلام بناتا ہے۔ ہلاکت ہو اس کے لئے جو ذلت و رسوائی اور جنگ و عار پر رضا مند ہوتا ہے۔<sup>۱</sup>

### اسیران آل محمد کا دربار ابن زیاد میں ورود

کیسی ہوش رہا اور قیامت خیز گھڑی تھی جس وقت سید الانبیاء اور سید الاوصیاء کی بہو بیٹیاں اور نواسیاں بحالت قید و بند اور پابند رسن کر کے ایک فاسق فاجر، شراب خوار سردار کے دربار میں لائی جا رہی تھیں وہ دربار شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کے اظہار کے لئے ہر قسم کی زیبائش و آرائش سے آراستہ کیا گیا تھا۔ کوفہ کے تمام اراذل و اوباش لوگ تماشہ بینی کے لئے اس میں موجود تھے۔ اور سپاہیوں اور پہرہ داروں کو اسلحہ جنگ اور لباس فاخرہ سے نوازا گیا تھا۔

تمام ارباب تواریخ و مقاتل کا اتفاق ہے کہ ﴿دَخَلَتْ زَيْنَبُ ابْنَةَ فَاطِمَةَ مُتَكْرِفَةً وَ عَلَيْهَا اِرْذَلٌ ثِيَابُهَا﴾ فاطمہ الزہراء کی دختر اور حسین کی بہن زینب کبریٰ اس حال میں ابن زیاد کے دربار میں پیش ہوئیں کہ بہت ہی پست اور کم قیمت قسم کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ پھر دار الامارہ کے ایک کونہ میں کینزوں کے جھر مٹ میں بیٹھ گئیں۔ بھلا خاندان نبوت و امامت کی جلالت کے آثار کیونکر چھپ سکتے تھے؟ ابن زیاد بد نہاد نے فوراً دریافت کیا: ﴿مَنْ هَذِهِ﴾ یہ گوشہ دربار میں اس طرح بیٹھنے والی کون ہے؟ بی بی نے کوئی جواب نہ دیا۔ ملعون نے دوبارہ سہ بارہ یہی سوال کیا۔ بالآخر بنت زہراء کی ایک کینز نے جواب میں کہا: ﴿هَذِهِ زَيْنَبُ بِنْتُ فَاطِمَةَ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهِ﴾ یہ رسول خدا کی صاحبزادی فاطمہ زہراء کی بیٹی زینب عالیہ ہیں۔

### دربار میں بنت حیدر کرار کی ابن زیاد سے گفتگو

بے شرم نہ فتح میں بدست حاکم بجائے اس کے کہ فخل و شرمسار ہوتا کہ آج رسول اکرم کی نواسی اس حالت میں اسکے دربار میں پیش ہے۔ الٹا اس نے اپنی نفس و خست طبع بلکہ اپنے کفر و الحاد کا اس طرح مظاہرہ کیا کہ بی

۱۔ عاشر بحار، ص ۲۲۰۔ طبری، ج ۶، ص ۲۶۲۔ تاریخ ابن کثیر، ج ۸، ص ۱۹۰۔ نفس المہجوم، ص ۲۱۵۔ لوائح الاشجان، ص ۱۶۶۔

نوٹ:- اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ زید بن ارقم اس وقت نابینا تھے۔ تب بھی اس واقعہ کی صداقت پر کچھ اثر نہیں پڑتا کیونکہ عین ممکن ہے کہ لوگوں سے سن کر انہوں نے اس اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کیا ہو۔ (منہ غشی عنہ)



بی کا مزید دل جلانے کی خاطر کہا (نقل کفر کفر نہ باشد) ﴿الحمد لله الذی فضحکم و قتلکم و اکذب احدو  
ثکم﴾ اس خدا کی حمد ہے جس نے تمہیں رسوا کیا، تمہیں قتل کیا۔ اور تمہارے ڈھونگ کو ظاہر کیا۔ عقیلہ قریش علی زادی  
نے جرأت ہاشمیہ کے ساتھ فوراً حاکم کو جواب دیا: ﴿الحمد لله الذی اکرمنا بنبیہ و الحمد لله و طهرنا من  
الرجس تطهیراً۔ انما یفتضح الفاسق و یکذب الفاجر و هو غیرنا و الحمد لله﴾ سب تعریفیں اس خدا  
کے لئے ہیں جس نے ہمیں اپنے رسول محمدؐ کے ذریعہ سے عزت و کرامت بخشی اور ہمیں ہر قسم کے گناہوں سے پاک و  
پاکیزہ قرار دیا۔ ہاں البتہ ذلیل و رسوا فاسق ہوتا ہے اور جھوٹ فاجر بولتا ہے۔ اور وہ الحمد للہ ہم نہیں بلکہ ہمارا غیر ہے۔  
پھر ابن زیاد نے طنزاً کہا: ﴿کیف رأیت فعل الله باہلیتک﴾ تم نے اپنے خاندان کے ساتھ خدا کا  
سلوک کیسے دیکھا ہے؟ نواسی رسولؐ نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا: ﴿ما رأیت الا جمیلاً هؤلاء قوم  
کتب الله علیہم القتل فبرزوا الی مضاجعہم و سیجمع الله تعالیٰ بینک و بینہم فتحاجون  
تختصمون و تختصمون عندہ فانظر لمن یکون الفلج یومئذ ہبلیتک امک یا بن مرجانہ!﴾ میں  
نے خدا کے حسن سلوک کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔ یہ شہید ہونے والا وہ گروہ تھا جس کے لئے خدا نے درجہ شہادت قلم  
قدرت سے لکھ دیا تھا اس لئے وہ اپنی مقتل گاہ کی طرف گیا۔ عنقریب خدا تعالیٰ تمہیں اور انہیں (بروز قیامت ایک جگہ  
جمع کرے گا۔ اس وقت اس عادل حقیقی کی بارگاہ میں تمہارا مقدمہ پیش ہوگا۔ اچھی طرح غور کر لے کہ اس وقت کون  
کامیاب ہوگا؟ اور ابن مرجانہ! تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے!

راوی کہتا ہے کہ بی بی کا یہ کلام حقیقت ترجمان سن کر ابن زیاد غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا۔ اور بی بی کو کچھ  
گزند پہنچانے کا مشغوم ارادہ کیا۔ مگر عمرو بن حریت نے یہ کہہ کر اس کے غصہ کو فرو کر دیا کہ ﴿ایہا الامیر! انہا امرأۃ  
والمراة لا تؤخذ بشی من منطقہا ولا تذم علی خطابہا﴾ اے امیر! یہ عورت ہے اور عورت کی کسی گفتگو کا  
مؤاخذہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ اس کے کسی خطاب پر اس کی مذمت کی جاسکتی ہے! پھر ابن زیاد نے اس طرح اپنے کفر  
والحاد کا اظہار کیا: ﴿قد شفی الله نفسی من طاعتک والعصاة من اہل بیتک﴾ خدا نے میرے نفس کو  
تیرے سرکش بھائی اور تیرے خاندان کے دوسرے نافرمان لوگوں سے شفا دی ہے، بی بی عالم کو ملعون کا یہ کلام نافر جام  
سن کر جو کھلم کھلا گالی تھا۔ سخت صدمہ ہوا اس لئے آبدیدہ ہو گئیں۔ اور رو کر فرمایا: ﴿لعمری لقد قتلت کھلی و  
ابرت اہلی قطع فرعی و اجتشت اصلی فان یشفک هذا فقد اشتفت﴾ مجھے اپنی زندگی کی قسم! تو  
نے میرے بڑوں کو قتل کیا۔ میرے اہل و عیال کو تباہ کیا، فرع کو قطع کیا اور اصل کو جڑ سے اکھیڑا اگر اسی بات میں تیری  
شفا ہے تو یقیناً تو نے شفا حاصل کر لی ہے۔“



علیؑ کی لاڈلی کا یہ جواب باصواب سن کر ابن زیاد نے کہا: ﴿هذه سجاعة ولعمري لقد كان ابوها سجاعا شاعرا﴾ یہ تو بڑی قافیہ باز عورت ہے۔ اور مجھے اپنی زندگی کی قسم اور اس کا والد بھی بڑا قافیہ باز اور شاعر تھا۔ بی بی نے اس کی اس خرافات کا یہ جواب دیا کہ ﴿ما للمرأة و للسجاعة ان لي عن السجاعة لشغلا و لكن صدري نفت بما قلت﴾ ”ایک عورت کو بیچ بندی سے کیا واسطہ ہے۔ اور مجھے قافیہ بازی کا کہاں ہوش ہے لیکن میں نے جو کچھ کہا ہے وہ میرے دل کی آواز ہے۔“

### امام سجادؑ کا ابن زیاد کے ساتھ مکالمہ

اس کے بعد ابن زیاد امام زین العابدینؑ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: ﴿من انت؟﴾ تم کون ہو؟ امام نے فرمایا: انا علی بن الحسینؑ میں علی بن الحسینؑ ہوں! ابن زیاد نے کہا: ﴿او ليس قتل الله علي بن الحسين؟﴾ کیا خدا نے علی بن الحسینؑ کو (میدان کر بلا میں) قتل نہیں کر دیا؟ امام نے فرمایا: ﴿قد كان لي اخ (اصغر مني) يسمى عليا قتله الناس﴾ میرا ایک بھائی تھا (جو مجھ سے چھوٹا تھا) جسے لوگوں نے شہید کیا ہے! ابن زیاد نے کہا: ﴿بل الله قتله﴾ نہیں بلکہ اے خدا نے ہی قتل کیا ہے امامؑ نے فرمایا: ﴿الله يتوفى الانفس حين موتها وما كان لنفس ان تموت الا باذن الله﴾ خداوند عالم روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے۔ اور کوئی نفس خدا کے حکم کے بغیر نہیں مرتا۔

امام علیؑ کا یہ کلام وحی ترجمان ابن زیاد پر شاق گذرا کہا: ﴿الك جواة علي جوابي﴾ کیا تمہیں میرا جواب دینے کی ابھی تک جرأت ہے؟ پھر جلا دیکو حکم دیا کہ ان کی گردن اڑا دے۔ یہ حکم سنتے ہی جناب زینب علیہؑ اپنے بھتیجے بیمار کر بلا کے گلے سے لپٹ گئیں۔ اور ابن زیاد کو خطاب کر کے فرمایا: ﴿حسبك يا بن زياد! من دماننا ما سفكت و هل ابقيت احدا. غير هذا لا والله لا افارقه فان اردت قتله فاقتلني معه﴾ اے ابن زیاد جس قدر تو ہمارا خون بہا چکا ہے۔ وہی تیرے لئے کافی ہے۔ سوائے اس بیمار کے کسی اور (مرد) کو زندہ چھوڑا ہے؟ بخدا میں ان سے جدا نہ ہوں گی۔ اگر ان کے بھی قتل کا ارادہ ہے تو مجھے بھی ان کے ہمراہ قتل کر دو۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اسکتی یا عمتی حتی اکلمہ﴾ پھوپھی اماں آپ چپ کریں تاکہ میں اس سے کچھ باتیں کر لوں۔ پھر ابن زیاد کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ﴿ابا لقتل تھددنی یا بن زياد! اما علمت ان القتل لنا عادة و كرامتنا الشهادة﴾ اے پسر زیاد! کیا تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ قتل ہونا ہماری عادت اور راہ خدا میں شہید ہونا ہماری فضیلت و کرامت ہے!



ابن زیاد کچھ دیر تک پھوپھی اور بھتیجے کی باہمی محبت و اخلاص کا یہ عجیب و غریب منظر دیکھتا رہا پھر کہا: ﴿عجبا للرحم و اللہ انی لا ظنہا و ذت انی قتلہا معہ﴾ تعجب ہے۔ قرابت داری پر خدا کی قسم میرا خیال ہے بی بی چاہتی تھی کہ اسے بھی ان کے ساتھ قتل کر دیا جائے پھر حکم دیا: ﴿دعوہ فانی اراہ لما بہ مشغول﴾ ”اسے چھوڑ دو کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ موجودہ بیماری ہی اس کے لئے کافی ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ جس خوش اسلوبی کے ساتھ جناب زینب عالیہ نے دربار ابن زیاد میں جس منزل کو طے کیا وہ اس مرحلہ سے بھی زیادہ مشکل تھی جس کو اعوان و انصار حسین نے کربلا میں طے کیا تھا۔ ایسے ہوش رہا حالات میں ابن زیاد کے سامنے اگر کوئی فارغ البال اور مطمئن الحال مرد کئی شب و روز کی سوچ بچار کے بعد بھی ایسی یادگار تقریر کرتا جیسے دختر علی نے ہزاروں کے نامحرم مجمع میں خطبوں اور مکالموں کی شکل میں کی ہے تو یہ اس کا عظیم کارنامہ شمار ہوتا حالانکہ رسول کی نواسی تو مصائب و آلام میں اس طرح گھری ہوئی تھی جیسے بتیس دانتوں میں زبان۔ اس کے بعد ابن زیاد نے دربار برخواست کرتے ہوئے اسیران آل محمد کے متعلق حکم دیا کہ انہیں مسجد کوفہ کے پہلو میں جو قید خانہ ہے۔ اس میں لے جا کر بند کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اس وقت جناب زینب عالیہ نے فرمایا: ﴿لا بدخلن علینا عربیۃ الام ولد او مملو کة فانہن سبین کما سینا﴾ ہمارے پاس کوئی (آزاد) عربی عورت نہیں آئی۔ سوائے ام ولد یا کنیز کے کیونکہ وہ بھی اسی طرح قید ہو چکی ہیں جس طرح ہم قید ہوئے ہیں۔<sup>۱</sup>

### ابن زیاد کا جامع مسجد کوفہ میں شرانگیز خطبہ اور عبداللہ بن عقیف ازوی کی شہادت

سابقہ کاروائی کرنے کے بعد ابن زیاد بدنہاد نے منادی کرائی الصلوٰۃ جامعہ چنانچہ جب سب لوگ مسجد جامع میں حاضر ہو گئے اور مسجد پر ہو گئی تو ابن زیاد نے منبر پر جا کر یہ خطبہ دیا جسے نقل کفر کفر نہ باشد کے طور پر مجبوراً نقل کیا جاتا ہے: ﴿الحمد للہ الذی اظہر الحق و اہلہ و نصر امیر المؤمنین یزید و حزبہ و قتل الکذاب الحسین بن علی و شیعہ﴾ حمد ہے خدا کی جس نے حق اور اہل حق کو غلبہ دیا اور امیر یزید اور اس کی جماعت کو فتح و نصرت عطا کی اور۔۔۔ حسین اور علی اور ان کے شیعوں کو قتل کیا۔

ابھی اس بدنہاد کا سلسلہ کلام یہیں تک پہنچا تھا کہ عبداللہ بن عقیف ازوی یہ ناہنجار کلام سن کر اٹھ کھڑا ہوا جو

۱۔ مقاتل الطالبین، ص ۸۸، طبع النصف۔ منتخب طریحی، ص ۲۳۸۔ نسب قریشی زہیری، ص ۵۸۔ مقتل الحسین المکرم، ص ۳۹۴۔ ارشاد، ص ۲۶۷۔  
 لمبوف، ص ۱۳۳۔ تقام، ص ۳۳۶۔ تاریخ، ج ۶، ص ۳۱۵۔ نفس المہموم، ص ۲۱۷۔ لواعج الاشجان، ص ۱۶۸۔ مقتل الحسین للفقہ ازوی، ج ۲، ص ۳۳۔  
 نظم الزہراء، ص ۲۵۳۔ عاشر بحار، ص ۲۲۱۔ تہذیب و تاریخ اہل بیت، ص ۲۶۴۔ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۹۷ وغیرہ۔



کہ بہت عمر رسیدہ و نابینا اور حضرت امیر علیہ السلام کے خواص اصحاب میں سے تھا ان کی ہمراہی میں بائیس آنکھ جنگ جمل میں اور دوسری جنگ صفین میں بے کار ہو گئی تھی۔ زہد و ورع کا یہ عالم تھا کہ سارا دن مسجد میں نماز پڑھنے میں مشغول رہتا تھا۔ بہر حال ابن عقیف نے گرج کر کہا: ﴿یا بنی مر جاناہ (یا عدو اللہ) الکذاب ابن الکذاب انت و ابوک و الذی و لاک و ابوہ! یا بنی مر جاناہ اتقتلون ابناء النبیین و تکلمون بکلام الصدیقین (اتقتل اولاد النبیین و تقوم علی منبر الصدیقین)﴾ اے دشمن خدا ابن مر جاناہ۔ کذاب تو اور تیرا باپ ہے اور وہ جس نے تجھے حاکم بنایا ہے (یزید) اور اس کا باپ تم اولاد انبیاء کو قتل کرتے ہو اور پھر صدیقوں والا کلام کرتے ہو۔ بروایت دیگر اور پھر صدیقین کے منبر پر چڑھتے ہو۔ ابن زیاد نے کہا: اسے پکڑ کر میرے پاس لاؤ چنانچہ پولیس والوں نے اسے پکڑ لیا۔ مگر جب عبد اللہ نے بنی ازد کے مخصوص شعار ”یا مبرور“ کی صدا بلند کی تو کئی از دی نو جوان اٹھے اور اسے ان ظالموں کے چنگل سے چھڑا کر لے گئے لیکن ابن زیاد نے رات کے وقت کسی آدمی کو بھیج کر ان کو قتل کرادیا۔ اور ان کی لاش مقام سبہ (طبری) یا مسجد میں (کامل) سولی پر لٹکوا دی۔<sup>۱</sup> طبری و کامل اور ارشاد میں تو یہ واقعہ اسی قدر لکھا ہے۔ مگر دوسری بعض کتب معتبرہ میں یہ واقعہ ہائیکہ قدرے تفصیل کے ساتھ درج ہے۔

ابن عقیف کا مذکورہ بالا جرات مندانہ اور مؤمنانہ جواب سن کر ابن زیاد بھڑک اٹھا کہا: ﴿من المتکلم﴾ یہ کلام کرنے والا کون ہے؟ جناب عبد اللہ نے کہا: ﴿انا یا عدو اللہ اتقتل الذریۃ الطاہرۃ الی قد اذهب اللہ عنہا الرجس و تزعم انک علی دین الاسلام و اغوثاہ ابن اولاد المهاجرین و الانصار لا ینتقمون من طاغیتک اللعین بن اللعین علی لسان محمد رسول رب العالمین﴾۔

اے اللہ کے دشمن! میں کلام کر رہا ہوں۔ تو اس ذریت طاہرہ کو شہید کرتا ہے۔ جس سے خدا نے ہر قسم کے رجس کو دور رکھا ہے۔ اور پھر یہ گمان کرتا ہے کہ تو مسلمان ہے۔ ہائے فریاد! اولاد مہاجرین و انصار کہا ہے؟ جو اس (ابن زیاد) کے سرکش (یزید) سے جو رسول خدا کی زبان سے لعین بن لعین ہے انتقام لے؟ یہ کلام سن کر ابن زیاد شدت غیظ و غضب کی وجہ سے آگ بگولہ ہو کر بولا: اسے میرے پاس لاؤ چنانچہ پولیس والے اسے پکڑنے کے لئے آگے بڑھے۔ مگر عبد اللہ کے شعار بنی ”ازد“ یا ”مبرور“ پکارنے سے اس کی قوم کے کچھ لوگ اٹھے جن کی تعداد شیخ مفید نے سات سو لکھی<sup>۲</sup> ہے۔ اور اسے پولیس سے چھڑا کر گھر لے گئے۔

ابن زیاد نے پولیس کو حکم دیا کہ اس اندھے کے گھر جاؤ اور اسے پکڑ کر لاؤ۔ چنانچہ جب یہ لوگ اس کے گھر پہنچے تو بنی ازد نے مزاحمت کی اور کچھ یمنی بھی ان کی حمایت میں کھڑے ہو گئے۔ ادھر سے انکار ادھر سے اصرار جب



ابن زیاد کو حقیقت حال کا علم ہوا تو اس نے محمد بن اشعث کی کمان میں کئی قبائل عبداللہ کو پکڑنے اور بصورت دیگر جنگ کرنے کے لئے بھیج دیئے۔ چنانچہ فریقین میں سخت جنگ ہوئی جس کے نتیجہ میں ایک جماعت ماری گئی۔ اور بالآخر ابن زیاد کے آدمی عبداللہ کے گھر کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ عبداللہ کی لڑکی نے کہا: بابا دشمن آ گیا ہے۔ عبداللہ نے فرمایا: بیٹی کوئی حرج نہیں۔ مجھے تلوار پکڑا دو۔ چنانچہ عبداللہ نے تلوار ہاتھ میں لے کر یہ رجز پڑھتے ہوئے اپنا دفاع شروع کیا۔

انا ابن ذی الفضل عقیف الطاهر  
کم دارع من جمعکم و حاسر  
عقیف شیخی و ابن ام عامر  
و بطل جدتہ مفادر

عبداللہ کی صاحبزادی نے کہا اے کاش میں مرد ہوتی اور آج تیرے ہمراہ ذریت طاہرہ کے ان قاتلوں کے ساتھ جنگ کرتی۔ لوگ حملہ پر حملہ کر رہے تھے اور لڑکی برابر بتائے جاتی تھی کہ بابا اب دشمن فلاں طرف سے حملہ کر رہا ہے۔ بالآخر دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر کر اسے پکڑ لیا اور اٹھا کر ابن زیاد کے پاس لے گئے ملعون نے دیکھتے ہی کہا: ﴿الحمد لله الذی اخزاک﴾ شکر ہے کہ خدا نے تجھے ذلیل کیا ہے! عبداللہ نے کہا: ﴿یہا عدو اللہ! و بما ذا اخزانی اللہ!﴾ او خدا کے دشمن! بھلا خدا نے مجھے کیونکر ذلیل کیا ہے۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

لو فرج لی عن بصری ضاق علیک موردی و مصدری

ابن زیاد نے کہا: او دشمن تو عثمان بن عفان کی بابت کیا کہتا ہے؟ عبداللہ نے کہا: یا بن مرجانہ تجھے عثمان سے کیا تعلق ہے؟ وہ اچھا ہے یا برا۔ خدا کے پاس اس کا حساب ہے۔ البتہ تو مجھ سے اپنے اور اپنے باپ، یزید اور اس کے باپ کی بابت سوال کر! ابن زیاد نے کہا: اب کوئی سوال نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ تم موت کے گھاٹ اتارے جاؤ۔ یہ سن کر عبداللہ نے کہا: ﴿الحمد لله رب العالمین اما انی قد کنت اسئل الله ربی ان یرزقنی الشهادة من قبل ان تلذک امک و سئلت الله ان یجعل ذلک علی یدی العن خلقه و ابغضهم الیه فلما کف بصری ینست عن الشهادة والآن فالحمد لله الذی رزقنیها بعد الیاس منها و عرفنی الاجابة منه فی قدیم دعائی﴾ سب تعریف ہے اس خدا کے لئے جو تمام عالمین کا پروردگار ہے تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں تمہاری ولادت سے بھی پہلے اپنے پروردگار سے دعا کیا کرتا تھا کہ وہ مجھے اپنی بدترین مخلوق کے ہاتھوں شہادت نصیب فرمائے۔ لیکن جب میری آنکھیں جاتی رہیں تو میں شہادت سے ناامید ہو گیا۔ اب (شہادت کو سامنے دیکھ کر) میں اس کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے میری قدیمانہ دعا کو قبول فرماتے ہوئے مجھے شرف شہادت عطا فرمایا ہے۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ ان کی گردن اڑا دو۔ چنانچہ ان کو شہید کر دیا گیا اور مقام سبھ پر لاش کو سولی پر لٹکوا دیا۔



گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

### سرمقدس کا کوفہ کے بازاروں میں پھرایا جانا

اس کے بعد حکم دیا کہ سید الشہداء کا سرمقدس نوک سنان پر سوار کر کے کوفہ کے بازاروں میں پھرایا جائے چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔<sup>۱</sup> اس کے بعد دارالامارہ کے دروازہ پر نصب کر دیا گیا۔<sup>۲</sup> کوفہ میں جناب مسلم کے سر کے بعد یہ دوسرا سرمقدس تھا جسے نصب کیا گیا تھا۔<sup>۳</sup> بروایت تمام شہداء کے سرہائے مقدسہ کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا (لوائح الاشجان ص ۱۷۰) بعض اہل تاریخ کا خیال ہے کہ ہو اول راس حمل فی الاسلام آں جناب کا سرمقدس پہلا سر ہے جسے نوک سنان پر بلند کر کے پھرایا گیا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ سب سے پہلے جناب عمرو بن الحمق خزاعی کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا۔<sup>۴</sup> (جو کہ جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کے مخلص صحابی تھے اور معاویہ نے انہیں شہید کرایا تھا)۔

### سراققدس کا بازار کوفہ میں تلاوت قرآن کرنا

زید بن ارقم بیان کرتے ہیں کہ جب امام حسینؑ کے سرمقدس کو کوفہ کے بازاروں میں پھرایا جا رہا تھا اس وقت میں اپنے بالائی غرفہ میں بیٹھا تھا۔ جب سرمبارک میرے بالمقابل پہنچا تو میں نے اسے یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا: ﴿اَمْ حَسِبْتَ اَنْ اَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيَاتِنَا عَجَبًا﴾ بخدا یہ سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور میں نے پکار کر کہا: ﴿رَاْسُكَ يَا بَنَیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَعْجَبٌ وَّ اَعْجَبٌ!﴾ اے فرزند رسول! تیرے سر کا معاملہ ان سے زیادہ عجیب ہے۔<sup>۵</sup>

- ۱۔ نفس المہوم، ص ۲۲۰۔ ملہوف، ص ۱۵۰۔ مقتل الحسین المہرقم، ص ۳۹۸۔ عاشر بحار، ص ۲۲۱۔ لوائح الاشجان، ص ۱۷۰ وغیرہ۔
- ۲۔ تاریخ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۹۸۔ نفس المہوم، ص ۲۱۳۔ ارشاد، ص ۲۶۷۔ ملہوف، ص ۱۳۵۔ تعظیم الزہراء، ص ۲۵۳، اور عاشر بحار، ص ۲۲۲ وغیرہ۔
- ۳۔ نفس المہوم، ص ۲۱۶۔ لوائح الاشجان، ص ۱۷۰۔
- ۴۔ نفس المہوم، ص ۲۱۶۔
- ۵۔ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۳۹۸۔
- ۶۔ عاشر بحار، ص ۲۲۲۔ ارشاد، ص ۲۶۸۔ تعظیم الزہراء، ص ۲۵۳۔ خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۵۔

**تبصرہ :-** مقتل الحسین المہرقم، ص ۴۰۲، ۴۰۳ تا متعدد مقامات پر مختلف عنادین کے تحت سید الشہداء علیہ السلام کے سرمقدس کے کلام کرنے کے واقعات ذکر کئے ہیں اور اس میں کسی قسم کے تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ جو خدائے قدیر کو وہ طور پر ایک درخت میں کلام پیدا کر سکتا ہے جو بردہ قیامت انسانی اعضا و جوارح کو قوت گویائی عطا فرما سکتا ہے کیا وہ قادر مطلق امام حسینؑ کے سر کو باعجاز امامت گویا نہیں کر سکتا؟ تاکہ حیات انسانی شہداء کا عملی مظاہرہ ہو جائے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متواتر حدیث ثقلین ﴿اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمْ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰهِ وَ عِزَّتِیْ اُھْلَیْنِیْ﴾ کی صداقت و حقانیت کی تصدیق ہو جائے۔ نیز تاکہ مقصد حسینؑ یعنی لوگوں کو خواب غفلت سے جگانے اور اسلام کو زندہ جاوید بنانے کی تکمیل بھی ہو جائے؟ یقیناً یہ امر قدرت خدا سے کچھ بعید نہیں حالانکہ شجرہ طور یا انسانی اعضا کو سید الشہداء کے سرمقدس کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں۔ (منہ عنی عنہ)



بعض کتب میں مذکور ہے کہ جب اسیران آل محمدؐ ابن زیاد کے قید خانہ میں تھے۔ تو ایک روز کسی نے قید خانہ میں ایک پتھر پھینکا جس کے ساتھ ایک تحریر بندھی ہوئی تھی جس کا مضمون یہ تھا کہ تمہارے متعلق قاصد فلاں روز یزید کے پاس چلا گیا ہے۔ وہ فلاں دن تک وہاں پہنچے گا اور فلاں روز تک واپس آئے گا۔ پس اگر اس دن تکبیر کی آواز سنو تو اپنے قتل کا یقین کر لینا اور اگر تکبیر کی آواز نہ آئے تو اسے امان کی علامت سمجھنا۔ چنانچہ مقررہ تاریخ کو تکبیر کی آواز بلند نہ ہوئی۔<sup>۱</sup>

### شہادت سید الشہداءؑ کی مدینہ میں اطلاع

ان امور سے فارغ ہو کر بنابر مشہور ابن زیاد نے پہلا کام یہ کیا کہ ایک سبک رفتار قاصد کو شہادت حسینؑ کی بشارت پر مشتمل خط دے کر شام یزید کی طرف روانہ کیا اور اسیران آل محمدؐ کے متعلق اس کی رائے دریافت کی مگر ابی خنیف کے مقتل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابن زیاد نے یزید کے پاس کوئی قاصد نہیں بھیجا بلکہ خود بخود اسیران اہل بیت کو شام بھیج دیا۔ اور دوسرا قاصد (عبدالملک بن الحارث السلمي) کو) حاکم مدینہ عمرو بن سعید الاشدرق اموی کے پاس بھیجا اور اسے تاکید کی کہ اس قدر جلدی مدینہ پہنچے کہ اس کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے اس سے پہلے یہ خبر مدینہ نہ پہنچنے پائے۔ چنانچہ عبدالملک تیز رفتار شتر پر سوار ہو کر جلد منازل سفر طے کرتا ہوا مدینہ پہنچا۔ حاکم کے پاس پہنچنے سے پہلے اسے قریش کا ایک آدمی ملا۔ اس نے اسے اس قدر شتابی کرتے ہوئے دیکھ کر دریافت کیا کہ کہاں سے آرہے ہو۔ اور کیا نئی خبر لا رہے ہو؟ عبدالملک نے کہا: خبر حاکم مدینہ کے پاس آ کر معلوم کرو۔ چنانچہ قاصد نے جا کر ابن سعید کو شہادت حسینؑ کی خبر سنائی۔ عمرو یہ خبر سن کر بہت خوش و خرم ہوا۔ پھر منادی کو حکم دیا کہ مدینہ کے گلی کو چوں میں شہادت حسینؑ کا اعلان کرے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس خبر دہشت اثر کے سننے سے خواتین بنی ہاشم کے ہاں گریہ و بکاء کا کھرام بپا ہوا بلکہ مدینہ کے تمام مردوں اور عورتوں نے اس قدر شور و شین کی صدا بلند کی کہ اس سے پہلے ایسا نالہ و شیون نہ کسی کان نے سنا تھا اور نہ کسی آنکھ نے دیکھا تھا۔ جب عمرو کے کانوں میں بنی ہاشم کی خواتین کی صدائے گریہ پڑی تو شقی نے مسکراتے ہوئے عمرو بن سعید کرب کا یہ شعر پڑھا۔

عجبت نساء بنی زیاد عجباً      کعجیب نسوتنا غداة الارنب

بنی زیاد نے اسی طرح آواز گریہ بلند کی جس طرح ہماری عورتوں نے واقعہ ارنب کی صبح بلند کی تھی۔ (جو بنی زیاد کے ہاتھوں درپیش آیا تھا) پھر کہا: ﴿هذه واعية بواعية عثمان﴾ یہ گریہ و بکاء عثمان پر ہونے والے گریہ و بکاء کا عوض ہے۔<sup>۲</sup>



بعد ازاں قبر رسولؐ کی طرف متوجہ ہو کر یہ کفر یہ کلمہ کہا: ﴿یوم بیوم بدر یا رسول اللہ!﴾ یا رسول اللہ! یہ دن بدر والے دن کا بدلہ ہے! جن بعض انصار نے اس سے یہ کافرانہ جملہ سنا انہوں نے اسے ناپسند کیا۔<sup>۱</sup> پھر لوگوں کے اجتماع میں گیا اور یہ خطبہ دیا جو کہ کذب و افتراء کا پلندہ ہے۔ ﴿ایہا الناس لدمۃ بدمۃ و صدمۃ بصدمة کم خطبة بعد خطبة و موعظة بعد موعظة حکمة بالغة فما تغنی النذر﴾ (واللہ لو ددت ان رأسہ فی بدنہ و روحہ فی جسده احیانا) کان یسبنا و نمدحہ و یقطعنا و یصلہ کعادتنا و عادته ولم یکن من امرہ منا کمان ولكن کیف نصنع بمن سلّ سیفہ یرید قتلنا الا ان ندفعہ من انفسنا﴾ ایہا الناس! یہ ضرب کے عوض ضرب اور صدمہ کے بدلے صدمہ ہے! کس قدر خطبے اور موعظے گوش گزار ہوتے ہیں اور کس قدر خدا کی حکمت بالغہ ہے مگر یہ چیزیں فائدہ نہیں دیتیں۔ بخدا میں تو اس بات کو پسند کرتا تھا کہ ان (امام حسینؑ) کا سر ان کے بدن کے ساتھ رہتا اور روح جسم میں رہتی۔ جب وہ ہمیں گالیاں دیتے اور ہم ان کی مدح کرتے تھے، وہ قطع رحمی کرتے اور ہم صلہ رحمی کرتے تھے جس طرح کہ ان کی اور ہماری عادت تھی مگر کیا کرتے جب انہوں نے تلوار کھینچ کر ہم کو قتل کرنا چاہا تو اب بجز اپنے دفاع کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔<sup>۲</sup>

عبداللہ بن السائب یہ خطبہ سن کر اٹھا اور عمرو سے کہا: ﴿لو کانت فاطمة حیة فرأت رأس الحسین لبکت عینہا و حوت کبدہا﴾ اگر اس وقت فاطمہ زہراء (سلام اللہ علیہا) زندہ ہوتیں اور اپنے فرزند حسینؑ کا سر اس حال میں دیکھتیں تو وہ یقیناً روتیں۔ عمرو نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا: ہم تجھ سے زیادہ فاطمہؑ کے قریب ہیں۔ ان کا والد ہمارا چچا ان کا شوہر ہمارا بھائی۔ ان کا بیٹا ہمارا بیٹا ہے اگر وہ زندہ ہوتیں تو روتیں ضرور مگر جس نے حسینؑ کو اپنا دفاع کرتے ہوئے قتل کیا ہے اس کی ملامت نہ کرتیں۔<sup>۳</sup> مخفی نہ رہے کہ بعض کتب میں مذکور ہے کہ سب سے پہلے مدینہ میں یزید عنید نے اطلاع بھجوائی تھی۔ اور پھر عمرو بن سعید نے یہ کاروائی کی تھی مگر مشہور یہی ہے کہ اسے ابن زیاد بد نہاد نے اطلاع دی تھی۔

جناب اسماء بنت عقیل کچھ دوسری خواتین بنی ہاشم کے ہمراہ قبر رسولؐ پر گئیں اور قبر مقدس کے ساتھ لیٹ کر اور دھاڑیں مار مار کر روئیں۔ پھر مہاجرین و انصار کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا

یوم الحساب و صدق القول مسموع

والحق عند ولی الامر مجموع

منکم له اليوم عند الله مشفوع

ماذا تقولون ان قال النبی لکم

خذلتموا عترتی او کنتم غیبا

اسلمتموہم بایدی الظالمین فما



تلك المنايا ولا عنهن مدفوع

ما كان عند غداة الطف اذ حضروا

ان اشعار غم شعار نے تمام حاضرین کو رلا دیا اور ایک کبرام بپا ہو گیا۔<sup>۱</sup> جب جناب ام سلمہؓ کو اطلاع ملی تو وہ اس قدر روئیں کہ ان پر غشی طاری ہو گئی افاقہ آنے کے بعد کہا: ﴿فعلوها ملائكة قبورهم ناراً﴾ کیا یہ لوگ یہ اقدام کر گزرے ہیں؟ خدا ان کی قبروں کو آتش جہنم سے پر کرے۔<sup>۲</sup>

جناب ام البنین نے تو حسین علیہ السلام کے لئے باقاعدہ تعزیت کا اہتمام کیا تھا۔ بنی ہاشم کی مستورات وہاں جمع ہو کر امامؑ پر گریہ و بکا کرتی تھیں۔<sup>۳</sup>

کچھ لوگ عبداللہ بن جعفر طیار کے پاس تعزیت پیش کرنے کے لئے گئے۔ ان کے ملازم ابوالسلاس نے کہا ہمیں یہ جو کچھ صدمہ پہنچا (عبداللہ کے دو بیٹے مارے گئے) یہ سب حسینؑ کی وجہ سے ہوا۔ یہ سنتے ہی عبداللہ نے اسے جوتا مار کر خاموش کیا۔ اور کہا: ﴿يا بن اللخناء! أللحسين تقول هذا؟﴾ اے فاحشہ کے بیٹے! کیا تم حسینؑ کے متعلق ایسی بات کرتے ہو؟ پھر کہا: ﴿والله لو شهدته لأحببت ان لا افارقه حتى اقتل معه والله انه لمّا يسخرى بنفسى عنهما ويهون على المصائب بهما انهما اصيبا مع اخى و ابن عمى مواسين له صابرين معه﴾ بخدا اگر میں ان کے پاس موجود ہوتا تو یقیناً اس بات کو پسند کرتا کہ ان سے علیحدہ نہ ہوں۔ یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں، بخدا جو چیز میرے بیٹوں کی مصیبت کو مجھ پر آسان کرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ میرے بھائی اور ابن عم (امام حسینؑ) کی نصرت و ہمدردی میں شہید ہوئے ہیں۔

پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ﴿الحمد لله عز على بمصرع الحسين ان لا يكن آست حسينا يدي فقد اساه ولدى﴾ مجھ پر حسینؑ کی شہادت کا صدمہ بہت شاق ہے اگر میں بذات خود ان پر اپنی جان نثار نہیں کر سکا تو میرے بیٹوں نے تو اپنی جانیں قربان کی ہیں۔<sup>۴</sup> جس روز عمرو بن سعید نے خطبہ دیا اور یہ سب کاروائی ہوئی اسی رات اہل مدینہ کسی منادی کو یہ ندا دیتے ہوئے سنتے تھے مگر کوئی منادی دکھائی نہیں دیتا تھا

ابشروا بالعذاب والتكيل

ايها القاتلون جهلاً حسيناً

من نبى و ملك و قبيل

كل اهل السماء يدعو عليكم

و موسى و حامل الانجيل<sup>۵</sup>

قد لعنتم على لسان داؤد

۱۔ نفس المہوم، ص ۲۲۳ بحوالہ طبقات ابن سعد۔

۲۔ ابوالحسن الطوسی، ص ۵۵۔

۳۔ طبری، ج ۶، ص ۲۶۸۔ مقتل الحسين، ص ۴۰۹۔ لوائح الاشجان، ص ۱۷۲۔

۴۔ مقتل الحسين، ص ۴۰۰۔

۵۔ طبری، ج ۶، ص ۲۶۹۔ لوائح الاشجان، ص ۱۷۲۔



## اسیران آل محمد علیہم السلام کی روانگی بجانب شام اور منازل سفر کے حالات و واقعات

پہلا امر:- اصل مقصد میں وارد ہونے سے قبل یہاں چند امور کی تنقیح ضروری معلوم ہوتی ہے۔  
آل محمدؐ کا قافلہ کب کوفہ سے روانہ ہوا اور کب شام پہنچا؟

سابقہ اوراق میں بیان کیا جا چکا ہے کہ بنا بریں مشہور ابن زیاد نے شہادت حسینؑ کی اطلاع یزید کو بھجوائی اور اسیران اہل بیتؑ کی بابت اس کی رائے معلوم کی تھی اور یزید نے اسے حکم دیا تھا کہ شہداء کے سروں اور اسیران اہل بیتؑ کو شام بھیج دو۔ چنانچہ ابن زیاد نے اس حکم کی تعمیل کی لیکن تنقیح طلب بات یہ ہے کہ اسیران اہل بیتؑ کس تاریخ کو دارالسلطنت شام پہنچے؟ تقریباً تمام کتب تواریخ و مقاتل ان تاریخوں کے تعین کے سلسلہ میں خاموش ہیں اور کوئی ایسی قابل اطمینان روایت نہیں ملتی جس کی بناء پر کوئی حتمی فیصلہ کیا جاسکے۔ تاریخ طبری، کامل، ارشاد، ملہوف، عاشر بخار، دمعہ ساکب، تقام اور ناسخ وغیرہ سب موجود ہیں مگر سب خاموش۔

ہاں تقام (ص ۴۴۹ پر) تذکرۃ الخواص سے یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ اسیران اہل بیتؑ کا قافلہ ۱۵ محرم ۶۱ھ کو کوفہ سے روانہ ہوا اور صاحب تہذیب و تاریخ ایام محرم نے بھی (ص ۲۸۱ پر) اسی خیال کا اظہار کیا ہے! اور شام پہنچنے کے متعلق صاحب نفس المہموم نے (ص ۲۲۹ پر) اور صاحب مقتل الحسینؑ نے (ص ۴۳۵ پر) یہ لکھا ہے کہ ”یکم صفر (سنہ ۶۱ ہجری) کو یہ قافلہ وارد شام ہوا۔“

### ایک ایراد اور اس کا جواب

اس تاریخ روانگی پر جو کھلا ہوا اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب اس زمانہ کے رسل و رسائل اور ذرائع آمد و رفت کو دیکھا جاتا ہے تو یہ بات کسی طرح بھی باور نہیں کی جاسکتی کہ اسیران آل محمدؐ یا ۱۳ محرم کو دربار ابن زیاد میں پیش ہوں اور اسی اثنا میں وہ شام قاصد بھیجے اور ۱۵ دن تک حکم اسیری آجائے اور پھر روانگی بھی عمل میں آجائے؟

۱۔ صاحب مقتل الحسینؑ نے یہ بھی لکھا ہے کہ کامل بہائی، الاثار الباقیۃ للسرورنی، مصباح لثمنی ص ۲۶۹ اور تقویم الحسین ملا حسن فیض ص ۱۵ پر بھی دمشق پہنچنے کی یہی تاریخ لکھی ہے (ص ۴۱۵) (منہ عنہ)



اگر ان تاریخوں کو درست تسلیم کیا جائے تو کئی طرح اس ایراد کا جواب دیا جاسکتا ہے۔

اولاً: ممکن ہے کہ ابن زیاد نے کوئی قاصد بھیج کر یزید سے اس بارے میں استصواب کیا ہی نہ ہو جیسا کہ ابی مخنف کا بیان ہے، بلکہ اس نے یہ تمام کارروائی اپنی صوابدید سے کی ہو۔

ثانیاً: چونکہ گیارہ محرم کی شام تک ابن زیاد کو شہادت امام کی اطلاع مل گئی تھی اس لئے ممکن ہے کہ اس نے اسی شب کو کسی ہشیار قاصد کو سبک رفتار گھوڑا دے کر شام روانہ کر دیا ہو جس نے ہفتوں کی مسافت دنوں اور دنوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کر لی ہو اور پندرہ محرم تک واپس آ گیا ہو۔

ثالثاً: عین ممکن ہے کہ نامہ دے کر جو قاصد بھیجا گیا تھا وہ کوئی آدمی نہ ہو بلکہ کوئی سدھایا ہوا پرندہ ہو جیسا کہ صاحب مقتل الحسینؑ نے ص ۲۱۵ پر اس احتمال کا اظہار کیا ہے اور صاحب تتمہ وقائع ایام محرم نے بھی ص ۲۷۳ پر اسی نظریہ کو اختیار کیا ہے اور پھر (ص ۲۷۳ سے لے کر ص ۲۸۱ سطر اول تک) تاریخی شواہد و قرائن سے یہ بات ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ قدیم زمانہ میں موصل، مصر، شام، قسطنطنیہ، کوفہ، بغداد اور مدینہ وغیرہ جیسے بڑے بڑے ملکوں اور شہروں میں اسی طریق کار کا رواج تھا۔ بنابریں ان تاریخی شواہد کے پیش نظر یہ جواب بعید از عقل نہیں ہے۔ واللہ العالم بحقائق الامور۔

### امردوم:۔ کوفہ سے شام تک منازل سفر کی تعیین و تحقیق

یہ امر بھی تنقیح طلب ہے کہ اسرائی اہل بیت کا قافلہ کس راستہ سے کون کون سے اور کس قدر منازل طے کر کے دمشق پہنچا اور ان منازل کی ترتیب کیا تھی؟ اس سلسلہ میں بھی تاریخ اور مقاتل کی کتب معتبرہ بالکل خاموش نظر آتی ہیں، چنانچہ وہ کتب جن کے نام اوپر امراول کے ضمن میں ذکر کئے گئے ہیں وہ تمام اس معاملہ میں بھی کوئی رہنمائی نہیں کرتیں بلکہ علماء سیر و مقاتل نے اقرار و اعتراف کیا ہے کہ انہیں اس سلسلے میں حتمی طور پر کچھ معلوم نہیں ہے، چنانچہ محدث قمیؒ نفس المہموم (ص ۲۲۷ پر) لکھتے ہیں: ﴿اعلم ان ترتیب المنازل التي نزلوها في كل مرحلة باتوا بها ام عبروا منها غير معلوم ولا مذکور في شيء من الكتب المعتبرة بل ليس في اكثرها كيفية مسافرة اهل البيت الى شام نعم وقع بعض القضايا في بعضها نحن نشير اليها في هذا الكتاب انشاء الله تعالى﴾۔

جاننا چاہئے کہ ان منازل کی ترتیب و تفصیل کہ جن میں اسیران اہل بیت نے رات گزاری تھی یا صرف عبور کیا تھا، معلوم نہیں ہے اور نہ کتب معتبرہ میں سے کسی کتاب میں اس بات کا کوئی تذکرہ ہے بلکہ اکثر کتب میں تو اہل بیت کے سفر شام کی کیفیت میں ہی مذکور نہیں ہے کہ کس طرح سفر کیا، ہاں البتہ بعض منازل میں بعض واقعات درپیش



آئے، ہم اس کتاب میں ان کا تذکرہ کریں گے۔ انشاء اللہ۔

ایسا ہی مقام، زخار و صمصام بتار، ص ۴۶۱ پر افادہ فرمایا گیا ہے کہ:

هر چند هیچ يك از مؤرخين و محدثين فریقین شرح منازل عرض راه را، كوفه تار، سام نداده اند ولیکن چون حسن بن علی الطبرسی در کتاب کامل بهائی كه بنام بهاء الدین محمد بن شمس الدین جوینی صاحب دیوان تالیف كرده ذكر بعضی از آنها را نموده و در مقتل ابی مخنف هر يك را مرتباً نوشته است شرح آن در این كتاب بیاوریم۔ اگرچه این روایت خالی از اشكال و ترتیب منازل بیرون از تشویش نیست ﴿ترجمہ﴾ اگرچہ شیعہ و سنی مورخین و محدثین میں سے کسی نے بھی كوفہ سے شام تک درمیانی منازل کی تشریح نہیں کی لیکن چونکہ حسن بن علی الطبرسی نے اپنی كتاب کامل میں جسے انہوں نے بہاء الدین محمد بن شمس الدین جوینی کے نام پر تالیف کیا ہے بعض منازل کا تذکرہ کیا ہے اور مقتل ابی مخنف میں ان منازل کا بالترتیب تذکرہ موجود ہے اس لئے ہم انہی دو کتابوں سے یہاں ان منازل کا تذکرہ کرتے ہیں، اگرچہ یہ روایت منازل خالی از اشكال اور ترتیب خالی از تشویش و اضطراب نہیں ہے۔

اسی طرح صاحب تہذیب و تاریخ ایام محرم ص ۲۸۳ پر لکھتے ہیں: ﴿چون ترتیب منازل معلوم و مضبوط نیست فقیر احوال آن مراحل مذکور میدارم کہ در آنها تفصیل واقع شدہ بدون مراعات ترتیب﴾ چونکہ ان منازل و مراحل کی ترتیب معلوم و مضبوط نہیں ہے اس لئے میں ترتیب کی رعایت کے بغیر صرف ان بعض منازل کا ذکر کروں گا جن میں کوئی تفصیلی واقعہ درنما ہوا ہے اس کے بعد کے پندرہ منزل کا تذکرہ کیا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات بالکل الم نشرح ہو جاتی ہے کہ کتب معتبرہ ان منازل کے بارے میں بالکل خاموش ہیں اور ان سے ان منازل کے متعلق کچھ معلومات فراہم نہیں ہو سکتے۔ جن بعض کتب میں بعض منازل مذکور ہیں ان کا اعتماد بھی مقتل ابی مخنف پر ہے اور بد قسمتی سے مقتل ابی مخنف کا وہ نسخہ جو مطبوع و موجود ہے بنا بر تصریح علماء محققین محرف و مبدل اور بالکل ناقابل اعتماد ہے، بالخصوص ان امور میں جن کے ذکر کرنے میں وہ متفرد ہو۔

تفصیلی حالات معلوم کرنے کے شائقین محدث نوری مرحوم کی کتاب ”لواء و مرجان“ کی طرف رجوع کریں جو عام مؤمنین کے لئے بالعموم اور اہل منبر حضرات کے لئے بالخصوص حرج جان بنانے کے قابل ہے۔ اس وقت مقتل ابی مخنف کا مطبوعہ نجف اشرف نسخہ ہمارے پیش نظر ہے۔ اس کے ص ۱۱۴ تا ص ۱۲۰ پر بایں ترتیب تیس منازل سفر کا تذکرہ کیا ہے جن کے نام ہم یہاں محض تبصرۃ درج کرتے ہیں۔ وہی ہذہ۔

۱۔ منزل اول۔ تکریت

۲۔ منزل دوم۔ اعمی

۳۔ منزل سوم۔ دیر عروہ



- ۴۔ منزل چہارم۔ صلیبا  
۵۔ منزل پنجم۔ وادی النخلہ  
۶۔ منزل ششم۔ اریناء  
۷۔ منزل ہفتم۔ لینا  
۸۔ منزل ہشتم۔ کھیل  
۹۔ منزل نہم۔ جہینہ  
۱۰۔ منزل دہم۔ تل باعفر  
۱۱۔ منزل یازدہم۔ جبل سنخار  
۱۲۔ منزل دوازدہم۔ نصیبین  
۱۳۔ منزل سیزدہم۔ عین الورد  
۱۴۔ منزل چہار دہم۔ قسرین  
۱۵۔ منزل پانزدہم۔ معرة النعمان  
۱۶۔ منزل شانزدہم۔ شیرد  
۱۷۔ منزل ہفدہم۔ کفر طاب  
۱۸۔ منزل ہیجدہم۔ سیبور  
۱۹۔ منزل نوزدہم۔ حما  
۲۰۔ منزل بیستم۔ حمص  
۲۱۔ منزل بیست و یکم۔ کنسہ قسین  
۲۲۔ منزل بیست و دوم۔ بعلبک  
۲۳۔ منزل بیست و سوم۔ صومہ راہب۔

وہ پندرہ منازل جن کا تذکرہ بلا لحاظ ترتیب صاحب تتمہ وقائع ایام محرم نے  
(ص ۲۸۴ لغایت ص ۳۰۸) کیا ہے جن کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ ان کے

نام یہ ہیں:-

- ۱۔ منزل اول۔ بکریٹ  
۲۔ منزل دوم۔ موصل  
۳۔ منزل سوم۔ حران  
۴۔ منزل چہارم۔ دعوات  
۵۔ منزل ہفتم۔ حمص  
۶۔ منزل پنجم۔ قسرین  
۷۔ منزل ششم۔ بعلبک  
۸۔ منزل ہشتم۔ بعلبک  
۹۔ منزل نہم۔ قسرین  
۱۰۔ منزل دہم۔ حما  
۱۱۔ منزل یازدہم۔ حلب  
۱۲۔ منزل دوازدہم۔ نصیبین  
۱۳۔ منزل سیزدہم۔ عسقلان  
۱۴۔ منزل چہار دہم۔ دیر قسین  
۱۵۔ منزل پانزدہم۔ دیر راہب

**نوٹ۔** مخفی نہ رہے کہ جن حضرات نے ان منازل کا تذکرہ کیا ہے ان کے بیان سے یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ اس قافلہ نے ضرور ان مقامات پر رات گزاری ہے یا کچھ دیر قیام کیا ہے بلکہ جہاں سے اس لئے ہوئے قافلے نے عبور و مرور بھی کیا ہے اس مقام کو بھی منازل سفر شمار کر دیا گیا ہے، جیسا کہ ان کتب کے ناظرین پر روشن ہے۔ فہر۔

**امر سوم:-** کیا صرف مخدرات عصمت کو شام لے جایا گیا یا دوسری مستورات بھی ہمراہ تھیں؟

کوفہ سے جو اسیروں کا قافلہ شام کی طرف روانہ کیا گیا ان میں صرف بنی ہاشم کی مخدرات عصمت و طہارت تھیں یا دوسری وہ بعض خواتین بھی شامل تھیں جو کربلا سے قید ہو کر اسیران اہل بیت کے ساتھ کوفہ لائی گئی تھیں؟ عام کتب تواریخ و مقاتل میں اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی۔ البتہ بعض کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار حسین کی مستورات کو ان کے خاندان والوں نے سفارشیں کر کے کوفہ میں رہا کر لیا تھا۔ اب شام جو قافلہ بھیجا گیا اس میں بنی



ہاشم کی مخدرات (یا ان کی بعض کنیزیں) ہی تھیں۔ چنانچہ فاضل سماوی کی ابصار العین کے خاتمہ میں لکھا ہے: ﴿بقیت عیالات غیر الطالبین من انصار الحسین علیہ السلام بالکوفة و ذالک لانھن حین الوصول الی الکوفة شفیع فیھن ذو قرباھن من القبائل عند ابن زیاد فاخذھن من السبی و سبیت الطالبیات الی الشام﴾ یعنی بنی ہاشم کے علاوہ دوسرے انصار حسینؑ کے اہل و عیال کوفہ میں رہ گئے کیونکہ کوفہ پہنچنے کے بعد ان کے رشتہ دار قبائل نے ابن زیاد کے پاس سفارش کر کے ان کو قید و بند سے آزاد کرا لیا تھا۔ اس لئے صرف بنی ہاشم کی مستورات ہی قید ہو کر شام گئیں۔ (ص ۱۵۹)

آہ! آج دوسری تمام عورتوں کے سفارشی تو پیدا ہو گئے مگر وہ پردگیان عصمت و طہارت جن کے اب وجد پورے عالمین کے شفیع و سفارشی ہیں ان کی سفارش کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ان کو اس طرح بیدردی کے ساتھ قید کر کے دیار و امصار میں پھروایا گیا جس طرح ترک و دیلم کے قیدیوں کی دیار و امصار میں تشہیر کی جاتی ہے۔

کس منہ سے یہ لوگ شفیع العالمین کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے؟ عمر بن عبدالعزیز کہا کرتا تھا۔ اگر میں قاتلان حسینؑ میں شامل ہوتا اور پھر بفرض محال خدا مجھے بھی بخش دیتا تو تب بھی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرم و حیا کی وجہ سے جنت میں داخل نہ ہوتا۔

ویل لمن شفعاہ خصمانہ والصور فی یوم القیامۃ ینفخ

صاحب تہذیب و تاریخ ایام محرم نے بھی (ص ۲۸۱ پر) ایسا ہی افادہ فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں: ﴿مخفی مباد کہ از اسراء غیر طالبیات و نساء غیر ہاشمیات کسے را با اہل بیت دیلم و خزرا سیر کردہ بجانب شام بردہ اند﴾۔ ﴿فعلی الحسین و اہل بیتہ فلیبک الباکون و علیہ فلیندب النادیون و لیصرخ المصار خون﴾۔

### سرہائے شہداء اور اسیران خانوادہ مصطفیٰؐ کی شام کی طرف روانگی

جب ابن زیاد کے پاس حاکم شام کا حکم نامہ پہنچ گیا کہ سرہائے شہداء اور اسیران اہل بیت کو اس کے پاس شام بھیج دے تو ابن زیاد نے زجر بن قیس کی نگرانی میں شہداء کے سرہائے مقدس شام روانہ کر دیئے اور اس کے ہمراہ ابو بردہ بن عوف ازدی، طارق بن ظہیان وغیرہ پچاس آدمی کر دیئے۔

۱۔ تقام، ص ۳۵۷، بحوالہ تاریخ ابن خلکان۔

۲۔ تہذیب ایام محرم، ص ۲۸۳۔ تاریخ، ج ۶، ص ۳۲۶۔ مگر منتخب طریقی میں ان کی تعداد ایک ہزار اور مقتل ابی مخنف میں ڈیڑھ ہزار لکھی ہے جو بظاہر مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہے۔ (منہ غشی عند)



اور ان کی روانگی کے بعد اسی روز اسیران آل محمدؐ کو محضر بن ثعلبہ عاکذی اور شمر بن ذی الجوشن کی نگرانی میں ایک جماعت کثیرہ کے ہمراہ روانہ کر دیا۔<sup>۱</sup> جو بعض منازل پر جا کر پہلی جماعت کے ساتھ شامل ہو گئے۔<sup>۲</sup>

### اسیری کی کیفیت

اسیروں کی کیفیت یہ تھی کہ امام بیمار کے گلے میں طوق تھا۔<sup>۳</sup> اور بعض روایات کے مطابق ہاتھوں میں ہتھکڑیاں بھی تھیں۔<sup>۴</sup> بروایت ہاتھ پشت گردن باندھے ہوئے تھے۔<sup>۵</sup> اور پاؤں شکم شتر کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔<sup>۶</sup> اور مخدرات اس طرح بے کجاوہ اونٹوں پر بے مقنع و چادر سوار تھیں کہ تمام لوگ ان کا نظارہ کر سکتے تھے۔<sup>۷</sup> حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام بیان کرتے تھے کہ مجھے ایک ایسے بے پالان اونٹ پر سوار کیا گیا تھا جو لنگڑا تھا۔ آگے بابا کا سر مبارک نیزہ پر رہا تھا، پیچھے مخدرات تھیں۔ اگر ہم میں سے کسی کی آنکھ سے آنسو نکل آتا تھا تو نیزوں کی انیوں سے اس کی سرکوبی کی جاتی تھی۔ جب شام کے قریب پہنچے تو کسی نے آواز بلند کی۔ ہولاء سبایا اهل البيت الملعون۔<sup>۸</sup>

### سفر شام میں امام کی خاموشی

انہی حالات و واقعات سے متاثر ہو کر امام بیمار نے بالکل خاموشی اختیار کر لی تھی۔ راویان اخبار کا بیان ہے کہ کوفہ سے شام تک امام بیمار نے کسی سپاہی سے کوئی بات نہیں کی۔ ﴿فلم یسلم یسلمہم علی بن الحسین فی الطريق حتی بلغوا الشام﴾<sup>۹</sup>

### شریکۃ الحسینؑ کی شان عبادت

ایسے ہوش رہا مصائب و شدائد اور نامساعد حالات میں بھی ثانی زہراؑ کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ واجبی نماز تو بجائے خود، کبھی نماز تہجد بھی قضا نہیں ہوئی۔ چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ ﴿ان عمتی زینب مع تلک المصائب والمحن النازلة بها فی طریقتنا الی الشام ما ترکت نوافلھا اللیلۃ﴾ میری پھوپھی اماں زینب نے باوجود ان مصائب و شدائد کے جو ہمیں شام کے راستہ میں درپیش آئے کبھی اپنے نوافل

۱ طبری، ج ۶، ص ۲۶۳۔ کامل، ج ۳، ص ۲۹۸۔

۲ نفس مہموم، ص ۲۲۵۔ ارشاد، ص ۲۶۸۔ ناخ، ج ۳، ص ۳۲۶ پر لکھا ہے کہ پہلی منزل پر ملحق ہو گئے۔

۳ تاریخ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۹۸۔ تاریخ قرمانی، ص ۱۰۸۔ مقتل الحسین، ص ۳۱۰۔ ارشاد، ص ۲۹۸ وغیرہ۔

۴ تاریخ کامل، ج ۳، ص ۲۹۸۔ تاریخ قرمانی، ص ۱۰۸، تقام، ص ۲۵۸۔

۵ تہذیب و تاریخ ایام محرم، ص ۲۸۲۔ تقام، ص ۲۵۸۔ ناخ، ج ۶، ص ۳۲۶۔

۶ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۹۰۔ نفس المہموم، ص ۲۲۵۔

۷ تعظیم الزہراء، ص ۲۶۰۔ عاشر بحار، ص ۲۳۱۔



شب ترک نہیں کئے۔<sup>۱</sup>

ثانی زہراء کی یہی عبادت و اطاعت ہی تو تھی جس کی بناء پر جناب سید الشہداء نے ان کو وصیت کی تھی:  
 ﴿يَا أُخْتَاهُ لَا تَنْسِيَنِي فِي نَافِلَةِ اللَّيْلِ﴾ بہن زہنب! مجھے نماز شب میں دعائے خیر سے فراموش نہ کرنا۔<sup>۲</sup> خداوند  
 عالم تمام خواتین اسلام کو اس مندرجہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی وآلہ الطاہرین۔  
سفر شام کے بعض واقعات اور ظہور کرامات

بعض کتب مقاتل سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس سفر میں کئی کرامات کا ظہور ہوا اور کئی سانحات درپیش آئے۔  
 ہم بطور تبرک یہاں ان میں سے بعض کا تذکرہ کرتے ہیں۔

### پہلا واقعہ

ابن یسعہ بیان کرتے ہیں کہ میں طواف بیت اللہ کر رہا تھا کہ اس اثنا میں ایک شخص کو استار کعبہ سے لپٹ کر  
 یہ فریاد کرتے ہوئے سنا: ﴿اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَمَا اَرَاكَ فَاَعْلَا﴾ یا اللہ! مجھے بخش دے لیکن میرا خیال ہے کہ تو ایسا  
 کرے گا نہیں۔ میں نے اس سے کہا: ﴿يَا عَبْدَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا تَقْلُ مِثْلَ ذَالِكَ فَاِنْ ذُنُوبَكَ لَوْ كَانَتْ  
 مِثْلَ قَطْرِ الْمَطَارِ وَوَرَقِ الشَّجَارِ فَاسْتَغْفِرْتَ اللّٰهُ غَفْرًا لَّكَ وَانَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ او اللہ کے بندے!  
 ایسا نہ کہہ، کیونکہ خداوند غفور رحیم ہے کہ اگر تیرے گناہ قطرات باران و برگہائے درختوں کے برابر بھی ہوں اور تو اس  
 سے بخشش طلب کرے نو وہ ضرور بخش دے گا۔ میرا کلام سن کر اس شخص نے کہا۔ میرے پاس آتا کہ میں تجھے اپنا قصہ  
 سناؤں۔ چنانچہ میں اس کے پاس گیا۔ اس نے کہا۔ میں ان بچاس آدمیوں میں سے ایک تھا جو سفر شام میں امام حسین  
 کے سر کے ساتھ گئے تھے۔ ہمارا یہ معمول تھا کہ جب رات ہو جاتی تھی تو ہم فرق مقدس کو ایک صندوق میں بند کر دیتے  
 تھے اور اس کے ارد گرد بیٹھ کر شراب کا دور چلاتے تھے۔ چنانچہ ایک رات میرے ساتھیوں نے حسب معمول شراب پی  
 اور نشہ میں غمخور ہو گئے، لیکن میں نے نہ پی۔ جب رات کی تاریکی خوب چھا گئی تو میں نے اچانک رعد و برق کے  
 گرجنے چمکنے کی آواز سنی۔ اس کے ساتھ ہی درہائے آسمان کھل گئے اور جناب آدم، نوح، ابراہیم، اسمعیل، اسحاق  
 اور ہمارے پیغمبر اکرمؐ نیچے اترے اور ان کے ساتھ جبرائیل اور بہت سے ملائکہ تھے۔ جبرائیل نے صندوق کے قریب  
 جا کر سر امام کو باہر نکالا، سینہ سے لگایا اور بوسہ دیا۔ پھر تمام حاضر انبیاء نے یکے بعد دیگرے ایسا ہی کیا اور جناب رسول  
 خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسہ کا سر مبارک دیکھ کر روئے۔ انبیاء نے تعزیت پیش کی۔ پھر جبرائیل نے خدمت

۱۔ رسالہ زہنب کبریٰ، طبع النجف، ص ۸۴۔

۲۔ حوالہ مذکورہ بالا۔







سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث سے پانچ سو سال پہلے ایک پتھر پر سریانی زبان میں یہ شعر کندہ تھا۔ جب اس کا عربی میں ترجمہ کیا گیا تو وہ یوں تھا۔

اترجو امة قتلت حسیناً شفاعۃ جدہ يوم الحساب

### تیسرا واقعہ

ان ملائین نے منازل سفر طے کرتے ہوئے ایک راہب کے دیر کے پاس قیام کیا اور وہ نیزہ جس پر سید الشہداء کا سر مقدس سوار تھا دیوار کے ساتھ لگا دیا۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا اور سوائے چند پہرہ داروں کے باقی تمام لوگ سو گئے تو راہب نے دیکھا کہ سر مقدس سے نور کی شعاعیں پھوٹ کر آسمان کو چھو رہی ہیں اور سر مقدس سے تسبیح و تہلیل کی آواز آرہی ہے اور کوئی کہنے والا یہ کہہ رہا ہے: ﴿السلام علیک یا ابا عبد اللہ!﴾ راہب یہ عجیب نظارہ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ لب بام سے جھانک کر پہرہ داروں سے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم ابن زیاد کے آدمی ہیں۔ پھر دریافت کیا: یہ سر کس کا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: حسین بن فاطمہ بنت محمدؐ کا۔ راہب نے کہا: وہی محمدؐ جو تمہارا رسولؐ ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ یہ سن کر راہب نے کہا: ﴿بئس القوم انتم لو کان للمسیح ولد لا سکنناہ احد افنا﴾ تم بہت ہی برے لوگ ہو۔ اگر ہمارے عیسیٰؑ کا کوئی بیٹا ہوتا تو ہم اسے آنکھوں پر بٹھاتے۔ پھر کہا۔ یہ صبح تک میرے حوالے کر دو۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا میرے پاس دس ہزار دینار ہیں، یہ سارے لو اور صبح تک یہ سر مقدس میرے حوالے کر دو۔ اس پیشکش کو انہوں نے منظور کر لیا۔ دیناروں کی تھیلیاں لے لیں اور سر مقدس اس کے حوالے کر دیا۔ (سر مبارک چونکہ گرد آلود تھا) راہب نے اسے صاف کیا، خوشبو لگائی اور پھر گود میں لے کر ساری رات گریہ و بکا کرتا رہا۔ جب سپیدہ صبح نمودار ہونے لگا تو اس نے سر مقدس کو خطاب کرتے ہوئے کہا: ﴿یا دأس لا املک الا نفسی وانا اشہد ان لا اله الا اللہ و ان جدک محمداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و اشہد انی مولاک و عبدک﴾ اے سر مقدس! میں سوائے اپنی ذات کے کسی اور شے کا مالک نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ کے جدنا مدار محمدؐ اس کے رسول ہیں اور میں آپ کا غلام ہوں۔ صبح سران کے حوالے کیا اور خود شام تک اسارائے اہل بیتؑ کی خدمت کرتا رہا۔<sup>۳</sup> اور بروایت دیر چھوڑ کر پہاڑیوں میں چلا گیا اور وہاں عبادت خدا کرتے کرتے جان جان آفرین کے حوالہ کر



دی۔<sup>۱</sup> یہ بھی منقول ہے کہ جب یہ ملائین شام کے قریب پہنچے تو ایک دوسرے سے کہا آؤ دینار تقسیم کر لیں مبادا یہ واقعہ یزید کو معلوم ہو جائے اور وہ ہم سے لے لے۔ چنانچہ جب تھیلیاں کھولیں تو دیکھا کہ دینار ٹھیکریاں بن چکے تھے، جن کی ایک طرف لکھا تھا: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ﴾ اور دوسری طرف لکھا تھا: ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ﴾<sup>۲</sup>

### چوتھا واقعہ

بعض کتب مقاتل میں لکھا ہے کہ شام جاتے ہوئے جب یہ لوگ موصل کے قریب پہنچے تو حاکم موصل کو پیغام بھیجا کہ وہ ان کے اور ان کی سوار یوں کے لئے نان و چارہ اور قیام کا انتظام کرے (جیسا کہ بالعموم راستہ میں بڑے شہروں سے گزرتے وقت یہ ایسا کرتے تھے) حاکم نے منظور کر لیا مگر اہل بلد نے استدعا کی کہ یہ لوگ شہر میں داخل نہ ہوں بلکہ شہر سے باہر قیام کریں۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایک فرسخ کے فاصلے پر قیام کیا۔ اس اثنا میں سر مقدس کو ایک پتھر پر رکھا۔ سر بمطہر سے خون کا ایک قطرہ پتھر پر گرا۔ وہ لوگ تو چلے گئے مگر اس خون کا اثر یہ ہوا کہ ہر سال روز عاشورہ اس سے جوش مار کر خون نکلتا تھا اور اطراف و اکناف سے لوگ جمع ہو کر گرہ و بکاء اور مراسم عزاء قائم کرتے تھے۔ یہ سلسلہ عبد الملک بن مروان کے وقت تک قائم رہا۔ پھر اس نے یہ پتھر کہیں منتقل کر دیا جس کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا مگر لوگوں نے وہاں ایک قبہ بنا دیا جو ”مشہد النقطہ“ کے نام سے مشہور ہے۔<sup>۳</sup>

### پانچواں واقعہ

بعض کتب مقاتل لکھا ہے کہ حلب کے مغربی جانب ”جوشن“ ایک پہاڑ ہے جس میں کئی مشاہیر شیعہ کی قبریں ہیں، منجملہ ان کے ایک عالم ربانی محمد بن علی بن شہر آشوب مازندرانی اور شیخ احمد بن منیر عالمی کا مقبرہ بھی ہے۔ اسی پہاڑ پر ایک ”مشہد السقطہ“ ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ شام جاتے وقت جب اسیران آل محمد کو یہاں سے گزارا گیا تو امام حسین کی ایک زوجہ محترمہ کا جو کہ حاملہ تھیں بوجہ شدائد و مصائب سفر حمل سقط ہو گیا جسے اس مقام پر دفن کیا گیا جسے ”مشہد السقطہ اور مشہد الدکتہ“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔<sup>۴</sup>

صاحب مقتل الحسین نے (۴۱۳ کے حاشیہ پر) کتاب نہر الذہب فی تاریخ حلب ج ۲ ص ۲۷۸ کے حوالہ

۱۔ نفس المہجوم، ص ۲۳۶۔ ۲۔ تذکرۃ الخواص، ص ۲۶۴۔

۳۔ نفس المہجوم، ص ۲۲۸۔ مقتل الحسین، ص ۴۱۲۔ اس کتاب میں نہر الذہب فی تاریخ حلب، ج ۳، ص ۲۲ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ واقعہ حلب کے جبل عربی میں دریش آ یا اور یہ مشہد النقطہ وہاں ہے۔ واللہ العالم۔

۴۔ نعم البلدان، ج ۳، ص ۱۷۳، بذیل مادہ جوشن و خریدۃ العجائب، ص ۱۲۸۔ نفس المہجوم، ص ۲۲۹۔



سے لکھا ہے کہ یہ ”مشہد“ ۳۵ھ میں ظاہر ہوا اور اس کے ظاہر ہونے کا قصہ یوں ہے کہا: ایک مرتبہ سیف الدولہ ہمدانی نے اپنے مکان سے جو کہ حلب کے باہر تھا، دیکھا کہ جہاں مشہد ہے وہاں آسمان سے نور نازل ہو رہا ہے، اس نے کئی بار یہ ماجرا دیکھا، پھر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں پہنچا اور اپنے ہاتھ سے وہ جگہ کھودی۔ چنانچہ وہاں ایک پتھر نکلا جس پر کندہ تھا: ﴿هَذَا قَبْرُ الْمُحْسِنِ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ﴾ ۱۔

فانظر الى هذا الاسم كيف لقي من الاواخر ملاقى من الاول

سیف الدولہ نے علویین کو جمع کر کے ان سے اس امر کی حقیقت دریافت کی۔ چنانچہ بعض سادات نے اسے بتایا کہ جب اسیران اہل بیت شام کی طرف لے جائے جا رہے تھے اس وقت جناب امام حسینؑ کی ایک حاملہ زوجہ کا حمل یہاں سقط ہو گیا تھا، یہ اسی سقط کی قبر ہے۔ اس کے بعد سیف الدولہ نے وہاں مقبرہ تعمیر کرایا۔ حموی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس پہاڑ پر پہلے سرخ تانبے کی ایک کان تھی لیکن جب اسیران اہل بیت کا وہاں سے گزر ہوا اور امام حسینؑ کی ایک زوجہ محترمہ کا حمل ساقط ہوا تو انہوں نے ان لوگوں سے جو وہاں کام کر رہے تھے کچھ پانی وغیرہ طلب کیا مگر انہوں نے نہ صرف دینے سے انکار کیا بلکہ کچھ ناسزا کلمات بھی کہے۔ بی بی نے ان کو بددعا دی جس کی وجہ سے وہ کان برباد ہو گئی۔ ۲

SIBTAIN.COM

اسیران آل رسولؐ کا شام میں داخلہ

سفر کے جانگداز شدائد و آلام جھیلنے کے بعد بالآخر یہ تباہ حال قافلہ شام کے قریب پہنچا تو جناب ام کلثومؑ نے شمر سے جا کر فرمایا: ﴿لِي الْيَك حَاجَةٌ﴾ مجھے تم سے کچھ کام ہے۔ شمر نے کہا: ﴿مَا حَاجَتُكَ؟﴾ کیا کام ہے؟ بی بی نے فرمایا: ﴿اِذَا دَخَلْتُ بِنَا الْبَلَدَ فَاحْمِلْنَا فِي دَرْبٍ قَلِيلٍ النَّظَارَةَ وَتَقَدِّمِ الْيَهُمَ اِنْ يَخْرُجُوا هَذِهِ الرُّؤَسَ مِنْ بَيْنِ الْمُحَامِلِ وَيَنْحُونَا عَنْهَا فَقَدْ خَزَيْنَا مِنْ كَثْرَةِ النَّظَرِ الْبِنَا وَنَحْنُ فِي هَذِهِ الْحَالِ﴾ جب شہر میں داخلہ ہو تو ہمیں ایسے راستے سے لے جاؤ جس میں دیکھنے والوں کی بھیڑ کم ہو اور ان لوگوں سے کہو جن کے ہاتھوں میں سرہائے شہداء ہیں کہ وہ ان کو آگے لے جائیں اور ہم کو ان سے علیحدہ رہنے دیں کیونکہ ہم اس حالت میں دیکھنے والوں کی کثرت سے رسوا ہو رہی ہیں۔ اس شقی نے اس فرمائش کے برعکس حکم دیا کہ سروں کو جو کہ نیزوں پر سوار تھے ان اونٹوں کے درمیان لائے جائیں جن پر مخدرات سوار تھیں اور پھر اس بازار (باب الساعات) ۳ سے داخلہ کا حکم دیا جس میں سب سے زیادہ لوگوں کی بھیڑ تھی۔ ۴



## بعض تابعین کی روپوشی

وارد ہے کہ اہل فضل تابعین میں سے ایک بزرگوار نے جب حسین مظلوم اور ان کے خانوادہ کو اس تباہ حال میں شام میں داخل ہوتے دیکھا تو تو اس نے شدت غم سے روپوشی اختیار کر لی۔ پورا ایک ماہ غائب رہا۔ جب ایک ماہ کے بعد اس کے احباب نے اسے ڈھونڈ نکالا تو اس سے اس روپوشی اختیار کرنے کا سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ ہم پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے؟ پھر یہ اشعار پڑھے ۱۔

جاؤا برأسک یا بن بنت محمدؐ متمر ملا بدمانہ ترمیلا  
وکانما بک یا بن بنت محمدؐ قتلوا جہاراً عامدین رسولاً  
قتلوک عطشاناً و لم یترقبوا فی قتلک الناول والتزیلا  
و یکبرون بان قتلت و انما قتلوا بک التكبير والتهليلة ۲۔

یزید کے کافرانہ اشعار اور مسرت کا اظہار

بعض کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ جب یہ لٹا ہوا قافلہ سرہائے شہداء کے ساتھ شام میں داخل ہو رہا تھا اس وقت یزید (لع) اپنے اس مکان کی بالائی منزل پر بیٹھا یہ منظر دیکھ رہا تھا جو (شام سے باہر) جیرون میں تھا۔ جب اس نے دور سے سروں کو نوکھائے شان پر سوار دیکھا۔ اس وقت ایک کوئے نے کائیں کائیں کی (جسے نحوست کی علامت سمجھا جاتا ہے) یزید (لع) خوش ہو کر یہ اشعار گنگٹانے لگا۔

لما بدت تلک الحمول واشرفت تلک الرؤس علی ربی جیرون  
جب سواریاں ظاہر ہوئیں اور سر جیرون کے ٹیلوں پر نمودار ہوئے۔

نعب الغراب فقلت صح اولاً تصح فلقند قضیت من الرسول دیونبی  
تو کوئے نے کائیں کائیں کی، میں نے اس سے کہا، تو آواز بلند کر یا نہ کر، میں نے رسول سے اپنے قرضے چکا لئے ہیں۔ ۳۔

ان اشعار سے بھی یزید کے دین کا بھانڈا چور ہے پر پھوٹ جاتا ہے اور صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کی یہ تمام کارروائی اپنے آباء و اجداد کے عہد جاہلی والے انتقام لینے پر مبنی تھی۔ انہی حقائق کی بناء پر ابن جوزی، قاضی ابو یعلیٰ، تفتازانی اور جلال الدین سیوطی وغیرہ علماء نے اس کے کافر و ملعون ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ ۴۔

۱۔ ابوف، ص ۱۵۶۔ نظام، ص ۴۶۷ وغیرہ۔ ۲۔ تذکرۃ الخواص، ص ۲۶۲، طبع النجف۔ تفسیر روح المعانی لآلوسی، ج ۶، ص ۷۔

۳۔ حوالہ مذکورہ بالا۔



## سہل ابن سعد ساعدیؓ کی روایت

اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ جب شہدائے کربلا کے سر اور اسیران آل محمدؑ کا لٹا ہوا قافلہ شام پہنچا اور سابقہ تحقیق کے مطابق اس روز یکم صفر ۶۱ھ تھی۔ تو شہادت حسینؑ اور یزید کی ظاہری فتح کی تقریب کی مناسبت سے دارالسلطنت شام کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا اور اسے انواع و اقسام کی زیبائش و آرائش سے مزین و مرصع کیا گیا تھا۔ عورتیں مرد لباس فاخرہ زیب تن کئے ہوئے ہاتھوں میں مہندی، آنکھوں میں سرمہ لگائے خوشی سے طبلے اور شادیاں بجا رہے تھے۔ شہر کے باہر لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ عرصہ محشر معلوم ہوتا تھا اور دارالامارہ کی سجاوٹ تو حیطہ بیان سے باہر ہے۔ یزید (لح) کے لئے انواع و اقسام کی زینت سے مرصع سریر بچھائی گئی تھی اور ارد گرد سنہری، روپہلی کرسیاں بچھائی گئی تھیں جن پر عمائدین وقت بیٹھے تھے۔ یہ سب انتظام سید المرسلین اور امیر دین کی ستم رسیدہ بیٹیوں کے استقبال کے لئے کیا جا رہا تھا۔ آہ! سہ

یصلی علی المبعوث من آل ہاشم و یغزی بنوہ ان ذا العجیب

چنانچہ سہل بن سعد ساعدیؓ صحابی رسولؐ بیان کرتے ہیں کہ میں حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر آ رہا تھا۔ واپسی پر بیت المقدس کی زیارت کی۔ جب واپس شام پہنچا تو اس کی عجیب ہیئت دیکھی۔ نہریں جاری ہیں، درخت لہلہا رہے ہیں، لوگوں نے محفل و دیبا کے زرنگار پردے لٹکائے ہوئے ہیں، لوگ بہت خوش و خرم ہیں اور کچھ عورتیں فرط مسرت و شادمانی سے دفیں بجا رہی ہیں۔ میں نے دل میں کہا شاید اس تاریخ کو شامیوں کی کوئی عید ہوگی جس کا مجھے علم نہیں۔ بہر حال میں حیران تھا کہ یہ جشن مسرت کیسا ہے؟ اس اثناء میں بعض لوگوں کو کچھ کھسر پھسر کرتے ہوئے دیکھا۔ میں ان کے قریب گیا اور ان سے دریافت کیا۔ آج تمہاری کوئی عید ہے جس کا مجھے علم نہیں؟ انہوں نے کہا۔ اے شیخ! تم کوئی اجنبی اور بادیہ نشین معلوم ہوتے ہو۔ میں نے کہا، میں سہل بن سعد ہوں، جناب پیغمبرؐ اسلام کی صحبت کا شرف حاصل کر چکا ہوں۔ اس وقت انہوں نے کہا۔ اے سہل! تعجب ہے کہ آسمان سے خون کی بارش کیوں نہیں برسی اور زمین اپنے اہل سمیت پانی میں کیوں دھنس نہیں جاتی؟ میں نے کہا۔ کیوں، کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا اس لئے کہ یہ نواسہ رسولؐ امام حسینؑ کا سر عراق سے دربار یزید میں لایا جا رہا ہے۔ میں نے کہا۔ ہیں؟ حسینؑ کا سر لایا جا رہا ہے اور لوگ خوش ہو رہے ہیں؟ پھر میں نے دریافت کیا۔ کس دروازہ سے داخلہ ہے؟ انہوں نے باب الساعات کی طرف اشارہ کیا۔ ابھی یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ یکے بعد دیگرے کئی علم آ رہے ہیں اور ایک سوار کے ہاتھ میں نیزہ ہے جس پر ایک ایسا سر سوار ہے جو سب لوگوں سے زیادہ رسولؐ خدا کے ساتھ مشابہ ہے۔



کامل بہائی میں جناب سہل کی زبانی اس واقعہ کی جو منظر کشی کی گئی ہے وہ یوں ہے۔ ”میں نے کئی سروں کو نیزوں کی نوکوں پر دیکھا۔ آگے آگے عباس بن علی کا سر تھا۔ ان کے پیچھے امام کا سر مقدس تھا۔ ان کے پیچھے اسیران اہل بیت تھے۔ سر مقدس کی حالت یہ تھی کہ اس سے ہیبت و دبدبہ ٹپک رہا تھا۔ ریش مبارک مدور تھی جس میں بڑھاپے کے آثار نمایاں تھے۔ خضاب لگا ہوا تھا، آنکھیں سیاہ تھیں، ابرو قوس کی طرح نوکدار، پیشانی کشادہ، ناک بلند، آنکھیں افق کی طرف، چہرہ آسمان کی طرف تبسم کننا معلوم ہوتا تھا اور ہوا ریش مبارک کو دائیں بائیں اڑاتی تھی، یوں معلوم ہوتا تھا گویا ہو بہو امیر المومنین علی علیہ السلام ہیں۔ ان کے پیچھے چند عورتیں تھیں جو بے کجاوہ اونٹوں پر سوار تھیں۔ پہلے اونٹ پر ایک لڑکی سوار تھی۔ میں اس کے قریب گیا اور جا کر دریافت کیا۔ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا: ﴿انا مسکینہ بنت الحسین﴾ میں نے عرض کیا۔ میں سہل بن سعد ہوں، آپ کے جدا مجد کا صحابی ہوں اور ان کی حدیثیں سن چکا ہوں۔ اگر میرے لائق کوئی کار خدمت ہو تو بتائیں۔ بی بی نے کہا۔ اے سہل! اس آدمی سے کہو جس کے ہاتھ میں سر ہے کہ وہ اسے آگے لے جائے تاکہ لوگ ان سروں کو دیکھنے میں مشغول ہوں اور حرم رسول کی طرف نہ دیکھیں۔ سہل کہتے ہیں۔ میں نے اس شخص کے پاس گیا اور جا کر کہا۔ کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ میری ایک مطلب براری کرو اور میرے پاس جو چار سو دینار ہیں وہ لے لو۔ اس نے دریافت کیا۔ تمہارا کیا مقصد ہے؟ میں نے مقصد بیان کیا تو اس نے آمادگی ظاہر کی اور سر مقدس کو آگے لے گیا۔ اس لئے میں نے مقررہ رقم اس کے حوالے کر دی۔<sup>۱</sup> (الی آخر القصہ)

کافی دیر تک اس قافلہ کو دروازہ دمشق پر ٹھہرایا گیا۔<sup>۲</sup> شاید مقصد یہ تھا کہ اگر بازار یا دربار کی سجاوٹ میں کچھ کمی رہ گئی ہے تو وہ پوری کر دی جائے۔ بعض کتب میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ پورے تین دن ان کو وہاں روکے رکھا گیا جو کہ ناقابل اعتبار ہے۔

### داخلہ شام کے وقت اسیران آل رسول کی کیفیت

بعض کتب مقاتل میں لکھا ہے کہ ملائین نے دروازہ شام میں داخل ہونے سے قبل یہ نیا ظلم ڈھایا کہ تمام زن و مرد، خورد و کلاں، غرضیکہ تمام اسیران آل محمد کو گلہ گو سفند اں کی طرح رسیوں میں جکڑ دیا گیا اور اسی حال میں کہ مخدرات عصمت و طہارت مکشفات<sup>۳</sup> الوجوہ تھیں، ان کو بازار سے گزار کر دربار یزید میں لایا گیا۔ جبکہ وہ شرمیرہ سریر

۱۔ تقیام ص ۳۶۸، ۳۶۹۔ نفس المہموم ص ۲۳۱۔ عاشر بحار ص ۲۲۳۔

۲۔ مقتل الحسین للمرقم ص ۳۱۵۔

۳۔ امالی صدوق ص ۱۰۰ وغیرہ۔



حکومت پر نشہ اقتدار میں چور متمکن تھا۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ما ظنک برسول اللہ، لو یرانا علیٰ هذا الحال﴾ اے یزید! تیرا کیا خیال ہے، اگر جناب رسول خدا ہمیں اس حال میں دیکھیں تو ان کا کیا حال ہوگا؟ امام کے اس کلام کا یہ اثر ہوا کہ حاضرین رونے لگے اور یزید (لع) نے رسیاں کاٹنے کا حکم دے دیا۔<sup>۱</sup>

بعض روایات میں اس اندوہ ناک واقعہ کی منظر کشی حضرت امام زین العابدین سے یوں مروی ہے: ﴿لما وفدنا علیٰ یزید بن معاویہ اتوا بحبال و ربقونا مثل الاغنام و کان الحبل بعنقی و عنق ام کلثوم و بکتف زینب و سکینہ و البنات تساق کلما قصرنا عن المشی (ضربنا) ضربونا حتی اوقفونا بین یدی یزید فتقدمت و هو علی سریر مملکتہ و قلت لہ ما ظنک برسول اللہ، لعلی اللہ علیہ و آلہ لو یرانا علیٰ هذه الصفة.... الخ﴾ جب ہم یزید (لع) کے قریب پہنچے تو اس کے اہل بیہوشیاں لائے جن سے ہمیں بکریوں کے گلہ کی طرح باندھ دیا گیا۔ چنانچہ میری اور ام کلثوم کی گردن میں اور زینب اور سکینہ کے کاندھوں سے رسی بندھی ہوئی تھی اور لڑکیوں کو بانکا جاتا تھا۔ اگر ہم چلنے میں تھوڑی سی بھی سسزا کرتے تھے تو ہمیں مارا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں ہمیں یزید کے دربار میں ٹھہرایا گیا۔ اس وقت وہ اپنی سریر مملکت پر متمکن تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر کہا۔ او یزید! تیرا کیا خیال ہے، اگر جناب رسول خدا ہمیں اس حال میں مشاہدہ کریں تو ان کی کیا حالت ہوگی؟<sup>۲</sup>

SIBTAIN.COM

بہر حال یہ لٹا ہوا قافلہ اسی خستہ حالی میں بازار سے گزرا جا رہا تھا، مگر ودائع نبوت و عقائد امامت کی شکل و ہیئت سے جمال و کمال کے آثار نمایاں تھے۔ چنانچہ شام کے بعض کلام نے کہا: ﴿ما رأینا سبایا احسن من هؤلاء فمن انتم؟﴾ ہم نے اتنے خوبصورت قیدی نہیں دیکھے تم کس خاندان کے قیدی ہو؟ جناب سکینہ نے جواب دیا: ﴿نحن سبایا آل محمد﴾ ہم اسیران آل محمد ہیں۔<sup>۳</sup>

بعض اخبار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ابراہیم بن طلحہ بن عبید اللہ نے (ظنرا) امام زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا: ﴿من غلب؟﴾ بتاؤ غلبہ کسے حاصل ہوا؟ اور فتح کس کی ہوئی؟ امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: ﴿اذا اردت ان تعلم من غلب و دخل وقت الصلوة فاذن و اقم﴾ اگر یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ غلبہ کسے حاصل ہوا تو جب نماز کا وقت آئے اس وقت اذان و اقامت کہنا۔ معلوم ہو جائے گا کہ فاتح کون

۱۔ مہوف، ۱۵۹۔ مقتل الحسین، ص ۳۷۔ تقام، ص ۴۷۔ تذکرۃ الخوایس، ص ۲۶۲۔

۲۔ انوار نعمانیہ، ص ۳۴۰۔ منتخب طریحی، ص ۲۳۳ طبع بہمنی۔

۳۔ امالی شیخ صدوق، ص ۱۰۰۔



ہے اور مفتوح کون؟ ۱۔

جب یہ قافلہ بازار سے گزر رہا تھا تو جا بجا لوگوں کی مزاحمت چا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ نیز استقبال کرنے والوں میں سے بعض لوگ کچھ پھول (پتھر) بھی ہمراہ لائے تھے۔ وہ بھی اسیران آل محمدؐ اور شہداء کے سروں پر نثار کر رہے تھے۔ چنانچہ سہل بن ساعد ساعدیؓ کی مذکورہ بالا روایت میں وارد ہے کہ جب یہ تباہ حال قافلہ بازار شام سے گزر رہا تھا تو میں نے ایک مکان کے ڈربہ پر پانچ عورتوں کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ ان میں ایک بوڑھی اور کبڑی عورت بھی تھی۔ جب سید الشہداءؑ کا سر مقدس ان کے قریب پہنچا تو اس بوڑھی عورت نے پتھر اٹھا کر امامؑ کے دندان مبارک پر دے مارا۔ جب میں نے یہ کیفیت دیکھی تو میں نے یہ بددعا کی: ﴿اللّٰهُمَّ اهلكها و اهلكهن معها بحق محمدؐ و آلہ اجمعین﴾ سہل بیان کرتے ہیں کہ ابھی میری یہ دعا ختم نہیں ہوئی تھی وہ ڈربہ ٹوٹ گیا اور وہ بڑھیا گر کر ہلاک ہو گئی اور اس کے ساتھ دوسری عورتیں بھی ہلاک ہو گئیں۔ ۲۔

منہال بن عمرو بیان کرتا ہے کہ میں نے شام میں دیکھا کہ امام حسینؑ کا سر مبارک نوک سنان پر سوار تھا۔ آگے آگے ایک شخص سورہ کہف کی تلاوت کرتا جاتا تھا۔ جب وہ اس آیت پر پہنچا: ﴿اَمْ حَسِبْتَ اَنْ اَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوا مِن اِلٰہِنَا عَجَبًا﴾ تو یکایک سر مقدس بزبان فصیح گویا ہوا اور کہا: ﴿اعجب من اصحاب الکھف قتلہ و حملی﴾ اصحاب کہف کے قصہ سے میرا شہید ہونا اور نوک سنان پر سوار ہونا زیادہ تعجب خیز ہے۔ ۳۔

یہی وجہ تھی جن کی بناء پر اسیران اہل بیتؑ کا قافلہ دربار میں بہت دیر سے پہنچا۔ بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قافلہ اگلے پہر بازار میں داخل ہوا اور زوال کے بعد دربار یزد میں پہنچا۔ ۴۔

جب اسیران آل محمدؐ یزد کے محل کے نزدیک پہنچے (جو کہ جامع مسجد کے قریب ہی تھا) تو محضر بن ثعلبہ نے باواز بلند یہ کفریہ کلمات کہے: ﴿ہذا محضر بن ثعلبہ جاء امیر المؤمنین باللائم الفجورة﴾ اس ملعون کا یہ کلام نافر جام سن کر امام زین العابدین علیہ السلام جنہوں نے کوفہ سے شام تک ان لائم سے کوئی کلام نہیں کیا تھا فرمایا: ﴿ما ولدت ام محضرة اشرو اللئام﴾ ۵۔ ام محضر کا بیٹا سب سے بڑا شریر ولیم ہے۔

بالآخر وہ قیامت خیز ساعت آگئی کہ اس لئے ہوئے قافلہ کو جامع مسجد کی سیڑھیوں کے پاس ٹھہرا دیا گیا

۲۔ نفس المہوم، ص ۲۲۲۔

۱۔ اسرار الشہادت، ص ۵۱۰۔

۳۔ مقتل الحسین للمقرم، ص ۴۰۳۔ خصائص کبریٰ سیوطی، ج ۲، ص ۱۲۷۔ نفس المہوم، ص ۲۲۷ وغیرہ۔

۴۔ نفس المہوم، ص ۲۳۲، بحوالہ کامل بہائی۔

۵۔ ارشاد، ص ۲۶۹۔ تقیام، ص ۴۷۰۔



جہاں عام قیدی ٹھہرائے جاتے تھے۔<sup>۱</sup> اور سید الشہداء کا سرمقدس یزید (لح) کے سامنے طشت طلائی میں رکھ کر پیش کیا گیا۔<sup>۲</sup>

راویان اخبار کا بیان ہے کہ اس وقت یزید شراب نوشی میں مشغول تھا۔<sup>۳</sup>

امام رضا علیہ السلام سے اس سلسلہ میں جو حدیث مروی ہے اس میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس وقت یزید عنید کی حالت کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ فضل بن شاذان بیان کرتے ہیں کہ ﴿سمعت الرضا يقول لما حمل رأس الحسين الى الشام امر يزيد لعنه الله فوضع و نصب عليه مائدة فاقبل هو واصحابه ياكلون و يشربون الفقاع فلما فرغوا امر بالراس فوضع في طشت تحت سريرة و بسط عليه رقعة الشطرنج و جلس يزيد لعنه الله يلعب بالشطرنج و يذكر الحسين بن علي عليهما السلام و آباءه و جده عليهم السلام و يستهزئ بذكرهم فمتى قمر صاحبه تناول الفقاع فشربه ثلث مرات ثم صب فضله على ما يلي الطشت من الارض فمن كان من شيعتنا فليثورع من شرب الفقاع و اللعب بالشطرنج و من نظر الى الفقاع او الى الشطرنج فليذكر الحسين و ليلعن يزيد و آل زياد يمحوا الله عز و جل بذالك ذنوبه كلها ولو كانت بعدد النجوم﴾۔

جب امام حسینؑ کا سرمقدس شام میں یزید کے پاس لایا گیا تو یزید نے حکم دیا کہ اس کے اوپر دسترخوان بچھایا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور یزید نے اپنے یار دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر شراب نوشی کی۔ بعد ازاں سرانور طشت طلائی میں رکھ کر سریر کے نیچے رکھ دیا اور اوپر بساط شطرنج بچھا کر شطرنج کھیلنا شروع کیا۔ اور ساتھ ہی امام حسینؑ اور ان کے اب وجد کا برائی کے ساتھ ذکر کرتا جاتا تھا۔ جب کھیل میں اپنے ساتھیوں پر غلبہ حاصل کرتا تو شراب کے تین جام چڑھا جاتا اور تلپٹھٹ سرمقدس کے پاس زمین پر انڈیل دیتا۔ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں جو ہمارا شیعہ ہے اسے لازم ہے کہ شراب نوشی اور شطرنج بازی سے اجتناب کرے اور جو شخص کبھی شراب یا شطرنج کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ امام حسینؑ کو یاد کرے (ان پر درود و سلام بھیجے) اور یزید اور آل یزید (آل زیاد) پر لعنت کرے۔ ایسا کرنے سے خدا اس کے گناہ معاف کر دے گا اگرچہ تعداد میں ستارہ ہائے آسمان کے برابر بھی ہوں۔<sup>۴</sup>

آہ ہ ہ ہجوم عام کجا آل بو تراب کجا سر حسینؑ کجا مجلس شراب کجا؟

۱۔ ابالی خدوق، ص ۱۰۰۔ لہوف، ص ۱۵۶ وغیرہ۔

۲۔ تقام، ص ۴۷۰۔ مقتل الحسين للمقرم، ص ۲۲۲۔ مرآة الجنان یا فنی، ج ۱، ص ۱۳۵۔

۳۔ لہوف، ص ۱۷۰۔

۴۔ من لا یحضرہ الفقیہ، ص ۱۱۱۔ عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۲۷۔ تقام، ص ۴۷۹۔



بہر حال جب جناب سید الشہداء کا سر مقدس یزید عنید (لع) کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ بہت مسرور و شاد کام ہوا۔ اور کہا: ﴿یوم بیوم بدر﴾۔ آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے۔ اسی پر اکتفاء نہ کی بلکہ چھڑی سے جناب سید الشہداء کے لب و دندان مبارک کی بے ادبی کی اور اس کے ساتھ ساتھ نشہ فتح و سرور سے چور ہو کر حصین بن حمام مری کے یہ شعر پڑھے۔

ابنی قومنا ان ینصفونا فانصفت      قواضب فی ایماننا تقطر الدماء  
نفلق هاماً من رجال اعزۃ      علینا و ہم کانوا اعقا و اظلما<sup>۲</sup>

اس وقت ابو بزرہ صحابی رسولؐ وہاں موجود تھے۔ وہ یہ کیفیت دیکھ کر تاب ضبط نہ لاسکے اور پکار کر کہا: ﴿ویحک یا یزید! انکت بقضیبک ثغر الحسینؑ بن فاطمہ! اشہد لقد رأیت النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یرشف ثنایاہ و ثنایا اخیه الحسن علیہما السلام و یقول انتما سیدا شباب اہل الجنۃ فقتل اللہ قاتلکمما و لعنہ و اعد لہ جہنم و ساء لہ مصیراً﴾ ”وائے ہونم پر اے یزید! تم چھڑی سے حسینؑ بن فاطمہ کے لب و دندان کی بے ادبی کرتے ہو؟ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے جناب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ان کے اور ان کے بھائی حسن کے لب و دندان پر بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم دونوں جو انان جنت کے سردار ہو! خدا تمہارے قاتل کو قتل کرے، لعنت کرے اور اس کے لئے عذاب جہنم مہیا کرے اور وہ بہت ہی بری بازگشت ہے۔“

راوی کا بیان ہے کہ ابو بزرہ کا یہ کلام حق ترجمان سن کر یزید غضبناک ہو گیا اور اسے دربار سے نکال دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ درباریوں نے کھینچ کر اسے دربار سے باہر نکال دیا۔<sup>۳</sup>

۱۔ تاریخ الخلفاء، ص ۲۰۸۔ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۳۰۰۔ ۲۔ مقتل الحسین، ص ۳۲۳۔ مناقب شہر آشوب، ج ۳، ص ۱۰۰۔  
۳۔ تاریخ طبری، ج ۶، ص ۲۶۷۔ کامل، ج ۳، ص ۲۹۸۔ صواعق محرقہ، ص ۱۱۹۔ تذکرۃ الخواص، ص ۲۶۲۔ بدایہ و نہایہ ابن کثیر، ج ۸، ص ۱۹۲ وغیرہ۔

۴۔ مہوف، ص ۱۶۰۔ طبری، ج ۶، ص ۲۶۷۔ مقتل الحسین، ص ۳۲۵۔ فصول مہرہ، ص ۲۰۵۔  
**فائدہ:** ابن جوزی نے اپنی کتاب ”الرد علی المحصب العنید“ میں یزید کی اسی حرکت شنیعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: (علی ما نقلہ فی نفس المہموم، ص ۲۳۳) ﴿لیس العجب من فعل عمر بن سعد و عبید اللہ بن زیاد و انما العجب من خذلان یزید و ضربہ بالقضیب علی ثنیۃ الحسین علیہ السلام و اغارته علی المدینۃ اذ یجوز ان یفعل هذا بالخوارج او لیس فی الشرع انہم یدفنون اما قولہ لی ان اسبہم فامر لا یقع لفاعلہ و معتقدہ باللعنۃ و لو انہ احترم الراس حین و صولہ و صلی علیہ و لم یرکہ فی الطست و لم یضربہ بقضیب ما الذی کان یضربہ و قد حصل مقصودہ من القتل و لکن احقاد جاہلیہ و دلیلہا ما تقدم من انشادہ لیت اشیاء یبدر شہدوا... الخ﴾

[ بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴۳ پر ]



## ایک بوڑھے شامی کی گستاخی اور پھر توبہ

ادھر دربار میں یہ کارروائی ہو رہی تھی اور ادھر جہاں امام سیڑھیوں کے پاس تشریف فرما تھے ایک عجیب واقعہ درپیش آیا۔ ایک عمر رسیدہ شامی جو حقیقت حال سے بالکل ناواقف تھا اور بنی امیہ کے غلط پراپیگنڈے کا شکار تھا مخدرات عصمت و طہارت کے قریب آ کر کہنے لگا: ﴿الحمد لله الذي قتلکم و اهلکم و اراح البلاد عن رجالکم و امکن امیر المؤمنین منکم﴾ خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں قتل کیا اور لوگوں کو تمہارے مردوں کے شر سے راحت پہنچائی اور امیر (یزید) کو تم پر فتح و نصرت عطا کی۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے علم امامت سے دیکھا کہ جو ہر قابل ہے مگر صرف غلط فہمی کا شکار ہے۔ لہذا چاہا کہ اس کے سامنے چراغ ہدایت روشن کر دیں۔ فرمایا: ﴿یا شیخ! اهل قرأت القرآن؟﴾ اے شیخ! کیا تو نے قرآن پڑھا ہے؟ کہا: ہاں۔ فرمایا: ﴿فهل عرفت هذه الاية قل لا اسئلكم عليه اجراً الا المؤدة فی القربی﴾ کیا آیت مؤدت کو پہچانتے ہو؟ شیخ نے کہا: ہاں پہچانتا ہوں۔ فرمایا: ﴿نحن القربی﴾ وہ قرابتداران رسولؐ ہم ہیں۔ پھر فرمایا: ﴿یا شیخ! فهل قرأت فی بنی اسرائیل و آت ذو القربی حقہ﴾ اے شیخ! کیا تو نے سورہ بنی اسرائیل میں یہ آیت پڑھی ہے کہ اے رسولؐ قرابتداروں کو ان کا حق دے دو۔ شیخ نے کہا: ہاں ضرور پڑھی ہے۔ فرمایا: وہ قرابتدار ہم ہیں۔ پھر فرمایا: ﴿یا شیخ! اهل قرأت هذه الاية و اعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسہ و للرسول و لذی القربی﴾ اے شیخ! کیا یہ آیت پڑھی ہے جس میں خدا فرماتا ہے کہ جب تمہیں کسی قسم کی غنیمت حاصل ہو تو اس کا پانچواں حصہ خدا، رسولؐ اور ذوی القربی کے لئے ہے۔ کہا، ہاں پڑھی ہے۔ امام نے فرمایا: ﴿فنحن القربی﴾ وہ اقرباء رسولؐ ہم ہیں۔ پھر فرمایا: ﴿یا شیخ! فهل قرأت هذه الاية انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطہرکم تطہیراً﴾ اے شیخ! کیا آیت تطہیر انما یرید الله پڑھی

[ بقیہ حاشیہ از صفحہ نمبر ۵۴۲ ]

ہمیں عمر بن سعد اور عبید اللہ بن زیاد کے افعال (ناشائستہ) سے تعجب نہیں بلکہ ہمیں تو یزید کے حرکات سے تعجب ہے کہ اس نے امام حسین علیہ السلام کے لب و دندان پر چھڑی سے بے ادبی کی اور مدینہ النبی کو لوٹا۔ کیا خارجیوں کے ساتھ بھی ایسا سلوک کرنا روا ہے؟ کیا شرع انور میں یہ حکم نہیں کہ ان کو دفن کیا جائے؟ باقی رہا یزید کا یہ کہنا کہ مجھے حق حاصل ہے کہ میں ان پسماندگان حسین کو قید کروں! یہ ایسا جرم ہے کہ اس کے مرتکب پر صرف لعنت کرنے پر اکتفا نہیں کی جاسکتی۔ جب سر امام یزید کے پاس پہنچا تھا اگر وہ اس کا احترام کرتا اور اس پر نماز جنازہ پڑھتا اور اسے طشت میں رکھ کر چھڑی سے اس کی بے ادبی نہ کرتا تو اس کا کیا نقصان ہوتا تھا حالانکہ قتل امام سے اس کا مقصد تو حاصل ہو چکا تھا لیکن عہد جاہلیت والے حق و کینہ نے اسے ایسا کرنے پر آمادہ کیا جس کی دلیل اس کے یہ اشعار ہیں۔

لیت اشیاخی بیدر شہد ولہ الخ۔

(منہ غشی عنہ)



ہے؟ شیخ نے عرض کیا۔ ہاں یہ آیت بھی پڑھی ہے۔ امام نے فرمایا: ﴿فَنَحْنُ أَهْلُ الْبَيْتِ الَّذِينَ خَصَّصَنَا اللَّهُ بِآيَةِ التَّطَهِيرِ يَا شَيْخُ﴾ اے شیخ! ہم ہی وہ اہل بیت ہیں جن کو خدا نے آیت تطہیر کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔

شامی امام کا یہ کلام حقیقت ترجمان سن کر اپنے گستاخانہ کلام کی وجہ سے بالکل ساکت و صامت ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد بولا: ﴿بِاللَّهِ انْكُمْ هُمْ؟﴾ خدا کے لئے سچ بتاؤ کیا آپ حقیقتاً وہی لوگ ہیں؟ امام نے فرمایا: ﴿فَاللَّهِ اَنَا لَنَحْنُ هُمْ مِنْ غَيْرِ شَكٍّ وَحَقٌّ جَدُّنَا رَسُولُ اللَّهِ اَنَا لَنَحْنُ هُمْ﴾ خدا کی قسم! بلا شک و لا ریب ہم ہی وہ لوگ ہیں۔ اپنے جد نامدار کے حق کی قسم! یقیناً ہم ہی وہی لوگ ہیں۔ یہ سنتے ہی شیخ شامی نے زار و قطار رونا شروع کر دیا اور عمامہ سر سے اتار کر زمین پر پھینک دیا۔ پھر آسمان کی طرف سر بلند کر کے کہا: ﴿اَللّٰهُمَّ اِنَّا نُبِرِّءُ الْيَك مِنْ عَدُوِّ آلِ مُحَمَّدٍ مِنَ الْجَنِّ وَالْاِنْسِ﴾ یا اللہ! ہم دشمنان آل محمد سے بیزار ہیں خواہ وہ جن ہوں یا انسان! بعد ازاں امام کی خدمت میں عرض کیا: ﴿هَلْ لِيْ مِنْ تَوْبَةٍ﴾ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ امام نے فرمایا: ﴿نَعَمْ اِنْ تَبْتَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَ اَنْتَ مَعْنَا﴾ ہاں! اگر تم صدق دل سے توبہ کر لو تو ضرور خدا تمہاری توبہ قبول فرمائے گا اور تمہارا حشر و نشر ہمارے ساتھ ہوگا۔ یہ مژدہ سن کر شیخ نے دل کی گہرائیوں سے کہا۔ میں تائب ہوں۔ جب اس واقعہ کی اطلاع یزید کو ملی تو اس نے شیخ کو شہید کرادیا۔<sup>۱</sup> رضوان اللہ علیہ۔

اس کے بعد اسیران آل محمد کو دربار میں حاضر کیا گیا۔ روایت میں وارد ہے کہ جب ام المصائب جناب زینب کی اس حال میں بھائی کے سراقدس پر نظر پڑی تو بی بی نے شدت غم سے اپنا گریبان چاک کر دیا اور غمگین لب و لہجہ میں فرمایا: ﴿يَا حَسِيْنَاهُ! يَا حَبِيْبَ رَسُوْلٍ اَللّٰهُ يَا بِنَ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءُ سَيِّدَةَ النِّسَاءِ يَا بِنْتَ الْمُصْطَفٰى﴾۔ بی بی کے غم میں ڈوبے ہوئے یہ کلمات سن کر حاضرین دربار رو پڑے۔ مگر یزید پلید ملعون خاموش بیٹھا رہا۔<sup>۲</sup> اور جناب فاطمہ بنت الحسین نے فرمایا: ﴿يَا يَزِيْدُ اَبْنَاتِ رَسُوْلٍ اَللّٰهُ سَبَايَا؟﴾ اے یزید! کیا یہ جائز ہے کہ رسول زادیاں قید ہوں؟<sup>۳</sup>

### زحر بن قیس کی دربار یزید میں غلط رپورٹ

زحر بن قیس ملعون نے واقعات کربلا کی مسخ شدہ رپورٹ پیش کی جس میں حسینی فوج کے عدیم النظیر کارناموں پر پردہ ڈالنے اور یزیدی فوج کی من گھڑت جرأت و دلیری کے افسانے بیان کرنے کی مذموم کوشش کی گئی

۱۔ ملہوف، ج ۱۵۸۔ تہقام، ج ۳۶۸۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۱۲۔ روح المعانی للآلوسی، ج ۲۵، ص ۳۱۔ مقتل الحسین للخوازمی، ج ۲، ص ۶۲۔

۲۔ ملہوف، ص ۱۵۹۔

۳۔ تاریخ، ج ۶، ص ۳۲۸۔



تھی، جس کا خلاصہ یہ تھا۔ اے امیر! حسینؑ اپنے خاندان کے اٹھارہ اور اشیاع و اصحاب میں سے ساٹھ آدمیوں کو لے کر کر بلا پہنچے۔ ہم نے ان سے کہا۔ کہ دو باتوں میں سے ایک اختیار کر لیں۔ یا تو غیر مشروط طریقہ پر اپنے تئیں عبید اللہ بن زیاد کے حوالے کر دین یا پھر جنگ و جدال کے لئے تیار ہو جائیں۔ انہوں نے جنگ کو اختیار کیا۔ پھر کیا تھا ہم نے ان کو چاروں طرف سے گھیر کر اس طرح حملہ کر دیا جس طرح شقرا کبوتروں پر کرتا ہے۔ وہ ادھر ادھر بھاگتے پھرتے تھے، مگر کوئی جائے پناہ نہ ملتی تھی۔ بس اتنی دیر گزری ہوگی جتنی ذبح کرنے میں لگتی ہے یا جتنی دیر کوئی شخص دو پہر کا قیلولہ کرتا ہے کہ ہم نے سب کو تہ تیغ کر دیا، اب ان کے جسم بلا لباس کر بلا میں خاک و خون میں غلطاں پڑے ہیں۔

اس وقت یزید جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اپنے ندیموں کے ساتھ شطرنج کھیلنے اور شراب پینے میں مشغول تھا۔ ظاہری فتح و کامرانی کی دوا آتش شراب کے نشے سے چور چور ہو کر ترنگ میں آ گیا اور یہ کفریہ اشعار پڑھنے لگا۔

لیت اشیاعی ببدر شہدوا جزع الخرج من وقع الاسل

اے کاش! میرے بدر والے وہ بزرگ آج موجود ہوتے جنہوں نے اس جنگ میں نیزوں کے لگنے سے خرج کی جزع فزع دیکھی تھی۔

SIBTAIN.COM

لاهلوا واستهلوا فرحاً ثم قالوا یا یزید لا تشل وہ تو یقیناً خوش ہوتے اور خوش ہو کر بآواز بلند پکار کر کہتے، اے یزید! تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔

قد قتلنا القرم من ساداتہم وعدلنا ببدر فاعتدل

ہم نے جی ہاشم کے سرداروں میں سے بڑے سردار کو قتل کر دیا ہے۔ اس طرح جب ہم نے اس واقعہ کا بدر سے موازنہ کیا ہے تو مقابلہ برابر ہو گیا ہے۔

طبری، ج ۶، ص ۲۶۴۔ کامل، ج ۳، ص ۲۹۸۔ ارشاد، ص ۲۵۸۔

**تبصرہ :-** تاریخ کامل ابن اثیر کا فاضل محشی زحر بن قیس کی اس رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے: ﴿ہذا هو الفخر المزیف والکذب الصریح فان کل المورخین یذکرون لمن کان مع الحسینؑ ولہ ثباتاً لا یتارعه ثبات و اباء و شمایل ان یرى لکسور قل ناصروه و کثروا قروہ﴾۔ یہ ہے غلط فخر اور کھلم کھلا جھوٹ، کیونکہ تمام مورخین متفق ہیں کہ حسینؑ اور ان کے اصحاب نے جس جرأت و ہمت کا عملی مظاہرہ کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی اور جس عزت نفس کا ثبوت دیا ہے اس کی نظیر ایسے لوگوں میں کم نظر آئے گی جو کثرت اعداء میں گھرے ہوئے ہوں، جن کے مددگار کم اور دشمن زیادہ ہوں۔ (منہ غنی عنہ)



لعبت بنو ہاشم بالملک فلا خبر جاء ولا وحی نزل

بنی ہاشم نے ملک حاصل کرنے کے لئے ایک ڈھونگ رچایا تھا ورنہ، نہ کوئی خبر آئی اور نہ کوئی وحی آسمان سے نازل ہوئی تھی۔

### دربار یزید میں نہن کبریٰ کا تاریخی خطبہ

یزید کے یہ کفریہ اشعار سنتے ہی رسول اسلام کی نواسی اور شیر خدا کی شیر دل بیٹی نہن کبریٰ سلام اللہ علیہا نے اپنا تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا، جس نے یزیدی ایوان حکومت کے درو دیوار کو ہلا کر رکھ دیا:

﴿الحمد لله رب العلمين و صلى الله على رسوله و آله اجمعين صدق الله سبحانه كذا لك يقول ثم كان عاقبة الدين اساء و السوء ان كذبوا بآيات الله و كانوا بها يستهزءون. اظننت يا يزيد حيث اخذت علينا اقطار الارض و آفاق السماء فاصبحنا نساق. كما تساق الاسارى ان بنا هواناً على الله و بك عليه كرامة و ان ذالك لعظم خطر ك عندك فشمخت بانفك و نظرت في عطفك جذلان مسروراً حيث رأيت الدنيا لك مستوثقة و الامور متسقة و حين صفالك ملكنا و سلطاننا فمهلاً مهلاً انسيت قول الله تعالى ولا يحسبن الذين كفروا انما نملى لهم خير لانفسهم انما نملى لهم ليزدادوا اثماً و لهم عذاب مهين۔ أمن العدل يا بن الطلقاء تخديرك حرانك و امانك و سوقك بنات رسول الله صلى الله عليه و آله و سلم سبايا قد هتكت ستورهن و ابدیت و جوههن تحدوا بهن الاعداء من بلد الى بلد و يستشرهن اهل المناهل و المناقل و يتصفح و جوههن القريب و البعيد و الدنى و الشريف ليس معهن من رجالهن و لى و لا من حماتهن حميم و كيف يرتجى مراقبة من لفظ فوه اكباد الازكياء و نبت لحمه من دماء الشهداء و كيف لا يستبطاء فى بعضنا اهل البيت من نظرنا بالشنف و الشنان و الاحن و الاضغان ثم تقول غير متاثم و لا مستعظم، لاهلوا و استهلوا فرحاً، ثم قالوا يا يزيد لا تشل، منتحياً على لنايا ابى عبد الله سيد شباب اهل الجنة تنكثها بمحضرتك و كيف لا تقول ذالك و قد نكأت القرحة و استاصلت الشافة بارقتك دماء ذرية محمد صلى الله عليه و آله و نجوم الارض من آل عبد المطلب و تهتف باشياحك زعمت انك تناديهم و لتردن و شيكا مورد هم و لتردن انك شللت و حكمت و لم تكن قلت ما قلت و فعلت ما فعلت اللهم خذ بحقنا و انتقم ممن ظلمنا



و احلل غضبك بمن سفك دماننا و قتل حماتنا فوالله ما فریت الا جلدك ولا حزرت الا لحمك و لتردن على رسول الله صلى الله عليه و آله بما تحملت من سفك دماء ذريتہ و انتھكت من حرمتہ فی عترتہ و لحمتہ حیث یجمع الله شملہم و یلم شعثہم و یاخذ بحقہم ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتاً بل احياء عند ربہم یرزقون و حسبک باللہ حاکماً و بمحمدٍ خصیماً و بجبرئیل ظہیراً و سيعلم من سؤل لک و مکک من رقاب المسلمین بنس للظالمین بدلاً و ایکم شر مکاناً و اضعف جنداً و لئن جرت علی الدواہی مخاطبتک انی لا تصغر قدرتک و استعظم تقریعک و استکثر توبیخک لکن العیون عبری و الصدور حری الا فالعجب کل العجب لقتل حزب الله النجباء بحزب الشیطان الطلقاء فھذه الایدی تنطف من دماننا و الافواه تتحلب من لحومنا و تلک الجثث الطواھر الزواکی تنتابھا العواسل و تعفرھا امھات الفراعل و لئن اتخذتھا مغنماً لتجدنا و شیکا مغرمات حین لا تجد الا ما قدمت یداک و ما ربک بظلام للعبید فالی الله المشتکی و علیہ المعول فکد کیدک واسع سعیک و ناصب جھدک فوالله لا تمحو ذکرنا ولا تمیت و حینا ولا تدرك امرنا ولا ترحض عنک عارھا و هل رایک الا فندا و ایامک الا عدد و جمعک الا بدد یوم ینادی المنادی الا لعنة الله علی الظالمین و الحمد لله رب العالمین الذی ختم لاولنا بالسعادة و المغفرة و لآخرنا بالشهادة و الرحمة و نسئل الله ان یکمل لھم الثواب و یوجب المزید و یحسن علینا الخلافة انه رحیم ودود و حسینا و نعم الوکیل ﴿۱﴾

سب تعریف اس خدا کے لئے ہے جو عالمین کا پروردگار ہے اور درود و سلام ہو اس کے رسول اور انکی اہل بیت پر! خدا کا ارشاد برحق ہے کہ ان لوگوں کا انجام جو برابر برے کام کرتے رہے یہ ہوا کہ خدا کی آیات کو جھٹلایا اور ان کے ساتھ تمسخر کیا۔ اے یزید! اس بات سے کہ تو نے ہم پر زمین کے گوشے اور آسمان کے کنارے تنگ کر دیئے اور ہمیں قیدیوں کی طرح ہنکایا جا رہا ہے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم خدا کی نظر میں ذلیل اور تو عزیز اور جلیل ہے؟ تو نے دیکھا کہ آج دنیا تجھے حاصل ہے اور تمام اسباب مجتمع ہیں اور ہماری سلطنت تیرے قبضہ اقتدار میں ہے۔ اس لئے کہ تو ناک چڑھا کر اتر رہا ہے اور سرور و شاد کام ہو رہا ہے۔ ٹھہر جلدی نہ کر! کیا تو خدا کا یہ فرمان بھول گیا ہے کہ ”کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ہم نے ان کو جو ڈھیل دے رکھی ہے یہ ان کے لئے بہتر ہے! ہم تو محض اس لئے ان کو مہلت دیتے



ہیں کہ وہ (دل کھول کر) گناہ زیادہ کر لیں۔ ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب موجود ہے۔ اے آزاد کردہ غلاموں کے بیٹے! کیا عدل و انصاف ہے کہ تو اپنی آزاد عورتوں اور لونڈیوں کو گھر میں پردہ کے اندر بٹھائے لیکن دختران رسول کو بے مقصد و چادر مکشفات الوجہ اس حال میں شہر بشہر پھرائے کہ چشمہائے آبی پر خیمہ زن اور خانہ بدوش نیز قریب و بعید، رذیل و شریف، حاضر و غائب غرضیکہ تمام اقسام کے لوگ ان کا نظارہ کر رہے ہیں اور ان کے ساتھ ان مردوں اور مددگاروں میں سے کوئی نہیں ہے۔ بھلا اس شخص سے کسی خیر و خوبی کی کیا امید ہو سکتی ہے جس کی (دادی نے) پاکبازوں کے جگر چبائے ہوں اور ان کا گوشت شہیدوں کے خون سے اگا ہوا اور رسول خدا کے خلاف جتنے اکٹھے کر کے جنگیں کی ہوں اور ایسا شخص ہم اہل بیت کے بغض و عداوت میں کیونکر تامل اور سستی کر سکتا ہے جو ہماری طرف سے دشمنی و عداوت اور حسد و کینہ کی نظر سے نگاہ کرتا ہے۔ پھر تو گناہ (اور امر عظیم) نہ سمجھتے ہوئے (بلکہ خوش ہو کر) کہتا ہے کہ اگر آج تیرے بدرواے مقتول موجود ہوتے تو خوش ہو کر تجھے عدا دیتے کہ اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔ اے یزید! تو جو انسان جنت کے سردار ابو عبد اللہ (الحسین) کے لب و دندان پر اپنی چھڑی سے بے ادبی کرتا ہے؟ تو کیوں ایسا نہ کرے، جبکہ تو نے ہمارے زخم کو گہرا کر دیا اور ذریت رسول اور عبدالمطلب کی اولاد میں سے ستارہ ہائے زمین کے خون مقدس بہا کر ان کی جڑ کو اصل سے اکھینڈ دیا پھر خوش ہو کر اپنے بزرگوں کو پکارتا اور صدا دیتا ہے۔ عنقریب تو ان کے انجام سے دوچار ہوگا اور انہی کے مورد میں وارد ہوگا۔ اس وقت تو (اپنے اس رویہ و رفتار کی وجہ سے) اس بات کو پسند کرے گا کہ کاش تیرے ہاتھ شل ہوتے اور تو گونگا ہوتا اور جو کچھ کہا اور کیا ہے نہ کہتا اور نہ کرتا۔ یا اللہ! ہمارا حق حاصل کر اور ہمارے ظالموں سے انتقام لے اور جن لوگوں نے ہمارا خون بہایا ہے اور ہمارے مددگاروں کو قتل کیا ہے ان پر اپنا قہر و غضب نازل کر۔ اے یزید! خدا کی قسم تو نے اپنا چمڑا کاٹا ہے اور اپنے ہی گوشت کے ٹکڑے کئے ہیں۔ تو ذریت رسول کا خون بہانے اور انکی ہتک حرمت کرنے کا بوجھ اٹھا کر عنقریب رسول خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوگا جبکہ (بروز قیامت) خدا ان سب کو ایک جگہ جمع کر لے گا۔ ان کی پراگندگی کو دور کرے گا اور ان کے دشمنوں سے ان کا انتقام لے گا۔ جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہو گئے ان کو مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار سے رزق پاتے ہیں۔ تیرے لئے خدا کا حاکم ہونا، پیغمبر کا دشمن ہونا اور جبرائیل کا (تمہارے برخلاف) ہمارا مددگار ہونا کافی ہے۔ جن لوگوں نے تیرے لئے زمین ہموار کی اور تجھے مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کیا ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ظالموں کا کس قدر برا انجام ہے اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ کس کا انجام برا اور لشکر کمزور ہے۔

اے یزید! یہ بھی انقلاب روزگار اور حوادث دہرنا ہنجر کا شاہکار ہے کہ میں تجھ سے خطاب کروں؟ میں تیرے مقام کو اس سے کہیں پست تر اور تیری زبردستی کرنے کو سخت عظیم سمجھتی ہوں مگر کیا کروں۔ آنکھ گریاں اور سینہ



سوزاں و بریاں ہے۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ شیطانی گروہ اور اولاد و تلقاء نے خدا کے نجیب گروہ کو قتل کر دیا ہے۔ یہ دیکھئے ان ہاتھوں سے ہمارا خون بہہ رہا ہے اور ان مونہوں سے ہمارا گوشت گر رہا ہے۔ افسوس ہے کہ کربلا میں ابدان طاہرے گور و کفن پڑے ہوئے ہیں۔

اے یزید! اگر آج تو ہماری (خاہری کمزوری) کو اپنے لئے غنیمت سمجھ رہا ہے تو کل فردائے قیامت تو اسی بات کو تاوان سمجھے گا جب تو سوائے اپنے ہاتھوں کے کر تو توں کے اور کچھ نہ پائے گا اور خدا اپنے بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا۔ ہم بارگاہ خدا میں ہی شکوہ و شکایت کرتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جس قدر جی چاہے مکر و فریب کر لے اور جس قدر چاہے تگ و تاز کر لے اور جی بھر کر جد و جہد کر لے۔ خدا کی قسم! تو ہرگز ہمارے ذکر جمیل مٹا نہیں سکتا۔ نہ ہماری وحی (شریعت) کو ختم کر سکتا ہے اور نہ ہی ہمارے مقام کی بلندی کو چھو سکتا ہے اور نہ اپنے کر توں کی عار و شناء کو دور کر سکتا ہے۔ تیری رائے و تدبیر کمزور! اور (بادشاہی) گنتی کے چند یوم اور تیری جماعت پر اگندہ ہے۔ وہ وقت قریب ہے جب ایک منادی ندا کرے گا، آگاہ باشید! لعنت ہو ظلم و ستم کرنے والی قوم پر!

اس خدا کی حمد و ثناء ہے جس نے ہمارے پہلے کا خاتمہ سعادت و مغفرت کے ساتھ اور آخری کا شہادت و رحمت کے ساتھ فرمایا۔ ہم اس سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ان کے اجر و ثواب کو مکمل فرمائے اور مزید اجر جزیل عطا فرمائے اور ہمیں ان کی صحیح جانشینی کرنے کی توفیق دے۔ وہ بڑا مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔ **حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔**

**تبصرہ**

رازق الخیری نے اپنی کتاب ”سیدہ کی بیٹی“ میں بطلہ کربلا کے اس عظیم خطبہ عالیہ کے متعلق جن پاکیزہ خیالات کا اظہار کیا ہے ہم بلا تبصرہ یہاں پیش کرتے ہیں:

”یزید کا دربار شامیوں سے کچھا کچھ بھرا ہوا تھا مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب کو سانپ سوگھ گیا ہے۔ ہر شخص بے حس و حرکت اس طرح بیٹھایا کھڑا تھا جس طرح پتھر کی مور قیں۔ ان کی زبانیں اور ان کے ہونٹ چپکے ہوئے تھے۔ ان کے دل دریائے حیرت میں غوطے کھا رہے تھے۔ ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں، جب شیر خدا کی بیٹی لاکھوں کے مجمع میں شیر کی طرح دھاڑ رہی تھی اور رعیت کے سامنے ان کے بادشاہ کو لاکار رہی تھی۔ خود یزید دانت پیس پیس لیتا، ہونٹ چباتا اور تاؤ بیچ کھا رہا تھا، مگر زبان سے ایک لفظ نہ نکلتا تھا۔ سیدہ کی بیٹی کی تقریر روانی کا ایک چشمہ تھا کہ ابلا چلا آ رہا تھا اور فصاحت و بلاغت کا ایک دریا تھا جو بے چلا جا رہا تھا اور کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اس تقریر سے بی بی زینبؓ نے صداقت اور حق گوئی کا حق ادا کر کے اسلام کی ناقابل فراموش خدمت انجام دی۔ اس تقریر سے شامیوں کو معلوم ہو گیا خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو کر اسلام کو کیسا زبردست دھچکا لگا ہے۔“



## جناب فاطمہ بنت الحسینؑ اور ایک ناواقف حال شامی کی گستاخی

جناب بی بی کا یہ خطبہ سن کر یزید نے صرف اس قدر کہا۔

یا صبیحة تحمد من صوانح ما اھون الموت عن النوانح لـ

آل رسولؐ کے لئے کس قدر ہوش رہا اور صبر آزمائی وہ سماعت جب ایک شامی نے جناب فاطمہ بنت الحسینؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حاکم وقت یزید سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ﴿یا امیر المومنین! ہب لی هذه الجارية﴾ اے امیر! یہ کنیز مجھے دے دیں۔ یہ منحوس آواز سنتے ہی جناب فاطمہؑ اپنی پھوپھی زینبؑ عالیہ کے دامن سے لپٹ گئیں اور کہا: ﴿یا عمامہ! او تمت و استخدمت؟﴾ پھوپھی اماں! کیا یتیمی کے بعد اب مجھے کنیز بھی بنایا جا رہا ہے؟ جناب بی بی عالم نے بھتیجی کو تسلی و تشفی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿لا ولا کرامة له﴾ نہیں بیٹی! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ پھر بی بی نے شامی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿کذبت و لومت ما ذالک لک لاله﴾ او شامی! تو نے غلط کہا اور اپنی کمینگی کا مظاہرہ کیا۔ ایسا کرنے کا نہ کوئی تجھے حق ہے اور نہ اس (یزید) کو۔ یزید نے کہا: ﴿لو اردت لفعلت!﴾ اگر میں چاہوں تو ایسا کر سکتا ہوں۔ ابوترابؑ کی صاحبزادی نے پوری جرأت و استقلال کے ساتھ فرمایا: ﴿کلا و اللہ! ما جعل اللہ لک ذالک؟ الا ان تخرج عن ملتنا و تدین بغير ديننا﴾ ہرگز نہیں! خدا کی قسم ہرگز خدا نے تجھے یہ حق نہیں دیا مگر یہ کہ ہمارے دین سے کھلم کھلا نکل کر کوئی اور دین اختیار کر لے۔ اس پر یزید نے جھلا کر کہا: ﴿انما خرج من الدین ابوک و اخوک!﴾ دین سے تیرا باپ اور بھائی نکلے ہیں (خاک بدہن قائل)۔ بی بی نے فرمایا: ﴿بدین اللہ و دین جدی و ابی و اخی اھتدیت انت و ابوک ان کنت مسلماً﴾ اگر تو مسلمان ہے تو تو نے اور تیرے باپ نے ہمارے جد (نانا) و اب (بابا) اور بھائی کے ذریعے سے ہدایت حاصل کی ہے۔ یزید نے براہ فرودختہ ہو کر کہا: ﴿کذبت یا عدوة اللہ﴾ اے خدا کی دشمن تو نے غلط کہا ہے۔ (معاذ اللہ)۔ یزید کا یہ ہنگ آمیز جواب سن کر زہراؑ زادی آبدیدہ ہو گئی اور فرمایا: ﴿انت امیر مسلط تشتم ظالماً و تفھر بسطانک﴾ تو حاکم ہے اس لئے گالیاں دیتا ہے اور ظلم و جور کرتا ہے۔ اس اثناء میں اس شامی نے پھر یہی مطالبہ دہرایا۔ یزید نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا: ﴿اغرب ذھب اللہ لک حتفاً قاضياً﴾ دور ہو جا خدا تجھے موت دے۔ بعض کتب میں یہ بھی مذکور ہے کہ عقیلہؑ بنی ہاشم اور یزید کی باہمی گفتگو کے بعد شامی نے

۱۔ مہوف، ص ۱۶۶۔

۲۔ محلی نہ رہے کہ ان کتب میں اس واقعہ کی نسبت فاطمہ بنت علیؑ کی طرف دی گئی ہے لیکن ہماری کتب کی روایت کے مطابق یہ واقعہ جناب فاطمہ بنت الحسینؑ کے ساتھ پیش آیا۔ (منہ عفی عنہ)



دوبارہ اپنی خواہش کا اظہار کرنے کی بجائے یزید سے دریافت کیا: یہ لڑکی کون ہے؟ یزید نے کہا: یہ فاطمہ بنت الحسینؑ اور وہ زینب بنت علیؑ ہیں۔ شامی نے تعجب انگیز لہجہ میں پوچھا: حسین بن فاطمہ علیہا السلام وعلی ابن ابی طالب! یہ اسی حسینؑ کی بیٹی ہیں جو فاطمہ زہرا اور علی ابن ابی طالبؑ کے فرزند ہیں؟ یزید نے کہا: ہاں اسی حسینؑ کی بیٹی ہیں! یہ سننا تھا کہ شامی کے تن من میں آگ لگ گئی اور پکار کر کہا: ﴿لَعْنُكَ اللَّهُ يَا يَزِيدُ! اَتَقْتُلُ عَتْرَةَ نَبِيكَ وَتَسْبِي ذُرِّيَّتَهُ وَاللَّهِ مَا تَوْهَمْتَ إِلَّا أَنَّهُمْ سَبَى الرُّومَ﴾ اور یزید! خدا تجھ پر لعنت کرے، تو عترت رسول کو قتل کرتا ہے اور پھر ذریت رسول کو قید کرتا ہے۔ خدا کی قسم میرا تو یہ خیال تھا کہ یہ روم کے قیدی ہیں۔ یزید نے غصہ سے آگ بگولہ ہو کر کہا۔ ابھی میں تمہیں بھی انہیں کے ساتھ ملحق کرتا ہوں۔ پھر حکم دیا اور اس شامی کی گردن اڑادی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے نازک حالات میں ثانی زہراؑ نے ذریت رسول کی عظمت ظاہر کرتے ہوئے یزید ایسے بد مغز بادشاہ کو ایسے بیباکانہ اور دندان شکن جوابات دے کر اس کی حکومت کے ارکان کو بالکل کھوکھلا کر دیا۔

### امام زین العابدینؑ کے ساتھ یزید کا مکالمہ

دربار یزید عنید نے امام زین العابدینؑ کو زبانی ایذا رسانی کی خاطر کئی بار چھیڑا مگر ہر بار امام عالی وقار نے اسے وہ دندان شکن جوابات دیئے کہ یزید کھسیانہ ہو کر رہ گیا۔

ایک مرتبہ امام کو خطاب کر کے کہا: ﴿كَيْفَ صَنَعَ اللَّهُ بِكَ يَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ﴾ اے علی ابن الحسینؑ! تم نے اپنے ساتھ خدا کا سلوک کیسا دیکھا؟ امامؑ نے فرمایا: ﴿رَأَيْتُ مَا قَضَاهُ عَزَّ وَجَلَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ میں نے وہی دیکھا ہے جس کا خدا نے زمین و آسمان کی خلقت سے بھی پہلے فیصلہ کر دیا تھا۔

یزید نے کہا: ﴿يَا بَنَ حُسَيْنٍ! أَبُوكَ قَطَعَ رَحْمِي وَجَهْلَ حَقِّي وَ نَازَعَنِي سُلْطَانِي فَصَنَعَ اللَّهُ بِهِ مَا قَدَرَأَيْتَ﴾ اے فرزند حسینؑ! تیرے باپ نے مجھ سے قطع رحمی کی۔ میرے حق کو نہ پہچانا اور میری سلطنت میں مجھ سے جھگڑا کیا۔ لہذا آپؑ نے دیکھ لیا کہ خدا نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ امامؑ نے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ﴿وَلَا يُلِيْ أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ زمین میں تمہیں جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہاری خلقت سے پہلے کتاب (لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہوتی ہے اور یہ بات خدا پر بالکل آسان ہے۔

۱۔ مہوف، ص ۱۶۷۔ نظام، ص ۴۷۸۔ نفس المہوم، ص ۲۴۱ وغیرہ۔ ۲۔ مقتل الحسین، ص ۳۱۹، بحوالہ اثبات الوصیۃ، ۱۳۳۰ھ۔



یزید نے یہ آیت پڑھی: ﴿مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ﴾ تمہیں جو تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ امام نے فرمایا: ﴿مَا هَذِهِ وَفِينَا نَزَلَتْ أَنْمَا نَزَلَتْ فِينَا مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَاهَانَ ذَالِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ لَكَيْلًا تَأْسُو عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ﴾<sup>۱</sup>

یہ آیت ہمارے حق میں نہیں نازل ہوئی، ہمارے بارے میں تو یہ آیت اتری ہے کہ تم پر جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمہاری خلقت سے بھی پہلے کتاب میں لکھ دی گئی ہے اور یہ بات خدا پر آسان ہے تاکہ جو کچھ فوت ہو جائے اس پر افسوس نہ کرو اور جو کچھ مل جائے اس سے خوش نہ ہو۔

﴿فَنَحْنُ لَا فَاتَنِي عَلَى مَا فَاتَنَا وَلَا تَفْرَحُ بِمَا آتَانَا﴾ پس ہم وہ لوگ ہیں جو چیز ہم سے فوت ہو جائے اس پر افسوس نہیں کرتے اور جو مل جائے اس پر خوش و غرم نہیں ہوتے۔<sup>۲</sup>

بعض آثار میں وارد ہے کہ یزید نے امام بیمار سے کہا: ﴿ارَادَ جَدُّكَ وَابُوكَ أَنْ يَكُونَا امِيرَيْنِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي قَتَلَهُمَا وَسَفَكَ دِمَاهُمَا﴾ آپ کے جد (علی) اور باپ (حسین) نے چاہا کہ وہ امیر و بادشاہ بنیں لیکن خدا کا شکر ہے جس نے ان کو قتل کیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَمْ تَزَلِ النَّبُوءَةُ وَالْأَمْرَةُ لِأَبْنَائِي وَاجْدَادِي قَبْلَ أَنْ تُولَدَ﴾<sup>۳</sup> اے یزید! ابھی تو پیدا بھی نہیں ہوا تھا کہ میرے آباء و اجداد کے خاندان میں نبوت اور امارت موجود تھی۔<sup>۴</sup>

### یزید کا ایک دین فروش خطیب کو مذمت اہل بیت کا حکم دینا اور پھر امام کا خطبہ پڑھنا

جب اس طرح سوال و جواب سے یزید ذلیل و رسوا ہوا تو اپنی خفت اور سبکی کو کم کرنے کے لئے ایک دین فروش خطیب کو حکم دیا کہ منبر پر جا کر بزم خود بنی امیہ کے فضائل اور بنی ہاشم کے رذائل و مثالب بیان کرے۔ چنانچہ خطیب نے منبر پا جا کر مقدور بھر معاویہ و یزید کی مدح اور جناب امیر اور سید الشہداء کی قدح کی۔ یہ کیفیت دیکھ کر امام زین العابدین نے آواز بلند فرمایا: ﴿وَيْلَكَ أَيُّهَا الْخَاطِبُ! اشْتَرَيْتَ مَرْضَاتِ الْمَخْلُوقِ بِسَخَطِ الْمَخَالِقِ فَتَبُو مَقْعَدَكَ مِنَ النَّارِ﴾ اے خطیب! افسوس ہے تجھ پر۔ تو نے خالق کو ناراض کر کے مخلوق کی رضامندی خریدی ہے اس لئے تو جہنم میں اپنی جگہ مہیا سمجھ۔<sup>۵</sup> جب وہ دین فروش ملا منبر سے نیچے اترتا تو امام نے یزید سے فرمایا مجھے اجازت ہے کہ ﴿إِنْ أَرَقِي هَذِهِ الْأَعْوَادَ وَاتَّكَلِمَ بِكَلَامٍ فِيهِ لِلَّهِ تَعَالَى رَضًى وَلِهَوْلَاءِ أَجْرٌ وَثَوَابٌ﴾

۲۔ تفسیر قمی، ج ۶، ص ۶۰۳۔

۱۔ عقد فرید، ج ۲، ص ۳۱۳۔ طبری، ج ۶، ص ۲۶۷۔

۳۔ لمہوف، ص ۱۶۷۔

۴۔ تقام، ص ۳۸۷۔



منبر پر چڑھ کر وہ کچھ بیان کروں جس میں خدا کی خوشنودی ہے اور ان لوگوں کے لئے باعث اجر و ثواب ہے۔ یزید نے کچھ پس و پیش کیا، لیکن حاضرین کے اصرار سے مجبور ہو کر اجازت دے دی۔ جب امام عالی مقام اپنے اصلی منصب و مقام پر پہنچے تو خدا کی حمد و ثناء اور پیغمبر اسلام پر درود و سلام بھیجنے کے بعد فرمایا: ﴿ایہا الناس من عرفنی فقد عرفنی ومن لم يعرفنی فانا اعرفہ بنفسی انا علی بن الحسین انا ابن البشیر النذیر انا ابن الداعی الی اللہ باذنه انا ابن السراج المنیر﴾ ”ایہا الناس! جو شخص مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا میں اسے اپنی معرفت کرائے دیتا ہوں۔ میں علی بن الحسین ہوں، میں بشیر و نذیر کا بیٹا ہوں، میں داعی الی اللہ کا بیٹا ہوں، میں سراج منیر (یعنی رسول خدا) کا فرزند ہوں۔“

احتجاج طبری ص ۱۶۹ میں ﴿فانا اعرفہ بنفسی﴾ کے بعد یوں وارد ہے: ﴿انا ابن مکة و منی و انا ابن المروة و الصفا و انا ابن محمد المصطفیٰ انا ابن من لا یخفی انا ابن من علی فاستعلی فجاء سدرۃ المنتہی فکان من ربہ قاب قوسین او ادنی﴾۔

بعض کتب میں آپ کا وہ خطبہ شریفہ ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ فرمایا: ﴿الحمد للہ الذی لا بدایۃ لہ الدائم الذی لا نفاذ لہ الاول الذی لا اول لا ولیتہ والآخر لا خیرتہ الباقی بعد فناء الخلق قدر الیالی والایام وقسم فیما بینہم الاقسام فتبارک اللہ العلام﴾ پھر فرمایا: ﴿معاشر الناس من عرفنی فقد عرفنی ومن لم يعرفنی فانا اعرفہ بنفسی انا ابن مکة و منی انا ابن المروة و الصفاء انا ابن محمد المصطفیٰ انا ابن من لا یخفی انا ابن من علی فاستعلی فجاز سدرۃ المنتہی و کان من ربہ کقاب قوسین او ادنی انا بن من صلی بملائکۃ السماء مشی مشی انا ابن من اسری بہ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی انا ابن علی المرتضیٰ انا ابن فاطمۃ الزہراء انا ابن خدیجۃ الکبریٰ انا ابن المقتول ظلماً انا ابن مجزوز الرأس من القفاء انا ابن العطشان حتی قبضنی انا ابن طریح کربلا انا ابن مسلوب العمامۃ و الرداء انا ابن من بکت علیہ ملائکۃ السماء انا ابن من ناحت علیہ الجن فی الارض و الطیر فی الهواء انا ابن من راسہ علی السنان یهدی انا بن من حرّمہ من العراق الی الشام تسبی۔ ایہا الناس! ان اللہ تعالیٰ ولہ الحمد ابتلانا اہل البیت ببلاء حسن حیث جعل رایۃ الہدی و العدل و التقی فینا و جعل رایۃ الضلالۃ و الردی فی غیرنا فضلنا اہل البیت خصال فضلنا بالعلم و الحلم و الشجاعة و السماحة و المحبة و المحلة فی قلوب المؤمنین و اتانا مالہ یؤت احداً



من العالمين فينا مختلف الملائكة و تنزيل الكتاب... الخ

میں صاحب مکہ و منی ہوں، میں صاحب مروہ و صفا ہوں، میں فرزند مصطفیٰ ہوں، میں اس باپ کا بیٹا ہوں جس کی شان مخفی نہیں ہے، میں اس بیٹا ہوں جو اس قدر بلند ہوا کہ سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے بڑھ گیا اور مقام قاب قوسین ادا دئی تک پہنچا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے فرشتوں کو نماز پڑھائی۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا۔ میں علی مرتضیٰ کا فرزند ہوں، میں فاطمہ زہرا کا فرزند ہوں، میں خدیجہ الکبریٰ کا فرزند ہوں، میں اس کا فرزند ہوں جسے ظلم و ستم سے شہید کیا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جسے پس گردن سے قتل کیا گیا، میں اس کا فرزند ہوں جو پیسا راہی ملک بقاء ہوا، میں شہید کر بلا کا فرزند ہوں، میں اس کا فرزند ہوں جس کی دوش سے چادر اور سر سے عمامہ اتار لیا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس پر فرشتوں نے آسمان میں، جنوں نے زمین میں اور پرندوں نے ہوا میں گریہ و بکاء کیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کا سر نوک سناں پر تحفہ درباروں میں پیش کیا جا رہا ہے۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کی مستورات کو عراق سے شام قید کر کے لایا جا رہا ہے۔

ایہا الناس! خداوند عالم نے ہم اہل بیت رسول کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ کہ علم ہدایت و عدل اور تقویٰ ہم میں مقرر فرمایا: اور علم ضلالت و ہلاکت ہمارے غیروں میں مقرر کیا۔ خداوند عالم نے ہمیں چھ چیزوں کے ساتھ فضیلت بخشی ہے۔ وہ ہیں علم۔ حلم۔ شجاعت۔ سخاوت محبت اور اہل ایمان کے دلوں میں منزلت۔ اور ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو عالمین میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کیا۔ ہمارے گھروں میں ملائکہ کی آمد و رفت کا سلسلہ قائم رہتا ہے اور ہمارے ہی گھر میں کتاب خدا اتری ہے۔

راویان اخبار کا بیان ہے کہ ابھی امام کا خطبہ جاری و ساری تھا کہ حاضرین دربار نے زار و قطار رونما شروع کر دیا۔ جب یزید نے یہ نازک صورت حال دیکھی اور انقلاب کا خطرہ محسوس کیا تو مؤذن کو حکم دیا کہ اذان دے چنانچہ مؤذن نے اذان دینا شروع کی۔ امام نے خطبہ بند کر دیا۔ مؤذن نے کہا: ﴿اللہ اکبر﴾ امام نے فرمایا: ﴿اللہ اکبر و اجل و اعلیٰ و اکرم مما اخاف و احذر﴾ مؤذن نے کہا: ﴿اشھد ان لا الہ الا اللہ﴾ امام نے فرمایا: ﴿نعم اشھد مع کل شاھدان لا الہ غیرہ ولا رب سواہ﴾ جب مؤذن نے کہا: ﴿اشھد ان محمداً رسول اللہ﴾ امام نے مؤذن سے فرمایا: ﴿اسئلک بحق محمد۔ ان تسکت حتی اکلم هذا﴾ تجھے انہی محمد کا واسطہ ذرا خاموش ہو جاتا کہ میں اس (یزید) سے کچھ کلام کر لوں۔ پھر یزید کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ھذا الرسول العزیز الکریم جدی ام جدک؟ فان قلت جدک علم الحاضرون والناس کلھم



انک کذاب و ان قلت انه جدی فلم قتل ابی ظلماً و عدواً و انتھبت مالہ و سبیت نسائہ فویل لک یوم القیامۃ اذا کان جدی خصمک ﴿﴾ یہ رسول اکرمؐ تیرے جد ہیں یا میرے؟ اگر تو یہ کہے کہ تیرے جد ہیں تو حاضرین اور تمام لوگ گواہی دیں گے کہ تو جھوٹا ہے اور اگر تو یہ مانتا ہے کہ یہ میرے جد ہیں تو پھر میرے باپ (حسینؑ) کو ظلم و جور سے کیوں شہید کیا ہے؟ پھر ان کے مال و اسباب کو کیوں لوٹا ہے؟ اور ان کی مندر استیٰ کو کیوں قید کیا ہے؟ اور یزید بروز قیامت ویل ہے تیرے لئے جبکہ میرے جد نامدار تیرے دشمن ہوں گے۔ اس کے بعد یزید نے اسی مؤذن کو اقامت نماز کا حکم دیا لیکن لوگوں میں ایک ہمسہ اور غلغلہ تھا چنانچہ بعض نے نماز پڑھی اور بعض ویسے ہی متفرق ہو گئے۔

### یزید کا حاضرین دربار سے آل رسولؐ کے بارے میں مشورہ کرنا

پھر یزید نے اہل دربار سے اسیران آل رسولؐ کے بارے میں مشورہ کیا (یعنی ان کو قتل کیا جائے، قید میں رکھا جائے یا رہا کر دیا جائے؟)

بعض ملائین نے بڑے گستاخانہ الفاظ میں (جن کو قتل نہیں کیا جاسکتا) سب کو شہید کر دینے کا مشورہ دیا۔  
اس وقت امام زین العابدینؑ نے فرمایا: ﴿یا یزید! لقد اشار علیک هؤلاء بخلاف ما اشار بہ جلساء فرعون علیہ حین شاورہم فی موسیٰ و ہارونؑ فانہم قالو الہ ارجہ و اخاہ ولا یقتل الا الادعیاء اولاد الانبیاء و ابنائہم﴾ اے یزید! تیرے درباریوں نے تجھے وہ مشورہ دیا ہے جو فرعون کے درباریوں نے بھی نہیں دیا تھا جب کہ اس نے جناب موسیٰؑ و ہارونؑ کے بارے میں ان سے مشورہ کیا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ ان دونوں بھائیوں کو ڈھیل دو (قید میں ڈال دو) یاد رکھو کہ انبیاء کی اولاد کو سوائے ولد الزنا کے اور کوئی قتل نہیں کرتا۔ ہاں البتہ نعمان بن بشیر نے یہ مشورہ دیا ﴿ما کان الرسول یصنع بہم فاصنعہ بہم﴾ جو رسول اکرمؐ ان کے ساتھ سلوک کرتے تھے تو بھی ان کے ساتھ وہی سلوک کرو۔

### اسیران آل محمدؐ زندان شام میں

بالآخر یزید نے قتل کا ارادہ ترک کر کے ان کو زندان میں بھیجنے کا فیصلہ کیا چنانچہ اس کے اقامتی محل کے قریب جو زندان تھا اس میں اسیران آل محمدؐ کو بھیج دیا۔ اس زندان کو اجمالی کیفیت ار باب مقاتل نے یہ لکھی ہے کہ ﴿لا یکنہم من حر ولا برد فاقا مواہ حتی تقشرت وجوہہم و کانوا فی مدۃ اقامتہم ینوحون علی

۱۔ نفس المہوم، ص ۲۲۲۔ مقتل الحسین، ص ۲۲۲۔

۲۔ مہوف، ص ۱۶۶۔ تقیام، ص ۲۷۶ وغیرہ۔

۳۔ اثبات الوصیۃ للمعتمدی، ص ۱۲۳، طبع النجف۔



الحسینؑ جو گرمی اور سردی سے حفاظت نہیں کرتا تھا (یعنی اس پر چھت نہ تھی) ۱ اتنا عرصہ ان کو اس زندان میں رکھا گیا کہ ان کے چہروں کے رنگ جھلس گئے۔ اور پوری مدت قیام کے دوران وہ برابر حسینؑ پر نوح و ماتم کرتے رہتے تھے۔ ۲

اس کے بعد یزید کے حکم سے جناب سید الشہداءؑ کا سر اقدس قصر الامارہ کے دروازہ پر لٹکا دیا گیا جو تین دن تک لٹکا رہا۔ ۳ اور بروایت جامع مسجد کے منارہ پر چالیس دن تک لٹکا رہا۔ ۴ اور دوسرے شہداء کے سر ہائے مقدسہ میں سے بعض کو شہر شام کے مختلف دروازوں پر اور بعض کو جامع مسجد کے دروازوں پر لٹکایا گیا۔ ۵

### زندان شام اور دربار یزید کے بعض واقعات

بعض آثار و اخبار سے واضح ہوتا ہے کہ یزید عنید نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ سید الشہداء کے سر اقدس کو دربار میں طلب کرتا پھر مجلس شراب جماتا۔ ایک بار وہ اسی قسم کے لہو و لعب کے مظاہرہ میں مشغول تھا اور اس وقت دربار میں بادشاہ روم کا ایک نصرانی سفیر بھی موجود تھا۔ اس نے یزید سے دریافت کیا: ﴿هَذَا الرَّاسُ مَنْ﴾ یہ کس کا سر ہے؟ یزید نے کہا: ﴿مَالِكٌ وَ لِهَذَا الرَّاسُ﴾ تجھے اس سے کیا سروکار ہے؟ سفیر نے کہا میں جب لوٹ کر اپنے ملک جاتا ہوں تو بادشاہ مجھ سے سب واقعات دریافت کرتا ہے۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ حقیقت حال معلوم کروں تاکہ تمہاری اس مسرت و شادمانی میں ہمارا بادشاہ بھی تمہارے ساتھ شریک ہو سکے یزید نے کہا: ﴿هَذَا رَأْسُ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ﴾ یہ حسین بن علی کا سر ہے۔ سفیر نے پوچھا: ﴿وَمَنْ أَمَهُ؟﴾ ان کی ماں کا کیا نام ہے؟ یزید نے کہا: فاطمہ بنت رسول اللہ یہ سنتے ہی نصرانی نے کہا: ﴿أَفْ لَكَ وَلَدِيْنِكَ لِي دِيْنٌ حَسَنٌ مِنْ دِيْنِكُمْ﴾ اف ہے تم پر اور تمہارے دین پر! تمہارے دین سے تو میرا دین بہتر ہے۔ میرا باپ حضرت داؤد کے نواسوں میں سے ہے۔ حالانکہ میرے اور جناب داؤد کے درمیان کئی (بروایت ستر (۷۰) پشتوں) ۶ کا فاصلہ ہے لیکن اس کے باوجود نصرانی لوگ محض یہ سمجھ کر کہ میں حضرت داؤد کا نواسہ ہوں میری اس قدر تعظیم و تکریم کرتے ہیں کہ میرے قدموں کی مٹی بطور

۱ النوار النعمانیہ، ص ۳۴۰۔ تقام، ص ۳۷۶۔

۲ مہیوف، ص ۱۶۸۔ امالی شیخ صدوق، ص ۱۰۱۔ عاشر بخار، ص ۲۲۷۔ نفس المہوم، ص ۲۳۵۔

۳ مقتل الحسین، ص ۳۲۵۔ خطہ مقرئین، ج ۲، ص ۲۸۹۔ الاتحاف بحب الاشراف، ص ۲۳۔ مقتل خوارزمی، ج ۲، ص ۷۵۔

۴ البدایہ والنہایہ، ابن اثیر، ج ۸، ص ۲۰۴۔ امالی صدوق، ص ۱۰۰۔

۵ نفس المہوم، ص ۲۳۷۔

۶ نفس المہوم، ص ۲۳۷۔ مقتل الحسین، ص ۲۲۶۔

۷ مہیوف، ص ۱۶۹۔



تبرک حاصل کرتے ہیں۔ ﴿و انتم تقتلون ابن بنت نبیکم وما بینکم و بین نبیکم الا ام و احدة فای دین دینکم؟﴾ مگر تم اپنے نبی کی دختر کے فرزند کو قتل کرتے ہو۔ حالانکہ تمہارے اور تمہارے رسول کے درمیان صرف ایک ماں کا فاصلہ ہے تمہارا کیسا دین ہے؟ پھر سفیر روم نے یزید سے کہا تجھے ”کنیسہ حافر“ والے واقعہ کا علم ہے؟ یزید نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ سفیر نے کہا عمان اور چین کے درمیان ایک بڑا عظیم الشان شہر ہے۔ جس میں نصرانی لوگ آباد ہیں۔ اس میں کئی کنیسے (گرجے) ہیں۔ ابن میں سب سے بڑا کنیسہ حافر یہ اس کے محراب میں سونے کا ایک ظرف لٹکا ہوا ہے جسے ریشم و دیبا سے آراستہ کیا گیا ہے۔ وہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ اس میں حضرت عیسیٰؑ کے سواری والے گدھے کی سم موجود ہے! ہر سال نصرانی لوگ اس کی زیارت کے لیے جاتے ہیں اس کے ارد گرد طواف کرتے ہیں۔ اسے چومتے ہیں اور اس کے پاس کھڑے ہو کر خدا سے حاجتیں طلب کرتے ہیں؟ نصرانی تو اس قسم کا۔ اس قدر اکرام و احترام کریں۔ جسے وہ اپنے نبی کی سواری کے گدھے کا خیال کرتے ہیں۔ مگر تم ﴿انتم تقتلون ابن بنت نبیکم فلا بارک اللہ فیکم ولا فی دینکم﴾ اپنے نبی کی دختر کے فرزند کو قتل کرتے ہو۔ خدا تم میں اور تمہارے دین میں برکت نہ دے۔

سفیر کا یہ کلام سن کر یزید نے حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو۔ تاکہ یہ واپس جا کر اپنے ملک میں مجھے ذلیل و خوار نہ کرے۔ جب نصرانی نے اپنے قتل کئے جانے کا حکم سنا تو اس نے یزید سے پوچھا: ﴿اترید ان تقتلنی؟﴾ کیا تو واقعاً مجھے قتل کرنا چاہتا ہے؟ یزید نے کہا: نعم۔ ہاں۔ سفیر نے کہا: تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ﴿رایت البارحة نبیکم فی المنام یقول یا نصرانی انت من اهل الجنة؟﴾ میں نے گزشتہ رات عالم خواب میں تمہارے پیغمبرؐ کو دیکھا جو مجھ سے فرما رہے تھے۔ اے نصرانی! تو جنتی ہے؟ مجھے اس سے بڑا تعجب ہوا (مگر اب راز کھل گیا ہے اس لئے) اشہدان لا اله الا اللہ وان محمد رسول اللہ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور حضرت محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ اس کے بعد نصرانی سید الشہداء کے سر مبارک کی طرف بڑھا اور اسے سینہ سے لگا لیا اور رو کر اسے بوسے دینے لگا۔ اسی اثنا میں یزید کے حکم سے اسے شہید کر دیا گیا۔ رضوان اللہ علیہ

**امام سجادؑ کی تسبیح**

یزید امام زین العابدینؑ کے قتل کے بہانے تلاش کیا کرتا تھا۔ ایک بار امام کو دربار میں بلایا اور مختلف موضوعات پر سلسلہ گفتگو شروع کیا۔ مقصد یہ تھا کہ کسی طرح امام کوئی ایسی بات کہہ دیں جس سے اس کے لئے ان کے قتل کا جواز پیدا ہو جائے۔ امامؑ اس کی باتوں کا جواب بھی دیتے جاتے تھے اور دست مبارک میں جو چھوٹی سی تسبیح



تھی۔ اسے بھی برابر پھیرتے جاتے تھے۔ یزید نے جھلا کر کہا یہ کیا بات ہے؟ میں تم سے باتیں کر رہا ہوں مگر آپ مجھے جواب بھی دیتے ہیں۔ اور ہاتھ میں تسبیح لئے اسے بھی پھیرتے جاتے ہیں! امام نے فرمایا مجھ سے میرے والد ماجد نے میرے جد بزرگوار کا یہ معمول نقل کیا ہے کہ جب وہ صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تھے تو کلام کرنے سے پہلے ہاتھ میں تسبیح لے کر اس کے دانوں کو پھیرتے جاتے تھے اور یہ دعا بھی پڑھتے جاتے تھے: ﴿اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُصْبِحُ اُسْبِحُکَ وَ اَحْمِدُکَ وَ اَهْلِلُکَ وَ اُکْبِرُکَ وَ اُعْجِدُکَ بِعَدَدِ مَا اَدْبُرُ بِہِ سُبْحَتِیْ﴾ اس کے بعد اپنے ضروریات کے متعلق بات چیت کرتے۔ اس طرح وہ بات بھی ان کی تسبیح شمار ہوتی تھی۔ اور یہ تسبیح صبح ان کے لئے رات کے سونے تک (بلیات و آفات) حرز ہوتی تھی اور جب رخت خواب پر تشریف لے جاتے۔ تو پھر حسب سابق عمل کرتے بعد ازاں تسبیح کو زیر بالین رکھ دیتے۔ اس طرح نماز صبح تک یہ تسبیح ان کے اعمال صالحہ میں شمار ہوتی۔ میں بھی اپنے جد امجد کی اقتداء کرتے ہوئے ایسا ہی کیا کرتا ہوں۔ یزید نے امام سجاد کا یہ جواب باصواب سن کر کہا میں جب بھی تمہارے خاندان کے کسی آدمی سے کوئی بات کرتا ہوں تو وہ ایسا جواب دیتا ہے جس میں فوز و فلاح پوشیدہ ہوتی ہے۔

### امام بیمار سے منہال کی ملاقات

منہال بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک بار امام زین العابدین علیہ السلام کو دیکھا جب کہ وہ شام کے بازار سے گذر رہے تھے۔ اس وقت آپ کی حالت یہ تھی کہ عصا پر ٹیک لگا کر چل رہے تھے سر کندھے کی طرح نائیں کمزور تھیں۔ پنڈلیوں سے خون جاری تھا۔ رنگت میں صفرت (زردی) کا غلبہ تھا۔ یہ حالت دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسوؤں بڑھا آئے اور عرض کیا: ﴿کیف اصبحْتَ یا بنِ رسولِ اللہ!﴾ فرزند رسول! آپ نے کس حال میں صبح کی ہے؟ میرا سوال سن کر امام بیمار رو پڑے پھر فرمایا: ﴿کیف حال من اصبح اسیراً لیزید بن معاویہ و نسانی الی الآن ما شعبن بطونہن ولا کسین رؤسہن نائحات اللیل والنہار۔ نحن یا منہال کمثل بنی اسرائیل فی ال فرعون یذبحون ابنائہم و یتحیون نساہم امست العرب تفتخر علی العجم بان محمداً عربی و امست قریش تفتخر علی العرب بان محمداً منہم و امسینا معشر اہل البیت مغصوبین مقتلین مشرّدین ما یدعوننا یزید الیہ مرة الا نظن القتل اننا لله و انا الیہ راجعون﴾ اس آدمی کی کیا حالت پوچھتے ہو جو یزید بن معاویہ کا قیدی ہو جس کی مستورات نے پیٹ بھر غذا نہ کھائی ہو اور نہ ان کے پاس سر ڈھانپنے کے لئے کپڑا موجود ہو۔ اور دن رات گریہ و بکا سے سروکار ہو۔ پھر فرمایا: اے منہال! اس امت میں ہماری



حالت وہی ہے جو آل فرعون میں بنی اسرائیل کی تھی جو ان کے لڑکوں کو قتل کرتے تھے۔ اور لڑکیوں کو زنجیریں لگا کر رکھتے تھے۔ اہل عرب اہل عجم کے بالمقابل فخر کرتے ہیں کہ جناب محمد مصطفیٰ عربی ہیں۔ پھر قریش تمام عربوں کے سامنے فخر کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا ان کے خاندان سے ہیں مگر ہم اہل بیت رسول کی حالت یہ ہے کہ ہمارے حقوق غصب کر لئے گئے۔ پھر قتل کیا گیا۔ اور وطن سے بے وطن کر دیا گیا جب بھی یزید ہمیں بلاتا ہے تو ہم یہی خیال کرتے ہیں کہ اب وہ ہمیں قتل کر دے گا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

یعضون لہ اعواد منیرہ وتحت ارجلہم اولادہ وضعوا

بای حکم بنوہ یتبعونکم وفخرکم انکم صحب لہ تبع

### جناب سکینہ بنت الحسینؑ کا زندان شام میں ایک عجیب خواب دیکھنا

جناب سکینہ بنت الحسینؑ بیان کرتی ہیں کہ ہمیں زندان شام میں قیام کئے ابھی چوتھا دن تھا کہ میں روتی رہی اور بڑی دیر سے سوئی سوتے ہی میں نے ایک خواب دیکھا (پھر ایک طویل خواب بیان کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ پانچ نوری ناقاؤں سے پانچ بزرگوار سوار اترے (۱) حضرت آدم صلی اللہ (۲) حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت موسیٰ کلیم اللہ، حضرت عیسیٰ روح اللہ اور حضرت محمد حبیب اللہ اور پانچ عماریاں اتریں۔ جن میں سے ایک میں جناب حوا ام البشر، دوسری میں جناب آسیہ بنت مزاحم تیسری میں جناب مریم بنت عمران، چوتھی میں جناب خدیجہ بنت خویلد اور پانچویں میں حضرت فاطمہ زہراؑ سوار تھیں۔ پہلے جناب سکینہ نے اپنے جد نادر کی خدمت میں اپنے مصائب و آلام کا تذکرہ کیا۔ اور اس کے بعد اپنی جدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تفصیل کے لئے عاشر بحار، ص ۲۲۷، مقام، ص ۲۸۶، نفس المہوم، ص ۲۴۵، اور انوار نعمانیہ ص ۳۴۱ کی طرف رجوع کیا جائے۔

اس خواب کے آخر میں یہ مذکور ہے کہ میں نے ایک مستور کو ہودج میں دیکھا جس نے شدت غم سے اپنا ہاتھ سر پر رکھا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا یہ معظّمہ کون ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ تمہاری جدہ ماجدہ فاطمہ زہراؑ ہیں پس میں جلدی جلدی ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور جا کر سامنے کھڑی ہو گئی۔ اور روتے ہوئے عرض کیا: ﴿یا امّہ جحدوا واللہ حقنا یا امّہ بدد واللہ شملنا یا امّہ استباحوا واللہ حریمنا یا امّہ قتلوا واللہ الحسین ابنا﴾ ”اے اماں! بخدا لوگوں نے ہمارے حق کا انکار کیا۔ اے اماں! بخدا لوگوں نے ہماری جمعیت کو پراگندہ کر دیا، ہماری حرمت کا خیال نہ کیا۔ اے اماں! بخدا لوگوں نے ہمارے بابا حسینؑ کو شہید کر دیا۔“

میری یہ داد و فریاد سن کر خاتون قیامت نے مجھ سے فرمایا: ﴿کفّی یا سکینہ! فقد قتلعت نیاط قلبی



هذا قميص ابیک الحسین لا یفارقنی حتی القی اللہ بہ اے سیکند! خاموش ہو تو نے تو میرے قلب حنین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ یہ دیکھو! تمہارے بابا حسین کی قمیص ہے جب تک میں اسے لے کر بارگاہ ایزدی میں پیش نہ ہوں۔ اس وقت تک یہ مجھ سے علیحدہ نہیں ہو سکتی۔

### ہند زوجہ یزید کا خواب دیکھنا

بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سیکند کے خواب سے ملتا جلتا ایک خواب ہند زوجہ یزید نے بھی بقول صاحب تاریخ التوارخ (ج ۶ ص ۳۵۱) اسی رات (اہل بیت کے وارد دمشق ہونے کی چوتھی رات) دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں۔ اور فرشتے صف اندر صف زیارت حسین کے لئے اتر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔ السلام علیک یا بن رسول اللہ! اسی اثنا میں آسمان سے ایک بادل زمین پر اترا جس سے چند بزرگ برآمد ہوئے ان میں سے ایک بزرگ نے جو سفید رنگ اور قمر نما چہرہ والے تھے۔ اپنے آپ کو حسین کے سر مبارک پر گرا دیا اور ان کے لب و دندان کے بوسے لیتے ہوئے فرمایا: ۱۔ یا ولدی قتلوک! اقتراہم ما عرفوک من شرب الماء منعوک یا ولدی انا جدک رسول اللہ! و هذا ابوک علی المرتضیٰ و هذا اخوک الحسن و هذا عمک جعفر و هذا عقیل و هذان حمزہ و العباس ۲۔ اے فرزند! ان لوگوں نے تجھے شہید کر دیا۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ انہوں نے تمہیں نہیں پہچانا؟ اور تجھے پانی پینے سے بھی روک دیا۔ اے فرزند میں تیرا نانا رسول ہوں! یہ تیرے بابا علی مرتضیٰ اور یہ تیرے بھائی حسن اور یہ تیرے چچا جعفر عقیل اور یہ حمزہ و عباس ہیں۔ اسی طرح اپنے خاندان کے اور بھی بعض بزرگوں کے نام لئے۔ ہند کہتی ہیں کہ یہ ماجرا دیکھ کر میں گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ سر حسین کو دیکھا کہ اس پر نور برس رہا ہے۔ میں اٹھ کر یزید کو ڈھونڈنے لگی۔ اچانک دیکھا کہ ایک تاریک کمرے میں دیوار کی طرف منہ کئے ہوئے کہہ رہا ہے۔ مالی وللحسین؟ مجھے حسین سے کیا سروکار تھا؟ ہند نے اپنا خواب بیان کیا مگر یزید سر جھکائے سنتا رہا اور کوئی جواب نہ دیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہند کا یہ خواب بھی اسیران آل رسول کی جلد رہائی کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

### ہند زوجہ یزید کا ننگے سر دربار میں نکل آنا

اسیران آل رسول کے قیام دمشق کے زمانہ میں ہند زوجہ یزید کے بارے میں دو روایتیں عام طور پر مشہور ہیں۔ ایک یہ کہ ایک روز وہ قید خانہ میں گئیں اور اسیران اہل بیت کی بڑی آؤ بھگت کی۔ مگر چونکہ یہ روایت کسی قابل اعتبار کتاب میں مذکور نہیں ہے۔ اس لئے اس پر اعتما د نہیں کیا جاسکتا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جب سید الشہداء کا سر



مبارک یزید کے محل کے دروازہ پر آویزاں کیا گیا۔ (وهو الظاهر من الفاظ الرواية) اور اس بات کا ہند کو علم ہوا تو ننگے سر (اور بروایت ننگے پاؤں بھی) دربار میں نکل آئی۔ اور یزید سے کہا جب کہ وہ مجلس عام جمائے بیٹھا تھا: ﴿یٰ یزید! اراس ابن فاطمة بنت رسول اللہ! مصلوب علی فناء بابی؟﴾ اے یزید! کیا دختر رسول فاطمہ زہرا کے فرزند کا سر میرے گھر کے دروازہ پر لٹکا یا جائے؟ یزید نے فوراً اٹھ کر اس کے سر پر چادر ڈالی۔ اور مصلحت وقت کے پیش نظر کہا: ﴿نعم فاعولی علیہ یا ہند و ابکی علی ابن بنت رسول اللہ و صریحہ قریش عجل علیہ ابن زیاد فقتلہ قتله اللہ﴾ ہاں اے ہند! یہ سر حسین ہی کا ہے۔ اے ہند! تم فرزند دختر رسول اور خلاصہ دودمان قریش پر خوب گریہ و بکا کرو۔ ابن زیاد نے جلد بازی سے کام لیا اور ان کو قتل کر دیا۔ خدا اے قتل کرے۔<sup>۱</sup>

یہ واقعہ قریباً قریباً مقتل کی تمام کتب معتبرہ وغیرہ معتبرہ میں موجود ہے۔ لہذا مجاہد اعظم کے فاضل مصنف کے صرف اسی عقلی استبعاد کی بنا پر اسے غلط نہیں قرار دیا جاسکتا کہ ”عقل سلیم اس کو ہرگز قبول نہیں کر سکتی کہ ایک شہنشاہ کی بی بی اس طرح بے حجابانہ مجمع عام میں نکل آئے۔ یزید اس وقت دنیا کا سب سے بڑا تاجدار اور سب سے وسیع سلطنت کا بادشاہ تھا۔ اسی طرح ہندہ بھی دنیا کی ان شاہی بیگمات سے جن کو ملکہ آفاق کہلائے جانے کا شرف حاصل تھا سب سے بڑی شہنشاہ بیگم تھی۔ یزید کے محلات بھی غالباً شاہی قاعدے سے بنے ہوں گے۔ متعدد ڈھوڑیاں اور ہر ڈھوڑی پر خواجہ سراؤں اور محافظوں کا انتظام تھا۔ پھر کیوں کر قیاس میں آسکتا ہے کہ ہندہ باوجود شاہی انتظامات اور پہرہ چوکی کے اس طرح بے تحاشا اور بے پردہ بھرے دربار میں نکل آتی۔ الخ (مجاہد اعظم، ص ۲۹۳/۲۹۴) کسی کے قیاس میں آئے یا نہ آئے جب ایک واقعہ کتب معتبرہ میں موجود ہے تو اسے اپنی قیاس آرائیوں کی بناء پر مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ بریں ایسے غیر معمولی واقعات کے وقت ہندہ سے بھی بڑی عظیم الشان بیگمات کے بے مقنعہ و چادر درباروں میں چلے آنے کے متعدد واقعات کتب سیر و توارخ میں مل جاتے ہیں۔ چونکہ اس خاتون کو ایک گونہ خاندان نبوت سے لگاؤ تھا۔ اس لئے یہ ہولناک منظر دیکھ کر از خود رفته ہوگئی۔ اور عالم بے تابی میں یوں بے حجابانہ باہر نکل آئی جیسا کہ ناسخ میں لکھا ہے: ﴿از خرد بیگانه شد و بے ہوشانه از سرائے خویش بیروں دوید و بے پردہ بمجلس یزید... الخ﴾ دریں حالات اس بات میں کون سا استبعاد ہو سکتا ہے؟ ہاں البتہ اس سلسلہ میں جو کچھ منتخب طریقہ (ص ۲۳۲ طبع بہمنی) میں مرقوم ہے کہ وہ دربار میں آئی تو یزید کو بہت لعن طعن کی اور کہا نہ تو میرا شوہر

۱۔ نفس المہوم، ص ۲۳۹۔

۲۔ عاشق بھار، ص ۲۲۸۔ جلاء العیون، ص ۲۱۴۔ نفس المہوم، ص ۲۳۶۔ مقتل الحسین خوارزمی، ج ۲، ص ۷۴۔ ناسخ، ج ۶، ص ۳۴۷۔ طبری،

ص ۱۴۷۔ ج ۶۔ کمال ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۹۸۔ الدمعة الساکبہ، ص ۳۸۰۔ ریاض القدس، ج ۲، ص ۳۳۰۔



ہے نہ میں تیری بیوی ہوں اور پھر ناراض ہو کر کہیں چلی گئی۔ یہ واقعہ بالکل بے اصل ہے اور کتب معتبرہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ اہل علم جانتے ہیں طریقہ کے مفردات قابل اعتماد نہیں ہوتے۔

”تذنیب“

یہ ہند زوجہ یزید کون تھی؟

عجائز جس قدر کتب مقاتل کی سیر کی گئی ہے۔ ان میں صرف اس قدر ملا ہے کہ یہ ہند عبداللہ بن عامر بن کریز کی دختر تھی۔ یزید کی زوجیت میں آنے سے پہلے جناب سید الشہداء کے حرم سرا میں داخل تھی۔<sup>۱</sup> سرکار ناصر الملیہ لکھنوی نے اس سوال کو ”ہندہ زوجہ یزید کون تھی؟ اسے اہل بیت رسالت سے کیا تعلق تھا؟ اس کا زندان شام میں آنا صحیح ہے یا نہیں۔ اس کے بطن سے کوئی اولاد تھی یا نہیں؟ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ”بحار الانوار میں منقول ہے کہ ہند زوجہ یزید لعنہ اللہ عبداللہ بن عامر بن کریز کی دختر تھی۔ اور قبل یزید کے وہ زوجہ امام حسین علیہ السلام کی تھی اور اس کا مجلس یزید میں نکل آتا تو روایات معتبرہ میں وارد ہے۔ لیکن زندان شام میں اس کا آنا کسی روایت معتبرہ میں مذکور نہیں ہے۔ اور بنا بر تصریح مورخین مخالفین مثل طبری وابن الاثیر۔ یزید ملعون کا ایک لڑکا بطن ہند بنت عبداللہ بن عمار سے تھا (ہدایات ناصر یہ ص ۶) ان سب تاریخی حقائق کے خلاف فاضل مقرر نجفی نے مقتل الحسین کے ص ۱۵ پر یہ لکھا ہے کہ یہ ہند عمرو بن سہیل کی صاحبزادی تھی۔ اور پہلے عبداللہ بن عامر بن کریز کی زوجیت اور کتاب مہر ص ۴۵۰ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عبداللہ سے پہلے عبدالرحمن بن عتاب بن اسید بن العیض کے عقد نکاح میں تھی۔ جب عبداللہ بن عامر کی زوجیت میں تھی تو یزید کو اس کے ساتھ شادی کرنے کی رغبت پیدا ہوئی۔ اس لئے معاویہ نے اپنے چہیتے بیٹے کی آرزو کی تکمیل کے لئے عبداللہ کو جو اس کی طرف سے بصرہ کا گورنر تھا۔ طلاق دینے پر مجبور کر دیا۔ (ایسا ہی مقتل الحسین خوارزمی ج ۱ ص ۱۵۰ طبری ج ۶ ل ۱۶ میں مذکور ہے) مگر اس میں ہند کے باپ کا نام سہیل بن عمرو لکھا ہے (باقی رہی یہ بات کہ اس نے کس طرح سرکار سید الشہداء سے ناطہ توڑا اور کس طرح یزید سے رشتہ جوڑا؟ اس کی تفصیل کتب معتبرہ میں مذکور نہیں ہے۔ واللہ العالم

یزید کا عمرو بن الحسن کو اپنے بیٹے خالد کے ساتھ کشتی لڑنے کی دعوت دینا

ایک بار جب امام زین العابدینؑ کو دربار یزید میں بلایا گیا تو ان کے ساتھ عمرو بن الحسن بھی تھے (بعض کتب میں غلط طور پر عمرو بن الحسین درج ہے) جن کی عمر قریباً گیارہ برس تھی۔ یزید نے اپنے بیٹے خالد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شہزادہ سے کہا: اتصارع ہذا۔ کیا تم اس سے کشتی لڑو گے؟ شہزادہ نے جواب میں کہا: لا ولکن



اعطنی سکیناً واعطه سکیناً ثمہ اقاتلہ ﴿ ویسے نہیں ہاں اگر مقابلہ کرانے کا خیال ہے تو ایک چھری مجھے دے دو اور ایک اسے دے دو۔ پھر میں اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ شہزادہ کا یہ جواب سن کر یزید نے یہ ضرب النثل دہرائی: ﴿شئنة اعرفها من اخزم هل تلد الحیة الا الحیة﴾<sup>۱</sup>۔

یزید کا قتل امام کی سازش کرنا اور اس میں ناکام ہونا

مدآنی کا بیان ہے کہ جب امام زین العابدینؑ نے دربار یزید میں وہ خطبہ پڑھا جس میں اپنے حسب و نسب کا تذکرہ تھا تو یزید نے آتش حسد سے تیغ پا ہو کر اپنے ایک پولیس ملازم کو حکم دیا کہ ان کو فلاں باغ میں لے جا کر قتل کر دو اور پھر وہیں دفن کر دو۔ چنانچہ وہ شخص امام کو اس باغ میں لے گیا۔ اور قبر کھودنے لگا۔ سید الساجدینؑ نے لحات فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ جب وہ قبر کھود چکا اور قتل امام کا ارادہ کیا تو یکا یک ہوا سے ایک دست نیبی نمودار ہوا۔ اور اسے ایک ایسا تھپڑ رسید کیا کہ وہ مدہوش ہو کر منہ کے بل گر پڑا۔ صرف ایک چیخ ماری اور پھر واصل جہنم ہو گیا۔ اتفاق سے خالد بن یزید یہ وحشت ناک منظر دیکھ رہا تھا اس نے واپس جا کر یزید سے یہ تمام ماجرا بیان کیا۔ یزید نے حکم دیا کہ اس قبر میں اس شخص کو دفن کر دو اور امام کو چھوڑ دو۔<sup>۲</sup>

جناب سکینہ بنت الحسینؑ کے زندان شام میں وفات پانے کی رو

من جملہ ان قصص و حکایات کے جو بالکل بے بنیاد و بے سرو پا ہیں۔ اور ان کی اصلاً کوئی اصلیت و حقیقت نہیں ہے۔ ایک قصہ بھی ہے کہ جناب سکینہ بنت الحسینؑ نے شدائد و مصائب زندان کی تاب نہ لاتے ہوئے قید خانہ میں (اور وہ بھی قید تنہائی میں وفات پائی۔ اس سراسر غلط اور کذب محض روایت کو بڑے درد انگیز اور رقت خیز پیرایہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ مگر افسوس کہ اس میں کوئی اصلیت نہیں بلکہ بالکل کذب عظیم اور افتراء ہے۔ فریقین کے تمام مورخین اور علمائے انساب کا اتفاق ہے کہ آپ واقعہ کربلا کے بعد مدت مدید تک زندہ رہیں۔ اور کربلا میں رحلت فرمائی۔ جو غلط واقعات آپ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ تاریخی شواہد و دلائل اور عقلی براہین سے ان کو غلط ثابت کرنا چاہیے۔ یہ منفی طریقہ کار کسی طرح بھی مستحسن نہیں کہ تمام مسلمہ تاریخی حقائق کا انکار کر کے ان کی وفات کا نظریہ اختیار کیا جائے تمام کتب سیر و تواریخ اور مقاتل موجود ہیں۔ کسی ایک قابل اعتماد کتاب میں بھی جناب سکینہ کے زندان شام میں وفات پانے کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ زیادہ سے زیادہ بعض کتب<sup>۳</sup> میں سید الشہداءؑ کی ایک تین ہمالہ بچی

۱۔ عاشر بحار، ص ۲۲۸۔ نفس المہوم، ص ۲۵۰۔ تقام وغیرہ۔

۲۔ تظلم الزہراء، ص ۲۷۶۔ عاشر بحار، ص ۲۲۷۔ الدمعۃ الساکبہ، ص ۳۸۰۔ ناخ، ج ۲، ص ۳۴۶۔

۳۔ اسرار شہادت، ص ۵۳۳، بحوالہ منتخب طریقی۔



کی وفات کا تذکرہ موجود ہے۔ مگر اس روایت میں بھی چونکہ اس صاحبزادی کے نام کی قطعاً کوئی تصریح موجود نہیں ہے۔ اس لئے بعض ارباب مقاتل کا خیال ہے کہ اس بچی کا نام رقیہ تھا۔ اور بعض نے زینب لکھا ہے اور بعض نے فاطمہ! اگرچہ ہمارے نزدیک یہ روایت بھی چنداں قابل اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ ہم سابقہ اوراق میں کتب فریقین سے ثابت کر آئے ہیں۔ کہ جناب سید الشہداء کی کل دو صاحبزادیاں تھیں ایک جناب فاطمہ دوسری جناب سیکنہ۔ لہذا جب کسی اور دختر کا وجود ہی ثابت نہیں تو پھر اس کی وفات کیونکر باور کی جاسکتی ہے؟ اور بنا بر تسلیم وہ صاحبزادی کوئی اور ہیں پر زیادہ بحث و تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں البتہ ہمارے شعراء اور ذاکرین نے اس کو بڑی اہمیت دے رکھی ہے۔ اس لئے یہاں ایک متقدر عالم جلیل مولانا سید ناصر حسین صاحب لکھنوی کی تحقیق کا درج کر دینا مناسب اور کافی ہے۔ یہ بزرگوار ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”جناب سیکنہ کا زندان شام میں انتقال کرنا بالکل غلط اور طریق معتبر سے ثابت ہے کہ آپ بعد جناب سید الشہداء علیہ السلام ایک مدت تک زندہ رہیں۔ البتہ کتاب منتخب فخر الدین طریقی میں ایک روایت ایسی موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی ایک صاحبزادی نے جن کا سن تین سال تھا۔ زندان شام میں انتقال فرمایا۔ اور چونکہ اس روایت میں صاحبزادی کا کوئی نام درج نہیں ہے۔ لہذا با یقین نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا نام کیا تھا لیکن ممکن ہے کہ نام ان کا زینب ہو۔ اس لئے بنا بر ایک قول کے جناب سید الشہداء تین صاحبزادیاں تھیں۔ ایک فاطمہ دوسری سیکنہ تیسری زینب اور چونکہ فاطمہ و سیکنہ کا بعد جناب سید الشہداء مدت تک موجود رہنا ثابت ہے۔ اور ان کے بعض حالات موثق طریق پر وارد ہیں۔ اور زینب بنت الحسین کا کوئی حال ثابت نہیں۔ لہذا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ جن صاحبزادی نے زندان شام میں انتقال کیا۔ وہ زینب بنت الحسین ہیں۔“

اسی طرح مجاہد اعظم کے فاضل مصنف نے بھی (از ص ۲۹۱ تا ص ۲۹۳) بڑے شد و مد اور تاریخی شواہد و دلائل سے اس واقعہ کا بے سرو پا اور کذب محض ہونا ثابت کیا ہے۔ (فراجع)

### اسیران اہل بیت کتنا عرصہ زندان شام میں رہے؟

اسیران اہل بیت کب تک دار السلطنت شام میں رہے؟ کب رہا ہو کر مدینہ روانہ ہوئے؟ یہ تلخ حقیقت بہت ہی افسوس ناک ہے کہ تمام کتب سیر و تواریخ اور مقاتل اس سلسلہ میں خاموش نظر آتی ہیں اور کوئی ایسی قابل اطمینان روایت نہیں ملتی۔ جس کی بنا پر پورے انشراح صدر اور قلبی اطمینان کے ساتھ کوئی حتمی فیصلہ کیا جاسکے۔ کتب



قدیمہ میں جو بعض جلی یا خفی اشارات ملتے ہیں وہ اس قدر مختصر اور نامکمل ہیں کہ ﴿لا یسمن ولا یغنی من جوع﴾ کے مصداق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ میں اہل علم کے آراء و نظریات میں شدید اختلاف نظر آتا ہے۔

ہر قوم راہ است راہے۔ دینے و قبلہ گاہے

### اس سلسلہ میں اختلاف آراء کا نمونہ

ذیل میں ہم اس اختلاف و افتراق کا ایک جامع خاکہ پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام کو کچھ اندازہ ہو جائے کہ یہ موضوع کس طرح اختلاف آراء کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ اور ان حالات میں اصل حقیقت تک رسائی حاصل کرنا کس قدر مشکل ہے؟

۱۔ صاحب روضۃ الشہداء اور صاحب مہج الاحزان کا خیال تو یہ ہے کہ جب اسیران آل رسول دربار یزید میں پیش ہوئے تو وہ ان کی خستہ حالی دیکھ کر اس قدر متاثر ہوا کہ اسی وقت رہائی کا حکم دے دیا اور عزت و احترام کے ساتھ پیش آیا۔

۲۔ خوارزمی نے مقتل الحسین (ج ۲ ص ۷۴) میں یہ لکھا ہے کہ اسارائے آل محمد کا صرف تین دن دمشق میں قیام رہا۔ اس اثنا میں امام حسین پر گریہ و بکاء کا سلسلہ جاری رہا۔ سید عبدالرزاق المقرم النجفی صاحب مقتل الحسین (ص ۴۳۳) کا میلان بھی اسی قول کی طرف ظاہر ہوتا ہے۔

۳۔ ارشاد شیخ مفید (۲۷۰) میں صرف اس قدر لکھا ہے: ﴿فاقاموا ایاماً﴾ شام میں چند یوم قیام رہا۔

۴۔ کتاب شہید اعظم جناب ریاض بناری (ج ۲ ص ۴۱۹ پر) لکھا ہے اہل بیت چھ دن دمشق میں رہے۔

۵۔ منتخب طریحی (ص ۲۴۹) مقام (۴۸۸) نظم الزہراء (ص ۲۸۷) عاشر بحار الانوار (ص ۲۴۳) ناخ ج ۶ ص

۳۵۱ میں لکھا ہے کہ سات دن میں قیام رہا۔ اور اس اثنا میں برابر امام حسین پر نوحہ و ماتم ہوتا رہا۔ اور آٹھویں

روز رہائی عمل میں آئی۔

۶۔ امالی شیخ صدوق (ص ۱۰۱) ملہوف (۱۶۸) نظم الزہراء (ص ۲۷۸) دمعہ ساکبہ (۳۸۰) لوائح الاشجان ص ۱۸۴

نفس المہوم (ص ۲۵۲) روضۃ الواعظین (ص ۲۳۰) میں یہ لکھا ہے کہ اسیران آل رسول کو ایک ایسے قید خانہ

میں (جو سردی و گرمی سے بچانہ سکتا تھا اتنے دنوں تک قید رکھا گیا کہ مخدرات کے چہرے جھلس گئے۔

۷۔ آقائے درہندی نے اسرار الشہادت (ص ۵۲۶) پر مذکورہ بالا واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ

﴿فان فرضنا ہا اقل من مدة شهر فلا يجوز ان نفرضها اقل من من عشرين او خمسة عشر

یوما﴾ اگر ہم مدت قید کو ایک ماہ سے کم بھی فرض کریں۔ تو بیس یا پندرہ دن سے کم تو کسی طرح فرض نہیں کر سکتے



دلیل ان کی یہ ہے کہ اتنے دنوں سے پہلے ﴿تَقَشَّرُ وَجُوهُ﴾ (چہروں کا جھلنا) ممکن نہیں۔

۸۔ سید اجل ابن طاووس نے کتاب اقبال میں یہ لکھا ہے (علی نقل عنہ فی تظلم الزہراء ص ۲۸۷) کہ ایک ماہ تک سلسلہ قید و بند نے طول کھنچا۔

۹۔ سید طباطبائیؒ نے حاشیہ ریاض المصاب پر مدت قید چالیس روز بتائی ہے اور سید سہارنپوری نے جلاء العینین فی سیرۃ علی بن الحسینؑ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

۱۰۔ کتاب سیرت زینب سلام اللہ علیہا مطبوعہ حیدرآباد دکن (ص ۲۵۳ پر) مدت قید چھ ماہ درج ہے

۱۱۔ اردو کی بعض کتب متداولہ میں مدت قید ایک سال بھی ملتی ہے۔

یہ ہیں وہ تمام مختلف اقوال جو اس موضوع پر ہمیں کتب مقاتل میں دستیاب ہو سکے ہیں۔ اب اگرچہ ان میں سے اصل حقیقت کا کھوج لگانا جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ تاہم ذیل میں بتاؤں ایزدی اصل حقیقت کے چہرہ سے نقاب کشائی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ و بیدہ ازمة التحقيق

مخفی نہ رہے کہ سب سے پہلے ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں کتب حدیث کی ورق گردانی کی جائے کہ آیا اس موضوع کی بابت آئمہ اہل بیت کی کوئی تصریح ملتی ہے یا نہیں؟ اور اگر آئمہ معصومین کی کوئی تصریح مل جائے تو اسے تمام اقوال و آراء پر مقدم سمجھا جائے گا۔ جہاں تک ہم نے گلستان اخبار اہل بیت اطہار کی میر کی ہے۔ ہمیں اس سلسلہ میں صرف دو روایتیں ملی ہیں۔ ایک میں قید خانہ کی اجمالی کیفیت تو مذکور ہے۔ مگر اس میں مدت قید کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ یہ روایت بصائر الدرجات ص ۳۳۸ طبع ایران میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ اور دوسری روایت میں مدت قید کا تذکرہ موجود ہے۔ یہ روایت بھی سند صحیح بصائر الدرجات (ص ۳۳۹ پر) مروی ہے۔ اور اس کے حوالہ سے بحار۔ ناخ۔ تقام اور اسرار وغیرہ میں مذکور ہے۔ اور یہ روایت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے۔ روایت قدرے طویل ہے اس کے آخر میں امام علیہ السلام فرماتے ہیں ﴿نمکشنا یومین ثم دعانا و اطلق عنا﴾ ہم مکمل دو دن زندان شام میں رہے۔ پھر تیسرے دن یزید نے ہمیں بلا کر رہا کر دیا۔

بنابریں ہماری تحقیق کے مطابق مذکورہ بالا اقوال میں سے پانچواں قول اقویٰ ہے۔ یعنی اسیران آل رسول کا سات روز شام میں قیام رہا اور آٹھویں روز ہائی ہوئی اور واپس مدینہ تشریف لے گئے۔

عند التحقيق تیسرا چوتھا اور چھٹا قول بھی اس پر منطبق ہو سکتا ہے۔ اور یہ آٹھ روز اس طرح بنتے ہیں۔ سابقاً بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ اسارائے اہل بیت کا قافلہ یکم صفر کو شہر شام اور پھر دربار میں وارد ہوا۔ تین دن قید میں رہے تیسرے دن یزید نے رہائی کا حکم صادر کیا۔ اور مخدرات عصمت و طہارت کی خواہش پر تین روز تک خود یزید کے گھر



میں سید الشہداء پر گریہ و بکا اور مراسم عزا کا اظہار کیا گیا۔ جس میں شام کی خواتین قریش نے بھی برابر حصہ لیا۔ اس طرح سات روز پورے ہو گئے اور آٹھویں روز بسوئے مدینہ روانگی عمل میں آئی اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ تیسرا چوتھا اور چھٹا قول بھی اس پر منطبق ہوتا ہے! اس کی وجہ یہ ہے کہ تیسرے قول میں صرف چند یوم کی قید کا تذکرہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس میں داخلہ شام اور رہائی کے بعد والے دو دن شامل نہیں کئے گئے ورنہ وہی آٹھ یوم بن جاتے باقی چھٹا قول کہ اتنا عرصہ اسیران اہل بیت زندان میں رہے کہ مخدرات کے چہرے جھلس گئے یہ بھی اس پر منطبق ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گرمیوں کے موسم میں چہروں کے جھلنے کے لئے بقول صاحب اسرار الشہادت پندرہ بیس دن کی مدت ضروری نہیں ہے۔ یہ کیفیت دو تین روز بلکہ اس سے بھی کم عرصہ میں پیدا ہو سکتی ہے۔ بالخصوص جب کہ یہ بھی ملحوظ رکھا جائے۔ کہ یہ ان ستم رسیدہ پردگیان عصمت و طہارت اور ناز پروردگیان گوہر ہرآء کی روئیداد ہے۔ جنہوں نے کبھی دن کے وقت روضہ رسول کی زیارت بھی نہیں کی تھی۔ اگر صرف ایک دن کی دھوپ سے بھی ان کی یہ کیفیت ہو جائے۔ تو کوئی جائے تعجب نہیں ہے۔ لہذا صرف اس واقعہ سے مدت قید کو کم از کم پندرہ بیس دن یا اس سے کم و بیش تسلیم کرنا۔ جیسا کہ صاحب اسرار الشہادت (ص ۵۲۶ اور صاحب ریاض القدس ج ۲ ص ۳۲۱) کا خیال ہے کوئی وزنی استدلال نہیں ہے۔ اسی استدلال کو رد کرتے ہوئے فاضل میبدی نے اپنے مشکول (ص ۱۵ طبع ایران) پر لکھا ہے ﴿ان ذلک یمکن ان یحصل فی ایام قلیلة﴾ اس کیفیت کا بالکل تھوڑے دنوں میں حاصل ہونا ممکن ہے۔

**ایک غلطی کا ازالہ**

مذکورہ بالا حدیث امام میں وارد شدہ فقرہ ﴿و اطلق عنا﴾ کی صاحب ریاض القدس نے (ج ۲ ص ۳۱۸) پر ریاض الاحزان کے حوالہ سے یہ تاویل بیان کی ہے ﴿ای یفک الاغلال و الحبال﴾ یعنی غلہارا از گردن مردان کہ دوازدہ نفر بودند برداشتند۔ یعنی دو دن کے بعد یزید نے بارہ اطفال بنی ہاشم کی رسیاں کاٹ دیں اور گلے سے طوق اتار دئے۔ یہ تاویل اس لئے علیل ہے کہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ دربار میں پیشی کے وقت ہی غل و جامعہ اتار دئے گئے تھے اور رسیاں کاٹ دی گئی تھیں۔ بعد ازاں کسی روایت میں یہ وارد نہیں ہے کہ قید خانہ میں دوبارہ یہ طوق گلے میں ڈالے گئے تھے۔ لہذا جب طوقوں کا دوبارہ پہنانا ہی ثابت نہیں تو اتارے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح صاحب اسرار الشہادت نے (ص ۵۲۶ پر) اس کی جو تاویل کی ہے کہ شاید اس سے مراد یہ ہو کہ رومی داروغوں کی گفتگو کے بعد دو دن مزید قید میں رہے اور پھر رہائی کا حکم ملا یہ تاویل بھی دوران قیاس اور سیاق و سباق کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل التفات ہے۔ کما لا یخفی۔



## یاںچویں قول کی صحت پر شواہد

اس قول کی صحت و قوت کی چند وجوہ ہیں۔

وجہ اول:- اسے اخبار آئمہ اور اکثر ناقلین آثار کی تائید حاصل ہے اور دوسرے اقوال اس سے محروم ہیں۔  
 وجہ دوم:- اس سے زیادہ عرصہ تک مدت قید کا تسلیم کرنا۔ علاوہ اس کے کہ اس پر کوئی روایت دلالت نہیں کرتی خلاف روایت بھی ہے کیونکہ مزید مدت تک ان کو قید و بند میں رکھنا مفاد ملکی کے خلاف تھا ہم عنقریب رہائی کے اسباب پر تبصرہ کرتے ہوئے تفصیل سے بیان کریں گے کہ یزید کا یہ خیال سراسر غلط فہمی پر مبنی تھا کہ شہادت حسینؑ کے بعد مخدرات کی اس طرح تشہیر کر کے وہ اپنے تسلط و اقتدار کا لوہا اہل عالم سے منوالے گا۔ اس پر اپنے اس زعم باطل کا بطلان پہلے دن ہی دربار میں پیشی کے بعد واضح و عیاں ہو گیا تھا۔ تاریخی بیانات سے ظاہر ہے کہ جوں جوں لوگ حقیقت حال سے آگاہ ہوتے جاتے تھے۔ توں توں یزید سے ان کی نفرت بڑھتی جاتی تھی اور انقلاب کے آثار واضح و آشکار ہونے لگے تھے۔ اس لئے یزید نے اپنی اور اپنی حکومت کی سلامتی اسی میں دیکھی کہ ان کے ساتھ مدارات سے پیش آئے۔ اور جلدی رہائی کے احکام صادر کرے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ شہادت حسینؑ کی ذمہ داری ابن زیاد کے سر تھوپتے ہوئے جلد رہائی کے احکام جاری کئے اور حسن سلوک کے ساتھ مدینہ پہنچا دیا۔

وجہ سوم:- دوسرے اقوال کا بے دلیل ہونا بھی اس قول کی تقویت کا باعث ہے۔ جہاں تک پہلے قول کا تعلق ہے۔ وہ جمہور ارباب تاریخ کے بیانات کے مخالف ہونے کی وجہ سے ناقابل التفات ہے۔ اور سراسر تفریط پر مبنی ہے۔  
 دوسرا قول:- ﴿حفظت شیناً و غابت عنک اشیاء﴾ کا مصداق ہے۔ یہ درست ہے کہ روایت امام میں تین دن قید کا تذکرہ ہے۔ مگر اس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ تیسرے دن شام سے روانگی بھی عمل میں آگئی۔ لہذا جب دوسرے آثار سے آشکار ہے کہ کم از کم تین یوم دار السلطنت میں ماتم اور گریہ و بکاء کے لئے قیام کیا گیا تو اسے کیونکہ نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ جن آثار میں سات یوم نوحہ و بکا کرنا وارد ہے اس سے مراد پوری مدت قیام شام ہے۔ بشمول ایام زندان کیونکہ یہ سلسلہ زندان میں بھی جاری رہا تھا۔ (کما تقدم)

تیسرا، چوتھا اور چھٹا قول تو اس قول کے ساتھ موافق ہے۔ ان میں درحقیقت کوئی تضاد تصادم نہیں ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں واضح کیا جا چکا ہے۔

ساتواں قول:- پندرہ بیس دن والا ہے۔ اس پر بھی سطور بالا میں تبصرہ کر دیا گیا ہے کہ ان حضرات کا ذاتی خیال ہے جس کی بنیاد پر کسی مضبوط اساس پر قائم نہیں ہے۔

آٹھواں قول:- ایک ماہ قید والا ہے۔ اس کی تائید بھی کسی روایت سے نہیں ہوتی۔ صاحب تنظیم الزہراءؑ نے



ص ۲۸۷ پر اس قول پر نقد تبصرہ کرتے ہو لکھا ہے: ﴿لم نظفر علی رواية ذلت علی مقامهم فیها مدة شهر﴾ ہمیں کوئی ایسی روایت نہیں ملی۔ جو اس بات پر دلالت کرے کہ اسیران اہل بیت کا قیام شام میں ایک ماہ تک رہا۔  
 نواں قول:- جس میں چالیس دن مدت قید بیان کی گئی ہے۔ یہ بھی آٹھویں قول کی طرح بے ماخذ و بے دلیل ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

جہاں تک دسویں اور گیارہویں قول کا تعلق ہے۔ ان کی رکاکت و کمزوری محتاج بیان نہیں ہے۔ علاوہ اس کے کہ کتب سیر و توارخ و مقاتل میں ان کا کہیں نام و نشان تک موجود نہیں (اور ظاہر ہے کہ ایسے بے سرو پا اقوال کے تسلیم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) یہ قول روایت کے بھی سراسر خلاف ہیں۔ اگر یزید اتنی طویل مدت تک خاندان نبوت کو قید و بند میں رکھتا تو ملک میں انقلاب آ جاتا۔ ان اقوال کے لکھنے والے حضرات نے جہاں کسی روایت کی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہاں از روئے قانون درایت سیاسیات ملکیہ کے قوانین و آئین کو بھی پیش نظر رکھنے کی زحمت گوار نہیں کی۔ پس جب اس پانچویں قول کے علاوہ جس قدر اقوال ہیں وہ یا تو اس کے موافق ہیں اور یا پھر روایت و درایت کے مخالف ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہیں۔ تو اس سے باوجود اس قول کی صحت و صداقت بالکل بے غبار اور واضح و آشکار ہو جاتی ہے۔ وہو المطلوب!!

وجہ چہارم:- اگر قول کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر وقت واپسی پہلی اربعین پر اسیران آل رسولؐ کا کر بلا پہنچنا اور جناب جابر بن عبد اللہ کے ساتھ وہاں ملاقات کرنا (جیسا کہ مشہور ہے) ممکن الوقوع ہو جاتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ اگر زیادہ مدت والے اقوال کو درست مانا جائے تو پھر مذکورہ بالا واقعہ سے انکار کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ کیونکہ جو حضرات اس واقعہ کی صحت کے منکر ہیں۔ وہ یہی دلیل پیش کرتے ہیں کہ اس قدر طویل مدت تک قید و بند میں رہنے کے بعد کیونکر پہلی اربعین کو کر بلا واپس پہنچ سکتے ہیں؟ اور جو بوجہ قلت وقت آمد و رفت اور قید و بند کی وجہ سے اس کے منکر ہیں۔ ہماری سابقہ تحقیقات سے ان کے استبعادات کے جوابات واضح ہو جاتے ہیں۔

### رہائی اہل بیتؑ اور اس کے علل و اسباب

یزید عنید کا شہادت حسینؑ کا حکم دینا اور پھر اس پر رضامند اور سرور و شاد کام ہونا، مخدرات عصمت و طہارت کو دیار و امصار میں تشہیر کرانا، سر مقدس اور خانوادہ عصمت کے ساتھ پہلے سخت توہین آمیز سلوک کرنا جوش مسرت اور ظاہری فتح و نصرت اور نشہ اقتدار سے چور چور ہو کر کفریہ اشعار پڑھنا تاریخ اسلام کے وہ مسلم الثبوت واقعات ہیں۔ جن کا نہ تو کسی سے انکار ممکن ہے اور نہ ہی کسی یزید نواز فرد یا گروہ کے پردہ ڈالنے سے ان پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے۔ برادران اسلامی کے فاضل گرامی علامہ سعد الدین تفتازانی نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ ﴿الحق ان رضا یزید



بقتل الحسين رضي الله عنه واستبشاره بذلك واهنة اهل بيت النبي عليه السلام مما تواتر معناه وان كان تفصيلها احاداً فحسن لا نتوقف في شأنه بل في ايمانه لعنة الله عليه وعلى انصاره واعوانه ﴿حق یہ ہے کہ یزید کا قتل حسینؑ پر راضی اور خوش و خرم ہونا۔ اور اس کا اہلبیت رسولؐ کی اہانت کرنا اس پر تواتر معنوی موجود ہے۔ اگرچہ ان واقعات کی تفصیل بطریق احاد مروی ہیں۔ بنا بریں ہم اس کے بے ایمان ہونے میں ذرہ بھر توقف نہیں کرتے۔ خدا اس پر اور اس کے اعوان انصار پر لعنت کرے۔﴾

شہادت حسینؑ کے بعد خاندان رسولؐ کی اس طرح تذلیل و توہین سے یزید کا بظاہر جو مقصد تھا کہ وہ اس طرح اس خانوادہ کے اثر و رسوخ کو ختم کر کے اہل عالم پر اپنی دھاک بٹھا سکے گا۔ اور اس کا اقتدار مضبوط سے مضبوط تر ہو جائے گا۔ حالات نے بہت جلد یزید پر اس کے خیال کے غلط ہونے کو واضح و آشکار کر دیا۔ کربلا کی شیردل خاتون نے اپنے غیر فانی خطیبوں کے ذریعہ سے یزید کے ظلم و ستم کو طشت ازہام کر کے اس کے ایوان اقتدار کے ستونوں کو صرف ہلایا ہی نہیں بلکہ بالکل کھوکھلا کر دیا۔ چنانچہ ہر چہار طرف حتیٰ کہ خود اپنے افراد خانہ کی طرف سے بھی اس کی لعنت ملامت ہونے لگی۔ ملک میں انقلاب کے آثار نمودار ہونے لگے۔ خانہ جنگی کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا۔ یزید کو ان بدلتے ہوئے حالات کی سنگینی کا پورا پورا احساس ہو گیا تھا۔ اس لئے ان حالات میں اس نے اپنی اور اپنی سلطنت کی حفاظت و بقا اس امر میں دیکھی کہ شہادت حسینؑ کی ذمہ داری ابن زیاد پر ڈال کر اس سے اپنی برات و بیزاری کا اظہار کرے اور اسیران آل رسولؐ کی جلد رہائی کے احکام جاری کرے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

مذکورہ بالا تاریخی مسلم الثبوت حقائق کی تائید علامہ جلال الدین سیوطی اور مؤرخ شہیر ابن اثیر جزیری کے حقیقت و افروز بیانات سے بھی ہوتی ہے جو اکثر و بیشتر خود یزید کے بیانات سے ماخوذ ہیں۔ اول الذکر لکھتے ہیں ﴿ولما قتل الحسين و بنو ابيه بعث ابن زياد برؤسهم الى يزيد فسر بقتلهم اولاً ثم ندم لما مقتة المسلمون على ذلك و ابغضه الناس و حق لهم ان يبغضوه﴾ جب امام حسینؑ اور ان کے بھائی (اور دیگر اعزاء و انصار) شہید ہو گئے۔ اور ابن زیاد نے ان کے سر یزید کے پاس بھیج دئے تو وہ پہلے تو ان کے قتل سے بہت خوش ہوا۔ پھر جب لوگوں نے اس کے فعل شنیع کی وجہ سے اسے برا سمجھنا شروع کیا اور ان کو اس کا حق بھی تھا کہ اسے برا سمجھیں تب اس نے ندامت کا اظہار کیا۔

اور ثانی الذکر قمر از ہیں: ﴿ولما وصل رأس الحسين الى يزيد حسنت حال ابن زياد عنده و زاده و وصله و سرقة ما فعل ثم لم يلبث الا يسيراً حتى بلغه بغض الناس و لعنهم و سبهم فندم على



قتل الحسين فكان يقول وما على لو احتملت الاذى وانزلت الحسين معي في داري وحكمة فيما يريد وان كان على في ذلك وهن في سلطاني حفظا الرسول الله صلى الله عليه وسلم ورعاية لحقه وقرابته لعن الله ابن مرجانة فانه اضطره وقد سئل ان يضع يده في يدي او يلحق بشعر حتى يتوفاه الله فلم يجبه الى ذلك فقتله فبغضني بقتله الى المسلمين وزرع في قلوبهم العداوة فابغضني الى البر والفاجر لما استعظموه من قتل الحسين مالي ولا بن مرجانة لعنة الله وقله ۱

یعنی جب امام حسینؑ کا سر مبارک یزید کے پاس پہنچا تو اس کی نظر میں ابن زیاد کی وقعت اور بڑھ گئی۔ اور جو کچھ اس نے کیا تھا اس نے یزید کو سرور و شاد کام کیا۔ چنانچہ اس نے اس کو انعام و اکرام سے بھی نوازا ۲ لیکن ابھی بہت ہی تھوڑا وقت گذرا تھا کہ یزید کو یہ اطلاعیں ملنے لگیں کہ لوگ اس کو برا سمجھنے لگے ہیں۔ اور یہ کہ انہوں نے اس کو لعن و طعن اور سب و شتم کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس لئے اب اس نے شہادت حسینؑ پر اپنی ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: میرا کیا نقصان ہوتا اگر میں اذیت برداشت کر لیتا اور حسینؑ کو یہاں اپنے پاس اپنے گھر میں رکھ لیتا۔ اور وہ جو کچھ چاہتے ان کو کرنے دیتا۔ اگرچہ اس سے میرے اقتدار میں کمزوری پیدا ہو جاتی۔ لیکن حق رسول اور ان کی قرابت داری کی حفاظت و رعایت تو ہو جاتی۔ خدا لعنت کرے ابن مرجانہ پر جس نے ان کو مجبور کر کے قتل کر دیا حالانکہ حسینؑ نے اس سے کہا تھا کہ مجھ سے آ کر صلح کی گفتگو کر لیں۔ یا کسی سرحد کی طرف نکل جائیں۔ مگر اس نے ان کی بات نہ مانی (اس آخری پیرا گراف پر ہم سابقہ بعض ابواب میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کر چکے ہیں۔ ناقل) اس طرح ان کو قتل کر کے مجھے مسلمانوں کی نگاہوں میں مبغوض بنا دیا۔ اور میرے خلاف دلوں میں دشمنی کا بیج بو کر مجھے ہر نیک و بد کی نظر میں برا بنا دیا۔ مجھ سے ابن مرجانہ کو کیا کد تھی؟ خدا اس پر لعنت کرے اور اسے قتل کرے۔

بعض آثار سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یزید نے عامۃ المسلمین کی آنکھوں میں دھول ڈالنے اور آل رسول کی اشک شونی کرنے کے لئے کچھ لوگوں سے پوچھ گچھ بھی کی۔ مگر ان میں سے بعض نے اصل حقیقت کو بالکل بے نقاب کر کے الٹا اسے دربار عام میں ذلیل و رسوا کر دیا۔

چنانچہ بعض کتب میں وارد ہے کہ یزید نے بعض قائدین لشکر مثل شبث بن ربعی، شمر بن ذی الجوشن، سنان

۱ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۳۰۰، طبع جدید۔

۲ منقولہ ان قطعی دلائل کے جو شہادت حسینؑ پر یزید کی رضا مندی پر دلالت کرتے ہیں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر وہ اس بات پر راضی نہ تھا اور نہ قتل حسینؑ کو جائز سمجھتا تھا۔ بلکہ اس کے نزدیک یہ ابن زیاد کے ضعیفان و سرکشی کا نتیجہ تھا تو پھر لازم تھا کہ اس سے قصاص و انتقام لینے کا کوئی انتظام کرتا مگر اس کے متعلق تاریخ خاموش ہے بلکہ اس کے برعکس اس کو انعام و اکرام سے نوازا نا ثابت ہے۔ بعد ازیں کون دشمن عقل و خرد یہ باور کر سکتا ہے کہ یہ سب کچھ یزید کے حکم اور اس کی رضا مندی کے بغیر ہوا۔!! (منہ غشی عنہ)



بن انس نخعی، مصائب بن وہبہ اور خولی بن یزید اصبہی وغیرہ کو دربار میں بلایا۔ پہلے شبث کو خطاب کر کے کہا کیا تو نے حسینؑ کو قتل کیا ہے؟ اور کیا میں نے تمہیں ان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا؟ شبث نے کہا: میں نے ان کو قتل نہیں کیا۔ خدا ان کے قاتل پر لعنت کرے! یزید نے کہا پھر کس نے ان کو قتل کیا ہے؟ شبث نے کہا: مصائب بن وہبہ نے یزید نے روئے سخن مصائب کی طرف کرتے ہوئے اس سے یہی سوال کیا مصائب نے بھی شبث کی طرح جواب دے کر تیسرے آدمی پر ٹال دیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے یزید ان لوگوں سے دریافت کرتا رہا اور وہ جواب میں اپنی برات ظاہر کر کے دوسرے پر ٹالتے رہے۔ بالآخر نوبت قیس بن ربیع تک جا پہنچی۔ سب نے بالاتفاق اسے قاتل قرار دیا۔ یزید نے اس سے وہی سوال کیا۔ قیس نے نفی میں جواب دیا۔ یزید نے قدرے برہم ہو کر کہا وائے ہو تم پر! آخر کس نے انہیں قتل کیا؟ قیس نے کہا اگر مجھے امان دی جائے تو میں بتاتا ہوں کہ حسینؑ کا اصل قاتل کون ہے؟ یزید نے امان دی قیس نے کہا: حسینؑ کو قتل نہیں کیا مگر اس شخص نے جس نے علم جنگ بلند کیا اور لشکر پر لشکر روانہ کیا! یزید نے کہا وہ شخص کون ہے؟ قیس نے برجستہ جواب دیا وہ تو ہے اے یزید! تو نے حسینؑ کو قتل کیا ہے۔ یزید یہ تلخ مگر مبنی بر حقیقت جواب سن کر یہ کہتے ہوئے کہ مالی و لقتل الحسین کل سرا میں چلا گیا۔

### رہائی کی کیفیت

پھر یزید نے اسیران اہل بیتؑ کی رہائی کے احکام صادر کئے اور امام زین العابدینؑ کو بلا بھیجا۔ جب امام تشریف لائے تو تخیلہ کرا کے ان سے انہی سابقہ خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ﴿لَعَنَ اللّٰهُ ابْنَ مَرْجَانَةَ اَمَّا وَاللّٰهُ لَوَانِي صَاحِبُهُ مَا سَنَلْنِيْ خَصْلَةً اَبَدًا اِلَّا اَعْطَيْتَهُ اَيَاهَا وَلَدَفَعْتَ الْحَتْفَ عَنْهُ بِكُلِّ مَا اسْتَطَعْتَ وَلَوْ بَهْلَاكٍ بَعْضٌ وَلَدَىْ﴾ خدا! بن مرجانہ پر لعنت کرے۔ خدا کی قسم۔ اگر مجھ سے ان (حسینؑ) کا سامنا ہوتا تو جو کچھ چاہتے ہیں اسے پورا کرتا۔ اور جہاں تک ممکن ہوتا۔ ان کو قتل ہونے سے بچاتا اگرچہ مجھے اپنی بعض اولاد بھی موت کے منہ میں جھونکنی پڑتی۔

بعض کتب مقاتل میں مرقوم ہے کہ قیام دمشق کے دوران جب امامؑ کو دربار میں بلایا جاتا تھا تو کسی وقت یزید نے کسی بات سے خوش ہو کر امامؑ کی تین حاجتیں بر لانے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ رہائی کے وقت یزید نے امامؑ سے کہا: اپنی حاجات ذکر کریں۔ امامؑ نے فرمایا:

﴿الاولی ان ترینی وجہ سیدی و مولائی و ابی الحسین علیہ السلام فانزود منه. والثانیة

ان ترد علینا ما اخذ منا. و الثالثة ان کنت عزمت علی قتلی ان توجه مع هؤلاء النسوة من یرذهن



الی حرم جدھن ﴿پہلی حاجت تو یہ ہے کہ مجھے اپنے آقا و بابا حسین علیہ السلام کا سر مقدس دکھاؤ تاکہ میں اس سے زاد (زیارت) حاصل کر لوں۔ دوسری یہ ہے کہ (کربلا کی) لوٹ مار میں ہمارا جو مال و اسباب لوٹا گیا ہے وہ واپس کر دیجئے تیسری یہ ہے کہ اگر تو نے میرے قتل کا ارادہ کر لیا ہے تو کوئی (ایمن) آدمی مقرر کرنا جو ان مستورات کو ان کے جد نامدار کے حرم میں پہنچا آئے۔ یزید نے کہا: ﴿اما وجه ابیک فلا تراه ابداً و اما قتلك فقد عفوت عنک و اما النساء فما یردن غیرک و اما ما اخذه منکم فانا اعوضکم عنه اضعاف قیمته﴾ جہاں تک آپ کے والد کے سر کا تعلق ہے آپ اسے کبھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ اور جہاں تک تمہیں قتل کرنے کا تعلق ہے میں نے اس سے درگزر کیا ہے۔ لہذا مستورات کو آپ خود ہی واپس ساتھ لے جائیں گے۔ اور جہاں تک تمہارے مال و اسباب کا تعلق ہے میں اس کے عوض تمہیں کئی گنا زیادہ قیمت ادا کرتا ہوں! امام نے جواب دیا: ﴿اما مالک فلا نریده و هو موفر علیک و انما طلبت ما اخذ منا لان فيه مغزل فاطمة بنت محمد صلی اللہ علیہ والہ و مقنعتها و قلادتها و قمیصھا﴾ ہمیں تمہارے مال کی کوئی ضرورت نہیں ہے میرا مطالبہ تو یہ ہے کہ جو مال ہم سے چھینا گیا ہے وہی ہمیں واپس دے دیا جائے کیونکہ اس میں حضرت فاطمہ بنت رسول کا چرخہ، ان کا مقنعہ، گلو بند اور ان کی قمیص ہے۔ چنانچہ یزید کے حکم سے یہ سب مال و اسباب واپس کر دیا گیا۔ مزید برآں یزید نے اپنی طرف سے دوسو دینار بھی پیش کئے جو امام نے اسی وقت فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیئے۔ اگرچہ سید اجل بن طاووس علیہ الرحمہ کی اس روایت کو بلا کسی جرح کے اکثر ارباب مقاتل نے اپنی کتب میں درج کر دیا ہے۔ مگر اس روایت کی بابت دو چیزیں بری طرح طبعیت میں کھٹکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ جن تبرکات فاطمہؑ کا اس میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہ کربلا میں ہمراہ کیوں لائے گئے تھے؟ دوسری جو کہ پہلی سے بھی اہم ہے۔ وہ یہ ہے کہ کربلا میں خاندان نبوت کا جو مال و اسباب لوٹا گیا تھا وہ تو لوٹنے والے سپاہی اپنے اپنے گھر لے گئے تھے۔ وہ شام میں کیسے پہنچ گیا تھا جو یزید نے رہائی کے وقت واپس کر دیا؟ اگرچہ بنا بر صحت روایت اس کی تاویل بعید ممکن ہے مگر اس کی صحت محل کلام ہے۔ و اللہ العالم

یہ بھی بعض آثار میں وارد ہے کہ اسیران آل محمدؑ کی رہائی کے وقت یزید نے اونٹوں پر شان دار محمل رکھائے۔ اور چمڑے کے قطعے اور ریشم کے کپڑے بچھا کر ان پر درہم و دینار کے ڈھیر لگا دئے۔ پھر بوقت رخصت مخدرات کو بلا کر کہا: ﴿یا ام کلثوم! اخذوا هذه الاموال عوض ما اصابکم﴾ ام کلثوم! ان مصائب و شدائد کے عوض جو تم پر وارد ہوئے ہیں یہ مال و منال لے لو۔ جناب ام کلثوم نے فرمایا: ﴿یا یزید! ما اقل حیوانک و اصلب و جھک۔ تقتل اخى و اهل بیتى و تعطینى عوضهم مالا و اللہ لا کان ذلک ابداً﴾ اے یزید!



تو کتنا بے شرم و بے حیا ہے۔ میرے بھائی اور جملہ اہل بیت کو قتل کرتا ہے اور پھر اس کے عوض مجھے مال دیتا ہے۔ خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔<sup>۱</sup>

اس کے بعد نعمان بن بشیر انصاری کو آدمیوں کی ایک جماعت دے کر (جن کی تعداد مورخ طبری اور صاحب اخبار الدول کے بیان کے مطابق تیس تھی مگر ابی مخنف اور اس کے حوالہ سے صاحب ناخ نے پانچ سو لکھی ہے جو کسی طرح بھی قرین عقل و نقل نہیں ہے) حکم دیا کہ پس ماندگان امام کو احترام کے ساتھ مدینہ پہنچائیں۔<sup>۲</sup>

چنانچہ نعمان بن بشیر ہماری سابقہ تحقیق کے مطابق ۸ صفر المظفر کو خاندان نبوت کے پس ماندگان کو لے کر دار السلطنت شام سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور یزید کی ہدایت کے مطابق۔۔۔۔۔ پورے عز و احترام کے ساتھ اہل بیت رسالت کو مدینہ پہنچایا۔<sup>۳</sup>

### اسیران آل محمدؐ کا رہائی کے بعد کربلا میں ورود

راویان اخبار کا بیان ہے کہ واپسی پر جب یہ قافلہ اہل بیت سر زمین عراق کی سرحد پر پہنچا جہاں دوراہہ تھا۔ ایک راستہ سیدھا مدینہ کو جاتا تھا۔ اور دوسرا عراق کی طرف سے تو انہوں نے راہبر سے فرمایا کہ ہمیں کربلا (عراق) کے راستہ سے لے چلو چنانچہ حسب الحکم عراقی راستہ اختیار کیا گیا۔ جب کربلا میں ورود ہوا اور مقتل گاہ کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ اسی وقت جناب جابر بن عبد اللہ انصاریؓ اور کچھ ہاشمی؟؟ قبر حسینؑ کی زیارت کے لئے مدینہ سے کربلا پہنچے ہیں۔ جناب ابن طاووسؒ نے لکھا ہے: ﴿فوافدا فی وقت واحد و تلاقوا بالبکاء و الحزن و اللطم و اقامو الماتم المقرحة للاکباد و اجتمع الیہم نساء ذلک السواد فاقاموا علی ذلک ایاماً﴾ یعنی دونوں قافلے ایک ہی وقت میں بروز اربعین یعنی (پہنچے ۲۰) صفر کو) وارڈ کربلا ہوئے۔ انتہائی حزن و ملال اور گریہ و بکا کے ساتھ باہمی ملاقات ہوئی، جگر خراش انداز میں مراسم عزاداری بجالائے۔ اور اس علاقہ کی عورتیں بھی آ کر شریک ماتم و غم ہو گئیں۔ کئی روز (بروایت ریاض الاحزان، ص ۱۵۷: تین یوم) تک یہ سلسلہ قائم رہا۔<sup>۴</sup> جناب جابرؓ کی کیفیت

۱۔ تنظیم الزہراء، ص ۲۸۸۔ نفس المہموم، ص ۲۵۲۔ الدمعة الساکبہ، ص ۳۸۶ وغیرہ۔

۲۔ طبری، ج ۶، ص ۲۶۵۔ کامل، ج ۳، ص ۳۰۰۔ ارشاد، ص ۲۷۰۔ عاشر بحار، ص ۲۲۹۔ نفس المہموم، ص ۲۵۵۔

۳۔ ارشاد، ص ۲۷۰۔ نفس المہموم، ص ۲۵۱۔

۴۔ الدمعة الساکبہ، ص ۲۸۹۔ المختب للطریق، ص ۲۵۰۔

۵۔ ماہوف، ص ۱۷۶۔ عاشر بحار، ص ۲۲۹۔ نفس المہموم، ص ۲۵۳۔ تقام، ص ۴۹۰۔ ناخ، ج ۶، ص ۳۵۲۔ لوائح الاشجان، ص ۱۸۹۔

مقتل الحسین للمقرم، ص ۳۳۵۔



زیارت مفصل طور پر بشارۃ المصطفیٰ (ص ۸۹ پر) طبع الخف وغیرہ کتب میں بروایت عطیہ عوفی مرقوم ہے۔

تبصرہ:-

مخفی نہ رہے کہ رہائی کے بعد واپسی پر اس قافلہ کا کر بلا پہنچنا ایک معرکہ الا را مسئلہ ہے اور اختلاف کی آماجگاہ ہے۔ بعض حضرات نے تو محض اس استبعاد کی وجہ سے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شہادت امام کے بعد ابن زیاد کا قاصد شام جائے۔ پھر وہاں سے حکم یزید لائے۔ بعد ازاں اسیران اہل بیت کو شام بھیجا جائے اور وہاں کچھ عرصہ ان کو زندان میں رکھا جائے۔ اور پھر رہائی کے بعد وہی قافلہ بروز اربعین یستم صفر کو کر بلا میں بھی پہنچ جائے۔ یعنی صرف چالیس روز کی قلیل مدت میں یہ سب کچھ ہو جائے۔ سرے سے اس واقعہ کا انکار کر دیا ہے اور بعض نے یہ نظریہ قائم کیا کہ کوفہ سے شام جاتے وقت کر بلا میں ورود ہوا تھا اور بعض نے یہ بے پرکی اڑائی کہ کر بلا میں یہ ورود اور جناب جابر سے ملاقات ایک سال کے بعد دوسری اربعین ۶۲ ہجری کو ہوئی الغرض۔

ہر کس بقدر فہم ش فہمید مدعارا

ہم اسی کتاب کے اسی باب کی ابتداء میں جو تحقیق پیش کر آئے ہیں کہ بنا برتسلیم ارسال قاصد پندرہ محرم تک سدھائے ہوئے کبوتر یا تیز گام قاصد کے ذریعہ سے یزید کا پیغام ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا تھا اور اسی روز اس نے اس لئے ہوئے قافلہ کو شام کی طرف روانہ کر دیا تھا اور یکم صفر کو قریباً پندرہ یوم میں یہ قافلہ شام پہنچا۔ پھر زندان وغیرہ میں سات روز قیام کرنے کے بعد آٹھویں دن یعنی آٹھویں صفر کو واپس روانہ ہوا۔ اس طرح قریباً بارہ یوم میں یہ قافلہ بآسانی کر بلا پہنچ سکتا ہے۔ اور ان حقائق کی روشنی میں مذکورہ بالا استبعادات کا کوئی محل اور وزن باقی نہیں رہ جاتا اور نہ ہی ان کی بنا پر ایک مشہور واقعہ کی صحت کا انکار کیا جاسکتا ہے صاحب تظلم الزہراء نے ۲۸۷ پر ایسے ہی استبعادات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”بعد تسلیم محض استبعاد ولا یبغی بمحضہ انکار الروایات“ بعد ازاں ثابت کیا ہے کہ کوفہ شام تک تیز رو قاصد تین یوم میں پہنچ سکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ کسی غیر معمولی واقعہ کی اطلاع دینا ہو۔ جیسے شہادت امام مظلوم کی خبر مشہور فرامی۔

باقی رہا یہ خیال کہ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو اکابر علماء مثل شیخ صدوق و شیخ مفید و امثالہم رضوان اللہ علیہم اس واقعہ

۱۔ محدث نوری (درلؤلؤ و مرجان) و محدث قمی (درمشتی الامال)۔ فاضل امر و ہوی (درمجاہد اعظم)۔

۲۔ مرزا سپہرگاشانی (درناخ، ج ۶، ص ۳۵۳)۔

۳۔ مظلومہ کر بلا، ص ۳۶۲۔ اس کتاب میں یہ زیادتی بھی کی گئی ہے کہ ۲۰ صفر ۶۲ کو لکھ کر نیچے لہوف، منتخب طریگی اور تاریخ کا نام درج کر دیا ہے حالانکہ ان کتب میں ۶۲ کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے۔ (منہ غفی عنہ)



کا ذکر کرتے۔ اس کا جواب واضح ہے کہ ان بزرگواروں کا بوجہ اختصار اس واقعہ کا ذکر نہ کرنا اس واقعہ کے عدم وقوع کی دلیل نہیں بن سکتا جب کہ یہ واقعہ دوسری کتب معتبرہ میں موجود ہے۔ بوجہ اختصار جب انہوں نے دیگر منازل و حالات سفر کو قلم بند نہیں کیا تو اگر اس واقعہ کو نظر انداز کر دیا ہے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے آخر یہ اس سفر کی ایک منزل ہی تو ہے۔

### زیارت اربعین کی فضیلت

غالباً اسی وجہ سے کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے اربعین کے دن جناب سید الشہداء علیہ السلام کی زیارت کی تھی۔ اور اس روز سے زیارت حسینؑ کو علامات مؤمن میں داخل کر دیا گیا۔ جیسا کہ امام حسن عسکریؑ سے مروی ہے فرمایا: ﴿علامات المؤمن خمس صلوة احدى و خمسين و زيارة الاربعين والجهر بسم الله الرحمن الرحيم والتختيم في اليمين وتعفير الجبين﴾ مؤمن کی پانچ علامتیں ہیں: (۱) (شب و روز میں) اکیاون رکعت نماز پڑھنا۔ (۲) زیارت اربعین کرنا۔ (۳) (نماز میں) بسم اللہ کو بآواز بلند پڑھنا۔ (۴) داہنے ہاتھ میں انگلی پھینکا۔ (۵) (سجدہ) میں خاک پر چہ سائی کرنا۔

اس حدیث میں واروشدہ لفظ ”زيارة الاربعين“ سے علماء اعلام نے یہی سمجھا ہے کہ اس سے مراد بروز ہستم صفر سید الشہداء کی زیارت کرنا ہے تفصیل مقتل الحسین الممقرم میں موجود ہے۔

### قافلہ آل محمدؐ کا مدینہ میں ورود

بہر کیف یہاں سے چل کر جب یہ قافلہ منازل سفر طے کرتے ہوئے بالآخر مدینہ رسولؐ کے قریب پہنچا تو سالار قافلہ امام نے وہاں حل اقامت ڈال دیا خیمہ نصب کر کے مخدرات کو اس میں بٹھایا گیا۔ پھر امام نے بشیر بن جذلم کو (جو پہرہ داروں میں شامل تھا) بلا کر فرمایا: ﴿رحم الله اباك لقد كان شاعراً فهل تقدر على شئ منه؟﴾ خدا تیرے باپ پر رحم کرے وہ تو شاعر تھا کیا تم بھی کچھ شعر کہہ لیتے ہو؟ بشیر نے عرض کیا: ﴿بلی یا بن رسول الله انی لشاعر﴾ ہاں فرزند رسول! میں بھی شاعر ہوں! امام نے فرمایا: ﴿ادخل المدينة و انع ابا عبد الله﴾ مدینہ میں جاؤ اور اہل مدینہ کو ابو عبد اللہ الحسینؑ کی خبر شہادت سناؤ بشیر کا بیان ہے کہ میں گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑا دوڑاتا ہوا مدینہ میں داخل ہوا۔ جب مسجد نبویؐ کے قریب پہنچا تو بلند آواز سے گریہ و بکا کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھنے شروع کئے۔

قتل الحسین فاد معی مدرار

یا اهل یثرب لا مقام لکم بها



والرأس منه على القناة يدار والجسم منه بكر بلاء مخرج

پھر میں نے کہا: ﴿یا اهل المدينة هذا علی بن الحسین مع عمامته و اخواته قد حلوا بساحتکم و نزلوا بفنائکم و انا رسولہ الیکم اعرفکم مکانہ﴾ اے مدینہ والو! یہ علی بن الحسین! اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کے ساتھ تمہارے قریب تشریف لائے ہیں۔ میں تمہیں ان کی آمد کی اطلاع اور شہادت حسین کی خبر دینے کے لئے آیا ہوں۔ بشیر بیان کرتا ہے کہ میرا یہ اعلان کرنا تھا کہ مدینہ کے اندر جس قدر مستورات تھیں۔ وہ بے حجاب ہو کر کھلے سروں رخساروں پر طمانچے مارتی ہوئی اور ویل و شور پکارتی ہوئی اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑیں۔ اور مدینہ کے تمام مرد بھی گریہ و بکا کرتے ہوئے نکل پڑے۔ میں نے اس سے زیادہ کبھی گریہ و بکا ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ ہی وفات رسول کے بعد مسلمانوں پر کوئی ایسا سخت دن نظر سے گذرا تھا۔ اسی اثنا میں میں نے ایک لڑکی کو سید الشہداء علیہ السلام پر یوں نوحہ کرتے ہوئے سنا:

نعی سیدی ناع نعاہ فا و جعا و امرضنی ناع نعاہ فافجعا  
فعینی جوذا بالدموع و اسکبا  
علی من دہنی عرش الجلیل فزعزعا  
علی بن نبی اللہ و ابن وصیہ  
و ان کان عنا شاحط الدار اشععا

پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: ﴿الناعی جددت حزنا بابی عبد اللہ و حرشت منا قروحا لما تندمل فمن انت رحمک اللہ؟﴾ اے خبر شہادت سنانے والے تو کون ہے؟ تو نے تو حضرت ابو عبد اللہ کی وجہ سے ہمارے ان زخموں کو تازہ کر دیا ہے جو ہنوز مندمل بھی نہیں ہوئے تھے۔ میں نے کہا: ﴿انا بشیر بن جزلہم جہنی مولائی علی بن الحسین و هو نازل الموضع کذا و کذا مع عیال ابی عبد اللہ الحسین و نسائہ﴾ میں بشیر بن جزلہم ہوں! مجھے میرے آقا علی بن الحسین نے بھیجا ہے جو فلاں جگہ پر حضرت ابو عبد اللہ الحسین کے اہل و عیال سمیت موجود ہیں۔ میرا یہ جواب سن کر لوگوں نے مجھے وہیں چھوڑا اور خود خدمت امام میں حاضر ہونے کے لئے دوڑ پڑے۔ میں بھی گھوڑے کو ایڑا لگا کر واپس پہنچا دیکھا کہ لوگوں کی اس قدر کثرت ہے کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں۔ تمام راستے بند ہیں۔ چنانچہ میں گھوڑے سے اتر پڑا۔ اور لوگوں کے اثر دھام سے بمشکل گذرتا ہوا خیمہ امام کے دروازہ پر پہنچا۔ اس وقت تک امام خیمہ سے باہر تشریف نہیں لائے تھے۔ پس اچانک امام اس حالت میں خیمہ سے باہر برآمد ہوئے کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ہاتھ میں ایک رومال تھا جس سے آنسو پونچھتے جاتے تھے مگر آنسو تھے کہ برابر بہہ رہے تھے۔ پیچھے پیچھے خادم کرسی اٹھا کر لا رہا تھا۔ خادم نے کرسی رکھی۔ امام بیمار اس پر بیٹھ گئے جب



لوگوں کی نظر اس حال میں سوگوار امام پر پڑی تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور رو کر چاروں طرف سے تعزیت مسنونہ پیش کرنے لگے۔ اس وقت اس قدر گریہ و بکا اور نالہ و شیون کا شور بلند ہوا کہ کانوں پر پی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد امامؑ نے لوگوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ خاموش ہو جاؤ۔ چنانچہ ان کی آواز گریہ خاموشی کے ساتھ تبدیلی ہو گئی۔ اس وقت امام سجاد علیہ السلام نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

### امام سجاد علیہ السلام کا خطبہ

الحمد لله رب العلمين الرحمن الرحيم ملك يوم الدين يارى الخلائق اجمعين الذى بعد فارفع فى السموات العلى وقرب فشهد النجوى نحمده على عظام الامور وفجائع الدهور والم فجائع ومضاضة اللواذع و جليل الرزء وعظيم المصائب الفاطمة الكاظة الفادحة الجائحة ايها الناس ان الله وله الحمد ابتلانا بمصائب الجليلة وثلمه فى الاسلام عظيمة قتل ابو عبد الله وعترته وسبى نسائه وصبيته وداروا برأسه فى البلد ان من فوق عامل السنان وهذه الرزية التى لا مثلها رزية ايها الناس فای رجالات منكم يسرون بعد قتله ام اى فواد لا يحزن من اجله ام اية عين منكم تحبس دمعها وتضن عن انهما لها فقد بكت السبع الشدا دلقتله وبكت البحار بامواجها والسموات باركانها والارض بارجائها والاشجار باغصانها والحيتان فى لجج البحار والملائكة المقربون و اهل السموات اجمعون. يا ايها الناس اى قلب لا ينصدع لقتله ام اى فواد لا يحزن اليه ام اى مسمع يسمع هذه التلمة التى ثلمت فى الاسلام ولا يصم ايها الناس اصبحنا مطرودين مشردين مذودين شاسعين عن الامصار كأننا اولاد ترك و كابل من غير جرم اجترمناه ولا مكروه ارتكبناه ولا ثلمة فى الاسلام ثلمناها ما سمعنا بهذا فى ابائنا الاولين ان هذا الاختلاق. والله لو ان النبى صلى الله عليه و اله تقدم اليهم لم فى قتا لنا كما تقدم اليهم فى الوصاية بنا لما زادوا على ما فعلوا بنا فانا لله و انا اليه راجعون من مصيبة ما اعظمها و اوجعها و افجعها و اكظها و افظها و امرها و اقدحها فعند الله تحتسب فيما اصابنا وما بلغ بنا انه عزيز ذو انتقام۔

سب تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو یوم جزاء کا مالک اور تمام مخلوق کا خالق ہے۔ جو (ذات کے اعتبار سے) انتہائی بلند و دور ہے اور (علم و دیگر صفات کے لحاظ سے) انتہائی نزدیک ہے۔ ہم شدا کہ روزگار نواب، جگر،



فگار، تکالیف صبر سوز سخت مصیبت، و شدید مصائب اندوہ آگین پر اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ ایہا الناس! خدا کا شکر ہے کہ اس نے عظیم مصائب و شدائد کے ساتھ ہماری آزمائش کی۔ اسلام کی دیوار میں سخت رخنہ شکاف پڑ گیا۔ جناب ابو عبد اللہ (الحسین) اور ان کی عزت شہید کر دی گئی۔ اور ان مستورات اور بچوں کو قید کیا گیا۔ اور ان کے سر مقدس کو نوک نیزہ پر بلند کر کے مختلف دیار و امصار میں پھرایا گیا۔ اور یہ وہ عظیم مصیبت ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ ایہا الناس تم میں سے وہ کون ہیں جو آں جناب کی شہادت کے بعد خوش و خرم ہوں گے؟ اور وہ کونسی آنکھ ہے جو اس واقعہ ہائیکہ پر آنسو بہانے میں بخل کرے گی؟ ان کی شہادت پر تو ساتوں آسمان (اپنی بلندیوں سمیت سمندر اپنی موجوں کے ساتھ آسمان اپنے ارکان کے ساتھ، زمین اپنے اطراف کے ساتھ، درخت اپنی ٹہنیوں کے ساتھ مچھلیاں سمندروں کی موجوں میں تمام ملائکہ مقربین اور تمام اہل آسمان (وزمین) روئے ہیں۔ ایہا الناس! وہ کونسا دل ہے جو آپ کی شہادت کی وجہ سے پھٹ نہ جائے گا۔ وہ کونسا دل ہے جو ان کی طرف نہیں کھنچے گا، اور وہ کونسا کان ہے جو اس اسلامی رخنہ کی خبر (غم اثر) سنے گا۔ اور بہرہ نہ ہو جائے گا؟ ایہا الناس! ہمیں (اپنے وطن مالوف سے) دور کر دیا گیا۔ ہماری جمعیت کو پراگندہ کر دیا گیا اور ہمیں دیار و امصار سے دور پھینک دیا گیا۔ گویا کہ ہم ترک و دیلم کی اولاد ہیں؟ حالانکہ ہم نے نہ کسی جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ نہ کسی ناپسندیدہ حرکت کا اور نہ اسلام میں کوئی رخنہ واقعہ کیا تھا نیز ہم نے اپنے بزرگوں کے متعلق بھی ایسی کوئی بات نہیں سنی۔ خدا کی قسم جس طرح پیغمبر اسلام نے ان لوگوں کو ہمارے اعزاز جلال کی وصیت فرمائی تھی اگر (اس کے برعکس) ان کو ہمارے ساتھ قتل و قتل کا حکم دیتے تو یہ اس سے زیادہ برا سلوک نہ کر سکتے تھے جو اب ہمارے ساتھ کیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (آہ) یہ مصیبت کس قدر عظیم تر، دردناک تر تکلیف دہ تر، شنیع تر، تلخ تر اور گزندہ تر ہے ہمیں جو کچھ مصائب و شدائد پہنچے ہیں ہم ان کے عوض خداوند عالم سے اجر و ثواب کے امیدوار ہیں۔ کیونکہ وہ غالب اور (ظالموں سے) انتقام لینے والا ہے۔

جناب صوحان بن صعصعہ بن صوحان نے جو بوجہ مرض زمین گیر ہو چکے تھے۔ نصرت امام کا فریضہ ادا نہ کر سکنے پر معذرت پیش کی۔ اور امام نے ان کی معذرت کو شرف قبول بخشے ہوئے ان کے والد کے حق میں دعائے خیر فرمائی بعد ازاں یہ تباہ حال قافلہ مدینہ رسول کی طرف روانہ ہوا۔ دیکھا کہ مدینہ اجڑا ہوا نظر آ رہا ہے اور یوں محسوس ہو رہا ہے کہ اس کے دور و دیوار اپنے مکینوں کی شہادت پر نوحہ و ماتم اور گریہ و بکا کر رہے ہیں۔ کما قال ابن قتیبہ فی مروتیۃ الحسین

فلم ارھا امثالھا یوم حلت  
و ان اصبح منہم بزعمی تخلت

مروت علی ابیات آل محمد  
فلا یعد اللہ الدیار و اہلھا



الا ان قتلی الطف من آل ہاشم  
و كانوا غیاثاً ثم اضحوا رزیه  
اذلت رقاب المسلمین فذلّت  
لقد عظمت تلک الرزایا و جلّت  
لم تر ان الشمس اضحت مریضه  
لفقد حسین و البلاد اقشعرت  
بعض کتب مقاتل میں منقول ہے کہ جب اس حال میں جناب ام کلثوم کی نظر مدینہ رسول کے درو دیوار پر  
پڑی تو گریہ کنال آواز میں یہ اشعار حزن شعار پڑھنا شروع کئے

مدینہ جدنا لا تقبلینا  
الا خبر رسول اللہ فینا  
فبالحسرات والاحزان جئنا  
بانا قد فجعنا فی ابننا  
و ان رجالنا بالطف صرعی  
و اخبر جدنا انا اسرنا  
و رهطک یا رسول اللہ اضحوا  
وقد ذبحوا الحسین و لم یراعوا  
فلو نظرت عیونک للاساری  
رسول اللہ بعد الصون صارت  
و کنت تحوطنا حتی تولت  
افاطم لو نظرت الی السبایا  
افاطم لو نظرت الی الحیاری  
افاطم لو رأیت بنا سہاری  
افاطم ما لقیتم من عداک  
فلو دامت حیاتک لم تزالی  
و عرج بالبقیع وقف و نادى  
و قل یا عم یا الحسن المزکی

فبالحسرات والاحزان جئنا  
بانا قد فجعنا فی ابننا  
بلا رؤوس و قد ذبحوا البینا  
و بعد الاسر یا جدا سبینا  
عرایا بالطفوف مسلینا  
جنابک یا رسول اللہ فینا  
علی اقاتب الجمال محملینا  
عیون الناس ناظرۃ الینا  
عیونک ثارت الاعداء علینا  
بناتک فی البلاد مشتینا  
و لو ابصرت زین العابدینا  
و من سهر اللیالی قد عمینا  
و لا قیراط مما قد لقینا  
الی یوم القیامۃ تند بینا  
ابن حبیب رب العالمینا  
عیال اخیک اضحو اضایعینا



ايا عماه ان اخاك اضحى  
 بلا رأس تنوح عليه جهرا  
 ولو عاينت يا مولائي ساقوا  
 على من النياق بالاوطاء  
 مدينة جدنا لا تقبلينا  
 خرجنا منك بالاهلينا جمعا  
 وكنا في الخروج بجمع شملي  
 وكنا في امان الله جهرا  
 ومولينا الحسين لنا انيس  
 فنحن الضائعات بلا كفيل  
 ونحن السائرات على المطايا  
 ونحن بنات يس وظه  
 ونحن الطاهرات بلا خفاء  
 ونحن الصابرات على البلايا  
 الا يا جدنا قتلوا حسينا  
 الا يا جدنا بلغت عدانا  
 لقد هتكوا النساء وحملوها  
 وزينب اخرجوها من خباها  
 سكينه تشتكي من حر وجد  
 وزين العابدين بقيد ذل  
 فبعد هم على الدنيا تراب  
 وهذي قصتي مع شرح حالي  
 بعيدا عنك بالرمضا رهينا  
 طيور والوحوش الموحشينا  
 حريماً لا يجدن لهم معينا  
 وشاهدت الغيال مكشفينا  
 فبالحسرات والاحزان جيشنا  
 رجعنا لا رجال ولا بنيانا  
 رجعنا خاسرين مسلمينا  
 رجعنا بالقطيعة خائفينا  
 رجعنا والحسين به رهينا  
 ونحن النائحات على اخينا  
 نشال على جمال المبعضينا  
 ونحن الباقيات على ايينا  
 ونحن المخلصون المصطفونا  
 ونحن الصادقون الناصحونا  
 ولم يرعوا جناب الله فينا  
 منهاها واشتقى الاعداء فينا  
 على الاقتاب قهرا اجمعينا  
 وفاطم واله تبدى الانينا  
 تنادى الغوث رب العالمينا  
 وراموا قتله اهل الخثونا  
 فكاس الموت فيها قد سقينا  
 الا يا سامعون ابكوا علينا



## قافلہ اہل بیتؑ روضہ رسولؐ پر

راویان اخبار کا بیان ہے کہ جب یہ قافلہ مدینہ میں داخل ہوا تو پہلے پہل سیدھا مسجد نبویؐ اور روضہ رسولؐ کے پاس پہنچا۔ فلک کج رفتار اور دیدہ دہر غدار نے لاکھوں جگر سوز اور جانگداز سانچے دیکھے ہوں گے مگر اس نے علیؑ و بتولؑ کی لاڈلیوں اور رسولؐ اسلام کی نو اسیوں اور حسینؑ مظلوم کی بیٹیوں کی واقعہ کر بلا کے بعد قید و بند کی صعوبتیں اور طویل سفروں کی دل ہلا دینے والی مشکلیں جھیلنے کے بعد روضہ رسولؐ پر پہنچنے جیسا دردناک منظر کبھی نہ دیکھا ہوگا، جبکہ ام المصائب زینب کبریٰؑ نے مسجد نبویؐ کے دروازہ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بلند آواز سے روتے ہوئے کہا: ﴿یا جداہ! انی ناعیۃ الیک اخی الحسنین﴾ اے جدنا مدار! میں آپ کے پاس اپنے بھائی حسینؑ کی خبر شہادت لائی ہوں۔ اس وقت بی بی عالم کی یہ حالت تھی کہ نہ تو آنکھوں سے آنسو تھمتے تھے اور نہ گریہ و بکاء اور نوحہ و بین کرنے میں افاقہ ہوتا تھا۔ اس حال میں جب بھی شریکۃ الحسینؑ کی نظر امام زین العابدینؑ پر پڑتی تھی تو ان کے حزن و ملال میں اور اضافہ ہو جاتا تھا۔ بعض کتب میں وارد ہے کہ اس کے بعد جناب ام کلثومؑ با چشم گریاں و دل بریاں قبر رسولؐ کی طرف بڑھیں اور عرض کیا۔ ﴿السلام علیک یا جداہ! انی ناعیۃ الیک ولدک الحسنین﴾ اے نانا! آپ پر درود و سلام ہو، میں آپ کے فرزند حسینؑ کی خبر شہادت سنانے آئی ہوں۔

بعض کتب میں لکھا ہے کہ اس وقت جناب سیکنہ بنت الحسینؑ نے بآواز بلند کہا: ﴿یا جداہ! الیک المشتکی مما جرى علينا فوالله ما رأیت اقسى من یزید ولا رأیت کافراً ولا مشرکاً شراً منه ولا اجفأ و اغلظ فلقد کان یقرع ثغری ابی بمحصرتہ و هو یقول کیف رأیت الضرب یا حسین﴾ اے جد بزرگوار! جو کچھ ہم پر مصائب و آلام گزرے ہیں تیری بارگاہ میں ان کی شکایت کرتی ہوں۔ خدا کی قسم! میں نے یزید سے بڑھ کر کوئی قسی القلب اور کوئی کافر و مشرک اور شریر نہ دیکھا اور نہ ہی اس سے زیادہ کوئی درشت خوار و جفا کار دیکھا ہے۔ وہ اپنی چھڑی میرے بابا کے دندان پر مارتا بھی تھا اور ساتھ یہ بھی کہتا تھا۔ اے حسینؑ! بتاؤ، اس ضرب کو کیسا پاتے ہو؟

لا اضحک اللہ سن الدھر ان ضحکت یوماً و آل رسول اللہ قد قہروا

إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَیْهِ رَاجِعُونَ

۱۔ عاشر بحار، ص ۲۳۳۔ نفس المہموم، ص ۲۵۶۔ مقتل الحسین للمرقم، ص ۲۵۲۔ الدمعہ الساکبہ، ص ۳۹۰۔ تاریخ، ج ۶، ص ۳۵۷۔

تقام، ص ۳۹۳ وغیرہ۔

۲۔ مقتل الحسین للمرقم، ص ۲۵۳ بحوالہ ریاض الاحزان، ص ۱۶۳۔

تاریخ الخوارزمی، ج ۶، ص ۳۵۷۔



بعض کتب مقاتل میں لکھا ہے کہ امام زین العابدینؑ نے اپنا چہرہ مبارک قبر رسولؐ پر رکھ کر روتے ہوئے کہا۔

انا جیک یا جداه یا خیر مرسل حبیک مقتول و نسلک ضائع

انا جیک محزوناً علیلاً موجلاً اسیراً و نالی حامی و مدافع

سبینا کما تسبی الاماء و مسنا من الضر ما لا تحتمله الا ضائع

ایا جد یا جداه بعدک اظہرت امیۃ فینا مکرها و الشنائع<sup>۱</sup>

اس وقت لوگوں کی حالت یہ تھی کہ ابر بہاری کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے اور ہر طرف سے وا محمد! وا علیہ! وا حسناہ! وا حسیناہ! کی آوازیں بلند تھیں۔ بقول صاحب ناسخ التواریخ پندرہ روز تک اسی طرح گریہ و بکاء اور نوحہ و عزا کا سلسلہ جاری رہا۔<sup>۲</sup> اور مندرات عصمت و زنان بنی ہاشم کی یہ کیفیت تھی کہ لباس غم پہن کر دن رات سید الشہداءؑ پر گریہ و بکاء کرتی رہتی تھیں اور امام زین العابدینؑ ان کے لئے طعام پکوا کر بھیجتے تھے۔<sup>۳</sup>

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ﴿ما اختضبت ہاشمیۃ ولا اذہنت ولا اجیل مروود فی عین ہاشمیۃ خمس حجج حتی بعث المختار برأس عبید اللہ ابن زیاد﴾ جب تک مختار نے عبید اللہ بن زیاد کا سر نہیں بھیجا اس وقت تک پورے پانچ سال زنان بنی ہاشم میں سے کسی عورت نے نہ خضاب لگایا اور نہ تیل اور نہ کسی نے آنکھ میں سرمہ لگایا تھا۔<sup>۴</sup> امام زین العابدینؑ کے گریہ و بکاء اور حزن و ملال کی کیفیت کیا تھی؟ امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی سن لیجئے۔ فرمایا۔ ﴿ان زین العابدینؑ بکی علی ابیہ اربعین سنة صائماً نہارہ و قائماً لیلة فاذا احضر الافطار و جامو غلامہ بطعامہ و شرابہ فیضعہ بین یدیه فیقول قتل ابن رسول اللہ جائعاً قتل ابن رسول اللہ عطشاناً فلا یزال یکرر ذالک و یشکی حتی یتل طعامہ من دموعہ و یمزج شرابہ بدموعہ فلم یزل کذا لک حتی لحق باللہ عزوجل﴾ زین العابدینؑ علیہ السلام اپنے بابا (کے مصائب) پر چالیس برس روئے۔ کیفیت یہ تھی کہ دن کو روزہ رکھتے، رات بھر عبادت خدا کرتے۔ جب افطاری کا وقت ہوتا اور غلام روٹی پانی لا کر سامنے حاضر کرتا اور عرض کرتا، میرے آقا! کھانا تناول فرمائیے! تو آپ فرماتے، فرزند رسولؐ کو بھوکا شہید کیا گیا۔ ان کلمات کا بار بار تکرار فرماتے اور ساتھ ہی اس قدر روتے کہ آنسوؤں سے کھانا تر

۱۔ ناسخ، ج ۶، ص ۲۵۷۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ محاسن برقی، ج ۲، ص ۲۲۰۔

۴۔ مقتل الحسین للمرقم، ص ۲۵۴۔



ہو جاتا اور آنسو پانی میں مل جاتے۔ آپ کی یہی حالت رہی یہاں تک کہ بارگاہ الہی میں تشریف لے گئے۔<sup>۱</sup>

جناب امام زین العابدینؑ کا غلام روایت کرتا ہے کہ ایک بار آپ صحرا کی طرف نکل گئے۔ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔ دیکھا کہ آپ ایک درشت پتھر کے اوپر سجدہ ریز ہیں اور بلند آواز سے گریہ و بکا فرما رہے ہیں اور یہ تسبیح بھی پڑھ رہے ہیں۔ میں نے آپ کو اس کا ایک ہزار بار تکرار کرتے ہوئے سنا: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ حَقًّا حَقًّا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَعْبُدًا وَرَقًّا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِيْمَانًا وَتَصَدِيقًا وَصَدَقًا﴾ اس کے بعد آپ نے سر بلند کیا، میں نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ انور اور ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوتے۔ میں نے عرض کیا: ﴿یَا سیدی اما ان لحزنک ان ینقضی و لبکائنک ان یقل؟﴾ میرے آقا! کیا کبھی آپ کا حزن و ملال ختم نہ ہوگا؟ اور گریہ و بکا کم نہ ہوگا؟ میرا یہ سوال سن کر امامؑ نے فرمایا: ﴿ویحک ان یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کان نبیاً ابن نبی له اثنی عشر ابنا فغیب الله واحداً منهم فشاب رأسه من الحزن واحد و دب ظهره من الغم و ذهب بصره من البكاء و ابنه حی فی دار الدنیا و انا رأیت ابی و اخی و سبعة عشر من اهل بیتی صرعی مقتولین فکیف ینقضی حزنی و یقل بکائی﴾ افسوس ہے تجھ پر، یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم نبی اور نبی زادہ تھے۔ خدا نے ان کو بارہ فرزند عطا فرمائے تھے اور صرف ایک کو (کچھ عرصہ کے لئے ان کی آنکھوں سے) پوشیدہ کر دیا تھا، اس کے نتیجہ میں بوجہ حزن سر سفید بسبب غم کمر خمیدہ اور بوجہ گریہ بصارت ختم ہو گئی تھی حالانکہ ان کا فرزند دنیا میں زندہ موجود تھا مگر میں نے تو اپنی آنکھوں سے اپنے باپ، بھائی اور اپنے خانوادہ کے دوسرے سترہ شہیدوں کو مقتول حالت میں زمین پر پڑا ہوا دیکھا ہے، اس لئے میرا حزن و ملال کیونکر ختم ہو سکتا ہے؟ اور میرا گریہ و بکا کس طرح کم ہو سکتا ہے؟<sup>۲</sup>

﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَیْهِ رَاجِعُونَ وَ سَيَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا أَىٰ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُونَ﴾

۱۔ مہرہف ص ۱۸۹۔

مخفی نہ رہے کہ بنا بر مشہور امام سجادؑ کی ولادت ۱۵ جمادی الثانی ۳۸ھ اور ستاون سال کی عمر میں ۲۵ محرم ۹۵ھ میں شہادت واقع ہوئی۔ واقعہ کر بلا کے وقت آپ کی عمر تیس برس تھی اور واقعہ کر بلا کے بعد ۳۵ برس زندہ رہے۔ مگر اس روایت میں چالیس برس تک ہونا مذکور ہے۔ تعجب ہے کہ مذکورہ بالا تحقیق کے مطابق بیمار کر بلا کی ستاون سال کی عمر کے قائل حضرات بھی بلا تبصرہ مذکورہ بالا روایت درج کر دیتے ہیں اور اس اشکال کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے کہ چونتیس اور چالیس سال کیونکر جمع ہو سکتے ہیں، ممکن ہے کہ اصل روایت میں ﴿اربعة و ثلاثون﴾ کا لفظ وارد ہو اور بعد میں کتابت کی غلطی سے اربعین بن گیا ہو۔ واللہ العالم۔ (من غشی عنہ)

۲۔ مہرہف، ص ۱۹۰۔ نفس المہموم ص ۲۵۶۔ تاریخ ج ۶ ص ۳۵۸۔ تقاسم ص ۵۵۶۔ لوائح الاشبان ص ۱۹۵ وغیرہ۔



## ان شہداء کی شہادتوں کا بیان جن کا واقعہ کربلا کے ساتھ بالواسطہ گہرا ربط ہے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان بعض شہدائے کرام کی شہادتوں کا تذکرہ کر دیا جائے جن کا بلا واسطہ یا بالواسطہ کربلا کے ساتھ گہرا ربط و تعلق ہے۔ بلکہ یہ شہادتیں سانحہ کربلا ہی کا ایک شعبہ (حصہ) ہیں۔

اس سلسلہ میں سرفہرست جناب (۱) مسلم بن عقیل (۲) ہانی بن عروہ اور (۳) قیس بن مسہر صیداوی (۴) عبد اللہ بن یقطر (۵) عبد اللہ بن عقیف کی شہادتیں ہیں جن کا تذکرہ اسی کتاب میں اپنے اپنے مناسب مقام پر کیا جا چکا ہے لہذا یہاں ان کے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

صاحب فرسان الہیاء، صاحب ذخیرۃ الدارین نے جناب مسلم کی حمایت میں کوفہ کے اندر بعض اور بزرگواروں کی شہادتوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ ذیل میں ہم نہایت اختصار کے ساتھ ان شہبازان کوفہ کی شہادتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ (۶) عبدالاعلیٰ بن یزید الکلی العلی جو شیعہ ان کوفہ میں سے قاری قرآن اور بڑے اچھے شہسوار تھے۔ جناب مسلم کی بیعت کی تھی اور خروج کے دن ان کے ہمراہ تھے۔ کثیر بن شہاب نے ان کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش کیا اور اس نے مختصر سوال و جواب کے بعد حکم دیا کہ جبابہ سمیع میں لے جا کر ان کو شہید کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔<sup>۱</sup>

(۷) عبد اللہ (یا عبد اللہ) بن الحارث جو کہ صحابی رسول تھے اور جنگ صفین میں حضرت امیر المؤمنین کے ہمراہ کربلا کے انتساب تھے۔ کوفہ میں جناب مسلم کے لئے لوگوں سے بیعت لیتے تھے۔ کثیر بن شہاب نے ان کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش کیا۔ چنانچہ جناب مسلم کی شہادت کے بعد ان کو بھی شہید کر دیا گیا۔<sup>۲</sup>

(۸) عبید اللہ بن عمرو الکندی، حضرت امیر علیہ السلام کے شیعہ ان کوفہ میں سے بڑے دلیر اور شہسوار تھے۔ جنگ جمل و صفین اور نہروان میں حضرت امیر علیہ السلام کے ہمراہ رہ کر داد شجاعت دے چکے تھے۔ کوفہ میں جناب مسلم کے ہمراہ سرکار سید الشہداء کے لئے لوگوں سے بیعت لیتے تھے۔ جنگ کوفہ کے وقت جناب مسلم نے بنی کندہ



کے قبیلہ کا علمبردار انہیں کو بنایا تھا۔ بالآخر حصین بن نمیر نے ان کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش کیا اور اس بد نہاد کے حکم سے ان کو جام شہادت پلایا گیا۔<sup>۱</sup>

(۹) عمارہ بن صلیب الازدی کوفہ کے شیعیان حیدر کرار میں سے تھے۔ جناب مسلم کے ہاتھ پر جناب سید الشہداء کے لئے بیعت کر چکے تھے۔ جناب مسلم کی گرفتاری کے بعد محمد بن اشعث محلہ بنی عمارہ میں گشت کر رہا تھا کہ اس اثناء میں عمارہ بن صلیب اس حالت میں گھر سے نکلے کہ اسلحہ جنگ سے مسلح تھے۔ محمد بن اشعث نے انہیں گرفتار کر کے ابن زیاد لعین کے دربار میں پیش کیا۔ اس نے انہیں قید کر دیا اور جناب مسلم کی شہادت کے بعد اسی بد نہاد کے حکم سے ان کو اپنے قبیلہ کے سامنے لے جا کر شہید کر دیا گیا۔<sup>۲</sup>

(۱۰) ابوذر بن سلیمان غلام یا آزاد کردہ جناب سید الشہداء نے مکہ سے مکتوب دے کر بصرہ بھیجا تھا جسے گرفتار کر کے ابن زیاد کے حکم سے شہید کر دیا گیا۔<sup>۳</sup>

### (۱۲-۱۱) شہادت فرزند ان مسلم بن عقیل

#### بعض تحقیق طلب امور پر تبصرہ

قبل اس کے کہ ان مظلوم شہزادوں کی شہادت کا تذکرہ کیا جائے یہاں بعض امور کی وضاحت کر دینا مناسب معلوم ہوتی ہے۔

پہلا امر :- اس بات کی تنقیح ضروری ہے کہ ان شہزادوں کا نسب کیا ہے؟ مشہور اور منصور قول یہی ہے کہ یہ دونوں صاحبزادے جناب مسلم بن عقیل کے چشم و چراغ تھے مگر بعض کتب میں ان کو جناب جعفر طیار کے صاحبزادے قرار دیا گیا ہے۔<sup>۴</sup> اور بعض میں ان کو عبداللہ بن جعفر کے صاحبزادے ظاہر کیا گیا ہے۔<sup>۵</sup> اور طبری نے صرف دو لڑکے لکھے ہیں۔<sup>۶</sup> بہر حال صحیح قول پہلا ہی ہے۔ دوسرے تمام اقوال جادہ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں۔ (و لیس ہہنا للتفصیل مجال)۔

دوسرا امر :- ان شہزادوں کے نام کیا تھے؟ مشہور یہی ہے کہ ایک کا نام ابراہیم اور دوسرے کا محمد کے تھا لیکن اس پر صاحب فرسان السیاء نے (ج ۲ ص ۶۰ پر) یہ اعتراض کیا ہے کہ جناب مسلم کے ایک صاحبزادے مسی بہ محمد تو کربلا میں جام شہادت پی چکے تھے۔ تاریخ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کے دونوں صاحبزادوں کے نام محمد

- |                           |  |
|---------------------------|--|
| ۱۔ فرسان، ج ۱، ص ۲۶۱۔     | ۲۔ فرسان، ج ۲، ص ۴۰۳۔                    |
| ۳۔ منتخب التواریخ، ص ۲۹۴۔ | ۴۔ تقام، ص ۴۰۶۔                          |
| ۵۔ ایضاً۔                 | ۶۔ بحوالہ حاشیہ فرسان السیاء، ج ۱، ص ۱۷۔ |
| ۷۔ فرسان، ج ۱، ص ۱۷۔      |  |



ہوں ﴿تواریخ بمانشان نمی دهد کہ مسلم دو پسر بنام محمد داشته باشد﴾ پھر خود ہی اس کتاب میں (ج ۲ ص ۶۱ پر) یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے کہ شہید کوفہ کا اصل نام کوئی اور ہو اور محمد کے نام سے مشہور ہو گئے ہوں ﴿ممکن است آن پسر کہ در کوفہ شہید شدہ است بابرادرش ابراہیم نام دیگر داشته و بمحمد شہرت پیدا کردہ و اللہ العالم﴾۔

**تیسرا امر :-** آیا یہ شہزادے جناب مسلم کے ہمراہ کوفہ میں آئے تھے یا شہادت امام کے بعد گرفتار ہوئے تھے؟ مشہور بین العلماء یہی ہے کہ یہ شہزادے امام علیہ السلام کے ہمراہ کربلا میں موجود تھے، آپ کی شہادت کے بعد گرفتار ہو کر قید ہوئے مگر تاریخ اعظم کوئی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جناب مسلم کے ہمراہ کوفہ آئے تھے اور جناب نے ان کو بوقت شہادت شریح قاضی کے سپرد کیا تھا۔ صاحب تاریخ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے مگر صحیح قول پہلا ہی ہے۔ دوسرا قول اصول روایت کے خلاف ہے۔

**چوتھا امر :-** شہزادوں کی شہادت کیونکر واقع ہوئی؟ اس میں قدرے اختلاف ہے۔ مشہور و معروف وہی کیفیت ہے جسے رئیس المحدثین جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے امالی میں درج فرمایا ہے اور پھر متاخرین نے بلا نقد و تبصرہ اپنی اپنی کتب مقاتل میں درج کیا ہے۔ اگرچہ اس کیفیت میں بھی قیل و قال اور اشکال کی گنجائش موجود ہے مگر شیخ کی جلالت اور اس روایت کے راویوں کی وثاقت کے پیش نظر اس پر اعتماد کرنا ہی پڑتا ہے۔ چنانچہ محدث قمی نے بھی (نفس المہموم ص ۸۶ کے حاشیہ پر) اسی طرح شہزادوں کی شہادت درج کرنے کے بعد ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے: ﴿اقول عندی قتل ہذین الغلامین بهذا التفصیل مستبعدو لكن نقلته اعتمادا علی شیخنا الصدوق و رجال مسندہ و اللہ العالم﴾ چنانچہ ہم بھی اسی بنا پر یہاں شیخ صدوق کی روایت کے مطابق ان شہزادوں کی شہادت درج کرتے ہیں۔<sup>۱</sup>

چنانچہ جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ اپنے والد ماجد شیخ علی سے اور وہ جناب علی بن ابراہیم قمی سے اور وہ اپنے باپ ابراہیم سے اور وہ ابراہیم بن رجا سے اور وہ علی بن جابر سے اور وہ عثمان بن داؤد ہاشمی سے اور وہ محمد بن مسلم سے اور وہ حران بن اعین سے اور وہ اہل کوفہ کے ایک بزرگ ابو محمد سے روایت کرتے ہیں کہ جب امام حسین علیہ السلام کی شہادت ہو چکی تو ان کے پسماندگان میں سے دو شہزادے گرفتار کر کے عبید اللہ بن زیاد کے پاس لائے گئے۔ اس نے

۱۔ تاریخ، ج ۶، ص ۱۹۸ تا ص ۲۰۱۔

۲۔ نظام ص ۴۰۶ پر بالا اختصار اور تاریخ، ج ۶، ص ۱۹۸ تا ص ۲۰۱ پر بالتفصیل اور کیفیت کے ساتھ ان کی شہادت مذکور ہے۔ تفصیلات کے شائقین ان کتب کی طرف رجوع کریں۔ (منہ غنی عند)



داروغہ زندان کو بلا کر حکم دیا کہ ان کو قید میں ڈال دے اور ساتھ ہی یہ تاکید کر دی کہ ﴿فمن طيب الطعام فلا تطعمهما و من البارد فلا تسقهما و ضيق عليهما سجنهما﴾ نہ ان کو اچھی غذا کھلانا، نہ ٹھنڈا پانی پلانا اور جہاں تک ہو سکے ان پر قافیہ قید تنگ کرنا۔ زندان میں شہزادوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ دن کو روزہ رکھتے۔ جب افطار کا وقت ہوتا تو داروغہ دو روٹیاں اور ایک کوزہ آب پیش کرتا۔ ایک روز ایک بھائی نے دوسرے بھائی سے کہا۔ برادر جان! ہماری مدت قید بہت دراز ہو گئی ہے، اندیشہ ہے کہ اس حال زار میں کہیں ہمارے قویٰ مضحمل اور زندگیاں ختم نہ ہو جائیں، لہذا جب شیخ (داروغہ) آئے تو کم از کم اسے اپنا نام و نسب اور پیغمبر اسلام کے ساتھ اپنی قرابت قریبہ کا تذکرہ تو کریں شاید اس وجہ سے وہ ہمیں خورد و نوش اور رہائش میں کچھ سہولت بہم پہنچائے۔ چنانچہ حسب معمول جب رات کے وقت داروغہ دو قرص نان اور پانی کا ایک کوزہ لے کر آ گیا تو اس وقت چھوٹے شہزادے اور داروغہ کے درمیان اس طرح سلسلہ کلام کا آغاز ہوا۔

شہزادہ:- ﴿یا شیخ اتعرف محمداً صلی اللہ علیہ و آلہ﴾ اے شیخ! کیا تم جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانتے ہو؟

شیخ:- ﴿کیف لا اعرف محمداً و هو نبی﴾ بھلا یہ ممکن ہے کہ میں محمدؐ کو نہ پہچانوں؟ حالانکہ وہ میرے پیغمبر ہیں؟

شہزادہ:- ﴿افتعرف جعفر ابن ابی طالب؟﴾ کیا تم جعفر بن ابی طالب کو بھی پہچانتے ہو؟

شیخ:- ﴿کیف لا اعرف جعفرأ و قد اتیت اللہ له جناحین یطیر بہما مع الملائکۃ کیف یشاء﴾ بھلا میں جناب جعفرؓ کو کس طرح نہ پہچانوں؟ حالانکہ خدائے قدوس نے ان کو دو پر عطا فرمائے ہیں۔ جن کے ساتھ وہ ملائکہ بخت کے ساتھ جس طرح چاہتے ہیں پرواز کرتے ہیں۔

شہزادہ:- ﴿افتعرف علی بن ابی طالب﴾ کیا تم علی بن ابی طالب کو بھی پہچانتے ہو؟

شیخ:- ﴿کیف لا اعرف علیا و هو ابن عم نبی و اخو نبی﴾ بھلا میں علیؓ کو کیونکر نہ پہچانوں۔ حالانکہ وہ میرے نبی کے ابن عم و برادر ہیں؟

شہزادہ:- ﴿یا شیخ فنحن عترۃ نبیک محمد و نحن من ولد مسلم بن عقیل بن ابی طالب علیہم

السلام و بیدک اساری من طیب الطعام فلا تطعمنا و من بارد الشراب فلا تسقینا و قد ضیقت علینا سجننا؟﴾ اے شیخ ہم تیرے نبی کی عترت ہیں۔ یعنی ہم جناب مسلم بن عقیل بن ابی طالب کے

فرزند ہیں۔ تو نہ تو ہمیں عمدہ کھانا کھلاتا ہے، نہ ٹھنڈا پانی پلاتا ہے (الٹا) ہماری قید کو سخت کرتا ہے؟



خ:۔ کا یہ سننا تھا کہ یہ کہتا ہوا شہزادوں کے قدموں پر گر پڑا: ﴿نفسی لنفسکما الفداء و وجهی لوجهکما الوقاء یا عترۃ نبی اللہ المصطفیٰ﴾۔ ہذا باب السجن بین یدیكما مفتوح فخذ ای طریق شمتما! ﴿میری جان تم ثار! اے عترت مصطفیٰ!﴾ یہ قید خانہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ جہاں چاہو تشریف لے جاؤ۔ یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا۔ اور راستہ دکھاتے ہوئے عرض کیا کہ رات کو چلنا اور دن کو کہیں چھپے رہنا۔ یہاں تک کہ خدا تمہاری کشائش کے اسباب مہیا فرمائے۔

چنانچہ شہزادوں نے قید خانہ سے نکل کر چلنا شروع کیا۔ جب (غالباً دوسری) رات کی تاریکی چھانے لگی۔ تو شہزادے ایک دروازہ پر کھڑی ہوئی ایک بوڑھی عورت کی طرف بڑھے۔ اور فرمایا: ﴿یا عجوز انا غلامان صغیران غریبان حدثان غیر خیرین بالطریق و هذا اللیل قد جننا اصفینا سواد لیلتنا هذه فلما اصبحتنا الزمنا الطريق!﴾ اے ضعیفہ! ہم دو صغیر السن مسافر بچے ہیں۔ اور راستہ سے ناواقف۔ رات کی تاریکی چھا گئی ہے۔ ہمیں آج رات اپنے ہاں مہمان ٹھہرا لے۔ صبح ہوتے ہی ہم اپنا راستہ پکڑیں گے۔ بڑھیا نے کہا: ﴿فمن انتما یا حبیبی! فقد شمتت الروائح فما شمتت رائحة ہی اطیب من رائحتکما!﴾ میرے عزیزو! تم یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ میں نے تمام خوشبوئیں سونگھی ہیں۔ لیکن تمہاری خوشبو سے بہتر کوئی خوشبو نہیں سونگھی۔ شہزادوں نے کہا: ﴿یا عجوز! نحن من عترۃ نبیک محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و ہربنا من سجن عبید اللہ ابن زیاد من القتل)﴾ ہم تیرے پیغمبر کی ذریت ہیں۔ بوجہ خوف قتل ابن زیاد کے قید خانہ سے بھاگ آئے ہیں! ضعیفہ نے کہا: میرا ایک فاسق و فاجر داماد ہے جو واقعہ کر بلا میں لشکر ابن زیاد میں شامل تھا۔ مجھے اس سے اندیشہ ہے کہ وہ کہیں تمہیں یہاں دیکھ کر کوئی گزند نہ پہنچائے۔ شہزادوں نے کہا: اب رات تاریک ہے۔ جب صبح ہوگی۔ ہم اپنی راہ لیں گے۔ چنانچہ ضعیفہ شہزادوں کو گھر لے گئی۔ پھر آب و طعام لائی۔ شہزادوں نے نوش جان کیا۔ جب سونے لگے تو چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا: برادر جان! امید ہے کہ آج کی رات امن و امان سے گزرے گی۔ آئیے میں اپنی باہیں آپ کے گلے میں ڈال دوں۔ اور تم اپنی باہیں میرے گلے میں ڈال دو۔ اور میں آپ کی خوشبو کو سونگھوں۔ تم میری خوشبو کو سونگھو۔ قبل اس کے کہ موت ہمارے تمہارے درمیان جدائی ڈال دے۔

چنانچہ شہزادے اسی حالت میں ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر سو گئے۔ ابھی رات کا کچھ حصہ ہی گزرا تھا کہ اس ضعیفہ کے داماد نے دق الباب کیا۔ ضعیفہ نے دریافت کیا: کون ہے؟ ملعون نے کہا: میں فلاں ہوں! بڑھیا نے کہا: اس وقت آنے کا کیا مقصد ہے؟ فاسق نے کہا: جلدی دروازہ کھولو کہ شدت خستگی کی وجہ سے میری جان نکل رہی ہے۔ اور دماغ ماؤف ہو رہا ہے۔ ضعیفہ نے پوچھا: یہ خستگی کیسی ہے؟ ملعون نے کہا: عبید اللہ بن زیاد کے لشکر



(قید خانہ) سے دو صغیر السن بچے بھاگ گئے ہیں۔ اس نے اعلان کیا ہے کہ جو شخص ان میں سے ایک کا سر لائے گا۔ اسے ایک ہزار اور جو دونوں کا سر لائے گا۔ اسے دو ہزار درہم انعام دیا جائے گا۔ اس لیے میں نے اس لالچ میں دن بھر بڑی تنگ و دوکی۔ مگر کچھ ہاتھ نہیں لگا۔ ضعیفہ نے کہا: اس بات سے ڈرو کہ بروز قیامت محمد مصطفیٰؐ تیرے دشمن ہوں۔ فاسق نے کہا: میں یہ سب کچھ حرص دنیا کے لیے کر رہا ہوں۔ ضعیفہ نے کہا: اس دنیا کو حاصل کر کے کیا کرو گے؟ جبکہ آخرت ہاتھ سے چلی جائے گی۔ اس نے اس رحم دل بڑھیا کا یہ جواب سن کر کہا: تیرے اس ہمدردانہ جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ تو ان بچوں کی حمایت کر رہی ہے۔ گویا تمہیں ان کا کچھ اتنا پتہ ہے۔ پھر کہا: اٹھو، تمہیں حاکم کوفہ نے یاد کیا ہے۔ بڑھیا نے کہا: مجھ سے حاکم کو کیا سروکار ہے۔ میں ایک بوڑھی عورت ہوں۔ جو اس صحرا میں رہتی ہوں۔ اس خبیث نے جھوٹا کر کہا: دروازہ کھول۔ تاکہ میں کچھ آرام و استراحت کر لوں۔ صبح سوچوں گا کہ کہاں انہیں تلاش کروں۔ بہر حال ضعیفہ نے دروازہ کھولا۔ ملعون اندر آیا۔ بڑھیا نے طعام پیش کیا جسے کھا کر سو گیا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ملعون کے کانوں میں شہزادوں کے سانس لینے کی بھنک پڑ گئی۔ چنانچہ فوراً اٹھ بیٹھا۔ اور اونٹ کی طرح بلبلاتا اور بیل کی طرح آواز نکالتا ہوا کمرے کی دیواروں کو ٹٹولنے لگا۔ حتیٰ کہ اس کا نجس ہاتھ چھوئے شہزادوں کے پہلو پر جا لگا۔ شہزادہ نے گھبرا کر کہا: کون ہے؟ ملعون نے جواب دیا: میں تو صاحب منزل ہوں۔ البتہ تم بتاؤ تم کون ہو؟ اس وقت چھوٹے شہزادے نے بڑے شہزادے کو جگاتے ہوئے کہا: ﴿قم یا حبیبی! فقد والله وقعنا فیما کنا نحاذره﴾ حبیب من! اٹھو بخدا ہم جس مصیبت سے ڈرتے تھے۔ اسی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ملعون نے پھر یہی سوال دہرایا کہ تم کون ہو؟ شہزادوں نے کہا: ﴿یا شیخ ان نحن صدقناک فلنا الامان؟﴾ اے شیخ! اگر ہم تجھے صحیح صورت حال بتادیں۔ تو کیا ہمارے لیے امان ہے؟ ملعون نے کہا: ﴿نعم امان الله و امان رسوله و ذمة الله و ذمة الرسول الله﴾ ہاں خدا اور رسول کی امان ہے۔ اور خدا اور رسول کے عہد و پیمان اور ذمہ داری پر؟ شہزادوں نے اس امان دہی کو مزید پختہ کرنے کے لیے فرمایا: ﴿و محمد بن عبد الله على ذلك من الشاهدين﴾ (جناب رسول خدا اس بات پر گواہ ہیں؟) ملعون نے کہا: ہاں۔ پھر شہزادوں نے کہا: ﴿یا شیخ فنحن من عتره نبيک محمد صلى الله عليه و اله هربنا من سجن عبید الله بن زیاد من القتل﴾ اے شیخ! ہم تیرے نبی محمد کی عترت میں سے ہیں۔ خوف قتل کی وجہ سے ابن زیاد کی قید سے بھاگ آئے ہیں۔ ملعون نے کہا: ﴿من الموت هربتما و الى الموت وقعتما الحمد لله الذي اظفرني بکما﴾ تم موت کے ڈر سے بھاگے ہو اور موت کے چنگل میں پھنس گئے ہو۔ خدا کا شکر ہے جس نے مجھے اپنے مقصد میں کامیاب کیا۔ پھر اٹھا۔ اور شہزادوں کے ہاتھ پس پشت باندھ دیئے۔ اسی حالت میں انہوں نے صبح کی۔ جب صبح صادق ہوئی تو اس نے اپنے سیاہ فام فلیح نامی غلام کو حکم دیا



دیا کہ ان شہزادوں کو دریائے فرات کے کنارے لے جا کر قتل کر دو۔ اور ان کے سر میرے پاس لاؤ۔ تاکہ میں ابن زیاد کے پاس لے جا کر دو ہزار درہم کا انعام حاصل کروں۔ چنانچہ وہ غلام شہزادوں کو ہمراہ لے کر فرات کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی تھوڑا سا راستہ طے کیا تھا کہ شہزادوں نے کہا: اے سیاہ فام! تیری سیاہی بلال مؤذن رسولؐ کے ساتھ کس قدر مشابہت رکھتی ہے۔ غلام نے کہا: میرے آقا نے تمہیں قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ شہزادوں نے کہا: ﴿یا اسود! نحن من عترة نبيك محمد﴾ اے سیاہ فام! ہم تیرے نبیؐ کی عترت ہیں۔ ہم ابن زیاد کی قید سے بھاگ کر تمہاری اس ضعیفہ کے ہاں مہمان ہوئے۔ اب تمہارا آقا ہمیں قتل کرنا چاہتا ہے۔ جب غلام کو شہزادوں کا حسب و نسب معلوم ہوا۔ تو شہزادوں کے قدموں پر گر پڑا۔ اور قدموں پر بوسہ دیتے ہوئے کہا: ﴿نفسی لنفسکما الفداء۔ و وجهی لوجهکما الوقاء یا عترة نبي الله المصطفى و الله لا یكون محمد خصمی فی القیمة﴾ میری جان تم پر قربان۔ بخدا ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہ بروز قیامت جناب رسول خداؐ میرے دشمن ہوں۔ اس کے بعد تلوار ہاتھ سے پھینک دی۔ اور اپنے آپ کو نہر فرات میں ڈال دیا اور تیر کر دوسری جانب چلا گیا۔ ملعون نے یہ منظر دیکھ کر اسے کہا: اے غلام تو نے میری نافرمانی کی۔ غلام نے جواب دیا: جب تک تو نے خدا کی نافرمانی نہیں کی۔ اس وقت تک میں نے تیری فرمان برداری کی ہے۔ اب جبکہ تو خدا کی معصیت کر رہا ہے۔ تو میں دنیا و آخرت میں اب تجھ سے بیزار ہوں۔ پھر اس ملعون نے اپنے بیٹے کو بلا کر کہا: دیکھ بیٹا میں دنیا کا سب حلال و حرام تیرے ہی لیے جمع کر رہا ہوں۔ جاؤ! نہر فرات کے کنارے ان بچوں کو قتل کر کے ان کے سر میرے پاس لاؤ۔ تاکہ میں ابن زیاد سے جا کر مقررہ انعام حاصل کروں۔ چنانچہ اس نوجوان نے تلوار ہاتھ میں لی اور شہزادوں کو لے کر چلا۔ ابھی تھوڑا سا ہی راستہ طے کیا تھا کہ ایک شہزادہ نے کہا: ﴿یا شباب ما اخوفنی علی شبابک من نار جہنم﴾ ”اے جوان مجھے تیری اس بھرپور جوانی کا بڑا اندیشہ ہے کہ کس طرح آتش جہنم میں جلے گی۔“ شہزادوں کا یہ کلام سن کر نوجوان نے دریافت کیا: تم کون ہو؟ شہزادوں نے جواب دیا: ہم تیرے نبیؐ کی عترت ہیں۔ تمہارا والد ہمیں قتل کرنا چاہتا ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہ نوجوان شہزادوں کے قدموں پر گر گیا۔ اور قدم چومتے ہوئے وہی کلمات دہرائے جو قبل ازیں سیاہ فام غلام نے کہے تھے۔ پھر تلوار پھینک کر دریا کے اس پار چلا گیا۔ ملعون نے چلا کر کہا: بیٹا! تو نے بھی میری نافرمانی کی۔ جوان نے کہا: اگر خدا کی فرمانبرداری کروں۔ اور تمہاری نافرمانی تو یہ اس سے بہتر ہے۔ کہ تمہاری فرمانبرداری کروں اور خدا کی نافرمانی! اس وقت ملعون نے غصہ سے آگ بگولہ ہو کر کہا: میرے سوا تمہیں اور کوئی قتل نہیں کرے گا۔ پھر شمشیر بکف ہو کر نکلا۔ چنانچہ جب نہر فرات کے کنارے پہنچا تو تلوار کو میان سے کھینچا۔ جب شہزادوں نے کھنچی ہوئی تلوار کو دیکھا تو آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:



شہزادے:- ﴿یا شیخ انطلق بنا الی السوق و استمتع باثماننا، ولا ترد ان یکون محمد خصمک فی القیمۃ﴾ اے شیخ ہمیں بازار میں زندہ لے جا کر فروخت کر دے اور ہماری قیمت سے فائدہ حاصل کر۔ ہمیں قتل کر کے محمد مصطفیٰؐ کو بروز قیامت اپنا دشمن نہ بنا۔  
ملعون:- نہیں میں تو ضرور تمہیں قتل ہی کروں گا۔ اور تمہارے سر ابن زیاد کے پاس پہنچا کر دو ہزار درہم انعام حاصل کروں گا۔

شہزادے:- ﴿یا شیخ! اما تحفظ قرابتنا من رسول اللہ﴾ اے شیخ! کیا تم ہماری قرابت رسولؐ کا بھی کوئی خیال نہیں کرتے؟  
ملعون:- تمہیں رسولؐ سے کوئی قرابت نہیں ہے۔

شہزادے:- ﴿یا شیخ فأت بنا الی عبید اللہ بن زیاد حتی یحکم فینا بامرہ﴾ اے شیخ! ہمیں زندہ ابن زیاد کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ ہمارے متعلق مناسب فیصلہ کرے۔

ملعون:- ایسا بھی نہیں ہو سکتا۔ میں تو تمہارا خون بہا کر ہی ابن زیاد کا تقرب حاصل کروں گا۔  
شہزادے:- ﴿یا شیخ! اما ترحم صغر سننا﴾ اے شیخ! کیا تم ہماری صغریٰ پر بھی رحم نہیں کرتے۔  
ملعون:- تمہارے بارے میں خدا نے میرے دل میں رحم پیدا ہی نہیں کیا۔

شہزادے:- ﴿یا شیخ! ان کان ولا بد فعدنا نصلی رکعات﴾ اے شیخ! اگر ہمیں ضرور قتل ہی کرنا ہے۔ تو ہمیں چند رکعت نماز پڑھنے کی تو مہلت دے دو۔

ملعون:- ﴿فصلیا ما شئتما ان نفعكما الصلوۃ﴾ اگر نماز تمہیں کوئی فائدہ دیتی ہے تو جس قدر چاہو پڑھو۔  
چنانچہ شہزادوں نے چار چار رکعت پڑھی۔ پھر آسمان کی طرف نگاہیں بلند کر کے بارگاہِ الہ العالمین میں عرض کیا: ﴿یا حی یا حلیم، یا احکم الحاکمین احکم بیننا و بینہ بالحق﴾ (اے حق و حلیم۔ اے احکم الحاکمین تو ہمارے اور اس کے درمیان برحق فیصلہ فرما)۔ جب شہزادے دعا و پکار سے فارغ ہوئے۔ تو ملعون بڑے شہزادے کی طرف بڑھا۔ اور ان کی گردن اڑادی اور سر تو برے میں رکھ دیا۔ چھوٹا شہزادہ بڑے بھائی کے خون میں لوٹنے لگا۔ اور کہا: میں رسولؐ خدا کی خدمت میں اپنے بھائی کے خون میں اس طرح لتھڑا ہوا جاؤں گا۔ ملعون نے کہا: میں ابھی تمہیں بھی اپنے بھائی سے ملحق کرتا ہوں۔ اس کے بعد تلوار کا ایک وار کر کے ان کا سر بھی تن سے جدا کر دیا۔ اور سر تو برے میں رکھ دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ پھر دونوں شہزادوں کی لاش ہائے مقدسہ کو دریا میں پھینک دیا۔ جبکہ ان سے خون ٹپک رہا تھا۔ اور سروں کو لے کر سیدھا ابن زیاد کے دربار میں پہنچا۔ اس وقت ابن زیاد کرسی پر بیٹھا تھا اور



ہاتھ میں چھڑی تھی۔ جب ملعون نے اس کے سامنے سر پیش کئے۔ تو ابن زیاد سڑوں کو دیکھتے ہی تین بار اٹھا اور بیٹھا۔

پھر اس ملعون کو مخاطب کر کے دریافت کیا:

ابن زیاد: افسوس ہے تجھ پر۔ تو نے ان کو کہاں پایا؟

ملعون: ہماری ایک بڑھیا نے ان کو مہمان ٹھہرایا ہوا تھا۔

ابن زیاد: پھر تو نے حق مہمانی کا خیال بھی نہ کیا؟

ملعون: نے نفی میں جواب دیا۔

ابن زیاد: شہزادوں نے تمہیں کچھ کہا بھی تھا؟

ملعون: ہاں کہا تھا کہ ہمیں بازار میں جا کر فروخت کر دو۔ اور ہماری قیمت سے فائدہ اٹھاؤ۔

ابن زیاد: پھر تم نے انہیں کیا کہا تھا؟

ملعون: میں نے کہا تھا: ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں تو تمہیں قتل کر کے تمہارے سر ابن زیاد کے پاس لے جاؤں گا۔ تاکہ

دو ہزار کا انعام حاصل کروں۔

ابن زیاد: اور کیا کہا تھا؟

ملعون: کہا تھا کہ ہمیں زندہ ابن زیاد کے پاس لے جا۔ تاکہ وہ جو چاہے ہمارے متعلق فیصلہ کرے۔

ابن زیاد: تو نے انہیں کیا جواب دیا؟

ملعون: میں نے کہا تھا: میں تمہارے قتل کے ذریعہ سے اس کا تقرب حاصل کروں گا۔

ابن زیاد: اگر تو ان کو زندہ میرے پاس لاتا۔ تو میں یہ انعام دو گنا کر کے تجھے چار ہزار درہم دیتا۔ اچھا یہ بتاؤ: پھر

انہوں نے کچھ اور بھی کہا تھا؟

ملعون: کہا تھا: ہماری قرابت داری رسول کا لحاظ کر۔

ابن زیاد: تو نے کیا کہا تھا؟

ملعون: میں نے کہا تھا: تمہیں رسول سے کوئی قرابت داری نہیں ہے!

ابن زیاد: اور بھی کچھ کہا تھا؟

ملعون: ہاں کہا تھا کہ ہماری صغریٰ پر رحم کرو۔

ابن زیاد: پھر تو نے ان پر رحم نہ کیا؟

ملعون: میں نے کہا تھا: تمہارے متعلق خدا نے میرے دل میں رحم پیدا ہی نہیں کیا۔



ابن زیاد: کیا کچھ اور بھی کہا تھا؟

ملعون: ہاں یہ کہا تھا کہ ہمیں چند رکعت نماز پڑھنے دو۔ میں نے کہا تھا کہ اگر نماز تمہیں کچھ فائدہ دیتی ہے تو پڑھ لو۔ چنانچہ شہزادوں نے چار رکعت نماز پڑھی تھی۔

ابن زیاد: نماز کے بعد بھی کچھ کہا تھا؟

ملعون: ہاں آسمان کی طرف نگاہیں بلند کر کے یہ دعا پڑھی تھی: ﴿یا حی یا حلیم۔ یا احکم الحاکمین احکم

بیننا و بینہ بالحق﴾

ابن زیاد: احکم الحاکمین نے تمہارا فیصلہ کر دیا ہے۔ پھر باواز بلند کہا: ﴿من للفاسق؟﴾ کوئی ہے جو اس فاسق کا کام تمام کرے۔ یہ سن کر ایک شامی مرد اٹھا۔ اور کہا: میں حاضر ہوں۔ ابن زیاد نے اسے کہا: اسے اسی جگہ لے جاؤ جہاں اس نے شہزادوں کو قتل کیا تھا۔ وہاں اسے قتل کر دو۔ مگر خیال رکھنا اس کا خون ان کے خون کے ساتھ نہ ملنے پائے اور جلدی اس کا سر قلم کر کے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ شامی نے تعمیل حکم کی۔ اور اس کا سر قلم کر کے لایا پھر اسے نوک سناں پر بلند کیا گیا۔ کوفہ کے اطفال خورد سال اسے پتھر مارتے اور کہتے تھے: ﴿هذا قاتل ذریۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ﴾ یہ ذریت رسول کا قاتل ہے۔

SIBTAIN.COM



## اسیران آل رسولؐ کا مختصر تعارف

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسیران اہل بیتؑ کی بعض اہم شخصیات کے مختصر مگر جامع حالات کا تذکرہ کر دیا جائے۔ تاکہ قارئین کرام ان کے حالات زندگی سے آگاہی حاصل کر سکیں۔ جیسا کہ قبل ازیں شہدائے کربلا کے مختصر حالات زندگی سے ان کو روشناس کرایا جا چکا ہے۔

### (۱) امام علی بن الحسینؑ المعروف بابا مام زین العابدینؑ

#### ولادت باسعادت

آنجناب کی ولادت مدینہ منورہ میں ۲۵ جمادی الاولیٰ ۳۸ھ میں واقع ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ شامہ زنان (شہربانو) بنت یزدجرد ہیں۔ آپ کی ولادت حضرت امیرؑ کی ظاہری خلافت کے دور میں ہوئی۔ ابھی ولادت کو پورے تین سال بھی نہیں ہوئے تھے۔ کہ جناب امیرؑ کی شہادت واقع ہوئی۔ اور قریباً زندگی کی بارہ بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ عم بزرگوار حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کی شہادت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ شہادت امام حسینؑ کے وقت آپ کی عمر شریف ۲۳ برس تھی۔ ہجرت مدینہ سے لے کر آ کر دم تک آپ سید الشہداء کے ہمراہ رہے۔ اس اثنا میں آنجناب بیمار ہو گئے۔ بیماری کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔ لیکن اس قدر معلوم ہے کہ روز عاشوراء آپ اتنے بیمار تھے کہ جہاد میں شرکت نہیں کر سکے۔ اور نصرت امامؑ میں دوسرے شہداء کی طرح شمولیت نہیں فرما سکے۔ عالم اسباب میں خداوند عالم کو نسل رسولؐ کا باقی رکھنا اور امام زین العابدینؑ کا اور طریقہ سے امتحان لینا مقصود تھا۔ اس لئے ان کو ان ایام میں مبتلائے مرض کر دیا۔

شہادت امامؑ کے بعد جب مندرات عصمت و طہارت کو اسیر کیا گیا تو امام زین العابدینؑ اس مصیبت میں شریک تھے۔ قبل ازیں ان کی اسیری کے واقعات بیان کئے جا چکے ہیں۔

#### زہد و تقویٰ

مورخین متفق القول ہیں کہ آپؑ اپنے زمانہ میں بے مثال زہد و متقی تھے۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا

ہے: ﴿انہ کان یصلی فی الیوم واللیلۃ الف رکعت الی ان مات﴾ آپؑ دن اور رات میں ایک ہزار رکعت



نماز پڑھتے تھے۔ اسی حالت میں آپؐ نے اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔<sup>۱</sup> احیاء العلوم غزالی میں ہے: ﴿کان اذا توضأ للصلاة یصفّر لونه فقیل له ما هذا الحال الذی یعتریک قال اتدرون بین یدی من ارید ان اقف﴾۔ امام زین العابدینؑ جس وقت وضو کرتے تھے۔ آپؐ کا رنگ پیلا ہو جاتا تھا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہونے والا ہوں۔<sup>۲</sup> نور الابصار، (ص ۱۳۹) میں جناب ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ ﴿لم ار ہاشمیا الفضل من علی بن الحسین﴾ میں نے علی بن الحسین سے افضل کوئی ہاشمی نہیں دیکھا۔ فصول مہمہ (ص ۱۸۵ پر) سعید بن مسیب تابعی کا قول ہے: ﴿لم ار اورع منہ﴾ میں نے امام زین العابدینؑ سے زیادہ کوئی پرہیزگار نہیں دیکھا۔<sup>۳</sup>

### آپؐ کا علم و فضل

یحییٰ عامری نے ریاض المستطابہ میں لکھا ہے: ﴿کان رضی اللہ عنہ نہایۃ فی العلم و غایۃ فی العبادة و کان له فی الیوم و اللیلة اورداً الا تطیق القيام بها جماعۃ من الناس﴾ آپؐ کی ذات ستودہ صفات علم کی انتہائی بلندیوں اور عبادت کی آخری چوٹیوں پر پہنچی ہوئی تھی۔ آپؐ شب و روز میں اس قدر اوراد و وظائف پڑھا کرتے تھے کہ لوگوں کی مشترکہ جماعت بھی اس قدر نہیں پڑھ سکتی۔<sup>۴</sup>

SIBTAIN.COM

### آپؐ کے اخلاق کریمانہ

آپؐ کے اخلاق کریمانہ میں سے صرف ایک واقعہ کا نقل کر دینا ہی کافی ہوگا۔ نور الابصار، (ص ۱۴۱، طبع مصر) میں مروی ہے: ﴿ان علیا زین العابدین خرج من المسجد یوما فلقیہ رجل فسبه و بالغ فی سبه دعا و الیہ العیدو۔ الموالی فکفہم عنہ و اقبل الیہ و قال له ما ستر عنک من امرنا اکثر الک حاجة نعنک فیہا فاستخی الرجل فالقی الیہ قمیصہ و القی الیہ خمسة آلاف درہم فقال اشہد انک من اولاد المصطفیٰ﴾۔ ایک مرتبہ آپؐ مسجد سے برآمد ہوئے تو ایک شخص نے آپؐ کی ملاقات ہو گئی۔ جس نے آپؐ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے۔ آپؐ کے غلام اس کی طرف بڑھے۔ مگر آپؐ نے ان کو روک دیا اور کہا۔ اے شخص! ہمارے حالات کا بہت سے حصہ تو تجھ سے مخفی ہے۔ اگر تجھ کو کوئی حاجت ہو تو بیان کرو تا کہ ہم تمہاری معاونت کریں۔ پھر آپؐ نے اپنا جبہ اور پانچ ہزار درہم اس کی طرف پھینک دیئے، اس کو حیا آئی اور اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ واقعی آپؐ اولاد رسولؐ ہیں۔



## آپ کی شہادت

آپ کی شہادت ۲۵ محرم الحرام ۹۵ھ میں ہوئی۔ جبکہ آپ کی عمر ۵۷ سال تھی۔ ابن صباغ ماکنی نے لکھا ہے: ﴿انہ مات مسموماً و ان الذی سمہ ولید بن عبد الملک و دفن بالقیع عند عمہ الحسن﴾۔ علماء کا قول ہے۔ کہ آپ زہر سے شہید کئے گئے۔ اور آپ کو ولید بن عبد الملک نے زہر دی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

## (۲) امام محمد بن علی الباقرؑ

### ولادت باسعادت

آپ کی ولادت باسعادت یکم رجب المرجب ۹۷ھ کو مدینہ منورہ میں واقع ہوئی۔ واقعہ کر بلا میں آپ اپنے اب وجد کے ہمراہ موجود تھے۔ اس وقت آپ کی عمر قریباً چار برس تھی۔

### القاب شریفہ

آپ کے بہت سے القاب مبارک ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور لقب ”باقر“ ہے۔ جس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے: ﴿بذلک من بقر الارض ای شقھا و اثار مخباتھا و مکامنھا فلذلک هو اظهر من مخبات کنوز المعارف و حقائق الاحکام.... و من ثم قيل فيه هو باقر العلم و جامعہ و شاعر علمہ و رافعہ﴾۔ بقر کے لغوی معنی شگافتہ کرنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے: ﴿بقر الارض ای شقھا و اثار مخباتھا﴾ اس نے زمین کو شگافتہ کیا۔ یعنی اس کو چیرا اور اس کے پوشیدہ اسرار کو واضح کیا۔ آپ کو اسی مناسبت سے باقر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ نے خزانہ علوم و معارف کے اسرار و رموز اور احکام کے حقائق کو واضح کر دیا۔ اس وجہ سے کہا جاتا ہے۔ آپ ہی علم کے شگافتہ کرنے والے، اس کو جمع کرنے والے اور اس کے علمبردار ہیں۔ آپ کا یہ لقب گرامی خود رسول اللہ نے تجویز فرمایا تھا۔ چنانچہ الفصول المہمہ، ص ۱۹۳، اور صواعق، ص ۱۹۹ میں جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا: ﴿یا جابر یوشک ان تلتحق بولدی من ولدی الحسین اسمہ کاسمی یبقر العلم بقراً ای یفجرہ تفجیراً فاذا برائیته فاقراءه منی السلام﴾۔ اے جابر! عنقریب تم امام حسینؑ کی اولاد میں سے میرے ایک فرزند سے ملاقات کرو گے۔ جو میرا ہم نام ہوگا۔ جو کہ علم کو شگافتہ کرے گا۔ یعنی علم کے چشمے جاری کرے گا۔ جب تم ان کو دیکھو تو ان کو میرا سلام کہہ دینا۔



صاحب نور الابصار (ص ۱۳۳ میں) اور ابن صباغ مالکی فصول المہمہ (ص ۱۹۲ میں) بحوالہ الارشاد لکھتے ہیں:

﴿كان اشهرهم ذكراً و اكملهم فضلاً و اعظمهم نبلاً لم يظهر من احد من ولد لحسن و الحسين من علم الدين و السنن و علم القرآن و فنون الادب ما ظهر من ابي جعفر الباقر عليه السلام﴾ آپ تمام ائمہ علیہم السلام سے زیادہ مشہور اور زیادہ صاحب فضل و جلالت تھے۔ اولاد امام حسن و حسین میں سے کسی سے اس قدر علم دین و سنن اور علم قرآن اور فنون ادب ظاہر نہیں ہوئے جس قدر امام محمد باقرؑ سے ظاہر ہوئے ہیں۔ آپ سے جلیل القدر تابعین اور جید علماء نے علوم دینیہ حاصل کئے اور آپ کے متعلق محدث شہیر مالک بن اعین چینی کہتا ہے: ﴿اذا طلب الناس علم القرآن كان القريش عليه عيلاً﴾۔ اگر لوگ علم قرآن حاصل کریں۔ تو قریش اس علم میں امام باقرؑ کے عیال (ممنون احسان) ہیں۔

### آپ کا زہد و تقویٰ اور اخلاق فاضلہ

ابن حجر کی صواعق محرقہ، ص ۱۹۹ میں فرماتے ہیں: آپ علم و عبادت اور زہد و تقویٰ میں حضرت امام زین العابدینؑ کے قائم مقام تھے۔ ابن صباغ مالکی الفصول المہمہ، ص ۱۹۲ میں فرماتے ہیں: ﴿هو باقر العلم و جامعہ و شاعرہ و رافعه و متفرق درہ و راصعه صفی قلبہ و زکی عملہ و طہرت نفسہ و شرفت اخلاقہ و عمرت اوقاته بطاعة الله و رسخ فی مقام التقوی قدمہ و میثاقہ﴾ آپ ہی علم کے سینہ کو چیرنے والے، اس کے جامع اور اس کے علم بردار ہیں۔ اور اس کے آبدار موتیوں کو ٹانکنے والے ہیں۔ آپ پاکیزہ دل، نیک سیرت، طاہر النفس اور شریف الاخلاق تھے۔ جن کے اوقات اللہ کی اطاعت سے آباد رہتے تھے۔ اور مقام تقویٰ و طہارت میں راسخ القدم تھے۔ ابن صباغ لکھتے ہیں کہ: امام محمد باقرؑ اپنے علم و فضل، ریاست علمیہ اور امامت کبریٰ کے حامل ہونے کے باوجود مشہودترین سخی تھے۔ اسود بن کثیر نے آپ کی خدمت میں تنگ دستی کی شکایت کی۔ آپ نے اس کو سات سو درہم عطا فرمائے۔ اور فرمایا: فی الحال ان کو صرف کرو۔ جب یہ ختم ہو جائیں تو مجھ کو آگاہ کر دینا۔

### آپ کی شہادت

آپ کی شہادت زہر کی وجہ سے ہوئی۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ صواعق محرقہ، ص ۱۹۹ میں ہے: ﴿توفی سنة سبع عشرة و مائة عن ثمان و خمسين سنة مسموماً کابیه﴾۔ آپ اٹھاون برس کی عمر میں اپنے والد ماجد کی طرح زہر سے شہید ہوئے۔ اور سن شہادت ۱۱۳ھ ہے۔ (صحیح ۱۱۳ھ ہے۔ ۷ ذی الحجہ) (ہردو



اماموں کے حالات کا یہ اجمالی مگر جامع خاکہ اپنی کتاب ”اثبات الامامت“ از ص ۲۷۲ تا ص ۲۷۵ لیا گیا ہے۔

### (۳) حضرت زینب بنت علی علیہا السلام

#### ولادت باسعادت

آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت ۵ جمادی الاولیٰ، سنہ ۵ھ میں ہوئی۔ آپ جناب صدیقہ کبریٰ کی بڑی صاحبزادی اور امام حسینؑ سے قریباً دو سال چھوٹی تھیں۔ بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ولادت کے بعد جناب مخدومہ کو نین سلام اللہ علیہا ان کو حضرت امیرؑ کی خدمت میں لائیں۔ اور عرض کیا۔ ان کا نام تجویز فرمائیے۔ آنجنابؑ نے فرمایا میں حضرت رسولؐ خدا پر کس طرح سبقت کر سکتا ہوں۔ اس وقت آنحضرتؐ کہیں سفر پر تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ جب واپس آئے اور ان کی خدمت میں نام تجویز کرنے کی درخواست پیش کی گئی تو آپؐ نے فرمایا میں خداوند عالم پر کس طرح سبقت کر سکتا ہوں۔ اس وقت جبریل امینؑ نازل ہوئے اور پروردگار عالم کی طرف سے تحفہ درود سلام کے بعد کہا کہ خداوند ارشاد فرماتا ہے کہ اس مولودہ کا نام زینب رکھ دیجئے کہ خدا نے ان کے لیے یہی نام تجویز کیا ہے۔ پھر جبریلؑ نے ان مصائب و آلام کی خبر دی جو اس مخدرہ پر وارد ہونے والے تھے۔ سن کر آنحضرتؐ روئے اور فرمایا: ﴿من بکى على مصائب هذه البنت كان كمن بکى على اخويها الحسن و الحسين﴾۔ جو میری اس بیٹی کی مصیبت پر روئے گا وہ اجر و ثواب میں اس کے بھائی حسنؑ و حسینؑ کے مصائب پر رونے والے کی مانند ہوگا۔<sup>۱</sup>

#### القاب مبارکہ

جناب زینب عالیہ علیہا السلام کے بہت سے القاب ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں: (۱) صدیقہ صغریٰ، (۲) عقیلہ بنی ہاشم، (۳) عالمہ غیر معلمہ، (۴) عابدہ آل علی، (۵) شریکۃ الحسینؑ اور مشہور کنیت اُم کلثوم ہے۔

#### تعلیم و تربیت

اس بی بی کی تعلیم و تربیت اور خاندانی عظمت و جلالت کا اندازہ کیوں کر لگایا جاسکتا ہے۔ جس کے نانا جناب رسولؐ خدا اور بابا علی مرتضیٰؑ، والدہ ماجدہ فاطمہ الزہراءؑ، ایک بھائی حسن مجتبیٰؑ اور دوسرے حسینؑ سید الشہداء ہوں اور انہی بزرگواروں کی آغوش تربیت میں نشو و نما پائی ہو اور جسے امام زین العابدینؑ عالمہ غیر معلمہ اور فہمۃ غیر مفہمہ کا جلیل القدر لقب عطا فرمائیں۔ امام کے اس کلام حقیقت ترجمان سے تو یہی واضح و عیاں ہوتا ہے کہ صدیقہ صغریٰ علم لدنی کی مالک تھیں۔



راشد الخیری نے لکھا ہے: ”ایشار و قربانی اور دانشمندی، استقامت و استقلال، صداقت اور جرات تو واضح اور مہمان نوازی۔ زہدہ تقویٰ، عبادت و ریاضت۔ خلق و کرم۔ سادگی و پاکیزگی ان تمام صفات کا بی بی زینبؓ میں جمع ہو جانا نہ صرف اثر تھا ان کے بزرگوں کے خون کا جو ان کی رگوں میں دوڑ رہا تھا بلکہ فیض تھا۔ اس ماحول اور صحبت کا جس میں انہوں نے آنکھ کھولی اور بچپن اور کنوار پنہ گزارا۔ پھر سونے پر سہاگہ اس محترمہ اور مقدسہ ماں کی تربیت تھی جس نے غیروں تک کو جانور سے انسان۔ پیتل سے سونا اور پتھر سے ہیرا بنا دیا۔ اور جناب زینبؓ کے ارشادات اور خطبات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ مختلف علوم یعنی قرآن و تفسیر۔ ادب و علم کلام و بیان پر یہ پوری طرح حاوی تھیں۔ جو نتیجہ تھا جناب امیرؓ کی تعلیم کا اور آپ کے حصول تعلیم کی صلاحیت کا۔“

### زینبؓ عالیہ کے بچپن کا ایک عجیب واقعہ

سچ ہے: ﴿نہالے کہ نکو است از بہارش پیدا﴾۔ وہ زینبؓ عالیہ جس نے بڑے ہو کر شریکۃ الحسینؓ بننا تھا۔ بعد واقعہ ہاکمہ کر بلا میں مثالی کارہائے نمایاں انجام دینے تھے۔ ان کا بچپن ہی ان کے مستقبل کے درخشاں و تاباں ہونے کی غمازی کر رہا تھا۔ بعض آثار و اخبار میں موجود ہے کہ بی بی کا بچپن تھا۔ جناب امیرؓ ان کو گود میں لے کر پیار کر رہے تھے اور دل بہلانے کے لئے ان سے باتیں کر رہے تھے۔ فرمایا: ﴿یا بنیۃ قولی واحد﴾۔ بی بی کہو: ”ایک“۔ بی بی نے کہا: ﴿واحد﴾۔ پھر فرمایا: بی بی کہو: ﴿اثنین﴾۔ ”دو“۔ بی بی خاموش ہو گئیں، فرمایا: ﴿تکلمی یا قرۃ عینی﴾۔ ”میری آنکھ کی ٹھنڈک بی بی بولو۔ بی بی نے عرض کیا: ﴿یا ابتاہ ما اطلق ان اقول اثنین بلسان اجریۃ بالواحد﴾۔ بابا جان! مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ جس زبان سے ایک بار ایک کہہ دیا۔ اسی زبان سے اب دو کہوں۔ بی بی کا یہ شگفتہ اور موحدانہ جواب سن کر جناب امیرؓ خاموش ہو گئے اور بی بی کو سینہ سے لگا لیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔“

### شکل و شمائل

اخبار و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا قد بلند و بالا۔ چہرہ نورانی تھا اور وقار و سکینہ میں مثل ام المومنین خدیجہ الکبریٰؓ کے تھیں۔ عصمت و حیا میں مثل فاطمہ الزہراؓ۔ فصاحت و بلاغت اور طرزِ تکلم میں مثل علی المرتضیٰؓ کے۔ علم و بردباری میں مثل حسن مجتبیٰؓ کے۔ شجاعت و اطمینانِ قلب میں مثل حسینؓ سید الشہداء کے تھیں۔ صاحبِ خصائص زینبیہؓ

۱۔ سیدہ کی بیٹی۔

۲۔ سیرت جناب زینبؓ، ص ۲۰۔

۳۔ کتاب زینب الکبریٰؓ للشیخ جعفر اللہی النجفی، ص ۴۶، ۴۷۔



لکھتے ہیں کہ آپ کشیدہ قامت تھیں۔ چہرہ انور سے رعب حیدری اور جلالت نبوی آشکار تھے۔ اعضاء متناسبہ آپ کی بزرگی و مہابت پر دال تھے۔ آپ فضائل صوریہ و معنویہ کی مجموعہ تھیں۔<sup>۱</sup>

### جناب زینب عالیہ کی تزویج

اگرچہ صحیح تاریخ اور ماہ و سال کا تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا۔ مگر اس قدر اجمالاً معلوم ہے کہ جب بی بی عالم سن بلوغ کو پہنچیں تو حضرت امیرؓ نے ان کا عقد نکاح آپ کے چچا زاد بھائی جناب عبداللہ بن جعفر طیارؓ سے کر دیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کی طرح آپ کی رسم نکاح بھی بڑی سادگی کے ساتھ ادا کی گئی۔ مسجد میں خود جناب امیرؓ نے نکاح پڑھایا اور خاندان کی عورتوں نے دلہن کو حضرت عبداللہ کے گھر پہنچایا۔ اور دوسرے روز حضرت عبداللہ نے دعوت ولیمہ کی۔<sup>۲</sup> جناب بی بی عالم کو جہیز کیا دیا گیا؟ اس کی تفصیل بھی کتب سیر و تاریخ سے دستیاب نہیں ہو سکی۔ ظن غالب یہی ہے کہ اس سلسلہ میں بھی جناب امیرؓ نے حضرت رسولؐ خدا کی تاسی کی ہوگی۔ والعلہ عند اللہ۔

### جناب زینب عالیہ کی طرز بود و ماند اور امور خانہ داری

یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ بی بی عالم امور خانہ داری میں مہارت تامہ رکھتی تھی۔ جہاں رہیں گھر کو نمونہ جنت بنا دیا۔ شادی سے قبل والد کے گھر میں تھیں تو تمام گھر کا نظم و نسق آپ کے ہی متعلق تھا۔ اور شوہر کے گھر گئیں تو اُسے حسن انتظام سے رشک جنت بنا دیا۔ راشد الخیری نے لکھا ہے ان کی سلیقہ شعاری میں یہ عادت بھی شامل تھی کہ وہ فضول اور بے کار کوئی چیز گھر میں نہ رکھتی تھیں، کھانا ضرورت کے مطابق تیار کرتیں اور وقت پر تیار کرتیں۔ جب تمام مرد اور بچے یا مہمان کھانے سے فارغ ہو جاتے تب کھاتیں اور جو بیج جاتا اٹھا کر نہ رکھتیں۔ بلکہ کسی بھوکے کو کھلا دیتیں۔ کفایت و نظم ان کے تمام کاموں میں جلوہ گر ہوتا۔ ضرورت سے زیادہ کوئی چیز خرچ نہ کرتیں۔ ان کی خانہ داری میں غریبوں، بے کسوں اور یتیموں کی مدد بھی شامل تھی جن کی امداد میں ہمیشہ بلند حوصلگی سے کام لیتیں۔ اپنی محترم ماں کی طرح انہیں بھی اچھے کھانوں کا شوق نہ تھا۔ جو کچھ میسر آتا اس پر صبر و شکر کرتیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفر کے یہ الفاظ زینب بہترین گھر والی ہے۔ بتا رہے ہیں کہ سیدہ کی بیٹی خانہ داری میں کس قدر ماہر تھیں۔<sup>۳</sup>

### بی بی عالم کے شرم و حیا کا ایک واقعہ

یہی مازنی کا بیان ہے کہ مدینہ منورہ میں جناب امیرؓ کے اس گھر کے جوار میں ایک مدت مدید تک رہا ہوں جس میں جناب زینب عالیہ رہتی تھیں۔ خدا کی قسم اس پوری مدت میں ہمارا رایت لہا شخصاً ولا سمعت لہا

۱۔ سیرت جناب زینبؓ، مطبوعہ دکن، ص ۱۸۔

۲۔ سیرت مذکورہ، ص ۲۶۔

۳۔ سیدہ کی بیٹی۔



صوتاً۔ نہ میں نے کبھی ان کا قد و قامت دیکھا اور نہ ہی کبھی ان کی آواز سنی۔<sup>۱</sup>

### بی بی کی جلالت قدر کی انتہا

بی بی عالم کی عظمت و جلالت کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے جو بعض اخبار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ جب بی بی عالم اپنے بھائی امام حسینؑ کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتیں تو امام عالی مقام ان کا اٹھ کر استقبال فرماتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے تھے۔<sup>۲</sup>

### جناب زینبؑ کا زہد و تقویٰ

جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے آپ کے کثیر التعداد اور جلیل القدر القاب میں سے ایک لقب۔ زاہدہ بھی ہے آپ نے زہد و تقویٰ اپنے والدین شریفین سے وارثت میں پایا تھا۔ آپ کے زاہد و تقویٰ کے متعلق راشد الخیری لکھتے ہیں کہ زینبؑ کبریٰ کا زہد و اتقا اس درجہ کا بلند تھا کہ بہت کم عورتوں کو نصیب ہوا ہوگا۔ دنیا کی زینتوں، دنیا کی لذتوں، دنیا کے ساز و سامان سے انہیں دلچسپی نہ تھی۔ دنیاوی خوشحالی۔ دنیاوی عشرت اور دنیاوی راحت پر وہ ہمیشہ ابدی راحت کو ترجیح دیتی تھیں۔ ان کا قول تھا کہ دنیا کی زندگی بالکل ایسی ہے جیسے کوئی مسافر چند لمحوں کیلئے مکان دور کرنے کے واسطے آسائش کی جگہ ٹھہر جائے۔ بی بی زینبؑ کا تقویٰ اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ کسی مشتبہ چیز کو احتیاط کی بنا پر استعمال نہیں کیا۔ خدا کی رضا مندی کے حصول میں کوشاں رہیں۔ اور خدا کے بندوں کی دل آزاری کی کبھی روادار نہ ہوئیں۔<sup>۳</sup>

### جناب صدیقہ صغریٰؑ کی عبادت و اطاعت

جناب صدیقہ صغریٰؑ کی عبادت و اطاعت کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کو عابدہ آل علی کے جلیل القدر لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ بی بی عالم کا مقام عبادت اس قدر بلند ہے کہ امام حسینؑ نے وصیت فرمائی تھی کہ ﴿یا اختہ زینب! لا تمسینی فی نافلۃ اللیل﴾۔ بہن زینب! مجھے نماز تہجد میں فراموش نہ کرنا اللہ اللہ جس مندرہ سے امامؑ نماز شب میں دعائے خیر کرنے کی درخواست کریں۔ اس معظّمہ کی عبادت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ بی بی عالم کو عبادت خدا بجا لانے کا کس قدر شوق و ذوق تھا اس کا کچھ اندازہ امام زین العابدینؑ کے اس بیان حقیقت ترجمان سے لگایا جاسکتا ہے۔ جو انہوں نے جناب بی بی عالم کی عبادت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے، فرماتے ہیں: ﴿ان عمتی زینبؑ مع تلک المصائب و المحن النازلة بها فی طریقنا الی الشام ما توکلت نوافلها اللیلۃ﴾

۱۔ کتاب زینب الکبریٰ، ص ۲۸، طبع النجف۔

۲۔ کتاب مذکورہ ص ۲۹۔

۳۔ کتاب زینب الکبریٰ، للشیخ جعفر القدری، ص ۸۲۔

۴۔ سیدہ کی بیٹی۔

۵۔ حوالہ مذکورہ بالا۔



باوجود ان مصائب و شدائد کے جو شام کے سفر میں ہمیں درپیش آئے۔ میری پھوپھی جناب زینبؑ نے پھر بھی نماز تہجد ترک کبھی نہیں کی۔

### جناب زینبؑ عالیہ کا ایمان باللہ و توکل علی اللہ

ویسے تو بی بی عالم کی تمام زندگی اور اس کا ایک ایک لمحہ ان کے ایمان باللہ اور توکل علی اللہ کا بہترین نمونہ پیش کرتا ہے مگر اس کا سب سے عمدہ عملی مظاہرہ اس وقت ہوا۔ جب شہادت حسینؑ کے بعد مخدرات عصمت و طہارت کو اسیر کر کے وہاں سے گزارا گیا۔ جہاں سید الشہدؑ کی نعش مطہر مع اعزاء و انصار کی لاشہائے مقدسہ کے بے گور و کفن تپتی ہوئی ریت پر خاک و خون میں غلطان پڑی ہوئی تھی۔ اس وقت اگر کوئی رستم زماں بھی ہوتا۔ تو یہ جانگداز منظر دیکھ کر اس کا زہرہ آب ہو جاتا۔ مگر امام الصابریؑ کی بہن نے پورے صبر و ثبات اور یقین و اعتماد کے ساتھ بارگاہ قدرت میں دست و عا بلند کر کے یوں عرض کیا: ﴿اللہی تقبل منا هذا القربان﴾ بار الہا! اپنے دین کے تحفظ کے سلسلہ میں ہماری یہ قربانی قبول فرما۔<sup>۱</sup> بی بی عالم کا یہ قول و فعل آپ کے معرفت الہی اور توکل علی اللہ کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہونے کی بین دلیل ہے۔ ایسی جانگسل مصیبت کے وقت تسلیم و رضا کے یہ کلمے بطلہ کر بلا ہی فرما سکتی تھیں۔

### جناب زینبؑ کی امام حسینؑ سے محبت و الفت

جناب زینبؑ عالیہ کو بچپن سے ہی اپنے بھائی حسینؑ سے جو بے پناہ محبت تھی۔ اور آخر دم تک رہی۔ اس کی مثال اس عالم رنگ و بو اور دُنیاۓ نفسا نفسی میں بہت کم ملے گی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ کی امام حسینؑ سے محبت و الفت کی یہ کیفیت تھی۔ کہ جب آپ نماز کا قصد فرماتیں۔ تو پہلے حضرت سید الشہدؑ کے روئے اقدس کو دیکھ لیا کرتی تھیں۔ یہی دلی محبت تھی جس نے آپ کو مجبور کیا۔ کہ گھر بار، آل اولاد، امن و راحت کو خیر باد کہیں اور اپنے عزیز بھائی کے ساتھ سفر پر خطر اختیار کریں۔ روز عاشوراء اور بعد شہادت حسینؑ قید و در بدری، صحرا نوردی کے وہ شدید مصائب برداشت کریں۔ جو اگر پہاڑوں پر پڑتے تو ریزہ ریزہ ہو جاتے اور پھر ان بلاؤں و مصیبتوں کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کریں۔ بقول صاحب طراز المذہب کسی نبی یا ولی کی ذریت سے کسی بھی بی بی پر ایسے مظالم و مصائب نہیں وارد ہوئے جو جناب زینبؑ پر گذرے۔ اور نہ کسی بی بی نے ایسے شدید مصائب واقع ہونے پر اس طرح صبر و شکر اور حلم کا مظاہرہ کیا جو آپ نے کیا۔<sup>۲</sup>

۱۔ مثل الحسین، ص ۳۶۷۔

۲۔ سیرت جناب زینبؑ، ص ۲۲۔



## واقعہ کربلا میں شریکۃ الحسین کا حصہ

شہادت امام کے بعد بعض ایسے جگر خراش اور دلدوز واقعات درپیش آئے کہ امام زین العابدینؑ ایسے بزرگوار کے ہاتھوں سے زمام صبر و عتیکبائی چھوٹنے لگی۔ مگر اس مجسمہ صبر و ثبات بی بی نے امام کو تسلی اور دلاسا دیا۔ ان تمام واقعات کی تفصیل سابقاً گذر چکی ہے۔ بہر حال یہ بات اہل انصاف کے نزدیک مسلم الثبوت ہے کہ واقعہ کربلا کی تصویر میں رنگ عقیلہ بنی ہاشمؑ جناب زینب عالیہؑ نے بھرا ہے۔ اور اس پیکر میں روح حیات جاودانی بنت علیؑ کے بازار و دربار کوفہ و شام میں عدیم النظیر خطبات نے ڈالی ہے۔ اور خواب غفلت میں سوئی ہوئی دنیا کو اس خواب گراں سے بی بی عالم کی اسیری نے بیدار کیا ہے۔ اور مظلوم کربلا کی مظلومیت و حقانیت کا ریکانوں اور بیگانوں سے اقرار بنت زہراؑ نے کرایا ہے اور امام کی شہادت کو چار چاند اسی نواسی رسولؐ نے لگائے ہیں۔ حد ہو گئی کہ یزید ایسے ظالم کے دار الحکومت دمشق میں مظلوم بھائی کی پہلی مجلس عزاء اور ماتم برپا کرنا بھی آپ کا ہی زریں کارنامہ ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں بلا خوف رد کہا جاسکتا ہے۔ کہ آپؑ صحیح معنوں میں شریکۃ الحسینؑ ہیں۔

SIBTAIN.COM

## وفات حسرت آیات اور مدفن شریف

جناب زینب عالیہؑ کی تاریخ وفات میں بہت اختلاف ہے۔ ہاں اس قدر مسلم ہے کہ رہائی کے بعد جناب بہت تھوڑا عرصہ زندہ رہیں۔ اور بھائی اور دیگر اعزہ کے غم میں گھل گھل کہ بہت جلد دار فانی سے دار جاودانی کی طرف انتقال کر گئیں۔ صاحب زینب کبریٰؑ نے معتبر حوالہ جات سے آپؑ کی تاریخ وفات پندرہ رجب المرجب ۶۲ھ ثابت کی ہے۔ ہمیں بھی ان کی تحقیق سے اتفاق ہے۔

اسی طرح ان کے مدفن اور کیفیت وفات میں بھی شدید اختلاف ہے۔ مشہور شام ہی ہے مگر کئی ایک محققین کے نزدیک ان کا مدفن مدینہ میں ہے۔ اور متعدد ارباب سیر و تواریخ کا رجحان مصر کی طرف ہے۔ یہاں اس اختلاف کی تنقیح و احقاق ماہو الحق کی گنجائش نہیں ہے البتہ یہاں صرف اس قدر اشارہ کیا جاتا ہے کہ تاریخی شواہد و قرائن کی بنا پر ہمارا میلان و رجحان سب سے زیادہ مصر اور اس کے بعد مدینہ والے قول کی طرف ہے۔ اگر خداوند عالم توفیق عطا فرمائے تو ہر سہ مقامات مقدسہ پر اس محسنہ اسلام کی زیارت کا شرف حاصل کرنا چاہیے۔ واللہ الموفق



### (۴) جناب اُم کلثوم بنت امیر المومنینؑ

یہ معظمہ پیغمبر اسلام کی چھوٹی نواسی اور علیؑ و بتولؑ کی منجھلی صاحبزادی ہیں۔ ان کا نام نامی واسم گرامی بھی زینب ہے اور کنیت ام کلثوم۔<sup>۱</sup> مگر کنیت نام سے زیادہ مشہور ہے آپ کی تزویج پہلے اپنے عم زاد جناب عون بن جعفر طیارؑ کے ساتھ ہوئی اور ان کی وفات کے بعد جناب محمد بن جعفر طیارؑ کے ساتھ ہوئی۔<sup>۲</sup> صحیح تاریخ ولادت و وفات معلوم نہیں۔ اجمالاً اتنا معلوم ہے کہ حیات رسولؐ کے آخری ایام میں آپ کی ولادت ہوئی اور شہادت امام کے تھوڑا عرصہ بعد وفات پائی۔

مسلمانوں کے خلیفہ ثانی کے ساتھ ان کے ازدواج کا افسانہ بالکل بے اصل و بے حقیقت ہے۔ جو قوانین روایت و روایت اور آئین عقل و نقل کے سراسر خلاف ہے۔ ہم نے اپنی کتاب ”تذریۃ الامامیہ و تجلیات صداقت“ میں اس موضوع پر مفصل بحث کر کے اس قصہ کو بے اصل ثابت کیا ہے قارئین کرام کتاب مذکور نیز اس موضوع پر مستقل تالیف شدہ کتب و رسائل مثل السرائر المختوم، کنز المکتوم در حل عقد ام کلثوم اور شرح کنز مکتوم وغیرہ کی طرف رجوع فرمائیں۔ یہاں اس موضوع پر گفتگو کرنے کی گنجائش نہیں ہے ہاں یہاں صرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ کہ جس اُم کلثوم کی تزویج کا افسانہ خلیفہ ثانی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کی وفات بالا تفاق بعہد معاویہ بیان کی جاتی ہے۔ مگر ام کلثوم بنت علیؑ و بتولؑ کے واقعہ کر بلا میں اور اس کے بعد اسیران اہل بیت کے ہمراہ موجود ہونے پر تمام ارباب سیر و تواریخ اور اصحاب مقاتل کا اجماع و اتفاق ہے۔

جناب اُم کلثوم نے اپنی بڑی بہن جناب زینبؑ عالیہ کے دوش بدوش بازار کوفہ وغیرہ میں جو پر جوش اور دلولہ انگیز خطبے پڑھے وہ سابقہ ابواب میں درج کئے جا چکے ہیں۔ یہی زینبؑ و اُم کلثوم کے عدیم النظیر خطبات تھے جنہوں نے یزید کی حکومت کے ارکان کو متزلزل کر دیا تھا۔“

### (۵) جناب رقیہ کبریٰ بنت امیر المومنینؑ

یہ مخدرہ جناب امیرؑ کی زوجہ محترمہ اُم حبیب دختر ربیعہ کے لطن سے تھیں۔ یہ اپنے بھائی عمر بن علی کے ساتھ توام متولد ہوئیں۔<sup>۳</sup> ان کا ازدواج اپنے چچا زاد بھائی جناب مسلم بن عقیل کے ساتھ ہوا۔ سفر کر بلا میں اپنے بھائی امام حسینؑ کے ہمراہ تھیں۔ اور روز عاشوراء اپنا ایک لخت جگر عبداللہ بن مسلم بن عقیل قربان گاہ

۱۔ منتہی الامال، ج ۱، ص ۱۸۶، مگر صاحب منتخب التواریخ، (ص ۹۴) نے ان کا اسم گرامی رقیہ کبریٰ لکھا ہے۔

۲۔ منتہی الامال، ج ۱، ص ۱۸۶۔

۳۔ منتہی الامال، ج ۱، ص ۱۸۷ وغیرہ۔



کر بلا میں اپنے بھائی پر قربان کیا۔<sup>۱</sup> اور بعد از شہادت امام مصیبت اسیری و در بدر گردی و صحرا نوری میں اپنی دونوں بڑی بہنوں اور بھتیجیوں کے ہمراہ شریک رہیں۔<sup>۲</sup> اور رہائی کے بعد واپس مدینہ منورہ تشریف لائیں۔ تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔

### (۶) جناب فاطمہ بنت الحسینؑ

یہ معظمہ جناب سید الشہداء کی بڑی صاحبزادی ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبد اللہ البتیمہ ہیں۔ اس مخدرہ کو تقویٰ و کمال و فضائل و جمال کی وجہ سے حور العین کے ساتھ تشبیہ دی جاتی تھی۔<sup>۳</sup> امام حسینؑ نے اپنے برادر زادہ جناب شہزادہ حسن ثنیٰ فرزند امام حسنؑ کے ساتھ ان کی تزویج کی وارد ہے کہ جب شہزادہ نے امامؑ سے رشتہ کی خواستگاری کی تو امامؑ نے فرمایا میری دو صاحبزادیوں میں سے جس سے چاہو تمہارا عقد کر دیا جائے۔ جناب حسن نے بوجہ شرم و حیا سر جھکا لیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ پھر امامؑ نے خود ہی فرمایا: میں تمہارے لئے اپنی بڑی صاحبزادی فاطمہ کو منتخب کرتا ہوں کیونکہ یہ میری والدہ ماجدہ فاطمہ زہراؑ سے زیادہ شباهت رکھتی ہیں۔<sup>۴</sup>

جناب حسن ثنیٰ سے آپ کی تین اولادیں ہوئیں۔ (۱) عبد اللہ الحنفی۔ (۲) ابراہیم الخمری۔ (۳) حسن مشائش۔<sup>۵</sup> اس معظمہ کو بیوگی کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑا۔ چنانچہ ۳۵ سال کی عمر میں جناب حسن ثنیٰ کا انتقال ہو گیا۔ پورا ایک سال اپنے شوہر گرامی کی قبر پر خیمہ نصب کر کے سوگ میں بیٹھی رہیں۔ اور کیفیت یہ تھی کہ دن کو روزہ رکھتیں۔ اور رات بھر عبادت خدا میں بیدار رہتیں۔ سال کے بعد گھر تشریف لائیں۔ جب خیمہ اٹھا کر گھر آنے لگیں۔ تو ایک ہاتھ غیبی کی آواز سنی جو کہ رہا تھا: ﴿ہل وجدوا ما فقدوا﴾۔ دوسرے نے جواب میں کہا: ﴿بل یسؤا فانقلبوا﴾۔<sup>۶</sup>

اس محترمہ کی عظمت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ امام حسینؑ نے آخری وقت ظاہری وصیت نامہ انہی

۱۔ منتخب التواریخ، ص ۱۲۳۔

۲۔ منتخب طریخی، ص ۲۴۲۔ منتخب التواریخ، ص ۲۹۶۔

۳۔ تاریخ التواریخ، ج ۶، ص ۴۹۹۔ فتی الامال، ج ۱، ص ۳۶۳۔

۴۔ ارشاد، ص ۲۰۹ وغیرہ۔

۵۔ منتخب التواریخ، ص ۳۶۔

۶۔ ارشاد، ص ۲۰۶۔ منتخب، ص ۲۴۹۔



کے سپرد کیا تھا۔ جو انہوں نے امام زین العابدینؑ کی صحت کے بعد ان کے حوالہ کیا تھا۔<sup>۱</sup> جناب سید الشہداء کی روانگی از مدینہ کے مقام پر تفصیل سے اس موضوع پر گفتگو کی جا چکی ہے۔ کہ یہ معظمہ سفر کر بلا میں امام کے ہمراہ تھیں۔ اور بعد از شہادت اسیری کے صدمے بھی رہے۔ رہائی کے بعد عرصہ دراز تک زندہ رہیں۔ بالآخر اے اھ کو مدینہ میں دار فانی سے دار جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔<sup>۲</sup>

### (۷) جناب سکینہ بن الحسینؑ

یہ معظمہ حضرت سید الشہداء کی چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ ان کی اور شہزادہ علی اصغرؑ کی والدہ گرامی کا نام نامی جناب رباب بنت امر القیس ہے۔ آپ کا اصل نام آمنہ یا امیہ تھا۔ مگر جناب رباب نے سکینہ لقب تجویز کیا۔ جو نام پر بھی غالب آ گیا۔<sup>۳</sup> آپ بالاتفاق واقعہ کربلا میں موجود تھیں۔ شہادت امام کے بعد اسیری کے مصائب و شدائد بھی برداشت کئے رہائی کے بعد مدینہ گئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ واقعہ کربلا کے بعد عرصہ دراز تک زندہ رہیں۔ اور بنا بر مشہور عند المورخین ۵ ربیع الاول ۷۱ھ میں وفات پائی۔<sup>۴</sup> مگر ان کی واقعہ کربلا کے بعد والی زندگی کے واقعات و حالات مستند طریقہ سے مروی نہیں ہیں۔ اس لئے ان پر اعتقاد نہیں کیا جاسکتا۔ ان بے سراپا واقعات کے ایجاد و اختراع میں سیاست اموی کا فرمانظر آتی ہے۔ حقیقت حال سے آنکھیں بند کر کے ہمارے بھی بعض اہل علم نے ان واقعات کو اپنی کتب میں درج کر دیا جو کہ اصول روایت و درایت کے پیش نظر بالکل ناقابل اعتبار ہیں۔ یہاں اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ تبصرہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اہل تحقیق کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی واقعہ کی تحقیق کرتے وقت اس کے مثبت پہلو کو سامنے رکھ کر بحث کرتے ہیں نہ کہ منفی پہلو کو یہاں بھی اسی طریق کو اپنانا چاہیے کہ جناب سکینہ کو زندہ موجود تسلیم کرنے کے باوجود ان واقعات پر جرح و تنقید کر کے ان کو بے اصل ثابت کرنا چاہیے۔ نہ یہ کہ سرے سے ان کے زندہ ہونے کا ہی انکار کر دیا جائے۔ اگرچہ اس انکار کی گراں قیمت تمام ارباب سیر و تواریخ کے بیان کی تکذیب کی صورت میں ہی کیوں نہ ادا کرنا پڑے۔ ہم قبل ازیں تفصیلاً بتا چکے ہیں کہ زندان شام میں ان کی وفات کا واقعہ بالکل بے بنیاد ہے۔ اس موضوع پر رسالہ ”حضرت سکینہ“، مصنفہ: مولانا سید علی حیدر صاحب کھجوی قابل

۱۔ منتہی الامال، ج ۱، ص ۴۶۳۔ منتخب التواریخ، ص ۲۳۰۔ ناخ، ج ۶، ص ۴۹۹ وغیرہ۔

۲۔ اصول کافی۔

۳۔ منتہی الامال، ج ۱، ص ۴۶۳۔

۴۔ منتخب التواریخ، ص ۲۳۱۔ منتہی الامال، ج ۱، ص ۴۶۳۔ ناخ التواریخ، ص ۵۰۴۔ تقام ۴۹، ص ۵۶۵ وغیرہ۔



دید ہے۔ ہم اپنے قارئین کرام سے اُس کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں۔

### (۸) جناب رباب بنت امرء القیس الکلبیہ سلام اللہ علیہا

یہ تخذ رہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے شہزادہ علی اصغرؑ اور جناب سکینہؑ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ جناب رباب کے والد جناب امرء القیس کلبی عرب کے اشراف و اکابر خانوادہ سے تھے۔<sup>۱</sup> اور خود جناب رباب بہترین زنان عرب سے تھیں جیسا کہ صاحب تقام نے ہشام کلبی (نسابہ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ﴿کانت الرباب من خیار النساء﴾<sup>۲</sup> ان کی انہی خصوصیات کی وجہ سے سرکار سید الشہدائینؑ کو بہت چاہتے تھے۔ اور ان سے خاص تعلق خاطر تھا سبط ابن جوزی وغیرہ نے ان اشعار کی نسبت آنجناب کی طرف دی ہے۔ جس سے مذکورہ بالا بیان کی تائید مزید ہوتی ہے۔

تكون بها مسکينة و الرباب

لعمرك اننى لاحب داراً

و ليس لعاتب عندى عتاب

احبهما ابدل جلّ مالی

حيوتى او يغيبنى التراب

و لست لهم و ان عابوا مطيعاً

آپ میدان کر بلا میں موجود تھی۔ پھر اسیری کے مصائب و آلام جھیلنے کے بعد واپس مدینہ تشریف لائیں اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ رہائی کے بعد بڑے بڑے اکابرین قریش نے آپ کی خواستگاری کی مگر آپ نے یہ فرما کر سب کی خواستگاری مسترد کر دی کہ ﴿ما کنت لا تخذ بعد رسول اللہ حموا﴾۔<sup>۳</sup> میں جناب رسول خدا کے بعد اب کسی اور کو اپنا خسر بنانا گوارا نہیں کر سکتی۔<sup>۴</sup> اسی وفادار معظّمہ کے متعلق مشہور ہے کہ جب جناب سید الشہدائینؑ کی نعش اقدس کو بے گور و کفن خاک و خون میں غلطان دھوپ میں پڑا ہوا دیکھا تو عہد کیا تھا۔ کہ زندگی بھر سایہ میں نہیں بیٹھیں گی۔ چنانچہ اس عہد کو پورا کیا۔ جب تک زندہ رہیں سایہ میں نہ بیٹھیں حتیٰ کہ اسی حزن و غم اور رنج و ملال میں گھل گھل کر ایک سال کے بعد دنیا سے رحلت کر گئیں۔<sup>۵</sup> یہ بھی منقول ہے کہ ”رہائی کے بعد آپ نے مدینہ جانے سے انکار کر دیا۔ اور ایک سال تک قبر حسینؑ پر خیمہ لگا کر مجاور

۱۔ منتخب التواریخ، ص ۷۷۔

۲۔ تقام، ص ۵۶۰۔

۳۔ تذکرۃ الخواص، ص ۲۶۵ وغیرہ۔

۴۔ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۳۰۰ وغیرہ۔

۵۔ منتخب التواریخ، ص ۲۳۸۔ کامل، ج ۳، ص ۳۰۰۔ تذکرہ، ص ۲۶۵۔



کی حیثیت سے مقیم رہیں جس میں شب و روز گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم میں مصروف رہیں۔<sup>۱</sup>

تبصرہ

قبل ازیں واقعات بعد شہادت کے ضمن میں بالتفصیل ثابت کیا جا چکا ہے کہ جناب بی بی شہر بانو سلام اللہ علیہا واقعہ کربلا میں قطعاً موجود نہ تھیں بلکہ ولادت امام زین العابدینؑ کے چند روز بعد ایام زچگی میں ہی دنیا سے رحلت فرما گئی تھیں۔ اسی طرح شہادت جناب شہزادہ علی اکبرؑ کے بیان میں یہ امر بھی واضح کیا چکا ہے کہ آپ کی والدہ جناب ام لیلیٰ بھی واقعہ کربلا میں موجود نہ تھیں۔ مزید برآں یہاں فاضل پیر جندی کی تصریح بھی پیش کی جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

﴿و بودن ام لیلی مادر علی اکبر در کربلا در هیچ کتاب معتبرے ذکر نہ شدہ و اعتبارے نیست بکلام مہیج کہ مادر و خواہران بر نعش او آمدند..... والا چرا در هیچ مقامے از وقائع کربلا و شام و کوفہ ازاں مخدورۃ ذکرے نیست﴾<sup>۲</sup>

فتدبر و تشکر۔ ولا تغفل ولا تکن من الجاحدین۔

SIBTAIN.COM

۱۔ شہید انسانیت، ص ۵۶۳ بحوالہ اصابہ مصر، ج ۱، ص ۱۱۳۔

۲۔ کبریٰ احمر، ص ۱۸۷۔



## واقعہ کر بلا کے اخلاقی و افادی نتائج و آثار

بعض سابقہ بیانات میں سے یہ حقیقت بیان کی جا چکی ہے۔ کہ کسی بھی واقعہ کی حقیقی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ اس کے اغراض و مقاصد اور اس کے نتائج و آثار کی بلندی یا پستی سے لگایا جاسکتا ہے بنا بریں دیکھنا چاہیے کہ کر بلا کے واقعہ ہائیکہ سے عالم انسانیت کو کیا کیا اخلاقی و روحانی درس ہائے رشد و ہدایت حاصل ہوئے۔ اور اس سانحہ عظمیٰ سے کیا فوائد و عوائد حاصل ہوئے ہیں۔ اور اس سانحہ کبریٰ پر کیا کیا نتائج و آثار مترتب ہوئے ہیں۔ دنیا کا ہر واقعہ نتیجہ خیز اور ہر سانحہ سبق آموز ہوتا ہے۔ تو کیا کر بلا کا خونچکاں، دل فگار اور عظیم الشان واقعہ ہائیکہ ہمارے سامنے کوئی درس عمل پیش نہیں کرتا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ عظیم الشان واقعہ عبرت و نصیحت اور رشد و ہدایت کے ہزار ہا خونین اوراق پیش کرتا ہے بلکہ روحانی و اخلاقی اقدار کا بحر بے کنار نظر آتا ہے۔ یہ مطلب اس وقت اور بھی زیادہ واضح و آشکار ہو جاتا ہے۔ جب یہ ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ یہ واقعہ ہائیکہ جس ذات جامع الصفات سے وابستہ ہے وہ الہ العالمین کے آخری رسولؐ جو رحمۃ للعالمین کے جلیل القدر لقب سے ملقب ہیں) کے عظیم نواسے سید الکونین حضرت امام حسینؑ ہیں جس کے بعد یہ حقیقت بالکل اُجاگر ہو جاتی ہے کہ جس طرح خداوند عالم کی خدائی کسی خاص قوم و ملت کے ساتھ مختص نہیں۔ اور نہ اس کے آخری عظیم المرتبت رسولؐ کی رسالت و نبوت کسی خاص قوم و قبیلہ اور مذہب و ملت کے حدود کے ساتھ محدود ہے اسی طرح آنحضرتؐ کی مسند کے صحیح وارث تیسرے لعل ولایت کی اس شہادت عظمیٰ کے فیوض و برکات کو بھی کسی خاص قوم و ملت تک محدود کرنا سوائے کوتاہ اندیشی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے فیوض و برکات پورے عوالم امکانیہ کے حدود کو چھو رہے ہیں۔ اور نہیں تو کم از کم تمام عالم انسانیت تو یقیناً ان سے بہرہ مند ہو رہا ہے۔ اب رہی ان روحانی و اخلاقی فوائد و عوائد اور عمومی فیوض و برکات کی تفصیل! تو اگرچہ اس کتاب کے اوراق اس کے متحمل نہیں ہیں۔ کیونکہ مع سفینہ چاہے اس بحر بیکراں کے لیے

تاہم بموجب ما لا یدرک کلاً لا یتدرک کلاً بعض تفصیلات ہدیہ قارئین کی جاتی ہیں۔ نیز مخفی نہ رہے کہ ہر اس موضوع پر کتاب مستطاب شہید انسانیت اور ”مجاہد اعظم“ جلد اول میں اس قدر تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا جا چکا ہے کہ اس سے زیادہ اس پر خامہ فرسائی کی بہت ہی کم گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ اس لئے ہم اس سلسلہ میں جو کچھ پیش کر رہے ہیں اس میں وہ زیادہ تر اسی گلشن کی شاداب روشوں سے گل چینی کی گئی ہے۔ اب ہم ذیل میں ان



اخلاقی نتائج و آثار اور روحانی درس و اقدار کی چند جھلکیاں پیش کرتے ہیں۔

### (۱) روحانیت و مادیت کا تصادم اور روحانیت کا غلبہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ زمانہ میں مذہبی نقوش روز بروز دھندلے ہوتے جا رہے ہیں۔ اور دنیا بڑی سرعت کے ساتھ خدا پرستی کو چھوڑ زر، زن، زمین اور خود پرستی کی طرف مائل ہو رہی ہے۔ مذہب جو روحانیت کا علمبردار ہے وہ دین و دنیا میں حسین امتزاج اور حد اعتدال قائم کرنے کا داعی ہے۔ مگر مادی قوتیں اس کے مقرر کردہ حدود کو توڑنے پر تلی ہوئی ہیں۔ درحقیقت مادیت و روحانیت کی یہ کش مکش کوئی تازہ حادثہ نہیں۔ بلکہ ابتدائے آفرینش سے برابر جاری ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفویٰ سے شرارِ بولہبی  
مگر یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ اس باہمی آویزش میں ممکن ہے نظر بظاہر حالات چند دنوں کے لیے مادیت نے حق پر غلبہ حاصل کر لیا ہو۔ مگر حقیقت بین نگاہوں سے یہ حقیقت ہرگز پوشیدہ نہیں کہ نتائج و آثار اور مقصد جنگ کے اعتبار سے ہمیشہ روحانیت غالب رہی ہے۔ اور مذہب نے ہمیشہ اپنی طاقت کا لوہا منوایا ہے۔ معرکہ کر بلا بھی اسی مادی و روحانی دائمی کش مکش کی ہی ایک اہم کڑی تھی۔ ایک طرف وہ تمام مادی اسباب و وسائل جمع تھے۔ جو ایک انسان کو مرغوب و مغلوب کرنے کے لیے کافی و کافی تھے۔ دوسری طرف ان دیکھی حقیقتوں یعنی مذہبی و روحانی اقدار کا حامل امام حسینؑ تھے۔ جو مادی مظاہر سے تہی دامن تھے۔ مادی طاقتیں اس پیکر حریت، غیبی طاقتوں پر ایمان رکھنے والے عظیم الشان انسان کی گردن کو یزید کے سامنے جھکانے پر تلی ہوئی تھیں مگر دنیا نے یہ ایمان افزا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ کہ روحانیت کے اس علمبردار نے آخر وقت تک انکار بیعت پر قائم رہ کر اپنی گردن کٹوا دی۔ اور نتیجہ کے اعتبار سے روحانیت کی فتح و نصرت کا عالم پر سکہ بیٹھا دیا۔ مگر مادی طاقتیں اس گردن کو باطل کے سامنے جھکا نہ سکیں۔

سر داد و نداد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

امامؑ کے اس کارنامہ میں اقوام و افراد کے لیے یہ پیغام مضمّن ہے۔ کہ انسان اگر حق و حقیقت پر ہو تو اسے ہرگز باطل کی مادی اور طاغوتی طاقتوں کے سامنے سپر انداز نہیں ہونا چاہیے بلکہ حق و راستی پر قائم رہنے کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے میں دریغ نہ کرنا چاہیے۔

### (۲) شہادت حسینؑ صداقت اسلام کی ناقابل انکار دلیل ہے

یہ حقیقت کسی دلیل و برہان کی محتاج نہیں ہے کہ یزید کی تخت نشینی جسد اسلام کے لیے زہر ہلاہل سے کسی طرح بھی کم نہ تھی۔ وہ گو بظاہر اسلام کا کلمہ پڑھتا تھا۔ مگر اس کے افعال و اقوال اس بات کے گواہ تھے۔ کہ اس نے



اسلام کا جو گردن سے اتارا ہوا ہے۔ اس کے تمام حرکات و سکنات شرع اسلامی کے خلاف تھے۔ اور یہ مارا آستین اسلام اور مسلمانوں کے لیے کافروں سے بھی زیادہ ضرر رساں اور خطرناک تھا۔ الفرض اسلام کا یہ رنگیلا خلیفہ ان تمام خصائل و رزائل کا مجموعہ تھا۔ جو انسانیت کو حیوانیت سے بھی بدتر بنا دیتی ہیں۔ اس موضوع پر قبل ازیں ایک مستقل باب میں تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ بایں ہمہ فسق و فجور اور کفر و شرک حسینؑ سے اپنی بیعت کا مطالبہ کر رہا تھا۔ اگر حسینؑ اس کی بیعت کر لیتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ گویا آپؑ اس کو خلیفہ برحق تسلیم کر کے اس کے رندانہ اور کافرانہ افعال و اعمال پر مہر جو از شبت فرما رہے ہیں پھر اس کا نتیجہ یہ کہ فرزند رسولؐ کے مصدقہ خلیفہ کے وہ افعال و احکام جو سراسر خلاف اسلام تھے بلکہ ہادم شریعت تھے سب مستحسن اور واجب العمل ہو جاتے۔ اور نتیجہ یہ نکلتا کہ دین اسلام مٹ جاتا اور پھر کفر و الحاد عود کر آتا۔ حسینؑ سے زیادہ اس بیعت کے تباہ کن نتائج و عواقب کو سمجھنے والا کون تھا وہ کس طرح اپنے اب وجد بلکہ تمام انبیاء و مرسلین کی کوششوں اور محنتوں کو ضائع و برباد ہونا گوارا فرما سکتے تھے؟

حالانکہ اگر مادی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو حکومت وقت کا ساتھ دینے میں امامؑ کو ہر قسم کی دولت و صولت

اور جاہ و منصب کے ملنے کا یقین تھا۔ اور مخالفت کرنے میں نہ صرف اپنی جان بلکہ اپنے خانوادہ کی تباہی کا یقین تھا یہی وہ موقع تھا کہ امامؑ نے اپنی جان و مال اور تمام انصار و اعزاء کو داؤ پر لگا دیا۔ مگر اسلام کی صداقت و حقیقت پر آنچ آنا گوارا نہ کی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کسی بھی مذہب و دین کی صداقت کے منجملہ اور دلائل و براہین کے ایک بہت بڑا نشان اس کے بانیوں کا اس کی بقا و تحفظ کی خاطر خندہ پیشانی اور پوری جرأت ایمانی کے ساتھ مصائب و شدائد کو برداشت کرنا بھی ہے۔ کسی مذہب کے نام لیواؤں کا مذہب کی خاطر کوئی قربانی پیش کرنا اس کی صداقت کی دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ وہ اکثر حقیقت حال سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ باطل کو حق سمجھ کر اس کی حمایت میں جان قربان کر دیں۔ لیکن خود بانی مذہب یا اس کے مخصوص واقف کار اور ان افراد خانوادہ کا جو اس کے اسرار و رموز حیات سے کما حقہ واقف ہیں۔ اور اس کی زندگی کے تمام خفی و جلی گوشوں سے آگاہ ہیں۔ اور مذہب کے حقائق سے من حیث المذہب مطلع ہیں۔ ان کا اس مذہب کے تحفظ کی خاطر بوقت ضرورت جان تک قربان کر دینا یقیناً اس مذہب اور اس کے بانی کی حقانیت و صداقت کی ناقابل انکار دلیل ہے یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ کا غزوات میں یہ طریقہ کار تھا۔ کہ میدان کارزار میں اپنے عزیزوں کو سب سے آگے رکھتے تھے۔ میدان مہابہ میں بھی قریبی رشتہ داروں کو ہمراہ لے گئے تھے۔ جہاں ابدی ہلاکت کا سوال تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اسقف نجران نے دیکھا کہ ایسے کٹھن مرحلہ پر بجائے غیروں کے اپنوں کو ہمراہ لائے ہیں۔ تو ان کو اپنی حقانیت پر مکمل یقین ہے۔ اس لئے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ مگر مہابہ کرنے کی جسارت نہ کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل بتلاتا ہے۔ کہ خدا کا دین ان



کو کس قدر عزیز تھا۔ اور اس کی خاطر آپ کیسی عظیم الشان قربانیاں پیش کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ اسی طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ آپ کے چچا زاد بھائی عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب جنگ بدر میں شہید ہوئے۔ اور جناب کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب جنگ احد میں کام آئے اور دوسرے چچا زاد بھائی جعفر بن ابی طالب موتہ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ آخر میں امام حسین علیہ السلام نے نانا کے مقصد اقصیٰ کے تحفظ کی خاطر وہ عظیم الشان قربانی پیش کی کہ چشم فلک نے اس کی نظیر نہ دیکھی ہوگی۔ حسین نے جس دشوار اور مشکل مہم کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اس راستہ میں مصائب و آلام کے وہ پہاڑ موجود تھے۔ جن کا برداشت کرنا تمام انسانی طاقت سے بالاتر تھا۔ اس کے لیے مافوق العادت صبر و استقلال درکار تھا۔ راکب دوش نبوت نے حق و حقیقت اور مذہب کی صداقت کو چار چاند لگانے کی خاطر خندہ پیشانی سے یہ سب کچھ برداشت کر کے اسلام کی صداقت و حقانیت کا دائمی نقش صفحہ عالم پر ثبت کر دیا۔

ثبت ست بر جریدہ عالم دوام ما

حسین علیہ السلام کی پیری تھی لیکن ہمت و جرأت کا شباب تھا کثرت مصائب سے جس قدر حسین کی کمر جھکتی تھی۔ اسی قدر ہمت و جرأت بلند ہوتی تھی۔ جب تک بدن پر سر اور تن میں روح رہی۔ حسین کے صبر و ثبات اور عزم استقلال میں سرموفق نہ آیا۔ پیرا نہ سالی، شدت بھوک و پیاس، عورتوں کی نالہ و زاری، بچوں کی فریاد و لعش، عزیزوں اور دوستوں کے داغ و مہارقت، ان کے جسموں کو اپنی آنکھوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھا۔ لیکن پھر بھی اپنی آن، اپنی بات اور اپنی خودداری پر پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہنا صرف نواسہ رسول حسین ہی کا کام تھا۔ جس نے اپنے اس مثالی کارنامہ سے اسلام کو ایک زندہ جاوید حقیقت بنا دیا۔

بہر حق در خاک و خون غلیطدہ است پس بنائے لا الہ گردیدہ است

امام علیہ السلام کے اس عظیم الشان کارنامے میں یہ سبق پوشیدہ ہے کہ مذہب و ملت کے تحفظ کی خاطر انسان کو بڑی سے بڑی قربانی بھی پیش کرنے میں ہرگز کسی قسم کی ہچکچاہٹ اور پس و پیش نہیں کرنا چاہیے۔ اور ایک مسلمان کا یہ قول و کردار ہونا چاہیے کہ ﴿إِنَّ حَيَاتِي وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ لہذا اسے اگر راہِ خدا میں جان دینا پڑے تو یہ کہہ کر جان آفریں کے حوالے کر دے۔

جان دے دی ہوئی اُسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(۳) حریت فکر کی آبیاری

حریت فکر کا بالعموم بموجب ”کلمہ حق براد بہا الباطل“ یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ انسان بالکل مطلق العنان اور



خارج العذار ہے نہ وہ کسی مذہب و دین کا تابع ہے اور نہ اسے کسی اخلاقی ضابطہ کی پابندی کی ضرورت ہے۔ ارباب عقل و خرد جانتے ہیں۔ کہ اگر حریت فکر کا یہی مطلب لیا جائے تو پھر تو انسان حیوان سے بھی بدتر ہو جائے گا اس طرح پدر و مادر آزاد ہونے کی کوئی بھی انسانی معاشرہ انسان کو اجازت نہیں دے سکتا۔ بلکہ حریت فکر کا صاف و سادہ مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے ضمیر (جس کا خمیر شریعت کے پانی سے ہوا ہو) کے فیصلوں پر بلا کسی قسم کی روک ٹوک کے عمل کرے۔ اور اس کے فیصلہ پر عمل کرنے میں اپنے لذائذ نفسانیہ یا محرکات شیطانیہ اور بیرونی طاغوتی طاقتیں اس کے لیے سد راہ نہ بن سکیں۔ امام نے مشکلات و مصائب راہ کی ذرہ بھی پروانہ کرتے ہوئے پورے عزم و ثبات کے ساتھ اپنے ضمیر کی آواز پر یہ جرأت مندانہ اعلان واجب الاذعان فرمادیا۔ کہ مثالی لایابائع مثله کہ مجھ ایسا پاک باز انسان۔ یزید ایسے ننگ انسانیت آدمی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتا۔ اور پھر اس انکار کی جو بھی گراں سے گراں قیمت ادا کرنی پڑی۔ خندہ پیشانی کے ساتھ ادا فرمائی۔ اور اس سلسلہ میں بڑی سے بڑی مصیبت بھی جادہ حق و صواب سے آپ کے پائے ثبات میں لغزش واقع نہ کر سکی۔ امام علیہ السلام نے حریت نفس و فکر کا یہ لافانی شاہکار پیش کر کے دنیا والوں پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ۔

ما سوی اللہ رامسلماں بندہ نیست پیش فرعونے سرش افگندہ نیست  
اس میں یہ درس عمل مخفی ہے کہ صحیح معنوں میں انسان کامل وہ ہے جسے اپنی ضمیر کے فیصلہ پر عمل درآمد کرنے سے دنیا کی کوئی مادی طاقت باز نہ رکھ سکے۔

### (۴) ثبات و استقلال کی تلقین

جب انسان کسی عظیم مقصد کے حصول کے لیے کوشاں ہو۔ اور اس کے آگے دشوار گزار منزلیں سد راہ ہوں اور مشکلات راہ مزاحم ہوں۔ مگر وہ انسان کے بڑھتے ہوئے قدم میں لغزش واقع نہ کر سکیں۔ اور وہ برابر اپنے مقصد کے حصول کے لیے رواں دواں رہے۔ یہ چیز ثبات و استقلال کہلاتی ہے۔ تمام عقلائے روزگار کا اس حقیقت پر اتفاق ہے کہ کسی مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کی کلید۔ ثبات و استقلال کے ساتھ جدوجہد کرنا ہے۔ من طلب شیاً وجد وجد و جد جہاں تک گفتار کا تعلق ہے ہر شخص اپنے استقلال مزاج کا دعویٰ کرتا ہے مگر کردار سے ثابت کرنا دشوار ہوتا ہے ظاہر ہے کہ حسین نے اپنے استقلال اور طرز عمل سے اہل عالم کو یہ سبق دیا کہ ایک عظیم مقصد کے حامل راست باز انسان کو اپنے ضمیر کی شہادت پر کس طرح ثابت اور قائم رہنا چاہیے۔ رضا بالقضاء کا عملی نمونہ کیا ہے قوم و مذہب کی خاطر قربانیاں کس رنگ سے دی جاتی ہیں صداقت پرست انسان کو کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟ اور ان کا مقابلہ کس طرح کرنا چاہیے؟ بعض اوقات بڑی تحریکات کا خیر مقدم نہ کرنے سے کن کن آفات و بلیات میں گرفتار



ہو سکتا ہے؟ اور ان کی مدافعت کے طور و طریقے کیا ہیں؟ حمایت مذہب کا عملی نمونہ کیا ہے امام حسینؑ نے اپنے کردار سے اقوام عالم کو ایسا سبق دیا۔ جس کی نظیر اولین اور آخرین میں نہیں مل سکتی۔ حضرت امام حسینؑ نے جب فرمایا تھا کہ بیعت نہیں کروں گا۔ تو اس وقت اس کا صحیح مفہوم دنیا کو معلوم نہ تھا۔ کیونکہ انسان تخیل کے حدود ان امکانات کا اندازہ نہیں کر سکتے تھے۔ جہاں تک واقعات کی رفتار بعد کو پہنچ گئی۔ دنیا نہیں سمجھ سکتی تھی۔ کہ اس نہیں میں کتنے مشکلات کے مقابلہ کا عزم مضمر ہے۔ لیکن حسینؑ جس وقت ”نہیں“ کی آواز بلند کر رہے تھے تو دل کی گہرائیوں میں اپنی قوت ارادی کا جائزہ لینے اور موقع کی نزاکت پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کر رہے تھے کہ شہداء اپنے امکان کی آخری حد کو پہنچ جائیں گے۔ لیکن میرے عزم کو نہ بدل سکیں گے۔ چنانچہ نتیجہ نے ظاہر کر دیا کہ اس ”نہیں“ میں کتنا وزن تھا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ میدان جنگ میں ہزاروں مصائب کے سیلاب تھے۔ جو آتے تھے اور اس کوہ عزم و استقلال سے ٹکرا کر واپس چلے جاتے تھے۔ گویا ان تمام مصائب کے ہجوم میں حسینؑ کی زبان پر یہ شعر جاری تھا۔

ان کان دین محمد لم یستقم      الا بقتلی یا سیوف خذینى

اگر میرے نانا کا دین اس وقت تک برقرار نہیں رہ سکتا۔ جب تک میری رگ حیات قطع نہ ہو جائے۔ تو اسے خون آشام تلوارو! آؤ یہ جسم حاضر ہے۔“ امام کے اس مثالی کارنامہ میں یہ سبق مضمر ہے۔ کہ مقاصد جلیلہ کے حامل انسانوں کو ”صخرة الوادی“ کی طرح ثبات و استقلال کی وہ چٹان ہونا چاہیے۔ کہ حوادث روزگار کے جس قدر تند و تیز سیلاب آئیں۔ ٹکرائیں اور واپس لوٹ جائیں۔ مگر ان کے پائے استقلال میں ہرگز جنبش پیدا نہ کر سکیں۔ تب تو کامیابی یقینی ہے لیکن جو لوگ اس قدر بلند حوصلہ نہیں رکھتے ان کو اس پر خاردار وادی میں قدم رکھنے کی زحمت ہی نہیں کرنا چاہیے۔

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

(۵) شجاعت و شہامت کے عدیم النظیر نمونے

طاقت و قوت کے حد اعتدال پر ہونے کا نام شجاعت ہے۔ اگر اس میں افراط پیدا ہو جائے تو اس سے تہور (اجڈپن) پیدا ہو جاتا ہے۔ اور معمولی سی تفریط سے ”جبن“ (بزدلی) جنم لیتا ہے یہ دونوں صفات رذیلہ اسی طرح مذموم ہیں۔ جس طرح شجاعت کی صفت جلیلہ مدوح ہے۔ یہ دنیا والوں کی نا سمجھی ہے کہ وہ ہر اس شخص کو جو بے محل جنگ پر آمادہ ہو جائے۔ بہادر و شجاع کہہ دیتے ہیں۔ لیکن شجاعت حقیقتہً یہ ہے کہ انسان کے لیے جس وقت قدم اٹھانا مناسب ہو اور اقدام ضروری ہو۔ اُس وقت پر جگری کے ساتھ آگے بڑھے۔ اور وہ سب کچھ کرے۔ جو اس کا فرض معلوم ہوتا ہو۔ چاہے اس سلسلہ میں اسے جان بھی دینا پڑے۔ اور جس موقع پر اقدام مناسب نہ ہو۔ بلکہ سکوت اور



چشم پوشی کی ضرورت ہو۔ چاہے اس سلسلہ میں اسے جان بھی دینا پڑے۔ اور جس موقع پر اقدام مناسب نہ ہو۔ بلکہ سکوت اور چشم پوشی کی ضرورت ہو۔ اس وقت تحمل سے کام لے۔ چاہے اس میں کتنے ہی مشکلات درپیش ہوں۔ اور ناگوار صورتوں کا مقابلہ کرنا پڑے۔ اس صورت میں خاموشی اسی طرح شجاعت کا ثبوت ہوگی جس طرح پہلی صورت میں نبرد آزمائی۔۔۔ حسین بن علیؑ کی شجاعت کا وہ صرف ایک رخ ہے جسے کر بلا پیش کرتی ہے۔ ارداس کا دوسرا پہلو وہ ہے۔ جسے حضرت نے دس برس تک اپنے بھائی امام حسنؑ کی صلح کا پابند رہ کر پہلے دکھایا۔ اس دوران میں بہت سے تکلیف دہ واقعات پیش آئے۔ مگر حسینؑ نے انہیں برداشت کیا۔ اور کسی طرح مکدر فضا میں اپنی طرف سے اضطراب پیدا نہ کیا۔ بے شک جس وقت آپ کو یہ فرض معلوم ہوا کہ آپ کھڑے ہوں اور باطل سے ٹکڑا جائیں تو پھر پہاڑوں کا استحکام آپ کے استقلال تک نہیں پہنچتا تھا۔ آپ کی شجاعت کا وہ رخ بھی بے نظیر تھا اور یہ رخ بھی ایسا تھا۔ جس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ (شہید انسانیت) حسینؑ کا اٹل انکار بیعت ان کے فولادی عزم و استقلال اور بے نظیر شجاعت کا شاہکار ہے۔ مصیبتیں اس وقت تک مصیبتیں ہیں۔ جب تک انسان ان سے ڈرتا ہے کس چہرہ کا یہ حوصلہ تھا کہ ششاہہ بچہ کو دم توڑتا دیکھ کر شکر کی مسرت سے رخ ہو جائے۔ کس زبان کا یہ جگر تھا۔ کہ خراب خنجر میں امت کی نجات کے لیے دعا مانگے۔ تلوار کے لیے یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ کہ کسی مظلوم کے گلے پر پھرائی جائے۔ تیروں کے لیے یہ پہلا موقع نہ تھا کہ کسی بے گناہ کے بدن میں پیوست ہوں۔ نیزے آپ سے پہلے بھی انسانی خون سے رنگین ہو چکے تھے۔ لیکن دنیا کے کسی ہتھیار نے اپنے مقتول کو اس قدر مستقل مزاج (اور جری و دلیر) نہ پایا ہوگا۔ وقت تھا کہ رستم و اسفندیار اپنی خاکی آرام گاہ سے سر نکالتے۔ ارجن و بھیم کی راکھ کے پریشان ذروں میں روح پھونکی جاتی جعفر طیارؑ اور حیدر کرار قبروں سے نکل پڑتے۔ سنہال و جولیس عالم ارواح کے موکل سے رخصت لے کر دنیا میں آتے۔ اور یہ سب مل کر تین دن کے بھوکے پیاسے کی مدافعا نہ جنگ کا تماشہ دیکھتے۔ زخمی ہاتھوں نے کس روز اس زور کی لڑائی لڑائی لڑی تھی۔ بہتر کا داغ اٹھائے دل نے کس دن یہ جرأت دکھائی تھی شجاعت و استقلال کو علیؑ نے پالا تھا۔ اور آج حسینؑ کے ہاتھوں ان کو پروان چڑھایا جا رہا تھا۔ حسینؑ کی پیری تھی۔ مگر ان کی ہمت و جرأت کا شباب تھا کثرت مصائب سے جس قدر حسینؑ کی کمر جھکتی تھی اس قدر ہمت و جرأت بلند ہوتی جاتی تھی۔ بایں ہمہ جس طرف کا رخ کرتے ہیں۔ کشتوں کے پشتے لگا دیتے ہیں۔ اور دشمن اس طرح بدحواس ہو کر گرتے پڑتے بھاگتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ جس طرح بھیڑیں شیر کے حملہ کے وقت بدحواس ہو کر بھاگتی ہیں۔ ادھر ادھر حسینؑ کی تنہا ذات مقدس پر جن مصائب کا زغہ ہوا۔ اور جن ہوش ربا اور روح فرسا صدمات و حالات کا حسینؑ نے تنہا مقابلہ کیا۔ وہ عام انسانی طاقت برداشت سے بالاتر ہیں۔ رفیقوں اور عزیزوں کی شہادت کے بعد بھی خود تنہا بھوک و پیاس کے باوجود حسینؑ کا



حیرت انگیز بہادری سے ہزاروں دشمنوں کے ساتھ جدال و قتال کرنا اور صد ہا زخم کھانے پر بھی تلوار کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا جنگی کارناموں میں تحیر افزا کارنامہ ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی انسان کو اس قدر مصیبتوں اور تکلیفوں نے گھیرا ہو۔ اور وہ اپنے عزم و استقلال پر اس طرح ثابت قدم رہا ہو کہ دنیا کے کسی بہادر نے اتنے صدے برداشت کرنے کے بعد ایسے دل شکن ہجوم و آلام میں شجاعت و بہادری کے ایسے مافوق الفطرت جوہر دکھائے، ہم بلا خوف تردد دعوے سے کہتے ہیں کہ نہیں ہرگز نہیں۔ اگر تم تمام بہادران عالم کے فرداً فرداً شجاعانہ کارناموں پر غور کرو اور بایں ہمہ مصائب و شدائد حسین کی شجاعت و ہمت، استقامت سے ان کا موازنہ کرو۔ تو تمہارا ضمیر خود پکار اٹھے گا۔ کہ بے شک شجاعت و استقلال کا حسین پر خاتمہ ہو گیا۔ شجاعت و استقلال کا دوسرا نام حسین ہے (مجاہد اعظم) صرف آنجناب ہی نہیں۔ آپ کے تمام رفقاء اس صفت جلیلہ میں بے نظیر نظر آتے ہیں۔ ان کے مثالی کارناموں کے تفصیلی تذکرے سابقہ ابواب میں گذر چکے ہیں۔ بہر حال حسین و اصحاب حسین کے کارناموں میں یہ درس مضمر ہے کہ انسان کو حق و حقیقت کے لیے جان تک کی بازی لگا دینی چاہیے۔ اور موت کا خوف دل سے بالکل نکال دینا چاہیے۔ اور اس بات کی پروا نہیں کرنا چاہیے کہ موت پر گر رہا ہے یا موت اس پر گر رہی ہے اور اسی چیز کا دوسرا نام شجاعت ہے۔

### (۶) عزت نفس کی بلند تعلیم

یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اس عالم رنگ و بو میں انسان کی سب سے زیادہ گراںمایہ متاع اس کی اپنی زندگی ہے۔ انسان کی تمام تگ و تاز، جدوجہد اور تمام محنت و مشقت اسی زندگی کے تحفظ و بقایا اس کی سہولت و آسائش کی خاطر ہوتی ہے۔ اسی کی بقا کے لیے وہ تمام مشکلات و مصائب برداشت کرتا ہے۔ اور اسی کی حفاظت و صیانت کے لیے تمام ممکن وسائل و ذرائع کو بروئے کار لاتا ہے۔ ﴿يُودِ أَحَدَهُمْ لَوْ يَعْمُرَ الْفِ سَنَةً﴾ مشاہدہ شاہد ہے کہ انسان اپنی زندگی کے بچاؤ کی خاطر اپنا سب مال و متاع قربان کر دیتا ہے لیکن یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے۔ کہ انسانی زندگی میں گردش لیل و نہار سے کچھ ایسے نشیب و فراز بھی رونما ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے سخت ترین لمحات بھی درپیش آ جاتے ہیں۔ کہ جب جذبات میں تلاطم اور طبعی و عقلی رجحانات میں تصادم ہو جاتا ہے اور ایک غیور و جسور انسان اپنی اس عزیز ترین متاع (زندگی) سے آنکھیں پھیر لیتا ہے۔ اور اپنے سرمایہ حیات و ہستی کو قربانی کی بھیٹ چڑھانے میں روحانی لذت اور شادمانی محسوس کرتا ہے۔ انہی نازک مواقع میں سے ایک موقع وہ ہے جب ذلت کی زندگی، اور عزت کی موت کا سوال درپیش ہو۔ اس قسم کے نازک مواقع پر بلند ہمت، عزت نفس کے پیکر، اور انسان کامل وقتی فنا کو قبول کرتے ہوئے موت کے منہ میں جا پڑتے ہیں۔ اور اس طرح حیات جاودانی اور ابدی و سرمدی کامرانی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ لیکن کبھی عزت نفس قربان کر کے ذلت کے ساتھ زندہ رہنا گوارا



نہیں کرتے کیونکہ وہ اس حقیقت سے آشنا ہوتے ہیں کہ

جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاهی

شہید کر بلا (روحی لہ الغداء) کو اپنی زندگی میں ایسا ہی نازک لمحہ پیش آیا تھا۔ ایک طرف ذلت کی زندگی تھی اور وہ بیعت یزید میں پوشیدہ۔ اور دوسری طرف عزت کی موت تھی۔ اور وہ انکار بیعت میں مضمر تھی۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ امام عالی مقام نے اس موقع پر ﴿الموت فی عز خیر من حیاة فی ذل﴾ یعنی عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔ اور ﴿الموت خیر من رکوب العار﴾ تنگ و عار برداشت کرنے سے موت کا اختیار کرنا بہتر ہے۔ فرما کر موت کے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ اور بقا دائمی و حیات ابدی کا گوہر یگانہ حاصل کر لیا۔

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری بدلتے رہتے ہیں انداز کوئی و شامی اگر حسین علیہ السلام چاہتے تو صرف اتنی بات پر اپنی اور اپنے اہل خانوادہ کو ان مصائب و شدائد سے بچا سکتے تھے۔ کہ یزید کے سامنے گردن جھکا دیں۔ اس صورت میں ممکن ہی نہیں بلکہ یقین تھا کہ یزید کے دربار میں ظاہری عزت و حرمت بھی مل جاتی۔ اور جاہ و منصب بھی۔ مگر اس طرح عزت نفس اور دین اسلام کا خاتمہ ہو جاتا۔ اس لئے فرزند رسول کی غیرت نفس نے آخر دم تک اس ذلت کو گوارا نہ کیا۔ کہ دنیوی زندگی کے بچاؤ کی خاطر عزت نفس اور دین رسول کو قربانی کی بھیٹ چڑھا دیں۔ حالانکہ آپ کی آنکھوں کے سامنے وہ کشت و خون کا ہنگامہ محشر برپا ہونے والا تھا۔ جس میں آپ کے سب عزیز و رفیق تیروں و تلواروں سے کٹ کٹ کر زمین پر گر گئے۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے وہ منحوس سماں بھی تھا۔ کہ آپ کی شہادت کے بعد مخدرات عصمت و طہارت پر مصیبتوں اور بلاؤں کا آسمان ٹوٹنے والا تھا۔ اور وہ حوصلہ شکن منظر بھی پیش نظر تھا۔ جب عورتوں کی جگر خراش صدائے فریاد اور بچوں کی بھوک و پیاس کی شدت سے بے قراری اور آواز العطش، العطش بلند ہوگی۔ اپنی جماعت کی قلت، دشمنوں کی کثرت، تمازت آفتاب، لو کے جھونکے، پانی کی بندش مگر ان میں سے کوئی چیز بھی آپ کو مرکز ثقل سے ہٹا کر عزت نفس کے قربان کرنے پر آمادہ نہ کر سکی۔ حالانکہ ان میں سے کوئی ایک مصیبت بھی ایک انسان کو خواہ وہ بات کا کیسا ہی دھنی ہو۔ خلاف ضمیر اور مخالف دین راستہ اختیار کرنے پر مجبور کرنے کے لیے کافی تھی۔ مگر امام حسین علیہ السلام یہ تمام سختیاں بلائیں اور زہر گداز مصیبتیں اٹھا کر بھی وجدانی صداقت، روحانی سچائی، ایمانی قوت، اسلامی جوش اور عزت نفس پر قائم اور ثابت قدم رہے۔ کیا عالم کی تاریخ میں کسی اور بہادر کی بھی ایسی کوئی شاندار مثال موجود ہے لا واللہ۔

حسینؑ نے فوق التصور شدائد و مصائب برداشت کرنے کے باوجود جان دی۔ مگر بات نہ دی، سر قلم ہو جانا گوارا کیا مگر اپنی عزت نفس پر حرف نہ آنے دیا۔ اس میں نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام عوالم امکانیہ میں بسنے والے



انسانوں کے لیے یہ بے نظیر درس موجود ہے۔ کہ جب بھی زندگی میں کوئی ایسا موڑ آ جائے کہ عزت نفس کی موت اور ذلت کی زندگی میں معاملہ دائر ہو جائے تو چند روزہ حیات مستعار کو قربان کر دینا مگر عزت نفس پر حرف نہ آنے دینا اسی میں بقاء دوام کا راز مضمر ہے۔ روحی لک الفداء یا حسین

از ہیچ پیمبر نیاید این کار واللہ کہ اے حسین کارے کردی  
(۷) تنظیم، محکم یقین اور عمل پیہم کی تلقین

مفکرین عالم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر چیز کا خواہ وہ عالم روحانیت سے تعلق رکھتی ہو یا عالم مادیات سے ایک وضعی و طبعی اثر ہوتا ہے جو کبھی اس سے جدا نہیں ہوتا۔ بنا بریں اصول، نظم و ضبط، یقین کامل اور عمل پیہم اور ان کی تضداد اختلاف و افتراق، شک و بے یقینی کی کیفیت اور بے عملی یا عملی کمزوری کے بھی کچھ مخصوص وضعی و طبعی آثار و خواص ہیں جو کبھی ان سے منفک و جدا نہیں ہوتے۔ اب قابل غور امر یہ ہے کہ ان امور اور ان کے تضداد کے وہ خواص و لوازم ہیں کیا؟ اگر آپ چند لمحات کے لیے تاریخ عالم کی روشنی میں قوموں کے بننے اور بگڑنے، ان کے ابھرنے اور کچھ عرصہ تک تمام ربح مسکون یا اس کے کسی خطہ پر حکومت کرنے کے بعد صفحہ عالم سے حرف غلط کی طرح مٹ جانے اور پردہ عدم میں روپوش ہو جانے کے فلسفہ پر غور کریں گے تو آپ پر یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو جائے گی۔ کہ قوموں کے بننے و ابھرنے اور عالم پر چھٹا جانے کا فلسفہ ان کی جماعتی تنظیم، سعی و کوشش اور پھر اس کے نتیجے میں اپنی کامیابی و کامرانی پر یقین محکم میں مضمر ہے۔ اس کے خلاف ان کی ذلت و رسوائی، کبھت و پسپائی اور بالآخر خروج کائنات سے مٹنے کا راز ان کے جماعتی شیرازہ کے بکھرنے، عملی قوی کے شل ہو جانے اور شک و تذبذب کا شکار ہو جانے میں پوشیدہ ہے۔

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں  
انہی حقائق کی بنا پر خدائے حکیم نے یہ حکیمانہ حکم دیا ہے کہ ﴿وَلَا تَنَازَعُوا فَعَشَلُوا وَتَذْهَبَ رِجْصُكُمْ﴾ آپس میں اختلاف نہ کرنا ورنہ کمزور پڑ جاؤ گے۔ (سورہ انفال، آیت ۴۶) اور جب کمزور ہو جاؤ گے تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ (عزت و آبرو خاک میں مل جائے گی)۔ یہ کسی ہادی و راہبر اور لیڈر کی انتہائی خوش قسمتی ہے کہ اسے کچھ ایسے افراد مل جائیں جو وحدت خیال، وحدت مقصد اور وحدت عمل کے سلک میں منسلک ہوں کیونکہ کسی انسان کی انتہائی عظمت و جلالت کے بعد بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ اسے ایسے منظم ساتھی بھی مل جائیں اور ان کا تو ذکر ہی کیا۔ انبیاء و مرسلین کے حالات و کوائف سامنے موجود ہیں۔ ان میں سے بھی اکثر (بلکہ تمام) کو ایسے ساتھی نصیب نہیں ہوئے جسے شک ہے وہ قرآن و حدیث اور کتب تاریخ میں حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہما السلام بلکہ خود



پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے حالات و واقعات پر ایک سرسری نظر ڈال لے۔ اسے اس حقیقت کا علم یقین ہو جائے گا کہ شخصی عظمت و بلندی اور بے اور منظم، مخلص اور مستقل مزاج پیروؤں کا دستیاب ہو جانا چیز بے دیگر۔ اس سلسلہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام ممتاز و منفرد نظر آتے ہیں۔ امام نے اپنے ساتھیوں میں تنظیم و اتحاد اور عمل کی وہ روح پھونک دی کہ ان کے ہمراہیوں میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کے قول و فعل میں تضاد کا شائبہ بھی نظر آئے یا جس کے رویہ و رفتار سے عدم تنظیم، عدم یقین اور عدم عمل کی بو بھی آئے۔ حائی نے اپنے دیوان کے مقدمہ میں حسین کے ساتھیوں کی انہی وفا کیشیوں کا نقشہ بایں الفاظ کھینچا ہے:

”چھوٹے سے بڑے تک ہر شخص کے دل میں یہ امنگ ہے کہ سب سے پہلے اپنی جان خاندان پر نثار کروں۔ باپ کی یہ خواہش ہے کہ تلواروں کی آئینے میں بھائی، بھتیجے، بھانجوں سے پہلے اپنے جگر بند کو جھونک دوں۔ بھائی، بھائیوں، بھتیجوں سے پہلے مرنے کو تیار، اور میدان جنگ کا خواستگار ہے۔ بھانجوں کی یہ تمنا ہے کہ ماموں اور ماموں کی اولاد پر سب سے پہلے ہم قربان ہوں۔ بھتیجے کی یہ آرزو ہے کہ چچا کا فدیہ سب سے پہلے میں ہوں۔ بہن کا یہ ارادہ ہے کہ اپنے بچوں کو بھائی اور بھتیجوں پر قربان کر دے۔ بھائی اس غم میں گھلا جاتا ہے کہ اگر بھانجے میری رفاقت میں مارے گئے۔ تو بہن کو کیا منہ دکھاؤں گا۔“۔۔۔ (یہ تو حسین کے اہل خاندان کے صنف منور کا تذکرہ تھا۔ اب ذرا خواتین کر بلا کا کردار بھی دیکھئے) ”بیہیاں خاوندوں کو اور مائیں بیٹوں کو قتل اور زخمی ہوتے دیکھتی ہیں۔ مگر کوئی زبان سے اُف نہیں کرتی۔ اور منہ سے سانس نہیں لیتی۔ صرف اس خیال سے کہ جس مربی اور سرپرست کی رفاقت میں وہ کام آئے ہیں۔ اس کے دل پر میل نہ آئے اور وہ اپنے دل میں ہم سے محبوب نہ ہو۔ سب اس کی اور اس کی اولاد کی خیر مناتے ہیں اور کوئی اپنے بچھڑے ہوؤں کو یاد نہیں کرتی۔“۔۔۔۔۔ (اب ذرا انصار حسین کے کردار کی بھی ایک جھلک دیکھ لیں) ”چند وفادار رفیق اور دوست جو فرزند نبی کے ہمراہ ہیں اور جو ایک ٹڈی دل کے مقابلہ میں اس قدر قلیل ہیں کہ انگلیوں پر گنے جاسکیں۔ وہ ایک عالم کو اپنے سردار سے برگشتہ اور منحرف پاتے ہیں اس کا ساتھ دینے میں کوئی نفع عاجل اور دنیا کی کوئی بھلائی نہیں سمجھتی۔ بلکہ ہر وقت موت کا سامنا ہے۔ رفاقت کی بدولت بھوک اور پیاس میں تین دن سے جان لیوں پر آرہی ہے نہ کوئی رشتہ ہے نہ قرابت ہے جو اس کی رفاقت چھوڑنے سے مانع ہو مگر وفاداری کا طوق ان کی گردن میں اور دوستی و اخلاص کی زنجیر ان کے پاؤں میں پڑی ہے۔ کوئی خوف اور کوئی طمع ان کے اس تعلق کو قطع نہیں کر سکتی۔ ہر وقت یہی آرزو ہے کہ کب اذن جنگ ملے اور کب خاندان نبوت پر اپنی جانیں قربان کریں اور کب اس فرض سے سبکدوش ہوں۔۔۔ غور کیجئے ان خاصانِ خدا کے جذبات و وفاداری کی کیا کیفیت تھی؟ اور وہ سب ایک اصول کے لیے قربان ہونے آئے تھے۔ اور حق و صداقت کی حمایت کا حق ادا کر گئے۔“ بنا بریں



جناب امام حسینؑ یہ فخر و مباہات کرنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ ”جیسے وفادار اور جاں نثار ساتھی مجھے نصیب ہوئے ایسے کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔“

بہر حال یوں تو اسلام اپنے ہر فرزند سے حق و صداقت کی نظیر پیش کر سکتا ہے۔ حمایت صداقت کی ایسی شان دار مثال قائم کرنا صرف حسینؑ کا ہی کام تھا۔ حسینؑ کا اسی جذبہ سے متاثر ہو کر ناقابل برداشت مصائب کو جھیلنا گوارا فرمایا اور تعلیم اسلام کو اپنے خون سے عملی رنگ میں دنیا کے روبرو پیش کیا۔ حسینؑ اگر باطل سے دب جاتے تو یہ اسلام کی شکست تھی اس لیے وہ خود ہدف مصائب بنے۔ اور اپنے قتل سے نہ صرف اسلام کی آبرورکھ لی۔ بلکہ اسلام کی فتح کا اعلان کر دیا۔ جب تک دنیا قائم ہے اسلام فرزند بانی اسلام کا مرہون احسان اور یہ واقعہ مسلمانوں کے لیے درس عبرت و موعظت بنا رہے گا۔ اور ان کو یاد دلاتا رہے گا۔ کہ مسلمانوں کو حق و صداقت کی حمایت اس طرح کرنی چاہئے۔ (مقدمہ دیوان حالی)

خداوند عالم تمام اہل عالم کو حسینؑ اور انصاران حسینؑ کے ان زرین کارناموں سے عملی سبق حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

### (۸) صبر و رضا کی بے مثال عملی تعلیم

صبر کا مطلب یہ ہے کہ کسی بلا و مصیبت کے وقت انسان سے کوئی ایسا قول یا فعل سرزد نہ ہو جس سے خداوند عالم کی قضا و قدر پر ناراضی کا اظہار ہوتا ہو۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قید حیات ”بند غم“ کا دوسرا نام ہے۔ یہاں قدم قدم پر مصائب و آلام اور ناملائم و نامساعد حالات کا سامنا کرنا ناگزیر ہے۔ اگر کوئی انسان یہ چاہے کہ دار دنیا میں تمام امور اس کے حسب دلخواہ ہوں۔ اور اسے کبھی ناموافق حالات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ تو اس کا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے گا ایسے آدمی کی مثال اس آدمی جیسی ہے جو آگ میں پانی یا پانی میں آگ تلاش کرے۔

صفواً من الاقضاء و الاکدار

طبع علی کدر و انت تریدھا

متطلب فی الماء جذوة نار

و مکلف الایام ضد طبا عھا

ای بنا پر اگر باب دانش و بینش نے تمام مشکلات و مصائب کا واحد حل ”صبر جمیل“ تجویز کیا ہے کہ انسان کو مشکلات و مصائب کے وقت کسی قسم کی گھبراہٹ و اکتاہٹ کا اظہار نہیں کرنا چاہئے بلکہ پوری طمانیت قلبی اور دلی لگن کے ساتھ لگن رہنا چاہئے اور ایسا کرنے سے مشکلات کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور مقصد کا ابراؤد مطلع صاف ہو جاتا ہے۔

اما مردے باید کہ ہر اسان نہ شود

مشکلے نیست کہ آسان نہ شود

تجربہ شاہد ہے کہ جب انسان اپنے اندر رنج و الم سنبے کا جذبہ پیدا کر لے اور مشکلات برداشت کرنے کا خوگر



ہو جائے تو اس وقت رنج رنج نہیں رہتا اور مصیبت مصیبت نہیں رہتی۔

ع رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے غم  
مشکلیں مجھ پر اتنی پڑیں کہ آسانی ہو گئیں

انہی حقائق کی وجہ سے قرآن و حدیث میں صبر کی بے حساب مدح و ثنا وارد ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں ستر سے زائد مقامات پر صبر و صابرین کا ذکر خیر کیا گیا ہے۔ اور حدیث میں صبر کو ایمان کے ساتھ وہی نسبت دی گئی ہے جو سر کو بدن کے ساتھ ہوتی ہے۔ (المقامات العلیہ)

یہ صفت جلیلہ امام حسینؑ میں اس قدر نمایاں طور پر موجود تھی کہ آپؑ کا لقب ہی ”سید الصابرین“ ہو گیا۔  
حادثہ کربلا کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ مرور ایام کا کوئی ادنیٰ معاملہ نہ تھا۔ روزگار عالم کی آئے دن کی بات نہ تھی بلکہ گردش  
افلاک کا اہم ترین دور تھا۔ تاریخ اسلام کا شاندار واقعہ تھا۔ حق و باطل کی جنگ کا معرکہ الآراء دور تھا۔ بے دینی و  
ایمان و صداقت و بطلان کا فیصلہ کن ہنگامہ تھا۔

### حسینیؑ شہادت کا دوسرے شہداء سے سرسری مقابلہ

حسینؑ کے مصائب کا موازنہ دنیا کی کسی مصیبت سے نہیں ہو سکتا اگرچہ ہر قسم کے مصلحین و مجدد دین کو  
ان کے مخالفین نے طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ لیکن ان سب میں انبیاء علیہم السلام کے مصائب کا پیمانہ سب سے  
بڑھا ہوا ہے۔ تاہم تمام دنیا کے انبیاء و رسل کے واقعات شہداء کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ کسی نبیؑ یا  
رسولؑ نے حسینؑ سے بڑھ کر رضائے الہی کے لیے مصائب کا مقابلہ نہیں کیا۔ کیونکہ انبیاءؑ ماسلف نے اپنے مخالفوں  
کے ہاتھوں جو آلام و صدمات برداشت کئے۔ وہ صرف ان کی ذات تک محدود تھے۔ یہاں تو نہ صرف اپنی ذات بلکہ  
سارے خاندان کی تباہی و بربادی، قتل و اسیری کو گوارا فرمایا گیا۔ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی قابل غور ہے کہ انبیاء  
علیہم السلام کے صبر و رضا کا جو امتحان لیا گیا وہ ان بلاؤں کا دفاع نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے ان کو سوائے صبر کے چارہ  
نہ تھا۔ اس کے خلاف حسینؑ پر جن مصائب کا ہجوم بیک وقت ہوا۔ ان کے مقابلہ میں کوئی مصیبت پیش نہیں کی جا  
سکتی۔ پھر یہ کہ ان کا دفاع آپؑ کے اختیار میں تھا۔ اگر آپؑ یزید کی بیعت کر لیتے (۔۔۔۔۔) تو ساری مصیبتوں کا  
خاتمہ تھا۔ یا اگر چاہتے تو مقابلہ کے لیے لشکر فراہم کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ انبیاءؑ کی مصیبتیں تنہا تھیں۔ یہاں  
مصائب و صدمات کی یورش۔ ہر مصیبت کے بعد دوسری مصیبت پہلی مصیبت سے بھی زیادہ شدید اور روح فرسا ہر  
لحظہ شہداء کی سختی بڑھتی جاتی تھی۔ مصیبتوں کے بادل مہیب اور بھیانک صورت کے ساتھ پے در پے اٹھتے چلے آتے  
تھے لیکن حسینؑ جادہ صبر و رضا پر پہاڑ کی طرح قائم ہیں۔ اور ان کے پائے ثبات کو ذرا بھی لغزش نہیں ہوتی۔ شہید دنیا



میں ہزاروں ہوئے اور ہزاروں ہوں گے۔ مگر اس شان کا شہید نہ اب تک ہوا۔ نہ آئندہ ہوگا۔ کسی نے سچ کہا ہے اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔

از ہیچ پیمبر نیاید ایس کار  
واللہ کہ اے حسین کارے کردی  
امام کے سر پر مصیبت کا یہ کوہ گراں کیوں رکھا گیا؟

یہ بات بھی سوچنے کے لائق ہے کہ کار ساز حقیقی نے مصائب و آلام کا یہ کوہ گراں اپنے برگزیدہ ترین کے سر پر کیوں رکھا؟ بارگاہ خداوندی کے مقرب ملائکہ نے تخلیق آدم کے وقت عرض کیا تھا تو زمین پر ایسا خلیفہ (انسان) پیدا کرے گا جو فساد برپا کرے۔ اور خون بہاتا رہے؟ اور ہم تیری حمد و ثنا کی تسبیح کرتے ہیں اور تہلیل و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں۔ حکیم مطلق ان فرشتوں کو بتا دینا چاہتا تھا کہ اطمینان و سکون سے تمہارا حمد و ثنا کرنا۔ ان انسانوں کی تسبیح کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ جو ہماری خاطر اور ہماری راہ میں اپنی گردنیں قلم کراتے ہیں اور امانت توحید کی پاسبانی کے لیے خطرات عظیمہ کا تسلیم و رضا سے مقابلہ کرتے ہیں۔ بلاشبہ معبود مطلق کے دربار میں وہی عبادت اعلیٰ قبولیت کا شرف حاصل کرتی ہے جو مصائب و آلام اور ابتلاء و آزمائش سے ہم آغوش ہو (مجاہد اعظم) چنانچہ بعض زیارات میں وارد ہے: ﴿وَلَقَدْ عَجَبْتُ مِنْ صَبْرِكَ مَلَائِكَةُ السَّمَاءِ﴾ اے حسین! تیرے صبر و رضا سے آسمان کے فرشتے بھی تعجب کرتے ہیں۔ علاوہ بریں اللہ تعالیٰ کی مشیت عہد حاضر کے ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کو بھی درس عمل دینا چاہتی تھی۔ کہ توحید پرستی و حق نوازی وہ گرانقدر اور عظیم الشان عمل ہے۔ جس کی حفاظت و پاسبانی میں تمہاری دنیا و آخرت کے سردار کا عزیز ترین لخت جگر معہ بیٹوں، بھائیوں اور بھتیجیوں، بھانجوں کے اپنا خون پانی طرح بہا چکا ہے۔ خداوند عالم تمام انسانوں کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص اور شیعوں کو بالخصوص امام الشہداء کے اس اسوہ حسنہ سے سبق لینے کی توفیق عطا فرمائے۔

### (۹) مواسات و ایثار کے شاندار عملی نمونے

کسی کو گرفتار مصیبت دیکھ کر اس کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنے کا نام ”مواسات“ اور اپنی ضرورت و احتیاج کے باوجود دوسرے صاحب ضرورت کو اپنی ذات پر ترجیح دینے کا نام ”ایثار“ ہے۔ علم الاخلاق میں ان دونوں صفتوں کا شمار اعلیٰ درجہ کی انسانی صفات جلیلہ میں ہوتا ہے۔ کہ بلا میں امام حسین اور ان کے ساتھی مجاہدین نے مواسات و ایثار کے بے مثال عملی نمونے پیش کئے ہیں۔ امام کی مواسات کا یہ عالم ہے کہ انصار و اصحاب پر جو مصیبت بھی پڑتی ہے ان میں ان کا ساتھ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح اصحاب حسین کی امام کے ساتھ مساوات و ہمدردی کی مثال بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ جہاں تک ایثار کا تعلق ہے امام نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ جو ہر انسانیت



یہ ہے کہ احتیاج کے وقت دوست تو کجا دشمن کو بھی اپنے نفس پر مقدم سمجھنا چاہیے۔ ذرا اس وقت کو تصور میں لائیے جب راستہ میں حرا ایک ہزار کا لشکر لے کر امام کے سدا راہ ہونے کے لیے آیا ہے۔ مگر مع اپنی فوج کے شدت پیاس سے نڈھال ہے۔ امام علیؑ اپنے اور اپنے متعلقین کے مستقبل کا خیال نہ فرماتے ہوئے سب پانی انہیں پلا دیتے ہیں۔ اسی طرح میدان کربلا میں اقارب و اصحاب امام میں سے ہر شخص نے ایثار کا لافانی مرقع پیش کیا ہے ہر فرد نے امام کی جان کی حفاظت کو اپنے جسم و جان سے مقدم سمجھا ہے۔ ذرا روز عاشوراء ہنگام ظہر ابو ثمامہ صائدی اور سعید بن عبداللہ خنی کا بوقت نماز امام کے سامنے سپر بن کر کھڑا ہونے اور تیروں کو سینے پر روکنے کا ہوشربا اور روح فرسا منظر آنکھوں کے سامنے لائیں اور پھر انصاف سے فرمائیں۔ کہ آیا تاریخ عالم اس کی کوئی نظیر پیش کر سکتی ہے؟ قربان گاہ کربلا میں ہر شخص دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتا تھا۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ وہ اپنی جان دے کر دوسروں کے تحفظ کا ذریعہ بن سکے۔

انہیں اپنا غم نہ تھا۔ اپنی فکر نہ تھی۔ ہاں اگر انہیں غم تھا تو حسین کا فکر تھی تو ان کی تنہائی کی چنانچہ یاد کیجئے سیف بن حارث و مالک بن عبد دونوں بھائیوں کا وہ امام کے پاس آکر رونے لگنا اور امام کا فرمان کیوں روتے ہو؟ اور ان کہنا ہم اپنے لئے تھوڑی روتے ہیں۔ ہمیں آپ کی بے کسی پر رونا آتا ہے ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے اور یہ کہ اب ہم سے آپ کی حفاظت قرار واقعی طور پر نہ ہو سکے گی۔ یا یاد کیجئے وہ مسلم بن عویجہ کے آخری وقت حبیب بن مظاہر کے ان کے پاس جانے اور ان سے یہ کہنے کہ ”اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ میں ابھی عنقریب تمہارے پیچھے آ رہا ہوں تو ضرور کہتا کہ کچھ وصیت کرو اور میں اس وصیت کو پورا کرتا“ اور اس وقت جناب مسلم کا امام حسینؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہنا کہ جو کچھ وصیت ہے وہ اسی بزرگوار کے بارے میں ہے۔ یعنی ان پر اپنی جان قربان کرنا اور حبیب کا بڑی پر جگری کے ساتھ کہنا۔ بخدا ضرور ایسا ہی ہوگا۔ (شہید انسانیت) اور انہوں نے یقیناً ایسا ہی کیا بلکہ اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو کربلا کا پورا المیہ ہی ایثار کا عملی نمونہ ہے۔ امام اور ان کی پوری جماعت نے دین و مذہب کے تحفظ اور نوع انسانی کو ابدی ہلاکت سے بچانے کی خاطر اپنا تن، من، دھن راہ خدا میں قربان کر دیا۔ کربلا والوں کے اس اسوہ حسنہ سے یہ درس ملتا ہے کہ صحیح معنوں میں انسان وہی ہے جو مواسات و ایثار کے زیور سے آراستہ ہے۔ اور جس آدمی میں یہ صفت نہیں ہے وہ درحقیقت جوہر انسانیت سے عاری و خالی ہے۔ و لنعم ما قلیل

درد دل کے واسطے پیدا کیا، انسان کو  
درد طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں



## (۱۰) عظیم مقصد کے حصول کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کا درس

صاحبانِ خرد سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ مقاصد و اغراض کی نوعیت مختلف ہوتی ہے کچھ مقصد بغیر کسی قسم کی قربانی دیئے صرف معمولی عملی جدوجہد کرنے سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور بعض کے حصول کے لیے کچھ مالی قربانی بھی پیش کرنا پڑتی ہے۔ اور بعض عظیم مقصد اپنے حصول میں مختلف النوع جانی قربانیوں کے متقاضی ہوتے ہیں۔

اذا عظیم المطلوب قل المساعد

صحیح معنوں میں مدبر اور معقول انسان وہی ہوتا ہے جو ہر مقصد کی نوعیت و اہمیت کو سمجھے۔ اور پھر اس کے حصول کے لیے وہی طریقہ کار اختیار کرے جو اس کے لیے مناسب ہے اس لیے ہمیشہ مردانِ راہ کو مقاصدِ عظیمہ کی خاطر دشوار گزار اور پر خار وادیوں میں قدم رکھنا پڑتا ہے۔ چنانچہ خداوندِ عالم کا ارشاد ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَ  
الشَّمْرِ وَبَشِيرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ  
رَاجِعُونَ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ﴾ (سورہ بقرہ، آیت ۱۵۵، ۱۵۶)

ترجمہ:- ”اور ہم تمہیں کچھ خوف، بھوک اور مال و جان اور ثمرات (کے نقصانات) سے ضرور آزمائیں گے اور ان صبر کرنے والوں کو خوش خبری دیجیے۔ جو مصیبت میں مبتلا ہونے کی صورت میں کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور اسی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے درود ہیں اور رحمت بھی۔“

حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے جو عظیم مقصد تھا وہ ہر قسم کی مالی اور جانی قربانی کا طلب گار تھا۔ کیونکہ اس وقت اسلام بلکہ انسانیت کی کشتی فسق و فجور بلکہ کفر و الحاد کے بحرِ ناپید اکنار کے بھنور میں پھنس گئی تھی۔ طوفانِ استبداد کے زبردست تھیٹرے چاروں طرف سے اس پر پڑ رہے تھے۔ ظلم و جور اور کفر و زندقہ کے تیز و تند جھوٹے اس سفینہ نجات کو ڈبونا چاہتے تھے۔ قریب تھا کہ یہ کشتی پاش پاش ہو کر تباہ ہو جائے۔ مگر اس اولوالعزم امام نے مخالف ہواؤں کی کچھ پروانہ کی اور ﴿بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرَهَا وَمُرْسُهَا﴾ پڑھتے ہوئے اس کشتی کو گردابِ بلا سے نکالنے کا عزم بالجزم کر لیا۔ اور اس کے بچانے کے لیے ایسی راہ اختیار کی۔ جس کو پہلے کسی نے اختیار نہ کیا تھا۔ جو ابتلا و پرخطر ہونے کے لحاظ سے ایسی سخت اور سنگین تھی۔ کہ اس کے تصور سے ہی رو گئے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ کوئی سہل مہم نہ تھی کوئی چرب لقمہ نہ تھا اس سفینہ نجات کی حفاظت بڑی بھاری قربانیاں چاہتی تھی۔ بڑے بڑے فدیوں کی ضرورت تھی۔ کوہِ شکن مصائب کا تحمل درکار تھا۔ مگر حسین ایسے نہ تھے۔ کہ ان مصائب و شدائد کے سامنے جھکتے۔ انہوں



نے بڑی خوشی سے لبیک کہا اور تمام آنے والی مصیبتوں کا یہ دل سے خیر مقدم کیا۔ وہ تو عہد طفولیت سے ہی ان تمام مصائب کے لیے تیار تھے اور باوجود ایسے جانکاہ شدائد کے جو اپنی نوعیت میں عدیم المثال ہیں۔ آخر دم تک اپنی بات پر ثابت اور قائم رہے آپ کی قربانی بڑی عظیم تھی۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ مذکورہ بالا عظیم مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنی طرف نسبت رکھنے والی ہر شے کو خود اپنے ہاتھ سے قربان گاہ کر بلا میں پیش کریں۔ اور جب اپنی ذات کے علاوہ اور کچھ باقی نہ رہے تو سب کے آخر میں اسے بھی میدان قربانی میں پیش کر دیں۔ چنانچہ روز عاشور آپ نے سب سے پہلے اپنے محبوب ترین اعموان و انصار کو قربان کیا۔ یہاں تک کہ جب عزیزوں کی باری آئی۔ تو ایک ایک کر کے ان سب کو میدان قربانی میں بھیجا۔ حتیٰ کہ اپنے دل کی قوت، آنکھوں کی روشنی، پیری کے سہارے علی اکبر ایسے فرزند۔ قائم و عبد اللہ ایسے بھتیجے۔ ابو الفضل ایسے وفادار بھائی۔ سب کو فدایہ راہ حق ہونے دیا۔ اور سب کے آخر میں باغ امید کی آخری کوئیل اور غنچہ ناشگفتہ علی اصغر کو خود اپنے ہاتھوں پر نشانہ بترسم ہوتے دیکھ لیا۔ اب اعضائے جسم تک نوبت پہنچی۔ سطح جسم کا چپہ اور خون کا ہر قطرہ قربان کیا۔ اب کوئی قربانی کے قابل شے باقی نہیں رہی تھی۔ صرف ایک رشتہ حیات تھا۔ جو قائم تھا۔ اور سر و گردن کا ارتباط تھا۔ جس میں ابھی جدائی نہیں ہوئی تھی۔ عصر کے ہوتے ہوتے حسینؑ اس قربانی میں کامیاب ہو گئے۔ ایک طرف نفس کی آمد و شد کا سلسلہ اور جسم و روح کا اتصال قطع ہوا۔ اور دوسری طرف سر و گردن کے باہمی ارتباط میں جدائی پیدا ہوئی۔ آسمان لاکھوں بار گردش کرے زمانہ کے ورق ہزاروں بار الٹ جائیں۔ لیکن اتنی شاندار مکمل، منظم اور مرتب قربانی کی مثال پیدا نہیں ہو سکتی۔“ (شہید انسانیت)

امام کی اس عظیم قربانی میں یہ درس پوشیدہ ہے کہ اگر وقت آنے پر قوم و مذہب کے لیے مال تو مال اگر عزیز و اقارب کٹوانے پڑیں اور جان بھی نثار کرنا پڑے تو اس میں دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ یہ کہتے ہوئے کہ

جان دے دی دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

خندہ پیشانی کے ساتھ اپنی جان، جانِ آفریں کے حوالہ کر دینا چاہیے۔

### (۱۱) انسانی ہمدردی اور حسن معاشرت کے تابناک مظاہرے

قبل ازیں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ کہ انسانیت کی معراج اور انسانیت کا جوہر اعلیٰ انسانی ہمدردی۔ ان کیساتھ حسن سلوک اور ان کی خیر خواہی اور نفع رسانی کے اندر مضمر ہے۔ حدیث نبویؐ ہے: ﴿خیر الناس من انفع الناس﴾ بہترین انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔ یہ بھی روایات معصومینؑ میں وارد ہے کہ ﴿لا تنظروا الی کثرة صلوٰۃ الرجل و صومہ بلی انظروا الی معاملتہ﴾ کسی آدمی کی کثرت صوم و صلوٰۃ پر نگاہ نہ کرو۔ بلکہ اُس کے معاملات پر نظر کرو۔ کیونکہ ﴿لا یعرف المرء بکثرة الصوم و الصلوٰۃ بل یعرف



بالمعاملات انسان کا جو ہر اس کی نماز و روزہ سے نہیں ظاہر ہوتا۔ بلکہ حسن معاملات سے نکھرتا ہے۔ دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔ یہ تو عام فطری بات ہے۔ لطف تو یہ ہے کہ نگاہ اس قدر بلند ہو۔ کہ اس کی نظر میں دوست و دشمن کا فرق بھی پہچ ہو جائے۔ اور اپنے خون کے پیاسوں سے بھی حسن سلوک کرے۔ یہ سبق حسینؑ نے دیا۔ ذرا ایک نظر حسینؑ کے ان خطبوں پر نگاہ ڈالئے جو آپؑ نے روز عاشوراء گم گشتگان وادی ضلالت کو راہ راست پر لانے کے لیے ارشاد فرمائے ہیں۔ یا وہ منظر آنکھوں کے سامنے لائیے جب روز عاشوراء آپؑ کو روتے ہوئے دیکھ کر کسی بد طینت نے یہ طعنہ دیا ہے کہ حسینؑ! اگر رونا تھا تو کر بلا کا رخ کیوں تھا؟ امامؑ اس کے جواب میں فرماتے ہیں: تیرا کیا خیال ہے میں اپنے مصائب پر رورہا ہوں؟ پھر کس پر رورہے ہیں؟ فرمایا: مجھے یہ چیز رلا رہی ہے کہ میری وجہ سے تیس ہزار آدمی جہنم میں جائیں گے۔ اس سے مذکورہ بالا حقائق کی کس قدر تائید ہوتی ہے۔ امامؑ نے آخر وقت تک کوشش کی۔ کہ ان کے نانا کے کلمہ گوراء راست پر آجائیں۔ اور اہل بیت رسالت کا خون ناحق اپنی گردنوں پر نہ لیں۔ اور جہنم کا ایندھن نہ بنیں۔ مگر افسوس ان اشتیاء پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ سچ ہے: ﴿وَمَا تُغْنِي الْآيَةُ وَالنَّذْرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ﴾

اسی طرح امامؑ کے مثالی کردار میں اس امر کے بھی کئی نمونے موجود ہیں۔ کہ انسان کو دوستوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے اور اپنوں کے ساتھ کس طرح مساویانہ سلوک برتنا چاہیے۔ نیز ایک سردار، ایک رئیس اور ایک افسر کو اپنے ساتھیوں، ماتحتوں اور سپاہیوں کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔ اور ان کے ساتھ کس طرح یگانگی اور مساوات کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اگر طوالت کا خوف دامنگیر نہ ہوتا تو اس کی مثالیں پیش کی جاتیں۔ اگر صرف واقعہ کربلا میں امامؑ کے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ سلوک کو پیش نظر رکھا جائے۔ تو مثالوں کی کوئی کمی نہیں رہتی۔ سابقہ ابواب میں یہ واقعات درج کئے جا چکے ہیں۔

کربلا کا سانحہ ہمارے لیے اپنے دامن میں موعظہ و ارشاد کی ایک دنیا چھپائے ہوئے ہے۔ امامؑ کے اس عظیم کارنامے میں ہمارے لیے یہ درس موجود ہے کہ ہم اپنے آپ کو کسی بھی انسان کا اپنا دشمن تصور نہ کریں۔ بلکہ اپنے قول و فعل سے ثابت کریں۔ کہ ہم اس کے دوست اور خیر خواہ ہیں۔ اور اس بات کے خواہشمند ہیں۔ کہ وہ کسی طرح راہ راست پر آجائے۔ کس قدر شرم کا مقام ہے۔ کہ ہمارے سامنے ایسے اعلیٰ اخلاق کے نمونے موجود ہوں۔ اور پھر بھی ہماری جگہ دنیا کی اعلیٰ اقوام کی آخری صف میں ہو۔ اگر ہمارے دلوں میں قوت، بازوؤں میں سکت، آوازوں میں زور اور اخلاق میں بلندی نہیں ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے سید الشہداء کی شہادت عظمیٰ کے بلند مقاصد و اغراض سے کوئی درس عمل حاصل نہیں کیا۔



## (۱۲) ادائیگی فرض اور عبادت الہی کی بجا آواری کا عظیم المثال نمونہ

ارباب بصیرت پر یہ حقیقت روز روشن سے بھی زیادہ روشن ہے کہ کائنات کی ہر شئی کی خلقت انسان کے لیے ہوئی ہے۔ (خلق لکم مافی الارض جمیعاً) اور حضرت انسان کی خلقت کی غرض و غایت عبادت الہی کی بجا آواری ہے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ اب انسان کامل وہی ہوگا۔ جو اپنی اس غرض خلقت کی تکمیل کرے گا۔ اور جو اس سلسلہ میں کوتاہی کرے گا۔ وہ ﴿أُولَٰئِكَ كَانُوا لِنِعْمِ اللَّهِ غَافِلِينَ﴾ کا مصداق قرار پائے گا۔ عبادت پروردگار کے کئی شعبے ہیں۔ منجملہ ان کے اقامت صلوٰۃ و جہاد بھی اس کے دو اہم شعبے ہیں۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں۔ کہ حضرت امام حسینؑ کو عبادت الہی کے ساتھ ایک والہانہ شغف تھا جس کا اظہار خود آپؑ نے بھی تاسوعا (نویں محرم) کی عصر کو اس وقت فرمایا تھا۔ جب فوج مخالف اچانک خیام کے سامنے آدھمکی تھی۔ اور آنے کا مقصد دریافت کرنے پر انہوں نے کہا تھا کہ وہ غروب آفتاب سے پہلے بیعت کا یا جنگ کا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ آنجنابؑ نے حضرت ابوالفضل العباسؑ کو یہ فرما کر کہ ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَنِّیْ اَحِبُّ الصَّلٰوۃَ وَالدَّعَا وَالِاسْتِغْفَارَ﴾ (خدا بہتر جانتا ہے کہ مجھے نماز پڑھنے اور دعاء استغفار کرنے کے ساتھ بڑی محبت ہے) پسر سعدؓ سے ایک شب کی مہلت طلب کی تھی جو بڑی مشکل کے ساتھ ملی۔ تفصیل پہلے ذکر ہو چکی ہے اور جناب نے وہ تمام شب اپنے اعزاء و انصار کے ساتھ اس طرح عبادت الہی میں بسر کی۔ کہ مورخین نے لکھا ہے: ﴿لَهُمْ دَوٰی كَدَوٰی النَّحْلِ﴾۔ حسینؑ اور ان کے اعزاء و اعموان کے خیام سے اس طرح تسبیح و تقدیس الہی کی آوازیں بلند تھیں جس طرح شہد کے چھتہ سے بھنبھناہٹ کی آواز بلند ہوتی ہے۔ اسی طرح پیدل چل کر پورے پچیس حج بیت اللہ کرنا۔ (عاشر بحار) اور نماز ہائے ہجگانہ اور ان کے نوافل راتہ اور نماز تہجد کے علاوہ شب و روز میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھنا (العقد الفرید) عبادت خدا کے ساتھ اسی غیر معمولی محبت کے مختلف مظاہرے ہیں۔ بالخصوص آنجنابؑ نے روز عاشورائین حالت جہاد میں اول وقت پر نماز ظہر اور وہ بھی جماعت کے ساتھ ادا کر کے نماز کی اہمیت و عظمت کا وہ عملی نمونہ پیش فرمایا ہے جسکی نظیر عالم کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ ذرا اس وقت کا تصور کیجئے۔ جب روز عاشورائین شروع ہو چکی ہے۔ حسینؑ کی جماعت کے بہت سے افراد درجہ شہادت پر فائز ہو چکے ہیں۔ مختصر حسینی سپاہ میں نمایاں کمزوری محسوس ہو رہی ہے اور تیروں کی بارش جاری ہے، لو چل رہی ہے زمین و آسمان کرہ نار بنے ہوئے ہیں۔ گرد و غبار سے ایک اور آسمان۔ آسمان نیچے پیدا ہو گیا ہے۔ حدت آفتاب سے اسلحہ جنگ آتش سوزاں بنا ہوا ہے۔ بیابان کر بلا کا ریگستانی علاقہ تپش میں خاکستر تنور کی کیفیت پیش کر رہا ہے۔ میدان کارزار گرم ہے۔ دشمن کی ٹڈی دل سپاہ گھنگھور گھٹا کی طرح چاروں طرف چھائی ہوئی ہے۔ شدت پیاس سے سب کے جگر کباب ہو رہے ہیں۔ اور خیام



سے بچوں کی صدائے اعطش شور محشر کا نمونہ پیش کر رہی ہے، عورتوں کا نالہ جانکاہ جگر کے ٹکڑے کر رہا ہے۔ لاش پر لاش گر رہی ہے۔ مختصر حسینی جماعت کے نصف سے زیادہ آدمی جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ شدت تشنگی سے زبانیں خشک ہو کر کاٹا ہو گئی ہیں۔ بایں ہمدانید و نصرت حق میں دشمن کی کثیر التعداد فوج کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بے مثال شجاعت کے جوہر دکھا رہے ہیں۔

استنہ میں دو پہر ڈھل جاتی ہے اور نماز ظہر کا وقت آ جاتا ہے ابو ثمامہ صیداوی آگے بڑھ کر عرض کرتے ہیں۔ یا بن رسول اللہ! میری جان آپ پر نثار! جب تک میں زندہ ہوں۔ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ میری تمنا ہے۔ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونے سے پہلے آخری نماز باجماعت آپ کے ساتھ پڑھ لوں۔ جب امام نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے ہیں۔ تو نماز ظہر کا اول وقت دکھائی دیتا ہے۔ آپ ابو ثمامہ کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں۔ کہ ﴿ذَكَرْتَ الصَّلَاةَ جَعَلَكَ اللَّهُ مِنَ الْمُصَلِّينَ﴾ تو نے ایسے وقت میں نماز کو یاد کیا ہے۔ خدا تجھے نماز گزاروں سے بنائے۔ اس کے بعد امام علیؑ نماز خدا ادا کرنے کی مہلت طلب کرتے ہیں۔ فوج یزید مہلت دینے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ امام اس صبر آزما موقع پر بطور نماز خوف اس طرح نماز ظہر باجماعت ادا کرتے ہیں۔ کہ امام علیؑ رو بقبلہ مجاہدین کی صفیں پیچھے اور دو جان نثار بہادر مجاہد امام کے آگے سینہ سپر بنے کھڑے ہیں۔ جدھر سے جو تیر آتا ہے۔ آگے بڑھ کر سینے سے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ اور اس طرح ۷۰

عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

کا مکمل نقشہ کھنچا ہوا ہے۔ حسین نے ایسے جانگداز حالات، میں تلواروں کی چھاؤں اور تیروں کی بوچھاڑ میں نماز ظہر کو اپنی تھوڑی سی جماعت کے ساتھ ادا کر کے تمام دنیا کو یہ بات دکھادی کہ احکام الہی کی کامل پیروی اس کو کہتے ہیں۔ اور یہ حقیقت اہل عالم پر واضح کر دی کہ فریضہ نماز کی ادائیگی کسی حالت میں معاف نہیں ہو سکتی۔ کیا عالم کی کوئی قوم اپنے عبادت گزاروں کی فہرست میں اس عبادت کی کوئی نظیر پیش کر سکتی ہے۔ حاشا دکلا! جس طرح خندق میں باپ (حیدر کرار) کی ایک ضرب ثقلین کی عبادتوں سے افضل تھی۔ اسی طرح آج بیٹے (حسین) کی نماز ثقلین کی اطاعتوں سے برتر نظر آتی ہے ۷۰

یاد رکھا اُسے درد میں آزاروں میں

اور سجدہ کیا چلتی ہوئی تلواروں میں

لحہ فکر یہ یا ملت گریہ کن سے دو باتیں

خداوند عالم حسین مظلوم علیہ السلام کے تمام نام لیواؤں کو یہ توفیق مرحمت فرمائے کہ وہ اپنی سیرت کو حسینی سیرت



و کردار کے آئینے میں تشکیل دینے کی کوشش کریں۔ امام حسین علیہ السلام یقیناً نہ صرف عالم اسلام بلکہ پورے عالم انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔ لیکن اس معنی میں کہ انہوں نے نجات و فلاح دارین کا راستہ واضح و آشکار کر دیا ہے۔ اور کر بلا کے جہاد کا بے نظیر عملی نمونہ پیش کرتے ہوئے دین و شریعت کو بقائے دوام بخش کر ہمیں نجات کے قابل بنا دیا ہے۔ لیکن اس اعتبار سے ان کو نجات دہندہ قرار دینا بالکل غلط ہے۔ کہ امت کے گناہوں کا کفارہ بن کر خود شہید ہو گئے ہیں اور اپنے نام لیواؤں کو واجبات کی ادائیگی یا محرمات سے اجتناب کی قید سے بالکل آزاد کر دیا ہے۔ انجناب نے شہید ہو کر (معاذ اللہ) ہمارے عملی قوی کو معطل نہیں کیا۔ بلکہ اپنے تابناک اور عدیم النظیر عملی کارناموں سے ہمیں عمل کرنے کا درس دیا ہے۔

”کیا حسین علیہ السلام کی شہادت سے یہ غرض تھی کہ کچھ رونے والے پیدا ہو جائیں۔ کیا حسین نے انسانی طاقت برداشت سے بالاتر مصیبتیں صرف اس لیے اٹھائی تھیں کہ ان کے نام پر سیلیں لگائی جائیں۔ شیرینی تقسیم ہو علم اور تابوت اٹھیں۔ تعزیئے بنائے جائیں۔ تاشے نثارے بچیں یا سینہ کو بی ہوا کرے۔ نہیں، ایسا ہرگز نہیں۔ حسین نے اسلام کی حمایت میں جان دی۔ احیائے ملت کے واسطے اپنے دوستوں، عزیزوں اور بیٹوں کی قربانی منظور فرمائی۔ اصول کے تحفظ کو اپنے خون سے خریدا اور ہم کو تعلیم دی کہ اصولوں کی تائید و پیروی آخر دم تک کرنی چاہیے۔ خواہ کچھ ہی افتاد پڑے۔ یہ جو کچھ ہوا ہمارے مذہبی، روحانی اور اخلاقی معاشرتی، تمدنی اصلاح و حمایت اور ہماری تعلیم و ہدایت کے لیے نہ صرف عورتوں کی طرح رونے پینے اور چھاتی کوٹنے کے لیے۔

مگر کس قدر افسوس ہے کہ ہماری دنیا ایک مرکز اخلاق اور پیشوائے ملت کی بنائی نہیں معلوم ہوتی۔ جہاں اس قدر جہالت اور اس قدر نخوت، اس قدر خود غرضی، اس قدر ایذا رسانی، اس قدر غصب حقوق، اس قدر ظلم، اس قدر کذب و افتراء اس قدر برائیاں، بد اخلاقیات اور احکام شریعت سے اس قدر لاپرواہی موجود ہے۔ حسین کے اس قدر ایثار اور قربانی کا ماحصل صرف یہ ہونا چاہیے۔ کہ ہم ایک جگہ جمع ہو کر حقہ پیئیں۔ کچھ شیرینی بانٹ دیں۔ اشعار رزم و بزم کا لطف اٹھائیں۔ کچھ ذاکرین کے مخصوص انداز دیکھ لیں۔ ذاکر فاتحانہ انداز سے دائیں بائیں دیکھیں۔ اور لوگ اپنے ایثار پر ناز کریں۔ کہ ہم نے کچھ وقت اس مشغلہ میں صرف کر دیا۔ ایسا خیال حسین علیہ السلام پر اس سے بھی بڑھ کر ظلم ہے۔ جو کر بلا میں واقع ہوا۔ حسین کی شہادت احقاق حق اور ابطال باطل کے واسطے ہے۔ حسین علیہ السلام نے ملت اسلام کے جہاز کی اس وقت ناخدائی کی جب وہ فسق و ارتداد کے طوفانی جھونکوں سے ڈمگ رہا تھا۔ حسین نے اسلام کا عملی مثالیہ بن کر ہم کو ایثار اور علوئے نفس، استقلال، تسلیم و رضا، صبر، حمایت حق، صیانت شریعت، خلق و کرم، ہمدردی، رحم اور ادائے فرض کی تعلیم دی، مگر یہ تو بتائیے۔ کہ ہم میں کتنے ایسے ہیں۔ جو مذکورہ بالا صفات و احکام پر عمل کرتے ہوں۔



صرف فرائض ہی کو لیجئے۔ نماز، روزہ، حج، زکوہ، خمس، جمعہ جماعت تلاوت قرآن ہم میں کس قدر ہے۔ کس قدر شرم کی بات ہے کہ حافظ قرآن ہونا تو درکنار قاری قرآن بھی بہت کم ملیں گے۔ نماز باجماعت اور نماز جمعہ سے تو غرض ہی کیا۔ عتبات عالیہ کی زیارات کو اگر سو جائیں گے تو حج کو پانچ بھی نہیں۔ امام باڑوں کی عمارتیں عالی شان ہیں۔ ہزاروں روپیہ کاشیشہ، آلات وغیرہ موجود ہیں مگر مساجد ویران پڑی ہیں۔ اول تو مسجد میں نماز کی پابندی ہی نہیں۔ اگر ہے بھی تو کسی وقت ایک نماز پڑھ گیا۔ کسی وقت دو آگئے۔ کسی وقت چار مجالس کی ترتیب، روشنی اور تکلفات کی افراط، ذاکرین کی خدمت اور شیرینی کی تقسیم پر دل و جان سے روپیہ صرف کرنے کو تیار ہیں مگر زکوٰۃ و صدقات سے سروکار ہی نہیں۔ ایسی حالت میں ان کا ادعا ہے پیروی حسینؑ اس شخص سے بلند درجہ پر نہیں جو مسلمان ہی نہ ہو۔

کوئی شخص صرف آنسوؤں کے چند قطروں یا منہ بسور دینے سے وہ بڑا انعام نہیں حاصل کر سکتا۔ جسے جنت کہتے ہیں۔ نہ بہشت اور دائمی نجات کے پٹہ ایسے ارزاں پڑے جکتے ہیں جو اس طرح رائیگاں اور مفت ہاتھ آجائیں۔ ہمارا مسئلہ شفاعت مسیحیوں کی طرح عجیب و غریب نہیں ہے۔ کہ گناہوں کی گٹھڑی خدا کے بیٹے کے حوالے کر دینا کافی ہے۔ اور پھر خلیج الغدار ہو کر جو چاہیں کریں۔ کوئی باز پرس کرنے والا ہی نہیں۔ قرآن مجید صاف لفظوں میں فرماتا ہے: ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾۔

ہم پر طاعات اسی طرح فرض ہیں جس طرح خدا اور اس کے رسول کا حکم اگر ہم ان سے جاہل و غافل اور لاپرواہ ہیں۔ تو ہمارا دعویٰ محبت حسینؑ محض دروغ اور سراسر کذب ہے۔ حسینؑ کے مصائب تو انہیں طاعات کے قائم کرنے کے لیے تھے۔ اگر طاعات و فرائض کی بجائے آوری میں تساہل و لاپرواہی خدا اور اس کے رسولؐ سے عدول حکمی اور سرکشی کی جائے تو یہ رونا کیا فائدہ رساں ہو سکتا ہے اور جب حسینؑ اور ان کے نانائے کا تتبع نہیں کرتے اور حسینؑ اور ان کے اوامر کی ہمارے دلوں میں کچھ وقعت نہیں تو ہم مسلمان، مومن اور محبت حسینؑ کہلائے جانے کے کیونکر مستحق ہو سکتے ہیں۔ صرف حالات و مصائب سن کر رو دینا کچھ بڑی بات نہیں ہے۔ یہ تو انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ کہ وہ کسی انسان کی مصیبت سن کر متاثر ہو جائے اس لیے ایک غیر مسلم بھی ہماری طرح رو دیتا ہے۔ حسینؑ پر ہی کیا موقوف ہے کسی کے مصائب کیوں نہ ہوں۔ یا ایک گھڑا ہوا قصہ ہی کیوں نہ ہو۔ محض رو دینا کافی نہیں ہے۔ جب تک حسینؑ کی شرافت اعمال اور غرض شہادت کے سمجھنے کے قابل نہ ہوں۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آپ کے آنسوؤں کے پیچھے آپ کا درجہ ہمدردی و اثر کیا ہے۔ آپ کتنے عامل فرائض مستقل مزاج، کریم النفس، رحیم، ہمدرد، سخی، شجاع اور پابند صوم و صلوات ہیں۔ مصیبتوں کا کس طرح مقابلہ کرتے ہیں؟ اور آپ میں غیرت کتنی ہے۔“ (مجاہد اعظم)



## امام حسین علیہ السلام کا مقام اور کام

### مفکرین عالم کی نظر میں

قبل ازیں کئی بار اس حقیقت کا اظہار کیا جا چکا ہے کہ کسی کام کی اہمیت و عظمت کا اندازہ اس کی غرض و غایت کی بلندی اور اس کی افادیت کی وسعتوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ جس کام کی علت غائی جس قدر بلند و پاکیزہ ہوگی اور اس کی افادیت میں جس قدر وسعت و پہنائی ہوگی۔ اسی قدر وہ کارنامہ عظیم متصور ہوگا۔ بنا بریں اصول یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ واقعہ ہائلہ کر بلا اپنی غرض و غایت کی بلندی اور افادیت کی ہمہ گیر وسعتوں کے اعتبار سے اس کارخانہ ”ہست و بود“ میں عظیم النظیر نظر آتا ہے اور اُس نے ہمیشہ ہر دور میں مفکرین عالم کو اپنی اہمیت و عظمت کا اقرار کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اور دنیا کے اکابرین و مفکرین نے بلا تفریق مذہب و ملت اس شہید عالم انسانیت کی خدمت میں عقیدت و ارادت کے قیمتی پھول نچھاور کئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سانحہ عظمیٰ کو کسی قسم کے جغرافیائی اور نسلی حدود میں مقید نہیں کیا جاسکتا اور نہ امام کی ذات کو صرف امت مسلمہ کے لیے مخصوص کیا جاسکتا ہے۔ ایسا کرنا تکبر اور کوتاہ اندیشی کا بدترین مظاہرہ ہے۔ حسینؑ کو شہید ہوئے قریباً ساڑھے تیرہ سو برس ہونے کو ہیں مگر ان کا نام و کام آج تک برابر زندہ و تابندہ ہے۔ ہر قوم و ملت کے لوگ آپؑ کا ذکر سنتے، اشک غم بہاتے اور ان کی عظمت کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں ان کے تذکرے نہ ہوں۔ کوئی قابل ذکر زبان نہیں جس میں ان کے مریضے اور ان کے عظیم کارناموں پر تبصرے نہ ہوئے ہوں۔ اور دنیا کا کوئی ایسا خطہ نہیں جہاں ہر سال ان کی یادگار نہ منائی جاتی ہو۔ اور ان کے غم میں عملی مظاہرے نہ ہوتے ہوں۔ جب ان لوگوں کی طویل فہرست پر نگاہ ڈالی جاتی ہے جنہوں نے سرکار سید الشہداءؑ کی بارگاہِ معلیٰ میں اپنی عقیدت کے موتی شار کیے ہیں تو ان میں کچھ نام ایسے لوگوں کے بھی نظر آتے ہیں جو خدا کو خدا نہیں مانتے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسولؐ نہیں جانتے۔ اور روزِ حشر و نشر پر ایمان نہیں رکھتے۔ جس سے شاعر کے اس بیان کی حرف بحرف تائید مزید ہو جاتی ہے کہ۔

تو اپنے خون پاک کے چھینٹوں سے اے حسینؑ      انسان کی شرافت خفتہ جگا گیا  
اسلام کی کشش کا نہ جن پر اثر ہوا      تو دردِ بن کے ان کے دلوں میں سما گیا



اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حسینؑ زندہ ہیں۔ ان کی دعوت جاری ہے۔ اور روز بروز ان کا نام روشن سے روشن تر ہوتا جا رہا ہے۔ اور وہ وقت دور نہیں کہ

ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین

اس کے برخلاف ان کا حریف یزید مر گیا۔ اس کا نام مٹ گیا۔ کوئی شخص حتیٰ کہ کافر بھی اس کا نام پسند نہیں کرتا اور جو لیتا ہے برائی سے یاد کرتا ہے اس کے نام کے ساتھ ہر زبان پر لفظ پلید، یا لعنت اللہ شامل ہے اور نام حسینؑ کے ساتھ ہر زبان پر صلوات اللہ علیہ۔ ”منضم“ (مجاہد) اور رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ

نام یزید داخل دشنام ہو گیا

اسی بات سے اس امر کا آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ طرفین میں سے اپنے مقصد میں کون کامیاب ہوا؟ رسالہ شریفہ ”حسینی دنیا“ میں قریباً قریباً عقیدت و ارادت کے ان تمام ابدار موتیوں کو یک جا جمع کرنے کی سعی جمیل کی گئی ہے۔ جو پہلی صدی ہجری سے لیکر چودھویں صدی کے نصف تک شہید حریت اور قتل ظلم و جور کی بارگاہ میں پیش کئے گئے اور جا بجا بکھرے ہوئے تھے۔ ہم اسی رسالہ کی وساطت سے بطور نمونہ مشے از خروارے و دانہ از انبار چند مشاہیر کے گرانقدر آراء کے اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے قارئین کرام کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہر عہد اور ہر ملک میں سید الشہداءؑ کی اولوالعزمی اور ان کے عظیم کارناموں پر غور و فکر کیا گیا ہے۔ اور اس عظیم النظر واقعہ نے ہمیشہ مفکرین عالم کو متاثر کیا ہے اور ہر شخص نے اس ناپیدا کنار سمندر سے اپنی اپنی عقل و فکر کی بساط کے مطابق اس سے نتائج اخذ کئے ہیں۔ اور ہر شخص نے اپنے مخصوص زاویہ نگاہ سے امام کی سیرت و شہادت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔ جس سے یہ حقیقت بالکل الم تشریح ہو جاتی ہے کہ کربلا کا محیر العقول واقعہ کسی خاص قوم و ملت کی میراث نہیں۔ بلکہ بقول کارلائل: ”تمام عالم انسانیت کی میراث ہے۔“

### وضاحت

مختفی نہ رہے کہ اختصار کے پیش نظر ہم نے اس سلسلہ جلیلہ میں مختلف اسلامی مکاتیب فکر کے ساتھ تعلق رکھنے والے اکابرین و مفکرین کے قیمتی آراء کو درج نہیں کیا بلکہ صرف غیر مسلم مفکرین اور وہ بھی سینکڑوں میں سے صرف اقل قلیل کے گلہائے عقیدت اور تحسین و آفرین کے کلمات کے چند اقتباس پیش کیے ہیں۔

و الفضل ما شہدت به الاعداء

(۱) مہاتما گاندھی سابق صدر انڈیا (بھارت)

”میں اہل ہند کے سامنے کوئی نئی بات پیش نہیں کرتا بلکہ میں نے کربلا کے ہیرو کی زندگی کا بخوبی مطالعہ کیا



ہے اور اس سے مجھ کو یقین ہو گیا ہے کہ ہندوستان کی اگر نجات ہو سکتی ہے تو ہم کو حسینی اصول پر عمل کرنا چاہیے۔“  
(۲) پنڈت جواہر لعل نہرو۔ سابق وزیر اعظم انڈیا

”کر بلا کے عدیم المثال ہیرو اور اس کی قربانی کی جو اس ہیرو نے مفاد انسانی کی خاطر پیش کی۔ جذبہ تقاضہ کو بلند کرتی ہے (مون لائٹ محرم نمبر ۶۰) کا واقعہ امام حسینؑ جرات و استقلال کی ایک زبردست یادگار ہے جو اب سے تیرہ سو سال قبل رونما ہوا تھا۔ ہر فرقہ ہر قوم اور فرد کو استقلال اور اپنی جرات و ہمت میں اضافہ کی کوشش کرنا چاہیے۔ اور اپنے جذبہ ایثار و قربانی کو عروج و ترقی کی انتہائی منزل پر پہنچانا چاہیے میں بھی اپنی جانب سے خراج عقیدت پیش کرتا ہوں۔“ (سرفراز، ۲ فروری ۱۹۳۲ء)

(۳) سوامی شنکر آچاریہ جی

اگر حسینؑ نہ ہوتے تو دنیا سے اسلام کا وجود مٹ جاتا۔ اور دنیا ہمیشہ کے لیے خدا پرستی اور نیکیوں سے خالی ہو جاتی۔ میں نے حسینؑ سے بڑھ کر کوئی شہید نہیں دیکھا۔ اور حسینؑ کی شہادت سے زیادہ کسی شہید کی قربانی کا اثر نہیں ہوا۔ (سرفراز لکھنؤ، ۲۱ فروری، ۱۹۳۹ء)

(۴) سر رادھا کرشن وائس چانسلر ہندو یونیورسٹی بنارس

امام حسینؑ نے اپنی قربانیوں اور ایثار سے دنیا پر ثابت کر دیا کہ دنیا میں حق و صداقت کو زندہ اور پائندہ رکھنے کے لیے ہتھیاروں اور فوجوں کی بجائے جانوں کی قربانی پیش کر کے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ انہوں نے دنیا کے سامنے ایک مثال پیش کر دی ہے۔ آج ہم اس بہادر جان فدا کرنے والے اور انسانیت کو زندہ کرنے والے عظیم الشان انسان کی یادگار مناتے وقت اپنے دلوں میں فخر و مباہات کا جذبہ محسوس کرتے ہیں۔ امام حسینؑ نے ہمیں بتایا کہ حق و صداقت کے لیے سب کچھ قربان کیا جاسکتا ہے۔ (سرفراز، فروری، ۱۹۳۲ء)

(۵) ہز ہائٹس دھیراج مہند بہادر سکھ مہاراجہ آف پٹیالہ

حضرت امام حسینؑ نے انسان کی خدمت بہادری سے اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے خدمت کا طریقہ بتا دیا ہے۔ اسی لیے لاکھوں روپے خرچ کر کے ہر قوم کے لوگ آپ کی یادگار ہر سال مناتے ہیں۔

(اچھوت اخبار حسینی پنتھ علی گڑھ)

(۶) دستور کنسر و مہیار کتور پیشوائے اعظم فرقہ یارسی بمبئی

اگر شہداء اعظم کی قربانیاں نہ ہوتیں، دنیائے اخلاق و مذہب و صداقت سے نا آشتا رہتی۔ دنیا ان شہیدوں کی ممنون ہے۔ جنہوں نے موت کو ذلت ترجیح دی۔ امام حسینؑ ان شہداء میں سے ہیں جنہوں نے انسانیت کی خدمت



کے لیے جان دی۔ ہم کو ان کی یاد اپنے عمل سے منانا چاہیے۔ اور ان کی قربانیوں سے سبق لینا چاہیے۔

(ہندو قوم و عزاداری)

#### (۷) مورخ مسٹر واشنگٹن ایروٹک

حضرت حسینؑ اس وقت مدینہ میں تھے جہاں دس گیارہ برس سے اپنے بھائی کے ساتھ کوفہ سے چلے گئے تھے۔ وہ سمجھے کہ میں نے یزید کی باقاعدہ بیعت کر لی تو یقیناً سارا عالم میرے ساتھ بیعت کر لے گا۔ اور تمام ناجائز افعال سنت ہو کر رواج پائیں گے۔ نہایت ایمانداری اور بڑی جوانمردی سے تمام مصیبتوں کے مقابلے میں صاف انکار کر دیا۔ وہ خود انہی کا یہ مقدس خیال تھا کہ جان دو اور یزید اموی کے ہاتھ سے ہندگانِ خدا کا ایمان بچاؤ۔ جب الہام یا خود اپنی حق پسند طبیعت نے فیصلہ کر دیا تو اب زمانے کی کوئی قوت اور دنیا کی کوئی مصیبت ان کو اس ارادہ سے پھیرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔۔۔ یہاں تک کہ ہزاروں آدمیوں کے مقابلے میں فقط بہتر آدمی ہو گئے۔ جن کی تعداد پوری کرنے کو ایک چھ مہینے کا بچہ بھی تھا۔ یہی لوگ درحقیقت ایک سچے مذہب کا نمونہ تھے محرم کی دسویں ۶۸۰ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء اس لا جواب لڑائی کی تاریخ ہے۔

نہایت آسانی سے ممکن تھا کہ حضرت امام حسینؑ یزید اموی سے اس کی تمنا کے موافق بیعت کر کے اپنی جان و دل بچا لیتے۔ مگر اس ذمہ داری کے خیال نے جو مذہبی ریفاہی کی طبیعت میں ہوتا ہے اس بات کا اثر نہ ہونے دیا۔ اور نہایت سخت مصیبت اور تکلیف پر ایک بے مثل صبر و استقلال کے ساتھ قائم رہنا۔ اولاد کا سامنے قتل ہونا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کا مارا جانا۔ زخموں کی تکلیف۔ عرب کی دھوپ، پھر اس دھوپ میں زخمی کی پیاس۔ یہ ایسی تکلیفیں نہ تھیں جو سلطنت کے شوق کے سامنے آدمی کو صبر کے ساتھ اپنے ارادے پر قائم رہنے دیتیں۔ (حسینی دنیا، ص ۱۸۶)

#### (۸) مسٹر کارلائل مصنف ہیر وور شپ

”بہادرانہ کارنامے محض ایک قوم یا ایک ملک تک محدود نہیں رہتے بلکہ تمام انسانی برادری کی میراث اور ملکیت ہو جاتے ہیں۔ ان کی وجہ سے آنے والی نسلوں میں سلسلہ شجاعت اور استقامت باقی رہتا ہے۔ اس لحاظ سے واقعہ شہادت (حسینؑ) پر جس درجہ غور و فکر کیا جائے گا۔ اسی قدر اس کے اعلیٰ اور عمیق مطالب روشن ہو جائیں گے۔ اچھا آؤ، ہم دیکھیں کہ واقعہ کربلا سے ہمیں کیا سبق حاصل ہوتا ہے۔ سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ فاتحان کربلا کو خدا کا کامل یقین تھا اور وہ اپنی آنکھوں سے اس دنیا سے اچھی دنیا دیکھ رہے تھے۔ اس کے علاوہ قومی غیرت و حمیت کا بہترین سبق ملتا ہے۔ جو کسی اور تاریخ سے نہیں ملتا۔ اور ایک نتیجہ یہ بھی حاصل ہوتا ہے وہ یہ کہ جب دنیا میں مصیبت اور غضب وغیرہ بہت ہو جاتا ہے تو خدا کا قانون قربانی نکلتا ہے۔ اس کے بعد تمام راہیں صاف ہو جاتی ہیں۔“ (ہیر وور شپ)







سیاست میں اعلیٰ درجہ رکھتے تھے۔ بلکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ارباب دیانات میں سے کسی شخص نے ایسی موثر سیاست اختیار نہیں کی کہ جو اس جناب نے اختیار فرمائی۔ ان کا قصد سلطنت اور ریاست حاصل کرنے کا نہ تھا۔ صاف صاف اپنے ہمراہیوں سے فرماتے جاتے تھے کہ جو جاہ و جلال کی حرص و طمع میں میرے ساتھ جانا چاہتا ہے وہ ہم سے الگ ہو جائے۔ آپ نے بے کسی اور مظلومیت کو اختیار فرمایا۔ حسین کے واقعہ نے تمام وقائع پر برتری حاصل کر لی۔ حسین کا واقعہ عالمانہ اور حکیمانہ اور سیاسی حیثیت کا تھا۔ جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ (رسالہ مذکورہ، مترجمہ اردو)

### (۱۲) یروفسر براؤن مصنف تاریخ ادبیات ایران

”ایسا کوئی تنفس ہے کہ جو درد بھرا دل رکھتا ہو۔ اور پھر حالات کر بلا کو پڑھ کر اس کا دل نہ پیسجے۔ بحیثیت مجموعی یہ کہا جاسکتا ہے کہ محرم کی عزاداری کے سلسلہ میں جو جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ خواہ شبہیں دیکھنے سے ہوں یا نوحہ خوانی سے وہ نہایت کھرے اور سچے ہوتے ہیں۔ اور غیر ملکوں اور غیر مسلموں کو بھی ان کے مخلصانہ اور موثر ہونے کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ (لٹریچر ہسٹری آف پرشیا)

### (۱۳) مسٹر والٹیر مشہور فریچ اہل قلم

کر بلا والے حسین کے علاوہ دور تاریخ میں ایسی کوئی ہستی دیکھنے میں نہیں آئی۔ جس نے بنی نوع انسان پر ایسے مافوق الفطرت اثرات چھوڑے ہوں۔ (والٹیر)

### (۱۴) جرجی زیدان معروف مسیحی مؤرخ

واقعہ کر بلا ایک سانحہ عظیمہ ہے جس کی تاریخ عالم میں نظیر نہیں ملتی (غادہ کر بلا) اسی چودہ کے مبارک و مسعود عدد پر اس سلسلہ مبارک کو ختم کیا جاتا ہے۔ ورنہ مع

سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

بنابرین حقائق امام حسین کے فقید المثال کارنامہ کے متعلق بڑے فکر و انبساط کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ

انسانیت کے نام پہ کیا کر گئے حسین

ہر دور کے بلند خیالوں سے پوچھ لو

(قیصر)

حسینیٹ پائندہ باد



# خاتمۃ الکتاب

## انقلاب عالم اسلام

یا

## نافرجام قاتلانِ حسینؑ کا عبرت ناک انجام

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ شہادتِ امام کے ساتھ ہی عالمِ اسلامی میں انقلاب کے آثار نمودار ہونے شروع ہو گئے تھے۔ کیونکہ کسی بھی انقلاب کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک قوتِ احساس اور دوسرا جراتِ اظہار۔ اور یہ دونوں چیزیں شہادتِ حسینؑ کے ساتھ ہی مسلمانوں میں پیدا ہو گئی تھیں۔ اور اگر اس کی تصویر ہنوز دھندلی تھی تو کوفہ و شام کے بازاروں اور درباروں میں جنابِ زینبؑ اُم کلثومؑ اور فرزندِ امامِ مظلومؑ کے فقید المثال خطبوں نے اس میں رنگ بھر دیا تھا۔ ان خطبوں کو سن کر لوگوں کا بے اختیار ہو کر گریہ و بکاء اور داد و فریاد کرنا رائے عامہ کے بیدار ہونے اور انقلاب کے نمودار ہونے کا پیش خیمہ تھا۔ چنانچہ واقعات بتاتے ہیں کہ جوں جوں عالمِ اسلامی میں حسینؑ کی خبر شہادت اور ان کے پس ماندگان کی دیارِ اوصار میں تشہیر کی اطلاع پھیلتی گئی۔ توں توں یزید اور اس کی حکومت کے خلاف غم و غصہ اور نفرت و بیزاری کے جذبات ابھرتے گئے۔ حتیٰ کہ تھوڑے دنوں کے بعد خود یزید کو بھی اس کا احساس ہو گیا تھا اس لیے وہ باوجودیکہ پہلے شہادتِ حسینؑ پر اپنی انتہائی شادمانی کا اظہار کر چکا تھا۔ مگر اب پشمانی کا اظہار کرتے ہوئے اس خونچکاں واقعہ کی ذمہ داری تمام تر ابنِ زیاد پر ڈالتے ہوئے کہتا تھا۔ خدا لعنت کرے ابنِ زیاد پر جس نے حسین بن علیؑ کو قتل کر کے مجھے مسلمانوں کی نظروں میں ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔ اور ان کے دلوں میں میری طرف سے نفرت و عداوت کے بیج بوئے ہیں۔ اور سب لوگ مجھ سے بیزار ہونے لگے ہیں۔

### جماعتِ توابین کا تذکرہ

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے انفرادی طور پر تو ہر جگہ حکومت و وقت سے اس کے عظیم جرمِ شنیع کی وجہ سے نفرت و بیزاری کے جذبات پیدا ہو ہی رہے تھے مگر اجتماعی طور پر دو جماعتیں امامؑ کے خونِ ناحق کا انتقام لینے کے لیے منظم طریقہ پر ابھر کر سامنے آئیں۔ اور اس سلسلہ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان میں سے ایک ”جماعتِ توابین“



کے نام سے مشہور ہے۔ اور دوسری ”جماعت مختار“ کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ ہم یہاں بڑے اختصار کے ساتھ ہر دو جماعتوں کے تشکیل پانے اور انتقام خون شہیداں لینے کے سلسلہ میں مساعی جلیلہ بردے کار لانے کا مستند ماخذ و مصادر سے اجمالی تذکرہ کرتے ہیں۔ تاکہ اس موضوع پر بھی فی الجملہ تبصرہ ہو جانے سے ہماری یہ کتاب ہر لحاظ سے مکمل و مختتم ہو جائے۔ انشاء اللہ۔

ارباب تاریخ نے لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ کی شہادت انتہائی بے کسی اور مظلومیت کے عالم میں ہو چکی تو ان شیعیاں کوفہ کے اندر جنہوں نے امام کو نصرت کی یقین دہانی پر مشتمل خطوط لکھے تھے۔ اور پھر نصرت کا حق ادا نہ کر سکے۔ بیداری کی لہر دوڑ گئی اور احساس ندامت ابھر آیا۔ اور ایک دوسرے کو ملامت کرنا شروع کی۔ اور اس بات کا اعتراف کرنے لگے کہ ہم سے بڑی زبردست خطا سرزد ہوئی ہے۔ اور ہم نگ و عار کا شکار ہو گئے ہیں۔ اور پھر یہ تجویز پاس کی کہ اس گناہ عظیم کا کفارہ اور اس نگ و عار کا ازالہ اس طرح ممکن ہے کہ ہم قاتلان حسینؑ سے امام کے خون ناحق کا بدلہ لیں یا پھر اسی کوشش میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔

### سلیمان بن صرد کے مکان پر شیعیاں علیؑ کا اجتماع

چنانچہ اس سلسلہ میں عام شیعہوں نے کوفہ کے سربراہ اور وہ پانچ شیعیاں علیؑ سے رابطہ قائم کیا:

(۱) سلیمان بن صرد خزاعی جو اپنی اپنی قوم میں معزز اور بہت ہی سن رسیدہ بزرگ تھے صحبت رسولؐ کا شرف بھی حاصل تھا۔ وفات رسولؐ کے بعد کوفہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اور امیر المومنین کے ہمراہ ہو کر جمل و صفین میں واد شجاعت دے چکے تھے۔ مرگ معادیہ کے بعد سب سے پہلے شیعیاں کوفہ کا انہی کے مکان پر اجتماع ہوا تھا۔ جس میں جناب امام حسینؑ کو کوفہ تشریف لانے کی دعوت دینے کی تجویز پاس ہوئی تھی۔ اور پھر ان کو مسلسل خطوط لکھے گئے تھے۔ مگر جب امام تشریف لائے تو سوئے اتفاق سے یہ نصرت امام کا فریضہ انجام نہ دے سکے۔

(۲) مسیب بن نجبه فزاری۔ یہ بزرگ حضرت امیرؑ کے خاص اصحاب میں سے تھے۔

(۳) عبداللہ بن وال تیمی۔

(۴) عبداللہ بن سعد بن نفیل ازدی

(۵) رفاعہ بن شداد بکلی۔ یہ ہر سہ حضرات بھی اصحاب حضرت امیرؑ میں ممتاز مقام کے مالک تھے۔ چنانچہ

یہ تمام حضرات مع اور چند منتخب افراد کے سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر جمع ہوئے۔

### اس اجتماع میں مسیب بن نجبه کی تقریر

سب سے پہلے مسیب بن نجبه نے ایک پر جوش تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے۔ حمد و ثنا کے بعد کہا۔ ہم بوجہ



طول عمر مختلف آزمائشوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ہم ان لوگوں میں سے نہ ہوں جن کے بارے میں خدا فرماتا ہے: کیا میں نے تم کو اس قدر عمر عطا نہیں کی تھی کہ اگر اس میں نصیحت حاصل کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے۔ اب ہماری عمریں ساٹھ ساٹھ سال سے تجاوز ہو چکی ہیں۔ ہمیں اپنے نفوس کی پاکیزگی پر بہت کچھ گھمنڈ تھا۔ مگر دختر رسولؐ کے فرزند کی نصرت کے ساتھ جب ہماری آزمائش کی گئی تو ہم جھوٹے ثابت ہوئے۔ حالانکہ ہم نے تحریری طور پر ان کی نصرت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر جب وہ قریب تشریف لائے اور ہمارے قریب بڑی مظلومیت کے ساتھ شہید کر دئے گئے تو ہم نے مالی اور جانی طور پر ان کی بالکل کوئی نصرت و امداد نہ کی۔ بتاؤ جب ہم خدا اور رسولؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو کیا عذر پیش کریں گے؟ جب ہمارے پاس رسولؐ کا پورا کنبہ شہید کر دیا گیا نہ بخدا ہمارے پاس کوئی عذر نہیں۔ سوائے اس کے کہ ان کے قاتلوں سے انتقام لیں۔ یا اسی سلسلہ میں خود بھی جام مرگ نوش کریں۔ اور کسی ایک کو اپنا امیر مقرر کر لو۔ کیونکہ اس سلسلہ میں ایک امیر کا ہونا ضروری ہے۔

### قیادت کے لیے سلیمان کا انتخاب

ان کے بعد رفاعہ بن شداد نے کھڑے ہو کر پرزور الفاظ میں مسیب بن نجہ کی تقریر کی تائید کی اور آخر میں کہا کہ میری رائے تو یہ ہے کہ اس امیری کے لیے مسیب ہی نہایت موزوں شخص ہیں۔ اور اگر آپ کا خیال ہو تو سلیمان بن صرد خزاعی کو بھی سردار لشکر مقرر کیا جاسکتا ہے۔ جو علاوہ شیخ الشیعہ، بہادر اور دیندار ہونے کے صحابی رسولؐ بھی ہیں۔ مسیب نے بھی سلیمان کی قیادت کی تائید کر دی۔

### سلیمان بن صرد کی تقریر

اس کے بعد سلیمان نے کھڑے ہو کر ایک پرزور تقریر کی جس کا ایک حصہ یہ ہے ہم گردنیں دراز کر کے آل رسولؐ کی تشریف آوری کا انتظار کرتے تھے۔ اور ان کو خطوط لکھ لکھ کر اپنی نصرت و امداد کا یقین دلاتے تھے۔ مگر جب وہ تشریف لائے تو... نے سستی و کمزوری کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ ہمارے پاس ہی فرزند رسولؐ بڑی بیدردی کے ساتھ شہید کر دئے گئے۔ اواز استغاثہ بلند کی۔ مگر کسی نے لبیک نہ کہی انصاف طلب کیا مگر ان کے ساتھ انصاف نہ کیا گیا بلکہ فاسقوں کی جماعت نے ان کو اپنے تیروں کا ہدف اور نیزوں کا نشانہ بنا دیا۔ اب اٹھ کھڑے ہو کہ خدا تم پر ناراض ہو چکا ہے۔ اور اس وقت تک اپنے بیوی بچوں کے پاس نہ جائے جب تک خدا کو راضی نہ کر لو۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ خدا اس وقت تک راضی نہیں ہوگا جب تک قاتلین امام کو قتل نہ کر دو۔ خبردار موت سے نہ ڈرنا۔ کیونکہ جو شخص موت سے



ڈرتا ہے وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے تم بنی اسرائیل کی طرح ہو جاؤ۔ جب انہوں نے گوسالہ پرستی کر کے اپنے نفوس پر ظلم و زیادتی کی تو ان کے بنی (حضرت موسیٰ) نے کہا اب تمہاری توبہ اس طرح قبول ہو سکتی ہے کہ اپنے نفوس کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے پر آمادہ ہو جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اب تم تلواروں کو تیز کر لو۔ اور نیزوں کو درست کر لو۔ اور جس قدر ہو سکتا ہے جنگ کے لیے ساز و سامان جمع کر لو۔ نیز لوگوں کو اس کار خیر میں شمولیت کی دعوت دو تاکہ ہم مناسب وقت پر نکل کھڑے ہوں۔<sup>۱</sup>

اس پر زور تقریر کا اثر تھا کہ حاضرین کے خوابیدہ جذبات میں تلاطم پیدا ہو گیا خالد بن سعد بن نفیل نے کھڑے ہو کر کہا۔ خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ پروردگار میرے گناہ سے صرف اس صورت میں درگزر فرمائے گا اور راضی ہوگا کہ میں اپنے آپ کو قتل کر دوں تو یقیناً میں ایسا کر گزرتا (پھر کہا) میں تمام حاضرین کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میرے پاس جو کچھ مال و اسباب ہے۔ سوائے اسلحہ جنگ کے وہ سب میں نے فاسقوں کے ساتھ جہاد کرنے والے مسلمانوں پر وقف کر دیا ہے۔ کئی اور افراد نے بھی ایسے ہی پاکیزہ خیالات کا اظہار کیا۔ سلیمان بن صرد نے عبداللہ بن دال کو خزانچی مقرر کرتے ہوئے کہا کہ جو صاحب اس خیر میں حصہ لینا چاہتے ہیں وہ ان کے پاس جمع کرا دیں۔<sup>۲</sup>

SIBTAIN.COM

سلیمان بن صردؓ کی شیعیان علیؓ سے خط و کتابت

اس کے بعد سلیمانؓ نے دوسرے علاقوں کی فضا کو ہموار کرنے کے لیے مختلف اطراف و جوانب میں اسی مطلب پر مشتمل تقاصدوں کے ذریعہ خطوط بھیجے چنانچہ مدائن میں سعد بن حذیفہ بن الیمانؓ اور دوسرے شیعیان مدائن کے نام عبداللہ بن مالک طائی کے ہاتھ ایک خط روانہ کیا۔ جس میں شیعیان کوفہ کے ان عزائم کی اطلاع دینے کے ساتھ ساتھ ان کو بھی دعوت دی کہ وہ اس کار خیر میں ان کی مساعدت کریں۔ جب سعد کو یہ خط پہنچا تو اس نے شیعیان مدائن کو پڑھ کر سنایا چنانچہ سب نے لبیک کہتے ہوئے مدد کرنے پر اپنی آمادگی ظاہر کی۔ سعد نے جواب میں سلیمان بن صردؓ کو وعدہ نصرت پر مشتمل جواب بھیج دیا۔

اسی طرح سلیمان نے دوسرا خط شنی بن مخرمہ عبدی کو ظلیان بن عمارۃ تسمی کے ہاتھ بصرہ روانہ کیا۔ شنی نے جواب میں سلیمانؓ کو لکھا۔ میں نے آپ کا مکتوب پڑھا اور آپ کے دوسرے دینی بھائیوں کو بھی پڑھایا۔ سب نے

۱۔ اصدق الاخبار، ص ۵۔ تقام، ص ۵۸۳۔ کمال، ج ۳، ص ۳۳۴۔

۲۔ اصدق الاخبار، ص ۵۔ تقام، ص ۵۸۳۔ کمال، ج ۳، ص ۳۳۳۔



آپ کی تجویز کی تائید کرتے ہوئے نصرت پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ ہم مقررہ وقت پر حاضر ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ۔  
**مرگ یزید سے شیعہ بن کوفہ میں ہلچل**

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ شیعہ بن علی میں خون ناحق کے انتقام لینے کی تحریک تو اسی ۶۱ھ سے شروع ہو چکی تھی۔ جس میں امام حسینؑ شہید ہوئے تھے لیکن اسلحہ جنگ جمع کرنے اور پوشیدہ طور پر رائے عامہ کو ہموار کرنے میں کافی دن گذر گئے۔ یہاں تک کہ ۶۴ھ ۱۴ ربیع الاول میں یزید ہلاک ہو گیا۔ شہادت امام اور مرگ یزید میں تین سال دو ماہ اور چار دن کا فاصلہ ہے۔<sup>۱</sup> جب یزید مر گیا تو ایک بار پھر شیعہ بن کوفہ سلیمان بن صرد کے مکان پر جمع ہوئے اور کہا کہ طلب انتقام اور حق خلافت بحق دار پہنچانے کے لیے یہ بہت مناسب و موزوں وقت ہے۔ یہ طاغی مر گیا ہے۔ اور بنی امیہ کی خلافت رو با نخطا ط ہے۔ لیکن سلیمان نے اتفاق نہ کرتے ہوئے کہا۔ تمہارا مقابلہ اکابر کوفہ سے ہے جن کے پاس تمام ظاہری وسائل کی فراوانی ہے۔ مگر تمہاری تعداد مختصر ہے۔ اگر خروج میں جلدی کی گئی تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم مارے جاؤ گے اور اپنے مقصد میں کامیاب بھی نہیں ہو گے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ لوگوں میں اپنے داعی و مبلغ پھیلا دو۔ ان کو زیادہ سے زیادہ اپنا ہم خیال بناؤ۔ تاکہ تمہاری جمعیت زیادہ ہو جائے چنانچہ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور اسی طریقہ پر عمل درآمد کیا گیا۔ یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد اس تحریک سے اتفاق کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی۔<sup>۲</sup>

### مرگ یزید کے بعد ابن زیاد کا کردار

ادھر یہ سب کاروائی خفیہ طور پر ہو رہی تھی اور دوسری طرف یہ کیفیت تھی کہ مرگ یزید کے وقت عبداللہ بن زیادہ بصرہ کا گورنر تھا۔ اور کوفہ میں اس کی نیابت میں عمرو بن حریت حاکم تھا۔ جب ابن زیاد کو مرگ یزید اور شام میں اختلاف کی اطلاع ملی تو اس نے اہل بصرہ کو جمع کر کے ان کو اس امر کی اطلاع دی۔ اور ساتھ ہی یزید کی مذمت کرتے ہوئے اپنی بیعت لینے کا مطالبہ بھی کیا۔ اس وقت تو لوگوں نے بیعت کر لی۔ مگر باہر جا کر دیواروں پر ہاتھ رگڑتے ہوئے کہا۔ کیا ابن مرجانہ یہ خیال کرتا ہے کہ ہم ہمیشہ اس کے مطیع و منقاد رہیں گے؟ نیز ابن زیاد نے دو قاصد بیعت لینے کے لیے کوفہ بھی بھیجے۔ جن کو اہل کوفہ نے پتھر مار کر واپس کر دیا۔<sup>۳</sup> قاصدوں نے واپس جا کر حقیقت حال سے ابن زیاد کو آگاہ کیا۔ جب اہل بصرہ کو اہل کوفہ کے رویہ کا پتہ چلا تو وہ بھی انکار پر ڈٹ گئے۔ چنانچہ جب ابن زیاد کو

۱۔ اصدق الاخبار، ص ۶۔ مقام، ص ۵۸۴۔ کامل، ج ۳، ص ۳۴۴۔

۲۔ اصدق الاخبار، ص ۶۔ شرح اخذ الثار، مطبوع مع عاشر ہجری، ص ۲۸۴۔

۳۔ کامل، ج ۳، ص ۳۴۴۔ اصدق، ص ۷۔ مقام، ص ۵۸۴۔

۴۔ اصدق الاخبار، ص ۷۔ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۳۲۰۔



خلافت تو کجا اپنی گورنری کے زوال بلکہ اپنی جان کا بھی خطرہ لاحق ہو گیا تو پہلے تو بعض روسا بصرہ مسعود بن عمرو کے ہاں پناہ لی اور پھر شام کی طرف بھاگ گیا۔ (کامل، ج ۳، ص ۳۲۳) اہل کوفہ نے عمرو بن حریث کو نکال دیا۔ اور بعض لوگوں نے وقتی طور پر عمر بن سعد کو امیر کوفہ بنانے کا ارادہ کیا مگر قبیلہ ہمدان کی باہمت خواتین آڑے آئیں اور جامع مسجد میں جمع ہو کر داد و فریاد کی کہ قاتل حسین کو امیر کوفہ بنایا جا رہا ہے چنانچہ لوگ رو پڑے اور اس ارادہ سے باز آئے۔<sup>۱</sup> تمام اہل کوفہ کا بیعت ابن زبیر کرنا اور اس کا عبداللہ بن یزید کو گورنر کوفہ مقرر کرنا

اس کے بعد عام اہل کوفہ نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت کر لی۔ جس کی وجہ سے ابن زبیر نے عبداللہ بن یزید انصاری کو کوفہ کا گورنر اور ابراہیم بن محمد بن طلحہ کو امیر خراج بنا کر کوفہ بھیجا۔ جو ۲۲ ماہ رمضان ۶۴ھ کو کوفہ پہنچے۔ جب کہ سلیمان بن صرد اور ان کے ساتھی لوگوں کو قاتلان حسین سے انتقام لینے کی دعوت دینے میں مشغول تھے۔<sup>۲</sup>

ویسے تو یزید کے حین حیات ابن زبیر بھی قتل حسین کا بدلہ لینے کا ڈھونگ رچا کر لوگوں سے بیعت لیا کرتا تھا اور اہل مدینہ نے بھی یزید کے انہی زہرہ گداز مظالم کی وجہ سے اس کی بیعت توڑ دی تھی۔ جس کے نتیجہ میں انسانیت سوز واقعہ حرہ پیش آیا (جس کی تفصیلات سابقاً حالات یزید میں بیان ہو چکی ہیں) اس لشکر جرار کا قائد مسلم بن عقبہ مری تو مدینہ کی تباہی کے بعد مکہ جاتے ہوئے راستہ میں ہی واصل جہنم ہو گیا تھا۔ اور اس کے قائم مقام حصین بن نمیر نے مکہ جا کر ابن زبیر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ مگر جب اس اثناء میں اس کو مرگ یزید کی اطلاع ملی تو حصار اٹھا کر مدینہ کے راستہ سے مروان بن الحکم وغیرہ بنی امیہ کو ہمراہ لیتا ہوا واپس شام چلا گیا۔ اب بلا مزاحمت اہل حجاز و عراق نے ابن زبیر کی بیعت کا پشہ اپنے گلے میں ڈال لیا۔ جب ابن زبیر نے اپنی قیادت کی دکان چمکتی ہوئی دیکھی تو اب انتقام خون شہیدان کر بلا کا ذکر کرنا بھی چھوڑ دیا۔<sup>۳</sup> صرف یہی نہیں بلکہ اس کا بھائی مصعب بن زبیر (حاکم بصرہ) ان قاتلان سید الشہداء کی آخری جائے پناہ تھا جو کوفہ سے بھاگ کر بصرہ جاتے تھے۔ چنانچہ جب اس نے کوفہ پر چڑھائی کی تو اس کی فوج میں ایسے لوگوں کی کثرت تھی۔ (تاریخ کامل، ج ۳، ص ۳۸۴)

### معاویہ بن یزید کی بیعت

اہل شام نے مرگ یزید کے بعد اس کے بیٹے معاویہ کی بیعت کر لی۔ مگر اس نے خلع بیعت کر لیا۔ اور تین ماہ اور بقولے چالیس دن کے بعد وفات پائی۔ مشہور یہ ہے کہ بنی امیہ نے اس کا کام تمام کر دیا تھا۔<sup>۴</sup> واللہ العالم۔

۱۔ کامل، ج ۳، ص ۳۲۵۔ تقام، ص ۵۸۴۔

۲۔ اصدق الاخبار، ص ۸۔

۳۔ شرح الثار، ص ۲۸۴۔ اصدق الاخبار، ص ۹۔

۴۔ اصدق الاخبار، ص ۹۔ کامل، ج ۳، ص ۳۱۹۔



بوقت وفات اس کی عمر اکیس برس اور اٹھارہ دن تھی۔<sup>۱</sup>

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مروان بن الحکم بھی چاہتا تھا کہ ابن زبیر کی بیعت کرے مگر ابن زیاد جب شام پہنچ گیا تو اس نے اس کو اس ارادہ سے باز رکھا بلکہ خود اس کو ادعائے خلافت پر آمادہ کیا۔ چنانچہ اسی سال ۶۴ھ شام میں مروان کی بیعت کر لی گئی۔<sup>۲</sup>

جماعت تو ابین کی روانگی

اس طرف سلیمان بن صرد ۶۵ھ تک برابر پروگرام کی تیاری میں مشغول رہا اور بالآخر یکم ربیع الثانی ۶۵ھ کی شب کو کوفہ سے نکل کر مقام نخیلہ میں قیام کیا اور اس مقررہ مقام و تاریخ پر سب ہم خیال جمع ہوئے۔ مگر اس وقت یہ حوصلہ شکن صورت حال سامنے آئی کہ جن لوگوں نے نصرت کے وعدے کئے تھے ان کی تعداد تو سولہ اور بقولے اٹھارہ ہزار تھی لیکن جو لوگ وہاں پہنچے وہ بمشکل چار ہزار تھے۔ وہاں قیام کر کے سلیمان نے کوفہ میں اکا دکا اپنے آدمی بھیجے۔ جنہوں نے کوفہ کی جامع مسجد وغیرہ میں یہاں لشارات الحسین کے نعرہ ہائے حق بلند کئے۔ اس طرح تین دن کی تلک و دو اور انتظار کے بعد صرف ایک ہزار آدمی اور جمع ہوئے۔ اس طرح ان جانبازوں کی کل تعداد پانچ ہزار ہو گئی۔ مسیب بن نجلیہ نے کہا جو لوگ خروج کو ناپسند کرتے ہیں۔ ان کا مزید انتظار کرنا بے سود ہے۔ اور نہ ہی ایسے لوگوں کی حاضری سودمند ہو سکتی ہے۔ سلیمان نے اس مشورہ کو پسند کیا۔ اور آگے بڑھنے سے پہلے اپنی کمان پر ٹیک لگا کر تقریر کی۔ جس میں اس امر کی وضاحت کی کہ ہم مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے خروج نہیں کر رہے۔ بلکہ ہمارا مقصد تو صرف خدا کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنا ہے۔ پس جس شخص کا یہی مقصد ہے۔ خدا اس پر زندگی اور موت ہر حال میں رحمت نازل کرے وہ ہمارے ساتھ آئے۔ اور جس کا مقصد مال دنیا حاصل کرنا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے پاس کوئی سونا و چاندی نہیں ہے۔ ہماری حالت تو یہ ہے کہ تلواریں کاندھوں پر۔ اور نیزے ہاتھ میں ہیں۔ سلیمان کی یہ تقریر سن کر ہر طرف سے یہی آواز آئی کہ ہم طلب دنیا کے لیے نہیں نکلے بلکہ توبہ کرنے اور فرزند رسولؐ کا بدلہ لینے کیلئے نکلے ہیں۔<sup>۳</sup>

۱۔ کامل، ج ۳، ص ۳۱۹۔

۲۔ اصدق، ص ۹۔ کامل، ج ۳، ص ۳۲۶۔

۳۔ اصدق الاخبار، ص ۱۱۔ کامل، ج ۳، ص ۳۴۱۔

(نوٹ)۔ اسی سال مروان نے اپنے بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کی ولی عہدی کا اعلان کیا اور اسی سال نو ماہ حکومت کرنے کے بعد یکم ماہ رمضان کو اسی عمر میں مر گیا اور اس کے بعد عبدالملک مستنشین ہوا۔

(الدمعة الساکبہ، ص ۴۰۶۔ کامل، ج ۳، ص ۳۴۷۔ شرح الآثار لابن تمام، ص ۲۸۵، مع عاشر بحار)



جب سلیمان بن صرد نے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن سعد بن نفیل نے کہا کہ جب ہمارا مقصد حضرت امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کا بدلہ لینا ہے اور عبداللہ بن زیاد کے سوا باقی سب قاتل کوفہ میں موجود ہیں تو ہمیں یہیں سے ابتداء کرنا چاہیے۔ مگر سلیمان نے یہ کہا کہ جس شخص نے لشکر بھیج بھیج کر ان کو شہید کرایا وہ یہی فاسق ابن مرجانہ ہے۔ ہمیں پہلے اسی سے مقابلہ و مقاتلہ کرنا چاہیے۔ اگر خدا نے اس پر ہمیں غلبہ عطا فرمادیا تو پھر اہل کوفہ کا مقابلہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ اور ممکن ہے کہ بلا جنگ اہل کوفہ تمہاری اطاعت کر لیں۔ پھر چن چن کر قاتلین کو قتل کر دینا۔ بالآخر اسی رائے پر اتفاق ہو گیا۔

### جماعت تو ابین سے گورنر کوفہ کی ملاقات

وہاں سے روانہ ہونے ہی والے تھے کہ عبداللہ بن یزید گورنر کوفہ اور ابراہیم بن محمد امیر خراج نے ان کی طرف قاصد بھیج کر استدعا کی کہ ہم آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہمارا انتظار کرو۔ سلیمان نے رفاعہ بن شداد کو حکم دیا کہ تم اپنے لشکر کو مرتب کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ سلیمان اپنے اکابر اصحاب کے حلقہ میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں عبداللہ بن یزید اور ابراہیم بن محمد بھی چند اشراف کوفہ کی معیت میں پہنچ گئے۔ موصوفین نے سلیمان کو مشورہ دیا کہ ابن زیاد کے ساتھ جنگ کرنے میں جلدی نہ کریں بلکہ یہیں قیام کریں۔ ہاں جب ان کو ابن زیاد کے ان کی طرف بڑھنے کی اطلاع ملے تو پھر پیشقدمی کریں۔ مزید برآں انہوں نے یہ کہا کہ ان کی اس پیش کش کو شکریہ کے ساتھ مسترد کر دیا کہ ہم مال و دولت جمع کرنے کی خاطر خروج نہیں کر رہے۔

دوسرے یہ کہ اگر آپ قیام کریں تو عند الضرورت آپ کو لشکر کثیر دیا جائے گا۔ مگر سلیمان نے ان کی یہ پیش کش بھی قبول نہ کی اور مزید توقف کو درست نہ سمجھتے ہوئے آگے بڑھنے میں مصلحت دیکھی۔ مگر انہوں نے یہ ضرور محسوس کیا کہ شیعہ بصرہ و مدائن مقررہ وقت پر نہیں پہنچے۔ چنانچہ بعض حضرات نے ان کی ملامت کرنا شروع کی۔ مگر سلیمان نے یہ کہہ کر ان کو روک دیا کہ ان کی ملامت نہ کرو۔ اگر وہ اس وقت نہیں پہنچ سکے تو زور راہ کی کمی یا کوئی اور وجہ ہوگی۔ البتہ ان کو جب آپ کی روانگی کی اطلاع ملے گی تو وہ ضرور آکر آپ کے ساتھ ملحق ہو جائیں گے۔ اس وقت پھر سلیمان نے ایک تقریر کی جو دنیا میں بے رغبتی پیدا کرنے، آخرت میں رغبت بڑھانے اور جہاد کی فضیلت پر مشتمل تھی۔ بالآخر پانچ ربیع الثانی ۶۵ھ شب جمعہ کو وہاں سے روانہ ہو کر ”دیر الاغور“ کے مقام پر پہنچ کر رات گزاری۔ کچھ آدمی وہاں رک گئے۔ مگر سلیمان اپنے مخلص اصحاب کے ساتھ ان کی پروانہ کرتے ہوئے برابر آگے بڑھتے گئے اور نہر فرات کے کنارے افساس بنی مالک کے پاس رات بسر کی۔



پھر صبح سویرے وہاں سے اٹھ کر کر بلا مغلی پہنچ گئے۔ ایک شب و روز تک وہاں قیام کیا۔ اس اثنا میں قبر حسین کی زیارت کی۔ اور اس کے پاس برابر دعا استغفار اور گریہ و بکاء میں مشغول رہے۔ راویانِ اخبار کا بیان ہے کہ وہاں اس قدر گریہ و بکاء کا کہرام برپا ہوا۔ کہ اس سے زیادہ کبھی رقت خیز منظر نہیں دیکھا گیا تھا۔ ایک شب و روز تک وہاں قیام رہا پھر تمام حضرات قبر حسین سے رخصت ہوئے۔ لوگ اس طرح قبر مبارک پر ٹوٹ رہے تھے جیسے حاجی حجر اسود پر ٹوٹتے ہیں۔ اس وقت ان کے نالہ و شیون کا عجیب سماں تھا۔ جذبات بے قابو تھے۔ سب سید الشہداء کی مظلومیت اور اپنی حرمانِ نصیبی پر اشک بہا رہے تھے۔ سب کے آخر میں سلیمانؑ یہ دعا کرتے ہوئے رخصت ہوئے کہ بار الہا! اگر ہم امام کے ہمرکاب ہو کر شرف شہادت حاصل نہیں کر سکے تو اب ہمیں اس سعادت سے محروم نہ رکھ۔<sup>۱</sup>

بالآخر وہاں سے روانہ ہو کر مقام انبار میں پہنچے۔ وہاں پھر عبداللہ بن یزید حاکم کوفہ کا قاصد خط لیکر پہنچا جس میں ان حضرات سے واپس لوٹنے کی استدعا کی گئی تھی۔ سلیمان نے کہا: جب ہم نے مقامِ نخیلہ میں ان کے مشورہ کو قبول نہیں کیا۔ تو اب دشمن کی سرحد کے قریب پہنچ کر واپس لوٹنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ سلیمان نے جواب میں اس کے اس مشورہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا کہ میرے ہمراہیوں نے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی جانوں کا سودا کر دیا ہے۔ اس لئے وہ کسی قیمت پر واپس لوٹنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ جب عبداللہ کے پاس یہ مکتوب پہنچا تو اس نے کہا یہ لوگ خود موت کو طلب کر رہے ہیں۔ بخدا یہ لوگ عزت کی موت مارے جائیں گے۔<sup>۲</sup>

### زفر کلابی سے ملاقات

بعد ازاں سفر کرتے ہوئے مقام ”ہیت“ میں پہنچے۔ پھر وہاں سے چل کر مقام ”قرقیسیا“ میں وارد ہوئے۔ وہاں زفر بن حارث کلابی سے ملاقات ہوئی۔ جس نے پہلے انہیں دشمن تصور کر کے۔ شہر کے دروازے بند کر لیے تھے۔ اور خود قلعہ بند ہو گیا تھا۔ مگر انکشافِ حقیقت کے بعد باہم گھل مل گئے۔ اس نے انہیں کافی آذوقہ اور ضروریات خورد و نوش مہیا کر دیں۔ رات وہاں گزاری۔ دوسرے دن صبح وہاں سے آگے بڑھے۔ زفر بغرض مشایعت ان کے ساتھ نکلا۔ اور اس نے سلیمان بن صرد کو بتایا۔ کہ عبید اللہ بن زیاد وغیرہ پانچ سردارانِ لشکر مقام ”رقہ“ سے افواجِ کثیرہ لیکر روانہ ہو چکے ہیں۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ آپ یہیں شہر میں داخل ہو کر قیام کریں تاکہ اگر وہ حملہ آور ہوں۔ تو ہم تم اتفاق سے ان کا مقابلہ کریں۔ سلیمانؑ نے کہا خود ہمارے شہر (کوفہ) والوں نے بھی ہم سے یہی مطالبہ کیا تھا جسے ہم نے مسترد کر دیا تھا۔ (مطلب یہ کہ تمہاری یہ پیش کش بھی قبول نہیں ہے)۔



جب زفر مایوس ہو گیا تو اس نے دوسرا مشورہ یہ دیا کہ پھر جلد کرو۔ ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے تم مقام ”عین الوردۃ“ جسے ”رأس عین“ بھی کہا جاتا ہے پر پہنچ جاؤ اور شہر کو پشت کی جانب قرار دے کر دوسری طرف قیام کرو۔ اس طرح شہر، پانی اور دیگر ضروریات زندگی تمہارے قبضہ میں ہو جائیں گے۔ اور جہاں تک ہمارے تمہارے معاملات کا تعلق ہے میری طرف سے مطمئن رہو۔ میں ہر گز تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔ بخدا میں نے تم سے بڑھ کر کوئی شریف جماعت نہیں دیکھی۔ دیکھو جلدی کرو۔ مجھے اُمید ہے کہ تم ان سے پہلے پہنچ جاؤ گے۔ خیال رکھنا کھلی فضا میں ان کے ساتھ جنگ نہ کرنا۔ ورنہ وہ تمہیں چاروں طرف سے گھیر کر ہلاک کر دیں گے۔ کیوں کہ ان کی تعداد تم سے بہت زیادہ ہے۔

### جماعت کا مقام عین الوردہ پر قیام

چنانچہ یہ لوگ بڑی تیزی کے ساتھ دو دو مرحلوں کو ایک ایک مرحلہ میں قطع کرتے ہوئے مقام ”عین الوردۃ“ میں پہنچ گئے۔ اور اس کی غربی جانب رطل اقامت ڈال دیا۔ اور پانچ دن تک استراحت کر کے تھکان سفر دور کی۔ پانچویں دن معلوم ہوا کہ ابن زیاد اہل شام کے عسا کر کثیرہ لے کر آ رہا ہے اور صرف درمیان میں ایک شب و روز کی مسافت باقی ہے۔

### سلیمان کی تقریر اور جنگی ہدایات

اس وقت سلیمان بن صرڈ نے تقریر کی جس میں دنیا کی بے ثباتی بیان کر کے اور دارِ آخرت میں رغبت دلانے کے بعد کہا۔ تمہارا وہ دشمن آئیہنچا ہے جس کی طرف تم شب و روز ایک کر کے بڑھ رہے تھے جب دشمن سے مدد بھیڑ ہو۔ تو اس سے فیصلہ کن جنگ کرو اور شدائد جنگ پر صبر کرو۔ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ کسی زخمی کا کام تمام نہ کرنا۔ اور نہ کسی اسیر کو قتل کرنا ہی جناب امیر کی سیرت تھی۔<sup>۱</sup>

اور یہ بھی کہا کہ اگر میں جاں بحق ہو جاؤں تو پھر امیر لشکر مسیب بن نجبه ہوں گے۔ اگر وہ بھی راہِ خدا میں کام آجائیں تو پھر رئیس لشکر عبد اللہ بن سعد بن فضل ہوں گے۔ اگر وہ بھی جان سپار ہو جائیں۔ تو پھر سردار عبد اللہ بن دال ہوں گے۔ اور اگر وہ بھی راہی ملک بقاء ہو جائیں تو پھر قائدِ دفاع بن عبد اد ہوں گے۔ خدا اس بندہ پر رحم کرے جو اپنے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرے۔<sup>۲</sup>

۱۔ اصدق الاخبار، ص ۱۶، ج ۳، ص ۳۴۲۔ مقام، ص ۵۹۱۔

۲۔ اصدق الاخبار، ص ۱۶، مقام، ص ۵۹۱۔ ج ۳، ص ۳۴۲۔







المنقصر جنگ شروع ہو گئی۔ سلیمان بن صرد کے مہینہ نے حصین بن نمیر کے میسرہ پر اور میسرہ نے مہینہ پر اور خود سلیمان نے قلب پر اس زور کا حملہ کیا کہ اہل شام میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ پھر شام تک اکاد کا زور و خور کا سلسلہ جاری رہا مگر میدان بہر حال سلیمان کے ہاتھ رہا۔ دوسرے دن حصین کو آٹھ ہزار تازہ دم فوج کی مزید کمک پہنچ گئی۔

اب ان کی تعداد بارہ ہزار سے بڑھ کر بیس ہزار ہو گئی۔ چنانچہ دوسرے روز پھر جنگ شروع ہوئی اور سوائے نماز کے وقت کے سارا دن شام تک جاری رہی۔ اصحاب سلیمان نے باوجود قلیل التعداد ہونے کے بڑی پامردی سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ جب شام کو جنگ بند ہوئی تو معلوم ہوا کہ فریقین کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا ہے اور زخمی بھی کافی ہوئے ہیں۔

جب تیسرے روز اور یہ یوم جمعہ تھا صبح ہوئی۔ تو اہل شام کے پاس ادہم بن محرز باہلی کی ماتحتی میں مزید دس ہزار لشکر پہنچ گیا اسے بھی ابن زیاد نے کمک کے طور پر بھیجا تھا۔ چنانچہ جب جنگ شروع ہوئی تو چاشت تک تو فریقین میں گھمسان کا رن پڑا۔ مگر اہل شام کے نڈی دل لشکر نے اس مختصر جماعت تو ابن کو ہر طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر سلیمان گھوڑے سے اتر پڑے اور اپنے آدمیوں کو لگا کر کہا۔ اے اللہ کے بندو! جو شخص توبہ کر کے جلدی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں جانا چاہتا ہے۔ وہ میری طرف آئے یہ کہہ کر تلوار کا میان توڑ دیا۔ اسی طرح ان کے بہت سے ہمراہیوں نے بھی ان کی متابعت کی۔ اور بڑی جگر کاوی اور پامردی کے ساتھ لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ اہل شام کے بہت سے سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس وقت سلیمان یہ رجز پڑھ رہے تھے

الیک ربی تبت من ذنوبی      وقد علانی فی الوری مشیتی<sup>۱</sup>

و اغفر ذنوبی سیدی و ربی

جب حصین بن نمیر نے شدائد جنگ پر ان کے صبر و ثبات اور شدید حملوں کو دیکھا تو بزدل نے تیر اندازوں کو حکم دیا کہ ان پر تیر برسائے جائیں۔ حکم کا ملنا تھا کہ آگ کے شراروں اور موسلا دھار بارش کے قطروں کی طرح ہر طرف سے تیر آنے لگے۔ چنانچہ اسی اثنا میں جناب سلیمان بن صرد خزاعیؓ یزید بن حصین بن نمیر کے تیر لگنے سے دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف سدھار گئے۔<sup>۲</sup> ان کی عمر تریانوے برس تھی۔<sup>۳</sup> اس کے بعد علم لشکر مسیب بن نجید نے ہاتھ میں لیا۔ اور رجز پڑھتے ہوئے کئی بار بڑے زوردار حملے کئے۔ اور ہر مرتبہ بہت سے شامیوں کو داصل جہنم کیا۔

۱۔ نظام ص ۵۹۲۔

۲۔ اصدق الاخبار ص ۱۹۔

۳۔ اصدق الاخبار ص ۱۸۔ کامل، ج ۳ ص ۳۳۳۔

۴۔ کامل، ج ۳ ص ۳۳۳۔ نظام ص ۵۹۳ وغیرہ۔



حتیٰ کہ دشمن نے ہر طرف سے حملہ کر کے ان کو گھیر لیا۔ اس طرح وہ بھی بہادرانہ جنگ لڑتے ہوئے عروس موت سے ہسٹنا ہو گئے۔ اس کے بعد علم لشکر عبداللہ بن سعد بن نفیل نے سنبھالا۔ اور بڑی جرأت و ہمت سے داد شجاعت دینا شروع کی۔ اسی اثنا میں ان کے پاس تین سوار پہنچے۔ عبداللہ بن فضل الطائی، کثیر بن عمرو المزنی اور سحر بن ابی سحر الحنفی جنہیں سعد بن حذیفہ بن الیمان نے یہ اطلاع دے کر بھیجا تھا کہ وہ ایک سو ستر آدمیوں کا جھنڈ لے کر مدائن سے روانہ ہو چکا ہے۔ اور اسی طرح ثنی بن مخزومہ عبدی بھی بصرہ سے تین سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہو چکا ہے۔ یہ خوش خبری سن کر عبداللہ بن سعد کے ساتھی خوش ہوئے۔ مگر عبداللہ نے کہا یہ خوشی اس وقت تھی کہ یہ لوگ ہماری زندگی میں پہنچتے (جس کی اب امید نہ تھی) جب ان قاصدوں نے صورت حال کی نزاکت کو دیکھا۔ تو وہ بھی اپنے ایمانی بھائیوں کے ساتھ مل کر جنگ میں شریک ہو گئے۔ اور داد شجاعت دیتے ہوئے راہی ملک بقاء ہوئے۔<sup>۱</sup> بقولے کثیر بن عمرو المزنی اس وقت زخمی ہو کر گرا تھا جو بعد میں تندرست ہو گیا۔<sup>۲</sup> بالآخر عبداللہ بن سعد نے بھی فیصلہ کن جنگ لڑتے ہوئے عالم آخرت کی راہ لی۔ اب جناب سلیمان کی ہدایت کے مطابق علم لشکر عبداللہ بن دال نے سنبھالنا تھا مگر وہ دوسری طرف شدید جنگ لڑ رہے تھے۔ اس لیے کچھ دیر کے لیے علم زمین پر گر گیا جب عبداللہ کو صورت حال کا علم ہوا تو انہوں نے علم سنبھال لیا۔ اور بڑی پر جگری کے ساتھ تابڑ توڑ حملے شروع کئے اور ساتھ ہی اپنے ساتھیوں سے بھی کہتے جاتے تھے جو شخص دائمی زندگی چاہتا ہے وہ دل کھول کر ان لوگوں سے جنگ کرے۔ اب عصر کا وقت ہو چکا تھا اور فوج مخالف کی کمان ادھم بن محرز باہلی نے سنبھال لی تھی۔ جو بڑے زوردار حملے کر رہا تھا۔ اس وقت عبداللہ یہ آیت پڑھ رہے تھے: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ انہی حملوں میں اسی ملعون کے ہاتھوں سے عبداللہ بن دال نے بھی سفر آخرت اختیار کیا۔<sup>۳</sup> اب حسب وصیت علم لشکر رفاعہ بن شداد کے حوالہ کیا گیا۔ انہوں نے بھی خوب داد شجاعت دی۔ آج شامی چاہتے تھے کہ شام سے قبل ہی اہل عراق کا خاتمہ کر دیا جائے مگر رات کے حائل ہو جانے کی وجہ سے مجبوراً جنگ موقوف کرنا پڑی۔ اب رفاعہ نے یہ سوچا کہ ان کے ہمراہ بالکل تھوڑے سے آدمی رہ گئے ہیں جن کی تعداد چند سو سے زیادہ نہیں ہے اور اور وہ بھی سب صحیح سلامت نہیں بلکہ بہت سے زخمی ہونے کے باعث جنگ کرنے کے قابل نہیں ہیں لہذا اب جنگ جاری رکھنے میں کامیابی کی بالکل کوئی امید نہیں ہے۔ لہذا انہوں نے رات کی تاریکی میں اپنے باقی ماندہ ساتھیوں کو لے کر

۱۔ اصدق الاخبار، ص ۲۰۔ کامل، ج ۳، ص ۳۴۳۔

۲۔ اصدق، ص ۲۰۔

۳۔ مقام، ص ۵۹۳۔ کامل، ج ۳، ص ۳۴۳۔



مراجعت کی۔ بعض آثار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جب کرب بن یزید حمیری کو رفاعہ کے واپسی کے ارادہ کی اطلاع ملی تو اس نے موافقت نہ کی بلکہ اپنی قوم بنی حمیر اور قبیلہ ہمدان کے ایک سو آدمیوں کے ساتھ واپس جانے پر موت کو ترجیح دی۔ چنانچہ راتوں رات اپنے ساتھیوں سمیت فوج مخالف پر ٹوٹ پڑا۔ ابن الکلاع نے ان کو امان کی پیش کش کی مگر انہوں نے جواب میں کہا۔ امن میں تو پہلے ہی زندگی گزار رہے تھے۔ اب تو صرف ہم آخرت کی امان کے طلبگار ہیں چنانچہ زبردست جنگ کرنے کے بعد سب عالم بقا کی طرف سدھار گئے۔ اسی طرح صحز بن حذیفہ ہلال مزنی نے بھی اپنے قبیلہ بنی مزن کے تیس آدمیوں کی معیت میں حیات پر موت کو ترجیح دی اور آخر دم تک لڑتے ہوئے دنیا کے رنج و الم سے رہائی پا کر عالم آخرت کے روح، ریحان کی طرف منتقل ہو گئے۔<sup>۱</sup> بہر حال جب صبح ہوئی تو حصین بن نمیر نے میدان کو خالی پایا۔ رفاعہ اپنے چند ساتھیوں سمیت واپس جا چکے تھے۔ مگر اس نے تعاقب کرنا ضروری نہ سمجھا۔ واپسی پر ”قرقیسیا“ پہنچ کر زفر کے پاس تین دن تک قیام کیا۔ اس اثنا میں زخمیوں کی مرہم پٹی کی۔ بعد ازاں وہاں سے بجانب کوفہ روانہ ہوئے سعد بن حذیفہ جب مقام حیف پر پہنچا اور اس کو صورت حال کی اطلاع ملی تو وہ وہیں سے واپس ہو گیا۔ واپسی پر بمقام صندودار پر شئی بن مخزومہ عہدی سے ملاقات ہوئی۔ اسے بھی تازہ صورت حال سے آگاہ کیا۔ اور دونوں حضرات اپنے ہمراہیوں سمیت وہیں رفاعہ کے انتظار میں رک گئے۔ جب رفاعہ بن شداد پہنچے۔ تو انہوں نے ان تباہ حالوں کا گریہ و بکاء سے استقبال کیا۔ دونوں گروہ پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ ایک شب و روز تک وہیں قیام رہا۔ اس کے بعد سب اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے گئے۔<sup>۲</sup> بن زیاد کی فوج نے جناب سلیمان بن نجہ کا سر قلم کر کے عبد الملک بن مروان کے پاس شام میں بھیج دیا۔<sup>۳</sup> ”اور اس طرح قاتلان حسینؑ سے بدلہ لینے کی یہ پہلی کوشش منزل آخر تک پہنچی۔“<sup>۴</sup>

۱۔ اصدق الاخبار، ص ۲۲۔ کامل، ج ۳، ص ۳۴۴۔

۲۔ اصدق الاخبار، ص ۲۲۔ المدد الساکبہ، ص ۴۰۷۔ تقام، ص ۵۹۶۔ کامل، ج ۳، ص ۳۴۴۔

۳۔ اصدق الاخبار، ص ۲۳۔

۴۔ شہید انسانیت، ص ۶۲۵۔



# مختار آل محمد کے قاتلانِ امام سے انتقام لینے کا بیان

سطور بالا میں مجملہ بیان کیا جا چکا ہے کہ سلیمان بن صر و خزاعی کی قیادت میں تو ابین کی جو جماعت قاتلانِ امام سے انتقام لینے کے لیے کھڑی ہوئی تھی وہ کس طرح اور کن وجوہ سے اپنے مقصد میں ناکامی کا شکار ہوئی۔ جس کی سب سے نمایاں وجہ باوجود اپنی تعداد کے قلیل ہونے کے براہ راست بنی امیہ کی حکومت سے ٹکر لینا تھا۔ حالانکہ انفرادی طور پر عام قاتلانِ حسین کوفہ میں ہی تھے۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاتبانِ قضاء قدر نے اس مہم کو سر کرنے کے لیے مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کو منتخب کیا تھا۔ سچ ہے ۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست  
تاناہ بخشد خدائے بخشنده

## مختار کے حسب و نسب کا مختصر تعارف

اصل مقصد میں وارد ہونے سے پہلے مختار کے حسب و نسب اور نام و کام کا مختصر سا تعارف کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مختار بن ابی عبیدہ قبیلہ ثقیف کے ایک ممتاز فرد ہیں۔ جو عرب کے شریف قبائل میں سے تھا۔ اور اصل میں طائف کے باشندہ تھے۔ بعد ازاں کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ ان کا شمار کوفہ کے روسا میں ہوتا تھا۔ ان کے والد ابو عبیدہ کا شمار جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کبار میں ہوتا تھا وہ کئی اسلامی غزوات میں دادرشجاعت دے چکے تھے۔ بدوہر خلیفہ ثانی ۳۱ھ کو اواخر ماہ شعبان میں عجمیوں سے جنگ کرتے ہوئے کام آئے۔

مختار کی ولادت ۱۱ھ میں بمقام طائف ہوئی۔ ان کی کنیت ابو اسحاق اور لقب کیسان ہے۔ والد کی شہادت کے وقت ان کی عمر تیرہ برس تھی۔ اور زندگی کی ۶۷ بہاریں دیکھنے کے بعد جاں بحق تسلیم ہوئے۔

## مختار کی مدح اور قدح میں روایات کا اختلاف

اگرچہ مختار آل محمد علیہم السلام کے ہمدرد و خیر خواہ ہونے میں مشہور تھے اور ہیں۔ مگر ان کے بارے میں جو اخبار و آثار ہم تک پہنچے ہیں۔ ان میں مختار کی مدح و قدح کے متعلق اس قدر شدید اختلاف ہے کہ غواص بحار اخبار آئمہ اطہار حضرت علامہ مجلسیؒ ایسے عالم خیر بھی سپر انداز ہو گئے ہیں۔ اور دونوں قسم کی روایات درج کرنے کے بعد

۱۔ فرسان السیما، ج ۲، ص ۱۹۸، ۱۹۹۔

۲۔ فرسان، ج ۲، ص ۱۹۸۔



کوئی حتمی فیصلہ کئے بغیر صاف صاف لکھ دیا ہے: ﴿و انا فی شانہ من المتوقفین و ان کان الاشہر بین اصحابنا انه من المشکورین﴾۔ میں ان کے بارے میں توقف کرنے والوں میں سے ہوں۔ اگرچہ ہمارے علماء میں مشہور یہی ہے کہ وہ مشکورین میں سے ہیں۔<sup>۱</sup> جہاں تک ہمارے ذاتی رجحان کا تعلق ہے ہمارا میلان ان کی مدح کی طرف ہے حقیقت تو یہ ہے کہ جب انتہائی مذمت والی روایات سے بھی بالآخر ان کا مخلص ہونا ہی ظاہر ہوتا ہے۔<sup>۲</sup> تو بعد ازیں سرے سے یہ بحث ہی قلیل الجہد کی معلوم ہوتی ہے۔ اتنا تو تاریخی شواہد سے معلوم ہے کہ انہوں نے قاتلانِ حسینؑ سے انتقام لے کر خاندانِ رسولؐ کو سرور و شاد کام کیا ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے، فرمایا: ﴿ما اکتحلت ہاشمیۃ ولا اختضبت ولا رؤی فی دارہا شمی دخان خمس سنین حتی قتل عبید اللہ بن زیاد﴾ جب تک عبید اللہ بن زیاد قتل نہیں ہوا۔ اس وقت تک خاندانِ بنی ہاشم کی کسی عورت نے نہ آنکھوں میں سرمہ لگایا اور نہ خضاب لگایا۔ اور نہ ہی کسی ہاشمی کے گھر انے سے پانچ سال تک دھواں اٹھتا دیکھا گیا۔<sup>۳</sup> ایسا ہی جناب فاطمہ بنت علیؑ سے منقول ہے، فرمایا: ﴿ما تحنات امرأۃ منا ولا اجالت فی عینہا مرودا ولا امتشطت حتی بعث المختار ہرأس عبید اللہ بن زیاد﴾ جب تک مختار نے عبید اللہ بن زیاد کا سر نہیں بھیجا۔ اس وقت تک ہماری کسی عورت نے نہ مہندی لگائی۔ نہ آنکھوں میں سرمہ لگایا۔ اور نہ بالوں میں کنگلی کی۔<sup>۴</sup> اسی طرح بعض موارد پر آئمہ اطہار علیہم السلام کا ان کے حق میں دعائے خیر کرنا بھی وارد ہے۔<sup>۵</sup> اور یہی امر مختار کی فلاح کے لیے کافی ہے اور بعید نہیں کہ جو غلط باتیں ان کی طرف منسوب ہیں ان میں حکومت بنی امیہ اور حکومت ابن زبیر کے پروپیگنڈے کا دخل ہو۔ کیونکہ مختار بیک وقت دونوں حکومتوں کے عتاب کا شکار تھے۔ واللہ العالم

### خروجِ مسلمؑ کے وقت مختار کوفہ سے باہر تھے

جن لوگوں نے کوفہ سے حضرت امام حسینؑ کو بلا دے کے خطوط لکھے تھے اگرچہ ان میں مختار کا کہیں نام نہیں ملتا لیکن کوفہ پہنچ کر امامؑ کے سفیر خاص جناب مسلم بن عقیل نے پہلے مختار کے گھر ہی قیام کیا تھا۔ جیسا کہ اپنے مقام پر بیان کیا جا چکا ہے۔ اس سے بھی مختار کے ہمدرد اہل بیت ہونے پر تیز روشنی پڑتی ہے۔ ہاں بعد ازاں ابن زیاد کی آمد سے جب حالات دگرگوں ہوئے اور اس وقت مختار کوفہ سے باہر اپنی ملکیتی بستی میں گئے ہوئے تھے (جس کا نام لفتھا تھا)<sup>۶</sup> جہاں ان کی جائداد اور باغات تھے۔ تب جناب مسلمؑ ہائی کے گھر منتقل ہو گئے۔ اور چونکہ جناب مسلمؑ کا

۱۔ عاشر بحار، ص ۲۸۰۔

۲۔ عاشر بحار، ص ۲۸۰۔

۳۔ اصدق الاخبار، ص ۷۱۔

۴۔ عاشر بحار، ج ۱۰، ص ۲۸۱۔

۵۔ فرسان البیضاء، ج ۲، ص ۲۰۳۔

۶۔ اصدق، ص ۷۱، فرسان، ج ۲، ص ۲۳۰۔

۷۔ اصدق، ص ۲۵۔



خروج جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ جناب ہانی کی گرفتاری کے واقعہ کی وجہ سے اچانک اور قبل از وقت تھا۔ اس لیے مختار ان کے ساتھ شامل نہ ہو سکے۔ ہاں جب ان کو ان کے خروج کی اطلاع ملی تو اپنی قوم و قبیلہ اور اپنے غلاموں کی ایک جمعیت کے ساتھ رات کے وقت کوفہ پہنچے۔ مگر اس وقت جناب مسلم روپوش ہو چکے تھے۔ اور ابن زیاد کے حکم سے عمرو بن حریث نے امان کا جھنڈا بلند کر رکھا تھا۔ کہ جو اس کے نیچے آجائے اسے امان مل جائے گی۔ چنانچہ بعض لوگوں کے مشورہ سے مختار اسی جھنڈے کے نیچے چلے گئے۔ اور صبح تک وہیں رہے۔<sup>۱</sup>

### مختار۔ زندان ابن زیاد میں

مگر چونکہ حاکم وقت کو مختار کی طرف سے کافی شکوک و شبہات تھے۔ لہذا انہیں امان نہ مل سکی۔ اس لیے انہیں صبح زندان میں بھیج دیا گیا۔ بلکہ ابن زیاد نے چھڑی کے ساتھ ان کے منہ پر کچھ ضربیں بھی لگائیں جس سے ان کی ایک آنکھ کو کچھ نقصان بھی پہنچا۔<sup>۲</sup> اسی قید میں جناب میثم تمار بھی قید تھے۔ انہوں نے مختار کو بشارت دی کہ ہم عنقریب قید سے آزاد ہو جائیں گے۔ اور یہ مردود ابن زیاد تمہارے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہنچے گا۔ مختار نے دریافت کیا تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی ہے۔ میثم نے کہا۔ میں نے حضرت امیر سے سنی ہے۔<sup>۳</sup> پھر مختار شہادت حسینؑ تک مسلسل ابن زیاد کے زندان میں رہے۔

بعد ازاں مختار نے تمام صورت حال لکھ کر عبداللہ بن عمر کو بھیجی۔ اور ان سے اپنی رہائی کے لیے یزید کے پاس سفارش کی استدعا کی۔ چونکہ مختار کی بہن صفیہ عبداللہ کے گھر تھی۔ جب اسے اپنے بھائی کی قید و بند کی اطلاع ملی تو اس نے باصرار عبداللہ کو سفارش کرنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے یزید کے نام سفارشی خط لکھا۔ ادھر یزید بھی ایسے سربرآوردہ لوگوں کی (بالخصوص شہادت امامؑ کے بعد) دل شکنی کرنا خلاف مصلحت سمجھتا تھا اور اب تو چونکہ عبداللہ نے اس کی بیعت بھی کر لی تھی۔ اس لیے بھی اسے اس کی خاطر داری ملحوظ تھی۔ چنانچہ یزید نے ابن زیاد کو تائیدی حکم نامہ بھیجا کہ یہ میرا مکتوب دیکھتے ہی مختار کو آزاد کر دو۔ چنانچہ ابن زیاد نے مختار کو بلا کر آزاد کر دیا۔ مگر یہ شرط کر لی کہ تین دن کے اندر اندر کوفہ سے نکل جاؤ ورنہ حکومت تمہارے خون کی ذمہ دار نہ ہوگی۔<sup>۴</sup> کہا جاتا ہے کہ یہ تمام رسل و رسائل کے لیے جانے اور لے آنے کا کام کوفہ کے ایک معلم عمیر بن عامر نامی شخص نے انجام دیا۔<sup>۵</sup> ان تفصیلات کو بوجہ ان

۱۔ اصدق، ج ۲۵، فرسان، ج ۲، ص ۲۰۴۔

۲۔ اصدق، ج ۲۶، فرسان، ج ۲، ص ۲۰۵۔ کامل، ج ۳، ص ۳۳۷۔

۳۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۰۵۔ اصدق، ج ۲۶۔

۴۔ اصدق، ج ۲۷، طبری، ج ۷، ص ۵۹۔ تقام، ص ۶۰۲۔ کامل، ج ۳، ص ۳۳۷۔

۵۔ اخذ الثار ابی مخنف۔



کے ناقابل اعتماد ہونے کے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

### مختار رہائی کے بعد حجاز میں

چنانچہ رہائی کے تیسرے روز بعد مختار حجاز روانہ ہو گئے۔ وہاں عبداللہ بن زبیر نے امام حسینؑ کے خون ناحق کے انتقام کا بہانہ کر کے لوگوں سے اپنی بیعت لینے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ مختار نے چند ایسے شرائط کے ساتھ اس کی بیعت کرنے پر اپنی آمادگی ظاہر کی جن کی بنا پر وہ ابن زبیر کی کامیابی کے بعد قاتلانِ امامؑ سے انتقام لے سکتے۔ مگر ابن زبیر نے وہ شرائط قبول نہ کیں اس لیے مختار اس کے ہاں سے چلے گئے اور سال بھر طائف میں رہے۔<sup>۱</sup> ایک سال کے بعد ابن زبیر نے لوگوں سے دریافت کیا کہ مختار کہاں ہیں؟ اسے بتایا گیا کہ طائف میں ہیں۔<sup>۲</sup> مختار دوبارہ مکہ پہنچے (بعید نہیں کہ ابن زبیر کے بلانے سے آئے ہوں) اور انہی شرائط پر جو پہلے ابن زبیر نے مسترد کر دی تھیں بیعت کر لی اور برابر پانچ ماہ اور کچھ دن ابن زبیر کے ہمراہ مکہ میں قیام کیا۔<sup>۳</sup> اسی دوران میں اہل مدینہ کے بیعت یزید توڑنے اور یزید کے ان کی سرکوبی کے لیے مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں لشکر جرار بھیجنے اور اس کے مدینہ رسول میں تباہی مچانے کا المیہ پیش آیا۔ جو واقعہ حرہ کے نام سے مشہور ہے اہل مدینہ کی سرکوبی کے بعد مسلم اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ابن زبیر کے ساتھ بننے کے لیے مکہ روانہ ہوا۔ مگر چونکہ اس ملعون کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اس لیے راستہ میں ہی واصل جہنم ہو گیا اب اس کی نیابت میں حصین بن نمیر نے قیادت سنبھالی اور مکہ مکرمہ میں پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ چونکہ ابن زبیر خانہ کعبہ میں پناہ گزین تھا اس لیے خانہ خدا پر آگ برسائی گئی۔ اس جنگ میں مختار ابن زبیر کی طرف سے شریک تھے۔ اور تنہا کچھ اس طرح دادِ شجاعت دی کہ شامیوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اور بالآخر ان کو پسپا ہونا پڑا۔<sup>۴</sup> اسی اثناء میں حصین کو مرگ یزید کی اطلاع ملی۔ اور وہ محاصرہ اٹھا کر مدینہ سے ہوتا ہوا اور بنی اُمیہ مثل مروان وغیرہ کو ہمراہ لیتا ہوا واپس شام چلا گیا۔<sup>۵</sup> مرگ یزید کے بعد کچھ وقت کے لیے ابن زبیر کے حق میں فضا ساز گار ہو گئی۔ چنانچہ حجاز اور عراق وغیرہ کے اکثر لوگوں نے اس کی بیعت کر لی۔ جوں جوں ابن زبیر کی ظاہری طاقت بڑھتی گئی اس نے انتقامِ امامؑ کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا اور اپنی تمام توجہ اپنی سلطنت کے مضبوط کرنے پر صرف کرنے لگا۔ مختار اس سے دل برداشتہ ہو گئے۔<sup>۶</sup> اسی اثناء میں کوفہ کا ایک باشندہ ہانی بن ابی حنیہ الوداعی بغرضِ عمرہ ماہ

۱۔ تفصیل کے لیے فرسان، ج ۲، ص ۲۱۱ ملاحظہ ہو۔  
 ۲۔ اصدق، ص ۲۷۔  
 ۳۔ اصدق، ص ۱۷۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۱۲۔  
 ۴۔ طبری، ج ۷، ص ۶۳۔  
 ۵۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۱۲۔  
 ۶۔ اصدق، ص ۷۔



رمضان میں وارد مکہ ہوا۔ مختار نے اس سے اہل کوفہ کی موجود حالت دریافت کی۔ اس نے بتایا کہ اگرچہ اکثر لوگوں نے ابن زبیر کی بیعت کر لی ہے مگر اب بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے تا حال کسی کی بیعت نہیں کی۔ اگر ان کو کوئی صحیح قائل جائے تو وہ ان کے ذریعہ عراق و حجاز وغیرہ پر حکومت کر سکتا ہے۔ یہ سن کر مختار نے کہا وہ شخص میں ہی ہوں گا۔ جو ان سب کو ایک جھنڈے تلے جمع کرے گا اور ان کے ذریعہ حق کا بولا کر کے باطل کا سرنگوں کرے گا۔<sup>۱</sup>

اس کے بعد مختار نے ابن زبیر کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہتے ہوئے کوفہ کی راہ لی اور بڑی سرعت کے ساتھ منازل سفر طے کرتے ہوئے بروز جمعہ کوفہ کے قریب نہر حیرہ پہنچے۔ وہاں گھوڑے سے اترے۔ غسل کیا۔ تیل لگایا۔ سر پر عمامہ باندھا۔ اور لباس فاخرہ زیب تن کیا۔ نگلی تلوار ہاتھ میں لی اور گھوڑے پر سوار بڑے ٹھاٹھ ہاتھ کے ساتھ یہ کہتے ہوئے کوفہ میں داخل ہوئے۔ ﴿فَوَالَّذِي أَنْزَلَ الْقُرْآنَ وَ شَرَعَ الْأَدْيَانَ لَا قَتْلَ مَنْ أَزْدَ وَ عَمَانَ وَ نَهْدَ وَ خَوْلَانَ غَضَبًا لَا بِنَ بِنْتِ نَبِيِّ الرَّحْمَنِ﴾<sup>۲</sup> جس جماعت اور گروہ کے پاس سے گذرتے سلام کرنے کے بعد برابر یہی کہتے جاتے: ﴿ابْشُرُوا مَا النَّصْرَ وَ الْفَلَاحَ مَا تَحْبُونَ﴾<sup>۳</sup> تمہیں فتح و ظفر کی بشارت ہو۔ تم جو کچھ چاہتے تھے وہ تمہارے پاس پہنچ گیا۔<sup>۴</sup> اس وقت کوفہ کی داخلی حالت یہ تھی کہ اہل کوفہ نے عمرو بن حریث کو جو ابن زیاد کا نائب تھا نکال دیا تھا اور اس کی جگہ ابن زبیر نے عبداللہ بن یزید <sup>لکھنوی</sup> الانصاری کو کوفہ کا گورنر بنا دیا تھا جو برابر ابن زبیر کے لیے لوگوں سے بیعت لے رہا تھا اور سلیمان بن صرد خزاعی اپنی جماعت کے ساتھ امام کے خون ناحق کا انتقام لینے کے لیے حکومت شام سے ٹکر لینے کی سرگرمیوں میں مشغول تھے۔

### مختار دوبارہ زندان کوفہ میں

ان حالات میں جب مختار کوفہ میں پہنچے اور اہل کوفہ کو ان کے عزائم کا علم ہوا۔ تو قاتلان امام کو اپنا اندیشہ لاحق ہوا۔ چنانچہ عمر بن سعد۔ ثبوت بن ربیع۔ یزید بن حارث وغیرہ نے حاکم کوفہ کے کان بھرنے شروع کیے کہ سلیمان بن صرد تو تمہارے دشمن سے ٹکر لینا چاہتے ہیں۔ لیکن مختار کا مقابلہ براہ راست تمہاری حکومت سے ہے۔ اس لیے ان کا معاملہ بہت خطرناک ہے۔ مصلحت یہ ہے کہ اسے قید کر دیا جائے۔ حاکم ان کی چکنی چڑی باتوں میں آ گیا اور اس نے اچانک مختار کو پکڑ کر زندان میں بھیج دیا۔<sup>۵</sup> راویان اخبار کا بیان ہے کہ مختار جن دنوں قید خانہ میں تھے وہاں بھی برابر یہ کہا کرتے تھے:

﴿إِنَّمَا وَ رَبُّ الْبَحَارِ وَ النَّخِيلِ وَ الْأَشْجَارِ وَ الْمَهَامَةِ وَ الْقَفَارِ وَ الْمَلَانِكَةِ الْأَبْرَارِ وَ

۲ فرسان، ج ۲، ص ۲۱۲، کمل، ج ۳، ص ۳۲۸۔

۱ فرسان، ج ۲، ص ۲۱۲، اصدق، ص ۲۷۔

۳ اصدق، ص ۲۸، طبری، ج ۷، ص ۶۵۔

۴ فرسان، ج ۲، ص ۲۱۳، کمل، ج ۳، ص ۳۲۸، اصدق، ص ۲۸۔



المصطفین الاخیار ولا قتلن کل جبار بکل للن خطار و مہند بتار بجموع الانصار لیسوا بمیل اغمار ولا بعزل اشرار حتی اقامت عمود الدین و زایلہ شعب صدع المسلمین و شفیت علیہ صدور المؤمنین و ادرکت نار النبین لم یکبر علی زوال الدنیا ولم احفل بالموت اذا اتی ﴿﴾  
خلاصہ مطلب یہ ہے کہ مجھے سمندروں، درختوں، صحراؤں، فرشتوں اور برگزیدگانِ انصار کے پروردگار کی قسم میں ان انصار و اعوان کی جماعتوں کے ساتھ جو نہ ڈر پوک ہیں اور نہ ہی شریر۔ بذریعہ شمشیر و سنان ہر جبار و سرکش کو ضرور قتل کروں گا۔ اور جب میں نے دین کا ستون کھڑا کر دیا۔ مسلمانوں کے رخنہ کو دور کر دیا۔ مومنین کے دلوں کو شفا دے دی۔ اور (خاندان) انبیاء کا انتقام لے لیا تو پھر مجھے کوئی پروا نہیں کہ میری سلطنت زائل ہو جائے اور مجھے موت آجائے۔<sup>۱</sup>

اسی اثناء میں سلیمان بن صرد خزاعی کی جماعت تو ابین کے چند بچے کچے آدمی رفاعہ بن شداد کی ہمراہی میں کوفہ واپس پہنچ گئے۔ مختار نے زندان سے ہی ان کے نام ہمدردی کا ایک مکتوب بھیجا۔ اس کے جواب میں انہوں نے مختار کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انہیں اپنے ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔ اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم زبردستی آکر آپ کو زندان سے نکال دیں۔ مختار ان کے اس ہمت افزا جواب سے بہت خوش ہوا۔ اور جواب میں کہلا بھیجا اس بات کی ضرورت نہیں ”تم مطمئن رہو۔ میں عن قریب رہا ہو جاؤں گا۔“<sup>۲</sup>

**مختار کی قید سے رہائی**

اس کے بعد مختار نے اپنے غلام کو ایک خط دے کر مدینہ میں اپنے بہنوئی عبداللہ بن عمر کے پاس بھیجا اور اس سے استدعا کی کہ چونکہ مجھے بلا وجہ دوبارہ قید کر دیا گیا ہے اس لیے آپ عبداللہ بن یزید انصاری حاکم کوفہ کے نام سفارشی خط لکھیں۔ اُمید ہے کہ اس طرح میں رہائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ چنانچہ عبداللہ نے فوراً حاکم کوفہ کو مختار کے ساتھ اپنی رشتہ داری کا تذکرہ کرتے ہوئے پرزور الفاظ میں سفارش کی کہ جلد از جلد انہیں رہا کر دیا جائے۔ حاکم کوفہ کے پاس یہ سفارش نامہ پہنچا تو اس نے مختار سے خروج نہ کرنے کے متعلق بہت کچھ عہد و پیمان۔ بلکہ اشراف کوفہ سے دس کفیل لینے کے بعد رہائی کے احکام صادر کیے۔<sup>۳</sup> مختار جب کہ ابھی زندان میں تھے ان کی بیعت کا سلسلہ تو اسی وقت شروع ہو گیا مگر رہائی کے بعد تو اس سلسلہ نے مزید شدت اختیار کر لی اور اکابر و اشراف کوفہ برابر

۱۔ اصدق الاخبار، ص ۲۸۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۱۶۔ کابل، ج ۳، ص ۳۲۹۔

۲۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۱۵۔ اصدق، ص ۲۸۔ کابل، ج ۳، ص ۳۵۶۔

۳۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۱۵۔ اصدق، ص ۲۹۔



مختار کے گھر آنے جانے اور ان کی بیعت میں داخل ہونے لگے۔ اور روز بروز ان کی طاقت بڑھنے لگی۔

### عبداللہ بن یزید کی بجائے عبداللہ بن مطیع کا تقرر

عبداللہ بن زبیر نے عبداللہ بن یزید گورنر کوفہ و ابراہیم بن محمد امیر خراج کی اس نرم روی یا کمزوری سے متاثر ہو کر ان کو معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن مطیع کو نیا گورنر مقرر کیا۔<sup>۱</sup> جو کہ پچیس ماہ رمضان کو کوفہ پہنچا۔<sup>۲</sup>

ابراہیم بن مالک اشتر کی شمولیت

یہ درست ہے کہ مختار کے اعوان و انصار کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اور بڑے بڑے ممتاز افراد اس تحریک میں شامل ہو رہے تھے۔ مگر مختار چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح ابراہیم بن مالک اشتر کو اپنے جماعت میں شامل کرے جو اپنے عظیم باپ کی طرح بہت بہادر و دلیر اور ایک دلاویز و ممتاز شخصیت کا مالک تھا۔ چنانچہ بڑے لطائف انجیل کے ساتھ مختار انہیں اپنی اس تحریک میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔<sup>۳</sup> اور اب برابر طرفین سے باہمی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہو گیا اور ان کی شمولیت کی وجہ سے اس تحریک میں بہت وزن پیدا ہو گیا۔ جو عجمی لوگ کوفہ میں مقیم تھے۔ بوجہ محبت اہل بیت وہ بھی بہت جلد اس مقدس تحریک میں شامل ہو گئے۔ جن کی تعداد بیس ہزار سے بھی متجاوز تھی۔<sup>۴</sup>

جب عبداللہ بن مطیع کو مختار کی خفیہ سرگرمیوں کی اطلاع ملی تو اس نے ایک جمعیت کو بھیجا کہ مختار کو دربار میں لائیں۔ چنانچہ مختار جانے پر تیار ہو گئے مگر جب ابن مطیع کے ہی بعض آدمیوں کے اشارہ سے صورت حال کی نزاکت کا احساس ہوا تو مرض کا بہانہ کر کے حاضر ہونے سے معذرت طلب کی۔<sup>۵</sup> اس طرح اس متوقع آفت سے بال بال بچ گئے۔ جماعت تو اہلین کے برعکس مختار کا خیال یہ تھا کہ انفرادی طور پر چونکہ قاتلان حسین کا مرکز کوفہ ہے اس لیے ان سے یہیں نبھنا چاہیے۔

### عملی اقدام کا ہنگام

بہر حال مختار نے جب فضا سازگار کر لی تو شب پنج شنبہ پندرہ و سولہ ربیع الاول ۶۶ھ کی درمیانی شب عملی اقدام کرنے کے لیے تجویز کی۔ جس مکان میں مختار کی رہائش تھی۔ اس کے ارد گرد والے مکانوں میں اپنے بکثرت آدمی جمع کر رکھے تھے لیکن پروگرام سے ایک رات پہلے ایک خاص سبب سے اقدام کرنا پڑ گیا۔ ہوا یوں کہ عبداللہ بن

۱ کابل، ج ۳، ص ۳۵۷۔

۲ فرسان، ج ۲، ص ۲۱۶۔

۳ طبری، ج ۷، ص ۹۵۔ اصدق، ص ۳۰۔

۴ اصدق، ص ۳۳۔ کابل، ج ۲، ص ۳۵۸، ۳۵۹۔

۵ فرسان، ج ۲، ص ۲۱۶۔ کابل، ج ۳، ص ۳۵۷۔



مطیع (حاکم کوفہ) کو اس کی خفیہ پولیس کے سربراہ ایاس بن مضارب نے اطلاع دی کہ انہی دو راتوں میں مختار خروج کرنے والے ہیں۔ لہذا ان مطیع کے حکم سے کوفہ کے تمام بڑے بڑے شارع عاموں کی ناکہ بندی کر دی گئی۔ اور ہر چوک میں فوج کے دستے متعین کر دیئے گئے۔ شب چہار شنبہ ۱۷ ربیع الاول کو ابراہیم بن الاشتر حسب معمول نماز مغرب کے بعد مختار کے پاس آنا چاہتے تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ ابن مطیع نے ناکہ بندی کر دی ہے اور شہر کے سب بڑے بڑے شارع عاموں پر فوج کی بھاری جمعیت مقرر کر دی ہے۔ چنانچہ ابراہیم نے اپنے جنگ آزمودہ سو آدمی ہمرا لیے اور ان کو اسلحہ جنگ سے مسلح کر کے اوپر سے عادی کپڑے پہنا دیئے۔ جب وہ اس حال میں روانہ ہوئے تو باب الفیل سے آگے بڑھے ہی تھے کہ راستہ میں ایاس بن مضارب سے ٹڈ بھٹک ہو گئی جو اپنی پولیس کے ہمراہ وہاں موجود تھا۔

مختصر سوال و جواب کے بعد ایاس نے ابراہیم کو گرفتار کر کے حاکم وقت کے پاس لے جانا چاہا اور ابراہیم نے اسے راستہ چھوڑنے کے لیے کہا مگر جب اس نے راستہ چھوڑنے سے انکار کیا تو ابراہیم نے اچانک بڑے زور سے نیزہ اس کے حلقوم میں پیوست کر دیا جس سے وہ زمین پر گر گیا۔ ابراہیم نے اپنے ایک ہمراہی کو حکم دیا کہ اس کا سر قلم کر لو۔ چنانچہ اس نے بڑھ کر اس کا سر قلم کر لیا۔ یہ ماجرا دیکھ کر ایاس کے آدمی بھاگ نکلے۔ اور ابراہیم ظفریاب ہو کر مختار کے پاس پہنچ گئے۔<sup>۱</sup> اور صورت حال کی اطلاع دیتے ہوئے کہا کہ اگرچہ عملی اقدام کے لیے آنے والی رات تجویز ہوئی تھی مگر تازہ صورت حال کے پیش نظر اسی رات اقدام کر دینا چاہیے۔ مختار ابراہیم کی اس کامیابی کو نیک فال سمجھتے ہوئے خوش ہوئے۔ اور سعید بن مسعود کو حکم دیا کہ سرکلوں (کانوں) کو آگ لگا کر بند کرو۔ اور قدامہ بن مالک و سفیان بن یعلیٰ کو حکم دیا کہ تم اپنا علامتی نعرہ ”یا لشارات الحسین“ بلند کرو اور عبد اللہ بن شداد کو دوسرا علامتی نعرہ ”یا منصور امت“ کی منادی کرانے کا حکم دیا۔ پھر خود اسلحہ جنگ سے مسلح ہو کر آمادہ جنگ ہو گئے۔<sup>۲</sup> اور صبح ہونے سے پہلے پہلے ان کے پاس قریباً چار ہزار آدمی جمع ہو چکے تھے۔<sup>۳</sup> رات بھر کچھ نہ کچھ زد و خورد کا سلسلہ جاری رہا۔ ادھر ابراہیم جو اس رات مختار سے اجازت لے کر نواحی کوفہ سے اپنے ہم خیال لوگوں کو ہمراہ لینے کے لیے گئے تھے۔ وہ بھی راستہ میں مار دھاڑ کرتے ہوئے اور جاتے آتے راستہ کی رکاوٹیں دور کرتے ہوئے سالما غانما واپس مختار کے پاس پہنچ گئے۔ نماز صبح سے قبل ہی مختار کوفہ سے باہر لشکر کی ترتیب سے فارغ ہو چکے تھے۔ ادھر عبد اللہ بن مطیع نے بھی حجار بن ابجر اور شبث بن ربعی وغیرہ کی سرکردگی میں لشکر کثیر مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ گھمسان کارن پڑا۔ مختار و ابراہیم اور ان



کے ہمراہیوں نے محیر العقول طور پر داد شجاعت دی اور مخالف کو شکست فاش دی۔ بالآخر عبداللہ بن مطیع قصر الامارہ میں جا کر پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ ادھر مختار نے جا کر دار الامارہ کا محاصرہ کر لیا۔ کئی روز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر ابن مطیع نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے راتوں رات وہاں سے نکل کر ابو موسیٰ کے گھر جا کر پناہ لی اور اس کے ساتھیوں نے دروازہ کھول دیا۔ ان لوگوں نے ابراہیم سے امان کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی چنانچہ ان لوگوں نے باہر نکل کر مختار کی بیعت کی۔ مختار دار الامارہ میں داخل ہوئے۔ رات دار الامارہ میں ہی گزاری۔ نماز صبح جامع مسجد میں پڑھائی۔ خطبہ کے بعد عام بیعت کا سلسلہ شروع ہوا جو کتاب خدا، سنت رسولؐ، انتقام خون اہل بیتؑ، حمایت مظلوم اور رد ظالم پر لی گئی۔ اس کے بعد بیت المال کا دروازہ کھولا گیا۔ اس میں کل نو ہزار درہم ملے جو مختار نے سپاہیوں میں تقسیم کر دیئے اور جب مختار کو معلوم ہوا کہ ابن مطیع ابو موسیٰ کے گھر میں پنہاں ہے تو بوجہ قدیمی تعلقات اس کی طرف ایک ہزار درہم بھیج دیئے تاکہ اسے گھر جانے میں سہولت ہو۔ چنانچہ وہ یہ رقم لے کر چلا گیا۔

بعد ازاں مختار اپنی حکومت کے استحکام اور اس کے نظم و نسق کو بحال کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ ارمینیا، آذربائیجان، موصل، مدائن، حلوان، رائے، ہمدان اور اصفہان میں اپنے عمال و حکام مقرر کئے۔ اس طرح شام و حجاز اور مصر و بصرہ کے علاوہ دیگر تمام اسلامی علاقہ مختار کے زیر نگیں آ گیا۔<sup>۱</sup> مختار نے پولیس کا سربراہ عبداللہ بن کامل شاکری اور محافظ فوج کا سربراہ کیسان ابو عمرہ کو مقرر کیا۔<sup>۲</sup>

جیسا کہ جماعت تو ابین کے تذکرہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ مروان نے تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد ابن زیاد کو لشکر جرار دے کر جزیرہ میں بعض لوگوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا تھا اور اسے حکم دیا تھا کہ وہاں سے فارغ ہو کر اہل کوفہ کو ان کی مخالفت کا ذائقہ چکھائے مگر اسے کوفہ پہنچنے کی نوبت نہ مل سکی۔ سب سے پہلے اسے سلیمان بن صرد خزاعی کی جماعت کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑا۔ اس اثنا میں مروان مر گیا۔ عبدالملک مسند اقتدار پر بیٹھا۔ اس نے بھی ابن زیاد کو اس کے عہدہ پر بحال رکھا۔ جب ابن زیاد جماعت تو ابین کے مقابلہ سے فارغ ہوا تو پھر اہل جزیرہ یعنی زفر بن الحارث کلابی اور اس کے ساتھ جو قبیلہ قیس غیلان تھا جو کہ ابن زبیر کی اطاعت میں تھے ان سے ٹھن گئی۔ قریباً سال تک ان سے جنگ و جدال کا سلسلہ جاری رہا۔

۱۔ اصدق، ج ۳۳۔ کامل، ج ۳، ص ۳۶۳۔

۲۔ اصدق الاخبار، ج ۳۳۔ کامل، ج ۳، ص ۳۶۳ وغیرہ۔

۳۔ اصدق، ج ۳۳۔ کامل، ج ۳، ص ۳۶۳۔



## موصل میں مختار کے لشکر کا ابن زیاد کے لشکر سے مقابلہ اور کامیابی

بہر حال جب ابن زیاد ایک سال تک لڑنے کے باوجود اہل جزیرہ پر فتح حاصل نہ کر سکا تو اب اس نے جنگ آ کر ان کا مقابلہ ترک کر کے موصل کا رخ کیا جو کہ مختار کے قبضہ میں تھا۔ جب موصل کے حاکم عبدالرحمن بن سعید کو ابن زیاد کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ اپنے اندر مقابلہ کی تاب و توانائی نہ پاتے ہوئے تکریت منتقل ہو گیا اور مختار کو صورت حال کی اطلاع دی۔ مختار نے اس کی کمک کے لیے یزید بن انس اسدی کو تین ہزار منتخب شاہسوار دے کر روانہ کیا۔ کوفہ سے باہر نکل کر ان کی مشایعت کی۔ ضروری ہدایات دے کر ان کو روانہ کیا اور بشرط ضرورت مزید کمک دینے کا وعدہ بھی کیا۔<sup>۱</sup> یزید منازل سفر طے کرتا ہوا موصل کی سرزمین میں داخل ہوا۔ جب ابن زیاد کو اس کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے اس کے مقابلہ کے لیے بایں ترتیب چھ ہزار کا لشکر بھیجا کہ تین ہزار ربیعہ غنوی کی سرکردگی میں اور تین ہزار عبداللہ بن جملہ شعمی کی ماتحتی میں۔ ربیعہ ایک دن پہلے روانہ ہوا۔ اور پہلے پہنچا۔ جب یزید بن انس کو اس کی آمد کی اطلاع ملی تو چونکہ وہ بیمار تھا اسے سپاہی گدھے پر سوار کر کے اور پکڑ کر میدان جنگ میں لائے۔ میدان میں پہنچ کر اپنے فوجیوں کو جنگ کی ترغیب و تحریص دلائی اور پھر وہیں ایک چارپائی پر لیٹ گیا۔ اور کہا اب تمہاری مرضی ہے کہ اپنے امیر کے حکم سے لڑو اور اس کی حفاظت کرو۔ یا اسی حالت میں اسے چھوڑ کر چلے جاؤ۔ جب مقابلہ شروع ہوا تو عراقی بڑے بے جگری سے لڑے۔ یہ نو ذی الحجہ بروز عرفہ ۶۶ھ کی صبح کا واقعہ ہے۔ چاشت تک جنگ کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اہل شام کو شکست فاش ہوئی۔ وہ میدان سے بھاگ نکلے اور سردار لشکر ربیعہ مارا گیا۔ جب شامی بھاگ کر واپس جا رہے تھے تو راستہ میں عبداللہ بن جملہ شعمی سے ملاقات ہوئی۔ جو تین ہزار کا تازہ دم لشکر لے کر آ رہا تھا وہ ان بھگوڑوں کو ہمراہ لے کر واپس پہنچا۔ شب عید گزرنے کے بعد بروز عید الاضحیٰ نماز صبح کے بعد پھر بڑا سخت رن پڑا جو نماز ظہر تک جاری رہا۔ فریقین نے نماز ظہر پڑھی اور پھر میدان کا رزار گرم ہو گیا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ اہل شام نے میدان سے فرار اختیار کیا۔ لشکر شام کا سردار عبداللہ مارا گیا۔ تین سو شامی قید کئے گئے جو بعد میں یزید بن انس کے حکم سے قتل کر دیئے گئے۔ اس کے بعد خود یزید بن انس کا بھی طبعی موت سے انتقال ہو گیا۔ ورقہ بن عازب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر ان کو اعزاز و احترام کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔<sup>۲</sup>

یزید بن انس نے اپنی موت سے پہلے ورقہ بن عازب کو اپنا نائب نامزد کر دیا تھا۔ ورقہ کو اطلاع ملی کہ ابن زیاد اسی ہزار کا لشکر جرار لے کر اس طرف کا رخ کر رہا ہے۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ ہم اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ بہتر یہ ہے کہ واپس چلیں۔ دشمن یہی سمجھے گا کہ ہم اپنے سردار کی موت کی وجہ سے واپس جا



رہے ہیں۔ نہ اس سے ڈر کر۔ ہمراہیوں نے بھی اس کی اس رائے سے اتفاق کیا۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے۔ جب مختار کو تازہ صورت حال کی اطلاع ملی تو انہوں نے ابراہیم بن مالک اشتر کو ایک لشکر جرار دے کر ابن زیاد کے مقابلے کے لیے روانہ کیا اور ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ جب راستہ میں کہیں یزید بن انس والا لشکر مل جائے تو تم اس کے بھی سردار ہو کر ان کو بھی اپنی فوج میں شامل کر لینا۔<sup>۱</sup>

### کوفہ کے بعض شریکین کی شورش

قاتلانِ امام میں سے جو سربراہ اور وہ لوگ کوفہ میں تھے وہ مختار سے خائف و ترساں تو تھے ہی۔ چنانچہ شبث بن ربعی، محمد بن اشعث اور شمر وغیرہ نے جب دیکھا کہ اس وقت مختار کے پاس بالکل تھوڑا سا لشکر ہے تو انہوں نے بغاوت کر دی۔ لشکر مختار نے دفع الوقتی کے طور پر معمولی مقابلہ جاری رکھا اور کسی معتمد آدمی کے ذریعہ ابراہیم کو صورت حال کی اطلاع دیتے ہوئے پیغام بھیجا کہ فوراً اپنے لشکر سمیت کوفہ پہنچو۔ اس وقت ابراہیم مقام حمام العین سے روانہ ہو کر مقام ساباط میں پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ جب ابراہیم کو اس نازک صورت حال کی اطلاع ملی تو وہ لشکر لے کر اچانک صاعقہ شرر بار کی طرح اہل کوفہ پر آگرا اور جو لوگ مختار سے برسرِ پیکار تھے ان کو شکست فاش دے کر پانچ سو آدمی قید کر کے مختار کے پاس لایا۔ مختار نے حکم دیا کہ مجھے بتاتے جاؤ کہ ان میں سے کون کون سے لوگ قتلِ امام میں شریک تھے؟ ان کے علاوہ باقی کو چھوڑ دو۔ چنانچہ ان میں سے دو سو اڑتالیس آدمی تہ تیغ کر دیئے گئے اور دوسروں کو کسی قسم کی شورش اور ہنگامہ آرائی نہ کرنے کا عہد و پیمان لے کر چھوڑ دیا۔<sup>۲</sup>

### تکمیل مقصد کا ہنگام آ گیا

اب قدرتِ قاتلانِ امام کو مزید ڈھیل نہیں دینا چاہتی تھی۔ ان کو ان کے کیفرِ کردار تک پہنچانے کا وقت آ گیا تھا۔ مختار نے اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے گا اسے امان ہے سوائے ان لوگوں کے جو قتلِ امام میں شریک ہو چکے ہیں۔<sup>۳</sup>

### قاتلانِ حسینؑ کے گھروں کا ڈھایا جانا

بعد ازاں مختار نے پولیس کے افسر اعلیٰ ابو عمرہ کو حکم دیا کہ ایک ہزار بیٹے دار مزدور ہمراہ لے کر کوفہ میں گشت کرو اور جن جن لوگوں نے امام حسینؑ کے خلاف جنگ میں شرکت کی ہے ان کے مکانات مسمار کر دو۔ چنانچہ ابو عمرہ نے ایسا ہی کیا اور بہت سے لوگوں کے مکانات منہدم کروادیئے اور ان کے اموال اپنے اہلِ عجم لشکریوں میں تقسیم کرا دیئے۔



دیئے۔ اور اس اثنا میں سے قاتلین حسینؑ میں سے جو شخص گھر میں ملا سے فوراً واصل جہنم کر دیا۔<sup>۱</sup>

### سید الشہداءؑ کی لاش مقدس پامال کرنے والوں کا قتل کرنا

قاتلین سید الشہداءؑ میں سے جنہیں مختار نے سب سے پہلے قتل کیا وہ دس نفر تھے جنہوں نے بعد از شہادت جناب سید الشہداءؑ کے بدن مقدس پر گھوڑے دوڑائے تھے۔ مختار نے ان کو پشتوں کے بل لٹا دیا۔ اور ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں لوہے کی میخیں گاڑ کر اوپر گھوڑے دوڑائے پھر ان کے نجس بدنوں کو نذر آتش کر دیا۔<sup>۲</sup>

### عمرو بن الحجاج زبیدی کا قتل

یہ وہی ملعون ہے جو نہر فرات پر متعین شدہ فوج کا افسر تھا۔ جس کی شدت گرفت کی وجہ سے ساقی حوض کوثر کا کنبہ دریائے فرات کے کنارے العطش العطش کرتے ہوئے شہید کر دیا گیا۔ اس ملعون کے قتل کی کیفیت میں قدرے اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ بجانب ”واقصہ“ روانہ ہوا۔ پھر معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں گیا؟ بعض نے کہا ہے کہ مختار کے آدمی اس کا تعاقب کرتے ہوئے اس کے پاس اس وقت پہنچے جب کہ وہ شدت پیاس سے نڈھال ہو کر گر پڑا تھا۔ انہوں نے اس کا سر قلم کر لیا اور لے جا کر مختار کے سامنے پیش کیا۔<sup>۳</sup> اور بعض نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس ملعون نے اندیشہ قتل کے ماتحت بصرہ کی طرف راہ فرار اختیار کی۔ راستہ میں اہل شراف کے ہاں پناہ گزین ہونا چاہا مگر ان لوگوں نے مختار کے خوف سے پناہ نہ دی۔ مایوس ہو کر چلا۔ اس کے چلے جانے کے بعد ان لوگوں نے اسے پناہ نہ دینے پر افسوس کیا۔ اور چند آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر ان کے پیچھے دوڑے کہ اسے واپس لائیں۔ جب عمرو نے ان کو اس طرح آتے دیکھا تو اس نے یہ خیال کیا کہ یہ مختار کے آدمی ہیں اس لیے بنی کلب و طئے کے شہروں کے درمیان بمقام بیضہ ریتلی جگہ پر عین شدت گرما کے وقت گھوڑا ڈال دیا۔ اور بالآخر پیاس کے غلبہ سے روح داروئے جہنم کے حوالہ کر دی اس طرح خدا نے اسے پیاسا ہلاک کیا۔ و لعذاب الآخرۃ اشد و ابقى۔<sup>۴</sup>

### خولی بن یزید اصبحی کا قتل

یہ وہی ملعون ہے جو کربلا سے سید الشہداءؑ کا سر اقدس کوفہ لایا تھا۔ اور رات اپنے گھر تنور میں یا بروایت طشت رخت شوئی کے نیچے رکھا تھا۔ جب اس کی زوجہ نوار (کامل، ج ۳، ص ۳۷۰ اور مقام، ص ۶۲۶ پر اس کا نام عیوف بنت مالک لکھا ہے) کو جو خاندان نبوتؐ سے محبت رکھتی تھی پتہ چلا تو اس نے اس شقی کو زبرد تو بیخ کرتے

۱۔ صدوق، ص ۵۰۔

۲۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۲۰۔ صدوق الاخبار، ص ۵۰۔

۳۔ صدوق، ص ۵۰۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۲۱۔

۴۔ کامل، ج ۳، ص ۳۶۸۔



ہوئے کہا کہ لوگ مال و زر لائے ہیں اور تم فرزند رسول کا سر لائے ہو؟ پھر عہد کیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ایک چھت کے نیچے جمع نہیں ہوں گی۔ بہر حال جب مختار کے آدمی اس کی طلب میں اس کے گھر پہنچے تو یہ بد بخت بیت الخلاء میں ایک ٹوکری کے نیچے چھپ گیا۔ جب ان آدمیوں نے ”نوار“ سے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے؟ تو اس نے زبان سے تو یہ کہا کہ مجھے معلوم نہیں مگر ہاتھ سے بیت الخلاء کی طرف اشارہ کر دیا۔ چنانچہ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ پھر مختار کے پاس لے جایا جا رہا تھا کہ راستہ میں مختار سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے حکم دیا کہ اسے اپنے گھر کے سامنے لے جا کر قتل کر دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس وقت مختار بھی موجود تھے۔ انہی کے حکم سے قتل کے بعد اس کی نجس لاش کو نذر آتش کیا گیا۔ اور اس وقت مختار نے وہاں سے اس وقت حرکت کی جب وہ جل کر خاکستر ہو گئی۔<sup>۱</sup> **حکیم بن طفیل کا قتل**۔

یہ وہی ملعون ہے جس نے جناب ابوالفضلؑ کی شہادت کے بعد ان کا لباس اتارا تھا اور جناب سید الشہداءؑ کو تیر مارا تھا۔ مختار نے عبداللہ بن کامل کو ایک جماعت کے ساتھ اس کی گرفتاری کے لیے بھیجا چنانچہ انہوں نے جا کر اسے گرفتار کر لیا۔ اس کی عورت عدی بن حاتم کے پاس چلی گئی تاکہ ان سے مختار کے پاس اپنے شوہر کی سفارش کی استدعا کرے۔ جب ابن کامل کو اس امر کی اطلاع ملی تو محض اس اندیشہ سے کہ مبادا عدی اس کی سفارش کریں اس نے راستہ ہی میں اس ملعون کا کام اس طرح تمام کر دیا کہ اس کے کپڑے اتروا کر اس پر اس قدر تیر برسائے کہ اس کا بدن چھلنی ہو گیا اور بالآخر اس طرح جہنم رسید ہوا۔<sup>۲</sup>

**مالک بن نسر (بسر) جہنی اور اس کے دو ساتھیوں کا قتل**

یہ وہی ملعون ہے جس نے روز عاشوراء جناب سید الشہداءؑ کے حق میں بعض نازیبا کلمات استعمال کئے تھے اور آپ کے فرق اقدس پر تلوار کا ایسا وار کیا تھا جس سے آنجناب کا سر شکافتہ ہو گیا اور جب آپ کی وہ ٹوپی جو آپ نے زیر عمامہ پہنی ہوئی تھی خون سے تر ہو گئی تھی تو جناب نے اتار کر پھینک دی تھی جسے یہ شقی اٹھا کر گھر لے گیا تھا۔ بہر حال مختار کو اطلاع دی گئی کہ یہ شقی عبداللہ بن اسید جہنی اور حمل بن مالک محارب (جو کہ جناب مظلوم کر بلا کے قتل میں شریک تھے) سمیت قادیسیہ میں قیام پذیر ہے مختار نے مالک بن عمرو نہدی کو جو کہ آپ کے اصحاب کبار میں سے تھا۔ ایک جماعت کے ساتھ ان کی گرفتاری کے لیے قادیسیہ بھیجا۔ چنانچہ وہ انہیں گرفتار کر کے عشاء کے وقت مختار کے پاس لائے! مختار نے ان سے کہا۔ اے خدا و رسول، کتاب اور اہل بیت رسول کے دشمنو! تمہیں شرم نہ آئی کہ ان لوگوں کو

۱۔ اصدق، ج ۵۱۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۲۲۔ کامل، ج ۳، ص ۳۷۰۔

۲۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۲۲۔ اصدق، ج ۵۱۔ کامل، ج ۳، ص ۳۷۱۔



شہید کیا جن پر نماز میں درود و سلام بھیجنے کا حکم ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا: ہم پر احسان کر کے چھوڑ دو کیونکہ ہمیں مجبور کر کے ان کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ مختار نے کہا: تم نے حسینؑ پر کیوں احسان نہ کیا تھا؟ پھر مالک بن نسر کو خطاب کر کے کہا: کیا تم وہی شخص ہو جس نے امام حسینؑ کے فرق اقدس پر تلوار ماری تھی۔ اور ان کی ٹوپی لے گیا تھا؟ بعض حاضرین نے کہا: ہاں ہاں یہ وہی ہے! پھر مختار نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا یہاں تک کہ وہ ملعون تڑپ تڑپ کر واصل جہنم ہو گیا اس کے بعد اس کے دوسرے دونوں ساتھیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔<sup>۱</sup>

### شمر بن ذی الجوشن کا قتل

جن لوگوں کی واقعات کر بلا پر نگاہ ہے ان کے لیے یہ منحوس نام کوئی اجنبی نہیں ہے یہ وہی ملعون ہے جس نے کند شمشیر کی بارہ ضربوں سے جو انان جنت کے سردار کا سرتن سے جدا کیا تھا اور یہی وہ شقی ازلی ہے جس نے صرف امام حسینؑ کے بچوں کو نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے تمام زن و مرد اور خور و کلاں کو یتیم و بے نور کیا تھا۔ اس شقی ازلی کے واصل جہنم ہونے کی کیفیت میں کافی اختلاف ہے جو کچھ عاشر بخار میں امالی شیخ طوسیؒ کے حوالہ سے مرقوم ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب شمر نے کوفہ سے چند آدمیوں سمیت<sup>۲</sup> بصرہ کی طرف (راہ فرار اختیار کی تو مختار نے ابو عمرہ کو ایک جماعت کے ساتھ (جن کی تعداد ایک سو تھی)<sup>۳</sup> اس کی تلاش میں بھیجا چنانچہ راستہ میں اس سے ٹک بھڑ ہو گئی۔ سخت خونریز جنگ لڑنے اور زخموں سے چور چور ہو جانے کے بعد اسے گرفتار کر کے مختار کے دربار میں لایا گیا۔ مختار نے حکم دیا کہ تیل کی دیگ گرم کی جائے۔ گرم ہونے کے بعد اس شقی کو اس میں ڈال دیا گیا۔ یہاں تک کہ بالکل نیست و نابود ہو گیا۔ ﴿وباء فی الدنیا قبل الآخرۃ بالذل و سوء العذاب﴾ نیز اس کے ہمراہیوں کو بھی تہ تیغ کیا اور ان کے سر قلم کر کے مقام ”رحبہ خدائین“ میں سولی پر لٹکا دیئے گئے۔<sup>۴</sup>

### حرمہ بن کاہل اسدی کا قتل

یہ وہی ملعون ہے جس نے تیرہ شعبہ سے شہزادہ علی اصغرؑ کی شمع حیات کو گل کیا تھا۔ منہال بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ میں مکہ سے واپسی (مدینہ میں) امام زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امامؑ نے فرمایا: حرمہ بن کاہل اسدی کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا کہ میں اسے زندہ کوفہ میں چھوڑ آیا ہوں۔ امامؑ نے آسمان کی طرف دست دعا بلند کر کے کہا: ﴿اللہم اذقہ حرّ الحدید اللہم اذقہ حرّ النار﴾ خداوند! اسے لوہے اور آگ کا ذائقہ

۱۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۲۳۔

۲۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۲۳۔

۳۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۲۳۔

۴۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۲۳۔



چکھا! جب میں واپس کوفہ پہنچا تو اس وقت مختار نے خروج کیا ہوا تھا۔ چونکہ میرے ان کے درمیان قدیمانہ راہ رسم محبت تھی۔ لہذا چند روز کے بعد ان سے ملنے کے لیے گیا۔ اس وقت مختار گھر سے باہر آ رہے تھے۔ مجھ سے دریافت کیا: اب تک کہاں رہے ہو؟ نہ ہماری امارت میں شریک ہوئے نہ ہی ہمیں مبارک باد دی۔ میں نے بتایا کہ میں مکہ گیا ہوا تھا۔ اب آیا ہوں۔ پھر میں ان کے ہمراہ چلنے لگا۔ جب کناسہ کے مقام پر پہنچا تو وہاں اس طرح رک گئے جیسے کسی کا انتظار کر رہے ہوں۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ایک جماعت آئی اور کہا: ﴿ایہا الامیر! البشارة، البشارة﴾ حملہ کو لایا جا رہا ہے چنانچہ جب اسے حاضر کیا گیا تو مختار نے خوش ہو کر کہا: ﴿الحمد لله الذي مكنی منك﴾ خدا کا شکر ہے جس نے مجھے تم پر غلبہ دیا۔ پھر جزار (قصاب) طلب کیا۔ اسے حاضر کیا گیا۔ حکم دیا: پہلے ایک ایک کر کے اس کی انگلیاں کاٹی جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پھر اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے۔ بعد ازاں دوسرے اعضاء و جوارح کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے۔ پھر آگ روشن کر کے اس کے نجس بدن کو اس میں ڈال دیا گیا یہاں تک کہ جل کر بالکل خاکستر ہو گیا۔ منہال کہتا ہے میں نے یہ واقعہ دیکھ کر صدائے تکبیر و تسبیح بلند کی۔

مختار نے اس تعجب خیز تکبیر و تسبیح کا سبب دریافت کیا۔ میں نے امام زین العابدینؑ کی ملاقات والا تمام واقعہ کہہ سنایا یہ سنتے ہی مختار گھوڑے سے اتر آئے۔ دو رکعت نماز پڑھی پھر طویل سجدہ شکر ادا کیا۔ پھر گھوڑے پر سوار ہوئے۔ واپسی پر جب میرے گھر کے پاس سے گزرنے لگے تو میں نے دعوت طعام دی۔ مختار نے کہا کہ تم نے ہی تو مجھے اطلاع دی ہے کہ میرے آقا علی بن الحسینؑ نے اس طرح دعا فرمائی تھی۔ جب خداوند عالم نے ان کی اس دعا کو میرے ہاتھوں پر مستجاب فرمایا ہے تو تم مجھے دعوت طعام دیتے ہو؟ میں کس طرح آج کھانا کھا سکتا ہوں۔ میں نے تو اس نعمت کے شکر یہ میں روزہ کی نیت کر لی ہے۔ منہال کہتے ہیں: میں نے کہا خدا آپ کو موفق فرمائے۔

### سید الشہداء کا ورس لوٹنے والے چند آدمیوں کا قتل

مختار نے ان لوگوں کی گرفتاری کے لیے اپنے آدمی بھیجے جنہوں نے دوسرے سامان کے علاوہ جناب سید الشہداء کا ورس (یعنی میں اگنے والا خوشبودار گھاس) لوٹا تھا کہ من جملہ ان کے زیاد بن مالک صنعی، عمرو بن خالد غنوی، عبد الرحمن بن ابی خشکارہ بجلی اور عبد اللہ بن قیس خولانی تھے جب ان کو پکڑ کر مختار کے سامنے لایا گیا تو مختار نے کہا: اے خدا کے نیک بندوں اور جوانانِ جنت کے سردار کو قتل کرنے والو! دیکھو خدا نے تم سے کس طرح انتقام لیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ورس تمہارے قبضہ میں کسی شخص دن میں آیا تھا پھر حکم دیا کہ ان کو بازار میں لے جا کر قتل کر دیا جائے چنانچہ وہاں



لے جا کر ان کو واصل جہنم کیا گیا۔<sup>۱</sup>

## حضرت امام حسینؑ کے قاتلوں میں سے ایک جماعت کا قتل

مختار کے آدمی ان لوگوں کو پکڑ کر لائے جنہوں نے سید الشہداءؑ اور آپ کے اعزاء و انصار کی شہادت میں حصہ لیا تھا۔ من جملہ ان کے ایک ابو الحنفیہ جعفی بھی تھا جس نے آنجنابؑ کی پیشانی اقدس پر تیر مارا تھا۔ دوسرا ابو قدامہ عامری جس نے جناب کے قلب و جگر پر وہ سخت تیر مارا تھا جسے آپؑ نے پس پشت سے کھینچا تھا۔ تیسرا صالح بن وہب تھا جس نے آپؑ کے پہلو میں نیزہ مارا تھا۔ چوتھا ابجر بن کعب تھا جس نے شہزادہ عبداللہ بن الحسنؑ کے بازو پر تلوار ماری تھی جس سے ہڈی کٹ گئی تھی۔ پانچواں ابو ایوب غنوی تھا جس نے تیر سے آنجنابؑ کے حلقوم کو زخمی کیا تھا۔ چھٹے اور ساتویں نصر بن خرشہ اور عمرو بن خلیفہ جعفی تھے جنہوں نے آنجنابؑ کو زخمی کیا تھا۔ آٹھویں اور نویں عبداللہ و عبدالرحمن پسران صلخت اور دسویں اور گیارہویں عثمان بن خالد و بشر بن حوط (سوط) تھے۔ جنہوں نے عبدالرحمن بن عقیل کو شہید کیا تھا۔ ان سب کو جناب مختار کے حکم سے سر بازار بڑی ذلت و خواری کے ساتھ واصل جہنم کیا گیا اور پھر ان کی نجس لاشوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔<sup>۲</sup>

## عمر بن سعد کا قتل

جن دنوں مختار نے خروج کیا تھا اور ان کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ عمر بن سعد ملعون روپوش ہو گیا تھا پھر کسی طرح عبداللہ بن جعدہ بن ہبیرہ کے ذریعہ سے جو کہ مختار کا مقرب بارگاہ تھا۔ مختار سے اپنے لیے امان نامہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر مختار نے امان نامہ میں کچھ ایسے ذومعنی الفاظ درج کئے تھے جن کی وجہ سے مناسب وقت پر اس ملعون کے نجس وجود سے زمین کو پاک کر سکتے تھے چنانچہ بعد ازاں وہ ظاہر ہو گیا اور گاہ بگاہ مختار کے دربار میں آنے جانے لگا۔ چند یوم کے بعد مختار نے حسب عادت مسجح الفاظ میں اعلان کیا: ﴿لَا قَتْلَ غَدًا رَجُلًا عَظِيمَ الْقَدَمَيْنِ. غَائِرَ الْعَيْنَيْنِ مَشْرُوفَ الْحَاجِبَيْنِ يَهْمُزُ الْأَرْضَ بِرَجُلِهِ يَسْرِ قَتْلَهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةَ الْمُقْرَبِينَ﴾ چونکہ یہ صفات بظاہر ابن سعد پر منطبق ہوتی تھیں اس لیے حاضرین میں سے ایک شخص (ہشتم نضحی) نے حقیقت حال سے مطلع ہو کر اپنے بیٹے (عربان) کو ابن سعد کے پاس بھیجا۔ چنانچہ ملعون صورت حال سے مطلع ہوا تو آدھی رات کے وقت گھوڑے پر سوار ہو کر راہ فرار اختیار کر لی مگر کچھ مسافت طے کرنے کے بعد زین کے قربوں پر سر رکھ کر سو گیا۔ اس کا سونا تھا کہ گھوڑا اسے واپس کوفہ لے آیا۔ جب آنکھ کھلی تو اپنے تئیں کوفہ کے محلوں میں پایا۔ پھر

۱۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۲۸۔ اصدق، ص ۵۵۔ کابل، ج ۳، ص ۳۷۰۔

۲۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۲۷۔ اصدق، ص ۵۶، ۵۵۔ کابل، ج ۳، ص ۳۷۰۔



جلدی سے اپنے گھر میں داخل ہو گیا۔ بقول مرزبانی جب ابن سعد کو مختار کے اس اعلان کی اطلاع ملی کہ میں کل فلاں فلاں صفات والے شخص کو قتل کروں گا تو اس نے بنی تمیم کے ایک بہادر مالک نامی آدمی کو چار سو دینار دے کر ہمراہ لیا اور راہ فرار اختیار کی۔ جب مقام حمام، امین و نہر عبدالرحمن پر پہنچا تو مالک سے کہا: تمہیں کچھ معلوم ہے کہ میں کوفہ سے کیوں نکلا ہوں؟ مالک نے کہا: نہیں۔ ابن سعد نے کہا: میں مختار سے خائف ہوں۔ یہ سن کر مالک نے کہا: تو نے یہ اقدام کر کے سخت غلطی کی ہے۔ تیرا یہ خیال غلط ہے۔ مختار تجھے ہرگز قتل نہیں کرتا۔ لیکن اگر اسے تیرے فرار کی اطلاع ملی تو وہ تیرے مکانات سہار کر دے گا اور جائیداد ضبط کر لے گا۔ ابن سعد اس کی باتوں آگیا اور واپس کوفہ چلا آیا مگر آتے ہی یہ احتیاطی کارروائی کی کہ اپنے لڑنے حفص کو مختار کے پاس تجدید عہد کے لیے بھیجا۔ چنانچہ حفص نے مختار کے پاس جا کر کہا کہ میرا باپ کہتا ہے کہ آیا میں حسب سابق امان میں ہوں؟ مختار نے کہا: تیرا باپ ہے کہاں؟ حفص نے کہا: گھر میں ہے۔ مختار نے کہا: بیٹھ جاؤ۔ حفص بیٹھ گیا۔ پھر مختار نے ابو عمرہ کو بلا کر اس کے کان میں کہا: عمر بن سعد کے گھر جاؤ۔ اور اسے جس حال میں پاؤ قتل کر دو اور اس کا سر میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ ابو عمرہ حسب الحکم اس کے گھر پہنچا۔ دیکھا کہ ابن سعد شب خوابی کے کپڑوں میں رخت خواب پر بیٹھا ہے۔ ابو عمرہ نے کہا: تمہیں حاکم (مختار) نے یاد کیا ہے۔ پھر سعد اٹھنے لگا مگر پاؤں کپڑے کے ساتھ الجھا۔ جس کی وجہ سے گر پڑا۔ ابو عمرہ نے اسی وقت تلوار میان سے نکالی اور اس کا سرتن سے جدا کر دیا۔ اس طرح جناب سید الشہداء کی ابن سعد کے متعلق بد دعا پوری ہو گئی کہ خدا تجھ پر ایسے شخص کو مسلط کرے جو تجھے تیرے رخت خواب میں ذبح کرے۔ بہر کیف ابو عمرہ نے پھر سعد کا سر مختار کے پاس حاضر کیا۔ مختار نے حفص سے کہا: آیا اس سر کو پہچانتے ہو۔ حفص نے کہا: ہاں! اس کے بعد اب زندگانی دنیا میں کوئی خیر و خوبی نہیں ہے۔ مختار نے کہا: تو نے سچ کہا ہے۔ پھر حکم دیا کہ اسے بھی اپنے باپ کے ساتھ ملحق کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس وقت مختار نے کہا: آیا عمر بن سعد حسین کی جگہ اور حفص علی اکبر کی جگہ ہو سکتا ہے؟ پھر خود ہی کہا: نہ بخدا! اگر میں قریش کی ایک تہائی بھی تہ تیغ کر دوں تو بھی یہ لوگ حسین کی ایک انگلی کے برابر بھی نہیں ہو سکتے! بعد ازاں مختار نے ابن سعد کا سر محمد بن الحنفیہ کے پاس مدینہ بھجوا دیا کیونکہ موصوف نے ابن سعد کو ڈھیل دینے پر مختار کی کچھ سرزنش کی۔ جب ملعون ابن سعد کا سر محمد بن الحنفیہ کے پاس پہنچا تو سجدہ شکر ادا کیا اور مختار کے حق میں دعائے خیر کی۔

### بجدل بن سلیم کلبی کا قتل

یہ وہی ملعون ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے جناب سید الشہداء کی انگوٹھی اتاری تھی اور اس کی



خاطر آنجناب کی انگلی قطع کی تھی۔ مختار کے حکم سے پہلے اس کی انگلیاں کاٹی گئیں، پھر ہاتھ اور پاؤں قلم کئے گئے اور وہ شقی اسی حالت میں تڑپ تڑپ کر واصل جہنم ہو گیا۔  
**زید بن رقاد کا قتل**

یہ وہی ملعون ہے جس نے ابی مخنف کے بیان کے مطابق شہزادہ عبداللہ بن مسلم کی پیشانی پر تاج کر تیر مارا تھا اور جب شہزادہ نے حفاظت کے لیے (۔۔۔) ہاتھ بلند کیا۔ تو وہ پیشانی کے ساتھ چھد گیا۔ مختار نے عبداللہ بن کامل کو اس کی گرفتاری کے لیے بھیجا۔ عبداللہ نے اپنے آدمیوں سمیت جا کر اس کے گھر کو گھیرے میں لیا۔ ناچار زید شمشیر برہنہ بکف ہو کر نکل آیا۔ مختار کے آدمی اس پر حملہ آور ہوئے۔ ابن کامل نے کہا: اسے تلواریں نہ مارو بلکہ صرف تیروں اور پتھروں کا نشانہ بناؤ۔ چنانچہ اس پر اس قدر تیر و پتھر برسائے گئے کہ ملعون گر پڑا ہنوز زندہ تھا کہ آتش جہنم سے پہلے اسے آتش دنیا کے حوالہ کر دیا گیا جس سے بہت جلد اس کی روح داروغہ جہنم کے پاس پہنچ گئی۔<sup>۱</sup>

### عمر بن صبیح (صدائی صیداوی) کا قتل

ابو مخنف کے علاوہ دوسرے عام اور باب مقاتل کے بیان کے مطابق شہزادہ عبداللہ بن مسلم کو اسی ملعون نے مذکورہ بالا کیفیت سے تیر مارا تھا۔ ایک بیان کے مطابق رات کے وقت جبکہ عام لوگ سو چکے تھے۔ مختار کے آدمی اس ملعون کی گرفتاری کے لیے اس کے گھر پہنچے۔ یہ مکان کی چھت پر سویا ہوا تھا۔ اور تلوار سر کے نیچے تھی۔ اسے تلوار سمیت گرفتار کر کے مختار کے پاس لایا گیا۔ اس نے کہا: میں نے صرف اصحاب حسین کو نیزے مارے تھے مگر کوئی آدمی قتل نہیں کیا تھا۔ مختار نے صبح تک اسے قید رکھا۔ صبح ہونے پر لوگوں کو حاضر ہونے کا اذن عام دیا۔ پھر حکم دیا کہ اسے اس قدر نیزے مارو کہ ہلاک ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جس سے وہ جہنم رسید ہو گیا۔<sup>۲</sup>

### قیس بن اشعث بن قیس کا قتل

یہ وہی ملعون ہے جس نے سید الشہداء کی شہادت کے بعد آپ کی چادر اتاری تھی۔ دینوری کے بیان کے مطابق اس نے عبداللہ بن کامل کے پاس پناہ لے لی تھی۔ عبداللہ نے مختار سے اس کا تذکرہ کیا تھا۔ مختار نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر باتوں باتوں میں عبداللہ سے کہا: اپنی انگلی تو دکھاؤ۔ عبداللہ نے انگلی اتار کر دکھائی۔ مختار نے اپنی انگشت میں پھن لی۔ پھر ابن کامل کو کسی کام کے لیے بھیج دیا۔ اور ابو عمرہ کو بلا کر کہا کہ ابن کامل کے گھر جاؤ اور اس کی

۱۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۳۱۔ اصدق، ص ۲۰۔

۲۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۳۰۔ اصدق، ص ۵۹۔ کامل، ج ۳، ص ۳۷۱۔

۳۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۳۲۔ اصدق، ص ۶۰۔ کامل، ج ۳، ص ۳۷۱۔



زوجہ کو اس کے شوہر کی یہ انگوٹھی بطور علامت دکھا کر کہو کہ میں قیس بن اشعث کو مل کر اس سے کچھ ایسی باتیں بتانا چاہتا ہوں کہ وہ مختار کے گزند سے محفوظ ہو جائے پھر جب قیس ملے تو فوراً اس کا سر قلم کر کے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ ابو عمرہ نے حسب ہدایت ایسا ہی کیا اور جب اس کا سر قلم کر کے مختار کے سامنے پیش کیا۔ تو مختار نے کہا: ﴿هَذَا بَقِطِيفَةُ الْحُسَيْنِ﴾ (یہ حسین کی چادر کا بدلہ ہے) اس وقت ابن کامل موجود تھا۔ اس نے شکوہ کے انداز میں مختار سے کہا: تم نے اس شخص کو قتل کیا جو میری پناہ میں تھا؟ مختار نے کہا: چپ رہو! کیا تم اس بات کو جائز سمجھتے ہو کہ قاتلین حسین کو پناہ دو۔

### سنان بن انس نخعی کا قتل

یہ وہی ملعون ہے جس نے روزِ عاشوراء اور جنایاتِ کثیرہ کے علاوہ سید الشہداء کو سخت کاری نیزہ مارا تھا بلکہ بہت سے علماء کے نزدیک آنجناب کا قاتل بھی یہی شقی ازلی ہے۔ مختار نے ایک جماعت کو اس کی گرفتاری کے لیے بھیجا۔ معلوم ہوا کہ وہ بصرہ کی طرف فرار ہو گیا۔ مختار کو یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا۔ اس کا گھر تباہ کر دیا۔ اور اس کا سراغ لگانے کے لیے کچھ جاسوس مقرر کئے۔ چنانچہ چند یوم کے بعد انہوں نے مختار کو اطلاع دی کہ سنان بصرہ سے قادسیہ کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ یہ سن کر مختار کو روحانی شادمانی ہوئی۔ اور ایک جماعت کو اس کی گرفتاری کے لیے قادسیہ روانہ کیا۔ چنانچہ اسے عذیب و قادسیہ کے درمیان گرفتار کر لیا گیا اور مختار کے سامنے پیش کیا۔ مختار نے حکم دیا کہ پہلے تو اس کی ایک ایک تمام انگلیاں قطع کی جائیں۔ پھر ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بعد ازاں روغنِ زیتون کی ایک دیگ گرم کی گئی۔ اس طرح کھولتے ہوئے تیل میں ملعون کو ڈال دیا گیا جس سے وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔<sup>۱</sup>

### مختار کا راہ فرار اختیار کرنے والوں کے مکانات کا مسمار کرانا

جن دنوں مختار کوفہ میں قاتلین سید الشہداء کو چن چن کر ہلاک کر رہے تھے۔ اس اثناء میں بہت سے ملائین کوفہ سے بھاگ کر اکثر بصرہ میں (مصعب بن زبیر کے پاس) چلے گئے۔ چنانچہ ان میں مرثد بن منقذ<sup>۲</sup> قاتل شہزادہ علی اکبر (عہد بن اشعث، عبد اللہ بن عمرو غنمی، عبد اللہ بن عقبہ غنوی (قاتل ابی بکر بن الحسین) شہب بن ربیع اور

۱۔ اخبار الطوال، ص ۲۶۴، طبع مصر۔

۲۔ تقام، ص ۶۲۷۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۴۴۔ اصدق، ص ۶۱۔

۳۔ اس کے بصرہ فرار کرنے کا باجرا کچھ اس طرح ہے کہ مختار نے اس کی گرفتاری کے لیے چند آدمی بھیجے جنہوں نے جا کر اس کے گھر کا گھیرا ڈال لیا۔ ملعون گھوڑے پر سوار اور مسلح ہو کر نکلا اور زد و خورد کرتا ہوا بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اسی اثنا میں اس کے بازو پر تلوار لگی جس سے وہ بازو شل ہو کر بیکار ہو گیا۔ کامل، ج ۳، ص ۳۷۱۔ تقام، ص ۶۲۷ وغیرہ۔



اسماء بن خارجہ فزاری وغیرہ بھی شامل تھے۔ مختار نے ان کے مکانات منہدم کر دیئے۔<sup>۱</sup>

### عبید اللہ بن زیاد، حسین بن نمیر اور شراحیل بن ذی الکلاع کا قتل

جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ مختار نے ابراہیم بن الاشتر کو ابن زیاد بدنہاد کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے لشکر جرار دے کر بھیجا تھا مگر کوفہ کی داخلی شورش کو فرو کرنے کے لیے ان کو واپس بلانا پڑا۔ جب وہ شورش موقوف ہو گئی اور داخلی حالات سازگار ہو گئے تو بعد ازاں مزید دو یوم قیام کرنے کے بعد پھر مختار نے ان کو بارہ بروایت نو اور بقولے کچھ کم بیس ہزار کا لشکر جرار دے کر ابن زیاد اور اہل شام کے ساتھ فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے بایسویں ذی الحجہ ۶۶ھ کو روانہ کیا۔ مختار کچھ دور تک ان کی مشالعت کے لیے ہمراہ گئے۔ اور ضروری ہدایات و وصایا کرنے کے بعد واپس آ گئے۔ ابراہیم نے بڑی سرعت کے ساتھ منازل سفر طے کرتے ہوئے موصل سے پانچ فرسخ اس طرف نہر خاذر پر پہنچ کر اسے اپنا لشکر گاہ قرار دے دیا۔ دوسری طرف سے ابن زیاد بھی تیس<sup>۲</sup> ہزار اور بقول ابن نما اس سے بھی زیادہ لشکر کے ساتھ موصل پر قبضہ کرتے ہوئے آ گئے بڑھ آیا اور ابراہیم کے لشکر کے قریب ڈیرے ڈال دیئے۔ ابن زیاد کے ایک رئیس لشکر عمیر سلمی نے ابراہیم کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ رات کے وقت خلوت میں ان سے ملنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ رات کے وقت اپنے ایک اور ساتھی فرات بن سالم (ابراہیم ن۔ د) کے ہمراہ ابراہیم کے پاس آیا اور کہا کہ اگرچہ میں اور میری قوم ابن زیاد کے ہمراہ ہیں مگر میں اپنی قوم مسیت بنی مروان کو برا سمجھتا ہوں۔ کل جب جنگ شروع ہوگی تو ابن زیاد کے میسرہ کی کمان میرے ہاتھ میں ہوگی۔ تم میسرہ پر حملہ کرنا ہم راہ فرار اختیار کریں گے۔ اس طرح بہت جلد آپ کو فتح و کامرانی حاصل ہو جائے گی۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ اس کی باتیں صداقت پر مبنی تھیں۔ مگر وہ دوسرے روز حسب وعدہ بوجہ خوف ننگ و عار جلدی راہ فرار اختیار نہ کر سکا بلکہ سخت جنگ کے بعد جب پہلے ابن زیاد کے کچھ اور آدمیوں نے میدان جنگ سے منہ موڑا تب اس نے بھی میدان چھوڑا۔<sup>۳</sup>

ابراہیم بن الاشتر اس رات ہرگز نہ سوسکا بلکہ تمام رات لشکر کو مرتب کرنے اور ان کو دشمن کے ساتھ فیصلہ کن جنگ و جدال کرنے پر ترغیب و تحریص دلانے میں مشغول رہا۔<sup>۴</sup> وہ تمام لشکر سے برابر یہی کہتا تھا۔ اے ناصران دین و ہعیان امیر المؤمنین! تمہارے سامنے عبید اللہ بن مرجانہ موجود ہے۔ جو حسین بن فاطمہ بنت رسول کا قاتل ہے۔ یہ وہی ہے جو حسین اور ان کے اہل و عیال اور نہر فرات کے درمیان حائل ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ العطش العطش کرتے ہوئے شہید کر دیئے گئے۔ اسی نے ان کے لیے چوڑی چنگلی زمین کا دامن تنگ کر دیا تھا حتیٰ کہ ان کو اور ان کے اہل

۱۔ تذکرۃ الخواص، ص ۲۸۶، طبع النجف۔

۲۔ کامل، ج ۳، ص ۳۸۰۔

۳۔ اصدق، ص ۶۲، فرسان، ج ۲، ص ۲۳۵۔

۴۔ کامل، ج ۳، ص ۳۸۰، تقام، ص ۶۳۷ وغیرہ۔



بیت کو شہید کر دیا۔ بخدا فرعون نے بنی اسرائیل کے ساتھ ایسا سلوک نہ کیا تھا جو ابن مرجانہ نے ذریت رسول کے ساتھ کیا۔ بخدا مجھے امید ہے کہ خدا تمہارے ہاتھوں سے اس کا خون بہا کر تمہارے دلوں کو شفا دے گا اور تمہیں فتح و فیروزی عطا فرمائے گا۔ نماز صبح کے بعد طرفین کے لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف بستہ ہو گئے۔ اور سواروں پر شراہیل بن ذی الکلاع الحمیری کو کمانڈر مقرر کیا۔<sup>۱</sup> اور ابراہیم نے اس طرح اپنا لشکر ترتیب دیا کہ میمنہ پر سفیان بن یزید، میسرہ پر علی بن مالک، سواروں پر طفیل بن القیظ اور پیادوں پر مزاحم بن مالک کمانڈر مقرر کیا۔<sup>۲</sup> پہلے پہل ابن زیاد کے لشکر سے ابن ضبعان کلبی رجز پڑھتا ہوا نکلا اور مبارز طلب کیا۔ ادھر ابراہیم کے لشکر سے احوص بن شداد ہمدانی رجز پڑھتا ہوا مقابلہ کے لیے نکلا۔ احوص نے کلبی سے نام پوچھا۔ اس نے کہا: میرا نام ”منازل الابطال“ ہے۔ احوص نے کہا: میرا نام مقرب الآجال ہے۔ پھر اس چابک دستی سے اس پر تلوار ماری کہ ایک ہی وار میں واصل جہنم کر دیا۔ پھر داؤد دمشقی مقابلہ کے لیے نکلا۔ احوص نے اس کو بھی ایک ہی وار میں داروغہ جہنم کے سپرد کر دیا۔ پھر واپس صف میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ بعد ازاں ابن زیاد اور آگے بڑھا۔ جب دونوں لشکر بالکل ایک دوسرے کے قریب آ گئے تو یہ کیفیت دیکھ کر حصین بن نمیر نے جو لشکر شام کے میمنہ کا افسر تھا اپنے سپاہیوں کو لٹکارتے ہوئے اور رجز پڑھتے ہوئے ابراہیم کے میسرہ لشکر پر حملہ کر دیا۔ ابراہیم کے لشکر سے شریک تغلی شعلہ بڑالہ کی طرح رجز پڑھتے ہوئے اس ملعون پر ٹوٹ پڑا۔ اور باہم گھٹم گھٹا ہو گئے۔ اور دو چار بار باہمی رد و بدل کے بعد شریک نے اسے ایسی کاری ضرب لگائی کہ اس شفی کی پلید روح واصل جہنم ہو گئی۔

بہر حال یہ حملہ اس قدر سخت تھا کہ ابراہیم کے میسرہ لشکر کا افسر علی بن مالک الجشمی کام آ گیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے قرہ بن علی نے علم سنبال لیا بلکہ ابراہیم کے میسرہ میں کچھ بھگدڑ بھی مچنے لگی۔ اس وقت میسرہ کا علم عبد اللہ بن ورقا کے ہاتھ میں تھا مگر ابراہیم کے شیرانہ تابڑ توڑ حملوں نے جنگ کا پانسہ بدل کے رکھ دیا۔ وہ پھرے ہوئے شیر کی طرح جدھر کا رخ کرتا کشتوں کے پستے لگا دیتا۔ راویان اخبار کا بیان ہے کہ گھسان کارن پڑ رہا تھا۔ اور طرفین سے نیزوں، تیروں اور تلواروں کی بارش برس رہی تھی۔ اور لوہے سے لوہے کے ٹکرانے کی وجہ سے اس قدر شور بلند تھا کہ میدان جنگ لوہاروں کا بازار معلوم ہوتا تھا۔ تلواروں سے تلواریں ٹکرا کر چنگاریاں برسانے لگیں اور غبار جنگ نے فلک نیلگوں کو تاریک کر دیا۔ اسی اثناء میں نماز ظہر کا وقت آ گیا۔ اصحاب ابراہیم نے تکبیر اور اشارہ کے ساتھ نماز پڑھی۔ دونوں طرف سے کثیر التعداد آدمی مارے گئے۔ اب ابن زیاد کے لشکر نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ بعض نے راہ فرار اختیار کی۔ اس وقت عمیر سلمی نے بھی میسرہ سمیت میدان چھوڑ دیا۔ اب تو ابن زیاد کے لشکر میں بری طرح بھگدڑ



مچ گئی۔ ابراہیم کے سپاہی ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ دوسری طرف نہر خازر تھی۔ شامی اندھا دھند اس میں گر رہے تھے۔ اتنے میدان میں نہیں قتل ہوئے ہوں گے جس قدر اس نہر میں ڈوب کر ہلاک ہوئے۔ ابراہیم کے لشکریوں کو بہت کچھ مال غنیمت ہاتھ آیا نیز اسی جنگ مغلوبہ میں شرجیل بن ذی الکلاع الحمری بھی جو شامیوں کا بہت بڑا جرنیل تھا۔ مارا گیا اور اس طرح میدان اہل عراق کے ہاتھ رہا اور خداوند عالم نے ابراہیم کو نمایاں فتح و فیروزی عطا فرمائی۔ جب جنگ موقوف ہو گئی اور ابراہیم کے آدمی مال غنیمت جمع کرنے سے فارغ ہو چکے تو ابراہیم نے ان سے کہا: میں نے اثناء جنگ میں ایک ایسے شخص کو نہر خازر کے کنارے قتل کیا ہے جو ایک منفرد علم کے نیچے تھا اور اس سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ میں نے اسے تلوار کے ایک بھر پور وار سے دو نیم کر دیا۔ اس کے ہاتھ مشرق کی طرف اور پاؤں مغرب کی جانب تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ابن زیاد تھا جاؤ اسے تلاش کرو۔ چنانچہ اس ملعون کی تلاش شروع ہوئی بالآخر اس کا جھیل مل گیا۔ جب اس کی شناخت کر لی گئی کہ یہ ابن زیاد بدنہاد ہی ہے تو ابراہیم نے سجدہ شکر ادا کیا۔ پھر حکم دیا کہ اس کا سرتن سے جدا کر لیا جائے پھر اس کے نجس بدن کو پہلے الناسولی پر لٹکوا دیا۔ بعد ازاں اسے نذر آتش کر دیا گیا۔ اور ابن زیاد، حصین بن نمیر اور شرجیل وغیرہ سرداران لشکر شام کے سر مختار کے پاس بھجوا دیئے گئے۔ یہ روز عاشوراء ۶۱ھ یعنی سید الشہداء کے شہادت کے پورے چھ برس بعد انہی کے یوم شہادت کا واقعہ ہے۔ جب مختار کے پاس سر پہنچے تو وہ اس قدر مسرور و شاد کام ہوئے۔ قریب تھا کہ فرط مسرت سے رونے لگیں۔ جب ابن زیاد کا نجس سر مختار کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ کھانا کھانے میں مشغول تھے، اٹھے اور اس کے منہ پر لاتیں ماریں۔ پھر جوتا اتار کر غلام کو دیتے ہوئے فرمایا کہ اسے پاک کرو کیونکہ میں نے اسے ایک نجس کافر کے منہ کے ساتھ چھوا ہے۔ پھر حکم دیا کہ ان سروں کو وہاں رکھا جائے جہاں جناب سید الشہداء کا سر مبارک رکھا گیا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بعد ازاں ان کو وہاں سولی پر لٹکایا گیا جہاں حضرت امام حسینؑ کا سر مبارک نصب کیا گیا تھا۔ وارد ہے کہ جب ابن زیاد کا سر مختار کے سامنے رکھا گیا تو ایک باریک سانپ آیا جو اس ملعون کے منہ میں داخل ہوا اور ناک کے سوراخ سے نکل گیا۔ پھر ناک سے داخل ہوا اور منہ سے نکل گیا۔ اس نے کئی بار ایسا ہی کیا۔ اور جب سر سولی پر لٹکا ہوا تھا تو پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ بروایت تین دن تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ اس کے بعد مختار نے ابن زیاد، حصین بن نمیر اور شرجیل بن ذی الکلاع کے سر مع تمیں ہزار دینار کے مکہ میں جناب محمد بن الحنفیہ کے پاس بھجوا دیئے۔ اور اس مضمون کا ایک مکتوب بھی ہمراہ ارسال کیا کہ ۱۰۰۰۰ بعثت انصارکم و شیعتکم الی عدوکم فخرجوا محتسین آسفین فقتلوہم فالحمد للہ الذی

۱۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۳۵ تا ۲۳۹۔ اصدق، ج ۲، ص ۶۲ تا ۷۰۔ کامل، ج ۳، ص ۳۷۷ تا ۳۸۱۔

۲۔ اصدق، ص ۷۰۔ تذکرۃ الخواص، ص ۲۸۶۔ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۳۸۱ وغیرہ۔



ادرك لكم النار و اهلكم في كل فج عميق و شفى الله صدور قوم مؤمنين ﴿ جب یہ سر محمد بن الحنفیہ کے پاس پہنچے تو وہ سجدہ باری میں گر گئے۔ اور مختار کے حق میں دعائے خیر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿جزاه الله المختار خیر الجزاء فقد ادرك لنا نارنا و وجب حقہ علی کل من ولده عبد المطلب بن ہاشم﴾۔ پھر ابن الاثیر کے حق میں بھی دعائے خیر کی۔ بعد ازاں یہ سر مدینہ میں حضرت امام زین العابدینؑ کی خدمت میں بھجوا دیئے۔ جب امامؑ کی خدمت میں سر حاضر کئے گئے۔ اس وقت آپ کھانا تناول کرنے میں مشغول تھے۔ فوراً سجدہ شکر میں سر رکھ دیا۔ پھر سر بلند کرنے کے بعد خدا کی حمد و ثنا اور مختار کے حق میں دعائے خیر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿الحمد لله الذی ادرك لی ثاری من عدوی و جزء الله المختار خیراً﴾ پھر فرمایا: جب ہمیں دربار ابن زیاد میں پیش کیا گیا اس وقت وہ کھانا کھانے میں مشغول تھا اور میرے والد ماجد کا سر اقدس اس کے سامنے رکھا ہوا تھا اس وقت میں نے یہ دعا کی تھی کہ ﴿اللهم لا تمننی حتی ترینی رأس ابن زیاد﴾ بار الہا! مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک اسی طرح ابن زیاد کا سر مجھے دکھانہ دے۔ اس طرح قاتلان سید الشہداء عذاب آخرت سے پہلے دنیوی عذاب میں گرفتار ہوئے اور جو قتل سے بچ گئے وہ نابینائی، چہرہ کی سیاہی وغیرہ آفات و بلیات میں گرفتار ہو گئے۔ جیسا کہ زہری سے مروی ہے: ﴿ما بقی منهم احد الا و عوقب فی الدنیا اما بالقتل او العمی او سواد الوجه او زوال الملک فی مدة یسیرة﴾ (تذکرۃ الخواص، ص ۲۸۰) اس طرح ان نابکاروں کے بارے میں سید الشہداء کی وہ بددعا پوری ہوئی جو اس طرح کی تھی: ﴿اللهم اشہد علی هؤلاء القوم فانہم دعونا لینصرونا ثم عدوا علینا یقاتلوننا اللهم امنعہم برکات الارض و فرقہم تفریقاً و مزقہم تمزیقاً و اجعلہم طرائق قددا و لا ترض الولاۃ عنہم ابدأ و اقتلہم بددا و لا تغادر منهم احدا﴾۔

(فرسان السیاح، ج ۲، ص ۲۲۷)

### مختار کا ہنگام وفات

حالات کا بنظر غائر جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرتِ کاملہ مختار سے جو کام لینا چاہتی تھی۔ وہ لے چکی تھی اور ان کامشن پایہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا اس لیے بارگاہ ایزدی سے جلد ان کا بلاوا آ گیا۔ اس امر کا اظہار خود مختار نے بھی ابتداء امر میں کیا تھا کہ جب میں خاندان نبوت کا انتقام لے کر اہل ایمان کے دلوں کو شفا دے دوں تو پھر مجھے کوئی پروا نہیں کہ میری سلطنت زائل ہو جائے اور پیک اجل آ جائے (جیسا کہ پہلے تفصیل گزر چکی ہے)۔ مختار نے اپنے اٹھارہ ماہ دور حکومت میں قاتلین سید الشہداء میں سے اٹھارہ ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔ اور اگر نہر خازر کے مقتولین کو بھی



ساتھ شامل کر لیا جائے تو ان کی تعداد اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب تک مختار بنی امیہ اور ان کے ہوا خواہوں سے نہرو آزما تھے۔ عبداللہ بن زبیر اور اس کے ہوا خواہ خاموش تھے۔ کیونکہ بنی امیہ ان دونوں کے مشترکہ دشمن تھے۔ البتہ جب مختار اس طرف سے فارغ ہوئے تو عبداللہ بن زبیر اور ان کے عمال نے شاید اس اندیشہ سے کہ کہیں مختار ان کے خلاف اعلان جنگ نہ کر دیں۔ خود پیش قدمی میں مصلحت دیکھی۔ چنانچہ اس کا بھائی مصعب بن زبیر نے جو کہ بصرہ کا گورنر تھا۔ غالباً عبداللہ کے حکم سے ایک لشکر جرار کے ساتھ کوفہ پر چڑھائی کر دی۔ اس لشکر میں اکثر وہ لوگ تھے جو کوفہ سے بھاگ کر بصرہ پہنچے تھے۔ ادھر مختار کی جمعیت پر اگندہ تھی۔ کیونکہ زیادہ تر فوج ابراہیم کے پاس تھی اور وہ ”فتح خازر“ کے بعد وہیں بمقام نصیبین قیام پذیر ہو گئے تھے۔ لہذا مختار نے نہایت عجلت میں صرف چار ہزار کا لشکر ترتیب دیا۔ اور کوفہ سے نکل کر مقام ”حمام اعین“ (بقولے بمقام نہر البصرین) پر مصعب کے مقابلہ کے لیے پہنچ گئے۔ مصعب بھی اپنی جمعیت کے ساتھ مقابل میں آ کر جم گیا۔ اور پہلے مختار سے ابن زبیر کی بیعت کا مطالبہ کیا۔ مختار نے انکار کرتے ہوئے اس کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ پہلے ہم دونوں فریق مل کر دشمنان آل رسول کو ختم کریں۔ پھر باہمی مشورہ سے اہل بیت رسول میں سے جس شخص پر اتفاق ہو گیا اس کی بیعت کر لیں گے۔ اسے مصعب نے منظور نہ کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ طرفین سے آتش جنگ مشتعل ہو گئی۔ اس جنگ میں مختار کے کئی سربراہ آوردہ اور مخلص ساتھی کام آ گئے اور اکثر تاب مقابلہ نہ لاتے ہوئے راہ فرار اختیار کر گئے۔ مخالف کا کوئی خاص نقصان نہ ہوا۔ البتہ ایک مشہور دشمن اہل بیت یعنی محمد بن اشعث واصل جہنم ہو گیا۔<sup>۱</sup> مختار اپنے چند مخلص ساتھیوں کے ساتھ واپس کوفہ لوٹ کر قصر دارالامارہ میں قلعہ بند ہو گئے۔ اس طرح مصعب بلا مزاحمت کوفہ میں داخل ہو گیا اور دارالامارہ کا محاصرہ کر لیا۔ بقول دینوری اس محاصرہ نے چالیس یوم تک طول کھینچا۔<sup>۲</sup> اس طرح مختار کا ازدقہ ختم ہونے لگا۔ اور ان پر قافیہ زیست تنگ ہونا شروع ہو گیا۔ لہذا مختار نے زندگانی دنیا سے مایوس ہو کر غسل کیا۔ حنوط کیا اور خوشبو لگائی۔ اپنی زوجہ ام ثابت وغیرہا کو الوداع کہا۔ پھر باہر نکل کر اپنے چند جانثاروں کے ساتھ دلیرانہ و مجاہدانہ انداز میں داد شجاعت دیتے ہوئے زندگانی دنیا سے منہ موڑتے ہوئے ہمیشہ کے لیے عروس موت سے ہمکنار ہو گئے۔ ظالموں نے ان کا سر بدن سے جدا کر کے مصعب کے سامنے پیش کیا۔ پھر مصعب نے اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کے پاس مکہ بھیج دیا۔ یہ ۱۴ ماہ رمضان ۶۶ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت ان کی عمر سرسٹھ (۶۷) برس تھی۔<sup>۳</sup> اس سلسلہ میں چھ ہزار آدمی مارے گئے۔<sup>۴</sup> مصعب بد نہاد کی آتش کینہ و عناد اس پر بھی نہ بجھی۔ بلکہ مختار کی دونوں بیویوں ام ثابت بنت سمرہ بن جندب اور عمرہ بنت نعمان بن بشیر انصاری کو گرفتار

۱۔ الاخبار الطوال، ص ۲۶۷۔ کامل، ج ۳، ص ۳۸۳۔

۲۔ الاخبار الطوال، ص ۲۶۷۔

۳۔ فرسان، ج ۲، ص ۲۳۱۔ الاخبار الطوال، ص ۲۶۸۔ کامل، ج ۳، ص ۳۸۸۔

۴۔ کامل، ج ۳، ص ۳۸۸۔



کر کے مختار سے اظہارِ برأت پر مجبور کیا۔ چنانچہ ام ثابت، ثابت قدم نہ رہ سکی اور اظہارِ برأت کر کے اپنی گلو خلاصی کرا لی مگر عمرہ آخر تک اپنے انکار پر قائم رہی۔ اور اس انکار کی اسے یہ قیمت ادا کرنا پڑی کہ مصعب کے حکم سے ”جبانہ“ میں لے جا کر اس کی گردن اڑادی گئی۔ بعض شعراء نے اس کے مرثیے کہے۔ ایک مرثیہ کے چند شعر یہ ہیں۔

ان من اعجب العجائب عندی قتل بیضاء حرة عطبول

قتلوها بغير ذنب سفاها ان لله درها من قتل

كتب القتل و القتال علینا و علی المحصنات جز الذیول

اگرچہ اس کے ساتھ مختار کی ظاہری زندگی کا خاتمہ ہو گیا اور نفس کی آمد و رفت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ مگر جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ قدرتِ کاملہ مختار سے جو کام لینا چاہتی تھی وہ اس کی تکمیل کی سعادت حاصل کر کے بارگاہِ ذوالجلال والا کرام سے بقاءِ دوام کا انعام حاصل کر چکے تھے۔ اب زمانہ کروڑوں کروٹیں بدلے، لیل و نہار لاکھوں بار گردش کریں۔ انقلاب روزگار ہزاروں بار کوشش کرے آفتاب و مابتاب سینکڑوں بار طلوع و غروب کریں مگر کیا مجال کہ مختار کے نام و کام کو صفحہ ہستی سے مناسکیں۔ گویا مختار زبانِ حال سے پکار رہے ہیں۔

افلت شمس الاولین و شمسنا ابدأ علی افق العلی لا تغرب

سچ ہے

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جائے دیگر است

و اخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین و صلی اللہ علی سیدنا خاتم النبیین و عترتہ الطاہرین المعصومین اللہم اجعل سعی هذا لوجهک الکریم و اجعله ذخراً لى و لو الدی و لاساتیدی و خلص تلامیدی و کمل اخوانی المؤمنین لیوم لا ینفع فیہ مال و لا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم و اجعلنی من ورثة جنت نعیم ربنا تقبل منا انک انت السميع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم برحمتک یا ارحم الراحمین. آمین یا رب العالمین بجاه النبی و الہ الطاہرین صلوات اللہ علیہ و علیہم اجمعین قد تم الكتاب بعون اللہ الوهاب فی لیلة العشرین من ذی القعدة الحرام ۱۳۸۹ھ من ہجرة سید الانام علیہ و علی الہ الصلوٰۃ و السلام المصارف للتسع و العشرین من جنوری ۱۹۷۰ء فی الساعة التاسعة و الربع

اللہم صل علی محمد و آل محمد۔



## اسلامک بک سینٹر اسلام آباد

ہمارے ادارے کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ عوام کو مستند علمی کتب اعلیٰ پرنٹنگ کے ساتھ مہیا کی جائیں۔

یہ ادارہ ”ایلیا“ ”اوم اور علی“ اور ”نماز شیعہ“ کی اشاعت کے بعد واقعات کربلا پر ایک جامع علمی اور تحقیقی کتاب

### ”سعادۃ الدارین فی مقتل الحسین“

شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔

یوں تو واقعات کربلا پر بہت سی کتب شائع ہو چکی ہیں لیکن قاری کے لیے مستند واقعات تلاش کرنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ اس کتاب میں مؤلف نے انتہائی تحقیق کے بعد مستند واقعات کو جمع کیا ہے۔ امید ہے یہ کتاب علمی حلقوں میں بہت زیادہ پسند کی جائے گی۔

(نوٹ): ہر قسم کے اسلامی موضوعات پر کتب، علمائے کرام کی آڈیو / ویڈیو کیشیں اور CD's کی خریداری کے لیے رابطہ فرمائیں۔

سید عمار رضا کاظمی

اسلامک بک سینٹر، C-362، گلی نمبر 12، سیکٹر 6/2-G، اسلام آباد

فون نمبر 2870105